سیرۃ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مؤلف : حکیم محمود احمد ظفر

تخلیقات

علی پلازہ، 3- مزنگ روڈ لاہور، فون: 7238014
Web Site: http://www.takhleeqat.com
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

۲۹۷.۹۲۲
ط ۹۵ ۲
۷۲۷۵۵

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : سیرۃ حضرت عمر فاروقؓ

ناشر: تخلیقات' لاہور

اہتمام : لیاقت علی

ٹائٹل : ریاظ

کمپوزنگ : بلھے شاہ کمپوزنگ سینٹر' لاہور

پرنٹر: علی فرید پرنٹرز' لاہور

تاریخ اشاعت : 2007ء

ضخامت : 896 صفحات

قیمت : 550 روپے

☆ کتاب کی اشاعت میں انسانی استعداد کی حد تک ہر ممکن احتیاط کی جاتی ہے۔ تاہم کسی قسم کی سہو کا احتمال بہر حال رہتا ہے۔ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزرے تو براہِ کرم ادارہ "تخلیقات" کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کی جا سکے۔

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۱)	پیش لفظ	۹
(۲)	سیدنا عمر بن خطابؓ.....نام ونسب	۱۲
(۳)	خاندان	۱۴
(۴)	پیدائش	۱۸
(۵)	فکر معاش	۲۱
(۶)	قریش کی سفارت	۲۶
(۷)	عمرؓ کی بارعب شخصیت	۲۶
(۸)	عمرؓ حلقہ اسلام میں	۳۳
(۹)	عمرؓ کا اسلام لانا	۳۴
(۱۰)	قریش مکہ کو اطلاع	۴۵
(۱۱)	قریش کی سختیوں میں اضافہ	۵۲
(۱۲)	عمرؓ راہِ ہجرت میں	۵۷
(۱۳)	سیدنا عمرؓ مدینہ طیبہ میں	۶۴
(۱۴)	قبا میں قیام	۶۴
(۱۵)	مسجد قبا کی تعمیر	۶۶
(۱۶)	اسلامی مواخات	۶۷
(۱۷)	اذان۔ سیدنا عمرؓ کی رائے کے مطابق	
(۱۸)	ثالث بنائے جانے کی تمنا	۷۱
(۱۹)	غزوات نبوی اور سیدنا عمرؓ	۷۴
(۲۰)	غزوہ بدر اور سیدنا عمرؓ	۷۶
(۲۱)	غزوہ احد اور سیدنا عمرؓ	۷۷
(۲۲)	رسول اللہ ﷺ سے سسرالی رشتہ	۸۷
(۲۳)	بنو نضیر کی جلاوطنی	۹۲
(۲۴)	غزوہ بنی المصطلق اور سیدنا عمرؓ	۹۴
(۲۵)	غزوہ احزاب اور سیدنا عمرؓ	۹۶
(۲۶)	معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عمرؓ	۹۸
(۲۷)	سیدنا عمر کا اپنی کافر بیویوں کو	۱۰۱
	طلاق دینا	۱۰۹
(۲۸)	غزوہ خیبر اور سیدنا عمرؓ	۱۰۹
(۲۹)	عمرۃ القضاء اور سیدنا عمرؓ	۱۱۳
(۳۰)	فتح مکہ اور سیدنا عمرؓ	۱۱۵
(۳۱)	غزوہ حنین اور سیدنا عمرؓ	۱۲۰
(۳۲)	غزوہ تبوک اور سیدنا عمرؓ	۱۲۲
(۳۳)	واقعہ ایلا	۱۲۵
(۳۴)	واقعہ قرطاس	۱۲۸
(۳۵)	وفات رسول اللہ ﷺ	۱۳۳
(۳۶)	سیدنا عمرؓ عہد صدیقی میں	۱۳۷
(۳۷)	بیعت عامہ	۱۴۱
(۳۸)	جیش اسامہ اور سیدنا عمرؓ	۱۴۵
(۳۹)	مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں سیدنا عمر کی رائے	۱۴۸
(۴۰)	جمع قرآن اور سیدنا عمرؓ	۱۴۹
(۴۱)	عراق وشام کی فتح کی ترغیب	۱۵۱
(۴۲)	خلافت اسلامیہ کے لئے سیدنا عمرؓ کی نامزدگی	۱۵۴
(۴۳)	کیا اسلام میں نامزدگی جائز ہے؟	۱۵۹
(۴۴)	خلافت فاروقی کا آغاز	۱۶۲
(۴۵)	مثنیٰ کون ہے؟	۱۶۷
(۴۶)	ابو عبیدؓ سرزمین عراق میں	۱۷۱
(۴۷)	معرکہ جسر	۱۷۵
(۴۸)	معرکہ بویب	۱۸۰
(۴۹)	جنگ قادسیہ	۱۸۷
(۵۰)	رستم میدان جنگ میں	۲۰۱
(۵۱)	جنگ کا آغاز	۲۰۴
(۵۲)	جنگ کا دوسرا دن	۲۱۱
(۵۳)	جنگ کا تیسرا دن	۲۱۹
(۵۴)	فتح مدائن	۲۳۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۵۵)	معرکہ جلولا	۲۵۰
(۵۶)	حلوان پر قبضہ	۲۵۶
(۵۷)	جزیرہ اور تکریت کی فتح	۲۵۶
(۵۸)	فتوحات شام	۲۵۹
(۵۹)	دمشق کی فتح	۲۶۰
(۶۰)	حمص کی فتح	۲۶۱
(۶۱)	قنسرین کی فتح	۲۶۳
(۶۲)	مسلمانوں کا انطاکیہ پر قبضہ	۲۶۶
(۶۳)	فحل کی فتح	۲۶۸
(۶۴)	جنگ یرموک	۲۷۰
(۶۵)	بیت المقدس کی فتح	۲۸۴
(۶۶)	حمص پر قبضہ کی دوبارہ کوششیں	۲۹۱
(۶۷)	سیدنا خالدؓ کی معزولی	۲۹۷
(۶۸)	عرب میں قحط	۳۱۲
(۶۹)	طاعونِ عمواس	۳۱۷
(۷۰)	خوزستان کی فتح	۳۲۲
(۷۱)	ہرمزان مدینہ طیبہ میں	۳۲۸
(۷۲)	معرکۂ نہاوند	۳۳۲
(۷۳)	عراق پر عام لشکر کشی	۳۴۱
(۷۴)	اصفہان کی فتح	۳۴۳
(۷۵)	ہمدان کی بغاوت	۳۴۵
(۷۶)	رے کی فتح	۳۴۶
(۷۷)	آذربائیجان کی فتح	۳۴۸
(۷۸)	طبرستان کی فتح	۳۴۹
(۷۹)	آرمینیہ کی فتح	۳۴۹
(۸۰)	فارس کی فتح	۳۵۱
(۸۱)	کرمان کی فتح	۳۵۲
(۸۲)	سجستان کی فتح	۳۵۳
(۸۳)	مکران کی فتح	۳۵۴
(۸۴)	خراسان کی فتح	۳۵۴
(۸۵)	مصر کی فتح	۳۵۹
(۸۶)	اسکندریہ کی فتح	۳۷۳
(۸۷)	سیدنا عمرؓ کی شہادت	۳۸۳
(۸۸)	قتل ایک سازش؟	۴۰۶
(۸۹)	سیدنا عمرؓ کی مخالفت کے اسباب	۴۱۰
(۹۰)	یہود مدینہ کی مخالفت	۴۱۱
(۹۱)	یہود کی خیبر سے جلاوطنی	۴۱۳
(۹۲)	سیدنا عمرؓ کی مخالفت	۴۱۴
(۹۳)	سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات	۴۲۲
(۹۴)	فاروقی فتوحات پر ایک نظر	۴۲۴
(۹۵)	نظام حکومت	۴۳۱
(۹۶)	سیدنا عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری	۴۳۲
(۹۷)	ایک مغالطہ اور اس کا جواب	۴۳۹
(۹۸)	مجلس شوریٰ اور اس کے اراکین کا انتخاب	۴۴۴
(۹۹)	ملک کی تقسیم	۴۵۱
(۱۰۰)	عمال کا تقرر	۴۵۳
(۱۰۱)	عہدیداروں کی تنخواہیں	۴۵۷
(۱۰۲)	گورنروں کے فرائض	۴۵۷
(۱۰۳)	گورنروں کے اثاثوں کی فہرست	۴۵۹
(۱۰۴)	حج میں گورنروں کی حاضری	۴۵۹
(۱۰۵)	عاملوں کی تحقیقات کا محکمہ	۴۶۰
(۱۰۶)	احتساب	۴۶۰
(۱۰۷)	عہدِ فاروقی کے بعض عہدیداران کے نام	۴۶۸
(۱۰۸)	مالی نظام	۴۷۱
(۱۰۹)	ریاست کے ذرائع آمدنی اور مصارف	۴۷۱
(۱۱۰)	خراج	۴۷۱
(۱۱۱)	مصر کی مال گزاری	۴۷۸
(۱۱۲)	شام سے خراج کی آمدنی	۴۸۰
(۱۱۳)	قانونِ مال گزاری میں فاروقی اصلاحات	۴۸۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۱۱۴)	زراعت کی ترقی کے ذرائع	۴۸۳
(۱۱۵)	احیاء موات	۴۸۳
(۱۱۶)	غیر مملوکہ زمینوں کے بارہ میں اعلان	۴۸۴
(۱۱۷)	زراعت کی حفاظت	۴۸۵
(۱۱۸)	آب پاشی کے ذرائع	۴۸۵
(۱۱۹)	جزیہ	۴۸۵
(۱۲۰)	فے اور غنیمت	۴۹۰
(۱۲۱)	عشور	۴۹۱
(۱۲۲)	زکوٰۃ اور صدقات	۴۹۷
(۱۲۳)	فوجی نظام	۵۰۰
(۱۲۴)	فوج کے صدر مقامات	۵۰۸
(۱۲۵)	فوجی چھاؤنیاں	۵۱۰
(۱۲۶)	بھرتی کے دفاتر	۵۱۲
(۱۲۷)	فوج کی تنخواہیں اور ان کی تقسیم	۵۱۴
(۱۲۸)	فوجی یونیفارم	۵۱۶
(۱۲۹)	فوج اور اختلافِ موسم	۵۱۶
(۱۳۰)	چھٹی کا قاعدہ	۵۱۷
(۱۳۱)	عرب میں جنگ کے طریقے اور فوج کے مختلف حصے	۵۱۸
(۱۳۲)	کمانڈر انچیف کا عہدہ	۵۲۵
(۱۳۳)	جنگ کا اسلحہ	۵۲۷
(۱۳۴)	عدالت و قضاۃ	۵۲۹
(۱۳۵)	قضاۃ کا انتخاب	۵۳۵
(۱۳۶)	قضاۃ کے بارہ میں سیدنا عمر کی وسعتِ نظر	۵۳۷
(۱۳۷)	عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی	۵۳۹
(۱۳۸)	قاضیوں کی رشوت سے حفاظت	۵۴۴
(۱۳۹)	عدالتوں کی بلڈنگیں	۵۵۱
(۱۴۰)	محکمہ افتاء	۵۵۲
(۱۴۱)	پولیس	۵۵۵
(۱۴۲)	جیل خانہ جات	۵۵۶
(۱۴۳)	پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ	۵۵۷
(۱۴۴)	نہر ابی موسیٰ	۵۵۷
(۱۴۵)	نہر سعد	۵۵۸
(۱۴۶)	نہر معقل	۵۵۸
(۱۴۷)	نہر امیر المؤمنین	۵۵۹
(۱۴۸)	مہمان خانے	۵۶۲
(۱۴۹)	دیگر عمارتوں کی تعمیر	۵۶۶
(۱۵۰)	سڑکوں اور پلوں کی تعمیر	۵۶۶
(۱۵۱)	چوکیاں اور سرائیں	۵۶۷
(۱۵۲)	نئے شہروں کی تعمیر	۵۶۸
(۱۵۳)	کوفہ کی تعمیر	۵۶۸
(۱۵۴)	بصرہ کی تعمیر	۵۷۴
(۱۵۵)	فسطاط کی تعمیر	۵۷۷
(۱۵۶)	موصل کی تعمیر	۵۸۱
(۱۵۷)	جیزہ کی تعمیر	۵۸۲
(۱۵۸)	شعبہ بیت المال	۵۸۴
(۱۵۹)	اسلام کی نشر و اشاعت اور سیدنا عمرؓ	۵۹۲
(۱۶۰)	قرآن حکیم کی تدوین میں سیدنا عمرؓ کی مساعی	۶۰۶
(۱۶۱)	جمع و تدوینِ قرآن عہدِ صدیقی میں	۶۱۳
(۱۶۲)	حدیث کی تعلیم	۶۲۳
(۱۶۳)	فقہ	۶۲۸
(۱۶۴)	فقہ کیا ہے؟	۶۲۹
(۱۶۵)	مساجد کی تعمیر	۶۳۶
(۱۶۶)	مسجد نبوی کی توسیع	۶۴۳
(۱۶۷)	نظم مملکت	۶۴۹
(۱۶۸)	ہرقل روم کی شکست کے اسباب	۶۷۳
(۱۶۹)	کسریٰ کی ذلت	۶۸۱
(۱۷۰)	جبلہ بن ایہم غسانی کا انجام	۶۸۳
(۱۷۱)	انٹر سروسز انٹیلی جنس (ISI)	۶۹۲
(۱۷۲)	تشکیلات کی واقفیت کے دوسرے ذرائع	۶۹۴

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۱۷۳)	مختلف اسفار	۷۰۰
(۱۷۴)	امیر المؤمنین کا لقب	۷۰۱
(۱۷۵)	فلاحی مملکت	۷۰۳
(۱۷۶)	فلاحی ریاست اور تقسیم دولت کی ناہمواری	۷۳۱
(۱۷۷)	غیر مسلموں سے برتاؤ	۷۳۷
(۱۷۸)	بعض اعتراضات اور اُن کے جوابات	۷۴۹
(۱۷۹)	اہلِ بیتِ نبوت سے تعلقات	۷۵۰
(۱۸۰)	سیدنا عمرؓ کے سیدنا علیؓ سے روابط اور تعلقات	۷۵۴
(۱۸۱)	سیدہ امِ کلثوم سے نکاح	۷۵۷
(۱۸۲)	کتابوں سے اس نکاح کے دلائل	۷۶۰
(۱۸۳)	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۷۶۳
(۱۸۴)	ذاتی حالات	۷۶۶
(۱۸۵)	شاعری	۷۶۷
(۱۸۶)	عبرانی زبان سے آشنائی	۷۷۲
(۱۸۷)	علم الانساب میں مہارت	۷۷۲
(۱۸۸)	غنا سے لطف اندوزی	۷۷۳
(۱۸۹)	اہلِ علم کی قدردانی	۷۷۴
(۱۹۰)	مزاج میں سختی	۷۸۰
(۱۹۱)	زہد و قناعت	۷۸۳
(۱۹۲)	غیرت	۷۸۷
(۱۹۳)	حب رسول	۷۸۸
(۱۹۴)	متعلقینِ رسالت کا احترام	۷۸۹
(۱۹۵)	عدلِ فاروقی	۷۹۲
(۱۹۶)	فضائل و مناقب	۸۰۰
(۱۹۷)	امتِ محمدیہ کے پہلے محدث	۸۰۱
(۱۹۸)	حق گوئی کی آسمانی تصدیق	۸۰۶
(۱۹۹)	جنت میں محل کی بشارت	۸۰۶
(۲۰۰)	علمی شان	۸۰۶
(۲۰۱)	قبائے دین کی عطا	۸۰۷
(۲۰۲)	سرکارِ دو عالم کے ساتھ اٹھنے کی سعادت	۸۰۸
(۲۰۳)	سیدنا عمرؓ کا مقامِ خلافت	۸۰۹
(۲۰۴)	شیطان آپ سے بھاگتا ہے	۸۰۹
(۲۰۵)	حضور علیہ السلام کے وزیر	۸۱۰
(۲۰۶)	سیدنا عمرؓ اور ان کے اجتہادات	۸۱۱
(۲۰۷)	مسئلہ قضاء و قدر	۸۲۵
(۲۰۸)	وظائف کی تقسیم میں عدم مساوات	۸۲۶
(۲۰۹)	طلاق کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا فیصلہ	۸۲۶
(۲۱۰)	متعہ کی حرمت کا اعلان	۸۳۵
(۲۱۱)	سیدنا عمرؓ اور حرمتِ متعہ	۸۳۸
(۲۱۲)	نصوصِ قرآن سے حرمتِ متعہ	۸۴۱
(۲۱۳)	احادیث سے حرمتِ متعہ	۸۴۳
(۲۱۴)	متعہ حضر میں کبھی جائز نہیں تھا	۸۴۴
(۲۱۵)	حجاب کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا حکم	۸۴۵
(۲۱۶)	بچہ کی حضانت کا حق دار	۸۴۹
(۲۱۷)	سیدنا عمر کے نزدیک امیر کی شرائط	۸۵۱
(۲۱۸)	اسلامی مملکت کے شہریوں کا تحفظ	۸۵۵
(۲۱۹)	آسائش زندگی کے بارہ میں نظریہ	۸۶۳
(۲۲۰)	تمتع کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا نظریہ	۸۶۵
(۲۲۱)	مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا	۸۶۷
(۲۲۲)	چوری کی سزا کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا نظریہ	۸۶۷
(۲۲۳)	قاضیوں کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کے احکام	۸۷۰
(۲۲۴)	خمس اور ذوالقربیٰ کا حصہ	۸۷۷
(۲۲۵)	اوّلیاتِ عمر	۸۸۱
(۲۲۶)	خانگی زندگی	۸۸۵
(۲۲۷)	ازواج	۸۸۵
(۲۲۸)	اولاد	۸۸۸
(۲۲۹)	اولادِ ذکور	۸۸۹

Marfat.com

پیش لفظ

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلا شخص جس نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶ 'طبری جلد ۲ ص ۵۵) حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکرؓ سے فرمایا! "میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں"۔ جونہی آپ نے یہ دعوتی جملہ ختم کیا تو روایت میں ہے :

فلما فرغ کلامهٗ اسلم ابوبکرؓ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کہہ چکے تو ابوبکر اسلام لے آئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۹۔۳۰)

سیدنا ابوبکرؓ نہ صرف خود ایمان لائے بلکہ دعوت اسلامی کے پھیلاؤ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ صبح و شام اس دعوت کے پھیلاؤ میں مصروف ہو گئے اور ان کی کاوشوں اور کوششوں سے صحابہ کرامؓ کی ایک اچھی خاصی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی جن میں سیدنا عثمان بن عفانؓ 'سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ 'سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جب کل ۳۹ حضرات حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو اس دوران پیغمبر اسلام نے ایک شخص کے اسلام میں داخل ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔ وہ شخص سیدنا عمر بن خطابؓ تھے۔ آپؐ کی دعائیں قبول ہوئیں اور سیدنا عمرؓ نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر چالیس کے عدد کو پورا کیا۔ اور یہ اسلام میں داخل ہونے والے چالیسویں مسلمان تھے۔ سیدنا عمر کا اسلام لانا تھا کہ اہل کفر کی صفوں میں کافی حد تک برہمی پیدا ہو گئی اور مسلمان اپنی صفوں میں ایک قوت اور مضبوطی محسوس کرنے لگے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے۔

Marfat.com

وقد عزوا فی انفسھم حین اسلم عمرؓ

مسلمان اپنے اندر ایک عزت اور مضبوطی محسوس کرنے لگے جب سیدنا عمرؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (سیرۃ ابن ہشام) جلد ا ص ۹۵)

سیدنا عمرؓ اسلام کیا لائے تاریخ اسلام کا نقشہ بدل گیا۔ بے بسی اور مجبوری کے عالم میں زندگی بسر کرنے والے مٹھی بھر مسلمان اپنے اندر ہمت و جرأت کے احساسات محسوس کرنے لگے اور جو اپنے ایمان کو مخفی اور نمازوں کو پوشیدہ اور چھپ کر ادا کرتے تھے۔ اب اپنے ایمان کا اظہار اعلانیہ اور بر ملا کرنے لگے۔ اور پھر چند ہی روز کے بعد دارِ ارقم میں چھپ کر عبادت کرنے والے مسلمان حرم کعبہ میں سب کافروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف نظر آنے لگے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"عمرؓ کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت نصرت خداوندی تھی اور آپ کی خلافت رحمتِ خداوندی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷۰)

اسلام کا اب ہر قدم ترقی کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ اور کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا سکے۔

سیدنا عمرؓ اسلام میں آگے بڑھتے گئے اور لسان نبوت عمرؓ کے فضائل میں اضافہ کرتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ پر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے سیدنا عمرؓ سے فرمایا: "اے میرے پیارے بھائی! اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں بھی شامل رکھنا اور ہمیں بھول نہ جانا" سیدنا عمرؓ کے لیے یہ مقام کتنا قابل رشک تھا کہ اللہ کا رسول کہہ رہا ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں بھول نہ جانا۔ پھر ایک پیشگوئی کا تذکرہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں یوں کیا: "تم میرے بعد کچھ نئے کام کرو گے' ان میں سے مجھے سب سے محبوب وہ کام ہوں گے جو عمرؓ جاری کرے گا"۔)

اس سے زیادہ بیش بہا فضیلت وہ ارشادِ پیغمبرؐ ہے جسے ترمذی' مسند احمد' مستدرک حاکم' ابن حبان اور طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا"۔ مسلمانوں کی پوری جماعت میں یہ شرف صرف اور صرف سیدنا عمرؓ کے حصہ میں آیا۔

پھر سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی خلافت میں سیدنا عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا' اور جب کچھ لوگوں نے عمرؓ کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے جواب دیا: "میں جب اپنے اللہ کے حضور

Marfat.com

جاؤں گا تو کہوں گا: "میں نے تیری مخلوق پر روئے زمین کے سب سے بہتر انسان کو امیر بنایا ہے" سیدنا ابوبکرؓ کی آپ کے بارہ میں یہ شہادت بالکل بے لاگ اور مبنی بر صداقت ہے۔ پھر جب سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کی نامزدگی کا حکم لکھوا کر لفافہ میں سربمہر کر دیا تو اپنے مکان کی چھت سے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اے لوگو! میں نے ایک وصیت نامہ لکھا ہے کیا تم اس سے متفق ہو؟" تمام لوگوں نے کہا: "اے خلیفہ رسول! ہم راضی ہیں" لیکن سیدنا علیؓ نے کہا: "ہم راضی ہیں بشرطیکہ آپ نے عمرؓ کے حق میں فیصلہ کیا ہو"۔ سیدنا علیؓ کے یہ ریمارکس بھی آپ کی کتابِ فضائل میں ایک اہم باب کا اضافہ کرتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ خلیفہ ہو گئے اور قریباً ساڑھے دس سال تک بار خلافت اٹھائے رکھا۔ اور اس طرح کاروبار خلافت کو چلایا کہ سیدنا علیؓ ان کی اس بارہ میں مشقت کو دیکھ کر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "عمرؓ نے اپنے بعد کے خلفاء کو مشقت اور مذلت میں ڈال دیا ہے"۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۴۰) آپ نے نہ صرف اسلامی سلطنت کی وسعتوں میں اضافہ کیا بلکہ ان کے انتظام کو اس خوش اسلوبی سے چلایا کہ آج تک دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے زمانہ میں اسلامی ریاست کا رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تھا' اتنی وسیع سلطنت میں نظم و نسق جس طریقہ سے آپ نے چلایا وہ نہ صرف اس زمانہ میں لوگوں کے لیے فائدہ مند تھا بلکہ مختلف خلفاء مدتوں اس سے استفادہ کرتے رہے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے فیصلوں اور آراء کو لوگ بطور دلیل اور نظیر پیش کرتے تھے۔ جب کوئی شخص کسی پر معترض ہوتا تو وہ معترض کو مطمئن کرنے کے لیے سیدنا عمرؓ کی مثال بطور دلیل پیش کرتا۔ چنانچہ سیدنا عثمانؓ کے چچا حکمؓ بن عاص سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات شدید گرمیوں میں ہوئی۔ سیدنا عثمانؓ نے ان کی قبر پر ایک خیمہ لگا دیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو سیدنا عثمانؓ نے جواب دیا: "سیدہ زینب بنت جحشؓ" سیدنا عمرؓ کے دور میں فوت ہوئیں تو آپ نے ان کی قبر پر خیمہ لگوایا تھا۔ کیا اس دور میں کسی نے ان پر اعتراض کیا تھا؟" سیدنا عثمانؓ نے سیدنا عمرؓ کا حوالہ دیا اور اعتراض کرنے والوں کی زبانیں بالکل خاموش ہو گئیں کیونکہ لوگ سیدنا عمرؓ کے فیصلوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو سیدہ ام ایمنؓ زار و قطار رونے لگیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ "آپ اتنا کیوں رو رہی ہیں؟ آخر حضور علیہ السلام نے رفیق اعلیٰ کے ہاں جانا ہی تھا"۔ فرمایا! "میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر نہیں رو رہی'

میں تو اس غم کی وجہ سے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے"۔
جب سیدنا عمرؓ شہید ہوئے تو اس وقت بھی یہ عظیم المرتبت صحابیہؓ پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ پوچھا گیا کہ وہ اب کیوں اتنا رو رہی ہیں؟ "فرمایا" آج اسلام کی مضبوط عمارت میں دراڑ پڑ گئی ہے"۔ سیدہ ام ایمنؓ کی زندگی میں بے شمار صحابہ کرامؓ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان میں سے ہر شخص قیمتی اور جلیل القدر تھا اور ہر ایک کی جدائی کا صدمہ رُلا دینے والا تھا لیکن سیدہ ام ایمنؓ کا سیدنا عمرؓ کی وفات پر اس قدر رونا اس بات کی علامت ہے کہ فراستِ مومنانہ سے مالا مال یہ صحابیہ سیدنا عمرؓ کی خدماتِ اسلامیہ سے بخوبی آشنا تھیں اور وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ اب اسلام پر کوئی عظیم ترین مصیبت آنے والی ہے اور ان کا یہ اندیشہ حالات کے نشیب و فراز نے سچا ثابت کیا۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اسلام کوئی بے جان آلہ نہیں اور نہ ہی یہ کوئی گھڑی ہے جس کی سوئیاں کبھی بلندی کو چھوتی ہیں اور کبھی پستی کی جانب مائل ہو جاتی ہیں بلکہ اسلام ایک عقیدۂ حق اور نظریہ سلیم کا نام ہے جو مردانِ کار کے کندھوں پر اٹھتا ہے اور دنیا میں انقلاب برپا کرتا ہے۔ سیدنا عمرؓ ان مردانِ کار میں سے تھے جن کے عہد خلافت میں اسلام پوری شان و شوکت کے ساتھ برگ و بار لایا اور اپنی بہارِ جان فزا سے انسانیت کو مالا مال کیا۔

مدتوں سے خواہش تھی کہ اس نابغۂ اسلام کے حالاتِ زندگی تاریخ کی مستند کتابوں سے حیطۂ تحریر میں لائے جائیں۔ مجھ سے قبل کئی حضرات نے اس بارہ میں کام کیا۔ ہندوستان میں علامہ شبلی نعمانیؒ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نابغہ روزگار کے حالات زندگی انہوں نے مستند کتابوں سے جمع کر کے ایک صدی قبل لوگوں کے سامنے پیش کیے۔ ان کی کتاب کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ فارسی' انگریزی اور کئی دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ اور واقعی وہ کتاب نہایت اعلیٰ اور اپنے موضوع پر کامیاب کتاب ہے۔ لیکن سیدنا عمرؓ کی زندگی کے بعض گوشے اس میں اتنے نمایاں نہیں کیے گئے تھے جتنے کہ ہونے چاہئیں تھے۔ مصر کے محمد حسین ہیکل نے بھی آپ کی حیاتِ طیبہ پر ایک ضخیم کتاب عربی میں لکھی' لیکن اس میں زیادہ زور ان جنگوں پر دیا گیا جو سیدنا عمرؓ کے عہد میں لڑی گئیں۔ ویسے ان کی وہ کوشش بھی اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش تھی۔ اس کتاب کے بھی کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔

اس موضوع پر میں نے جو کوشش کی ہے' اس کے بارہ میں خود تو کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیسی ہے' یہ فیصلہ تو قارئین کریں گے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ سیدنا عمرؓ

Marfat.com

کے بارہ میں اس سے قبل لوگوں نے لکھا' میں نے اس میں کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔ اور وہ کچھ خاص گوشے جو دوسرے حضرات نے لوگوں کے سامنے اجاگر نہیں کیے' میں نے ان کو اجاگر کرنے کی پوری کوشش کی ہے' جس کی تائید قارئین کرام اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کریں گے۔

طالبِ دعا

(حکیم) محمود احمد ظفر

سیالکوٹ

۲۶ دسمبر ۱۹۹۹ء

Marfat.com

سیدنا عمر بن خطابؓ

نام و نسب

نام عمر، کنیت ابو حفص، لقب فاروق، والد کا نام خطاب، والدہ کا نام حنتمہ۔ آپ کا تعلق قریش کی شاخ بنو عدی سے تھا۔ پورا سلسلہ نسب والد کی طرف سے یہ ہے:

عمر ابن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن ازاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ (الاصابہ جلد ۲ ص ۵۱۸، طبقات ابن سعد، جلد ۳ ص ۲۶۵)

عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمرؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے۔

حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

آپ کی والدہ کے دادا مغیرہ وہ آدمی تھے کہ جب قریش کا قبیلہ نبرد آزما ہونے کے لیے جاتا تو فوج کا انتظام ان کے ذمہ ہوتا۔

خاندان

آپ کا تعلق عدی بن کعب قبیلہ سے تھا جو قریش کا عدنانی قبیلہ تھا۔ جس کی شرافت اور بزرگی نے اسے ان سربر آوردہ قبائل میں شامل کر دیا تھا جن میں ہاشم، امیہ، تیم اور

Marfat.com

لانے کے باب میں آئے گا)

عمرو بن العاصؓ کے منہ سے یہ بات سن کر سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے کہا:

"عمرو! اس قدر آپے سے باہر نہ ہو جا' عمرؓ تم سے بہتر ہیں۔ اب رہا ان کے اور تمہارے باپ کا سوال' سو وہ دونوں جہنم میں ہیں...."

یہ بات سن کر سیدنا عمرو بن العاصؓ کا غصہ اور طیش یک قلم کافور ہو گیا اور سوائے خاموشی کے ان کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا' لیکن اس واقعہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ سیدنا عمرؓ کے والد خطاب دولت مند آدمی نہ تھے بلکہ ایک متوسط درجہ کے آدمی تھے لیکن زیرک و ذہین ہونے کی وجہ سے اپنے قبیلہ میں ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور دوسری شئے یہ کہ اس معاشرہ میں مال و دولت اور خدم و حشم کو انسان کی بزرگی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ کا خاندان بنو عدی زمانہ جاہلیت ہی سے نہایت ممتاز اور اعلیٰ سمجھا جاتا تھا' اور اس خاندان میں قریش کا عہدۂ سفارت تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ عدی بن کعب عربوں کے پاس باہمی تنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے اور قریش کو اگر کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو وہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں منصب آپ کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔

اس خاندان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے ایک فرد زید بن عمرو نے بت پرستی ترک کر کے بتوں کا ذبیحہ بھی کھانا چھوڑ دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی آوازۂ توحید بلند نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "کیا اللہ تعالیٰ آسمان سے مینہ اس لیے برساتا ہے اور زمین سے سبزہ اس لیے اگاتا ہے اور جانوروں کو اس لیے پیدا کرتا ہے کہ تم انہیں ان چراگاہوں میں چراؤ اور غیر اللہ کے لیے ذبح کر دو۔ بخدا! اپنے سوا مجھے اور کوئی دوسرا فرد روئے زمین پر نظر نہیں آتا جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر ہو"۔ اس بارہ میں ان کے کچھ اشعار بھی صاحب الاغانی نے اپنی کتاب کی جلد ۲ ص ۱۲۵ پر نقل کیے ہیں جن میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور اپنی قوم کو بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی گئی ہے۔ زید بن عمرو کی ان باتوں سے خطاب ان کے سخت دشمن ہو گئے کیونکہ خطاب نہایت غصہ والے انسان تھے اور سنگ دلی ان کی گھٹی میں تھی۔ اس دشمنی نے انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ قریش کی ایک جماعت نے زید بن عمرو کو

Marfat.com

مکہ سے نکال دیا۔ اس معاملہ میں سب سے شدید اور سب سے زیادہ سنگ دلانہ روش خطاب کی تھی۔

پیدائش

خطاب کے والد نفیل نے جیداء نامی عورت سے شادی کی تھی اور اس کے بطن سے خطاب اور عبد نہم دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد نفیل کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بیٹے عمرو نے ان کی بیوی جیداء سے نکاح کر لیا جو اس کی سوتیلی ماں تھی۔ یہ نکاح عہدِ جاہلیت میں جائز تھا اور اس سے زید بن عمرو پیدا ہوئے۔ چنانچہ وہ خطاب کے بھائی بھی تھے اور بھتیجے بھی۔ (الاغانی جلد ۲ ص ۱۲۳) یہ دونوں چونکہ ہم عمر تھے اس لیے جنگِ فجار میں اپنی قوم کی قیادت انہوں نے کی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ خطاب نے اپنی قوم کی تعداد بڑھانے کے لیے کئی شادیاں کیں۔ ایک شادی انہوں نے حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ سے کی جس کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ بنو مخزوم اس زمانہ میں عرب میں ایک نہایت عزت والا قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطاب کی یہ بیوی سیدنا خالد بن ولید کی چچازاد بہن تھی۔ اس اعتبار سے مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ان دونوں کے جدامجد تھے۔ مغیرہ مخزومی کا شمار قریش کے سرداروں اور سورماؤں میں ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو "صاحب الاعنۃ" کا لقب حاصل تھا۔ قریش کی نگاہ مین اس کے مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب کو سب سے پہلے جس شخص نے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی منت پوری کرنے کے لیے اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح نہ کریں، وہ یہی مغیرہ بن عبداللہ تھے۔ مغیرہ نے کہا کہ آپ عبداللہ کو ذبح نہ کریں بلکہ اس کے عوض میں آپ فدیہ ادا کر دیں۔ فدیہ میں ہم اپنا سارا مال آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔

خطاب کی بیوی حنتمہ اسی عزوشرف والے مغیرہ کی پوتی تھیں اس وجہ سے وہ اپنی سوکنوں میں ممتاز سمجھی جاتی تھیں۔ جب اس کے بطن سے سیدنا عمرؓ پیدا ہوئے تو خطاب کو نہایت خوشی ہوئی۔ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق بتوں پر بڑی بڑی نذریں چڑھائیں اور بنی عدی کے غرباء کو اتنا دل کھول کر کھانا کھلایا جو ایک ضرب المثل بن گئی۔

جاہلیت میں لوگ تاریخ پیدائش کو اتنا اہم نہیں سمجھتے تھے کہ اسے یاد رکھیں۔

دوسرے کسی کو کیا پتہ تھا کہ عمرؓ کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آئے گا کہ وہ ایک معمولی آدمی سے امیر المؤمنین بن جائے گا اور قیصر و کسریٰ ان کی ہیبت سے لرزیں گے اور اس کا نام سن کر انہیں کپکپی طاری ہو جائے گی' للذا قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب پیدا ہوئے؟ لیکن عام مؤرخین کے حساب کے مطابق وہ عام الفیل سے ۱۳ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا گیا اور آپ کی والدہ نے آپ کا نام عمرؓ رکھا۔

بچپن اور لڑکپن اگرچہ پردۂ خفا میں ہیں لیکن ماں اور باپ دونوں اپنے اپنے قبیلہ میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور قبیلہ میں ان کا شمار بڑے لوگوں میں ہوتا تھا، پھر باپ کو قریش میں مصبِ سفارت حاصل تھا اس وجہ سے علم انساب' سپہ گری' خطابت' پہلوانی اور دیگر علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکپن کی منزلیں طے کر کے جب آپ نے جوانی میں قدم رکھا تو شرفاء عرب کے تمام مشغلوں میں سے آپ کا گزر ہوا۔ چنانچہ ابھی جوانی کا آغاز ہی تھا کہ انہوں نے جسمانی ورزشوں میں مہارت پیدا کرلی۔ سوق عکاظ کے میلہ میں عرب کے پہلوان اور شہ سوار اپنے اپنے کرتب دکھانے کے لیے ہر سال آتے۔ سیدنا عمرؓ بھی اس میلے میں اپنی پہلوانی اور شہ سواری سے لوگوں کو محظوظ کرتے۔ اور یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ انہوں نے کبھی کسی پہلوان یا شہ سوار سے مات کھائی ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ اسی عکاظ کے میلے میں ایک نوجوان پہلوان عرب کے کسی حصہ سے اپنی پہلوانی کے جوہر دکھانے کے لیے آیا۔ اس نے تمام پہلوانوں کو پچھاڑ دیا۔ سیدنا عمرؓ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ اس میلے میں گئے ہوئے تھے۔ آپ بلند قامت تھے اس وجہ سے تیز رفتار بھی تھے۔ آپ کے دوستوں نے ان کی تیز رفتاری میں سستی پیدا کرنے کے لیے اس پہلوان کا ذکر چھیڑ دیا جس نے اس میلے میں اپنی پہلی آمد ہی میں تمام پہلوانوں کو پچھاڑ دیا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے جب اس نئے پہلوان کا نام سنا تو ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور آواز میں شدت اور کرختگی پیدا ہو گئی اور غیظ و غضب کے آثار ان کے چہرے سے جھلکنے لگے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا اور کہا:

"تم مجھے اس لونڈے سے ڈراتے ہو۔ میں خطاب کا بیٹا ہوں' اگر ہاتھ ملتے ہی اسے زمین پر نہ دے ماروں تو میرا نام عمر نہیں"۔

Marfat.com

یہ کہہ کر آپ تیزی کے ساتھ اس اکھاڑے کی طرف چلنے لگے جہاں کشتیاں ہو رہی تھیں۔ جب آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکھاڑے میں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر تمام لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا اور اکھاڑہ میں کشتی لڑنے والے بھی الگ الگ ہو کر تماشائیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عمرؓ تماشا دیکھنے نہیں بلکہ کشتی لڑنے آیا ہے۔ سیدنا عمرؓ کے چہرہ پر ابھی تک غصے کے آثار نمودار تھے۔ آپ نے اکھاڑے میں کھڑے ہو کر تمام حاضرین پر ایک نگاہ دوڑائی۔ پھر اس نوجوان پہلوان کو دیکھا جس کے بارہ میں راستہ میں ساتھیوں نے بات کی تھی۔ عمرؓ نے اسے مقابلہ کی دعوت دی۔ نوجوان پہلوان مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور اکھاڑے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ گویا اس نے سیدنا عمرؓ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ اسے اپنے اوپر پورا اعتماد تھا اور اپنی جسمانی طاقت اور فن کشتی پر پورا بھروسا تھا، لیکن اس نے عمرؓ سے اس سے قبل کشتی نہیں لڑی تھی۔ وہ عمرؓ کی طاقت اور ہمت سے واقف نہیں تھا۔ وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ پہلی بار سوق عکاظ کے میلے میں آیا تھا لیکن اس پہلی بار ہی میں وہ ہر مقابلہ میں کامیاب رہا تھا اور میلہ کا ہر پہلوان اس کی ہمت و جرات کا لوہا مان چکا تھا۔ مختلف مقابلوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس کا دل بڑھا ہوا تھا۔ وہ قامت و جسامت میں بھی عمرؓ کے قریب قریب ہی تھا۔ ادھر سے سیدنا عمرؓ آگے بڑھے اور دونوں میں کشتی شروع ہو گئی۔ مرد تو مرد آس پاس کی لڑکیاں بھی جمع ہو گئیں کیونکہ وہ اس سے قبل اس بدوی نوجوان کی پھرتی اور داؤ پیچ دیکھ چکی تھیں۔ چنانچہ اس کشتی کو دیکھنے کے لیے اتنے تماشائی جمع ہو گئے جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ اب ہر شخص کو اس کشتی کے فیصلے کا انتظار تھا۔ گذشتہ مقابلوں میں عمرؓ کو کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا تھا۔ جب سے یہ بدوی نوجوان آیا تھا یہ بھی اپنے حریفوں کو برابر پچھاڑ رہا تھا' اس وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آنے لگا تھا کہ شاید وہ عمرؓ کو بھی پچھاڑ دے۔ مقابلہ کانٹے دار تھا اس وجہ سے دونوں طرف سے شرطیں بھی بدی جا چکی تھیں۔

شروع میں تو عمرؓ نے اپنے حریف کو زور آزمائی کا پورا موقع دیا اور خود وہ اس کے داؤ پیچ سے اپنا بچاؤ ہی کرتے رہے' لیکن جب تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ اس بدوی نوجوان کا سانس پھول گیا ہے تو آپ ایک دم شاہین کی طرح جھپٹ کر اس کے کندھوں پر سوار ہو گئے اور پھر نہایت پھرتی سے اسے زمین پر چاروں شانے چت گرا دیا۔ اس بدوی نوجوان کا زمین پر گرنا تھا کہ چاروں طرف سے تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسنے لگے اور پوری فضا

Marfat.com

مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی۔ اور ہر دیکھنے والا مرد اور عورت حتیٰ کہ لڑکیاں بھی اس نجیب الطرفین قریشی نوجوان عمرؓ کی تعریف و توصیف کرنے لگیں اور فن پہلوانی کے اس کے پچھلے کمالات بھی دہرائے جانے لگے۔ (الاغانی جلد ۲ ص ۱۲۵)

دوسرے روز دوپہر سے قبل عمرؓ اپنے دوستوں سے پھر ملا۔ وہ کل کی کشتی میں عمرؓ کی مہارت کی داد دے رہے تھے اور اس کی ٹیکنیک کو سراہ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عمرؓ اپنے حریف کو اگر ایک بار اور پچھاڑ دے تو پھر اس بدوی نوجوان کے لیے اکھاڑے کا رخ کرنا مشکل ہو جائے گا اور وہ پھر ہمیشہ کے لیے اس فن ہی کو خیرباد کہہ دے گا لیکن عمرؓ نے اپنے دوستوں کے اس خیال اور رائے کی مخالفت کی۔ عمرؓ کا کہنا تھا کہ ان کی یہ بات بہادری کے اصولوں کے خلاف ہے کہ وہ فاتح ہو کر پھر اپنے حریف کو مقابلہ کی دعوت دے۔ البتہ اگر وہ بدوی نوجوان دوبارہ کشتی لڑنا چاہتا ہے تو وہ بغیر کسی توقف کے اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔

تین روز کے بعد عکاظ کا میلہ ختم ہو گیا اور بدوی پہلوان نے ابن خطاب کو کوئی دعوت نہ دی گویا اس نے عمرؓ کو ایک ناقابل شکست انسان سمجھ کر ہار مان لی۔ میلہ ختم ہو گیا۔ لوگ واپسی کی تیاریاں کرنے لگے۔ ابن الخطاب بھی واپسی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ دوپہر کے وقت انہوں نے اپنے غلام کو گھوڑا لانے کے لیے کہا۔ مختلف قبیلوں کے عالی نسب نوجوانوں نے عمرؓ کے گھوڑے کو دیکھا۔ دنگ رہ گئے! اس کا مشکی رنگ، چھوٹے چھوٹے کان، تنی ہوئی گردن، باریک باریک پنڈلیاں اور پچکا ہوا پیٹ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ لیکن عمرؓ کو اپنی ذات اور اپنے گھوڑے پر ناز اور اعتماد تھا۔ ان نوجوانوں نے عمرؓ سے کہا "آؤ ذرا گھڑ دوڑ ہو جائے اس سے فارغ ہو کر آرام کر لیں گے اور پھر مجنہ چلے جائیں گے۔ عمرؓ نے فوری طور پر یہ دعوت قبول کر لی۔ ان نوجوانوں نے اپنے اپنے گھوڑے منگوا لیے۔ گھڑ دور کے لیے گھوڑے لائن میں کھڑے تھے ریفری کا اشارہ پاتے ہی سب نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور گھوڑے چھوڑ دیے۔ جونہی گھوڑے دوڑے عمرؓ اور اس کا گھوڑا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین میں دھنسا جا رہا ہے یا ہوا میں پرواز کر رہا ہے۔ سب نے دیکھا کہ عمرؓ کا گھوڑا ان سب گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا اور عمرؓ نے یہ دوڑ اسی طرح جیتی جس طرح کل اس بدوی نوجوان سے کشتی جیتی تھی۔ عمرؓ کی کل کی اور آج کی اس جیت نے نوبہاران شباب کے ارمان آفرین دلوں کو اپنا لیا۔ (کتاب الاغانی جلد ۲ ص ۱۲۷)

عمرؓ عکاظ کے میلے میں ہر سال جایا کرتے اور اسی طرح پہلوانی اور شہ سواری میں اپنا لوہا منوا کر واپس لوٹتے۔ عمرؓ نے جب لڑکپن سے جوانی کی منزلوں میں قدم رکھا تو قوت و طاقت کے اعتبار سے اپنے تمام ہم عمروں میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے اور مکہ اور اس کے مضافات کا کوئی نوجوان قامت و جسامت میں انہیں نہ پہنچتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ عوف بن مالک نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ جمع دیکھا جن میں ایک شخص سب سے بلند تھا۔ اتنا بلند کہ نگاہیں اس پر رکتی تھیں۔ عوف بن مالک نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" جواب ملا "یہ عمر بن الخطاب ہے"۔ طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ یہ شخص لوگوں میں تین ہاتھ اونچا تھا۔ پوچھا "یہ کون ہے؟" جواب ملا "خطاب کا بیٹا عمر"۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ عمرؓ)

آپ کی پہلوانی اور شہ سواری کچھ اتنی مشہور تھی کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ایک شخص کسی چرواہے سے ملا اور کہا: "تجھے معلوم ہے کہ مکہ کا طاقتور اور توانا مرد حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا؟" چرواہے نے کہا: "وہی جو عکاظ کے میلے میں کشتی لڑتا تھا؟" اس نے کہا: "ہاں وہی" یہ سننا تھا کہ چرواہے نے چلا کر کہا "خدا کی قسم! وہ ان میں خیر یا شر کو ضرور وسعت دے گا"۔

جوانی میں گھوڑ سواری بھی آپ کا نہایت محبوب مشغلہ تھا اور اس کی ترنگ تمام زندگی آپ میں رہی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ اپنے عہد خلافت میں ایک روز آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ایڑ جو لگائی تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ راہ گذرتے لوگ اس کی جھپٹ میں آتے آتے رہ گئے۔ لوگوں نے امیر المؤمنین کو اس طرح گھڑ سواری کرتے دیکھ کر تعجب کیا۔ فرمایا: "اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ دل میں امنگ اٹھی۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی۔"

جوانی میں پہلوانی اور گھڑ سواری کے علاوہ شعری مذاق بھی آپ کا نہایت شستہ اور بلند تھا۔ چنانچہ اسی عکاظ کے میلہ میں آپ مختلف شعراء کا کلام بڑے غور سے سنتے۔ اچھے شعروں کی نہ صرف داد دیتے بلکہ انہیں کوزۂ ذہن میں محفوظ بھی رکھتے اور پھر مناسب مواقع پر انہیں مزے لے لے کر پڑھتے۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ حطئیہ، زبرقان اور دیگر بڑے بڑے شعراء سے ان کی اکثر گھنٹوں گفتگو رہتی اور شعر کے محاسن و معائب پر تبصرہ ہوتا۔ عکاظ کے میلے میں جب عرب کے اکثر بڑے بڑے شعراء اپنے اشعار کی داد حاصل کرنے کے لیے آتے تو ابن الخطاب ہر سال اس میلے میں شریک ہو کر ان کے کلام سے مستفید

Marfat.com

ہوتے۔

انساب عرب میں بھی وہ اپنا حریف نہ رکھتے تھے۔ یہ فن انہوں نے اپنے والد خطاب سے حاصل کیا تھا۔ وہ بڑے فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اسی لیے قریش کی سفارت کا فریضہ ان کے ذمہ تھا۔ کیونکہ ایک سفیر مختلف قبائل میں جا کر ان کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات کا تصفیہ کراتا ہے' اس وجہ سے فصیح اللسان ہونا اس کے لیے ضروری ہے۔ اور اگر کچھ کمی ہو تو مختلف لوگوں کو مل کر سفیر خود ہی بلاغتِ بیانی حاصل کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ بھی عنفوانِ شباب ہی سے فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار تھے۔

جاہلیت کی اخلاقی اقدار کچھ اور تھیں اور اسلام کی کچھ اور۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور حسن نوازی سے وہ اپنے قصائد کی تشبیب شروع کرتے تھے۔ عمر بن خطاب بھی مکہ کے دوسرے نوجوانوں کی طرح بلکہ ان سے کہیں زیادہ دخترِ رز کے دلدادہ اور رسیا تھے۔ پھر آغازِ جوانی ہی سے حسینانِ عرب سے بھی انہیں بلا کا شغف تھا۔ آپ کی صحت و تندرستی اور شہ سواری کو دیکھ کر خود حسینانِ عرب بھی آپ پر مرتی تھیں۔ چنانچہ عکاظ اور دوسرے کئی میلوں میں دور دور سے کئی دوشیزائیں ساختہ' پرداختہ اور دل باختہ صرف ابن خطاب کی بہادری اور شہ سواری کے کارنامے دیکھنے کے لیے آتیں۔ اسی وجہ سے تمام تاریخ نگار اور آپ کی سوانح کے رپورٹر اس بات پر متفق و متحد ہیں کہ بادہ پیائی اور حسن نوازی میں آپ کا ایک بہت بڑا مقام تھا۔ مکہ کے نوجوان جس طرح نبیذ اور اس کے نشہ کے عاشق تھے اور اس کے نشہ میں مخمور ہو کر انہیں دونوں جہان کی نعمتیں مل جاتی تھیں' یہی حال بلکہ اس سے کہیں زیادہ عمر بن خطاب کا بھی تھا۔ مکہ کے دوسرے نوجوانوں کی طرح عمرؓ بھی عنفوان شباب ہی سے اپنے جذبات عشق و شیفتگی کی راحت کا سامان دوسری عورتوں سے بہم پہنچاتے۔ جاہلیت کے اشعار بھی اس شغف کی ترجمانی کرتے اور دل باختگان شاہد و شراب کے سمند شوق کے لیے تازیانہ ثابت ہوتے۔ ظہور اسلام کے بعد بھی عمر بن ابی ربیعہ اور اسی قسم کے دوسرے شعراء کا کلام مکہ کی ان رنگین مزاج عورتوں کے لیے آگ پر تیل کا حکم رکھتا تھا جنہیں نفسانی خواہشات اپنی ماؤں اور خالاؤں سے ورثہ میں ملی تھیں۔ (سیدنا عمرؓ بھی اپنی جوانی کے دنوں میں ان سب نفسانی خواہشات میں ملوث تھے جو اگرچہ غیر اسلامی تھیں لیکن اس وقت کے معاشرے نے ان پر کوئی اخلاقی قدغن نہ لگائی ہوئی تھی۔ گویا جوانی میں سیدنا عمرؓ ایک رنگین مزاج شخص تھے لیکن جب آپ کی جوانی اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ رخصت

Marfat.com

ہو گئی تو پھر آپ کے دل میں نکاح کی خواہش نے انگڑائی لی۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ کثرتِ اولاد کے لیے تعددِ ازواج کا شوق ان کے اسلاف کی وراثت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں نو (۹) شادیاں کیں۔ چار مکہ مکرمہ میں اور پانچ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔

آپ کا بچپن اور جوانی اگرچہ عام آدمیوں کی طرح گزارے لیکن آپ نے پڑھنا لکھنا سیکھ کر اپنے کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کر لیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں جو شخص پڑھ لکھ جاتا تھا اس کا معاشرہ میں نہایت اونچا مقام ہوتا تھا۔ پورے مکہ میں اس وقت صرف ۱۷ آدمی پڑھے لکھے تھے اور سیدنا عمرؓ بھی ان میں سے ایک تھے۔ پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ جنگی علوم و فنون سے بھی بخوبی آشنا تھے بلکہ جنگی قابلیت آپ نے اپنی ننھیال بنی مخزوم سے ورثہ میں پائی تھی۔ اسی جنگی مہارت کی وجہ سے سیدنا ابو بکرؓ نے مرض الموت میں فرمایا تھا: "جب میں نے خالد بن ولیدؓ کو شام بھیجا ہے اگر عمر بن الخطاب کو بھی جیسا کہ میں چاہتا تھا، عراق بھیج دیتا تو میرے دونوں بازو خدا کی راہ میں پھیل جاتے۔

مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں آپ کے تجارتی سفروں کا ذکر کیا ہے جو سیدنا عمرؓ نے ایام جاہلیت میں کیے اور جن میں انہیں اکثر امرائے عرب سے ملاقات اور ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ غالب گمان یہ ہے کہ ان تجارتی سفروں میں کسب مال سے زیادہ سیدنا عمرؓ کو قریش کے منصب سفارت، ایام و انساب عرب کے علم اور زمانہ کی کتابوں کے مطالعہ نے اکتسابِ علم کا زیادہ حریص بنا دیا تھا جس کا انکشاف آپ کی قبول اسلام کے بعد کی زندگی سے ہوتا ہے۔

فکر معاش

سیدنا عمرؓ جب جوانی کی حدود میں داخل ہوئے تو ضجنان اور مکہ کے درمیان اور اس کے آس پاس اپنے والد خطاب کے اونٹ چرانے لگے۔ ان کے والد بڑے سنگ دل اور سخت مزاج آدمی تھے۔ اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عمرؓ ایک مرتبہ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں درختوں کا جھنڈ تھا اور جسے ضجنان کہتے تھے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا! "مجھے وہ وقت یاد آ گیا ہے جب میں یہاں اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا، اور ان کا دل نہایت سخت تھا۔ میں کام کرتا تو تھکا مارتے اور کوتاہی کرتا تو مجھے سخت سزا دیتے۔ اور ایک یہ دن ہے کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی (حاکم) نہیں۔"

Marfat.com

عقد الفرید میں ہے کہ ایک دن سیدنا عمرؓ نے نابغہ جعدی سے فرمایا: "مجھے اپنے وہ اشعار سناؤ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہیں"۔ اس نے آپ کو چند شعر سنائے۔ آپ نے فرمایا: "یہ اشعار تمہی نے کہے ہیں؟" اس نے جواب دیا: "ہاں" آپ نے فرمایا: "میں نے اپنے باپ خطاب کے اونٹ چراتے مدتوں یہ اشعار پڑھے ہیں"۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قریش کے جوانوں میں اونٹوں کا چرانا ان کی عزت و منزلت کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا۔

قریش کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے۔ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ بھی تاجر تھے۔ آپ دیبا و حریر اور ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ تجارت میں آپ کے شریک کار کعب بن عدی التنوخی تھے۔ آپ نے نہایت غور و فکر کے بعد تجارت میں قدم رکھا تھا۔ آدمی کے کاروبار سے بھی اس کی افتادِ طبع اور فطری مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے ریشمی کپڑوں کی جو تجارت شروع کی اس سے ان کی طبعی نفاست کا پتہ چلتا ہے۔ ریشم کے پارچہ جات چونکہ خوبصورت، نفیس اور قیمتی ہوتے ہیں، اسی وجہ سے اہل جنت کا لباس بھی حریر و ریشم کا ہوگا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

ولباسهم فیها حریر

اہل جنت کا لباس جنت میں حریر اور ریشم کا ہوگا۔

مکہ میں مختلف لوگوں کے مختلف چیزوں کے کاروبار تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ گوشت فروشی اور لوہے کا کام کرتے تھے۔ عرب میں کسی بھی کاروبار میں کوئی عار نہ سمجھی جاتی تھی بلکہ ہر کام ان کے نزدیک قابل عزت و شرف تھا۔ سیدنا عمرؓ کا اس معاشرہ میں ریشم کے کپڑوں کا کام کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کی طبیعت میں ایک نفاست، ہوش مندی، احتیاط پسندی اور دور بینی تھی۔ آپ ایک طرف تو صاحب شمشیر و سناں تھے اور جنگی مہارت اور قابلیت میں نہایت اعلیٰ تھے اور دوسری طرف ریشم کی طرح نرمی بھی آپ کی طبیعت میں موجود تھی جس کا اظہار کئی موقعوں پر ہوا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی امارت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی تو آپ نے سب سے پہلی دعا جو بارگاہ رب العزت میں مانگی وہ کچھ یوں تھی:

"اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت دے، اے اللہ! میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا"۔

Marfat.com

بہر حال سیدنا عمرؓ صرف پہلوان اور شہ سوار ہی نہیں تھے بلکہ علم و حکمت کے ماہر اور ریشم کے بہترین تاجر بھی تھے۔

قریش کی سفارت

سیدنا عمرؓ قریش کے قبیلہ عدی کے سرداروں میں سے تھے اور آپ کا خاندانی عہدہ سفارت تھا۔ آپ نے اپنے جوانی کے دور کو لایعنی اور فضول کاموں میں نہیں گزارا بلکہ علم و فضل، فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ مقامات کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ طبیعت رذیل اور گھٹیا کاموں پر کسی صورت آمادہ نہ ہوتی تھی۔ جہاں آپ جسمانی قوتوں سے مالا مال تھے وہاں علمی فضائل و کمال بھی آپ میں پوری طرح موجود تھے جو قریش کے کسی معزز سردار میں موجود ہونا ضروری ہیں۔ اسی وجہ سے اپنے باپ خطاب کے انتقال کے بعد آپ کے قبیلہ نے سفارت جیسی اہم ذمہ داری آپ کو سونپی تھی۔ چنانچہ قریش کے مختلف قبیلوں کے درمیان کوئی خانہ جنگی یا کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا تو صلح کی سلسلہ جنبانی سیدنا عمرؓ ہی کیا کرتے تھے۔ یہ منصب آپ کو نوجوانی ہی میں اپنے باپ کے انتقال کے بعد مل گیا تھا اور اس اہم منصب کی ذمہ داری کو ادا کرنے والے سب سے کم عمر قریشی آپ ہی تھے۔ قریش معزز بھی تھے اور فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار بھی۔ چنانچہ جب کبھی کسی قبیلہ کے مفاخر بیان کرنا مقصود ہوتا یا کسی مخالف کے عیوب و نقائص اجاگر کرنے کی نوبت آتی تو تمام قریش کی نگاہیں اپنے سفیر عمر بن الخطابؓ کی جانب اٹھتیں اور وہ اٹھ کر یہ فریضہ سرانجام دیتے۔ اس سے اندازہ فرمائیں کہ اتنے زبان آور لوگوں میں اٹھ کر جن کی زبان اور لہجے میں قرآن حکیم نازل ہوا اور جو زبان ہر قسم کی خوبیوں سے مالا مال تھی اور اب بھی وہاں اس قبیلہ کی نمائندگی کرنا اور ان کے مفاخر بیان کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا اور نہ ہی یہ کوئی معمولی عزت افزائی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطابؓ نہ صرف اسلام میں ایک اعلیٰ مقام کے حامل تھے بلکہ دور جاہلیت میں بھی اپنی قوم میں نہایت عز و شرف کے مقام پر فائز تھے۔

عمرؓ کی بارعب شخصیت

سیدنا عمرؓ کی شخصیت ایک نہایت خوبصورت اور بارعب شخصیت تھی۔ دوسرے لفظوں میں آپ جلال و جمال کا آمیزہ تھے۔ لمبے دھڑنگے، مضبوط جسم کے مالک تھے۔ آپ

Marfat.com

کے سر کے اگلے حصے کے بال جھڑ چکے تھے۔ رنگ گورا چٹا تھا' رخسار اندر کو پچک گئے تھے۔ لوگوں کے درمیان چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ کسی سواری پر سوار ہیں۔ آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد سرخ و سفید رنگ اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ آپ تنگی اور فراخی ہر حالت سے بخوبی عہدہ بر آ ہو سکنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے یکساں قوت کے ساتھ کام کر لیتے تھے۔ گویا بنی سدوس میں سے ہوں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۳۵)

جسمانی وجاہت و ہیئت کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ' نے عقل و خرد کی خوبیاں بھی فراوانی سے عطا فرمائی تھیں۔ اگرچہ عالم شباب ہی میں سیدنا عمرؓ کو قومی مسائل اور ان کی اصلاح کے طریقوں پر غور و فکر کا موقع بہم پہنچایا اور عزت نفس کے احساس نے ان کی رائے میں عصبیت پیدا کی، پھر ان کے مزاج کی سختی اور ان کے جسم کی توانائی نے اس عصبیت کو تشدد کی حد تک پہنچا دیا یہاں تک کہ وہ اپنی بات منوانے کے لیے زبان کی حدت کے ساتھ ساتھ بازو کی قوت سے بھی کام لے لیا کرتے تھے، لیکن دوسرے کی بات کو بڑے غور سے سننے کی خوبی بھی اللہ نے آپ میں ودیعت فرمائی تھی۔ دوسرے کی بات وہ اس لیے بڑے غور سے سنتے تھے تاکہ انہیں رد کریں تو قطعی دلیل سے اور ختم کریں تو پوری قوت سے اور قبول کریں تو قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے۔

مکہ مکرمہ اور جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے شہروں میں اختلاف اقتصادی اور اجتماعی مسائل کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کا اختلاف مذہب اور عبادت میں تھا۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں قومی مذہب سے پھر جانا گویا عربی اتحاد کے ایک ستون کا مسمار ہو جانا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک جو شخص بھی اپنے آبائی دین سے پھر جاتا' عمرؓ ان سے برسرپیکار ہو جاتے اور اس کے اس حد تک مخالف ہو جاتے تھے کہ اس کا نام و نشان ختم کرنے کے درپے ہو جاتے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس کو ختم نہ کیا گیا تو ان کا قومی نظام معرض خطر میں پڑ جائے گا جو دوسری قوموں کے مقابلہ میں انہیں قوت بہم پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی ترک کی تو نہ صرف سیدنا عمرؓ کے باپ خطاب نے اس کی شدید مخالفت کی بلکہ دوسرے مکہ والوں نے بھی مل کر ان کو سرزمین مکہ سے باہر نکال دیا۔ حضرت عمرؓ کی نگاہ میں بت پرستی کے دین سے پھر جانے والوں کو محض اس لیے معاف نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ علم و حکمت کی دولت سے بہرہ ور تھے کیونکہ بندگان فکر و نظر سے

Marfat.com

انہیں خاص چڑ تھی۔ علم و حکمت ہی نے سیدنا عمرؓ کی نگاہ میں ان کا جرم شدید کر دیا تھا کیونکہ عوام جاہلوں کی پیروی نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں اپنی عقیدتوں کا مرکز بناتے ہیں بلکہ وہ انہی لوگوں کے پیچھے چلتے ہیں جن کی تلاشِ حق میں دقتِ نظر اور معاملہ فہمی پر انہیں اعتماد ہوتا ہے۔ چنانچہ قس بن ساعدہ الایادی اگر عرب کے بتوں کی عیب جوئی کرتا ہے تو کرے کیونکہ وہ عیسائی ہے اور اس کا عیسائی ہونا ہی اس کی عیب جوئی کے جواز کے لیے کافی ہے لیکن زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' عثمان بن الحویرث' عبداللہ بن جحش اور اسی گروہ کے دوسرے مکہ والے اگر بت پرستی چھوڑ کر توحید کی آواز نکالتے ہیں تو ان کا کوئی عذر مسموع نہیں ہو سکتا اور وہ کسی حال میں قریش مکہ کی دراز دستیوں اور چیرہ دستیوں سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں اگر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ عوام کو گمراہ کریں گے اور قریش کی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گی۔ سیدنا عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کا یہ تشدد ہی تھا جس نے قریش کی وحدت اور مکہ کی قدر و منزلت کو برقرار رکھا کیونکہ اسی تشدد کے خوف سے بہت سے بندگان خدا اور بندگان علم و حکمت اپنے عقائد سے روگردان نہ ہو سکے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو جہاں اور مکہ والے آپ کے اور آپ کے ماننے والوں کے مخالف ہو گئے وہاں عمر بن خطاب بھی سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ بے رحم تھے۔ ان کے مزاج کی درشتی اور غصے کی تیزی نے انہیں حد درجہ تشدد پسند بنا دیا تھا حالانکہ اس وقت ان کی عمر قریباً ۲۰ سال تھی لیکن تارکین اصنام کے ساتھ ان کے مزاج کی سختی اور تعصب کی حدت نے انہیں بے رحم بنا دیا تھا اور اسلام کے حلقہ میں آنے والوں کے لیے ان کا لوہا ہمیشہ تیز رہتا تھا۔ جب توحید کی دعوت پھیلنے لگی تو ان بے دست و پا مسلمانوں کو نشانہ ستم بنانے میں جہاں ابو جہل' امیہ بن خلف' عقبہ بن ابی معیط کا نام آتا ہے وہاں عمر بن خطاب بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس نئی دعوت کے مخالفین میں عمر بن خطاب کا نام سرِ فہرست ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ مشرکین مکہ میں وہ سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ انہیں وہ طرح طرح کی اذیتیں دیتے' مختلف قسم کے ظلم و ستم توڑتے' طرح طرح سے انہیں ستاتے اور ہر طریقہ سے انہیں دین اسلام کو چھوڑنے پر مجبور کرتے۔ چنانچہ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ ایک دن سیدنا صدیق اکبرؓ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ عمرؓ ایک لونڈی کو مسلمان ہونے کے جرم میں مار رہے ہیں۔ مارتے مارتے

Marfat.com

تھک گئے تو چھوڑ دیا اور کہا: "میں نے تمہیں تھک کر چھوڑا ہے"۔ لونڈی نے جواب دیا: "یہی خدا نے تمہارے ساتھ کیا ہے" سیدنا ابو بکرؓ نے اس لونڈی کو خرید کر آزاد کر دیا" اسی طرح کے اور کئی واقعات تاریخ و سیرۃ کی کتابوں میں ملتے ہیں کہ عمرؓ نے ان غلاموں اور لونڈیوں کو خوب مارا جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔

روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے جو دشمنی تھی وہ جہالت اور تعصب کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ آپ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ سر زمین مکہ میں آپ سے زیادہ علم و حکمت کا جاننے والا اور کوئی نہیں۔ اگرچہ آپؐ پڑھے لکھے نہیں لیکن آپؐ کے قلب میں علم و حکمت کے چشمے پھوٹے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کے بعض اقوال سے بہت متاثر بھی تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اسلام کی اس نئی دعوت کے سخت خلاف تھے اور روز بروز ان کی دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا، حتیٰ کہ مسلمان ان کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ گئے۔ عمرؓ کی اسلام کے بارہ میں یہ ساری دشمنی اس بات کا نتیجہ تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا گیا تو قریش کی وحدت کا یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور مکہ مکرمہ کی حدود میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ مکہ میں ایک بے سکونی اور انتشار کی فضا پیدا ہو جائے گی اور بلدِ حرام کی قدر و منزلت کو نقصان پہنچے گا۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے والے مسلمانوں کو مار کر دوبارہ اپنے دین پر نہ لایا گیا تو پورے مکہ اور قریش کی ہوا اکھڑ جائے گی اور مکہ کا وقار فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔

آپ کمزور مسلمانوں کو مارتے اور بہت مارتے اور پھر ان کے صبر و استقلال کو دیکھ کر خلوت میں بیٹھ کو یوں بھی کہتے کہ "آخر ان بے چاروں کا قصور کیا ہے جس کی پاداش میں ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں بلکہ سارا قصور تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کی معجز بیانی اور قادر الکلامی نے ان غریبوں اور بے نواؤں کو اپنے حلقہ میں پھانسا ہوا ہے، لیکن پھر خیال آتا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتنہ کو ختم کر دیا جائے تو مکہ کا گیا ہوا سکون واپس لوٹ سکتا ہے اور تمام قبائل پھر اسی طرح اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ پھر دوسرے لمحے یہ خیال بھی آتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بھی تو غلط نہیں ہیں بلکہ ان کی باتیں بڑی دل آویز ہیں۔ وہ اپنی دعوت علم و حکمت پر مبنی بنیادوں پر دیتا ہے۔ اس کی دعوت کا پیرایہ بڑا حسین ہے۔ اس نے اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس کی یہ

Marfat.com

دعوت کیسے جھوٹی ہو سکتی ہے؟" پھر یہ خیال آتا کہ "اسے قتل بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی دعوت کو قبول کرنے والے صرف کمزور لوگ ہی نہیں بلکہ بعض کا تعلق مکہ کے معزز قبائل سے ہے جیسے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ کا تعلق بنو تیم بن مرہ سے' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کا تعلق بنو زہرہ سے' سیدنا ارقم بن ابی ارقم کا تعلق بنو مخزوم سے' سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا حذیفہ بن ابی سفیانؓ کا تعلق بنو امیہ سے' سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ بنو فہر بن مالک سے اور زبیر بن عوامؓ کا تعلق بنو اسد سے تھا۔ ان سب حضرات کو اپنے اپنے قبیلہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اگر ان لوگوں پر کوئی زیادتی ہوئی تو ان کے قبائل ان کی ضرور مدد کریں گے۔

یہ سارے سوالات عمرؓ کو تنہائی میں پریشان رکھتے' لیکن دوسری طرف اپنی قوم کا انتشار بھی ان سے برداشت نہ ہوتا' چنانچہ وہ اپنی طبیعت پر جبر کر کے اسلام کی دعوت کو قبول کرنے والے مسلمانوں پر بھی سختی شروع کر دیتے' مقصد وہی تھا کہ مکہ کی حرمت و عظمت بحال رہے اور قریش تشتت وافتراق کی باد سموم سے محفوظ و مصئون رہیں۔

قریش مکہ اور عمرؓ جیسے دوسرے لوگوں کی روزبروز کی سختیوں سے جب مسلمان تنگ آ گئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ ابن خطاب نے جب مسلمانوں کو گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑتے دیکھا تو ان کا دل پسیجا۔ قلب میں رحم کے جذبات نے انگڑائی لی۔ تارکین وطن اور مہاجرین حبشہ کی جدائی ان کے دل کا بوجھ بن گئی۔ وہ حیران تھے کہ اسلام کی اس دعوت میں کتنی جاذبیت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے صدیوں کے تعلقات منقطع کر کے مکہ جیسی پاکیزہ سرزمین کو بھی چھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ اب انہوں نے راتوں کی تنہائی میں اس دعوت کے نشیب و فراز کے بارہ میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ وہ توحید کے نشہ کے متوالوں کو دیکھتے تو ان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں رحم کے جذبات کروٹیں لیتے۔ چنانچہ بعض دفعہ ان کی آنکھیں بھی نم ناک ہو جاتیں اور اب مسلمانوں پر تشدد کرنے کے بجائے رحم کرنے لگے۔

عمرؓ دیکھ رہے تھے کہ ہر انسان کو فطرت سے ڈر لگتا ہے اور طبعی طور پر انسان خطرات اور ان کے نتائج سے گھبراتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے والے لوگ اگرچہ معاشرہ میں نہایت کمزور ہیں لیکن وہ عزم و ہمت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ راستہ کا کوئی خطرہ انہیں اپنی منزل پر پہنچنے سے نہیں روک

Marfat.com

سکتا۔ ایمان ویقین ان کا زادِ راہ ہے اور اللہ رب العزت پر توکل ان کا اسلحہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ دین روزبروز رو بہ ترقی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے دلوں کو ذاتی مصالح اور شخصی منفعت سے بے نیاز کر کے دین کی صراطِ مستقیم پر چلنا شروع کیا ہے اور وہ ان تھک طریقے سے اس راہ پر گامزن ہیں۔ اور راستہ کی ہر تکلیف کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے ہیں۔ ان سب باتوں نے عمرؓ کے دل پر اثر کیا۔ ان کا دل کوئی پتھر کا دل نہیں تھا بلکہ گوشت پوست کا دل تھا۔ پیروانِ اسلام کی زندگی نے عمرؓ کی زندگی میں انقلاب کی لہریں پیدا کر دیں۔

انہوں نے دیکھا کہ عثمان بن مظعونؓ ولید بن مغیرہ کی امان میں ہیں لیکن جب دیکھا کہ سرزمینِ مکہ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ماننے والوں پر ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں اور طرح طرح کی اذیتیں دی جا رہی ہیں اور وہ خود ولید بن مغیرہ کی پناہ میں قریش کے ہر ظلم وستم سے محفوظ ہیں تو وہ تڑپ اٹھتے ہیں اور دل سے کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میرا یہ امن و سکون اور وہ بھی ایک مشرک کی پناہ میں، یہ بات نہایت قابل افسوس ہے۔ وہ فوراً ولید کے پاس جاتے ہیں اور اس کی دی ہوئی امان شکریہ کے ساتھ اس کو واپس لوٹا دیتے ہیں۔ جونہی وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ سے نکلتے ہیں تو ایک بدبخت ان کے منہ پر اس زور کا طمانچہ مارتا ہے کہ ان کی آنکھ ضائع ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے عثمان! تم ایک معزز اور طاقتور شخص کی پناہ میں تھے، کوئی شخص تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر تم نے اس کی امان واپس نہ کی ہوتی تو تمہاری آنکھ ضائع نہ ہوتی۔ لیکن عثمان بن مظعونؓ جواب دیتے ہیں کہ اللہ کی پناہ زیادہ قابل بھروسہ اور قابل عزوشرف ہے۔ میری ضائع ہونے والی آنکھ صحیح وسالم آنکھ سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ یہ راہ حق میں ضائع ہوگئی۔

عمر بن خطابؓ کی آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کفار مکہ کے سامنے جس شخص نے قرآنی دعوت کو پیش کیا وہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ نہایت نحیف ونزار شخص لیکن دل جبلِ بو قبیس کی طرح مضبوط اور سخت۔ ان کے منہ سے قرآن حکیم سن کر قریش مکہ ان پر پل پڑتے ہیں اور مار مار کر لہولہان کر دیتے ہیں لیکن عبداللہ بن مسعودؓ اپنے زخموں کی ذرّہ برابر پرواہ نہیں کرتے اور ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو تو میں کل پھر ان کے سامنے قرآنِ حکیم کی تلاوت کروں۔ ساتھی کہتے ہیں: ”نہیں اتنا ہی کافی ہے تم نے ان کے سامنے وہ کلام پیش کر دیا ہے جسے وہ سخت ناپسند کرتے ہیں“۔

سیدنا بلالؓ کے حالات بھی ان کے سامنے تھے کہ قریش مکہ نے ان کے ساتھ کیا

Marfat.com

کچھ نہیں کیا۔ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے تعذیب کا ہر حربہ ان پر آزمایا لیکن وہ ہر ایذا کے مقابلہ میں احد احد پکارتے رہتے ہیں۔ بلالؓ کہتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ان کافروں کے نزدیک کوئی کلمہ احد سے بھی زیادہ باعث غیظ و غضب ہے تو میں ضرور ان کے سامنے وہ کلمہ کہوں۔

ان سب واقعات نے عمرؓ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اب ان کے مزاج میں نرمی اور قلب میں رحم کے جذبات انگڑائیاں لینے لگے اور کمزور مسلمانوں پر تشدد کرنے کی پالیسی میں انہوں نے نظر ثانی کرنا شروع کر دی۔

Marfat.com

عمرؓ حلقۂ اسلام میں

سیدنا عمرؓ کا اسلام لانا

ایک طرف عمرؓ کے ظلم و ستم جاری تھے۔ بے گناہوں پر ظلم ڈھائے جا رہے تھے یہاں تک کہ لوگ اب مکہ کی سرزمین کو چھوڑ کر حبشہ کیلئے تیاری میں مصروف تھے۔ مکہ کے ہنستے بستے گھر تارکین وطن کی وجہ سے ویران دکھائی دے رہے تھے۔ ان سب باتوں کے اثرات عمر بن خطاب کے قلب پر بھی پڑے۔

ایک طرف یہ ہو رہا تھا۔ دوسری طرف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں پر کیے گئے ظلم و ستم کی وجہ سے نہایت پریشان تھے۔ اہل کفر میں دو شخص ایسے تھے جو نہایت جری، بہادر اور اسلام دشمنی میں نہایت سرگرم تھے۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ کبھی بھی حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ دونوں نہایت دبنگ قسم کے انسان تھے۔ ان دونوں کی یہ خصوصیات کفر کے لیے استعمال ہو رہی تھیں جو اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ کا باعث بن رہی تھیں۔ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز جوش میں آکر دعا فرمائی: (اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما عمرو بن ھشام و اما عمر بن الخطاب) اے اللہ! اسلام کو دو شخصوں میں سے ایک کے ساتھ عزت اور سرفرازی عطا فرما، یا تو عمرو ابن ہشام سے یا پھر عمر ابن خطاب سے۔

حاکم نے سیدنا ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمروں میں سے ایک عمر کے مسلمان ہونے کی دعا نہیں مانگی تھی بلکہ صرف عمر

Marfat.com

بن خطاب کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

اللهم اعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة

اے اللہ! خاص طور پر عمر بن خطاب کو حلقہ اسلام میں داخل کر کے اسلام کو عزت عطا فرما۔

(زرقانی جلد ا ص ۲۷۳، سنن ابن ماجہ جلد ا ص ۳۹)

بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

اللهم اعز الاسلام باحب الرجلين اليك بعمر بن الخطاب او بابى جهل بن هشام

اے اللہ! عمر بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ سے اسلام کو قوت پہنچا۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۹، دلائل النبوۃ جلد ۲ ص ۳)

ان دونوں میں سے زیادہ محبوب صرف اور صرف عمر بن خطاب تھے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مستجاب ہوئی۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو جس میں صرف سیدنا عمر بن خطابؓ کا نام آیا ہے طبرانی نے الاوسط میں اور الکبیر دونوں میں نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس دعا کو قبول فرمایا اور سیدنا عمرؓ جیسے دشمن اسلام کو جان نثار اسلام بنا دیا۔

ایک اور روایت میں جس کو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے، یہ الفاظ آئے ہیں :

اللهم اعز الدين بعمر

اے اللہ اسلام کو عمر سے عزت دے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶۹، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۳، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ا ص ۱۷۲)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ سیدنا عمرؓ پر اس دعا کی وجہ سے بالکل اچانک اسلام منکشف ہو گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی اعلیٰ اخلاقی زندگی' آپ کا شب و روز دعوت و تبلیغ دین میں مشغول رہنا' آپ کے ساتھیوں کا اپنے اس مشن کے لیے مختلف صعوبتیں اور اذیتیں برداشت کرنا' مخالفتوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ کی دعوت کا مستقل چرچا جس کی وجہ سے ہر ایک کے لیے آپ کا وجود ایک سوالیہ نشان بن گیا تھا' ان تمام چیزوں نے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی تخم ریزی کر دی تھی۔ قبائلی عصبیت اور اسلاف پرستی کی وجہ سے ایک شخص بظاہر عناد اور ضد میں مبتلا ہوتا مگر اندر ہی اندر اسلام کی خاموش پرورش کو بھی وہ روک نہ سکتا تھا۔ سیدنا عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں عام شہرت یہ ہے کہ اچانک ایک واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا' حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔ یہ درست ہے کہ آخری مرحلہ میں آپ کے اسلام کا محرک بلا شبہ یہ واقعہ تھا لیکن اس کی ابتدائی تخم ریزی آپ کے دل میں بہت پہلے ہو چکی تھی۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ سخت خوئی اور تند مزاجی کی وجہ سے تمام مکہ میں مشہور تھے اور مسلمانوں کو ایک طویل عرصہ تک ان کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں' لیکن جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام ان کے قلب میں جاگزیں ہوا۔ جب وہ مسلمانوں پر تشدد کرتے تو ان کے صبر اور توکل علی اللہ کو دیکھ کر ان کے قلب میں ایک خاص اثر ہوتا کہ آخر اسلام میں کوئی خوبی تو ہے تبھی تو یہ لوگ ہمارے ہاتھوں اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کر کے بھی اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہیں' لیکن اس کے ساتھ سیدنا عمرؓ باپ دادا کی ایجاد کردہ رسموں کا بھی بڑا احترام کرتے تھے اور کسی صورت میں انہیں چھوڑنے یا ان میں ردّو بدل کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات بھی ان کے ذہن کو متاثر کرتیں اور بتوں کی پوجا کے بارہ میں جب اسلام کی تعلیمات پر وہ غور کرتے کہ یہ نہ سنتے ہیں' نہ دیکھتے ہیں اور نہ کوئی نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں تو ان کے دل میں ان بتوں کے بارہ میں نفرت کے جذبات باہم دست و گریبان تھے پھر بعض موقعوں پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی غیبی دستگیری بھی کی اور غیبی آواز سے انہیں حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ بعثتِ نبوی سے کچھ عرصہ قبل میں ایک صنم کدہ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا۔ اور اسے ذبح کیا اس کے ذبح ہوتے ہی ایک آواز آئی:

"اے نجیح! ایک فصیح البیان شخص یہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ

Marfat.com

یہ آواز سن کر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں وہیں کھڑا رہا تاکہ دیکھوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے لیکن پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد یہ مشہور ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ (بخاری جلد ا ص ۵۴۶)

بعض کتابوں میں یہ روایت اس طرح ہے کہ ابو جہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے اس کے لیے میں سو اونٹ کا کفیل اور ضامن ہوں۔ عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے بالمشافہ ابو جہل سے دریافت کیا کہ تمہاری طرف سے کیا یہ ضمانت درست ہے۔ ابو جہل نے جواب دیا کہ ہاں۔ عمرؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے تلوار لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بچھڑا نظر آیا جسے لوگ ذبح کر رہے تھے۔ میں بھی دیکھنے کے لیے وہاں کھڑا ہو گیا۔ میں وہاں کھڑا تھا کہ کسی پکارنے والے نے بچھڑے کے پیٹ میں سے آواز دی کہ :

يا آل ذريح! امر بخيح' رجل يصيح بلسان فصيح يدعوالى شهادة ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله

اے آلِ ذریح! ایک کامیاب امر ہے' ایک مرد فصیح زبان کے ساتھ پکار رہا ہے اور وہ لوگوں کو شهادة ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله کی طرف بلا رہا ہے۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ یہ آواز دراصل مجھ کو دی جا رہی ہے اور میں ہی اس آواز کا مخاطب ہوں۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۳۸' باب اسلام عمر زرقانی جلد ا ص ۲۷۶ وغیرہ)

اس غائبانہ آواز نے سیدنا عمرؓ کے قلب وذہن پر کیا اثر چھوڑا اگرچہ سیدنا عمرؓ نے اس کو خود بیان نہیں فرمایا لیکن الفاظ کے نشیب و فراز بتا رہے ہیں کہ اسلام کے اثرات قلب عمرؓ میں جاگزین ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان کا رویہ اہلِ اسلام سے پہلے سے مختلف ہو گیا۔ سختی کے بجائے اب نرمی آ گئی۔ چنانچہ ان کے اپنے قبیلہ کی ایک عورت ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ السابقون الاولون میں سے تھیں' فرماتی ہیں کہ جب ہم حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو عمرؓ آئے اور میرے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ ابھی تک اپنے شرک پر قائم تھے اور ہمیں ان کی ذات سے طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ میرے خاوند عامر بن ربیعہؓ کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے اور میرا شیر خوار بچہ عبداللہ کھیل رہا تھا۔ عمرؓ نے پوچھا: "ام

Marfat.com

عبداللہ! کدھر کا ارادہ ہے؟" میں نے جواب دیا: "تم لوگوں نے خدا کے دین کی پاداش میں ہم پر مکہ کی سرزمین تنگ کردی ہے لیکن اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ ہم گھربار چھوڑ کر جا رہے ہیں"۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: "ام عبداللہ! جانا یقینی ہے؟" میں نے کہا: "ہاں"۔ فرماتی ہیں: "میری بات سن کر عمرؓ نے ٹھنڈی آہ بھری اور صرف اتنا کہا "صحبکم اللہ" (خدا تمہارا ساتھی اور حامی ہو) فرماتی ہیں: "میں نے جیسی رقت اس وقت ان پر طاری دیکھی اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے جانے سے وہ سخت دل گیر تھے۔ جب میرے شوہر عامر بن ربیعہؓ آئے تو میں نے انہیں یہ واقعہ سنایا اور کہا: میرا خیال ہے کہ عمر اب اسلام قبول کرلیں گے۔ عامر بن ربیعہؓ نے جواب دیا: خطاب کا گدھا ایمان لے آئے تو لے آئے لیکن اس شخص سے امید نہیں۔"

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے رویہ اور مزاج میں مسلمانوں کے بارے میں کافی تبدیلی آچکی تھی۔ اب مسلمانوں سے دشمنی محبت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور اب انہیں اذیتیں دینے کے بجائے ان کے لیے دعائیں کی جارہی تھیں۔ اور دعائیں بھی کسی بت کی نہیں بلکہ اللہ کے نام کی (صحبکم اللہ) شاید ابھی تک داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور ان کی دعوت توحید کی آواز کان میں نہیں پڑی تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ "میں اسلام سے کوسوں دور تھا۔ جاہلیت میں شراب پیتا تھا اور خوب پیتا تھا۔ ہماری ایک محفل جمتی تھی جس میں قریش کے اکثر نوجوان شامل ہوتے تھے۔ ایک رات میں اس محفل میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر میں مکہ کے فلاں مے فروش کے پاس چلوں تو شاید مجھے شراب کا جام مل جائے لیکن وہ بھی مجھے نہ ملا۔ اب میں نے سوچا کہ چلو کعبے کے سات طواف کرلوں۔ میں اس نیت سے کعبہ میں پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں۔ رخ شام کی طرف تھا اور کعبہ آپ کے اور شام کے درمیان تھا۔ آپ حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین نماز ادا فرمارہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ آپ کے کلام سننے کا یہ بہترین موقع ہے۔ سنوں تو سہی آخر آپ کہتے کیا ہیں؟ اس خیال سے میں حجر اسود کی طرف سے غلاف کعبہ میں گھس گیا۔ آپ نماز میں کلام پاک کی تلاوت فرمارہے تھے۔ میرے اور آپ کے درمیان غلاف کعبہ تھا۔ آپ کا قرآن سن کر میرے دل میں رقت طاری ہوگئی اور میری آنکھیں نمناک ہوگئیں اور اسلام میرے باطن میں در آیا۔ میں ساکت وصامت اپنی جگہ کھڑا رہا۔ آپؐ نے نماز ختم کی اور گھر جانے کے

ارادے سے روانہ ہوئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے دبے پاؤں ہولیا۔ گھر کے قریب پہنچے تو آپ نے میری آہٹ سن کر مجھے پہچان لیا۔ آپ نے سمجھا کہ شاید میں کسی بُری نیت سے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹ کر پوچھا:

ابن خطاب! اس وقت تم کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول اور اس کی وحی پر ایمان لانے کے لیے آیا ہوں"۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: "عمر! اللہ نے تمہیں ہدایت عطا فرمادی" یہ کہہ کر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثبات کی دعا فرمائی۔ اس طرح میں آپ کے دین کی دولت سے مالا مال ہو کر آپ کی خدمت اقدس سے واپس لوٹا۔

یہی روایت مسند امام احمد بن حنبل میں یوں مروی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

اسلام سے پہلے میں اس ارادہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا ہو جائے گھر سے نکلا۔ آپ مجھ سے پہلے مسجد میں موجود تھے۔ میں جا کر آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے داخل مسجد ہو کر نماز شروع کر دی اس میں سورۃ الحاقہ کی تلاوت شروع فرمائی۔ میں کھڑا سنتا رہا یہاں تک کہ قرآن حکیم کے نظم و اسلوب نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: "خدا کی قسم جیسا کہ قریش کہتے ہیں یہ شخص واقعی شاعر ہے۔ میں دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ نے یہ آیت پڑھی۔

انّه لقول رسول کریم. وما هو بقول شاعر، قلیلاً ما تؤ منون

یہ ایک بزرگ رسول کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔

اب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ شخص تو کاہن ہے، تبھی تو میرے دل کی بات جان گیا ہے، لیکن اس کے بعد ہی آپ نے یہ آیت پڑھی۔

ولا بقول کاهن، قلیلاً ما تذکرون، تنزیل من رب العالمین

یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔

جب آپؐ نے یہ سورت ختم کی تو اسلام میرے دل پر اثر انداز ہو چکا تھا (**فوقع فی قلبی الاسلام کل موقع**)

(مسند احمد جلد ا ص ۱۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۰۹، عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۶، ابن ہشام جلد ا

ص ۳۴۶۔۳۴۸ وغیرہ)

یہ ہے سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کا اصل واقعہ جس کو سیدنا عمرؓ نے اپنی زبان سے خود بیان کیا ہے اور بخاری اور مسند امام احمد بن حنبل جیسی معتبر روایات میں بیان ہوا ہے لیکن اس کے برعکس جو واقعہ کذاب راویوں نے بیان کیا ہے اس کو اتنی شہرت دی گئی کہ بخاری اور مسند احمد کی روایات نیچے دب کر رہ گئیں۔ وہ واقعہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز عمر بن خطاب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مصمم ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ صفا کے قریب دار ارقم میں اقامت فرما تھے اور مسلمانوں کی مجموعی تعداد اس وقت چالیس کے قریب تھی۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نعیم بن عبداللہ النخامؓ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (یہ نعیم بن عبداللہ النخام مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ النخام کا لفظ نحمہ سے مشتق ہے۔ نحمہ کے معنی ہیں آہٹ یا کھنکار کی آواز۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا: سمعت نحمتهٗ فی الجنة" میں نے جنت میں اس کی کھنکار سنی۔ اس خوشخبری کی وجہ سے ان کا لقب "النخام" پڑ گیا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۳۴۹)۔ بعض روایات میں ہے کہ بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی شخص سے ملاقات ہو گئی۔ (ملاحظہ ہو عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۰، مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳)۔

۔ ۔ ۔ ۔ مل گئے۔ نعیم نے عمر کے تیور دیکھ کر اندازہ لگایا اور پوچھا: "ابنِ خطاب! کہاں کا ارادہ ہے؟" عمرؓ نے جواب دیا: "اس فتنہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے جا رہا ہوں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کر رکھا ہے"۔ نعیم نے کہا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے؟" عمرؓ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی صابی (بے دین) ہو گیا ہے اور اپنے باپ دادے کا دین چھوڑ بیٹھا ہے"۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا: "ابن الخطاب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لو تمہاری بہن فاطمہؓ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زیدؓ دونوں صابی ہو چکے ہیں اور باپ دادا کے دین کو خیر باد کہہ کر حلقہ رسول میں داخل ہو چکے ہیں۔

عمرؓ ان اشتعال انگیز اور طعن آمیز فقروں کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ان فقروں کو سنتے ہی غصے سے بپھر گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش چھوڑ کر بہن کے گھر پہنچ گئے۔ سیدنا خباب بن الارتؓ جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن حکیم کی تعلیم دے رہے تھے،

Marfat.com

عمرؓ کی آہٹ سنتے ہی چھپ گئے۔ عمرؓ گھر میں داخل ہوئے مگر تلاوت کی کچھ بھنک عمرؓ کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ عمر جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے' پوچھا: "تم کیا پڑھ رہے تھے؟" بہن اور بہنوئی نے بات کو چھپانا چاہا' لہٰذا کچھ خاموش رہے۔ عمرؓ نے اسی تیزی میں کہا میں نے سنا ہے کہ تم دونوں صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟ بہنوئی سعید بن زیدؓ نے کہا: عمر! اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟ بہنوئی کے اس جواب نے عمرؓ کے غصہ کو اور تیز کر دیا اور وہ ان پر پل پڑے۔ بہن فاطمہؓ شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمرؓ نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ لہو سے تربتر ہو گیا۔ اب بہن کو بھی جوش آ گیا' بولیں' اے خطاب کے بیٹے! تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے، ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہمیں محض اس لیے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ خوب جان لے' ہم اسلام کے حلقہ میں داخل ہو چکے ہیں اگرچہ تیری ناک خاک آلود ہو"۔

بہن کا یہ جوش سے بھرا ہوا جواب سن کر سیدنا عمرؓ کچھ پسیجے اور آپ کے غصہ میں کچھ ٹھنڈک پیدا ہوئی اور شرم آ گئیں لہجے میں کہا: "مجھے دکھاؤ' تم کیا پڑھ رہے تھے؟" بہن نے کہا: "تم ناپاک ہو اور قرآن حکیم کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ جاؤ' وضو کر کے آؤ۔

اب عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اصل حقیقت معلوم کرنے کا شوق اتنا بڑھ چکا تھا کہ بہن کے اس سخت اور توہین آمیز کلام کو نہایت صبر سے برداشت کیا۔ فوراً اٹھے اور وضو یا غسل کیا (اختلاف الروایات فی ذالک) اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا۔ اس میں لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" عمرؓ اللہ جل شانہ کے یہ نام دیکھ کر لرزہ براندام ہو گئے اور صحیفہ مبارکہ کو وہیں رکھ دیا۔ جب آپ کے اوسان بجا ہوئے تو اسے پھر اٹھایا۔ بسم اللہ کے بعد سورۃ طٰہٰ لکھی تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ ان کے قلب پر نقش ہو رہا تھا۔ فصاحتِ زبان محاسنِ کلام' ندرتِ بیان' بلندیِ معانی' جامعیتِ مطالب' حسنِ انشاء' شگفتگیٔ الفاظ اور تعلیماتِ ہدایت کی پاکیزگی پر سر دھنتے تھے۔ آخر جب اس آیت پر پہنچے۔

انی انا اللہ' لا الہ الا انا فاعبدنی و اقم الصلوٰۃ لذکری

میں ہی معبودِ برحق ہوں' میرے سوا کوئی پرستش کا اہل نہیں' پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

Marfat.com

تو صداقت کا جذبہ کامل اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلب صافی میں محشر انگیز ہوا اور انوارِ رُشدو ہدایت نے رہبری فرما کر چشم بصیرت کھول دی۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور زبان سے بے اختیار نکلا! "کیسا ہی پاکیزہ کلام ہے"۔ حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابل پرستش و ستائش ہے (ما احسن الکلام واکرمہ) اس کے بعد بے اختیار بول اٹھے :اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله۔

سیدنا خباب بن الارتؓ مکان میں چھپے یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب انہوں نے سیدنا عمرؓ کی زبان سے کلمہ شہادت سنا تو فوراً باہر نکل آئے اور سب حضرات نے خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور جوش مسرت میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ خباب بن الارتؓ نے کہا: "عمر! خوشخبری ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ عمرؓ نے خبابؓ سے کہا' مجھے اسی قت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دار ارقم المخزومی میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا خباب بن الارتؓ سیدنا عمرؓ کو ساتھ لے کر دار ارقم کی طرف روانہ ہوئے جہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام جن میں سیدنا حمزہؓ بھی موجود تھے جو صرف تین روز قبل ایمان لائے تھے' تشریف فرما تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یہ معلوم کر کے کہ عمرؓ اندر آنا چاہتے ہیں' کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا کیونکہ عمرؓ انتہاء درجہ مغلوب الغضب اور اسلام کی دشمنی میں بڑے غالی تھے۔ مکان میں موجود سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ عمرؓ خون خرابہ کرنے آئے ہیں۔ اصل حقیقت حال کا کسی کو پتہ نہ تھا' اس لیے سب خوف زدہ تھے۔ سیدنا حمزہؓ نے فرمایا: دروازہ کھول دو اور آنے دو' اور سن لو اگر عمرؓ اطاعت حق اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو اہلاً و سہلاً' اور اگر کسی ایذاء رسانی کے ارادہ سے آیا ہے تو اسی کی تلوار ہو گی اور اسی کا سر۔

سیدنا عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر مجھے کھڑا کر دیا۔ آپؐ نے ان دونوں شخصوں سے فرمایا: ان کے ہاتھ چھوڑ دو۔ آپؐ نے پھر میرا کرتا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے! اسلام لا" اور پھر یہ دعا فرمائی:

Marfat.com

اللھم اھدہ
اے اللہ! اس کو ہدایت دے

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا!

"اے اللہ! یہ عمر بن خطاب حاضر ہے۔ اے اللہ! اس سے اپنے دین کو عزت دے"۔ پھر عمرؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"عمر! کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک حق تعالیٰ تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے؟"

علامہ شبلیؒ نے نعیم بن عبداللہ والی یہ روایت بیان کر کے لکھا ہے کہ:

"یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا' پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے۔ صحابہ کو تردّد ہوا' لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا: آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: کیوں عمر' کس ارادہ سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہائت خضوع کے ساتھ عرض کی "ایمان لانے کے لیے" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے بے ساختہ "اللہ اکبر" کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔" (سیرت النبی جلد۔ ا ص ۲۲۴۔۲۲۶)

علاوہ ازیں اور بھی کئی حضرات نے اپنی کتابوں میں چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اس قصہ کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۳۴۵۔۳۴۶' عیون الاثر لابن سید الناس جلد ا ص ۲۱۶۔۲۱۷' زرقانی جلد ا ص ۲۷۶ وغیرہ۔

یہ سارا قصہ ہم نے سیرۃ النبی اور دوسری کتابوں سے نقل کیا ہے اور علامہ شبلیؒ جیسے محقق نے اس کو اپنی کتاب "الفاروق" میں بھی نقل کیا ہے' لیکن علامہ شبلیؒ نے اس واقعہ کی اسناد اور روایت کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اردو میں کتابیں لکھنے والے دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بھی اس قصہ کو بڑے شدومد سے لکھا ہے اور اسی کو سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کے بارہ میں علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کو انساب الاشراف' بلاذری' طبقات ابن سعد' اسد الغابہ' ابن عساکر اور کامل ابن اثیر میں نقل کیا گیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس واقعہ پر کوئی بحث کریں' علامہ شبلیؒ کے جانشین علامہ سید

Marfat.com

سلیمان ندویؒ نے اس واقعہ کے بارہ میں جو وضاحت کی ہے' اس کو ملاحظہ فرمائیں سید صاحب فرماتے ہیں :

"دار قطنی نے اس روایت کو مختصر لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب طہارۃ للقرآن) ذہبیؒ نے مستدرک حاکم ص ۵۱۹ جلد ۴ کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے۔ اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان کے حال میں' جو اس روایت کا ایک راوی ہے' لکھا ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا قصہ بیان کیا ہے "وھی منکرۃ جداً" اور وہ نہایت منکر ہے۔ کنز العمال (فضائل عمر ابن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف' قاسم بن عثمان' اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ۳ ص ۲۳۵)

اس قصہ کی بعض روایات میں سورۃ حدید کی تلاوت کا ذکر ہے اور بعض میں سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے اور بقیہ کہانی وہی ہے۔ یہ روایات طبقات ابن سعد' مسند ابی یعلیٰ' سنن دار قطنی' مستدرک حاکم' بیہقی' طبرانی' بزار اور ابو نعیم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان سب کی روایات میں جو راوی ہیں ان کے بارہ میں علمائے جرح و تعدیل نے جو جرح کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ قاسم بن عثمان : اس نے سیدنا انس بن مالکؓ سے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس قاسم کے بارہ میں فرمایا ہے کہ یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے جس کا کوئی شاہد نہیں ہوتا۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ نہایت ردی اور منقطع ہے (تلخیص مستدرک) میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا عمرؓ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۷۵) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس نے سیدنا عمرؓ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں: "یہ قوی نہیں ہے"۔ (لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۶۳)

ایسا ہی دوسرے دو راویوں اسحاق بن ابراہیم اور اسامہ بن زید بن اسلم کے بارہ میں ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۷۹' ص ۱۷۴)

گویا کہ اس قصہ کے سارے راوی ناقابلِ اعتماد اور غیر ثقہ ہیں۔

درایت کے لحاظ سے بھی یہ قصہ بالکل غلط ہے اور سیدنا عمرؓ کو خونی' ظالم اور یہاں

Marfat.com

تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے' ثابت کرنے کے لیے تراشا گیا ہے۔ اس کے غلط ہونے کے شواہد حسب ذیل ہیں۔

ا۔ اس روایت کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اپنی بہن فاطمہؓ اور اپنے بہنوئی سیدنا سعید بن زیدؓ کے اسلام لانے سے ناآشنا تھے' اور آپ کو نعیم بن عبداللہ کی زبانی پتہ چلا کہ وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں حالانکہ یہ بات صحیح روایت کے خلاف ہے چنانچہ بخاری میں سیدنا سعید بن زیدؓ کی اپنی زبان سے یہ بات منقول ہے۔

والله' لقد رايتني عمر لموثقي على الاسلام قبل ان يسلم عمر

(بخاری جلد ا ص ۵۴۵۔۵۴۶)

اللہ کی قسم' میں نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ عمرؓ اسلام لانے سے قبل مجھے باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔

اس روایتِ صحیحہ سے غیر مبہم طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اس کے اسلام لانے کے بعد رسیوں سے باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے تاکہ وہ کہیں اور نہ جا سکیں اور کسی دوسرے قریشی تک اپنے ایمانی جراثیم منتقل نہ کر سکیں۔

۲۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تاکید فرمائی ہوئی تھی کہ اہل ایمان اپنے ایمان کو مخفی رکھیں۔ چنانچہ جب سیدنا ابوذر غفاریؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ نے ان کو بھی تاکید فرمائی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پوشیدہ طور پر دار ارقم میں رب واحد کی عبادت فرماتے تھے۔ جب حالات یہ تھے تو نعیم بن عبداللہؓ نے سیدہ فاطمہ بنت خطابؓ اور سیدنا سعید بن زیدؓ کے ایمان کے راز کو کیوں فاش کر دیا؟ یہ تو انہوں نے ان دونوں سے گویا کہ اپنی کسی دشمنی کا بدلہ لیا ہوگا؟ یہ بات خلاف عقل ہے۔

۳۔ اس واقعہ میں سورہ الحدید کی ابتدائی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ جب کہ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ۶ نبوی کا ہے اور بعض کے نزدیک ۵ نبوت کا ہے (ملاحظہ ہو زرقانی شرح المواہب جلد ا ص ۲۷۲) گویا کہ یہ آیات ۱۵ سال بعد نازل ہوئیں، لیکن کذاب اور سبائی راویوں نے ۱۵ سال قبل سیدنا عمرؓ کے منہ سے ان کی تلاوت کرا دی۔

۴۔ سیدنا سعید بن زیدؓ کے والد زید، جو سیدنا عمرؓ کے حقیقی چچا تھے' بعثت نبوی سے قبل ہی بت پرستی کے سخت مخالف اور توحید کے پرچارک تھے، زید کو ان کے اس نعرۂ توحید

Marfat.com

پر ان کے بھائی خطاب نے اور قریش کے دوسرے کئی افراد نے اذیتیں بھی دیں۔ اور بالآخر مکہ مکرمہ سے جلاوطن کر دیا۔ اسی زید کے فرزند ارجمند سیدنا سعیدؓ اعلانِ نبوت کے چند روز بعد ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ اتنی جلدی مشرف بہ اسلام ہونے میں ان کی گھریلو زندگی کے بھی اثرات تھے' لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عمرؓ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا بعید از عقل اور واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔

ان شواہد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دشمنان عمر نے انہیں سفاک' ظالم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنانے والا ظاہر کرنے کے لیے گھڑا ہے وگرنہ حقیقت یہ نہیں ہے۔

سیدنا عمرؓ اسلام کیا لائے مسلمانوں میں خوشی و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس زور سے صدائے تکبیر بلند کی کہ آواز مکہ مکرمہ کی گلیوں اور شاہراہوں پر سنی گئی (فکبر المسلمون تکبیرۃ سمعت بطرق مکہ) (عیون الاثر جلد ۱ ص ۱۲۷)

عمرؓ کے اسلام لانے کی خوشی نہ صرف اہلِ زمین کو ہوئی بلکہ آسمان والے بھی ان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی وجہ سے خوش ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ جب دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو جبریل امین علیہ السلام سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "اے محمد! تمام آسمان والے عمرؓ کے اسلام لانے سے خوش ہوئے ہیں۔ (لقد استبشر اھل السماء باسلام عمر)

(عیون الاثر جلد ۱ ص ۲۲۱' مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴' زرقانی جلد ۱ ص ۲۷۷' طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۹۲' ابن ماجہ' باب فضل عمرؓ' صفۃ الصفوۃ جلد ۱ ص ۲۷۴' نہایۃ الارب جلد ۱۶' ص ۲۵۶)

قریش مکہ کو اطلاع

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں جب اسلام لا چکا تو ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے بڑھ کر ہے' میں سب سے پہلے اسی کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اظہار اور اعلان کروں گا۔ خیال آیا کہ ابو جہل سے بڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور کوئی دشمن نہیں۔ چنانچہ میں سب سے پہلے ابو جہل کے مکان پر

Marfat.com

پہنچا، دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی۔ ابو جہل کو میرے بارہ میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادۂ بد کے ساتھ دارِ ارقم کی طرف گیا ہوں۔ وہ ہمہ تن انتظار تھا کہ جلد از جلد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی خبر ملنے والی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ جب عمرؓ دارِ ارقم کی طرف گئے ہوں تو کسی نے یہ مشہور کر دیا ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے وہاں گئے ہیں) چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ عمرؓ دروازہ پر کھڑا ہے تو اس نے نہایت عجلت سے دروازہ کھولا۔ سیدنا عمرؓ نے ابو جہل کو دیکھتے ہی کہا: "ماموں! میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتادوں کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کو قبول کر لیا ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول برحق پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لے آیا ہوں اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں"۔ یہ الفاظ سننے تھے کہ ابو جہل پر ایک بجلی سی گری اور اس نے غضبناک حالت میں جھٹ کواڑ بند کر لیے اور کہا: "جا تو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں"۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۳۵۰)

یہ بات ذہن میں رہے کہ ابو جہل سیدنا عمرؓ کی والدہ حنتمہ کا سگا چچازاد بھائی تھا اس لحاظ سے وہ سیدنا عمرؓ کا ماموں لگتا تھا۔

ابو جہل نے بد دعا تو اپنے بھانجے عمرؓ کو دی تھی، لیکن چند ہی سالوں کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ خود اور اس کے تمام عناد پیشہ ساتھی کس طرح جنگ بدر میں موت کے گھاٹ اترے اور نہایت خائب و خاسر ہو کر بدر کے کنویں میں پھینکے گئے اور خدائے قیوم نے اسلام اور عمرؓ دونوں کو عزت و سربلندی عطا فرمائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ جب اسلام لائے تو خیال آیا کہ اپنے اسلام کی ایسے شخص کو اطلاع دوں جو بات کے مشہور کرنے میں بہت زیادہ ماہر ہو تا کہ سب لوگوں کو میرے مسلمان ہونے کی اطلاع ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ چنانچہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا جو اس بات میں پورے مکہ میں مشہور تھا اور کہا: "جمیل! تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل یہ سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہوا مسجد حرام کی طرف بھاگتا ہوا گیا جہاں تمام سرداران قریش اور ہر قبیلہ کے رؤساء جمع تھے اور جاتے ہی باآواز بلند بولا: "لوگو! سن لو عمر صابی (بے دین) ہو گیا ہے" سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی جمیل کے پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جاکر کہا: لوگو!

Marfat.com

جمیل غلط کہتا ہے۔ میں صابی نہیں ہوا' میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سننا تھا کہ تمام لوگ عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کر دیا اور حالت یہ ہو گئی کہ لوگ عمرؓ کو مار رہے تھے اور عمرؓ لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے' اور فرمایا: "جو کچھ بن پڑے کر لو' بخدا! اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو مکہ میں یا تم رہتے یا ہم"۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۳۴۸۔۳۴۹' عمر ابن الخطاب ابن جوزی ص ۸)

علامہ ابن جوزیؒ نے سیدنا عمرؓ سے روایت بھی نقل کی ہے کہ "جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے اور اسے زدوکوب کرتے۔ چنانچہ جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاص بن ہشام (یہ سیدنا عمرؓ کا حقیقی ماموں تھا اور آپ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام کا سگا بھائی تھا) کو اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتایا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر میں قریش کے ایک بہت بڑے آدمی کے پاس گیا (شاید یہ ابو جہل کی طرف اشارہ ہے) اور اسے بھی اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ وہ بھی یہ خبر سن کر گھر کے اندر گھس گیا"۔ (عمر بن الخطاب ص ۸)

سیدنا عمرؓ جس روز مسلمان ہوئے' اگرچہ آپ بڑے جری اور بہادر تھے اور مکہ کا ہر شخص آپ سے دبتا تھا لیکن معاملہ عقیدہ اور دین کا تھا' اس وجہ سے سارا مکہ برافروختہ ہو گیا۔ ایک بہت بڑا ہجوم ان پر چڑھ دوڑا۔ آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جن کی عمر اس وقت چھ سال کے قریب تھی' فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا پورا میدان برافروختہ ہجوم سے پٹا ہوا تھا۔ سب طرف یہی شور تھا "صبا عمر" "عمر دین سے پھر گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہجوم نے گھر پر ہلہ بول دیا تھا اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں اور سیدنا عمرؓ خوف کے مارے گھر کے اندر تھے۔ اسی دوران ایک شخص آیا۔ وہ بڑی شان و شوکت کا آدمی تھا۔ یمنی آزار اور چادر جو "حبرہ" کہلاتی تھی زیب تن تھیں۔ قمیص میں ریشمی کپڑے کی کفیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ ہجوم کو چیرتا ہوا مکان کے اندر عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے دریافت کیا' کیا بات ہے؟ یہ ہجوم کیسا ہے؟" آپ کی قوم کے آدمی کہہ رہے ہیں کہ عمرؓ کو مار ڈالیں گے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں" سیدنا عمرؓ نے جواب دیا۔ اس رئیس نے کہا: "ایسا ہرگز ممکن نہیں" اس شخص کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ شخص وہاں سے نکلا اور ہجوم سے کہنے لگا: "اگر ایک شخص کا رجحانِ طبع کسی دوسری

Marfat.com

طرف ہو گیا ہے تو تمہارا اس میں کیا ہے ؟" اور کہا: "جب بنی عدی بن کعب (سیدنا عمرؓ کا قبیلہ) کو معلوم ہو گا کہ تم ان سے بر سر پرخاش ہو تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے ؟" اس کے بعد اس نے کہا: "اس کی طرف کوئی راہ نہیں، عمرؓ میری پناہ میں ہے۔ تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے"۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جیسے ہی اس شخص کی زبان سے امن اور پناہ کے الفاظ نکلے تمام ہجوم کائی کی طرح چھٹ گیا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۴۵، سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۴۹، عیون الاثر جلد ۱ ص ۲۲۰)

روایت کے آخر میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا اس وقت بچپنہ تھا۔ وہ عاص بن وائل السہمی کو نہیں پہچانتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب بڑے ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد محترم سے پوچھا: "ابا! وہ شخص کون تھا جس نے ہجوم کو منتشر کیا تھا؟" سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "وہ عاص بن وائل تھا جو قبیلہ سہم کا سردار تھا"۔

(دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۲ ص ۹، ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۴۹، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۸۲، فتح الباری جلد ۷ ص ۱۳۵)

یہ عاص بن وائل سیدنا عمرو بن العاصؓ کا والد تھا (قسطلانی جلد ۴ ص ۲۹) اس کو عاصی بن وائل بھی کہتے ہیں۔ یہ شخص مسلمان نہیں ہوا۔ یہ شخص دہریہ اور زندیق قسم کا آدمی تھا۔ مکہ میں چار آدمی ایسے تھے جو خدا کو بھی نہیں مانتے تھے بلکہ دہریہ اور زندیق تھے۔ وہ چار یہ تھے (۱) عاص بن وائل (۲) عقبہ بن ابی معیط (۳) ابی بن خلف (۴) ولید بن مغیرہ (والد سیدنا خالد بن ولیدؓ سیف اللہ) (عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۴۴۴) یہ عاص بن وائل ایک طرف تو اسلام کا سخت ترین دشمن تھا اور دوسری طرف سیدنا عمرؓ کو پناہ دے رہا ہے۔ سچ ہے "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"۔

ایک اور روایت جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے دلائل میں اسلم سے روایت کیا ہے، یہ ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے والا ابو جہل تھا۔ جب عمرؓ تن تنہا دشمنوں کے نرغے میں تھے، اور لوگ ان کو جان سے مار دینے کے درپے تھے، تو ابو جہل کو اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ فوراً آیا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے یہ سن کر ہجوم منتشر ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں: چونکہ مجھے یہ بات قطعاً گوارا نہ تھی کہ کافر مسلمانوں کو بدستور زدو کوب کرتے رہیں اور میں کھڑا دیکھا کروں، اس خیال سے میں اپنے ماموں (ابو جہل) کے پاس گیا اور برملا کہہ دیا کہ میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔

Marfat.com

(تاریخ الخلفا' سیوطی)

لیکن علامہ ابن جوزیؒ نے سیدنا عمرؓ کا جو بیان اپنی کتاب سیرۃ عمر ابن الخطابؓ میں نقل کیا ہے' اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے والا نہ تو عاص بن وائل تھا اور نہ ہی ابو جہل، بلکہ سیدنا عمرؓ کا حقیقی ماموں عاص بن ہاشم تھا۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ (جمیل بن معمر) بآواز بلند پکارنے لگا کہ لوگو! خطاب کا بیٹا صابی ہو گیا تو لوگ مجھ پر پل پڑے۔ وہ مجھے مارتے تھے اور میں انہیں مارتا تھا۔ میرے ماموں نے آکر کہا: "لوگو! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دے دی ہے۔ اب کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ تمام لوگ مجھ سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد میرے لیے یہ بات ناگواری کا باعث تھی کہ کوئی دوسرا مسلمان پٹتا نظر آئے' لیکن دشمنان دین کی ظلم رانی مجھے برابر اس الم ناک منظر کے دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا ہے کہ یہ بات دینی حمیت کے سخت خلاف ہے کہ دوسرے مسلمان تو برابر پٹ رہے ہوں' لیکن میری طرف کوئی انگلی بھی نہ اٹھائے۔ آخر ایک روز علی الصبح تمام لوگ حسبِ معمول حجر میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ "میں تمہاری امان اور پناہ واپس دیتا ہوں"۔ اس نے کہا: 'ایسا ہرگز نہ کرو" میں نے برابر انکار کیا۔ ماموں نے پوچھا: "تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟" میں نے کہا! "میری یہ خواہش ہے کہ میں پیٹوں اور پیٹا جاؤں یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہٗ اسلام کو غلبہ عطاء فرمائیں۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۱۱)

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کی اس نازک موقع پر مدد کرنے والا اور اپنی پناہ دے کر ہجوم کو منتشر کرنے والا نہ تو ابو جہل تھا اور نہ ہی آپ کا حقیقی ماموں عاص بن ہشام بلکہ یہ بنو سہم کا عاص بن وائل والد سیدنا عمر بن عاصؓ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی بنو سہم نے بنو عدی کو پناہ دی تھی جیسا کہ کتاب کے ابتدائی صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ بخاری میں بھی عاص بن وائل کا نام آتا ہے (بخاری جلد ا ص ۵۴۵) اور دوسرے کئی شواہد بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ اب اگر عاص بن وائل نے سیدنا عمرؓ کی حمایت کی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ ان دونوں قبیلوں میں دوستی کا آغاز اس وقت ہوا جب بنو عدی نے بنو عبد شمس سے مسابقت کی اور شکست کھائی اور بنو عدی کو بنو عبد شمس نے ان کے صفا والے گھروں سے نکال دیا اور وہ بنو سہم کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس پناہ نے سیدنا عمرؓ کو ان کے اسلام میں جری' قریش سے مقابلہ کرنے میں بے باک اور مسلمانوں کی حمایت و مدافعت میں حوصلہ مند

Marfat.com

بنادیا تھااور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت اور ان کی خود اعتمادی اور نمایاں ہو گئی تھی۔اب بھی بنو سہم کے سردار نے آپ کو پناہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ ہجوم تتر بتر ہو گیا۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ خدا! ایسا لگتا تھا کہ وہ لوگ (یعنی وہ ہجوم جو سیدنا عمرؓ پر ٹوٹا ہوا تھا) ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا۔ (ابن ہشام جلد ا ص ۲۴۹)۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ کا اسلام قبول کرنا خرمنِ کفر پر برقِ سوزاں بن کر گرا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ اور سیدنا عمر بن الخطابؓ کے اسلام لانے نے کفر کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا کردی۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی کیفیت ان سے بالکل مختلف تھی۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اب قریش مکہ کی چیرہ دستی کے بعد سیدنا عمر کا دریائے غیظ و خشم بت پرستوں کے خلاف ہر وقت موجزن رہنے لگا۔ ایک روز انہوں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں، ہم یقیناً حق پر ہیں"۔[1] سیدنا عمرؓ نے عرض کیا: "پھر یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ مشرکین تو علی الاعلان بت پرستی کریں، لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید الٰہی کے علم بردار چھپ کر اپنے خدا کی عبادت کریں"۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز سیدنا عمر بن الخطابؓ سے پوچھا کہ "کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟" آپ نے جواب دیا: "مجھ سے تین روز قبل سیدنا حمزہؓ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ پھر جب میں مسلمان ہوا تو میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ خواہ زندہ رہیں یا مریں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "کیوں نہیں، قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ حق پر ہو، خواہ زندہ رہو یا اس دنیا سے انتقال کر جاؤ"۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں: "تب میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! پھر یہ چھپنا کیسا؟ اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم ضرور باہر نکلیں گے اور علی الاعلان مسجد الحرام میں اپنی عبادت کریں گے"۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں حضور علیہ السلام کو ساتھ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں سیدنا حمزہؓ تھے اور دوسری صف میں مَیں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا (**له كديد ككديد الطحين**) حتی کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے مجھے اور سیدنا حمزہؓ کو دیکھا تو

Marfat.com

ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی جواب تک نہ لگی تھی۔ اسی روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا لقب "فاروق" رکھ دیا۔ (فسماني رسول الله صلى الله عليه وسلم الفاروق يومئذ)۔

(عمر ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۶۔ ۷ 'صفۃ الصفوۃ جلد ا ص ۲۷۲' دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا ص ۷۹۔ ۸۰ 'عیون التواریخ جلد ا ص ۷۵ 'تاریخ الاسلام 'ذہبی' جلد ا ص ۱۸۰) اس قسم کی روایت زرقانی شرح المواہب جلد ا ص ۲۷۷ پر بھی منقول ہے۔

اہل اسلام کا دار ارقم سے نکل کر مسجد الحرام میں آنا سیدنا عمرؓ کا ایک بہترین کارنامہ ہے۔ اس سے ایک تو اسلام اور اہل اسلام کو تقویت ملی' دوسرے رؤسائے قریش کو اپنے جبر و استبداد کا ایوان سرنگوں ہوتا دکھائی دیا اور وہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا حمزہؓ کو مسلمانوں کے حلقہ میں دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے :

> "سیدنا عمرؓ کا اسلام لانا گویا اسلام کی فتح تھی اور ان کی ہجرت نصرتِ الٰہی تھی اور ان کی خلافت ہدایتِ خداوندی تھی۔ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد الحرام میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں' لیکن عمرؓ کے مسلمان ہونے کے بعد ہم وہاں بلا خوف و خطر نماز پڑھنے لگے"۔

(البدایہ والنہایہ جد ۳ ص ۷۹)

بخاری میں انہی ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جب سے سیدنا عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت ہونے شروع ہو گئے۔

(بخاری جلد ا ص ۵۴۵ 'طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶۹ 'عمر ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۸)

سیدنا صہیب رومیؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا اور اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی اور حالت یہ ہو گئی کہ ہم حلقے بنا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے' بیت اللہ کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اور ہم سے چیرہ دستی سے پیش آیا اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب بھی دیا۔ (وردنا عليه بعض ماياتي به)

(عمر بن الخطاب ابن الجوزی ص ۱۳ 'تاریخ الخلفاء سیوطی)

Marfat.com

قریش کی سختیوں میں اضافہ

سیدنا عمرؓ اسلام لے آئے تھے اس لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ ان کے اسلام کی سب کو خبر ہو جائے اور قریش مکہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ کر لیں۔ ہمارا قوی خیال ہے کہ اگر پورا مکہ بھی مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جاتا تو سیدنا عمرؓ پورے مکہ کا مقابلہ کرتے۔ اسلام اس وقت نہایت کمزور حالت میں تھا۔ چالیس کے قریب لوگ ابھی اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ مسجد الحرام میں جو قریش کی آپ سے ہاتھا پائی ہوئی اس میں انہوں نے مارا بھی اور مار کھائی بھی۔ قریش کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے دین سے پھر جانے والا شخص ان کے مقابلے پر اتر آیا اور پھر آخر میں انہیں دھمکی بھی دی کہ اگر ہم تین سو کی تعداد میں ہوتے تو یا سب کچھ تم سے لے لیتے یا سب کچھ تمہارے لیے چھوڑ دیتے۔ غرض یہ کہ عمرؓ ہر طرح ان کا مقابلہ کرتے جب تک کہ ان کی قوت انہیں جواب نہ دے دیتی۔ یہ جرأت اور دلیری اس سے قبل کم ہی دیکھنے میں آئی جس جرأت اور بہادری کا مظاہرہ سیدنا عمرؓ نے کیا کہ ابوجہل جیسے شخص کے گھر گئے اس کے دروازے کو دستک دی اور پھر جب وہ باہر آیا تو اسے اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ عمرؓ طاقت ور تھے اور انہیں اپنی طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔ ان میں جرأت تھی، بہادری تھی، وہ ۲۶ سالہ نوجوان تھے اور اپنی جوانی پر انہیں مان تھا۔ مسلمان ہوتے ہی ایک اور بات کا ان میں اضافہ ہو گیا، وہ تھا "توکل علی اللہ" یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دوسرے مسلمانوں کی طرح چھپ کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے سے انکار کیا لہٰذا انہوں نے نہ صرف خود بلکہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی قسم کھائی اور یہ قسم انہوں نے اس وقت کھائی جب مسلمانوں کے لیے حالات نہایت ناسازگار تھے۔ انہیں اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا اور وہ مکہ کے آس پاس کی پہاڑیوں اور دارِ ارقم میں چھپ چھپ کر اپنی نمازیں ادا کرتے تھے۔ اب جو مسلمان دو قطاروں میں مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو سیدنا عمرؓ کی قسم پوری ہوئی، اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمرؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے لڑ بھڑ کر قریش مکہ کو مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز ادا کرنے سے نہ روکیں۔ چنانچہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سیدنا عمرؓ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ انہوں نے اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے عبادت کرنے کے وہ تمام حقوق

Marfat.com

حاصل نہ کر لیے جو اللہ کے دشمنوں کو اللہ کے گھر میں حاصل تھے۔اس جہاد میں سیدنا حمزہؓ ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔اس ایجابی موقف نے قریش کے تمام قبائل پر خصوصی اثر ڈالا۔اور بہت سے لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ جب عمر بن خطابؓ جیسا دشمن اسلام حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے تو اسلام واقعی ایک سچا مذہب ہے جس کی جاذبیت نے عمرؓ جیسے آدمی کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔لیکن وہ قریش کی چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں کے خوف سے اسلام قبول نہیں کر رہے تھے۔لیکن سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے نے انہیں بہت حوصلہ دیا کیونکہ انہوں نے اپنی جرأت اور بہادری سے قریش مکہ کو اتنا مرعوب کر دیا کہ مسلمان بغیر کسی مزاحمت کے بیت اللہ میں نماز پڑھنے لگے۔اب وہ بھی آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔جب سیدنا حمزہؓ اور عمرؓ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے تو قریش مکہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حمزہؓ اور عمرؓ کے اسلام نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کو قریش کے تمام قبائل میں پھیلا دیا ہے۔یہ صورت قریش کے لیے نہایت خطرناک تھی۔چنانچہ اب وہ اس نئی صورت کا مقابلہ کرنے کے لیے تدبیریں سوچنے لگے۔

وہ تدابیر جو انہوں اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے سوچیں ان میں ایک تدبیر یہ تھی کہ قریش کے تمام قبائل نے باہم مل کر ایک عہد نامہ مرتب کیا کہ خاندانِ ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے معاشرتی تعلقات منقطع کر دیے جائیں۔نہ انہیں کوئی بیٹی دے اور نہ کوئی ان کی بیٹی لے۔نہ اس سے کوئی شئے خریدی جائے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی شئے فروخت کی جائے۔پہلے تو وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامِ قتل کی تدبیریں سوچا کرتے تھے لیکن پھر ان کے ذہن میں یہ آیا کہ اگر انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا اقدام کیا تو مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی لہٰذا اب انہوں نے اپنی اسٹریٹجی (Stratigy) میں تبدیلی کی اور اقدام قتل کے بجائے ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو پہلی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین اور سخت تھی۔وہ ظالمانہ کارروائی یہ تھی کہ انہوں نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ تیار کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالہ نہ کر دیں گے ان دونوں خاندانوں سے ہر قسم کے معاشرتی تعلقات منقطع رہیں گے۔اور اس بارہ میں ان سے کسی قسم کی رواداری نہ برتی جائے گی۔

بعض سیرت نگاروں کے نزدیک یہ معاہدہ نضر بن حارث نے تحریر کیا تھا اور بعض روایات میں بغیض بن عامر بن ہاشم نے اس کو لکھا تھا' لیکن مشہور روایت میں منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم کا نام ہے کہ اس نے اس معاہدہ کو لکھا تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بد دعا فرمائی اور اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا جس سے اس نے اس معاہدہ کو تحریر کیا تھا۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۴۶' ابن سعد جلد ۱ ص ۲۰۹) یہ معاہدہ گویا ایک انتقام تھا جو سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عمرؓ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے لیا جا رہا تھا۔ دوسرا فائدہ ان کے نزدیک اس سے دعوت اسلامی کے پھیلاؤ کو روکنا تھا۔ چنانچہ اس معاہدہ پر قریش کے تمام قبائل کے سربر آوردہ حضرات نے دستخط کیے۔ اور جب یہ مرتب ہو گیا اور اس معاہدے پر ثابت و قائم رہنے کے لیے اس کو کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدہ نے طلب گارانِ اسلام کو ڈگمگا دیا اور وہ قریش مکہ کی اس معاندانہ روش کے ڈر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کر سکے۔

اس معاہدہ کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب دونوں کا مکمل بائیکاٹ شروع ہو گیا اور ابو لہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر' سمٹ کر شعب بنو ہاشم میں محصور ہو گئے۔ اس شعب (درّہ) میں مسلسل تین سال یہ دونوں خاندان محبوس رہے۔ یہ تین سال نہایت سنگین تھے۔ دشمنانِ اسلام نے ہاشم اور مطلب کی اولاد سے میل ملاقات اور سلام و پیام یک قلم موقوف کر دیا۔ دکان داروں نے ان کے ہاتھ سودا سلف فروخت کرنے کی قسم کھالی' ہر قسم کا تعاون اٹھ گیا۔ قریش ان تمام اشیاء خوردنی کو جن کی نسبت انہیں ادنیٰ احتمال بھی ہوتا تھا کہ ہاشمیوں اور مطلبیوں کے ہاتھ پڑ جائیں گی' انہیں ہر قیمت پر فی الفور خرید لیتے۔ جب ان کے کانوں میں بھنک پڑ جاتی کہ کہیں سے سوداگر غلہ لا رہے ہیں تو شہر سے دور نکل کر راستہ ہی میں انہیں جا لیتے اور تمام اناج جس قیمت پر بھی مل جاتا' خرید لیتے۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سب لوگ جب اس درہ میں چلے گئے تو ان کے تمام سکونتی مکانات مقفل کر دیے گئے۔ گھاٹی میں کوئی شئے میسر نہ تھی کیونکہ قریش نے اس کو ہر طرف سے محصور کر لیا تھا اور کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے نہ دیتے تھے۔ جب ہاشمیوں اور مطلبیوں کے ننھے منھے بچے بھوک سے بلبلاتے اور ان کی آواز باہر دور دور تک سنائی دینے لگتی تو یہ سیاہ دل اور سنگ دل قریش خوش ہوتے' لیکن جو ان میں رحم دل تھے' ان کو یہ بات ناگوار گزرتی اور وہ صاف کہتے کہ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا آفت نازل

Marfat.com

ہوئی ہے۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال اس طرح اس گھاٹی میں گزارے کہ ان کو علانیہ کوئی شئے دستیاب نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی شئے انہیں ملتی تو وہی ہوتی تھی جو سیدنا ابو بکرؓ سیدنا عمرؓ اور دوسرے جانثاروں کی طرف سے چوری چھپے پہنچادی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ابھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، کسی قدر گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی کے پاس گھاٹی میں بھجوائے۔ ابو جہل کو پتہ چل گیا۔ وہ دشمنِ اسلام جھٹ سوار ہو کر پہنچا اور غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا: ''میں تمہیں ہاشمیوں کے پاس گیہوں نہیں لے جانے دوں گا اور سارے مکہ میں تجھے ذلیل کروں گا''۔ اتفاق سے ابو البختری بن ہشام بن حارث نامی ایک غیر مسلم رئیس وہاں آگیا اور ابو جہل سے پوچھنے لگا: ''کیا قصہ ہے؟'' ابو جہل نے کہا: ''یہ حکیم بن حزام کا غلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گیہوں لے جارہا ہے اور میں اسے روک رہا ہوں''۔ ابو البختری نے کہا: ''ابو الحکم! حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا ہوا تھا وہ اس نے منگوایا ہوگا۔ جانے دو اس میں کوئی حرج نہیں'' لیکن ابو جہل نے کہا کہ یہ گیہوں کسی صورت میں نہ جانے دوں گا۔ ابو البختری نے ابو جہل کو بہت سمجھایا کہ یہ گیہوں جانے دو لیکن وہ سنگ دل نہیں مان رہا تھا۔ آخر ان دونوں کی آپس میں تلخ کلامی ہوگئی اور پھر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ ابو البختری نے ابو جہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زور سے مروڑی اور جھٹکا دے کر اونٹ کو بٹھالیا۔ پھر ابو جہل کو گردن سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا پھر اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارا جاری ہوگیا، لیکن ابو البختری نے اسے پھر بھی نہ چھوڑا۔ خوب ٹھوکریں اور ٹھڈے مارے اور بری طرح ذلیل کیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابو جہل کو تکلیف اس سے پہنچی کہ سیدنا حمزہؓ شعب ہاشم سے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔

یہ سنگین حالات ان دونوں قبیلوں پر پورے تین سال گذرے آخر محرم ۱۰ نبوی میں اس صحیفہ کو چاک کیے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔ (جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرت خاتم النبیینؐ'' میں دی ہے) مطعم بن عدی نے اس صحیفہ کو چاک کیا لیکن دیکھا کہ صحیفہ کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور ''باسمک اللھم'' کے سوا اور کوئی لفظ باقی نہیں ہے۔ اور جہاں جہاں اللہ کا

نام تھا صرف وہی بچی تھیں۔ ندامت اور شرمندگی سے سب کی گردنیں جھک گئیں اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد گھاٹی سے باہر آئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ص ۲۵۱' زاد المعاد جلد ۱ص ۴۶' البدایہ والنہایہ جلد ۳ص ۸۴،۸۶' دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ص ۹۲ وغیرہ)۔

سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد قریش اور مسلمانوں کے مابین اذیتوں میں کچھ زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔ پہلے یہ اذیتیں انفرادی تھیں لیکن اب انہوں نے اجتماعی صورت اختیار کرلی۔ سیدنا عمرؓ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح قریش کے ہاتھوں سب اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اللہ کی وحی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہی مختلف احکام آتے رہے۔ سیدنا عمرؓ بارگاہِ رسالت میں رہ کر اپنی قوت ایمانی میں زیادتی پیدا کرتے رہے۔ سیدنا عمرؓ کی انتظامی قابلیت' اصابت رائے اور دین اسلام کے بارہ میں تصلب اور تعصب انہیں ذات رسالت سے قریب تر کرتا رہا۔ اور نگاہِ نبوت اس کی مستقبل کے لیے ایمانی اور روحانی تربیت کرتی رہی۔

سیدنا عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے لے کر ہجرت تک کے زمانہ میں آپ کی کوئی خاص بات سیرۃ کی کتابوں میں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ قبول اسلام سے قبل آپ نہایت باحمیت نوجوان تھے۔ اسلام لاتے وقت بھی سارے مکہ سے لڑائی مول لی۔ مارا بھی اور مار کھائی بھی، لیکن اسلام کے بعد کے دور میں جو ایک انتہائی نازک دور تھا' سیدنا عمرؓ نے اس دور میں بھی اسی خلوص' اسی غیرت وحمیت اور اسی بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کیا یا نہیں حالانکہ یہ تمام اجزاء ان کی شخصیت کے لاینفک اجزاء تھے۔ لیکن سیرت و تاریخ کے اوراق اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دائرہ اسلام میں آنے والا ہر شخص ایک جماعتی نظم کا پابند تھا اور اس نظم کا اس درجہ احترام کیا جاتا تھا کہ مار کھانے کے باوجود آگے سے بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ اس دور میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ طاقت اور جبر کے استعمال سے ہر ممکن پہلو تہی کی جائے۔ زیادتی کرنے والوں کو معاف کیا جائے اور دعوت الی اللہ کا طریق کچھ اس قسم کا اختیار کیا جائے جس میں نصیحت ہو' دانائی ہو' حکمت ہو' شیریں زبانی ہو اور جو بات بھی دشمن سے کی جائے وہ شیریں اور دل نشین ہو۔ لڑائی جھگڑے سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے اور تحمل و برداشت کا دامن کسی صورت ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ اگر دشمن راستہ میں مل جائے تو اس سے اس طرح پیش آیا جائے جیسے وہ

Marfat.com

تمہارا گہرا دوست ہے۔ دین کے مخالفین سے بھی حسن سلوک سے پیش آیا جائے۔ نبوت کی اس حکمت عملی میں سیدنا عمرؓ کی قوت' جرأت' بہادری' بے باکی اور دلیری کے ابھرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا آپؓ کی زندگی کے یہ مہ و سال خاموشی کے نظر آتے ہیں کیونکہ جماعتی نظم اور نبوی حکمت عملی کے پابند تھے۔ اور یہ بات نہ صرف سیدنا عمرؓ کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ سیدنا حمزہؓ (اسد اللہ واسد رسولہ) جیسا بہادر انسان بھی اس دور میں خاموش دکھائی دیتا ہے' حالانکہ یہ وہ شخص تھے جنہوں نے اسلام لانے کے روز مسجد الحرام میں ابو جہل کے ساتھیوں کی موجودگی میں اس کے سر پر اس زور سے اپنی کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا' لیکن اس کو آپ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

(نہایۃ الارب جلد ۶ ص ۲۰۸' دلائل النبوۃ جلد ۱ ص ۴۵۹)

عمرؓ راہِ ہجرت میں

سیدنا عمرؓ ایک نہایت باغیرت و باحمیت انسان تھے۔ سیدنا حمزہؓ کے بعد یہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرتے ہی پوری کوشش کی کہ ان کے اسلام کی خبر نہ صرف تمام مکہ والوں بلکہ اردگرد کے قبائل کو بھی پہنچ جائے اور جو کچھ وہ مجھ سے سلوک کر سکتے ہیں کر لیں چنانچہ کچھ سردارانِ قریش کے پاس وہ خود اس بات کی اطلاع دینے گئے اور کچھ کے پاس جمیل بن معمر نے، جو کسی بات یا واقعہ کی تشہیر کے لئے خاص مہارت رکھتا تھا، اس بات کی اطلاع پہنچائی۔ یہ سب کچھ ان کی غیرت و حمیت کا تقاضا تھا۔ یہ غیرت و حمیت نگاہِ رسالت میں بھی ایک خاص مقام رکھتی تھی۔ چنانچہ معراج میں جب آپ ﷺ نے جنت میں سیدنا عمرؓ کا محل دیکھا تو دوسرے روز مسجد میں اس کی خوبصورتی کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا، سیدنا عمرؓ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی: یارسول اللہ! وہ محل آپ نے اندر سے بھی دیکھا یا صرف باہر سے دیکھا؟ آپ نے فرمایا: عمر! میں نے صرف باہر سے دیکھا۔ اندر اس۔ لیے نہیں گیا کہ مجھے تیری غیرت یاد آ گئی۔ حدیث میں ہے کہ زبان رسالت سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عمرؓ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور عرض کی:

أعليك انمار يا رسول الله

اے اللہ کے رسول میں نے آپ پر ہی غیرت کھانی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جاہلیت میں جو خوبی کسی شخص میں تھی' اسلام نے اس خوبی

Marfat.com

میں کمی نہیں کی بلکہ کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔اسی لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ' خیارھم فی الجاھلیۃ' خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا

(بخاری جلد ۲ص ۹۴۶' مسلم جلد ۲ص ۳۳۱' مستدرک حاکم جلد ۳ص ۲۴۳)

لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے۔ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے' اسلام لانے کے بعد بھی وہی بہتر ہیں اگر انہیں دین کی سمجھ حاصل ہو جائے۔

غرض یہ کہ سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے سے اسلام کی دعوت کی تشہیر اور مسلمانوں کی خانہ کعبہ میں عبادت کے بارہ میں بہت فرق پڑا۔ اگرچہ مسلمان قلیل التعداد ہونے کی وجہ سے اور فرمان نبوت کے تحت صبر و تحمل کی وجہ سے مختلف اذیتیں برداشت کرتے رہے لیکن اب پہلی کیفیت میں اچھی خاصی تبدیلی آگئی۔ انہوں نے اب خانہ کعبہ میں بیٹھنا' اس کا طواف کرنا' دشمنانِ اسلام کی زبان درازیوں کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ اب ایک مرحلہ ہجرت کا آیا کیونکہ قریش مکہ کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ تبدیل نہیں ہو رہا تھا اور یہ بات دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ میں اہل مدینہ کے ۷۳ مردوں اور دو عورتوں نے مکہ کے ایک پہاڑ کی گھاٹی میں ریت کے فرش اور چاند کی چاندنی کے سائبان مین آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس سے ہوا کا رُخ بدل گیا۔ قریش کو جب اس بیعت کا پتہ چلا تو ان کے دانشوروں نے آنے والے حالات کو دور بین نگاہوں سے دیکھا اور ان کا تجزیہ کیا تو ان کے کلیجوں میں ناسور پڑ گیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ وہ گذشتہ ۱۳ برسوں سے لگاتار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں جس میں اپنی ناکامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اور کامیابی دونوں پہلو دیکھتے آ رہے تھے۔ انہیں ثابت ہو گیا کہ مسلمان تبلیغ رسالت میں اس توجہ اور شغف سے منہمک ہیں کہ اس راہ کے گوناگوں مصائب کے باوجود انہیں یاس و تھکن محسوس نہیں ہوئی۔ ہم نے کیسے کیسے مصائب کا انہیں نشانہ بنائے رکھا۔ ان کے ساتھیوں پر مکہ کی زمین تنگ کر دی۔ ان کو گرم ریت پر لٹایا۔ انہیں مارا پیٹا۔ متواتر تین سال تک شعب بنی ہاشم میں نظر بند کیے رکھا۔ ہمارے ترکش کے سب تیر ایک ایک کر کے ختم ہو گئے لیکن محمد صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ثبات و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ رات کے معاہدہ نے اہل یثرب کے ساتھ مستقبل میں ہمارے لیے مستقل خطرات اور ہمارے حریف کے لیے یقینی کامیابی و کامرانی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں یہ وسوسے بھی جنم لینے لگے کہ ممکن ہے بلکہ یہ بات اب یقینی نظر آ رہی ہے کہ وہ اپنے دین کی توسیع اور ہمارے بتوں کی مذمت دونوں کام دل کھول کر کر سکیں گے۔ اس قسم کے اور کئی وسوسے ان کے دلوں میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

ادھر قریش مضطرب و پریشان کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جمعیت اور دعوت کو کس طرح ختم کیا جائے اور دوسری طرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ امور ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ، نے میری دعوت کے لیے یثرب کی راہ میں پوری کامیابی و کامرانی رکھ دی ہے۔ اب دین کی سربلندی ہو کر رہے گی لیکن ساتھ ہی قریش کے ساتھ ہمارا وہ رَن پڑے گا جس کے سامنے ان کی سابقہ چیرہ دستی اور کوتاہ آستینوں کی دراز دستی گرد ہو جائے گی جو دونوں کی موت و حیات کا آخری معرکہ ہو گا' لیکن اس میں وہ گروہ غالب آئے گا جس کا دامن صداقت و دیانت سے مالامال ہو گا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی تدبیروں کو پہلے سے زیادہ ناکام کر دکھائے گا۔ قدم آگے بڑھانا ہی چاہئے مگر نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ۔ دوسروں کے لیے رفق و مہربانی کا دامن پھیلائے ہوئے اور حکمت و دانش مندی کے دامن کو پکڑے ہوئے۔

ذی الحجہ ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی اور آپؐ نے اس کے ساتھ اپنے صحابہ کرامؓ کو بتا دیا کہ اہل ایمان کا دار الہجرت یثرب ہو گا۔ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اجازت دے دی بلکہ ایک اصول طے ہو گیا کہ جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کو اپنی قیام گاہ بنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ قد جعل لکم اخواناً و داراً تأمنون بھا

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیئے جو تمہاری نصرت کریں اور وطن (مرکز) بھی بنا دیا جس میں تم امن پاؤ۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۶۹' الروض الانف جلد ۱ ص ۲۸۴' ولیم میور' لائف آف محمد جلد ۲ ص ۲۴۲)

اب اذنِ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثاران اسلام یکہ و تنہا اور اپنے خاندانوں کے ساتھ قریش مکہ سے چھپ چھپا کر اور رات کی تاریکی میں اپنے کو مخفی رکھ کر مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے' لیکن مشرکین مکہ نے ان کی روانگی میں مختلف قسم کی رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں کیونکہ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے لیے خطرات کا پیش خیمہ تھا۔

دوسرے مہاجرین تو چھپ چھپا کر مکہ کی سرزمین سے نکلے اور اکثر رات کے اندھیرے میں مدینہ طیبہ گئے' لیکن سیدنا عمرؓ کی یہاں بھی ایک عجیب شان دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح ان کا اسلام لانا انوکھا تھا اسی طرح ان کی ہجرت بھی الگ نوعیت کی تھی۔ آپ نے اکیلے نہیں بلکہ بیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ (بخاری جلد ا ص ۵۵۸) روایات میں آتا ہے کہ آپ اس شان کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے کہ اسلحہ سے لیس ہو کر مشرکین مکہ کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے بیت اللہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کعبہ کیا۔ نماز پڑھی پھر وہاں موجود مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تمہاری صورتیں بگڑیں' تمہارا ناس ہو۔ ہے کوئی تم میں جو اپنی ماں کو بے پوت' اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرانے کا اردہ رکھتا ہو' آئے اور اس وادی سے اس طرف آکر میرا مقابلہ کرے۔"

لیکن وہاں کس میں تاب تھی کہ اسلام کے اس بطلِ جلیل کا مقابلہ کرتا۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۱۵' زرقانی جلد ا ص ۳۱۷)

ایک روایت جو سیدنا علی ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے' اس میں سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ عمر بن خطاب کے سوا کسی مسلمان نے اعلانیہ طور پر مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو۔ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو تلوار گلے میں حمائل کی' کمان کندھے پر رکھی' تیر مٹھی میں لیے اور ایک چھوٹا سا ڈنڈا جس کے نیچے تیر کا سا پھل لگا تھا' کمر سے باندھا اور کعبے کی طرف چل پڑے۔ کعبہ اس وقت قریش سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے انہوں نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کے سات طواف کیے' پھر نماز پڑھی' پھر قریش کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے اور یہ کہا:

"تمہارا منہ کالا ہو' اللہ تعالیٰ تم جیسے لوگوں کو ذلیل و خوار اور مغلوب و مقہور کرتا

Marfat.com

ہے' جو کوئی اپنی ماں کو ماتم کناں' اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانا چاہتا ہے' وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے۔

سیدنا عمر بن خطابؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد کتابوں میں بیس بتائی گئی ہے جن میں ان کے بھائی زید بن خطابؓ ان کے بہنوئی سعید بن زیدؓ، ان کے داماد خنیس بن حذافہ (سیدہ حفصہؓ کے پہلے شوہر) بھی شامل تھے۔

ابن ہشام نے سیرت میں اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کو ہجرت کا حکم فرمایا تو یہ تاکید بھی کی کہ مکہ مکرمہ سے ایک ایک دو دو کر کے نکلیں اور اپنی ہجرت کو پوشیدہ رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش مشتعل ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے اس فرمان پر پوری طرح عمل کیا اور ایک ایک دو دو کی صورت میں آہستہ آہستہ مکہ مکرمہ سے نکلنا شروع ہو گئے۔ جن حضرات کے پاس سواریاں تھیں وہ اپنی سواریوں پر اور جو حضرات بغیر سواری کے تھے وہ پیدل مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ جانے لگے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عیاش بن ربیعہؓ' ہشامؓ بن عاص بن وائل سے یہ طے کیا تھا کہ تناضب کے مقام پر جو مکہ مکرمہ سے دس میل دور ہے' اکٹھے ہوں گے اور پھر وہیں سے اکٹھے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی جائے گی۔ اور جو بھی وقت مقررہ پر نہ پہنچا' سمجھا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا ہے اور باقی ماندہ لوگ اس کا انتظار کیے بغیر مدینہ کی راہ لیں گے۔ ہشام بن عاصؓ تو مکہ مکرمہ میں پکڑ لیے گئے اور عیاشؓ بن ربیعہ ہمارے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ ہمارے پیچھے پیچھے ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (جو عیاش بن ربیعہؓ کے چچازاد بھائی تھے اور ماں جائے بھائی بھی تھے کیونکہ ابو جہل اور حارث دونوں سگے بھائی تھے ان کے باپ ہشام بن مغیرہ کی وفات کے بعد ان کی ماں نے ربیعہ بن مغیرہ سے نکاح کر لیا تھا جو ہشام بن مغیرہ کا بھائی تھا۔ عیاشؓ اسی ربیعہ سے پیدا ہوئے) ایک روایت میں ہے کہ عیاشؓ ابھی قبا ہی میں تھے کہ ابو جہل اور اس کا بھائی حارث پہنچ گئے۔ ان دونوں نے عیاشؓ سے کہا کہ تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں نہیں دیکھ لے گی نہ سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دھوپ سے سائے میں جائے گی۔ یہ سب کچھ انہوں نے اپنی عیاری اور مکاری سے کہا یہاں تک کہ عیاشؓ کو اپنی ماں پر ترس آ گیا۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عیاشؓ کو بہت سمجھایا کہ یہ دونوں تمہیں دھوکہ سے پھانس لینا چاہتے ہیں ان کے فریب میں نہ آؤ۔ یہ تم کو صرف تمہارے دین سے فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ دین کے دشمن ہونے کے ناطے

تمہارے بھی دشمن ہیں۔ تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی کڑی دھوپ جب لگے گی تو آپ ہی سائے میں چلی جائے گی' لیکن عیاش پر ماں کی محبت غالب آ گئی۔ دوسرے مقدر میں ابھی تکلیف کے دن تھے' اس لیے وہ میری بات نہ مانے اور کہا کہ اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے میں ان دونوں کے ساتھ جاؤں گا اور وہاں سے اپنا مال لے کر واپس آ جاؤں گا۔ میں (سیدنا عمر) نے کہا: "میں اپنا آدھا مال تمہیں دیتا ہوں' تم ان کے ساتھ نہ جاؤ" مگر وہ نہ مانے' میں نے انہیں بہت سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر میں نے کہا: "اگر تمہیں جانا ہی ہے تو میری اونٹنی لے جاؤ کیونکہ یہ بڑی تیز رفتار ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا جب ان دونوں کی نیت خراب ہو تو فوراً اس پر بھاگ آنا"۔

میری یہ بات انہوں نے مان لی اور میری اونٹنی پر سوار ہو کر ان دونوں کے ساتھ مدینہ سے نکل پڑے۔ راستہ میں ایک جگہ ابو جہل نے ان سے کہا: "بھیا! میرا اونٹ کچھ ٹھیک نہیں چل رہا۔ کیا تم مجھے اپنی اونٹنی پر پیچھے نہ بٹھالو گے؟" عیاش نے کہا: "کیوں نہیں" عیاش نے اپنی اونٹنی بٹھادی۔ پھر دونوں زمین پر اترے تاکہ ابو جہل اپنے اونٹ سے عیاش کی اونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اونٹ بٹھا کر نیچے اتر آیا۔ ابو جہل اور حارث دونوں مکار تھے اور انہوں نے عیاش کو پھانسنے کے لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں منصوبہ بنایا تھا اور اب اس کی تکمیل ہو رہی تھی دونوں نے مل کر عیاش کو رسیوں سے باندھ لیا۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عیاش کے خاندان والوں نے بتایا کہ ابو جہل اور حارث عیاش کو نے کر دن دہاڑے اس حال میں مکہ پہنچے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی اعلان کرتے جا رہے تھے کہ "اے اہل مکہ! اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اسی طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے اپنے اس بے وقوف بھائی کو کیا ہے"۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ ہشام بن عاص اور عیاش بن ربیعہ قریش مکہ کی قید میں پڑے رہے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما چکے تو آپ ان دونوں کے لیے بڑے فکر مند تھے۔ آپ نے ایک روز فرمایا: "کون ان دونوں کو میرے پاس لانے کے لیے تیار ہے؟" سیدنا خالد بن ولید کے بھائی ولید بن ولید بن مغیرہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہوں" پھر ولید خفیہ طور پر مکہ گئے۔ پہلے تو چھپ کر ان کی ٹوہ میں لگے رہے کہ دونوں قیدیوں کا پتہ چلائیں۔ ایک روز اس عورت کے پیچھے جا کر ان کا ٹھکانہ معلوم کر لیا جو ان کے لیے کھانا لے کر جا رہی تھی۔ یہ دونوں ایک بے

Marfat.com

چھت مکان میں قید تھے۔ رات کے وقت سیدنا ولیدؓ دیوار پھلانگ کر ان دونوں کے پاس گئے۔ دونوں کی بیڑیاں کاٹیں اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر مدینہ منورہ لے آئے۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۷۴'۴۷۶)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ مدینہ طیبہ میں

قباء میں قیام

یہ تھا آپ کی زندگی کا ایک دور جو آپ نے پیدائش سے لے کر ہجرت تک مکہ مکرمہ میں گذارا۔ اس مکی دور کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک دور پیدائش سے لے کر قبول اسلام تک کا دور ہے۔ یہ آپ کا جاہلی دور ہے۔ اور دوسرا دور قبول اسلام سے ہجرت مدینہ تک کا دور ہے۔ یہ آپ کا اسلامی دور ہے۔ پہلا دور وہ تھا جس میں آپ صرف عمرؓ تھے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں آپ ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ نہ منزل کا پتہ تھا اور نہ راستے کی خبر۔ دوسرا دور آپ کا اسلام کے نیر تاباں کی روشنی میں چلنے کا تھا جس میں راستہ بھی معلوم اور منزل بھی آنکھوں کے سامنے اور ہادی و رہبر بھی ساتھ تھا۔ اس دور میں آپ عمرؓ تھے، بلکہ عمر فاروقؓ تھے، لیکن مکہ کی زندگی میں آپ جماعتی نظم کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے اس وقت اسلام لانے کے بعد بھی آپ کے وہ جوہر کھل کر لوگوں کے سامنے نہ آئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات ستودہ صفات میں ودیعت کیے ہوئے تھے۔

۱۳ نبوی میں آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے جب سیدنا عمرؓ ہجرت فرما کر مدینہ آ گئے۔ مدینہ طیبہ کے مضافات میں قباء کی ایک بستی تھی۔ کچھ مہاجرین مدینہ کی بجائے قباء میں ٹھہر گئے۔ قباء مدینہ طیبہ سے صرف تین میل دور ہے۔ کیونکہ جاں نثاران نبوت کو معلوم نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام کہاں قیام فرمائیں گے۔ اس وجہ سے مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا اور قبا میں قیام ان کے لیے

برابر تھا۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروقؓ نے بھی قباء میں بنی عمرو بن عوف میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے اہل وعیال بھی یہیں آکر ٹھہرے۔ قباء کو عوالی بھی کہتے تھے' چنانچہ مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو مسلم جلد ۱ ص)

سیدنا عمرؓ قباء میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے بعد کئی اور صحابہ کرامؓ بھی جو مکہ میں تھے' ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔ اور سب سے آخر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی معیت میں ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اس زمانہ میں اگرچہ ڈاک کا سلسلہ نہیں تھا مگر آنے جانے والے لوگوں سے اہل مدینہ کو پتہ چل گیا تھا کہ سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا محبوب آقا مکہ مکرمہ سے ابو بکرؓ کے ساتھ نکل چکا ہے۔ اب ایک ایک گھڑی گنی جا رہی تھی اور ایک ایک دن کا حساب کیا جا رہا تھا۔ سیدنا عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ لوگ روزانہ طلوع آفتاب سے بہت پہلے پو پھٹنے کے وقت اٹھتے اور مدینہ طیبہ سے "حرہ" کے مقام پر آجاتے اور آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگتے۔ اسی انتظار میں دوپہر ہو جاتی جب آفتاب کی تمازت تیز ہو جاتی اور مسافروں کی تمازت کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو مرجھائے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس ہو جاتے۔ ایک روز حسب معمول جب وہ انتظار کے بعد نہایت افسردگی اور پژمردگی کے ساتھ واپس جا رہے تھے تو ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس' جن سے چاندنی چھٹک رہی تھی' تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر بلند آواز سے کہا:

یا بنی قیلہ! ھذا جدکم

اے بنی قیلہ! تمہارا مبارک بخت اور خوش نصیبی کا سامان آپہنچا۔

(زرقانی جلد ۱ ص ۳۵۰' فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۹' البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۹۶)

اس یہودی کی اس ایک آواز نے نہ صرف مردوں کو بلکہ عورتوں اور بچوں تک کو وارفتہ مسرت بنا دیا۔ اہلِ قباء کی خوش بختی تھی کہ یہ آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ وہ بے تابی سے دوڑے اور پھر "حرہ" پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پا اپنی آنکھیں بچھائیں اور نظر اشتیاق کو فرش راہ کیا۔

قباء میں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا۔ اسی خاندان میں سیدنا عمرؓ قیام پذیر تھے۔ یہ خاندان قبیلہ اوس کا بطن تھا۔

Marfat.com

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۹۴) یہودی کی آواز سننے والے خوش نصیب اسی قبیلہ کے لوگ تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۵۰) عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کا استقبال ہتھیاروں سے مسلح اور آراستہ ہو کر کیا کرتے تھے۔ اس بے تابی میں بھی انہوں نے اپنی اس آن بان اور شان کو نہیں چھوڑا۔ چنانچہ وہ پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ پھر آپؐ کے استقبال کو دوڑے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۵۲)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ آواز سننے کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف کے لوگوں میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ کی آمد کی خوشی میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لیے نکل پڑے اور آپؐ کے ارد گرد پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت آپ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور یہ وحیؑ نازل ہو رہی تھی۔

"بے شک اللہ تعالیٰ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل (علیہ السلام) اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مدد گار ہیں"۔ (۶۶ : ۴)

(زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۴)

"حرہ" میں لوگوں سے ملنے کے بعد آپ داہنی طرف مڑے اور پھر پورے اجتماع کے ساتھ بنی عمرو بن عوف میں رونق افروز ہوئے۔ یہ ۸ ربیع الاول ۱۴ء نبوی مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کی تاریخ اور دو شنبہ کا دن تھا۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۳۵۱' وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۱۷۶) کلثوم بن ہدمؓ قبیلہ عمرو بن عوف کا رئیس تھا۔ آپؐ نے اس کے ہاں قیام فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپؐ کا قیام سعد بن خیثمہؓ کے ہاں تھا' لیکن پہلی روایت زیادہ قوی اور صحیح ہے۔ یہ بات بھی سیدنا عمرؓ کے لیے ایک فضیلت کا باعث ہے کہ جو قبیلہ آپ کی فرودگاہ تھا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قباء میں اسی قبیلہ میں قیام فرمایا۔

مسجد قباء کی تعمیر

قباء میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار روز قیام فرمایا یعنی پیر' منگل' بدھ اور جمعرات۔ اسی دوران مسجد قباء کی بنیاد رکھی جس کا پہلا پتھر خود سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے اور اس کے بعد سیدنا عمرؓ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ پھر دوسرے صحابہ کرامؓ نے پتھر رکھنا شروع کیے اور تعمیر کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اسی مسجد کے بارہ میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے

جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی۔ (روض الانف جلد ۲ ص ۱۱)

پانچویں روز جمعہ کو آپ حکم الٰہی کے مطابق سوار ہوئے۔ سیدنا ابوبکرؓ آپؐ کے ردیف تھے۔ تمام صحابہ کرامؓ اور سیدنا عمرؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے بنو نجار کو جو آپ کے ماموؤں کا قبیلہ تھا' اطلاع بھیج دی تھی' چنانچہ وہ تلواریں حمائل کیے حاضر خدمت تھے۔ آپؐ نے ان کی معیت میں مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ جس اونٹنی پر آپؐ سوار تھے اس کا نام "قصواء" تھا اور یہ وہی ناقہ تھی جس پر آپ نے سفر ہجرت طے فرمایا تھا۔ جب بنو سالم کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپؐ نے بطن وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ جمعہ میں کل ایک سو کے قریب آدمی تھے۔ سیدنا عمرؓ بھی ان میں ایک تھے۔

(بخاری جلد ا ص ۵۵۵' زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۵' ابن ہشام جلد ا ص ۴۹۴'
طبقات ابن سعد جلد ا ص ۱۶۰)

راستہ میں زیارت کرنے والے مردوں' عورتوں اور بچوں کا ایک جم غفیر تھا۔ جو ابھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے وہ بھی آپ کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔ لڑکے اور بچے جوشِ مسرت سے نعرہ لگا رہے تھے:

اللہ اکبر جاء محمد   اللہ اکبر جاء محمد

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۹۷)

اہل یثرب کے لیے یہ دن سب سے زیادہ خوشی اور مسرت کا دن تھا کیونکہ آج آسمانِ نبوت کا نیرِ تاباں سرزمین یثرب پر اتر رہا تھا۔ ہر طرف سے یہی صدا تھی۔

جاء نبی اللہ   جاء نبی اللہ
(اللہ کے نبی آگئے)   (اللہ کے نبی آگئے)

یہ نہایت تابناک دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مختصر یہ کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کچھ عرصہ قباء ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

اسلامی مواخات

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کی

Marfat.com

سیاسی زندگی میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی۔ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ دونوں نے مل کر نئے عزم اور نئے ارادہ کے ساتھ دعوتِ اسلامی کی نشرو اشاعت کا ایک آزاد ماحول میں آغاز کیا اور مسلمانوں میں اب اس ماحول میں اپنی وحدت و قوت کا شعور پیدا ہوا۔ اس شعور میں پختگی پیدا کرنے کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں ایک بے مثال رشتہ اخوت قائم فرمایا۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں انصار مدینہ نے آپؐ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو آخر عمر تک نبھایا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ بہنے سے قبل وہاں اپنا خون بہایا۔ دنیا میں اخلاص و ایثار اور جاں نثاری کی مثالیں قائم کیں۔

اخلاص و ایثار کے پیکر انصار جو مدینہ طیبہ کے اصل باشندے تھے اور ان کا تعلق اوس اور خزرج دو قبیلوں سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہی ان کے ساتھ مہاجرین کا بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یہ بھائی چارہ اور مؤاخات سیدنا انس بن مالکؓ کے مکان پر ہوئی۔ (عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۲۲) اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ کل ۹۰ (نوے) آدمی تھے۔ ان میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلیؒ کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے۔ ایک دوسرے کے دلوں میں غم خواری اور غم گساری کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ بعض حضرات نے اس بھائی چارے کا مقصد یہ بھی لکھا ہے کہ جاہلیت کی تمام عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ نسل، رنگ اور وطن کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں۔ غیرت و حمیت جو کچھ ہو وہ صرف اور صرف اسلام کے لیے ہو۔ غم گساری اور موانست کے جذبات معاشرہ میں پیدا ہوں۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک کبھی ایسی اخوت کا مظاہر نہیں دیکھا تھا۔

حافظ ابن عبد البرؒ اور علامہ ابن سید الناسؒ نے لکھا ہے کہ مؤاخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مؤاخات قائم فرمایا اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین مؤاخات قائم کی جس میں ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ مکہ میں مہاجرین کے مابین جو بھائی چارہ قائم کیا گیا ان میں سے چند حضرات کے نام علامہ ابن سید الناسؒ نے حسب ذیل لکھے ہیں:

۱۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی مؤاخات سیدنا عمر فاروقؓ سے

Marfat.com

۲۔	سیدنا حمزہؓ	کی مؤاخات	سیدنا زید بن حارثہؓ سے
۳۔	سیدنا عثمان ذوالنورینؓ	کی مؤاخات	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے
۴۔	سیدنا زبیر بن العوامؓ	کی مؤاخات	سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے
۵۔	سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ	کی مؤاخات	سیدنا بلال بن رباحؓ سے
۶۔	سیدنا مصعب بن عمیرؓ	کی مؤاخات	سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے
۷۔	سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ	کی مؤاخات	سیدنا سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ سے
۸۔	سیدنا سعید بن زیدؓ	کی مؤاخات	سیدنا طلحہ بن عبیداللہ سے
۹۔	سیدنا و مولانا محمد ﷺ	کی مؤاخات	سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے

(عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۲۱، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۰۔۲۱۱)

دوسری مؤاخات (بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اور بعض اقوال کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران (عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۲۲) انس بن مالکؓ کے مکان پر ہوئی۔ اس میں آپؐ نے ۴۵ مہاجرین کو ۴۵ انصار کا بھائی بنایا۔ اس مؤاخات میں آپؐ نے مندرجہ ذیل صحابہ کو انصار کا بھائی بنایا۔

۱۔	سیدنا ابوبکر صدیقؓ	سیدنا خارجہ بن زیدؓ
۲۔	سیدنا عمر فاروقؓ	سیدنا عتبان بن مالکؓ
۳۔	سیدنا عثمان بن عفانؓ	سیدنا اوس بن ثابتؓ
۴۔	سیدنا علی بن ابی طالبؓ	سیدنا سعد بن حنیفؓ
۵۔	سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ	سیدنا سعد بن معاذؓ
۶۔	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ	سیدنا سعد بن ربیعؓ
۷۔	سیدنا زبیر بن عوامؓ	سیدنا سلام بن سلامؓ
۸۔	سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ	سیدنا کعب بن مالکؓ
۹۔	سیدنا سعید بن زیدؓ	سیدنا ابی بن کعبؓ
۱۰۔	سیدنا مصعب بن عمیرؓ	سیدنا ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم")

(ابن ہشام جلد ۱ ص ۵۰۴، عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۲۴، تاریخ الخمیس جلد ۱ ص ۳۵۲، الدرر فی المغازی والسیر لابن عبدالبر ص ۹۱۔۹۲، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۰)

Marfat.com

مؤاخات کی فہرست میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نہیں آیا ہے ابن ہشام کی روایت کے مطابق آپؐ نے سیدنا علیؓ سے عقد مؤاخات قائم فرمایا لیکن ابن سعد اور دوسرے مؤرخین نے اس رشتہ کو تسلیم نہیں کیا اور سیدنا علیؓ کی مواخات بجائے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدنا سعد بن حنیفؓ سے قرار دی ہے۔(ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲۶)

حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اس مؤاخات کا انکار کیا ہے اور یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ:

ان ذالك من الاكاذيب وانه لم يواخ بين مهاجرى و مهاجرين

(زرقانی علی المواہب جلد ا ص ۳۷۳)

دوسرے اگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں کسی کو اپنا بھائی بناتے تو وہ ابوبکر صدیقؓ ہوتے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۶)

مہاجرین اور انصار کے درمیان رسول اللہ ﷺ نے یہ بھائی چارہ قائم تو فرمادیا اور تاریخِ اسلام کے اوراق اس بات کی پوری پوری شہادت فراہم کرتے ہیں کہ انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارے کا صحیح معنوں میں حق ادا کر دیا۔ چشم فلک نے ایسے بھائی نہ کبھی پہلے دیکھے تھے اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔ انہوں نے اپنے مکانات اپنی زمینیں، اپنے باغات غرض کہ جائداد میں سے ہر شے اپنے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دی۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ کوئی انصاری درہم و دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔(زرقانی جلد ا ص ۳۷۴) مؤاخات کا یہ رشتہ اس قدر مستحکم اور مضبوط تصور کیا جاتا تھا کہ نسبی قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث تھے۔ وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مہاجرین و انصار میں باہمی توارث ختم ہو گیا لیکن بھائی چارے کا بندھن اس قدر پختہ رہا کہ آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ اب صرف مواخات اور غم گساری رہ گئی۔

(زرقانی جلد ا ص ۳۷۴، فتح الباری جلد ا ص ۲۱۰، عیون الاثر جلد ا ص ۳۲۲)

اس اخلاص اور للّٰہیت کا ظہور صرف انصار ہی کی طرف سے نہ ہوا بلکہ مزاجوں کی موافقت کے ساتھ جب مہاجرین نے بھی خلوص، للّٰہیت اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا تو انصار کے اخلاص نے عقیدت کی شان اختیار کرلی۔ چنانچہ ایک انصاری خاتون ام العلاءؓ تھیں جن کے خاندان کے حصہ میں سیدنا عثمان بن مظعونؓ آئے تھے۔ وہ ان کی اتنی معتقد ہو گئیں کہ

ان کی وفات ہوئی تو ام العلاءؓ نے بڑے یقین اور وثوق سے کہا:

شهادتي عليك لقد اكرمك الله.

یعنی میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو بخش دیا ہے' اور آپ کی بڑی تکریم کی ہے۔ (بخاری جلد ا ص ۱۶۶)

سیدنا عثمانؓ کے اعلیٰ اخلاق نے ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلوائے' وگرنہ اسلام نے اس طرح کسی کے بارہ میں قسم کھانے کو پسند نہیں کی۔

سیدنا عمرؓ کے یہ اسلامی بھائی عتبان بن مالکؓ بنو سالم کے سردار تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد بھی اکثر صحابہ کرامؓ نے قباء ہی میں قیام رکھا کیونکہ قباء مدینہ ہی کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ سیدنا عمرؓ بھی یہیں مقیم رہے۔ قباء مدینہ طیبہ سے قریباً ۵ کیلومیٹر دور علاقہ تھا اس وجہ سے روزانہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا قدرے مشکل تھا۔ اس وجہ سے آپ ایک روز ناغہ کر کے بالالتزام سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پورا دن آپ کی بارگاہ میں حاضر رہتے۔ اور جو کچھ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتے وہ اپنے اسلامی بھائی عتبان بن مالکؓ کو رات کو سنا دیتے دوسرے روز سیدنا عمرؓ اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتے اور سیدنا عتبان بن مالکؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سارا دن آپ کی خدمت میں رہتے اور جو کچھ ارشادات آپؐ سے سنتے وہ اپنے اسلامی بھائی عمر بن الخطابؓ کو رات کو جا کر سنا دیتے۔ بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

اذان ... سیدنا عمرؓ کی رائے کے مطابق

سیدنا عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا' لیکن اسلام لانے کے بعد آپ جماعتی نظم کے تحت ان خوبیوں کو کام میں نہ لا سکے کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ جماعت ایک نظم کے تحت چلتی ہے اور اگر جماعتی نظم کی ایک شخص بھی پاسداری نہ کرنے تو پوری جماعت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے آپ صاحب نظم اور صاحب رائے ہونے کے ناطے اپنی ملی زندگی میں نظم وضبط کے پابند رہے' چنانچہ تاریخ کے اوراق میں کوئی خاص واقعہ آپ سے نہیں ملتا۔ آپ جلالی طبیعت کے آدمی تھے اور دشمن پر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کے

Marfat.com

عادی تھے لیکن مکہ میں آپ کے حوصلوں کی نمود کے لیے کوئی میدان نہ تھا۔ مدینہ کی آزاد فضا میں آپ نے اپنی ان خوبیوں کے نقوش تاریخِ اسلام میں مرتسم کیے۔

(سیدنا عمرؓ کی ان صلاحیتوں اور خوبیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ میں ودیعت فرمائی تھیں، ایک یہ تھی کہ آپ الہامی شخصیت کے مالک تھے۔ جو کچھ آپ کے فکر و نظر کے پیمانے میں آتا، حق تعالیٰ شانہ، اس کی تائید میں اکثر وحی فرما دیتے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی کئی آیات آپ کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں۔)

مکی زندگی میں زیادہ تر جو آیات قرآنی نازل ہوئیں ان میں مسلمانوں کی ذہنی اور فکری زندگی میں پختگی پیدا کی گئی۔ کیونکہ عملی انقلاب سے پہلے ذہنی انقلاب ایک ضروری اور لابدی شئے ہے۔ اگر قوم میں پہلے فکری انقلاب پیدا نہ کیا جائے تو عملی انقلاب اکثر و بیشتر باعث نقصان و خسران ہوتا ہے۔ چنانچہ مکی زندگی میں توحید خداوندی پر پختہ یقین، قیادت پر یقین اور عقائد کی مضبوطی اور احکام اور ابتلاء و مصائب میں صبر و شکر اور برداشت کی قوت پیدا کرنے پر زور دیا گیا۔ زکوٰۃ، روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر، جہاد وغیرہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

صرف نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی تھی وہ بھی نہایت مختصر یعنی دو دو رکعتیں تھیں۔ اب مدینہ منورہ میں جب مسلم معاشرہ قائم ہوا تو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں مسلمانوں کو نماز باجماعت کے لیے بلانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مسلمان نماز کے لیے خود بخود اکٹھے ہو جاتے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی کہ نماز کے لیے مسلمانوں کو کس طرح بلایا جائے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے بھی بوق اور ناقوس کا مشورہ دیا لیکن مزاج نبوت ان چیزوں کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اگرچہ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ خود آپؐ ہی نے بوق اور ناقوس تجویز کیا پھر خود آپؐ کے مزاج نے اس کو پسند نہ فرمایا۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا۔ ایک رات سیدنا عمرؓ اپنے گھر میں سو رہے تھے کہ آپ نے خواب میں کسی کو سنا: "ناقوس نہ بناؤ بلکہ نماز کے لیے اذان دو۔ صبح کے وقت آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خواب سنانے حاضر ہوئے، لیکن حضور علیہ السلام پر اس سے پہلے ہی وحی نازل ہو چکی تھی۔)

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۰۹)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زیدؓ سیدنا عمرؓ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی : یارسول اللہ! آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک سبز پوش ہاتھ میں ناقوس لیے میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا : ”اے بندہ خدا! یہ ناقوس فروخت کرے گا؟“ اس نے کہا : ”تم اس کا کیا کرو گے ؟“ میں نے کہا : ”نماز کا اعلان کریں گے“۔ اس نے کہا اگر میں اس سے بھی اچھی ترکیب بتادوں“ چنانچہ اس نے عبداللہ بن زیدؓ کو اذان سنائی۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال کو اذان کا حکم فرمایا۔ روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زیدؓ بتاتے جاتے تھے اور سیدنا بلالؓ وہ کلمات پکارتے جاتے تھے۔ سیدنا عمرؓ اس وقت گھر میں موجود تھے سیدنا بلالؓ کی آواز سن کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور بارگاہِ نبوت میں عرض کی :

یا رسول الله! لقد رأيت مثل الذی رأی

اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم! میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا جو عبداللہ بن زیدؓ نے دیکھا ہے۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۰۹ ‘بخاری جلد ۱ ص ۸۵ ‘ابوداؤد جلد ۱ ص ۷۸ ‘ترمذی جلد ۱ ص ۲۶ ‘ ابن ماجہ ص ۵۱)

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زید انصاریؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک آدمی کھڑا ہے۔ اس پر دو سبز چادریں ہیں۔ اس نے ایک دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دی اور دو مرتبہ کھڑے ہو کر کلماتِ اذان ادا کیے اور اسی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ کلمات دہرا کر کہی۔

(اس روز سے مدینہ طیبہ کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و تقدیس کی خوشبو پھیلنے لگی اور نماز کے لیے یہ اذان مسلمانوں کا ایک شعار ہو گیا جو ان کی ایمانی قوتوں کو نکھارتی ہے۔ اذان کے لیے وحی نازل ہونے سے قبل سیدنا عمرؓ کے قلب میں اس کا القاء ہونا اور خواب میں اذان دینے کا طریقہ انہیں بتایا جانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دینِ حق اس مردِ روحانی کے رگ و پے میں پیوست ہو چکا تھا اور اس نظام خداوندی کے سوا جو اسلام کی سربلندی اور اشاعت و تشہیر میں اضافے کا سبب تھا‘ کسی اور شئے کے متعلق ان کا ذہن سوچتا ہی نہ تھا)

ثالث بنائے جانے کی تمنا

مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے یہودیوں اور منافقین کے پاس مختلف لوگوں کو بھیجا اور ان کو یہ بتانا چاہا کہ اگر وہ دعوت اسلام کی اشاعت کی آزادی کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کرلیں تو یہ بات ان کے حق میں بہت بہتر ہوگی، لیکن وہ لوگ مسلمانوں کی مخالفت پر اتر آئے اور مسلمانوں اور ان کے دین کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے مختلف قبائل کی طرف فوجی دستے بھیجے جن کی قیادت سیدنا حمزہؓ، سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ نے کی۔ بعض دستوں کی قیادت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے ان ابتدائی فوجی دستوں میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آپؐ ان کو مدینہ طیبہ میں رکھ کر ان کی سیاسی سوجھ بوجھ سے اہل اسلام کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔

جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بحث مباحثہ کرنے کے لیے آیا۔ اور آپؐ نے ان کے سامنے قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کی:

> "اے پیغمبر! انہیں کہہ دو، اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ (اس دعوت کو قبول کرنے سے) اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں"۔

عیسائیوں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ جب انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انصاف پسندی دیکھ کر بارگاہِ نبوت میں استدعا کی کہ ایک ایسا شخص ہمارے ساتھ کردیا جائے جو نزاعی امور میں محاکے کی صلاحیت سے متصف ہو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیج دوں گا جو قوی بھی ہوگا اور امین بھی (ابعث معکم القوی الامین) سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے: میں نے امارت کی کبھی تمنا نہیں کی، لیکن اس روز مجھے امید تھی کہ یہ منصب

میرے حصے میں آئے گا۔ چنانچہ نماز ظہر کے وقت میں اونچی آواز میں باتیں کرتا ہوا مسجد میں پہنچا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے دائیں بائیں دیکھا۔ میں اونچا ہو ہو کر اپنے آپ کو نمایاں کر رہا تھا تاکہ نگاہِ رسالت مجھے دیکھ لے لیکن نگاہِ نبوت میرے بجائے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ پر جا کر رکی۔ آپؐ نے انہیں اپنے پاس بلا کر فرمایا: "ان کے ساتھ جاؤ اور اختلافی امور میں حق کے ساتھ ان کا فیصلہ کرو"۔ (فاقض بینهم بالحق فیما اختلفوا فیه) چنانچہ ابو عبیدہؓ ان کے ساتھ بھیج دیئے گئے۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۸۴)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمرؓ کو مدینہ طیبہ ہی میں رکھنا چاہتے تھے تاکہ ان کی جرأت، للّٰہیت، اخلاص اور ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے اہل اسلام فائدہ اٹھائیں حالانکہ سفارت کا یہ عہدہ دورِ جاہلیت ہی سے سیدنا عمرؓ اور ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا اور قریش کے مختلف قبائل میں اختلافی امور میں یہی ثالث اور حکم کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔

Marfat.com

غزواتِ نبوی اور سیدنا عمرؓ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ نے دوسری قوموں سے جو معاہدات کیے' دعوت اسلامی کی اشاعت کے لیے جو تدابیر اختیار کیں' قریش مکہ اور دوسرے قبائل سے جو جنگیں لڑیں' ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں سیدنا عمرؓ شریک نہ ہوئے ہوں' کیونکہ سیدنا عمرؓ دوسرے تمام صحابہ کرامؓ سے کچھ امتیازی شان رکھتے تھے۔ دوسرے تمام صحابہ کرام خود بارگاہِ نبوت میں عقیدت واحترام کے جذبات لے کر حاضر ہوئے لیکن سیدنا عمرؓ کو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ مانگ کر لیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں تمام صحابہ کرامؓ مریدانِ رسول تھے لیکن سیدنا عمرؓ مرادِ رسول کے مقام پر فائز تھے اس وجہ سے مدینہ طیبہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام میں انہیں شریک کیا۔ کیونکہ گلشنِ اسلام کے باغبان نے تزئینِ گلشن کی خاطر اسے خالقِ کائنات سے مانگ کر لیا تھا۔ دوسرے سیدنا عمرؓ کا مزاج بھی تو دوسرے صحابہ کرامؓ سے مختلف تھا جس کو علامہ اقبالؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

پھر صحابہ کرامؓ میں ان کا مقام بھی سیدنا ابو بکرؓ کے بعد دوسرا تھا جیسا کہ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سیدنا علیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر کون تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ سب سے بہتر ابو بکرؓ تھے۔ میں نے پھر پوچھا کہ ان کے بعد کون بہترینِ امت تھا؟ فرمایا: عمر بن

Marfat.com

خطابؓ۔ مجھے خیال ہوا کہ عمرؓ کے بعد وہ عثمانؓ کا نام لیں گے لہٰذا میں نے از خود کہہ دیا کہ پھر آپ سب سے بہتر ہیں؟ آپؓ نے بطور تواضع فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں۔ (بخاری جلد ا ص ۵۱۸ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۸۸)

ان وجوہات کی بنیاد پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں جو سیدنا عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔

غزوۂ بدر اور سیدنا عمرؓ

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد قریش کا یہ خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی ریاست مستحکم (Stable) ہو گئی تو قریش مکہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا' لہٰذا جلد از جلد مسلمانوں کی اس ریاست کا استیصال کر دیا جائے تاکہ وہ زور نہ پکڑ جائے اور اگر وہ زور پکڑ گئی تو پھر ہماری خیر نہیں۔ چنانچہ اس خیال سے انہوں نے مدینہ طیبہ کی ننھی منھی اسلامی ریاست پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ ۲ ہجری سے پہلے دو تین دفعہ انہوں نے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مدینہ پر حملہ بھی کیا لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت دفاعی اقدام کر کے ان کو بھگا دیا۔

ان چھوٹے حملوں کی ناکامی کے بعد اب ۲ ہجری میں پورا کفر پورے اسلام کے مقابلہ میں آ گیا۔ اس غزوے کا نام "غزوۂ بدر" ہے۔ ان غزوہ نے اسلام کی عزت و شہرت چار دانگ عالم میں پھیلا دی اور شرک کو اتنی ذلت و رسوائی اٹھانا پڑی کہ وہ پھر کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آ سکا۔ اگرچہ اس غزوہ کے بعد بھی کفر کئی مرتبہ اسلام کے سامنے آیا لیکن اتنی بے باکی کے ساتھ نہ آیا بلکہ مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں پر بیٹھا ہوتا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اس کو "یوم الفرقان" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس میں حق اور باطل میں فرق اور امتیاز ہو گیا۔ لوگ کفر کی حقیقت کو بھی سمجھ گئے اور اسلام کی حقیقت سے بھی انہیں آشنائی حاصل ہو گئی اور حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فریق دنیا پر واضح ہو گیا۔

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے تو قریش نے اہل مدینہ کو یہ حکم دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرو یا پھر انہیں اپنے ہاں سے نکال دو ورنہ تمہارے مردوں کو قتل اور اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا جائے گا۔ اہل مدینہ نے قریش کا یہ حکم بالکل تسلیم نہ کیا۔ اب قریش کے لیے یہ وقار کا مسئلہ بن گیا۔ دوسرے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیاسی تدابیر اختیار کیں اور بقائے باہمی کے اصول پر معاہدات کا جو جال پھیلایا اس نے مسلمانوں کی پوزیشن کو بہت مضبوط بنادیا۔ اس لیے قریش اب مکمل تیاری کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ لیکن جنگ کی تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی' لہٰذا انہوں نے چندہ کے بجائے تجارت کا منصوبہ بنایا جس سے سرمایہ فراہم کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے پچاس ہزار دینار کی رقم اکٹھی کی جو آج کل کے حساب سے ساڑھے نو کروڑ روپے بنتی ہے۔ اس کے لیے ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تشکیل دیا گیا جس کے سربراہوں کی تعداد ستر تھی (درمنثور جلد ۳ ص ۱۶۴) ابوسفیان اس سارے قافلہ کے رئیس تھے۔ اتنے سرمایہ کا سازوسامان لے کر یہ قافلہ مکہ سے شام روانہ ہوا۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے غزوۂ عشیرہ میں ڈیڑھ یا دو سو مہاجرین کی معیت میں خود اس کا تعاقب کیا لیکن آپ کے عشیرہ پہنچنے سے پہلے وہ قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ اس طرح وہ آپ کی گرفت سے بچ گیا۔ رمضان المبارک میں یہی قافلہ بے شمار مال واسباب سے لدا پھندا واپس مکہ آرہا تھا۔ آپ کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی۔ آپ نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ اور سیدنا سعید بن زیدؓ کو اس کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے جانب شمال بھیجا۔ آپ کا یہ اقدام دراصل قریش کی اقتصادی ناکہ بندی تھا۔

دس روز گزر گئے، یہ دونوں حضرات جو قافلہ کی ٹوہ لگانے کے لیے گئے تھے واپس نہ آئے۔ البتہ بسبس بن عمرو جہنیؓ جن کو آپ نے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس آکر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کیا جس کے بارہ میں تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔ اس کے فوراً بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا اعلان فرمایا۔ وہ اعلان کچھ اس طرح تھا کہ "جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں" گویا جانے میں نہایت جلدی کا اظہار فرمایا۔ انصار مدینہ کے پاس سواری کے اونٹ تو تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لے کر اتنی جلدی نکلے کہ وہ چراگاہوں سے جو کہ مدینہ کے گردونواح میں آٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھیں' اپنے اونٹ نہ لاسکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری جلد ۱ ص ۷۸' عمدۃ القاری عینی و مسند احمد بن حنبل وغیرہ)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو لے کر باہر تو نکلے لیکن صحابہؓ کو

Marfat.com

معلوم نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ منزل متعین نہیں تھی۔ سفر کا اندازہ نہیں تھا لیکن مدینہ سے اتنی جلدی میں نکلنے کی وجہ سے یہ معلوم تھا کہ سفر نہایت اہم ہے تبھی تو آپؐ نے اتنی جلدی رخت سفر باندھا ہے۔ مدینہ سے باہر نکل کر آپؐ نے "بیئر ابی عتبہ" پر قیام فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اونٹوں کو پانی پلا لیا جائے اور پکھالوں میں پانی بھر لیا جائے۔ ایک صحابی سیدنا قیس بن صعصعہؓ کو حکم فرمایا کہ رفقائے سفر اور ان کی سواریوں کو شمار کریں۔ شمار کیا تو ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان ۳۱۳ کے پاس کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ ایک سیدنا مقدادؓ کے پاس اور دوسرا سیدنا زبیرؓ کے پاس۔ ابن سعد نے طبقات میں ایک اور گھوڑے کا ذکر بھی کیا ہے جو سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کے پاس تھا۔

۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو آپؐ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اور چار پانچ روز میں آپ نے ۸۰ میل کی مسافت طے کر کے جمعہ کے روز میدان بدر میں ڈیرے ڈالے۔ یہ تیز رفتاری صرف اسی لیے اختیار کی گئی تا کہ اس تجارتی قافلہ کا مال و اسباب ضبط کر کے قریش کو اقتصادی نقصان پہنچایا جا سکے۔ قافلہ تو آپؐ سے بچ کر نکل گیا لیکن یہ خبریں آپ کو ملنا شروع ہو گئیں کہ قریش مکہ سے ایک لشکر جرار لے کر آ رہے ہیں۔ اس خبر نے ایک نازک صورت حال پیدا کر دی کیونکہ آپؐ کے تمام ساتھی قریباً غیر مسلح تھے۔ وہ تو صرف قریش کے قافلہ کو مرعوب کرنے کے لیے مدینہ سے نکلے تھے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کو کچھ تشویش لاحق ہوئی۔ چنانچہ آپ نے مناسب سمجھا کہ صحابہ کرامؓ کا اس بارہ میں عندیہ معلوم کیا جائے۔

زرقانی کی روایت ہے کہ جب آپ روحاء سے چل کر صفراء پہنچے تو بسبسؓ اور عدیؓ نے آ کر آپ کو قریش کے لشکر کی مکہ سے روانگی کی اطلاع دی۔ (زرقانی جلد ا ص ۴۱۱) اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو مشورہ کے لیے جمع فرمایا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اس بارہ میں سیدنا ابو ایوب انصاریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ہماری جماعت نے سفر شروع کیا تو ایک یا دو روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا:

"ہماری روانگی کا علم اہل مکہ کو ہو گیا ہے۔ اگر وہ جنگ کے لیے آ جائیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے"۔

صحابہ کرامؓ اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے کچھ حضرات نے یہی

Marfat.com

عذر پیش کیا کہ ہمارے سامنے تو صرف قافلہ کا معاملہ تھا۔ ہم جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے (مالنا طاقة بقتال العدو ولكنا :ردناا لعیر) لیکن یہ صرف چند حضرات کی بات تھی۔ اکثریت کے دلوں میں ایک اور جذبہ بھی موجزن تھا اور ان کے قلوب میں ایک اور ولولہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا جس کا اظہار سیدنا مقداد بن الاسودؓ کی زبان سے ہوا جو اس وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے دل و جان سے حاضر ہیں۔ اس کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ نے اٹھ کر اظہار جان نثاری کیا۔ اور وہی کچھ کہا جو سیدنا صدیق اکبرؓ نے کہا۔ اور کہنا بھی وہی کچھ چاہئے تھا کیونکہ صدیقؓ کے بعد فاروقؓ ہی کا مقام ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدنا مقدادؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس بات کا حکم فرمایا ہے آپ اس کو پورا کیجئے۔ ہم دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد و قتال کرو ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے۔ ہم تو آپ کی داہنی جانب بھی لڑیں گے اور بائیں جانب بھی اور آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی"۔

(زرقانی جلد ا ص ۴۱۲ 'بخاری جلد ا ص ۵۶۴ 'فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۳ 'عیون الاثر جلد ا ص ۳۸۵ 'ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۰۳۔۶۱۵ 'البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۴)

اس روایت کے راوی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مقدادؓ کے ان الفاظ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی اور مسرت سے چمک اٹھا۔ دوسری جانب اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"میں نے مقدادؓ کی ایک ایسی ہمت مردانہ کا مشاہدہ کیا کہ اگر مجھے یہ نصیب ہوتی تو یہ ایسی خوش نصیبی ہوتی جو مجھے ہر ایک دولت سے زیادہ محبوب ہوتی۔"

(بخاری جلد ا ص ۵۶۴)

مختصر یہ کہ دونوں لشکر آمنے سامنے خیمہ زن ہو گئے۔ شام ہوئی تو سرکارِ دو عالم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور چند اور صحابہ کرامؓ کو قریش کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ لشکر کی تعداد کتنی ہے اور کون کون شریک لشکر ہیں۔ اتفاقاً انہیں قریش کے لشکر کے دو آدمی مل گئے۔ وہ انہیں پکڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے آئے۔ آپؐ نے ان سے قریش کے لشکر کی تعداد کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: "بہت ہے مگر ان کی تعداد معلوم نہیں"۔ آپؐ نے پوچھا: "روزانہ کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "ایک روز نو اور ایک روز دس"۔ آپؐ نے فوراً فرمایا: "ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔"

پھر آپ نے پوچھا کہ "سرداران قریش میں سے کون کون ان کے ساتھ ہیں؟" انہوں نے کہا: "عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، بنیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدِ وُد۔ ان سب سرداران قریش کے نام سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"مکہ نے آج اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے"۔

(عیون الاثر جلد۱ ص ۲۴۸، ابن ہشام جلد۲ ص ۶۱۵۔۶۱۷، انساب الاشراف جلد۱ ص ۲۹۵)

اگرچہ مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کو بھی پانی پینے کی پوری اجازت تھی۔ اس بارہ میں قریش نے پہلا حربہ یہ اختیار کیا کہ پانی کو برباد کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے پانی کے حوضوں پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ سیدنا عمر ابن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام مہجعؓ کے آکر تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہ جنگ بدر کے سب سے پہلے شہید ہیں۔ (ابن ہشام جلد۲ ص ۶۲۷)

یہ بھی سیدنا عمرؓ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ اس جنگ میں ان کے غلام کو سب سے پہلے شہادت کا رتبہ حاصل ہوا۔

اس جنگ میں پہلے مبارزت ہوئی جس میں قریش کے تین اہم سردار عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ مارے گئے۔ بعد میں یکبارگی حملہ ہوا لیکن نصرت خداوندی مسلمانوں کے شامل حال تھی اس وجہ سے فتح و کامرانی ان کے حصہ میں آئی۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" میں بیان کر دی ہے۔

اس جنگ میں انصار اور مہاجرین دونوں نے اپنے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن

Marfat.com

ہمیں یہ کہ ان کا شوق اخلاص سے زیادہ تھا لیکن جب لوگوں پر انھوں نے تلوار اٹھائی وہاں کے آگے بڑھ کر ان سے لوگ تھے اس وجہ سے ان کا نکو عزت آگئی تھا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنا تن دوا قرابت اور جگر کے ٹکڑوں کی بھی پرواہ نہ کی اور جس قسم سے دیکھا مسلمانوں کی تلواریں ان کے مقابلے کے لیے اٹھیں۔

عتبہ بن ربیعہ جب میدان میں آیا تو ان کے بیٹے سیدنا ابو حذیفہ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۹۹)

سیدنا صدیق اکبر کے لخت جگر عبدالرحمن نے میدان میں نکل کر مبارزت کی آواز دی تو سیدنا صدیق اکبر بیٹے کے مقابلہ میں میدان میں نکلنے کے لیے تیار ہو گئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور فرمایا کہ میرے پاس سے نہ جائیں۔

سیدنا فاروق اعظم کی تلوار اپنے سگے ماموں کے خون سے رنگین ہو گئی اور انھوں نے تمدن کے اوراق پر یہ بات ثبت کر دی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے عمر اس کا دوست نہیں ہو سکتا اور اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتا۔ آپ کے اس ماموں کا نام عاص بن ہشام تھا اور یہ قریش کا ایک معزز سردار تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۹۰)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ ایک روز سعید بن العاصؓ سے ملے اور فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میرے بارہ میں کوئی کدورت ہے؟ شائد تم مجھے اپنے باپ کا قاتل سمجھتے ہو۔ اگر میں انھیں قتل کرتا تو کبھی تم سے معذرت نہ کرتا لیکن میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا ہے۔ تمہارے والد کے پاس سے میں گزرا ضرور تھا۔ وہ بیل کے سینگ ٹٹول رہے تھے۔ میں تو ہٹ گیا لیکن ان کے چچازاد بھائی علیؓ نے ان کو دیکھا اور قتل کر دیا۔

سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے والد نے بیٹے پر حملہ کیا۔ بیٹے نے مدافعت کی تو بیٹے کی تلوار سے باپ قتل ہو گیا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۸۸)

اس قسم کے کئی واقعات اس جنگ میں پیش آئے۔ جس نے ثابت کیا کہ دین کی راہ میں اپنا سب کچھ بے حقیقت سمجھنا چاہیے یہاں تک کہ اگر لڑائی میں اس کا بھائی والد ماموں بیٹا یا کوئی رشتہ دار سامنے آ جائے تو اسے قتل کرنے میں بھی تامل سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ اس نے اپنی زندگی راہ خدا میں وقف کر دی ہے۔ سیدنا عمرؓ کی زندگی اس اثر کی مکمل

Marfat.com

تصویر تھی۔ اور جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر کے اس کی مثال پیش کردی۔

اس جنگ میں ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ ان میں سے ایک قیدی نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم آپ نے مقام صفراء میں دیا اور جب آپ عرق الطبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماری گئی۔ (زرقانی جلد ا ص ۴۴۹)

باقی قیدیوں کو لے کر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمادیا اور فرمایا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ (زرقانی جلد ا ص ۴۴۱) آپ کے اس ارشاد پر صحابہ کرامؓ نے اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہؓ پہلے ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے بعد میں اگر کچھ بچ جاتا تو خود کھاتے' ورنہ کھجوروں پر گذارا کرتے۔

چند روز کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارہ میں کیا کرنا چاہیے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے مشورہ دیا: "یا رسول اللہ! یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ چل کر یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلہ میں ہمارے معین و مددگار ہوں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہو گا اور ہمیں اپنی اقتصادی حالت کی بہتری اور سدھار کے لیے رقم بھی مل جائے گی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۴۳ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۸۷)

سیدنا صدیق اکبرؓ کی اس رائے کے بعد آپؐ نے سیدنا عمر بن خطابؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ کے دل میں کفار کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا اس لیے بارگاہِ نبوت میں عرض کی: "یا رسول اللہ! واللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکرؓ کی ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کے اعیان و اکابر ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اسلام کے خلاف رہی ہیں' لہٰذا ان کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ حدیث میں سیدنا عمرؓ کے جو الفاظ منقول ہیں' وہ پڑھنے کے قابل ہیں آپ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی:

یا رسول اللہ! کذبوك واخرجوك و قاتلوك' فاضرب اعناقھم

اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا' آپ کو آپ کے

Marfat.com

وطن مکہ سے نکالا اور پھر آپ سے جنگ کی' پس ان کی گردنیں' مارنے کا حکم فرمایئے۔ (ترمذی جلد ا ص ۲۰۴' جلد ۲ ص ۱۳۴)

سیدنا عمرؓ نے یہ بھی عرض کیا کہ ان کو قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل کرے۔ علیؓ کو فرمائیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کریں اور مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے عزیزوں کو قتل کروں کیونکہ یہ لوگ صنادید کفر ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہمارے دلوں میں جس طرح شرک کے لیے بیزاری کے جذبات ہیں اسی طرح مشرکین کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔

پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ' سیدنا سعد بن معاذؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی اپنی آراء بارگاہِ نبوت میں پیش کیں۔ آپؐ نے سب کی آراء سنیں اور پھر حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لائے اور مختصر سے خطاب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی دل کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ دودھ سے بھی زیادہ رقیق اور نرم ہو جاتا ہے اور کسی کے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے۔

آپ نے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے جذبات کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ سب کی تحسین فرمائی۔ پھر آپؐ نے ابوبکرؓ کو میکائیل سے' سیدنا ابراہیم علیہ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی اور سیدنا عمرؓ کو جبرائیل علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام سے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا ابوبکرؓ کی تجویز پسند آئی اور میری بات پسند نہ آئی۔ چنانچہ آپ نے قیدیوں سے فدیہ لینا پسند فرمایا۔

مختصر یہ کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی رائے اور ان کے ہم نوا دوسرے صحابہ کرامؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے آپ نے فدیہ لینے کا فیصلہ تو کر لیا اور حکم بھی صادر فرما دیا' لیکن اس سے بارگاہِ الوہیت سے عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگلے روز میں صبح سویرے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "فدیہ قبول کرنے کی وجہ تمہارے اصحاب پر جو شئے پیش کی گئی ہے اس کی وجہ سے رو رہا ہوں"۔ اور آپ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا" (اور حق تعالیٰ نے یہ

Marfat.com

آیت نازل فرمائی!

ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض' تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ' واللہ عزیز حکیم. لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم (۸:۶۷_۶۸)

کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل اور زمین میں اچھی طرح ان کا خون بہائے۔ تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس شئے کے بارہ میں جو تم نے لی ہے' ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔

چونکہ اس نوشتہ میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی تھی اس لیے صحابہ کرامؓ کو قبول فدیہ پر عذاب نہیں دیا گیا بلکہ صرف عتاب کیا گیا۔ اور عتاب بھی اس لیے کیا گیا کہ انہوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے اور پامال کرنے سے پہلے قیدی بنالیا تھا' اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ایسے مجرمین جنگ سے فدیہ لینا قبول کر لیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے بڑے مجرم تھے جنہیں جدید قانون مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چونکہ ان لوگوں کا جرم عام جنگی قیدیوں سے بڑا ہوتا ہے' لہٰذا مقدمہ چلانے کی صورت میں بھی فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں ہوتا ہے۔

(احکام القران' جصاص' جلد ۳ ص ۷۲)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمرؓ کے اور کوئی نہ بچتا۔ اور ایک روایت میں سیدنا سعد بن معاذؓ کا نام بھی ہے کیونکہ ان کی بھی یہی رائے تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۱) منشائے خداوندی بھی یہی تھا کہ کافی خون ریزی کی جائے تاکہ اسلام کی شوکت اور ہیبت دلوں میں بیٹھ جائے اور کفر کی بیخ کنی ہو جائے۔ اور پھر وہ مقابلہ کے لیے اسلام کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ اسی لیے اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر مسلمانوں کو مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

فاضربوا فوق الاعناق' واضربوا منھم کل بنان

کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور کو کاٹ ڈالو

علامہ طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ

Marfat.com

کرامؓ کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیا گیا تھا' پھر بھی فدیہ لینے پر عتاب الٰہی اس لیے نازل ہوا کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا' لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے وہ ایک امتحان تھا کہ دیکھیں اللہ کے دشمنوں کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا "عرض حیات دنیا" یعنی سامانِ دنیا کو۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں ظاہراً ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کر لیں یا اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیں' لیکن حقیقت میں یہ اختیار نہیں تھا بلکہ امتحان تھا۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اس جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور ہر موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار رہے۔ اور جہاں مشورہ کی ضرورت تھی وہاں بالکل صحیح مشورہ بھی دیا' اس کے علاوہ بھی غزوہ میں آپ کی شرکت کی کچھ امتیازی خصوصیات تھیں۔

۱۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں شریک ہوئے لیکن سیدنا عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی میں سے ایک شخص بھی اس جنگ میں شریک نہ ہوا۔ یہ سیدنا عمرؓ کے رعب کا اثر تھا۔

۲۔ سب سے پہلے جو شخص اس جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوا' وہ سیدنا عمرؓ کا غلام مہجعؓ تھا۔

۳۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے ماموں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور یہ مثال پیش کی کہ اسلام کا دشمن عمرؓ کا دوست اور رشتہ دار نہیں ہو سکتا۔

۴۔ سیدنا عمرؓ کے ساتھ ان کے قبیلے اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریکِ جنگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں تھے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

زید بن خطابؓ، عبداللہ بن سراقہؓ، عمرو بن سراقہؓ، واقد بن عبداللہؓ، خولی ابن ابی خولیؓ، مالک بن ابی خولیؓ، عامر بن ربیعہؓ، عامر بن بکیرؓ، خالد بن بکیرؓ، ایاس بن بکیرؓ اور عاقل بن بکیرؓ، مہجع۔ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸۴)

۵۔ ان میں سے دو افراد نے جام شہادت بھی نوش فرمایا اور جریدہ عالم پر اپنا نام ثبت کیا۔ ایک عاقل بن بکیرؓ اور دوسرے مہجعؓ۔ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۰۷)

Marfat.com

غزوۂ احد اور سیدنا عمرؓ

غزوۂ بدر میں شکست فاش کھا کر جب قریش مکہ واپس مکہ پہنچے تو یہ وہی وقت تھا جب ابو سفیان کا کاروان تجارت بھی مکہ پہنچا تھا۔ تجارت کا سامان ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور اس کا مشترک سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ یہ پورا مال سو فیصدی نفع کے ساتھ تھوک اٹھا دیا گیا تھا۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۲۵) حصہ داروں کی اصل رقم واپس کردی گئی اور نفع کے پچاس ہزار دینار جنگ کے لیے محفوظ رکھے گئے۔

ابو سفیان قریش کے سرداروں میں تنہا رہ گیا تھا اگرچہ رؤسائے قریش اور بھی تھے جیسے عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی ربیعہ اور صفوان بن ابی امیہ وغیرہ لیکن سب نے متفقہ طور پر ابو سفیان کو سربراہ اور قائد عوام تسلیم کیا۔ ابو سفیان کو جب زمام قیادت سپرد کی گئی تو اس کا سب سے بڑا اور پہلا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا کہ جب تک وہ غزوۂ بدر کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتقام نہ لے گا نہ تو غسلِ جنابت کرے گا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالے گا۔ اس سے اس کا مقصد قریش کے دامن سے بدر کی شکست کا داغ دور کرنا تھا تاکہ ملک میں ان کی شوکت رفتہ واپس آجائے۔

چنانچہ ایک روز وہ ۲۰۰ سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور مدینہ سے بارہ میل دور وادی قناۃ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔ ابو سفیان کا یہ خیال تھا کہ مدینہ کے یہودی اس کی مدد کریں گے لیکن انہوں نے صاف انکار کردیا۔ آخر ایک روز وہ ایک دستہ کے ساتھ "عریض" پر حملہ آور ہوا جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس دستے نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور

Marfat.com

جلائے اور ایک انصاری سیدنا سعد بن عمروؓ کو شہید کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلادیئے۔ ان باتوں سے اس کی قسم پوری ہوگئی۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ واپس مکہ بھاگ گیا۔

آپؐ کو اس حملہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے دو سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس کا تعاقب کیا، لیکن ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنی تیز رفتاری سے بھاگا کہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو کے بورے تھے جسے وہ راستہ میں پھینکتا گیا اور وہ سب بورے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ عربی میں "ستو" کو سویق کہتے ہیں اس وجہ سے یہ غزوہ "غزوۂ سویق" کے نام سے مشہور ہوا۔

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۸، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۰، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۴۔۴۵، زاد المعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۹۰۔۹۱)

غزوۂ بدر میں قریش کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی اس کے زخم وہ کئی سالوں تک چاٹتے رہے۔ چنانچہ غزوۂ احد اسی شکست کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے چرکے کا زخم ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا کیونکہ ان کے نادرِ روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں سے لقمہ اجل بنے تھے، اس وجہ سے ان کے سینے غیظ و غضب کی آگ سے کھول رہے تھے۔ آخر میں سریہ زید بن حارثہ کے واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا کیونکہ اس میں قریش کا ایک لاکھ درہم کا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس نے قریش کو اقتصادی طور پر بہت نقصان پہنچایا۔ اب ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ان آوازوں نے مکہ کی قیادت کو جنگ کے لیے مجبور کر دیا چنانچہ ایک بڑے لشکر کو تیار کیا گیا جن کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ قائدین قریش کی عورتوں کو بھی اس لشکر میں شامل کیا گیا جس کی تعداد پندرہ تھی۔ تین ہزار اونٹ، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور ہر قسم کا اسلحہ ان کے ہمراہ تھا۔ ایک سو تیر انداز بھی تھے اور لشکر کی کمان ابو سفیان کے ہاتھ میں تھی رسالہ کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا اور پرچم دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبد الدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

لشکر کی تیاری اور روانگی پوری رازداری کے ساتھ ہوئی لیکن مدینہ کی انٹیلی جنس بھی اس بارہ میں بالکل بے خبر نہ تھی۔ آپ نے حباب بن المنذرؓ کی معرفت قریشی فوج کا پتہ چلایا۔ انہوں نے بتایا کہ لشکر کی تعداد تین ہزار ہے (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵) مختصر یہ

Marfat.com

کہ باہمی مشورہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی لشکر ایک ہزار پر مشتمل تھا جس میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہ سوار تھے۔ لشکر میں کچھ منافقین بھی تھے جو دشمن کے بالکل قریب مقام "شوط" پر جا کر اسلامی لشکر سے الگ ہو گئے۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ ان کے الگ ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی خود صف بندی کی۔ ماہر تیر اندازوں کا اس دستہ جو پچاس آدمیوں پر مشتمل تھا جن کو تاکید کی گئی کہ تم نے کسی صورت اپنی اس جگہ کو نہیں چھوڑنا۔ جب دونوں طرف سے صف بندی ہو گئی تو باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ بڑے زور کا رن پڑا۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ شہادت کا ایک وجد طاری تھا۔ وہ کافروں پر اس طرح حملہ کر رہے تھے جیسے باز چڑیوں پر حملہ کرتے ہیں۔ سیدنا حمزہؓ شہید ہوئے۔ عمرو بن الجموحؓ شہید ہوئے۔ سیدنا حنظلہؓ نے جام شہادت نوش کیا لیکن مشرکین میں جلد ہی بھگدڑ مچ گئی۔ سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے تیزی سے بھاگ رہی ہیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی ہیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹) کچھ مسلمان دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ ان کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق میں اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا' درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی ایک خوفناک غلطی نے اس فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اور اسلامی لشکر کو اتنا نقصان اور قائد اسلام کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے۔ اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور وہ دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کافی حد تک جاتا رہا۔ خالد بن ولیدؓ اور عکرمہ بن ابی جہل دشمن کی فوج کے عقابی نظر رکھنے والے ماہر کمانڈر تھے۔ دورانِ جنگ بھی انہوں نے تین بار درہ کے اس مورچہ پر حملہ کیا لیکن نقصان اٹھانا پڑا' مگر قریشی لشکر کے بھاگتے ہوئے بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ یہ کمزور ہو چکا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ صرف دس مجاہدین وہاں موجود تھے۔ انہوں نے قریش کے دستے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک؟

Marfat.com

آخر دشمن ان کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور دندناتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا جو دشمن کی آمد سے بے خبر تھے۔

درّہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑی خوفناک غلطی کر رہے ہیں' اس خوفناک غلطی کے نتیجہ میں قریش مکہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن قمیئہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا' آپ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ اسلام کی بہادر ام عمارہ مازنیہؓ سامنے آگئیں۔ تلوار ان کے شانے پر پڑی۔ زخم نہایت گہرا ہو گیا اور مندمل ہونے کے بعد بھی وہاں ایک گڑھا سا بن گیا۔ سیدہ ام عمارہؓ نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ وہ چونکہ زرہ پہنے ہوئے تھا لہٰذا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدہ ام عمارہؓ مشکیزہ لے کر پانی پلانے آئی تھیں۔ ہاتھ میں تلوار بھی تھی۔ جب انہوں نے مسلمانوں کا یہ انتشار دیکھا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے لگیں۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۱' سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۵۵)

ابن قمیئہ نے آپ کی دائیں جانب پسلیوں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اگر دو آہنی زرہیں آپ کے جسدِ اطہر پر نہ ہوتیں تو بہت گہرا زخم ہو جاتا' لیکن اب زرہوں کی وجہ سے زخم تو نہ ہوا لیکن اس کی دکھن قریباً ایک ماہ تک باقی رہی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹' سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۵۸) اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری جو آنکھ کے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ کی ذات تھی۔ مشرکین کی خواہش تھی کہ آپؐ کا کام تمام کر دیں (معاذ اللہ) سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے آپ پر ایک زوردار پتھر پھینکا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر گئے اور نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے۔ اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔

اس وقت آپ نے لوگوں کو آواز دی: "اِلَیَّ عبادَ الله" (اللہ کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) اس وقت تیس صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے جن میں سے ایک سیدنا عمر بن الخطابؓ بھی تھے۔ بعض روایات میں صحابہ کرامؓ کی تعداد کچھ کم بھی آئی ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۸' زرقانی جلد ۲ ص ۳۵' ابن ہشام جلد ۳ ص ۷۷) بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ اس روز میدان سے بھاگ گئے تھے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ طبری

اور ابن ہشام اور دوسرے کئی مؤرخین نے اس کی تردید کی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے بھی الفاروق میں کہاہے کہ یہ روایت درست نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "الفاروق" از علامہ شبلیؒ)

بعض روایات میں ہے کہ مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہواکہ آپ کی شہادت کی خبر جھوٹی ہے اور آپ زینت افزائے عالم ہستی ہیں توان کے دلوں میں ایمان کی شمع پھر روشن ہو گئی چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ، سیدنا زبیر بن العوامؓ اور دوسرے صحابہ کرام آپ کی حفاظت کے لئے دوڑے۔ خالد بن ولید کو جب یہ معلوم ہوا تووہ قریش کے گھڑ سواروں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فدائیوں کو شہید کردے، لیکن سیدنا عمرؓ نے چند مسلمانوں کے ساتھ خالد اور اس کے سپاہیوں کا مقابلہ نہایت جوانمردی سے کیا اور شمعِ نبوت کی مدافعت میں جان توڑ کر لڑے اور دشمن کو پسپا کردیا۔ نتیجہ یہ ہواکہ خالد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ (طبری جلد ۲ ص ۲۰۲)

غزوۂ احد کی جنگ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ ظہر کی نماز آپؐ نے زخمی ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرامؓ نے بھی یہ نماز بیٹھ کر پڑھی۔ (ابن ہشام جلد ۴ ص ۸۷) نماز سے قبل سیدنا علیؓ مہراس (ایک چشمہ کا نام) سے اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور آپ کو پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں کچھ ناگوار بُو محسوس کی اس لیے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھولیا اور سر پر بھی ڈالا اور اس حالت میں فرمایا:

"اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اس کے نبی کے چہرے کو خون آلود کیا"۔ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۵)

اتنے میں سیدنا محمد بن مسلمہؓ کہیں سے شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ آپؐ نے اسے نوش فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۳۰)

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کی تو ابو سفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی! "کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں؟" آپ نے فرمایا: "کوئی شخص اس بات کا جواب نہ دے" جب کوئی جواب نہ آیا تو ابو سفیان نے پھر یہ آواز دی! "کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابو بکرؓ) زندہ ہیں؟" آپؐ نے پھر فرمایا: "کوئی جواب نہ دے" جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر یہ آواز دی: "کیا تم میں عمر بن الخطابؓ زندہ ہیں؟" آپ نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرمایا۔ جب اس بات کا بھی کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: "بہر حال یہ سب قتل ہو گئے کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے"۔

Marfat.com

ابو سفیان کی یہ بات سن کر سیدنا عمرؓ بے قابو ہو گئے اور بلند آواز سے فرمایا: "اے اللہ کے دشمن! تو نے بالکل غلط کہا۔ تیرے رنج و غم کا سامان اللہ تعالیٰ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سب زندہ ہیں"۔

لیکن ابو سفیان نے نعرہ لگایا!

اعل ھبل

ہبل کی جے ہووے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔ عمر! تم اس کا یہ جواب دو:

اللہ اعلیٰ واجل

اللہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہے

پھر ابو سفیان نے دوسرا نعرہ لگایا:

لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم

ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی نہیں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا: اس کا یہ جواب دو:

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم

اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں

اس کے بعد ابو سفیان نے کہا: "یہ دن یوم بدر کا بدلہ ہے، للذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی ڈول کی مانند ہے، کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔"

سیدنا عمرؓ نے جواب دیا: "ہم اور تم برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں"۔

بعد ازاں ابو سفیان نے سیدنا عمرؓ کو آواز دی کہ میرے پاس آؤ۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے" سیدنا عمرؓ اس کے پاس گئے تو ابو سفیان نے کہا: "عمر! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا؟ "سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ وہ اس وقت تیری بات کو سن رہے ہیں"۔

ابو سفیان نے کہا: "تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو"۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۲، زرقانی جلد ۲ ص ۷۳، زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۴، ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۳، عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سسرالی رشتہ

جنگ احد کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ایک سسرالی رشتہ بھی، قائم ہوا وہ یہ کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ بیوہ ہو گئیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم نے ان سے خود نکاح فرمالیا۔ سیدہ حفصہؓ کا پہلا نکاح سیدنا خنیس بن حذافہ سہمیؓ سے ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی نہایت خوش وخرم اپنی زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ پھر ہجرت بھی دونوں نے کی۔ ۲ھ میں جب غزوۂ بدر پیش آیا تو سیدنا خنیسؓ نے بھی اس میں شرکت فرمائی اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے لیکن میدان جنگ میں کچھ ایسے کاری زخم آئے کہ ان سے جانبر نہ ہو سکے۔ چنانچہ واپس آکر انہی زخموں کی وجہ سے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی تھی لیکن وہ زخم جوان کی شہادت کا باعث بنے غزوۂ احد میں کھائے تھے لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ غزوۂ بدر کے زخموں کی وجہ سے انتقال فرمایا تھا۔

سیدہ حفصہؓ کے بیوہ ہونے کے بعد سیدنا عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر لاحق ہوئی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا عثمانؓ کو ایک روز نہایت مغموم دیکھا اور ان کے غمگین ہونے کی وجہ دریافت کی۔ سیدنا عثمانؓ نے کہا کہ میرے مغموم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین جو سسرالی رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں اپنی بیٹی تم سے بیاہ دوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس معاملہ پر غور وفکر کروں گا۔ چند روز بعد سیدنا عمرؓ کی ان سے پھر ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اس رشتہ پر راضی نہیں۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں پھر ابو بکرؓ سے ملا۔ ان سے بھی یہ کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنی بیٹی حفصہ کا آپ سے نکاح کر دوں۔ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ میری یہ بات سن کر خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمرؓ کو سیدنا ابو بکرؓ کی بے توجہی سے کچھ دلی رنج ہوا۔ بعد ازاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سیدہ حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا اور نکاح ہو گیا۔

ایک روز سیدنا ابو بکرؓ سیدنا عمرؓ سے ملے اور کہا: ”عمر! جب چند روز قبل تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی پیش کش کی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا اور تمہیں میری یہ خاموشی بلکہ بے التفاتی ناگوار گذری لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہؓ کا ذکر فرمایا تھا اور میں آپؐ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔

(بخاری حدیث نمبر ۵۱۲۲ مسند احمد جلد ا ص ۱۲ جامع الاصول جلد ۱۱ ص ۴۰۸ تحفۃ الاشراف جلد ۸ ص ۵۶ نسائی جلد ۶ ص ۷۷ و ۸۳)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ جب خنیس بن حذافہؓ شہید ہوئے تو میں نے حفصہؓ کے عثمانؓ کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میں نے عثمانؓ سے حفصہؓ کے نکاح کی پیش کش کی لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیش کش کو ٹھکرادیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے عثمانؓ کا نکاح تیری بیٹی سے زیادہ اچھی عورت سے کردیا اور تیری بیٹی کا نکاح عثمانؓ سے زیادہ اچھے آدمی سے کردیا''۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۳ من طریق الواقدی)

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کے مطابق یہ نکاح ۲ھ میں ہوا (ملاحظہ ہو الاستیعاب جلد ۴ ص ۱۸۱۱ اسد الغابہ جلد ۷ ص ۶۵ الاصابہ جلد ۷ ص ۵۸۲) اور زہری کی روایت کے مطابق ۳ھ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہؓ سے نکاح کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۱ انساب الاشراف جلد ۱ ص ۴۲۲ صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی جلد ۲ ص ۳۸ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۲۷ فتح الباری جلد ۹ ص ۸۱ تہذیب الاسماء والصفات نووی جلد ۲ ص ۳۳۸)

حافظ ابن سید الناسؒ نے لکھا ہے کہ یہ نکاح شعبان میں ہجرت نبوی سے تیس (۳۰) ماہ بعد ہوا۔ یہ ایک قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق غزوۂ احد کے بعد یہ نکاح ہوا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۹۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمرؓ کے درمیان اس رشتہ مصاہرت کے قائم ہونے سے سیدنا ابوبکرؓ کی طرح سیدنا عمرؓ بھی کاشانہ نبوت میں آنے جانے لگے اور آپ کے تعلقات میں اور زیادہ قربت اور استواری پیدا ہوئی۔

بنو نضیر کی جلاوطنی

۴ھ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی دیت کے لیے بنو نضیر

Marfat.com

تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ یہود کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے موقع کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نہایت ناپاک اور مکروہ منصوبہ تیار کیا جو آپ کی شہادت پر منتج ہوتا تھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی آبادی میں تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے ان کی نشست کا ایسی جگہ انتظام کیا کہ وہاں اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر نیچے بیٹھنے والے کو ختم کیا جا سکے۔ ایک یہودی عمرو بن حجاش بن کعب نے وہ بھاری پتھر اوپر چڑھایا۔ اس طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کی مکروہ سازش کی گئی۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ دیت کے لیے امداد لینے کی غرض سے بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا سعد بن معاذؓ، سیدنا اسید بن حضیرؓ اور سیدنا سعد بن عبادہؓ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ یہود بنی نضیر نے اپنی پلاننگ کے تحت انہیں ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا۔ بنو نضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کیا اور دیت میں اعانت کا وعدہ بھی کیا تاکہ ان کے دل میں آپؐ کو ختم کرنے کے بارہ میں جو سازش تھی، آپ کو اس کا پتہ نہ چل سکے۔ یہود کے ایک عالم سلام بن مشکم نے انہیں اس سازش سے منع بھی کیا اور کہا کہ "ایسا نہ کرو، خدا کی قسم! اس کا رب اسے اس بارہ میں مطلع کر دے گا۔ نیز یہ بد عہدی بھی ہے" لیکن انہوں نے اس کی اس بات کی کوئی پروا نہ کی۔

جونہی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھے، جبریل امین نے آپ کو یہود کے اس منصوبہ سے باخبر کر دیا۔ آپؐ تیزی سے اٹھے اور خاموشی سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ فرمایا کہ وہ وہاں ٹھہریں۔ پھر جب معلوم ہو گیا کہ آپ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو باقی صحابہ کرامؓ بھی واپس چلے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کی اطلاع پہلے ان یہودیوں ہی کو ہوئی جو اس سازش کے بانی مبانی تھے۔ ایک یہودی نے انہیں آ کر بتایا، آپ لوگ کس انتظار میں ہیں؟ میں مدینہ سے آ رہا ہوں۔ میں جب مدینہ سے نکل رہا تھا تو آپ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۶۲، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹)

یہ واقعہ ربیع الاول ۴ھ بروز ہفتہ کا ہے۔ یہود کا یہ منصوبہ وحی الٰہی کی وجہ سے ناکامی سے ہم کنار ہوا۔ بنو نضیر کی یہ کوئی پہلی عہد شکنی نہ تھی بلکہ اس نے قبل بھی وہ کئی دفعہ اپنے عہد و پیمان کو توڑ چکے تھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے

Marfat.com

سرداروں کو طلب فرمایا اور ان کے سامنے ان کے تمام جرائم کی فہرست رکھی۔ وہ ان جرائم کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے لہٰذا آپ نے فیصلہ فرمایا کہ دس روز کے اندر بنو نضیر مدینہ طیبہ کی سرزمین سے نکل جائیں بصورت دیگر انہیں پھر کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

بنو نضیر کو اپنی طاقت و قوت پر گھمنڈ تھا۔ اس کا علاقہ ایک اسٹیٹ کی حیثیت رکھتا تھا جس کی حفاظت کے لیے اس کے پاس مسلح جوان تھے۔ مضبوط قلعہ تھا جس کے سامنے باغات کے حصار تھے۔ ان کے مکانات بڑے مضبوط تھے۔ ان کے ہم مذہب بنو قریظہ ان کی پشت پر تھے' لہٰذا انہوں نے سرکارِ دو عالم کے اس نوٹس کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور اس کی تعمیل کرنے کے بجائے مخالفانہ اور باغیانہ رویہ اختیار کیا۔ یہود کے ایک دور اندیش اور سنجیدہ عالم کنانہ بن صوریا نے انہیں بہت سمجھایا اور سلام بن مشکم نے بھی ابن صوریا کی پوری پوری تائید کی لیکن بنو نضیر کی دولت کی بہتات کی وجہ سے غور و فکر کی قوتیں ماؤف ہو چکی تھیں۔

چنانچہ بنو نضیر کے رئیس اور قائد حیی بن اخطب نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ مدینہ چھوڑنے کے بجائے مسلمانوں کا ہر طرح مقابلہ کریں گے۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ان پر حملہ کے لیے بھیجا تو ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور حیی ابن اخطب نے اپنے کو بے دست و پا پایا۔ لیکن اب پانی سر سے گذر چکا تھا۔

آخر کار وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں برباد کر کے اور خائب و خاسر ہو کر مدینہ سے نکلے۔ کچھ یہودی اور ان کے لیڈر حیی بن اخطب' سلام بن ابی الحقیق' کنانہ بن ربیع وغیرہ نے تو خیبر کا رُخ کیا' باقی یہودی اذرعات وغیرہ مقامات پر چلے گئے۔

ایک حسرت ناک بدقسمتی یہ دیکھنے میں آئی کہ یہودی عالم کنانہ بن صوریا اور سلام بن مشکم جنہوں نے یہود کو بتایا کہ تم اللہ کے سچے پیغمبر کا مقابلہ کر رہے ہو' خود ان دونوں کو بھی اسلام لانے کی توفیق حاصل نہ ہوئی بلکہ وہ بھی اپنا سامان اونٹوں پر لاد کر ان لوگوں کے ساتھ مدینہ سے خیبر چلے گئے۔

غزوۂ بنی المصطلق اور سیدنا عمرؓ

غزوۂ بنی المصطلق کا دوسرا نام غزوۂ مریسیع ہے۔ بنی المصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ غزوہ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک ۵ ھ میں پیش آیا اور

Marfat.com

محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق شعبان ۶ھ میں پیش آیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ ۴ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ (حاشیہ بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳) جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے فراغت پائی تو دو مسلمانوں کا جانوروں کو پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا بلکہ منافقین نے جھگڑا کروادیا۔ ان میں ایک جہجاہ بن مسور غفاری تھا جو سیدنا عمر بن الخطابؓ کا اجیر تھا اور ان کے گھوڑے کو پانی پلانا چاہتا تھا اور دوسرا سنان بن وبر جہنی تھا جو مدینہ کے بنی عوف (قبیلہ خزرج) کا حلیف تھا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا۔ جہجاہ نے سنان کو پیٹا۔ سنان نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ساتھ ہی "یا معشر الانصار" کا نعرہ لگایا۔ اس کے جواب میں جہجاہ نے بھی "یا معشر المہاجرین" پکارا۔ اس سے جھگڑا بڑھ گیا۔ چنانچہ مہاجرین نے سیدنا سعد بن عبادہؓ سے بات کر کے معاملہ رفع دفع کروادیا۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے جونہی یہ واقعہ سنا تو بھڑک اٹھا اور اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ سیدنا زید بن ارقمؓ نے وہ تمام باتیں جو عبداللہ بن ابی نے مہاجرین کے خلاف کہی تھیں، سن لیں۔ اس کی باتیں بہت زہریلی اور مسلمانوں کے بہت خلاف تھیں۔ زید بن ارقمؓ نے وہ تمام باتیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں۔ آپ بہت کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور چہرۂ انور سرخ ہو گیا۔

یہ بات تمام لشکر میں پھیل گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ کہا ہے۔ سیدنا عمرؓ کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں کی ہیں۔ رگِ فاروقی فوراً حرکت میں آئی اور بارگاہِ نبوت میں فوراً حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس دشمن خدا کی گردن اس کے جسم سے جدا کر دوں؟ یا عباد بن بشر کو حکم فرمایئے کہ اس کا سر قلم کر دے"۔ آپ نے فرمایا: "عمر! صبر سے کام لو' میں ایسا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ (ان محمداً یقتل اصحابه)

عبداللہ بن ابی کو جب پتہ چلا کہ سیدنا زید بن ارقمؓ نے اس کی ساری باتیں بارگاہِ رسالت میں بیان کر دی ہیں اور اس کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ زید بن ارقمؓ نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے' میں نے وہ نہیں کہا اور نہ مجھ میں یہ ہمت ہے کہ ایسی بات زبان پر لا سکوں۔ آپؐ نے عبداللہ کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اس کی بات کو سچ مان لیا۔ زید بن ارقمؓ کو اس

سے بہت ندامت ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون نازل فرما کر زید بن ارقمؓ کی تائید فرمادی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ارقمؓ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں کی تصدیق فرما دی ہے۔

(بخاری جلد ۱ ص ۴۹۹، ص ۷۲۲ـ۷۲۹، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۹۰ـ۲۹۲)

عبداللہ بن ابی کا ایک لڑکا جس کا نام بھی عبداللہؓ تھا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور نہایت راسخ الاعتقاد مسلمان تھا۔ اس نے جب اپنے باپ کی یہ کرتوت سنی تو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی: "یارسول اللہ! معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ عبداللہ بن ابی کو قتل کرانا چاہتے ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے حکم فرمایئے میں اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے میرے سوا کسی اور کو انہیں قتل کرنے کا حکم فرمایا تو میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں گا۔ اور چونکہ کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل کروں گا اس وجہ سے مجھے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ (ابن ہشام جلد ۳ ص ۲۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کی بات سن کر فرمایا کہ "ہم اسے قتل نہیں کریں گے بلکہ جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے رفق و احسان کے ساتھ اس سے پیش آئیں گے"۔ لیکن اہل مدینہ ابن ابی کو نفرت اور غضب کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمرؓ سے مسلمانوں کے بارہ میں گفتگو فرما رہے تھے۔ ہوتے ہوتے بات عبداللہ بن ابی تک پہنچ گئی کہ اس کی قوم اس سے کیسا حقارت آمیز برتاؤ کرنے لگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں عمرؓ کیا خیال ہے؟ اگر میں عبداللہ بن ابی کو اس روز قتل کروا دیتا جس روز تم نے مجھ سے کہا تھا، تو بخدا! ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا، لیکن اگر آج تم اسے قتل کرنے کے لیے کہتے تو تمہاری بات ضرور مان لیتا۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کی: بخدا! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میری بات سے زیادہ بابرکت ہے۔ (ابن ہشام جلد ۳ ص ۲۹۳)

جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھانا چاہی لیکن سیدنا عمرؓ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے میں مزاحم ہوئے۔

غزوۂ احزاب اور سیدنا عمرؓ

یہ غزوہ شوال ۵ ہجری میں پیش آیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۰۳، فتح الباری جلد ۷ ص

Marfat.com

۳۰۲) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جو جلاوطن کیا اس میں ان کے بڑے بڑے رؤساء خیبر چلے گئے۔ چنانچہ ان میں سے یہود کے ۲۰ سردار اور دانشور مکہ آئے اور قریش مکہ کے ساتھ انہوں نے اسلامی اسٹیٹ کو تباہ کرنے کے لیے ایک خوف ناک پلان تیار کیا اور ساتھ ہی ایک متحدہ محاذ بنانے کی پلاننگ بھی کی۔

مشرکین اور یہود کی اس مشترکہ پلاننگ سے مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت غافل نہیں تھی۔ اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں۔ چنانچہ مشرکین' یہود اور عرب کے دوسرے قبائل کے متحدہ محاذ کا دس ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آرہا تھا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے خندق کھودنے کا دفاعی منصوبہ بنایا۔ حضور علیہ السلام نے خندق کی حدود خود متعین فرمائیں اور دس دس آدمیوں کو دس گز زمین خندق کی کھدائی کے لیے تقسیم فرمادی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے تری نکل آئی۔ اور جلدی اتنی کھودی گئی کہ صحابہ کرامؓ چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۳۰۵' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۸)

قریش اور دوسرے قبائل کا یہ اتحادی لشکر راستہ میں معلوم نہیں کیا کیا منصوبے بنا کر آیا تھا کہ جاتے ہی یک بارگی حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست ونابود کردیں گے لیکن جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے اپنے اور اہل مدینہ کے درمیان ایک وسیع اور گہری خندق حائل دیکھی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کے حملہ کرنے کے سارے منصوبے مسلمانوں کی اس شاندار منصوبہ بندی سے خاک میں مل گئے تھے۔ دوسری طرف مسلمان بھی دشمن کے سپاہیوں کی ہر نقل وحرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ اور جب کبھی کوئی دشمن کا سپاہی خندق کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کردی جاتی تاکہ وہ نہ تو کود کر اس کو عبور کر سکے اور نہ ہی مٹی ڈال کر اس میں سے آنے کا راستہ بنا سکیں۔ اب دشمن کے لیے سوائے مدینہ کا محاصرہ کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا یہ محاصرہ بیس روز تک جاری رہا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۰)

مشرکین کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدافعت کے لیے خندق کے ادھر ادھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہؓ کو متعین کردیا تھا کہ دشمن اس طرف سے نہ آنے پائے۔ خندق کے ایک حصہ پر سیدنا عمر بن خطابؓ متعین

تھے۔ چنانچہ آج یہاں ان کے نام کی ایک مسجد بھی موجود ہے جس کا نام مسجد عمرؓ ہے۔ ایک روز کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو سیدنا عمرؓ نے سیدنا زبیر بن عوامؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر مشرکین کے اس حملہ کو روکا۔ اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیا۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلہ میں اتنا مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ بعض نمازیں قضا ہو گئیں (بخاری جلد ۲ ص ۵۹) سیدنا عمرؓ نے بارگاہِ نبوت میں آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے اتنا مصروف رکھا کہ نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو ان نمازوں کے قضا ہونے کا اس قدر افسوس ہوا کہ آپ نے مشرکین کے لیے بد دعا کی۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو وسطیٰ کی ادائیگی سے روکا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰ امام نودی کے بیان کے مطابق محاصرہ کے دوران مختلف دنوں میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوئیں۔ (نووی شرح مسلم جلد ا ص ۲۲۷)

ایک مقام پر خندق تنگ تھی عمرو بن عبدِ وَد وہاں سے خندق میں اپنا گھوڑا لے آیا۔ عمرو بن عبدِ وَد جنگ بدر میں زخم کھا کر گر گیا تھا، سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ اس نے مقابلہ کے لیے آواز دی۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ اس کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے۔ وہ گھوڑے سے اتر کر سیدنا علیؓ کے دو بدو مقابلہ پر آگیا یہ بہت بڑا شاہسوار تھا اور عرب اس کی بہادری کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

پہلے سیدنا علیؓ اور عمرو بن عبدِ وَد میں کچھ فقرے بازی ہوئی۔ جس سے وہ طیش میں آگیا۔ اس نے بڑھ کر سیدنا علیؓ پر وار کیا۔ پھر دونوں میں زور دار ٹکر ہوئی۔ سیدنا علیؓ کی پیشانی پر معمولی سا زخم بھی آگیا۔ بالآخر سیدنا علیؓ نے اس پر ایسا بھر پور وار کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ سیدنا علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ نصرتِ خداوندی آ گئی۔ (روض الانف جلد ۲ ص ۹۱)

بالآخر بنو قریظہ اور قریش کے متحدہ محاذ میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس دوران مسلمانوں نے محاصرہ کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں یہ دعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا:

اللھم استر عو راتنا وامن روعاتنا

Marfat.com

اے اللہ! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ فرما۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۹' زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۱)

دوسری طرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی:

اللھم منزل الکتاب' سریع الحساب' و ھازم الاحزاب' اھزمھم وانصرنا علیھم

اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے' جلد حساب لینے والے' ان لشکروں کو شکست دینے والے' انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱' زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۲)

آخر کار اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں اور مشرکین کے لشکر پر تند و تیز ہوا کا طوفان بھیج دیا۔ ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے۔ رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ صحرا کا گرد و غبار اڑ اڑ کر ان کی آنکھیں بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنہوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف کی ایک خاص کیفیت پیدا کر دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا' چھٹ گیا۔ مشرکین کے واپس جانے کے بعد اسلامی لشکر کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الان نغزوھم ولا یغزوننا' نحن نسیر الیھم (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰)

اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔

معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عمرؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ سے گئے ہوئے چھ سال گذر گئے تھے۔ ان چھ سالوں میں وہ دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک تو کبھی یہود کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر۔ یہ سارا زمانہ ان کا مختلف پریشانیوں میں گذرا لیکن ان پریشانیوں کے باوجود اسلام کی دعوت ہر طرف پھیلتی گئی اور اس کے حامیوں میں قوت اور استقلال بڑھتا گیا' اور اسلام کی دعوت کے سیلاب کے سامنے

مشرکین اور کافروں کا ہر بند مسمار ہو گیا۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت سے محروم اور حج و عمرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے' خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ کچھ زیادہ محسوس کرتے تھے۔ انہیں اور غموں کے علاوہ مکہ اور کعبہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا' لیکن انہیں یہ بھی امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ اور اس کے ساتھیوں کو ضرور کامیاب کرے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطاء فرمائے گا۔ انہیں اس گھڑی کے بہت جلد آنے کا یقین تھا جس میں اللہ تعالیٰ ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا اور وہ بھی بیت اللہ کا طواف کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا پھر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے اور بعض نے کتروائے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس خواب سے مطلع فرمایا تو انہیں اس پر بڑی خوشی اور مسرت ہوئی' چونکہ زیارت کعبہ کے شوق نے انہیں دیوانہ بنایا ہوا تھا' اس لیے وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہو گا۔ محبت و شوق کی جو چنگاری صحابہ کرامؓ کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی لہٰذا انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۸۰' فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۲' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۹ عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۶۰۔۱۶۱' ابن ہشام جلد ۳ ص ۳۰۸۔۳۱۰)

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی کو قلاوے پہنائے اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ صرف عمرہ کے لیے جا رہے ہیں' جنگ کا ارادہ نہیں۔ مکہ کے قریب جا کر آپ کو پتہ چلا کہ خالد بن ولید مقدمۃ الجیش کے دو سو سواروں کو لے کر غمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ نے اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔

حدیبیہ میں قیام کے بعد آپ نے خراش بن امیہ خزاعیؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے قریش کے پاس مکہ بھیجا تاکہ وہ انہیں بتا دیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ انہیں بھی قتل کر ڈالیں لیکن کچھ لوگوں نے منع کر دیا۔ چنانچہ سیدنا خراشؓ بہ مشکل جان بچا کر

Marfat.com

واپس آئے۔اور بارگاہِ نبوت میں یہ سارا واقعہ بیان کر دیا۔

قریش نے یہ عزم کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہیں رکھنے دیں گے۔

قریش کی اس بد خلقی اور جہالت کے باوجود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ مصالحت غالب رہا اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ نے پھر ایک مرتبہ صلح کی پیش کش فرمائی۔اور اس مقدس سفارت کے لیے پہلے سیدنا عمر ابن الخطابؓ کو کہا گیا لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو' اس لیے اگر آپ میرے بجائے عثمان بن عفانؓ کو بھیجیں تو بہتر ہو گا کیونکہ ان کا قبیلہ اور کنبہ مکہ میں ہے' وہ آپ کی سفارت صحیح طریقہ سے ادا کر سکیں گے۔آپ کو سیدنا عمرؓ کی یہ رائے پسند آئی۔

سیدنا عمرؓ کے کردار کی ایک خوبی یہ تھی کہ اگرچہ انہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اور دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین' گستاخی یا نافرمانی کا جہاں معمولی سا بھی شائبہ ہوتا تھا ان کی رگِ فاروقی اسی وقت پھڑک اٹھتی تھی۔اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر وہ قابل رشک ایمان بھی رکھتے تھے' لیکن اس کے باوجود خدمت نبوی میں اپنی رائے کے اثبات و اصرار میں انہیں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔اسیرانِ بدر کے موقع پر انہوں نے حضور علیہ السلام سے کس طرح سہیل بن عمرو کی بتیسی نکالنے کی اجازت طلب کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسیران بدر کا فدیہ قبول فرما چکے تھے۔عہد رسالت اور عہد صدیقی میں بھی آپ کی یہی شان رہی۔اپنی اسی شان کے تحت آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی یہ تجویز پیش کی جو قبول ہوئی۔چنانچہ آپؐ نے سیدنا عمرؓ کی تجویز پر سیدنا عثمان بن عفانؓ کو بلا کر مکہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں' صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔فرمایا: انہیں اسلام کی دعوت بھی دو اور مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح و نصرت کی خوش خبری بھی سناؤ۔

چنانچہ سیدنا عثمانؓ مکہ تشریف لے گئے۔آپ نے مکہ کے سرداروں کو سرکارِ مدینہ علیہ السلام کا پیغام پہنچایا۔جب بات چیت سے فارغ ہو چکے تو قریش نے بیت اللہ کے طواف کی آپ کو پیش کش کی' لیکن سیدنا عثمانؓ نے قریش کی یہ پیش کش ٹھکرا دی حالانکہ آپ اسی مقصد کے لیے اتنا طویل سفر کر کے آئے تھے فرمایا: مجھے یہ بات ہرگز گوارا نہیں کہ میں

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف کعبہ کرلوں۔ چنانچہ قریش خاموش ہو گئے اور انہیں روک لیا گیا۔

سیدنا عثمانؓ کے زیادہ دیر تک مکہ رکے رہنے کی وجہ سے یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انہیں شہید کردیا ہے۔ آپؐ کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: جب تک میں قریش سے اس قتل کا بدلہ نہیں لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر آپؐ نے وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اس قتل کا بدلہ نہ لے لیں میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ چنانچہ سب سے پہلے سیدنا ابو سنان اسدیؓ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا سلمہ بن اکوعؓ نے جو ماہر تیر انداز تھے، تین مرتبہ بیعت کی۔ جب سب صحابہ کرامؓ بیعت کر چکے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: "یہ بیعت عثمانؓ کی جانب سے ہے"۔ اس واقعہ کے بعد سیدنا عثمانؓ فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۲۰۶۔۲۰۸، ابن ہشام جلد ۳ ص ۳۱۵۔۳۱۶)

بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کردی تھی۔ بخاری غزوہ حدیبیہ میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لاؤ۔ عبداللہؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد کی بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے جاکر حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عبداللہؓ جب سیدنا عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار لے جارہے ہیں۔ سیدنا عبداللہؓ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ سیدنا عمرؓ اسی وقت اٹھے اور جاکر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس بیعت کو قرآن حکیم نے "بیعت رضوان" کا نام دیا ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا کی سند عطا فرمائی جنہوں نے اس موقع پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الفتح آیت ۱۸)

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوگئے۔ اور حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فوری طور پر صلح کے لیے تگ ودو شروع کردی (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۴۵) چنانچہ اب کی بار انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجا۔ سہیل بن

Marfat.com

عمرو کو حضور علیہ السلام نے آتے دیکھ کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔

قد سهل الله من امر كم

یعنی اب تمہارا معاملہ تھوڑا سا آسان اور سہل ہو گیا ہے۔

چونکہ قریش کے سفیر کا نام سہیل تھا جو سہل کا اسم تصغیر ہے اور "من" بھی تبعیض کے لیے آتا ہے' لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا آسان تو نہیں البتہ تھوڑا سا آسان ہو گیا ہے۔(زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۴)

سہیل کی گفتگو کے بعد بالآخر فریقین میں کچھ شرائط طے ہوئیں' لیکن جو شرائط طے ہوئیں وہ ظاہری طور پر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں بلکہ بظاہر کافروں کے حق میں مفید تھیں اس بات کا سیدنا عمرؓ کو نہایت اضطراب تھا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں گیا تھا کہ وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ کافروں کے ساتھ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ یہ بھی کہا : ابوبکر! کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں ؟ ابوبکرؓ نے کہا : کیوں نہیں، پھر پوچھا : کیا ہم مسلمان نہیں ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا : کیوں نہیں، سیدنا عمرؓ نے پھر پوچھا : کیا وہ مشرک نہیں ہیں ؟ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا : ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے کہا تو پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو دخل کیوں دے رہے ہیں ؟ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا : عمر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کر رہے ہیں وہ کسی مصلحت ہی سے کر رہے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ "میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں"۔

سیدنا ابوبکرؓ کی اس گفتگو سے سیدنا عمرؓ مطمئن نہ ہوئے چنانچہ اسی غم اور غصے کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' اور عرض کیا : "یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں ؟ " آپؐ نے فرمایا : "ہوں" پھر پوچھا : "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں ؟" آپؐ نے فرمایا! "ضرور ہیں" عرض کی! "کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں ؟" فرمایا! "ہاں ہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کی : "پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو دخل کیوں دے رہے ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میں اللہ کا بندہ اور اس کا نبی اور رسول ہوں۔ ہرگز اس کے حکم کے خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ مجھے کبھی ناکام نہیں ہونے دے گا"۔ اس جواب سے سیدنا عمرؓ خاموش ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ کا یہ اندازِ گفتگو اگرچہ ظاہری طور پر خلافِ ادب دکھائی دیتا ہے' چنانچہ بعد میں ان کو اس پر ندامت بھی ہوئی تاہم

سوال و جواب کی اصل بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ صلح کیوں ان شرائط پر کی جا رہی ہے۔ یہ ان کی خود اعتمادی اور عزتِ نفس تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی اس رائے کو وقیع سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برابر اپنی رائے پر اصرار رہا یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی تائید میں وحیِ خداوندی نازل ہوئی اور اس نے اس کو "فتح مبین" قرار دیا۔ چنانچہ کئی معاملات میں انہوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا اور جب تک وحی کے نزول یا ان کی رائے کے موافق یا مخالف واقعہ کے ظہور نے حق کو اُن پر واضح نہ کر دیا' وہ اپنی رائے پر جمے رہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں کئی مواقع پر یہ بات آئے گی۔ چنانچہ امتناعِ شراب' واقعہ ایلاء میں ازواج مطہرات کے معاملات میں دخل اندازی فرمانا یہ سب باتیں نگاہ کا دامن پکڑتی ہیں اور ان کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ واضح اور زیادہ جاندار ہوتے جا رہے تھے۔ اس سے مراد ان کی جرأت اور صاف گوئی ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کو عوامی مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ وہ ایک ایسے مدبر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں جو قومی سیاست' قومی مسائل کی تدبیر اور قومی نظام کی بہتری کے لیے ہمہ تن عمل ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کی یہ خصوصیت ان کی تمام دوسری خصوصیات پر حاوی اور نمایاں ہے۔ اس وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا وزیر فرمایا کرتے تھے اور ان کی رائے کو ابو بکرؓ کی رائے کے ہم پلہ قرار دیتے تھے۔ اگرچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کی رائے سے محض اس لیے اختلاف فرماتے تھے کہ عمرؓ کی صلابت، کار آگہی اور دُور اندیشی کی حدود سے متجاوز تھی اور یہ بات مزاجِ نبوت کے منافی تھی جس میں دُور اندیشی کے ساتھ نیکی اور قدرت کے ساتھ عفوو درگذر کی شان بھی پائی جاتی تھی۔

ایک اور واقعہ نے بھی سیدنا عمرؓ کے غم اور غصے میں اضافہ کیا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ معاہدہ کی دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھی کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندلؓ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے قریش کی قید سے نکل کر یہاں حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں آپہنچے۔ یہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور قریش مکہ ان کو پابہ جولاں کر کے اور قیدو بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ ابو جندلؓ نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا: "یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتہ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا' اور

Marfat.com

فریقین کے ابھی اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے' پھر اس پر عمل کیسا؟ لیکن سہیل نہ مانا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر یہاں چھوڑ دو' لیکن وہ نہ مانا' پھر سہیل نے ابو جندلؓ کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور اس کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ ابو جندل زور زور سے چلا کر فریاد کرنے لگا۔ آپؐ نے اسے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنا دے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا ہے اس لیے بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ اچھل کر ابو جندلؓ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے ساتھ چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: "ابو جندل! صبر کرو۔ یہ لوگ مشرک ہیں ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے" اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لئے کر رہا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ابو جندلؓ تلوار لے کر اپنے باپ سہیل کا سر اڑا دیں گے' لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارہ میں تحمل سے کام لیا۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندلؓ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔ سیدنا عمرؓ کو اس کا بڑا دکھ تھا۔

الغرض معاہدہ مکمل ہو گیا اور گواہان اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابو بکرؓ' سیدنا عمرؓ سیدنا عثمانؓ' سیدنا علیؓ (کاتب عہد نامہ) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ' سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ' سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے بطور گواہان دستخط کیے۔ عہد نامہ کی ایک کاپی آپؐ کے پاس اور دوسری سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۱)

صلح نامہ لکھا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے ایک گواہ کی حیثیت سے اس پر دستخط بھی کر دیے لیکن ابو جندلؓ کی واپسی اور معاہدہ کی وہ شرائط جو حضور علیہ السلام نے قریش کے ساتھ طے کی تھیں' سیدنا عمرؓ انہیں مسلمانوں کے لیے باوقار نہیں سمجھتے تھے' مگر نگاہِ نبوت کے پیش نظر کچھ اور مفادات تھے۔ جن کو ہم نے اپنی کتاب "سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کے شرائط کے متعلق بے اطمینانی اور اضطراب صرف سیدنا عمرؓ ہی کو نہ تھا بلکہ قریباً تمام صحابہ کرامؓ سوائے سیدنا صدیق اکبرؓ کے اس بارہ میں پریشان اور مضطرب تھے۔ چنانچہ جب معاہدہ کی تکمیل کے بعد صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے قربانی کرنے اور سر منڈانے کے لیے فرمایا' تو صحابہ کرامؓ ان شرائط صلح سے اس قدر شکستہ خاطر تھے کہ رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بار فرمانے کے بعد بھی کوئی مسلمان نہ اٹھا۔ آپؐ نے صحابہ کی جب اس کیفیت کو دیکھا تو خیمہ میں سیدہ ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہؓ کے اس پیش آمدہ طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گذری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور شکستہ خاطر ہیں' اس لیے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپ باہر ان کے پاس تشریف لے جائیں اور کسی کو کچھ کہے بغیر اپنا جانور ذبح فرما دیں اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیں۔ پھر وہ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے"۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہؓ نے حضور علیہ السلام کو ایسا کرتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کرنے لگے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ روایت میں ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرط غم کے باعث ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

اس موقع پر اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی گئی۔ آپ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانہ میں ابو جہل کے پاس تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ تھا۔ پھر آپؐ نے سر منڈانے والوں کے لئے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لئے ایک بار مغفرت کی دعا کی۔ اس روز آپ کا حجام خراش بن امیہ بن فضل خزاعیؓ تھے۔

حدیبیہ میں دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورہ فتح نازل ہوئی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کر کے سورہ فتح سنائی۔ صحابہ کرامؓ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اس لئے افسردہ دل اور شکستہ خاطر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو "فتح مبین" فرمایا (انا فتحنا لك فتحاً مبینا) اس لیے از راہِ تعجب آپؐ سے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟" آپ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے"۔

(فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۵۔ ۲۵۶' زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۰' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۰ عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۶۰۔ ۱۷۳' بخاری جلد ۱ ص ۳۷۸۔ ۳۸۱' جلد ۲ ص ۵۹۸ ص ۶۰۰' مسلم جلد ۲ ص ۱۰۳۔ ۱۰۶' زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۲۲۔ ۱۲۷' ابن ہشام جلد ۳ ص ۳۰۸۔ ۳۲۲ وغیرہ)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کا اپنی کافر بیویوں کو طلاق دینا

بعض صحابہ کرامؓ کے نکاح میں اب تک کافر عورتیں تھیں کیونکہ قرآن حکیم نے ان پر کوئی قدغن نہ لگائی تھی لیکن جب قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی :

ولا تمسکوا بعضم الکوافر (الممتحنۃ : ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی نہ رکھو۔

تو کافر عورتوں کو نکاح میں رکھنا ممنوع ہو گیا۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نے اپنی دو بیویوں کو جو ابھی تک کافر تھیں' طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ تھا اور دوسری کا نام امِ کلثوم بنت جرول۔ ان دونوں کو طلاق دینے کے بعد سیدنا عمرؓ نے جمیلہ بنت ثابت سے نکاح کیا۔ سیدنا عمرؓ کے صاحبزادے سیدنا عاصم انہی کے بطن سے تھے۔

غزوۂ خیبر اور سیدنا عمرؓ

اگرچہ یہود کے تمام قبائل کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے جلاء وطن کر دیا تھا لیکن ان کی اکثریت خیبر میں جا کر آباد ہو گئی۔ وہاں بھی انہوں نے اپنی سازشیں جاری رکھیں اور انہی سازشوں کے نتیجہ میں جنگ احزاب واقع ہوئی۔ پھر بنو قریظہ کی عہد شکنی میں بھی انہی یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

معاہدہ حدیبیہ نے اگرچہ آپ کو قریش اور پوری جنوبی سمت سے مطمئن کر دیا تھا لیکن مدینہ کے شمال میں بسنے والے خیبر کے یہودیوں سے ہر وقت آپ کو خطرہ لاحق رہتا تھا کہ ہرقل شاہِ روم اور کسریٰ شاہِ فارس کہیں ان یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکا دیں اور یہود کا وہ پرانا ناسور پھر رسنے لگے۔ چنانچہ آپ نے ۷ھ میں ان یہودیوں کے بارہ میں مناسب کارروائی عمل میں لانے کا تہیہ کر لیا۔ اور اس مہم میں نہایت عجلت سے کام لیا تاکہ بنو غطفان یا ان کا کوئی اور حلیف ان کی مدد کو نہ پہنچنے پائے۔

اخیر محرم الحرام ۷ھ میں آپ چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ازواجِ مطہرات میں سے صرف سیدہ امِ سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ حدیبیہ میں بھی آپ ہی ہم رکاب تھیں۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۷' زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۳۲)

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کی رفاقت میں خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک شخص عامر بن اکوع جو ایک مشہور شاعر تھے' حدی خوانی کرنے لگے۔ اشعار سن کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ حدی خوان کون ہے؟" صحابہ نے کہا: "عامر بن اکوع"۔ آپ نے فرمایا: "اللہ اس پر رحم کرے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "اللہ اس کی مغفرت فرمائے"۔ یہ سن کر سیدنا عمر نے کہا: "یارسول اللہ! اس کے لیے تو جنت واجب ہو گئی۔ کاش آپ عامر کے وجود سے ہمیں چند روز اور بہرہ ور ہونے دیتے۔"

(بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳' فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۷' مسلم جلد ۲ ص ۱۱۵)

سیدنا عمر کو پتہ تھا کہ جب آپ جنگ کے موقع پر کسی شخص کے لیے خصوصیت سے دعائے مغفرت فرماتے ہیں تو وہ ضرور شہید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عامر بن اکوع بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز مغرب کے بعد خیبر پہنچے اور رات بھر قلعہ خیبر کے نیچے پڑے رہے۔ لیکن یہود کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ صبح کے وقت وہ پھاوڑے اور کھانچی وغیرہ لے کر کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو باہر مسلمانوں کے لشکر کو پڑاؤ ڈالے دیکھ کر وہ چیختے ہوئے واپس بھاگے کہ "محمد والخمیس" یعنی محمدؐ اپنے لشکر کے ساتھ آ گئے۔ (لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں (۱) مقدمہ (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) قلب اور (۵) ساقہ) سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ آواز سنی تو فرمایا: "اللہ اکبر! خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے"۔ (جامع الاصول جلد ۳ ص ۲۱۳)

خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئی۔ عرب کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش بر آواز تھا خصوصاً قریش مکہ نہایت بے تابی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے۔ انہیں پوری امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی بہادری' اپنے قلعوں کی سربلندی' اسلحہ کی بہتات اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف حملہ ناکام بنا دیں گے بلکہ ان کی وہ درگت بنائیں گے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے تو شرطیں بھی لگا رکھی تھیں۔

خیبر کی آبادی دو منطقوں پر مشتمل تھی جس میں آٹھ قلعے اور کچھ گڑھیاں تھیں۔ مسلمانوں نے باری باری ہر قلعہ کو فتح کر لیا۔ جب انہوں نے قلعہ قموص کا محاصرہ کیا تو کچھ

Marfat.com

وقت پیش آئی۔ یہ قلعہ اس شہ زور اور بہادر یہودی کا قلعہ تھا جس کو مرحب کہتے تھے۔ اور جس کے بارہ میں یہ مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔ محاصرہ کو کئی روز گذر گئے اور قلعہ فتح نہ ہوا۔ روایات میں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دردِ شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے۔ اس لیے علم دے کر سیدنا صدیق اکبرؓ کو بھیجا۔ انہوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز سیدنا فاروق اعظمؓ کو علم دے کر بھیجا۔ سیدنا عمرؓ نے بھی پوری کوشش اور جواں مردی سے مقابلہ کیا لیکن بغیر فتح کے رات کو واپس ہوئے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کل علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے اس قلعہ کو فتح فرمادے گا۔

صحابہ کرامؓ نے یہ رات نہایت اضطراب سے گذاری۔ سیدنا عمرؓ جو قناعت پسندی میں اپنی مثال آپ تھے' اور آپ نے کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی تھی' وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔

(مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

دوسرے روز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "علیؓ کہاں ہیں؟" سیدنا علیؓ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے' لیکن حضور علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس بلایا' ان کی آنکھوں کو اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ آپؐ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا:

خذ هٰذه الراية ' فامض بها حتّٰى يفتح الله عليك

اے علیؓ! یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمادے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۰۵' جلد ا ص ۵۲۵' مسلم جلد ۲ ص ۲۷۹)

چنانچہ سیدنا علیؓ نے جب علم نبوی ہاتھ میں پکڑ کر قلعہ قموص پر حملہ کیا تو رئیس قلعہ مرحب نے میدان جنگ میں اتر کر دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا عامر بن اکوعؓ میدان میں آئے۔ دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن سیدنا عامرؓ اپنی ہی تلوار کے ایک گہرے زخم سے شہید ہوگئے۔ یہ بڑے جانباز اور بہادر تھے۔ ان جیسا عرب کم ہی پیدا ہوا ہوگا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳' مسلم جلد ۲ ص ۱۱۵' ص ۱۲۲)

مرحب نے اب دوسری مرتبہ دعوت مبارزت دی۔ اب کی بار سیدنا محمد بن

Marfat.com

مسلمہؓ اس کے مقابلہ میں آئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللھم اعنہ علیہ (اے اللہ اس کی مدد فرمانا) محمد ابن مسلمہؓ نے میدان میں آکر مرحب کو ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

(ابن ہشام جلد ۲ص ۳۴۳ 'عیون الاثر جلد ۲ص ۱۸۶ ابن اثیر جلد ۲ص ۲۱۹' البدایہ والنہایہ جلد ۴ص ۱۸۹ وغیرہ)

علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ :

"ابن اسحاق' موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا۔ مسند احمد بن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے 'لیکن صحیح مسلم اور حاکم جلد ۲ص ۳۹ میں سیدنا علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ص ۴۸۹)

اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "سیدنا علیؓ" شخصیت اور کردار" ص ۱۰۳) مرحب کے قتل ہونے کے بعد یہ قلعہ فتح ہو گیا۔

خیبر کی زمین میں سونا چاندی تو بہت کم تھا گائے 'بیل اور اونٹ اور کچھ سامان تھا اور سب سے بڑی چیز وہاں کی زمینیں اور باغات تھے۔ زمینوں اور باغات کے علاوہ جو سامان تھا وہ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام کے مطابق غانمین پر تقسیم فرما دیا اور زمینوں کو صرف اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا۔ (روض الانف جلد ۲ص ۲۴۶)

خیبر کی زمین جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کی تو زمین کا ایک ٹکڑا جس کا نام "ثمغ" تھا سیدنا عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ زمین لینے کے بعد وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: مجھے خیبر میں ایک زمین ملی ہے جس سے بہتر چیز آج تک میرے حصہ میں نہیں آئی۔ اس کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہو تو زمین اپنے پاس رکھو اور آمدنی وقف کر دو۔ سیدنا عمرؓ نے اسے فقیروں' رشتہ داروں' غلاموں اور مہمانوں کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دیا جس کے متولی کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضرورت اس میں سے کھا پی سکتا ہے اور فرمایا کہ اصل زمین فروخت نہ کی جائے' نہ ہبہ کی جائے اور نہ کوئی اس کا وارث ہو گا۔ چنانچہ اسلام میں یہ سب سے پہلا وقف ہے جو اسلامیان شرق و غرب کے نظام اوقاف کی اولین اساس ہے۔ اور یہ بھی سیدنا عمرؓ کی ایک منفرد خصوصیت ہے کہ اسلام میں وہ وقف کے

اولین بانی ہیں۔ (مسلم' باب الوقف)

عمرۃ القضاء اور سیدنا عمرؓ

عمرۃ القضاء اس کا نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا۔ دوسرے اس لیے کہ یہ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کیا گیا تھا کیونکہ اس طرح کی مصالحت کو عربی میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں۔ اس دوسری وجہ کو علماء محققین نے زیادہ راجح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۵۰۰' زاد المعاد جلد ا ص ۱۷۲)

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ایک سال گذر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ جونہی ذیقعدہ کا چاند نظر آیا آپ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاء کی تیاری کا حکم دیا۔ اس اعلان سے مسلمانوں کے دل بلیوں اچھل رہے تھے آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ کوئی بھی شخص جو گزشتہ سال حدیبیہ میں موجود تھا' پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ اس دوران جو لوگ شہید ہو چکے تھے ان کے علاوہ باقی لوگ اور ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی رفیقِ سفر ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ ساٹھ قربانی کے جانور تھے۔ صحابہ کرامؓ کے قلب میں مکہ مکرمہ کی زیارت اور بیت اللہ کے طواف کی خوشی اور مسرت اٹھکیلیاں لے رہی تھیں۔ مہاجرین اور بھی بے تاب تھے کہ جس بستی میں انہوں نے آنکھیں کھولیں اسے دیکھنا نصیب ہو گا۔ جس شہر کی دیواروں کے سایہ میں وہ پل کر جوان ہوئے' ان دیواروں کو مس کرتے ہوئے اس شہر کے گلی کوچوں میں گشت کریں گے۔ جن دوستوں کے ساتھ زندگی کا طویل عرصہ گذارا انہیں دیکھ کر آنکھوں کو طراوت نصیب ہو گی۔ وطن کی خوشگوار ہوا سے مشام جاں معطر ہو گی۔ اس مبارک بستی کی خاک سرمہ چشم بنے گی جہاں فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے' ان کا بچپن گذرا' ان کا لڑکپن گذرا اور اپنی جوانی کو اس سرزمین میں بڑھاپے میں تبدیل کیا۔ اور جس سرزمین میں سید الملائکہ جبریل امین خدا کی پہلی وحی لے کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔

غرضیکہ دو ہزار کی جمعیت اس جوش و خروش کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف گامزن ہوئی کہ ان کے دل فرط مسرت سے بلیوں اچھل رہے تھے۔ چونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط

Marfat.com

تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں اس لیے جب یاج پہنچے تو سارے ہتھیار اور سیدنا اوس بن خولی انصاریؓ کی زیرِ قیادت دو سو آدمیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑ دیا جو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے تھا۔ صرف نیام میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۵۰۰ ' زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس گھاٹی کے راستہ سے داخل ہوئے جو جون پر نکلتی ہے۔ روایات میں ہے کہ مشرکین نے آپ کے چہرہ انور کو ایک نظر دیکھنے کے لئے لائن لگا رکھی تھی۔ آپ داخلہ کے وقت مسلسل لبیک کہہ رہے تھے یہاں تک حرم میں جاکر اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ تلوار حمائل کیے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے جن کا ترجمہ یہ تھا:

"اے کافر کے بچو! آپ کا راستہ چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہو۔ ہم نے تمہارے ساتھ جہاد و قتال کیا، اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر بن الخطابؓ نے کہا: "ابن رواحہ! تم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھ رہے ہو؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "اے عمر! انہیں رہنے دو۔ ان کے یہ اشعار کافروں کے حق میں تیر کی مار سے زیادہ سخت ہیں۔"

(ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۷ ' فتح الباری جلد ۷ ص ۵۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عمر! میں سن رہا ہوں" اور ابن رواحہؓ سے فرمایا: "اے ابن رواحہ! ان اشعار کے بجائے یہ پڑھو:

لا الٰه الا الله وحده' نصر عبده' واعزه جنده' وهزم الاحزاب وحده

یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت دی اور تمام گروہوں کو اکیلے نے شکست دی۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کے ساتھ دیگر صحابہ کرامؓ بھی یہ کلمات دہراتے۔ ان کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھے اور پہاڑ پر دبے

Marfat.com

ہوئے مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۸)

قریش نے آپؐ کو عمرہ کی اجازت تو دے دی تھی' لیکن وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرتا دیکھ رہے تھے جس کے نہ کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں سے اتنی لڑائیاں لڑیں اور اپنے بڑے بڑے سرداروں اور بہادروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں مروایا۔ وہ شدت غیظ و غضب سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو دیکھ نہ سکے کیونکہ انہی لوگوں نے بدر و احد اور احزاب میں ان کے بڑوں کو خاک و خون میں لٹایا تھا۔ اس لیے سردارانِ قریش اور ان کے اشراف مکہ کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۲۵۵)

مکہ میں تین روز قیام کرنے کے بعد آپ مکہ میں جس انداز سے داخل ہوئے تھے' اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آگے آگے آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپؐ کے ساتھ دو ہزار نفوس قدسی کا جم غفیر جن کے تقدس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ پہلی رات آپ نے "سرف" میں گذاری اور پھر سفر کی منازل طے کرتے ہوئے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۵۰۰۔۵۰۱' مسلم جلد ۱ ص ۴۱۲' زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۵۲' ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۷' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۷' زرقانی جلد ۲ ص ۲۵۴' بخاری جلد ۱ ص ۲۱۷' جلد ۲، ص ۶۰۰۔۶۱۱)

فتح مکہ اور سیدنا عمرؓ

معاہدہ حدیبیہ کو قریش مکہ نے ۸ ھ میں توڑ دیا' لیکن اس معاہدہ کو توڑنے کے بعد قریش کو احساس ہوا کہ انہوں نے بڑی سخت غلطی کی ہے۔ چنانچہ قائد قریش ابو سفیان مدینہ طیبہ پہنچا اور وہاں اپنی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور دیگر حضرات کی وساطت سے تجدید صلح کی کوشش کی لیکن آپؐ نے اس کی اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اور مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

ایک طرف حملہ کے اس معاملہ کو نہایت رازداری سے رکھا گیا اور دوسری طرف اصحابِ بدر میں سے ایک شخص سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک خط لکھ کر ایک عورت کو دیا

Marfat.com

اور اسے کچھ معاوضہ دے کر کہا کہ اس خط کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ خط کو اپنی چوٹی میں چھپا کر مدینہ سے روانہ ہو گئی۔ واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو یہ خط لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور علیہ السلام کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور کا ہو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔"

(فتح الباری جلد ۷ ص ۵۲۱، زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۸)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا مقدادؓ کو بھیج کر اس عورت سے وہ خط برآمد کرا لیا۔ آپؐ جب اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطبؓ کا اہل مکہ کو خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا حالانکہ اس خط میں انہیں ڈرایا دھمکایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے آیا تو سب حضرات کو حیرانگی ہوئی۔ یہاں بھی رگِ فاروقی پھڑکی اور سیدنا عمرؓ بے تاب ہو گئے۔ عرض کی: "یا رسول اللہ: اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں"۔ لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ سب صحابہؓ مضطرب تھے لیکن جبینِ رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ آپ نے نہایت تحمل اور بردباری سے ارشاد فرمایا: "حاطب یہ کیا؟" سیدنا حاطبؓ نے یہ خط ارسال کرنے میں جو عذر پیش کیا وہ بارگاہِ نبوت میں قبول ہوا۔ ادھر سیدنا عمرؓ برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطبؓ کا سر قلم کرنے کی اجازت کے طلبگار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا: دیکھو، یہ بدری ہیں اور عمرؓ تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو مخاطب کر کے فرما دیا ہو "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" (جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا)۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ کو اہل بدر کے مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور زبان سے نکلا: اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں)

(بخاری جلد ۱ ص ۴۲۲۔ جلد ۲ ص ۶۱۲)

(تفصیل کے ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۸، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۸۴، فتح الباری جلد ۷ ص ۵۲۱)

الغرض آپؐ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۶۲۹ء کو دس ہزار خدا پرست اور خداشناس مجاہدین کا باوقار لشکر لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلامی لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۷) ازواج مطہرات میں سے

Marfat.com

سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ میمونہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ منزل بہ منزل سفر کر کے رات کے پہلے پہر ان دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب مرالظہران کی وادی میں نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے ایک منزل ہے۔ دس ہزار مجاہدین اسلام کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے اور پھر آپ کے حکم سے جب رات کے وقت خیموں کے سامنے آگ کے الاؤ جلائے گئے تو ایسا معلوم ہونے لگا گویا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔

جس رازداری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو اب تک مسلمانوں کے لشکر کی روانگی کا پتہ نہ تھا۔ قریش کو اپنی پیمان شکنی کی وجہ سے یہ دغدغہ لگا ہوا تھا کہ خدا معلوم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کب ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ اور یہ بھی ہے کہ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اسی بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند رؤساء اور سردار' ابوسفیان بن حرب' حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ اس وسیع و عریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا' جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ شان و شوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ہے' جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کس مپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف ان کا توسنِ خیال دوڑنے لگا۔ سیدنا عباسؓ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ باہم تکرار اور ردّ و قدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ "اللہ کی قسم! میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج دیکھا ہے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا" بدیل بن ورقاء اس کے جواب میں کہہ رہا تھا: "خدا کی قسم! یہ بنو خزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے" اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا: "خزاعہ اس سے کہیں کمتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو"۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۸)

سیدنا عباسؓ نے ان دونوں کی گفتگو اس وجہ سے سن لی کہ جونہی اس لشکر نے مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا' سیدنا عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ اگر کوئی لکڑہارا یا کوئی اور آدمی مل جائے تو اس کے ذریعہ قریش کو یہ خبر بھجوا دی جائے کہ وہ آپؐ کے مکہ میں داخلہ سے قبل آپؐ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔

Marfat.com

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۸)

اب لکڑہارے یا کسی آدمی کے بجائے انہیں مکہ کا سردار ابوسفیان مل گیا۔ سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور کہا: "ابو حنظلہ!"۔ اس نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہچان لی اور بولا: "ابوالفضل"۔ میں نے کہا: "ہاں"۔ اس نے کہا: "کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان"۔ میں نے کہا: "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہیں۔ واللہ! ہائے قریش کی تباہی"۔

ابوسفیان نے کہا: "اب کیا کیا جائے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان"۔ میں نے کہا: "خدا کی قسم' اگر انہوں نے تمہیں پالیا تو تمہاری گردن مار دیں گے' لہٰذا اس خچر پر تم میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیے چلتا ہوں' اور ان کی بارگاہ سے تمہارے لیے امان طلب کرتا ہوں"۔ چنانچہ ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گئے اور ان کے دونوں ساتھی (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) واپس مکہ چلے گئے۔

اب جب انہیں بارگاہِ نبوت میں پیش کرنے کے لئے جانے لگے تو سیدنا عباسؓ نے مناسب سمجھا کہ ابوسفیان کو پورے لشکر کا ایک چکر لگوادیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اسلامی لشکر کی عظمت اور شوکت کو دیکھ لیں اور یہ بھی مشاہدہ کرلیں کہ اسلام کس طرح قبائل عرب کو فتح کرچکا ہے' اور اب ان کے لیے بہتر کیا ہے؟ خود غور و فکر کرلیں۔ سیدنا عباسؓ نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھالیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گذرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے۔ یہاں تک کہ میں عمر بن الخطابؓ کے الاؤ کے پاس سے گذرا۔ انہوں نے پوچھا: "کون ہے؟" اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انہوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے: "ابوسفیان' اللہ اور اس کے رسول کا دشمن' الحمدللہ بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آگیا" اور تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابوسفیان کو اس سے پہلے ختم کردیں کہ وہ بارگاہِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں جاکر پروانہ امن حاصل کرلے' لیکن سیدنا عباسؓ بھی جہاں دیدہ آدمی تھے اور زمانہ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف و آشنا تھے۔ وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ عمرؓ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کردیا۔ فرماتے ہیں کہ میں عمر بن الخطابؓ سے پہلے آپؐ کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمر بن الخطابؓ بھی

خیمہ میں گھس آئے۔ اب سیدنا عمرؓ کا اصرار تھا کہ اے اللہ کے رسول، اجازت دیجئے کہ اس فتنہ مجسم کے بوجھ سے زمین کا بوجھ ہلکا کردوں۔ سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: "یارسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو پناہ دے دی ہے۔" جب ابوسفیان کے بارہ میں سیدنا عمرؓ نے بار بار قتل کرنے کے بارہ میں کہا تو میں نے کہا: "عمر! ٹھہرو، خدا کی قسم، اگر بنو عدی بن کعب (سیدنا عمرؓ کا قبیلہ) کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے"۔ سیدنا عمرؓ نے کہا: عباس! خدا کی قسم، تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ اور اس کی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ بہر حال دونوں حضرات میں کچھ تیز تیز باتیں بھی ہوئیں لیکن جان بخشی اور امان کی جو دیوار پختہ ہو چکی تھی وہ منہدم نہ ہوئی۔

سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہماری یہ بحث ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباسؓ کو فرمایا کہ اس وقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان کے دونوں ساتھی مکہ واپس جانے کے بجائے پہلے ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچ کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور آپؐ نے ان دونوں (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) سے حالات دریافت فرمائے۔ پھر یہ دونوں آپؐ سے اجازت لے کر رات ہی کو واپس مکہ چلے گئے تاکہ اہل مکہ کو صورتِ حال سے آگاہ اور انہیں پر امن رہنے کی ہدایت کریں اور بتادیں کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب تم میں آپؐ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔

سیدنا عباسؓ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور صبح کے وقت اس کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: "ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" ابوسفیان نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله، واشهد ان محمداً رسول الله

جونہی ابوسفیان حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک عجیب عزت وشرف سے نوازا۔ فرمایا: "اعلان کردو کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اس کے لیے امن ہے" ابوسفیانؓ نے عرض کیا: "میرا گھر اتنا بڑا نہیں کہ اس میں سب آدمی سما سکیں" فرمایا: "جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی امان

ہے"۔

ابوسفیانؓ نے پھر عرض کی: "مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آسکتے ہیں؟" فرمایا: "اچھا جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے وہ بھی مامون ہے"۔

(مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴، المصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۷۶، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۴، ص ۴۹۶، زاد المعاد جلد ۲، البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۲۹۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۹، نسب قریش ص ۱۲۲، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹۸)

غرض کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران سے روانہ ہو کر مکہ میں داخل ہوئے۔ داخلہ کے وقت آپؐ نے سر مبارک جھکا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ ڈاڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ شعبِ بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنی ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے محصور رکھا گیا۔ آپ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا جس میں آپ رونق افروز ہوئے۔ پہلے غسل کیا پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔

(بخاری جلد ا ص ۳۷۴، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۰)

اشراف اور روسائے قریش مسلمان ہو گئے کیونکہ اب انہیں بخوبی پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کے سوا کامیابی کی اور کوئی راہ نہیں، بلکہ اب تو وہ اپنی گذشتہ زندگی پر کف افسوس ملنے لگے تھے جو اسلام کی مخالفت میں گذری تھی۔ چنانچہ آپ سیدنا عمرؓ کو ساتھ لے کر کوہِ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آکر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت کرنے لگے۔ سیدنا عمرؓ آپ سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ عورتوں کی بیعت کے وقت سیدنا عمرؓ سے فرمایا کہ تم ان سے بیعت لے لو۔ چنانچہ عورتوں سے سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت لی۔ ایک روایت میں ہے کہ کئی مردوں سے بھی سیدنا عمرؓ نے بیعت لی۔

غزوہ حنین اور سیدنا عمرؓ

فتح مکہ کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ابھی مکہ ہی میں مقیم تھے کہ آپ کو اطلاع موصول ہوئی کہ قبیلہ ہوازن مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور قبیلہ ثقیف بھی اس سے مل گیا ہے۔ یہ دونوں قبیلے نہایت

جنگ جو اور ماہر تیر انداز تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں پیغمبر اسلام ان پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ ان کا بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت جمع ہو گیا۔

دشمن کے لشکر کا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ۶ شوال ۸ ھ کو بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہ مجاہد تھے جو مدینہ طیبہ سے آپؐ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے لوگ جن میں سیدنا ابو سفیانؓ اور ان کے دونوں بیٹے یزیدؓ اور معاویہؓ بھی شامل تھے۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا اپنا اپنا جھنڈا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں تھا کہ ان میں سے چند ایک نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ اتنی بڑی فوج کو کون شکست دے سکتا ہے۔

یہ فوج شام کے وقت میدانِ کارزار کے قریب پہنچی۔ جیسے ہی پیشانیِ مشرق سے صبحِ صادق کا جھومر نمودار ہوا سب نے فریضہ نماز ادا کیا اور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدانِ حنین کی طرف پیش قدمی ہونے لگی۔ یہ میدان نشیب میں تھا۔ سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسے ڈھلوان تھے کہ پیر جمنے مشکل تھے۔ میدانِ جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر غنیم کے تیر انداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ جونہی مسلمانوں کا لشکر حنین کی تنگ وادی سے گذرا، غنیم کی فوجوں نے جو درّہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں، اپنے کمانڈر مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے در پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادی حنین کی طرف آ رہے تھے، وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے، اس لیئے وہ پورے اطمینان کے ساتھ بے خبری کے عالم میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہو گئی۔ اس اچانک حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بد حواس ہو گئے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا۔ جو اپنی بہادری کے زعم میں مکہ سے آئے تھے ان کا حال "لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں" والا تھا۔ وہ مکہ سے اپنی تلوار بھی نیام میں لائے تھے، لہٰذا بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن جو کچھ ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتباہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا محور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا تھا۔ آپ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ مجاہے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیئے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور فرما رہے

Marfat.com

تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

سیدنا ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلبؓ نے اس نازک موقع پر آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی اور سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دس بارہ صحابہ کرامؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب تھے فوری طور پر آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عباسؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ انہی قریبی جاں نثاروں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ کو جن کی آواز خاصی بلند تھی، فرمایا کہ صحابہ کو آواز دو۔

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے یا اونٹ گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑے اور ایثار و فدائیت کے جوہر دکھائے۔ مسلمان دستوں نے اس اچانک تیراندازی سے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فریقین میں دھواں دھار جنگ ہوئی اور لڑائی کا رنگ بدل گیا اور غنیم مسلمانوں کے اس زبردست حملے کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلا اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامال غنیمت آیا۔

(تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴، ابن ہشام جلد ۳ ص ۴۴۹، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۹)

غزوہ تبوک اور سیدنا عمرؓ

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے عیسائی دنیا خائف ہونے لگی۔ لہٰذا قیصر روم نے عیسائیوں اور رومی باشندوں پر مشتمل فوج تیار کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ چالیس ہزار کا ایک لشکر تیار رکھ لیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵)

اس زمانہ میں اچانک شام کے کچھ نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون فروخت کرنے آئے۔ انہوں نے آکر بتایا کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار اکٹھا کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اور یہ چالیس ہزار کی فوج تمام قبائل پر مشتمل ہے اور

اس کا ہراول دستہ بلقاء تک آگیا ہے۔
(مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۹۱، فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵، زرقانی جلد ۳ ص ۶۷' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۹)

ان اطلاعات نے مسلمانوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ چنانچہ آپؐ نے جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی ضرب کاری لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو' لیکن موسم کی وجہ سے صورتِ حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو گیا' کیونکہ موسم کا یہ حال تھا کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت و جبل کرہ نار بنے ہوئے تھے۔ بلا کی حبس' قدم قدم پر جان کنی کا خطرہ اور مزید یہ کہ لوگ تنگی اور قحط سالی کی ابتلاء سے دوچار تھے فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے' گھروں میں غلہ نہیں تھا۔ ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت جس کے لیے ہمت کے ساتھ زادِ راہ اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔

اگرچہ موسم شدید گرمی کا تھا' معاشی حالات نہایت تنگ دستی کے تھے۔ بے آب و گیاہ صحرا کی طویل مسافتیں طے کرنا تھیں۔ مسافت دشوار گذار تھی۔ دشمن ہر لحاظ سے نہایت قوی تھا بلکہ دنیا کی سپر پاور تھی۔ اس کی عددی قوت دوسرے تمام دشمنوں سے زیادہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول کے ساتھ والہانہ محبت اور دین اسلام سے قلبی لگاؤ نے اس جذبہ شوق و محبت میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے تنگ ہو گیا۔ اور دنیا کی کسی شئے کی کشش ان کے دامن دل کو نہ کھینچ سکی۔ اور مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے اس انداز سے نکلے کہ چشم آفتاب نے اتنے اللہ والے اس طرح اللہ کی راہ میں اس سے قبل نکلتے نہیں دیکھے تھے۔ اور ان کے طمطراق کی خبر سن کر غنیم میں مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ ایسے بہادروں اور جانبازوں کے سامنے منزل کی صعوبت' گرمی کی شدت بھوک اور پیاس کی دقت اور حالات کی عسرت گرد راہ ہو کر رہ گئی۔ مسلمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تیاری کا اعلان سن کر اس کی تعمیل کے لیے دیوانہ وار مصروف ہو گئے۔

لوگ تو جنگ میں جانے کے لیے اکٹھے ہو گئے کیونکہ ہر شخص کو آپؐ نے موقع کی اہمیت کا احساس دلایا لیکن اس جیش کے لیے مال و اسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ

Marfat.com

تھا۔ چنانچہ آپؐ نے لوگوں سے چندہ کی اپیل کی۔ آپ کی اپیل پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے کل مال آپ کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ آپؐ نے ابوبکرؓ سے پوچھا: "اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟" عرض کیا: "صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو"۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنا نصف مال لاکر خدمت نبوی میں پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ (قریباً ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لاکر حاضر کی۔ سیدنا عاصم بن عدیؓ نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لاکر پیش کی۔ (زرقانی جلد ۳، ص ۶۴)

اب نگاہِ نبوت سیدنا عثمان بن عفانؓ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمانؓ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا ہوا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور ساڑھے انیس کلو چاندی تھی۔ آپؓ نے سب پیش کر دیا اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت پیش کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار یعنی پانچ کلو سونا لے آئے۔ اور انہیں آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ آپ خوشی سے ان دیناروں کو اچھالتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا"۔ اس کے بعد سیدنا عثمانؓ نے پھر دیا اور پھر اور پیش کیا یہاں تک کہ ان کے چندہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۴) اس طرح اور صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق چندہ دیا۔

الغرض اسلامی لشکر مدینہ سے باہر جمع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا انتظام سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ کے سپرد اور اپنے اہل و عیال کا انتظام سیدنا علیؓ کے سپرد فرمایا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۱۳) کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا سی دیر میں ہر طرف غبار اٹھ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ شہر کی عورتیں گھروں کی چھتوں سے اس لشکر جرار کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا اس کی منزل تبوک تھی اور اس میں تیس ہزار مردان جنگی تھے۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلہ میں نہ گیا تھا۔

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ آپ نے ان بیس دنوں میں دشمن کا انتظار کیا لیکن آپ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہو گیا کہ اس کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی دھاک عیسائیوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ چنانچہ

Marfat.com

آپؐ تبوک میں بیس روز قیام کے بعد بغیر کسی تصادم کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔
جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے درودیوار پر آپ کی نگاہ پڑی تو فرمایا: "یہ طابہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہمیں محبت کرتا ہے اور ہم اسے محبت کرتے ہیں"۔ اور مدینہ میں آپ کی آمد پر آپ کا اور آپ کے لشکر کا زبردست استقبال کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب کے مہینہ میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے' تیس روز آمدورفت میں لگے بیس روز تبوک میں قیام فرمایا۔ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد انتقال تک آپ مدینہ ہی میں رہے۔

واقعہ ایلاء

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت دوردراز علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگین ہو چکے تھے اور مال غنیمت اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ مدینہ میں آتا رہتا تھا۔ لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ دو دو مہینے آپ کے کاشانہ اطہر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تمام عمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اس زاہدانہ زندگی میں آپ کی ازواجِ مطہرات بھی آپ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بڑھا اور غنیمت کا مال مختلف علاقوں سے مدینہ طیبہ آیا تو ازواج مطہرات کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی راحت و آرام سے اپنی بقیہ زندگی بسر کریں کیونکہ وہ بھی بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں تھیں۔ اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے سے قبل اپنے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کر کے آئی تھیں۔ لہٰذا مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر انہوں نے بھی اپنے خانگی مصارف میں اضافہ کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

سیدنا عمرؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ کو سمجھایا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصارف میں اضافہ کا تقاضا نہ کرو۔ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو۔ خدا کی قسم' آپؐ میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ بعد ازاں آپ ایک اور بیوی کے دروازہ پر گئے اور انہیں بھی سمجھایا۔ سیدہ ام سلمہؓ نے کہا: "عمرؓ! تم ہر شئے میں تو دخل دیتے ہی تھے اب آپؐ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دینے

Marfat.com

لگے ہو۔ سیدنا عمرؓ اس بات سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ درمیان میں آپؐ ہیں اور ادھر ادھر آپ کی ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی ہیں اور خانگی مصارف کے اضافہ پر مصر ہیں۔ دونوں حضرات اپنی صاحبزادیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے لیکن انہوں نے کہا کہ ہم آئندہ آپؐ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

اگرچہ یہ دونوں اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گئیں لیکن دیگر ازواج مطہرات اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلو مبارک پر ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی جس نے آپ کو خاصی تکلیف تھی۔ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ کے متصل ایک بالاخانہ تھا جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مطالبہ سے سکون خاطر نہ رہا تھا لہٰذا آپؐ نے عہد فرمالیا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہیں ملیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے اس بالائے خانے میں قیام فرمالیا۔ منافقین جو بات بڑھانے میں خاصے مشہور تھے' انہوں نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس بات کا مشہور ہونا تھا کہ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مضطرب تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں جمع ہو گئے اور ازواج مطہراتؓ نے رونا شروع کر دیا۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے ہمسایہ میں ایک انصاری رہتے تھے۔ کچھ رات گئے انہوں نے بڑے زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور پوچھا: خیر ہے؟ انہوں نے کہا غضب ہو گیا۔ میں نے کہا: کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے ہیں؟ بولے نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یعنی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ میں صبح مدینہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ آپؐ نماز سے فراغت کے بعد بالاخانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حفصہؓ کے پاس آیا۔ دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں۔ میں نے کہا: "میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا"۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا۔ دیکھا کہ صحابہ کرام منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ وہاں سے اٹھ کر بالاخانہ میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کی معرفت آپؐ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی لیکن بارگاہِ

Marfat.com

نبوت سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں پھر مسجد نبوی میں چلا آیا۔ پھر بے تاب ہو کر بالا خانے کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ طلب اِذن کی درخواست کی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو میں نے پکار کر کہا "رباح میرے لئے اذن مانگو۔ شاید آپ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں' بخدا! آپؐ فرمائیں تو میں حفصہؓ کی گردن اڑا دوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آواز سن کر اذنِ باریابی بخشا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں یا چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے ہیں۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال لٹک رہی ہے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں یہ سب کچھ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رونے کا سبب پوچھا۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! اس سے زیادہ رونے کا اور کیا موقع ہو گا کہ اللہ کے دشمن قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپؐ کی اللہ کے رسول ہو کر یہ حالت ہے"۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "عمر! تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت"۔ میں نے عرض کی: "کیا آپؐ نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی؟" فرمایا: "نہیں"۔ میں نے اللہ اکبر کہا۔ پھر عرض کیا کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم و محزون بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو انہیں جا کر خبر کر دوں کہ یہ واقعہ غلط ہے"۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا۔ ۲۹ دن ہوئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانے سے اتر آئے۔ سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کا عہد فرمایا تھا اور ابھی تو ۲۹ دن ہوئے ہیں" کیونکہ سیدہ عائشہؓ ایک ایک روز گنتی تھیں۔ ارشاد فرمایا: "مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے"۔

چونکہ ازواج مطہرات نان و نفقہ میں اضافہ کی طالب تھیں اور پیغمبر صرف اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے اپنے دامن کو زخارفِ دُنیوی سے ملوث نہیں کر سکتا تھا' لہٰذا تخییر کی آیت نازل ہوئی یعنی جو بیوی فقر و فاقہ کو اختیار کر کے شرفِ زوجیت سے ممتاز رہے اور دنیا کے بجائے آخرت کی نعمت پائے اور جو چاہے کنارہ کش ہو کر دنیا طلبی کی ہوس پوری کرے۔ فرمایا:

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دُنیوی زندگی اور اس کی آرائش و زینت کی خواہش ہے تو آؤ میں تمہیں رخصتی جوڑے دے کر رخصت

کر دوں۔ اور اگر خدا اور اس کا رسول اور آخرت پسند ہے تو اللہ نے تم میں سے نیک عورتوں کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے"۔ (احزاب)

اس آیت کے نزول کے بعد آپ سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا"۔ عرض کی ارشاد فرمایئے: "آپؐ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں"۔ سیدہؓ نے عرض کی:

"یارسول اللہ! میں کس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں۔ میں خدا اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرتی ہوں"۔

یہ جواب سن کر آپؐ کا چہرہ خوشی اور مسرت سے جگمگانے لگا۔ سیدہؓ نے عرض کی: "اے اللہ کے رسولؐ! میرا جواب دوسری بیویوں پر ظاہر نہ ہو"۔ ارشاد فرمایا: "میں معلم بن کر آیا ہوں، جابر بن کر نہیں آیا"۔

واقعہ قرطاس

۱۰ھ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں سیدنا عمر بن خطابؓ بھی آپ کے ساتھ پابہ رکاب تھے۔ حج سے واپسی پر ربیع الاول ۱۱ھ کے آغاز میں آپ بیمار ہو گئے۔ اس سے قبل اوائل صفر ۱۱ھ میں دامن احد میں تشریف لے گئے وہاں شہدائے احد کے لیے دعا کی پھر جنت البقیع میں تشریف لے جا کر ان کے لیے دعا فرمائی اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں دونوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آکر مسجدِ نبوی میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

"میں تمہارا امیرِ کارواں ہوں اور تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میرا تم سے حوضِ کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اِس وقت حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اور خدا! مجھے اپنے بعد اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم مجموعی طور پر سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے"۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵، زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۱)

Marfat.com

ماہ صفر ۱۱ھ کے آخری عشرہ میں ایک روز نصف شب کو آپ اٹھے۔ گرمی کا موسم تھا آپ دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اور بقیع کے گورستان تشریف لے گئے۔ قبرستان کے وسط میں کھڑے ہو کر اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر آپ گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سر پکڑے درد سے کراہ رہی ہیں۔ باربار سیدہؓ کی زبان پر "ہائے میرا سر' ہائے میرا سر" آرہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کو دیکھ کر فرمایا: "عائشہ! میں کہتا ہوں ہائے میرا سر"۔ پھر فرمایا:

"اگر تو مجھ سے پہلے انتقال کر جائے تو تجھے کیا نقصان ہے۔ میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کروں گا اور تم پر نماز جنازہ پڑھ کر تمہیں دفن کر دوں گا۔"

سیدہؓ بولیں: "آپ کی خواہش تو یہی ہے کہ جس طرح ہو سکے مجھے سپرد خاک کر دیں اور دولت کدہ پر تشریف لا کر میری باری میری کسی سوکن کو ہبہ فرمادیں"۔

سیدہؓ کا جواب سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ بس اسی روز آپ کے سر میں درد کی شدت پیدا ہو گئی۔ کچھ دیر بعد قدرے افاقہ ہوا تو سیدہ میمونہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ غالباً ۲۹ صفر ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔ یہ آپ کے مرض کا آغاز تھا۔

(زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۶' ابن ہشام جلد ۴ ص ۶۴۳' البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۴)

اب مرض دن بدن شدت اختیار کرتا گیا۔ جب مرض نے زیادہ شدت اختیار کرلی تو تمام ازواج مطہراتؓ سے اجازت لے کر سیدہ عائشہؓ کے یہاں تشریف لے آئے۔ پیر کے روز آپ سیدہؓ کے ہاں منتقل ہوئے اور آٹھ روز بعد اگلے پیر کو سیدہ عائشہؓ ہی کے حجرہ مبارک میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیرہ یا چودہ روز کی علالت میں آٹھ روز کی تیمارداری کا شرف سیدہ عائشہؓ کے حصہ میں آیا۔ (زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۵)

وفات سے چار روز قبل جمعرات کو جب آپ سخت تکلیف سے دوچار تھے تو جو لوگ حجرہ نبوی میں موجود تھے' انہیں فرمایا: کاغذ اور قلم دوات لے آؤ تاکہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر وہاں موجود لوگوں میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو گیا۔ اور پیغمبر کے ہاں جھگڑا کرنا مناسب نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا وہ اس دنیا کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں؟ یہ پوچھو تو سہی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو کہ میں جس خیال میں ہوں وہ اس سے بہت بہتر ہے جس طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۴۹)

Marfat.com

اس روایت میں تنازع اور اختلاف کی تفصیل نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی گئی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درد اور بیماری کا غلبہ ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن حکیم موجود ہے۔ پس ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے۔ اور اہل بیت میں اختلاف پیدا ہو گیا اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ ان میں سے بعض کہتے تھے کہ قلم دوات لاؤ' خدا کے رسول تمہارے لیے ایسی کتاب لکھ دیں گے جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے اور ان میں سے بعض وہی بات کہتے تھے جو عمرؓ نے کہی تھی۔ پس جب اللہ کے نبی کے پاس شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۹۵)

حدیث میں لفظ " ھجر " آیا ہے جس کا ترجمہ چھوڑنے کا ہے۔ اور یہی ترجمہ مقتضائے حال کے مطابق ہے کیونکہ جب آدمی اس دنیا سے جارہا ہوتا ہے تو کاغذ اور قلم دوات طلب کر کے وصیت لکھنے کا عمل اس وقت کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جب آپؐ نے کاغذ اور قلم دوات مانگی تو حاضرین نے کہا کہ آپؐ سے پوچھو تو سہی کہ کیا آپ اس دنیا سے روانگی کی تیاری فرمارہے ہیں۔ لیکن بعض حاضرین نے کہا کہ قلم دوات لاؤ تاکہ اس آخری وقت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھ لیا جائے۔ سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی شدت کا احساس کرتے ہوئے کہا کہ ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اب اہل خانہ میں سے کچھ لوگ سیدنا عمرؓ کی بات کو پسند کر کے کہنے لگے کہ واقعی آپ کو تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ جب ان دونوں میں اختلاف واقع ہوا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔ میں اب جس خیال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلارہے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کی رائے آپؐ کو پسند آگئی اور آپ نے لکھنے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

تاریخ اسلام میں کچھ واقعات ایسے ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ ان واقعات کو "موافقات عمرؓ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ بھی ان میں سے ایک ہے' لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اس کو سیدنا عمرؓ کی مذمت میں بیان کیا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے "ھجرہ" کے معنی غیر ارادی کلام کرنے کے لکھے ہیں۔

Marfat.com

اگرچہ لغت کے لحاظ سے یہ معنی صحیح ہیں لیکن اس موقع پر یہ معنی مقتضاء حال کے مطابق نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ معنی کرنا صحیح نہیں۔ لیکن اگر ان معنوں کو درست بھی مان لیا جائے پھر بھی اس کے وہ معنی نہیں ہیں جو آج کل کے جاہل لوگ کرتے ہیں۔

روایت میں جو " أهجره " کا لفظ آیا ہے اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ اور اس لفظ " أهجره " کے بولنے والے وہ حضرات ہیں جنہوں نے کاغذ اور قلم دوات کو ترجیح دی تھی۔ اور جو حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف دینے کے حق میں نہیں تھے، انہوں نے یہ لفظ نہیں بولا۔ اور آپؐ کو تکلیف نہ دینے والے لوگوں میں سرِ فہرست سیدنا عمر بن خطابؓ تھے اس لیے یہ مقولہ ان کی جانب منسوب کرنا نہایت زیادتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مجلس نبوت میں دو رائیں ہو چکی تھیں۔ کچھ لوگوں کی رائے قلم دوات لانے کی تھی اور کچھ لوگ اس حالت میں آپ کو تکلیف دینا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے کہا کہ "حسبنا کتاب اللہ" (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) یہ رائے سیدنا عمرؓ کی تھی اور چونکہ سرکارِ دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا عمرؓ کی یہ رائے پسند آ گئی، اس لیے دوبارہ قلم دوات لانے کے بارہ میں ارشاد نہ فرمایا۔ اس کی وجہ تو ہونی چاہئے جس وجہ سے آپ نے دوبارہ قلم دوات لانے کا اشارہ نہ فرمایا۔ اس پسندیدگی کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں، ایک اجتہاد اور دوسری وحی خداوندی۔ پہلا ارشاد قلم دوات لانے کے بارہ میں اجتہاد پر مبنی تھا۔ چنانچہ جب آپؐ نے حاضرین مجلس کی دو رائیں دیکھیں تو اجتہاد میں تبدیلی فرما دی، اور سیدنا عمرؓ کی رائے کو پسند فرما لیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے چھوڑ دو" میں اب قلم دوات منگوانے کے حق میں نہیں ہوں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۷۱، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰۹)

صحیح بخاری میں سات جگہ یہ روایت منقول ہے لیکن کہیں بھی یہ لفظ " ھجر " سیدنا عمرؓ سے منقول نہیں بلکہ "قالوا" بصیغہ جمع ہے یعنی لوگوں نے یہ کہا۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ یہ قول ان لوگوں کا ہے جو لکھوانے اور قلم دوات لانے کے حق میں تھے نہ کہ سیدنا عمرؓ کا۔ اس کو سیدنا عمرؓ کا مقولہ کہنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ایک بات اور ذہن میں رہے وہ یہ کہ سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کی باتوں کے کاتب تھے۔ چنانچہ معاہدہ حدیبیہ آپ ہی نے لکھا تھا۔ آپ نے جب مرضِ وفات میں قلم دوات اور کاغذ مانگا تو یہ ذمہ داری سیدنا علیؓ پر عائد ہوتی تھی کہ وہ فوری

Marfat.com

طور پر اٹھ کر کاغذ اور قلم دوات لے آتے، لیکن جب آپ نہ لائے تو اندیشہ تھا کہ کاغذ اور قلم دوات نہ لانے پر لوگ سیدنا علیؓ کے خلاف نہ ہو جائیں۔ سیدنا علیؓ کو اس مخالفت سے بچانے کے لیے سیدنا عمرؓ نے کہا "حسبنا کتاب الله" ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے کہ اس کی وجہ سے آئندہ گمراہ نہ ہوں گے۔ اس لیے اس تکلیف کے وقت ہم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تکلیف اور زحمت کیوں دیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کا یہ جواب صرف سیدنا علیؓ کو اعتراض سے بچانے کے لیے تھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے باوجود وہ قلم دوات کیوں نہیں لا رہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے مفرد کا نہیں بلکہ جمع کا صیغہ استعمال کیا یعنی "حسبی کتاب اللہ" نہیں کہا بلکہ "حسبنا کتاب الله" کہا جس سے معلوم ہوا کہ جمع کے صیغہ میں کسی اور کو اس یقین میں شامل کرنا تھا۔ یعنی سیدنا علیؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ کی اس میں نمائندگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ عمرؓ تم اپنی بات کرو، تم سب کی بات کیوں کرتے ہو؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا عمرؓ کو سیدنا علیؓ سے کتنی محبت تھی۔

سیدنا عمرؓ کا جواب "حسبنا کتاب الله" سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "مجھے چھوڑ دو" اور پھر دوسری مرتبہ قلم دوات لانے کے لیے نہ فرمانا، اس بات کا احتمال بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کا امتحان لے رہے ہوں کہ وہ قرآن حکیم پر بایں طور یقین رکھتے ہیں یا نہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے انہیں گمراہی کا کوئی خطرہ نہ ہوگا، لیکن جب آپ نے سیدنا عمرؓ کے منہ سے جمع کے صیغہ کے ساتھ "حسبنا کتاب الله" کے الفاظ سنے اور تمام حاضرین نے اپنی خاموشی کے ساتھ اس کی تائید کی تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور پھر دوبارہ قلم دوات لانے کے لئے اپنی وفات تک حکم نہ فرمایا۔

بعض حضرات سیدنا عمرؓ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا "حسبنا کتاب الله" (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) لہٰذا وہ حدیث کے منکر تھے، (معاذ اللہ)۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اگر "حسبنا کتاب الله" کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ حدیث کی ضرورت نہیں تو کیا پھر قرآن کی آیت "حسبنا الله" کا یہ مطلب ہے کہ ہمیں رسول کی ضرورت نہیں؟

یہ سارے جوابات اس صورت میں ہیں جب اس واقعہ کو درست تسلیم کیا جائے۔

Marfat.com

لیکن مولانا شبلیؒ اور دوسرے کئی ایک علماء اس کو درست تسلیم کرنے میں خاموش ہیں۔ چنانچہ علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ:

"اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے' لیکن یہ حدیث باوجود اس کے بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) بایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ سے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۳۔۱۴ سال تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا"۔ (الفاروق ص ۷۶۔۷۷)

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ اس واقعہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"اس بات پر غور کرنے سے اور اس کے ساتھ جب اس پر نظر پڑتی ہے کہ طبقہ صحابہ میں سوائے ابن عباسؓ کے اور کوئی شخص اس واقعہ کو روایت نہیں کرتا، عقلِ سلیم اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ یا تو یہ واقعہ سرے سے غلط ہے۔ آیت "الیوم اکملت" کی تکذیب کے لیے کسی دُشمنِ قرآن نے گھڑا ہے یا خود حضرت ابن عباسؓ کو کچھ مغالطہ ہو گیا ہے۔

وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمرؓ

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر چاشت کی شدت کے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالمِ فانی سے عالمِ باقی کو انتقال فرمایا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۹۸' زرقانی جلد ۳ ص ۱۱۰) اس قیامت خیز خبر نے تمام اہل مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ تمام عالم ان کے لیے تاریک ہو گیا۔ سیدنا عثمانؓ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو' بات کرنی ان کے لیے مشکل ہو گئی۔ سیدنا علیؓ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ ازواج مطہرات' سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ عائشہ پر رنج و غم کا جو کوہِ گراں گرا قلم کو اس کی تابِ نگارش نہیں۔ سیدنا عباسؓ کی پریشانی اور رنج و غم بھی دیدنی تھا۔ ہر ایک صحابی غم سے نڈھال تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے۔ ہر ایک کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ روزِ روشن میں مدینہ طیبہ میں انہیں اب ہر طرف اندھیر انظر آنے لگا۔ سیدنا انس بن مالکؓ کا بیان ہے

کہ "جس روز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس سے زیادہ روشن اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس روز آپ نے وفات پائی اس سے زیادہ تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا" (بخاری جلد ۲ ص ۶۴۱) یہ صرف سیدنا انسؓ ہی کے تاثرات نہیں ہیں بلکہ ہر صحابی کا یہ بیان ہے کہ ہمیں اب مدینہ میں سوائے تاریکی کے اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اگرچہ غم واندوہ سے ہر صحابی اندوہناک تھا لیکن سیدنا عمرؓ کی حالت کچھ عجیب تھی۔ آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے انہوں نے ہر اس شخص کو جھٹلایا جنہوں نے اس الم ناک حقیقت کا انہیں یقین دلانا چاہا وہ لوگوں سے کہہ رہے تھے:

"منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ! آپ نے وفات نہیں پائی بلکہ موسیٰ بن عمرانؑ کی طرح اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جو چالیس روز غائب ہو کر واپس آگئے تھے حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے ہیں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موسیٰ بن عمران کی طرح مراجعت فرمائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپؐ نے رحلت فرمائی ہے"۔ (ابن ہشام جلد ۴ ص ۶۵۵)

سیدنا عمرؓ نہایت جوش میں تھے۔ برہنہ تلوار ہاتھ میں تھی۔ مسجد میں جوش سے اِدھر اُدھر دیوانہ وار پھر رہے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ حضور علیہ السلام کا واقعی انتقال ہو گیا ہے۔

انتقال سے کچھ دیر قبل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں کافی افاقہ ہو گیا تھا اور صحابہ کرامؓ یہ سمجھنے لگے تھے کہ آپ اب روبصحت ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعض صحابہ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اجازت لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے تھے۔ ابھی وہ اپنے مکان پر پہنچے ہی تھے کہ یہ جان گداز خبر ان کو ملی۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر واپس بیت نبوت تشریف لائے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے اترے اور نہایت غمگین حالت میں سیدہ عائشہؓ کے حجرہ کی طرف بڑھے۔ حجرہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بستر پر پڑا ہے۔ اور تمام ازواج مطہراتؓ نہایت حزین و غمگین بیٹھی ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور یہ کہا:

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ موت و حیات دونوں کیفیتوں میں کیسے

Marfat.com

پاکیزہ تھے۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا"۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷)

پھر فرمایا کہ

"جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ تو آپ پر وارد ہو چکی"
(بخاری جلد ۱ ص ۱۶۶)

بخاری ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے:

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' خدا کی قسم' اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا۔جو موت آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ آپ چکھ چکے"۔
(بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰)

سیدنا عمرؓ کی بات سے لوگوں کو سخت حیرت ہو رہی تھی۔سیدنا ابو بکرؓ نے آتے ہی اس بات کو بھانپ لیا۔چنانچہ آپ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے۔اس وقت سیدنا عمرؓ لوگوں سے یہی بات کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ سیدنا عمرؓ کو دیکھ کر سیدنا ابو بکرؓ نے کہا: "عمر ٹھہرو اور خاموش ہو جاؤ"۔ سیدنا عمرؓ پر اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری تھی' اس لیے انہوں نے سیدنا ابو بکرؓ کی بات سنی ان سنی کر دی۔ صحابہ کرامؓ نے جب سیدنا ابو بکرؓ کو دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔اب سیدنا ابو بکرؓ سیدنا عمرؓ کو چھوڑ کر منبر نبوی کی طرف بڑھے اور لوگوں سے فرمایا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔چنانچہ سب لوگ سیدنا ابو بکرؓ کی بات سننے کے لیے مسجد میں خاموش بیٹھ گئے۔اب سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا: "لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنا جائے۔اس وقت ابو بکرؓ کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مصدق تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیل بناتے تو ابو بکرؓ کے سوا اور کوئی مستحق نہ تھا۔اس لیے تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابو بکرؓ کے ارشادات سننے کے لئے بیٹھ گئے۔

چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

" لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اسے جان لینا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آسکتی۔اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے اور بھی

Marfat.com

بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ اسلام سے پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص دین اسلام سے پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔" (بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی آپؓ نے ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۸۰' البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۳' ابن ہشام جلد ۴ ص ۶۵۶)

لوگوں کا رخ سیدنا ابوبکرؓ کی طرف دیکھ کر وہ عمرؓ جو ابوبکرؓ کے کہنے کے باوجود نہ بیٹھے اور نہ اپنی بات کہنے سے خاموش ہوئے' اب نہایت خاموشی سے ابوبکرؓ کی تقریر سنتے رہے۔ جب انہوں نے آیت مذکورہ پڑھی تو سیدنا عمرؓ کے پاؤں لڑکھڑا گئے، ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ کی باتوں کی وجہ سے جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بارہ میں متذبذب ہو گئے تھے' انہیں بھی آپ کی وفات کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی تھی۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری حالت بھی کچھ یہی ہو گئی کہ گویا میں نے آج ان آیات کو پڑھا ہے۔ اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔ (قرطبی جلد ۴ ص ۲۲۳)

سیدنا سعید بن المسیّب فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم' میں نے جونہی ابوبکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا' میں نہایت دہشت زدہ اور متحیر ہو کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے' اور ابوبکرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی وفات پا چکے ہیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۴۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو سیدنا عمرؓ سے فرمایا: "عمر! تو ہی وہ شخص ہے جس کے بارہ میں مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر ہی کہتا ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے" پھر فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "انک میت و انهم میتون" سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں

Marfat.com

کہ "یہ سن کر میرا یہ حال ہو گیا گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے قبل سنی ہی نہ تھی"۔

(روض الانف جلد ۲ ص ۳۷۶)

مختصر یہ کہ سیدنا ابوبکرؓ کے خطبہ سے جب سیدنا عمرؓ ہوش میں آئے تو ان کا سیاسی شعور بیدار ہو چکا تھا اور وہ سوچنے لگے تھے کہ اس جان گداز اور جانکاہ سانحے کے بعد اس امت مسلمہ کا انجام کیا ہو گا؟ اس نازک ترین موقع پر یہ انہی کے فکر و عمل کی کار فرمائی تھی جس نے اسلام کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھا اور اس کی توسیع و اشاعت کی تمام راہیں ہموار کر دیں۔

سیدنا عمرؓ عہدِ صدیقی میں

سرکارِ دو عالم صلی للہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہونے کے ساتھ سیدنا عمرؓ کے ذہن میں کئی سوال انگڑائیاں لینے لگے کہ اب اس امت کا انجام کیا ہو گا؟ اب پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین کون ہو گا؟ جانشینی کے معاملہ میں اگر کوئی اختلاف واقع ہو گیا تو ہو سکتا ہے مسلمانوں میں پھر وہ پرانی دلی رنجشیں عود کر آئیں اور پھر آپس میں سر پھٹول شروع ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس سے اسلام اور مسلمان دونوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ مکہ اور مدینہ سے دور جو لوگ جزیرہ نما عرب کے مختلف گوشوں میں آباد تھے انہیں مدینہ والوں اور خصوصی طور پر قریش کا اقتدار گوارا نہیں ہو گا۔ اگر ان لوگوں نے بغاوتیں کر دیں تو کیا مدینہ کی اس چھوٹی سی ریاست کے پاس اتنی طاقت ہے کہ ان کی بغاوتوں کو فرو کر سکے۔ اس قسم کے کئی سوالات تھے جو سیدنا عمرؓ کے سیاسی شعور میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

اب سب سے پہلا مسئلہ جو سیدنا عمرؓ کے ذہن میں خلش پیدا کر رہا تھا وہ آپ کے خلیفہ کے انتخاب کا تھا۔ خلیفہ ایسا ہونا چاہئے کہ تمام سیاسی امور میں مسلمانوں کی راہ نمائی کر سکے۔ جو خود اخلاص کا پیکر ہو، امت مسلمہ کو اس پر پورا اعتماد ہو، قوم میں باوقار ہو، پھر اس انتخاب خلیفہ میں تساہل سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ یہ مسئلہ جلد پورے طور پر حل ہو تاکہ اسلامی معاشرہ میں اختلاف کی دراڑیں پیدا نہ ہوں۔ اور اگر مہاجرین و انصار میں کوئی اختلاف واقع ہو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس اختلاف کی آگ کے شعلے پورے جزیرہ نما عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

ان سب سوالات کو اپنے کوزۂ ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے اور ان کے جوابات پر غور و فکر کرتے ہوئے صحابہؓ کے ہجوم کو چیرتے پھاڑتے وہ مسجد نبوی سے باہر نکلے اور بغیر کچھ سوچے سمجھے چل پڑے۔ راستہ میں انہیں سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ مل گئے۔ ابو عبیدہؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابہ میں سے تھے اور حضور علیہ السلام نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا:

ان لکل امة امیناً و امین هذه الامة ابو عبیده ابن الجراح

بے شک ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراحؓ ہیں۔

(بخاری حدیث نمبر ۳۷۴۴، ۴۳۸۲، ۷۲۵۵، مسلم حدیث نمبر ۲۴۱۹، مسند احمد جلد ۳ ص ۱۳۳، ۱۸۹، ۲۴۵، ۲۸۱، متدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۷، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹۹، الاستیعاب جلد ۵ ص ۲۹۳، الاصابہ جلد ۵ ص ۲۸۵ واخرجہ احمد جلد ۳ ص ۱۴۶، ص ۱۷۵، ۱۸۴، ۲۱۲، ۲۸۶ من طریق حماد بن سلمہ ترمذی، حدیث نمبر ۳۷۵۹، حلیۃ الاولیاء جلد ا ص ۱۰۱)

جونہی سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو دیکھا، کہا: "ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں"۔ سیدنا ابو عبیدہؓ سیدنا عمرؓ کے منہ سے یہ بات سن کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ وہ خود بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے اور "امین الامت" ہونے کے ناطے ان کے ذہن میں بھی یہ سوال انگڑائیاں لے رہے تھے، لیکن جو طریقہ سیدنا عمرؓ نے بیعت کا اختیار کیا، وہ اس سے مطمئن نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا عمرؓ کے منہ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: "عمر! جب سے تم مسلمان ہوئے ہو تمہارے منہ سے اس قدر بے وقوفی کی بات میں نے کبھی نہیں سنی۔ کیا تم مجھ سے بیعت کرو گے جب کہ تم میں ثانی اثنین ابو بکر صدیقؓ جیسی شخصیت موجود ہے؟"

سیدنا ابو عبیدہؓ کی بات بالکل درست تھی۔ عمرؓ ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر یہ دونوں حضرات سیدہ عائشہؓ کے گھر تشریف لائے جہاں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی تجہیز و تکفین ہو رہی تھی اور سیدنا علیؓ، سیدنا عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اس میں مصروف تھے۔ سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابو عبیدہؓ بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ سیدنا ابو بکرؓ پہلے سے وہاں موجود تھے۔

Marfat.com

ادھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف منافقین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کی بحث چھیڑ دی اور بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ پیغمبر کا جانشین سیدنا سعد بن عبادہؓ کو ہونا چاہئے اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ دو امیر ہوں۔ ایک انصار سے اور ایک مہاجرین سے۔ سیدنا عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم بیتِ نبوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتہً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے آواز دی: ''ابن الخطاب! ذرا باہر آئیں''۔ میں نے کہا: ''چلو ہٹو' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہیں''۔ اس نے کہا: ''ایک حادثہ ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں اس لیے جلد جا کر ان کی خبر لو' ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر گذریں جن سے لڑائی چھڑ جائے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳ بحوالہ مسند ابو یعلی موصلی)

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے دو باتیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ دو امیر ہوں ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے۔ اور دوسری تجویز یہ تھی کہ خلیفہ انصار میں سے ہو۔ پہلی شکل تو بالکل ناقابل عمل ہے۔ دو امیر تو کسی مملکت میں چل ہی نہیں سکتے۔ اب رہی دوسری صورت تو اس میں بھی کئی خرابیاں تھیں۔ قریش جو عرب کے سب سے زیادہ با اقتدار تھے اور ان میں موروثی طور پر بھی امارت و ریاست کے اوصاف و کمالات دوسروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ پائے جاتے اور خود لسان نبوت نے بھی ان کی اس خوبی کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا: ''الائمة من قریش'' (امام تو قریش ہی میں پیدا ہوتے ہیں) وہ امارت سے محروم ہو جاتے اور اس کا نقصان اسلامی معاشرہ کو پہنچتا۔ یہ درست ہے کہ انصار کا اسلام میں بہت مقام ہے اور انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ کو کوئی پناہ دینے والا نہیں تھا۔ اور آپ کی اس وقت نصرت کی جب ساری دنیا عمومی طور پر اور آپ کے اہل وطن اور اہل قبیلہ خصوصی طور پر آپ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ لیکن ان میں دو قبیلے تھے: اوس اور خزرج جن میں مدتوں سے باہمی رقابت اور منافقت چلی آ رہی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اگرچہ وہ رقابت کم ہو گئی تھی لیکن بالکل ختم نہیں ہوئی تھی۔ پھر مدینہ میں منافقین کا بھی ایک گروہ تھا جو ہر وقت انصار کو مہاجرین کے خلاف ابھارنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اس لیے اسلام کی اجتماعی وحدت کے لیے یہ ایک انتہائی نازک موقع تھا۔ اور مسئلہ خلافت کو کامیابی کے ساتھ حل کرنے پر ہی اس کی بقا

Marfat.com

کا دارومدار تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ اس لاینحل عقدہ کی گرہ کشائی سیدنا صدیق اکبرؓ کے ناخنِ تدبیر ہی سے ہوئی۔

سیدنا عمرؓ کو جب اس شخص نے انصار کی اس میٹنگ کے بارہ میں بتایا اور مسئلہ کی اہمیت کے بارہ میں بھی باخبر کیا تو سیدنا عمرؓ نے ابو بکرؓ کے کان میں یہ سب کچھ بیان کیا۔ سیدنا ابو بکرؓ اس ہنگامہ آرائی کی بابت سن کر فوری طور پر سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابو عبیدہؓ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔ دیکھا کہ ایک عجیب ہنگامہ اور شور وغل برپا ہے یہ تینوں بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اس نے کہنا شروع کیا:

"ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں، اور اے مہاجرین تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی (رھط) ہو، لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس سے ہم کو الگ کرنا چاہتے ہو"۔

وہ اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھ گیا۔ اب سیدنا عمرؓ نے کچھ بولنا چاہا لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو گئے اور ایک ایسی تقریر کی جو اپنے مضمون اور فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے ایک بے مثال تقریر تھی۔ سیدنا عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ اس موقع کے لیے میں ایک بہت اچھی تقریر پہلے سے ذہن میں تیار کر کے لایا تھا اور یہ خیال تھا کہ ابو بکرؓ ایسی تقریر نہیں کر سکیں گے۔ لیکن جب ابو بکرؓ خود کھڑے ہوئے تو انہوں نے وہ ساری باتیں فی البدیہہ کہہ دیں جو میں بڑے غور و فکر کے بعد ذہن میں لے کر گیا تھا۔

(طبری جلد ۲ ص ۴۵۷، بخاری جلد ۱ ۵۱۸)

سیدنا ابو بکرؓ نے پہلے تو اپنی تقریر میں مہاجرین کے فضائل اور اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتہ قرابت کا ذکر کیا، اس کے بعد فرمایا: "اے انصار! تم جو کچھ اپنے بارہ میں کہتے ہو بلاشک وشبہ تم اس کے اہل ہو اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تمہیں گہرا تعلق ہے، لیکن عرب اس معاملہ میں سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے"۔ اس کے بعد آپ نے ابو عبیدہؓ اور سیدنا عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو"۔

بخاری کی روایت کے مطابق سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ جب میرا نام بیعتِ خلافت کے لیے پیش کیا تو میرے لیے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی۔ بخدا! بغیر کسی گناہ

Marfat.com

کے میری گردن اڑا دی جاتی' یہ بات میرے لیے بہت آسان تھی بہ نسبت اس کے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جس میں ابو بکرؓ موجود ہوں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۹)

سیدنا ابو بکرؓ نے دوسرا نام سیدنا ابو عبیدہؓ کا پیش کیا۔ ابن سعد نے ان کے بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا: "تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں ثانی اثنین (غار ثور کی رفاقت کی طرف اشارہ ہے) یعنی سیدنا ابو بکرؓ موجود ہیں"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص)

سیدنا ابو بکرؓ کا سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابو عبیدہؓ دونوں میں سے ایک سے بیعت کے بارہ میں کہنا تھا کہ یک دم شور و شغب اٹھا۔ انصار کی طرف سے سیدنا حباب بن منذر نے کچھ تھوڑی سی تلخ کلامی کی جس کو بعض حضرات نے بڑا بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے پیش قدمی کر کے سیدنا ابو بکرؓ سے کہا کہ "نہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہم سب سے بہتر ہیں' ہمارے سردار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ آپ ہی سے محبت کرتے تھے"۔ یہ کہہ کر سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فوری طور پر بیعت کر لی۔ سیدنا عمرؓ کا بیعت کرنا تھا کہ مہاجرین و انصار سب نے ہاتھ بڑھا دیے اور سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۸' جلد ۲ ص ۱۰۰۹)

حافظ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت بشیر بن سعد انصاریؓ نے کی تھی (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۷) ممکن ہے مہاجرین میں سے سب سے پہلے سیدنا عمرؓ نے بیعت کی ہو اور انصار میں سے سیدنا بشیر بن سعد انصاریؓ نے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے اس واقعہ سے فراغت کے بعد یہ صحابہؓ کاشانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

بیعتِ عامہ

سقیفہ بنی ساعدہ میں جن لوگوں نے سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کی وہ چند صحابہ کرامؓ تھے اور ان میں بھی اکثریت انصار کی تھی۔ مہاجرین اور اہل بیت نبوت سے تعلق رکھنے والے لوگ کاشانہ نبوت پر موجود تھے' لہٰذا ضرورت تھی کہ ان سب کو جمع کر کے پھر بیعت لی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز یعنی ۱۳ ربیع الاول

Marfat.com

۱۱ھ مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ء کو مسجد نبوی میں بیعت عامہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں سب انصار اور مہاجرین جمع ہوئے۔ سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظمؓ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا جس میں اور باتوں کے علاوہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے مناقب و فضائل بیان فرمائے۔ پھر سیدنا ابوبکرؓ سے جو خاموش بیٹھے تھے' کہا کہ منبر پر تشریف لائیے' لیکن سیدنا ابوبکرؓ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آخر جب دو تین مرتبہ کہا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۷۲)

اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کو کچھ نصائح فرمائیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۸ پر وہ خطبہ نقل فرمایا ہے۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ ایسا خطبہ پھر کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۹)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ بعض اہم شخصیتوں نے اس دن سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی جس روز سب لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ ان اہم شخصیات میں سے ایک قبیلہ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہؓ ہیں۔ وہ روایات جن میں ان کا بیعت نہ کرنا ہے' کذاب راویوں سے مروی ہیں۔ صحیح روایت میں ہے کہ انہوں نے بھی اس روز سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی۔ علامہ ابن حجر ہیثمیؒ نے لکھا ہے کہ ابن عبدالبر نے جو یہ لکھا ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی' یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی' روایات سے اس کی تغلیط ہوتی ہے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۷) اور طبری نے تو ایک روایت میں صاف صاف لکھا ہے کہ "ساری قوم نے بیعت کی اور سعد بن عبادہؓ نے بھی سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ (تتابع القوم علی البیعۃ بایع سعد) (طبری جلد ۲ ص ۴۵۹)

بعض روایات سیدنا زبیرؓ کے بارہ میں بھی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ سے کہا:

"ہمیں غصہ اس بات کا تھا کہ ہم سے مشورہ نہیں لیا گیا ورنہ بے شک ہم ابوبکرؓ کو سب لوگوں سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ غار کے ساتھی ہیں اور ثانی اثنین ہیں۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کا بدل و جان اعتراف کرتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں انہیں

Marfat.com

لوگوں کی نماز کا امام بنایا تھا۔اس روایت کی سند جید ہے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۵۰ 'جلد ۶ ص ۳۰۲ 'متدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۶ 'السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۱۵۲)

متدرک حاکم میں بھی ایک روایت میں سیدنا زبیرؓ کا بیعت کرنا منقول ہے۔

(متدرک حاکم جلد ۳ ص ۷۶)

سیدنا علیؓ کے بارہ میں بھی لکھا ہے کہ انہوں نے اس روز سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ چھ ماہ بعد بیعت کی تھی۔ لیکن یہ روایات غلط ہیں۔روایات صحیحہ میں آتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کی پہلے ہی روز بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے ایک روایت بیان کر کے آخر میں لکھا ہے کہ :

"یہ اسناد صحیح اور محفوظ ہیں...... اور اس سے بڑی مفید شئے ثابت ہوئی 'وہ یہ کہ سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے روز یا دوسرے روز سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔اور یہی بات حق ہے '(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹) طبری وغیرہ نے بھی حبیب بن ابی ثابت سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں مرقوم ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبرؓ بیعت عامہ کے لیے مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو سیدنا علیؓ اس تیزی سے دوڑتے ہوئے آئے کہ نہ ان کے اوپر ازار تھی اور نہ چادر۔ جلدی اس وجہ سے تھی تاکہ ابو بکرؓ کی بیعت کرنے میں دیری نہ ہو۔اور مسجد میں آکر انہوں نے ابو بکرؓ کی بیعت کی"۔

(طبری جلد ۲ ص ۴۴۷)

ایسا ہی علامہ بلاذری نے انساب الاشراف جلد ا ص ۵۸۵ میں لکھا ہے :

اس موقع پر جو کچھ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے 'ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے۔انہوں نے صحابہؓ کے تین چار گروہ بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ اس زمانہ کی سیاسی پارٹیاں تھیں اور ان کے اختلافات کچھ اس شدت کے تھے جس طرح موجودہ زمانہ میں اقتدار میں آنے والی پارٹی اور اپوزیشن کے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اخلاق وللّٰہیت کی تصویر تھے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنا ، یہ فطری بھی ہے اور ضروری بھی 'لیکن جب اس مسئلہ کا حل مل جائے تو پھر اس کو تسلیم کرنا اس سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار اور مہاجرین نے اپنے اپنے دلائل دیئے اور اپنے کو خلافت کا مستحق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب سیدنا ابو بکرؓ خلیفہ تسلیم کر لیے گئے تو پھر کسی انصار نے

Marfat.com

اس سے انحراف نہیں کیا اور بے چون و چرا سیدنا ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہی حال بنو ہاشم کا تھا۔ علامہ شبلیؒ کا یہ کہنا کہ "سقیفہ میں حضرت علیؓ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غم والم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پُر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آ سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہوں میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہؓ تھے"۔ ہمارے نزدیک یہ درست نہیں۔ سقیفہ میں جلسہ تو انصار کا ہو رہا تھا۔ مہاجرین میں سے صرف تین شخص (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابو عبیدہؓ) وہاں تشریف لے گئے تھے۔ انصار کے مختلف حضرات نے اپنے حق میں دلائل دیے کہ خلافت ہمارا استحقاق ہے۔ بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دلائل دیے۔ ان دلائل سے متاثر ہو کر انصار کے رئیس سیدنا سعد بن عبادہؓ نے کہا: "ابوبکر! تم نے سچ کہا واقعی ہم آپ کے وزراء ہیں اور آپ لوگ ہمارے امراء"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۷) اگر سیدنا علیؓ وہاں تشریف لے جاتے اور اپنے دلائل دیتے تو ہو سکتا ہے کہ ان کے دلائل سے متاثر ہو کر لوگ ان کے حامی ہو جاتے۔ دعویٰ کی تائید کوئی ایسے نہیں کرتا بلکہ مؤید اپنے دعویٰ کے دلائل سے پیدا کیے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ نہ تو سیدنا علیؓ کے دل میں خلافت کی کوئی خواہش تھی اور نہ ہی بنو ہاشم کے حضرات انصار و مہاجرین کے مقابلہ میں کوئی پارٹی تھے۔ وہ حضرات اخلاص و للّٰہیت کے پیکر تھے اور جمہور کے ہر فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے لیے تیار تھے۔ وہ دین کی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے اور دیوار میں جب تک کچھ اینٹیں اپنے کو بنیاد میں دبانے کے لئے تیار نہ ہوں، دیوار مضبوط نہیں ہو سکتی۔ مشورہ میں وہ اختلاف رائے کا حق رکھتے تھے، لیکن مشورہ کے بعد جب کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو وہ فوری طور پر اپنی رائے سے رجوع (Withdraw) فرما لیتے تھے۔ یہی صحابہ کرامؓ کی ایک خصوصیت تھی۔ اور اسلام نے یہی شئے ان کے دلوں میں پیدا کی تھی۔ صحابہ کرامؓ کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے ہر کام مشورہ سے کیا جس کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم تھی۔ اور جب اس مشورہ میں کسی بات پر اتفاق ہو گیا تو ان حضرات نے اپنی رائے واپس لے لی جن کی رائے اس متفقہ بات کے خلاف تھی۔

بہر حال سیدنا عمرؓ کے تدبر اور ان کی ہر موقع پر حکمت عملی نے مسئلہ خلافت کو حل کر دیا اور تمام صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت کو قبول کرتے ہوئے ان

کے اعوان وانصار بن گئے۔اور سیدنا ابوبکرؓ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں ان کے ہر فرمان کی ہر ایک نے اطاعت کی اور دین کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچا لیا۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلامی ریاست میں جو شورشیں اور بغاوتیں ہوئیں' سب صحابہ نے باہمی اتحاد و اتفاق سے ان کا اس وقت تک مقابلہ کیا جب تک کہ وہ ختم نہ ہو گئیں۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں احقر کی کتاب "ابوبکر الصدیقؓ")

جیشِ اُسامہؓ اور سیدنا عمرؓ

سیدنا ابوبکرؓ نے ربیع الاول ۱۱ھ میں جب زمام خلافت سنبھالی تو وہ وقت نہایت نازک' کٹھن اور صبر آزما تھا۔ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ فاجعہ جس کے جانکاہ صدمہ نے صحابہ کرامؓ کی نظروں کو تیرہ و تار کر دیا تھا اور یارِ غار پر تو اس حادثہ کے اور بھی زیادہ اثرات تھے' دوسری طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت' مرتدین اسلام' مانعینِ زکوٰۃ اور دوسرے کئی ایک فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ گویا کہ مشکلات و مصائب کا ایک پہاڑ تھا جو سیدنا ابوبکرؓ کے سامنے کھڑا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں :

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو میرے لباپ پر اس طرح کے حوادث اور مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر وہ بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی پڑتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ایک طرف مدینہ طیبہ میں نفاق گھسا ہوا تھا تو دوسری طرف عرب مرتد ہونے لگے تھے۔
> (فتوح البلدان، بلاذری ص ۱۰۲)

اس نازک اور صبر آزما وقت پر سیدنا ابوبکرؓ نے عنان اقتدار سنبھالی۔ لیکن اس ثابت قدمی اور صبر و تحمل سے امورِ مملکت کو انجام دیا کہ اس کے بارہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ الفاظ صحیح ترجمانی کرتے ہیں :

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ہم مسلمانوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ کو عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔" (فتوح البلدان ص ۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سات سو مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر سیدنا اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ لشکر مدینہ طیبہ

Marfat.com

سے تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع مقام "جرف" میں پہنچا تھا کہ جناب ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام علیل ہو گئے۔ آپ کی علالت کی خبر سنتے ہی سیدنا اسامہؓ وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

سیدنا ابو بکرؓ نے خلیفہ مقرر ہوتے ہی سب سے پہلے لشکر اسامہؓ کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ خصوصاً سیدنا فاروق اعظمؓ نے بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ یہ وقت اس لشکر کی روانگی کا نہیں' کیونکہ خلافت کے بعد سیدنا ابو بکرؓ کی سیاست یہ تھی کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے اس کو ترک نہ کیا جائے اور جو کام آپؐ نے ترک فرمایا ہے اس کو اختیار نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلا حکم خلیفہ رسول سیدنا ابو بکرؓ نے یہی صادر فرمایا کہ لشکر اسامہؓ کو شام پر حملہ کی غرض سے بھیج دیا جائے۔ اس حکم سے کچھ لوگ جز بز ہوئے کہ اسامہؓ نو عمر ہیں۔ ان کی عمر اس وقت بیس سال سے بھی کم تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر اس لشکر کو روانہ کر دیا گیا تو خود مدینہ خطرات میں گھر جائے گا۔ عرب کے باغی قبائل مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے سیدنا ابو بکرؓ سے درخواست کی کہ لشکر اسامہؓ جلیل القدر مسلمانوں پر مشتمل ہے اور عرب قبائل آپ کے خلاف بغاوت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں' لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ اس لشکر کو اپنے سے جدا نہ کریں ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں اس کی ضرورت پڑ جائے' لیکن سیدنا ابو بکرؓ نے بڑے عزم کے ساتھ جواب دیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابو بکرؓ کی جان ہے اگر میں یہ جانتا ہوتا کہ درندے مجھے اٹھا لے جائیں گے پھر بھی میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں اس لشکر کو ضرور بھیجتا۔ اگر پورے مدینہ میں میرے سوا کوئی متنفس نہ رہے تو بھی یہ لشکر جائے گا اور ضرور جائے گا"۔

(طبری جلد ۲ ص ۴۶۱' تاریخ الخلفاء ص ۷۱' ابن عساکر جلد ۱ ص ۱۱۷)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا اسامہؓ نے سیدنا عمرؓ سے درخواست کی کہ سیدنا ابو بکرؓ سے کہہ کر اس لشکر کو مدینہ واپس بلوالیں تاکہ وہ مشرکین اور مرتدین کے خلاف ان کی مدد کر سکے۔ دوسری طرف انصار نے سیدنا عمرؓ سے کہا کہ اگر وہ ہمیں بھیجنا ہی چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے یہ مطالبہ خلیفہ رسول کی خدمت میں پیش کر دیں کہ ہمارا قائد کسی ایسے شخص کو بنائیں جو پختہ عمر کا ہو کیونکہ اسامہؓ بالکل نوجوان ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے یہ دونوں پیغام

Marfat.com

سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں پہنچا دیے۔ بارگاہ خلافت سے سیدنا اسامہؓ کی قیادت کے بارہ میں یہ جواب ملا: "اگر مجھے کتے اور بھیڑیے بھی پھاڑ کھائیں تو بھی میں وہ حکم واپس نہیں لوں گا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمایا تھا" اور انصار کے اعتراض کا آپ نے یہ جواب دیا۔

"اے خطاب کے بیٹے! تیری ماں تجھے روئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسامہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمائیں اور میں اسے معزول کر دوں"۔

(طبری جلد ۲ ص ۴۶۲)

چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ مقام "جرف" پر خود تشریف لے گئے۔ سیدنا اسامہؓ کو گھوڑے پر سوار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم فرمایا۔ سیدنا اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور سیدنا ابو بکرؓ پیادہ ان کے ساتھ چل کر انہیں مختلف نصیحتیں فرما رہے تھے۔ سیدنا اسامہؓ نے عرض کیا: "اے خلیفہ رسول! یا تو آپ سوار ہو جائیں یا پھر مجھے بھی پا پیادہ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: "تم کو خدا کی قسم جو اترو اور میں بھی ہرگز سوار نہیں ہوں گا۔ کیا ہوا اگر اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لیے میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے۔ غازی کے ہر ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔

اس لشکر کے سپاہیوں میں سیدنا عمرؓ کا نام بھی شامل تھا، لشکر کو رخصت کرتے وقت سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا اسامہؓ سے فرمایا: "اگر تم مناسب سمجھو تو عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہو گی"۔ سیدنا اسامہؓ نے سیدنا عمرؓ کو اجازت دے دی کہ وہ لشکر چھوڑ کر سیدنا ابو بکرؓ کے ساتھ واپس چلے جائیں۔

سیدنا ابو بکرؓ کے اس اصرار اور سختی کے ساتھ لشکر اسامہؓ کو بھیجنے کے سیاسی نتائج بڑے اچھے نکلے۔ چنانچہ موجودہ صدی کا مشہور مستشرق ڈبلیو۔ واٹ منٹگمری لکھتا ہے:

"پیغمبر اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف لشکر روانہ نہیں کیے جائیں گے، عرب قبائل امن و عافیت سے نہیں رہ سکتے۔ ابو بکرؓ اس بات کی سیاسی اہمیت سے آشنا تھے، اس وجہ سے شدید مخالفت کے باوجود انہوں نے اسامہؓ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا تھا"۔

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱ ص ۱۱۰)

ایک اور مستشرق ولیم میور نے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"ابوبکرؓ کا یہ کام انتہائی سیاسی دانش مندی پر مبنی تھا کیونکہ اس عمل نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دلوں پر اسلام کی سیاسی طاقت کی دھاک بٹھادی"۔

(The Caliphate , p. 42)

مانعینِ زکوٰۃ کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی رائے

عبس' ذبیان' بنو کنانہ' غطفان اور بنو فزارہ جو حوالیِ مدینہ میں آباد تھے' ان قبائل نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ان میں بھی دو قسم کے لوگ تھے' بعض وہ تھے جو بخل کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر تھے اور بعض یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے مالوں سے زکوٰۃ تو ضرور نکالیں گے' لیکن اس کو مدینہ نہیں بھیجیں گے بلکہ خود اپنے قبیلہ کے فقراء میں تقسیم کردیں گے۔ بعض صحابہ کرامؓ کا یہ خیال تھا کہ ان لوگوں کا ایمان ابھی نیا نیا ہے۔ جب اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا تو پھر یہ لوگ خود بخود زکوٰۃ دینی شروع کردیں گے جیسا کہ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب "الملل والنحل جلد ۲ ص ۷۶ میں لکھا ہے۔ ان حضرات نے سیدنا ابوبکرؓ کو یہ مشورہ بھی دیا لیکن سیدنا ابوبکرؓ نے ان کے اس مشورہ کو ماننے سے صاف انکار کردیا اور فرمایا:

> "خدا! اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی (بعض روایات میں "عناق" کا لفظ ہے جس کے معنی ایک برس سے کم عمر کی بھیڑ ہے) سے بھی، جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے، انکار کردیں گے تو بھی میں ان سے قتال کروں گا"۔

پھر فرمایا:

> "زکوٰۃ مال کا حق (یعنی عبادت) ہے اور جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے' میں ان سے قتال کروں گا۔"

سیدنا عمرؓ جو اپنی رائے کے اظہار میں دوسرے صحابہ کرامؓ سے زیادہ جری تھے' انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ سے کہا: "آپ ان لوگوں سے کس بنیاد پر قتال کرتے ہیں؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ " لا الٰہ الا اللہ' محمد رسول اللہ" نہ کہہ لیں۔ لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے' مگر ہاں جب ان پر کسی کا

Marfat.com

حق ہو"۔

سیدنا ابوبکرؓ کا استدلال یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ میں فرضیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔
علاوہ ازیں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم

پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان سے کچھ نہ کہو۔

سیدنا ابوبکرؓ کا فیصلہ چونکہ بالکل درست تھا۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکرؓ کے استدلال سے بات سیدنا عمرؓ کے ذہن میں آ گئی۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں:

فما ھو الا ان رأیت اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال' فعرفت انه الحق

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا سینہ قتال کے لیے کھول دیا تھا' اور میں نے جان لیا کہ وہ حق پر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۱۱)

چنانچہ اس فتح کے بعد مسلمان اور سیدنا عمرؓ اس بزرگ ہستی میں جو مسلسل تئیس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے برکت اندوز ہوئی تھی' روح نبوت کا پرتو دیکھ رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ سیدنا ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ کے نور کی راہنمائی میں وہ کچھ نظر آتا ہے جو کسی اور کو نظر نہیں آتا۔ اور ان کے دل میں ان باتوں کا نزول ہوتا ہے جو کسی اور کے دل میں نہیں ڈالی جاتیں۔ البتہ سیدنا عمرؓ ملکی سیاست کے انصرام میں اپنے مشوروں سے ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔

جمع قرآن اور سیدنا عمرؓ

سرکارِ دوعالم کی حیات طیبہ ہی میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب سیدنا ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس فتنہ نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ نے عکرمہؓ بن ابی جہل کی سرکردگی میں ایک لشکر مسیلمہ کی طرف روانہ کیا' لیکن اس لشکر کو شکست ہوئی۔ سیدنا ابوبکرؓ کو معلوم ہوا کہ مسیلمہ کے ساتھ چالیس ہزار عرب کے منتخب نبرد آزما ہیں۔ چنانچہ موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس معرکہ کو سر کرنے کے لیے سیدنا ابوبکرؓ نے معرکہ یمامہ کو سر کرنے کی پوری ذمہ داری سیدنا خالد بن ولیدؓ کے سر ڈال دی۔ چنانچہ سیدنا خالدؓ نے پے در پے حملے کر کے بنو حنیفہ (مسیلمہ کذاب کا قبیلہ) کو شکست فاش دی اور

Marfat.com

خود مسیلمہ کذاب "حدیقۃ الموت" میں قتل کیا گیا۔

اگرچہ سیدنا خالدؓ نے مسیلمہ اور اس کے قبیلے کو شکست دے کر اس فتنہ کا استیصال کردیا لیکن خود مسلمانوں کو بھی اس معرکہ میں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس میں بارہ سو صحابہ کرامؓ شہید ہوئے جب کہ اس سے پہلے کسی جنگ میں اتنے صحابہ شہید نہیں ہوئے تھے۔ ان میں انتالیس (۳۹) کبار صحابہ اور حفاظِ قرآن تھے۔ اتنی تعداد میں حفاظِ قرآن کی شہادت دیکھ کر رگِ فاروقی پھڑکی اور سیدنا عمرؓ نے ہمت و جرأت کر کے امیر المؤمنین سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ "یمامہ کی جنگ میں قراء و حفاظ کا شدید نقصان ہوا ہے' اس لیے اگر آپ نے قرآن حکیم کو جمع کرنے کا بندوبست نہ کیا تو خطرہ ہے کہ قرآن کا بڑا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے جواب دیا: "جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا' میں اسے کیسے کر سکتا ہوں؟" سیدنا عمرؓ نے کہا: "یہ کام تو خیر ہے"۔ انہوں نے بار بار یہی بات کی یہاں تک کہ سیدنا ابوبکرؓ کو شرح صدر اور اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا زید بن ثابتؓ کے ذریعہ قرآن حکیم کو جمع کروایا۔ گویا قرآن حکیم کے جمع و تدوین کی تحریک سیدنا عمرؓ نے کی اور اس جمع کی تکمیل سیدنا ابوبکرؓ نے کی۔

مختلف مواقع پر سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی رائے میں جو اختلاف رائے ہوا ہے جیسے لشکر اسامہؓ کیا رسال کرنے میں' مانعینِ زکوۃ سے قتال کرنے اور جمعِ قرآن کے بارہ میں' اس کی وجہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ مقلد تھے۔ مجتہد نہیں تھے۔ اور سیدنا عمرؓ مجتہد تھے۔ چنانچہ ابوبکرؓ یہ چاہتے تھے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اس کی تقلید ان پر فرض ہے۔ عمرؓ اور دوسرے مسلمان جو چاہیں کہیں اور جتنی چاہیں ان کی مخالفت کریں' لیکن وہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں سنیں گے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے کام کی تعمیل سے روک دے۔ حضور علیہ السلام نے لشکر اسامہؓ کے بھیجنے کا حکم دیا لہٰذا وہ بہر صورت جائے گا۔ جو کچھ مرضی ہو جائے وہ فرمانِ رسول کے نفاذ سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ایک سربراہِ مملکت کا فرض ہے کہ وہ گرد و پیش کے حالات کو پوری اہمیت دے اور ان مسائل کا حل تلاش کرے جو اسے درپیش ہیں۔ وحی کا سلسلہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ منقطع ہو چکا ہے لہٰذا اب اپنے علم و بصیرت کی روشنی میں ان تمام معاملات کی گرہیں کھولے جو مختلف حالات نے ان میں ڈال رکھی ہیں۔ ان دونوں حضرات کی رائے میں ایسا اختلاف نہیں ہے جو ان کی باہمی قدر

Marfat.com

دانی، محبت اور احترام پر اثر انداز ہو۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ہر معاملہ میں سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کا حق پوری طرح ملحوظ رکھا۔ صرف یہی کیا کہ عوام کی آراء ان تک پہنچادیں یا جس رائے کو درست جانا اس کو خلیفہ اسلام تک پہنچادیا اور اس کی تائید میں دلیل پیش کردی، لیکن جب دیکھا کہ سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی رائے پر اصرار کیا تو بے چون وچرا ابوبکرؓ کی رائے کے آگے سر تسلیم خم کردیا۔ چنانچہ جب ابوبکرؓ نے لشکر اسامہؓ کے بھیجنے پر اصرار کیا تو سیدنا عمرؓ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے روانہ ہوگئے۔ آخر وہ ایسا کیوں نہ کرتے جب کہ انہوں نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور ان کی خلافت کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تسلیم کیا تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے بھی سیدنا عمرؓ کا حق پہچانا اور سیدنا اسامہؓ سے اسے مانگ کر اپنا وزیر اور مشیر بنالیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں بزرگوں کے پوری زندگی میں باہمی تعلقات خوش گوار رہے۔ جن میں پر خلوص محبت باہمی احترام اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے تعاون کا بھرپور جذبہ کارفرما تھا۔

عراق وشام کی فتح کی ترغیب

سیدنا عمرؓ سیدنا ابوبکرؓ کے وزیر اور مشیر تھے۔ اور ابوبکرؓ ہر کام میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ملک کو جب اندرونی فتنوں سے نجات مل گئی تو سیدنا عمرؓ کے مشورہ سے سیدنا ابوبکرؓ نے عراق کی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ عراق میں اس وقت ساسانی خاندان کی حکومت تھی جس کا بانی اردشیر بن بابک تھا اور اردشیر کے مرنے کے بعد یہ نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی نوشیروان عادل کے پاس آئی اور پھر خسرو پرویز کے پاس منتقل ہوئی جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا۔ عراق کی اس مہم پر سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا خالد بن ولید کو متعین فرمایا۔ سیدنا خالدؓ نے جب عراق میں پیش قدمی کی اور فتح ونصرت کی خبریں جزیرہ نمائے عرب اور اس کے گردوپیش کی فضاؤں میں گونجیں تو سیدنا ابوبکرؓ کے قلب میں شام کو فتح کرنے کا خیال کروٹیں لینے لگا۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اہل الرائے کو بلا کر، جن میں سیدنا عمرؓ پیش پیش تھے، فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام پر حملے کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے، لیکن عمر نے ان سے وفا نہ کی اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے"۔ اس کے بعد فرمایا: "عرب اپنے ماں باپ کے بیٹے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ انہیں رومیوں سے لڑنے کے لیے شام بھیجوں۔ ان میں سے جو مارا جائے گا وہ شہید ہوگا اور نیک لوگوں کے لیے اللہ

Marfat.com

کے گھر خیر و برکت ہے' اور جو زندہ رہے گا وہ دین کی حفاظت و مدافعت میں زندہ رہے گا اور حق تعالیٰ شانہ اسے مجاہدین کے اجر و ثواب سے نعمت اندوز کرے گا"۔

یہ کہہ کر آپ نے اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کی رائے طلب کی۔ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے سب سے پہلے جواب دیتے ہوئے کہا: "بخدا! ہم نے جب کبھی کسی بھلائی اور کار خیر کی طرف بڑھنا چاہا' آپ ہم پر سبقت لے گئے۔ خدا گواہ ہے' یہی بات میں بھی آپ سے کہنے والا تھا' لیکن حق تعالیٰ شانہ' کو منظور ہوا اور آپ نے خود ہی اس کا ارادہ فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر راستی اور فتح مندی کی راہیں کھول دی ہیں۔ گھوڑوں کے پیچھے گھوڑے اور پیادوں کے پیچھے پیادے اور فوجوں کے پیچھے فوجیں بھیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا مددگار' اسلام اور اہل اسلام کا محافظ اور اپنے رسول سے کیے ہوئے وعدے کا پورا کرنے والا ہے۔

سیدنا عمرؓ نے خلیفہ رسول کی پوری پوری تائید کی اور انہیں خیال تھا کہ دوسرے حاضرین بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید کریں گے لیکن حاضرین کے دل میں کوئی جوش پیدا نہ ہوا بلکہ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں پر اہل روم کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ رومی سلطنت اس زمانہ میں سب سے بڑی طاقت (Super Power) تھی۔ جب ان کی سرگوشیاں ختم ہوئیں تو سیدنا ابوبکرؓ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا' لیکن وہ خاموش بیٹھے رہے۔ اب سیدنا عمرؓ سے نہ رہا گیا اور وہ بلند آواز سے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمانے لگے:

"اے اسلام کے نام لیواؤ! آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم خلیفہ رسول کا جواب کیوں نہیں دیتے جب کہ وہ تمہیں زندگی بخش جہاد کی طرف بلا رہے ہیں؟"

حاضرین کے دل سیدنا عمرؓ کی اس گرجدار آواز سے دہل گئے اور وہ جہاد پر رضامند ہو گئے' لیکن بہتر یہ سمجھا گیا کہ سیدنا ابوبکرؓ یمن اور جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے لوگوں سے بھی نصرت اور مدد کی اپیل کریں تاکہ زوردار طریقہ سے جہاد کا یہ عمل شروع ہو۔

اندازہ فرمائیں کہ سیدنا عمرؓ کی روش اور مزاج میں یہ تبدیلی فطری امر تھا۔ جب مکہ میں لوگ کفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے تو مسلمانوں کا وجود مکہ کے نظام اور اس کی مذہبی منزلت کے لئے ایک خطرہ تھا' لیکن جب حلقہ بگوشان اسلام کی دینی استقامت کو دیکھا اور یہ بھی ملاحظہ کیا کہ اللہ اور اس کے دین کی راہ میں ہر تکلیف' ہر اذیت اور ہر قربانی کو خوش آمدید کہتے ہیں یہاں تک کہ ترک وطن بھی کر سکتے ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان کبھی

Marfat.com

مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اب انہوں نے اپنا رخ اور اپنی روش بدلی اور قرآن کی آیات سن سن کر ان پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اب ایمان لا کر اسی جوش و جذبہ اور اسی قوت کے ساتھ مسلمانوں کی حمایت کرنے لگے جس قوت اور جوش کے ساتھ وہ ان کی مخالفت کرتے تھے۔

اسی طرح وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی جنگی سیاست سے دامن کش تھے چنانچہ مانعین زکوٰۃ سے جنگ پر وہ رضامند نہ تھے، لشکر اسامہ کو بھیجنے پر ان کا دل خوش نہ تھا، لیکن جب دیکھا کہ سیدنا ابوبکرؓ کی یہ جنگی سیاست نہایت کامیاب رہی تو اب پوری قوت اور جوش و جذبہ کے ساتھ ان کی اس سیاست کی تائید کرنے لگے۔ اور عہد صدیقی میں وہ احتیاط و گریز کی پالیسی سے کلیتہً دست کش ہو گئے۔

سیدنا ابوبکرؓ مسلمانوں میں مساوات کے بشدت خواہش مند تھے۔ وہ اسلام میں سبقت اور تاخیر کرنے والوں اور عربی اور عجمی کی کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ شام پر حملہ کرنے کے وقت انہوں نے اہل مکہ اور اہل مدینہ دونوں سے مشاورت اور اعانت چاہی لیکن سیدنا عمرؓ انصار اور مہاجرین کے "السابقون الاولون" کو اور اہل بیت نبوت کو عام مسلمانوں پر ترجیح دینے کے قائل تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اپنے اس میلان طبع کو عہد صدیقی میں بھی نہیں چھپایا۔ شام پر حملے کے وقت جب انہوں نے اہل مدینہ کی طرح اہل مکہ سے بھی مشورت و اعانت چاہی تو سیدنا عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا۔ یہ اعتراض انہوں نے اس لیے کیا کہ وہ سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار کو مشورہ میں تمام مسلمانوں پر ترجیحی حق دلوانا چاہتے تھے۔ سہیل بن عمروؓ نے سیدنا عمرؓ کی اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور کہا کہ "کیا ہم اسلام میں تمہارے بھائی اور نسب میں تمہارے اسلاف کی اولاد نہیں ہیں؟ کیا تم صرف اس لیے کہ قبول اسلام میں پہلے قدم اٹھا چکے ہو، ہمارے رشتوں کو منقطع کر دینا چاہتے ہو اور ہمارے حقوق سلب کر لینا چاہتے ہو؟" سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "بخدا! میں نے جو کچھ کہا ہے تمہیں سابقین اسلام کے بارہ میں نصیحت کرنے اور ان کے مقام کی اہمیت بتانے کے لیے کہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اور تم سے برتر مسلمانوں کے درمیان عدل و انصاف ہونا چاہیے"۔

سابقین اسلام کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی یہ رائے کسی ذاتی غرض کے لیے نہ تھی بلکہ ان کی معدلت کیشی کی وجہ سے تھی جو ان کی فطرت اور طبیعت کا عنصر تھا۔ اسی فطری

Marfat.com

معدلت کیشی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ عہد صدیقی میں وہ دو سال تک منصبِ قضاء پر فائز رہے لیکن ان دو سالوں میں ایک مقدمہ بھی ان کے پاس نہیں آیا۔ اس کی وجوہات میں اگرچہ ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اس دوران میں مسلمان ارتداد کی جنگوں اور عراق و شام کی فتوحات میں مصروف رہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیدنا عمرؓ کی معدلت کیشی اور عدل و انصاف کی شہرت نے بھی کافی حد تک مقدمہ بازی کے رُجحان کا خاتمہ کر دیا تھا۔ جو چیزیں لوگوں کو عدالت کے کٹہرے میں لے جانے پر اکساتی ہیں ان میں سر فہرست کسی غیر مستحق کی یہ امید ہوتی ہے کہ وہ قاضی کو چکمہ دے کر یا سفارش و سعی سے اس کی ہمدردیاں حاصل کر کے اپنا مقصد حاصل کر لے گا، لیکن سیدنا عمرؓ کے بارہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حق کے مقابلہ میں کسی کی بے جا طرف داری کر سکتے ہیں یا ان پہلوؤں کو چھوڑ سکتے ہیں جن سے مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت حق کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔

سیدنا ابوبکرؓ ایک مردم شناس شخص تھے۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا عمرؓ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو اپنی نظر میں رکھا، ان تمام خوبیوں سے آشنا ہوئے جو ان کی ذات میں جمع تھیں کیونکہ اس سے قبل عہد نبوت میں نبوت کی شخصیت کے سامنے ہر صحابی کی خوبیاں دبی ہوئی تھیں۔ خود سیدنا ابوبکرؓ کی خوبیاں بھی اجاگر نہیں ہوئی تھیں۔ جس طرح باپ کی زندگی میں بیٹے کی خوبیاں اجاگر اور ظاہر نہیں ہوتیں۔ لیکن جب باپ کے انتقال کے بعد ذمہ داریوں کا بوجھ بیٹے کے کاندھوں پر پڑتا ہے پھر پتہ چلتا ہے کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ یہی حال صحابہ کرامؓ کا تھا۔ نبوت کی شخصیت اتنی ہمہ گیر اور ہمہ قوت تھی کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ کی ذات میں جو فطری خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھیں، وہ سب دب گئی تھیں۔ لیکن جب حضور علیہ السلام کا دارِ جاودانی کی طرف انتقال ہوا اور خلافت کی ذمہ داریاں ان حضرات کے کندھوں پر پڑیں اور قرآن و سنت کی روشنی کی آزاد فضا میں انہیں غور و فکر کا موقع ملا، پھر لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان میں کیا کیا خوبیاں اور اوصاف اللہ تعالیٰ نے رکھے ہوئے ہیں۔

خلافتِ اسلامیہ کے لیے سیدنا عمرؓ کی نامزدگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُر ملال پر سیدنا صدیق اکبرؓ کو آپؐ کی جدائی کا شدید صدمہ اور غم تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے بیان کے مطابق آپ اس غم میں

Marfat.com

اندر ہی اندر گھلتے رہے۔ آخر ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو آپ نے غسل فرمایا۔ اس روز شدید سردی تھی۔ غسل کے بعد آپ کو بخار ہو گیا جو قریباً ۱۵ روز تک رہا۔ بہت علاج کرایا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اس بخار کی حالت میں آپ مسجدِ نبوی میں مسلمانوں کو نماز بھی پڑھاتے رہے لیکن آخر میں کمزوری اس قدر ہو گئی کہ مسجد میں نماز کے لیے جانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کو نماز کے لیے حکم فرمایا۔

آپ کی بیماری کی صحابہ کرامؓ کو سخت تشویش تھی۔ سب عیادت کے لیے آتے لیکن سیدنا عثمانؓ چونکہ پڑوس میں رہتے تھے' اس لیے وہ سب سے زیادہ تیمارداری کے لیے تشریف لاتے۔

سیدنا ابوبکرؓ نے جب مرض میں کوئی افاقہ نہ دیکھا اور محسوس کیا کہ آپ کی بیماری موت کی سرحدوں کے قریب آگئی ہے۔ تو انہوں نے اپنے جانشین کے بارہ میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس معاملہ کو مسلمانوں کی مرضی پر بھی چھوڑ سکتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرماتے۔ یہ بہت سہل اور آسان طریقہ تھا لیکن سقیفہ بنی ساعدہ اور اس میں انصار کے طرزِ عمل کا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی بیعت پر متفق نہ کر دیتا تو نہ جانے کیا کچھ پیش آ جاتا۔ اور اگر اب بھی ان کی وفات کے بعد مسلمانوں میں کوئی اختلاف پیدا ہو گیا تو اندیشہ ہے کہ اس کے نتائج بڑے دور رس اور نہایت خطرناک ہوں گے۔ اور اب معاملہ صرف مہاجرین و انصار کے درمیان میں نہ رہے گا بلکہ ان سے گذر کر عراق و شام کے مجاہدین اور باشندوں تک بھی پہنچے گا کیونکہ اب سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اب اگر مسلمان آپس میں الجھ گئے تو یہ اختلاف ایک خطرناک فتنہ بن کر پوری مملکت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور فتح و توسیع کی اس سیاست کو موت کے گھاٹ اتار دے گا جو ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی ہے۔ اور اگر وہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دیں اور مسلمان اس پر مجتمع بھی ہو جائیں تو یہ خطرہ نہایت آسانی سے ٹل سکتا ہے۔ اور مسلمان اختلاف کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے اور اسلامی سلطنت کی توسیع اور اللہ کے دین کی نشر و اشاعت کا کام بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ آپ نے مختلف صحابہ کرامؓ کو بلا کر اپنی جانشینی کے بارہ میں مشورہ لیا۔ آپ کا ذہنی رُجحان سیدنا عمرؓ کی جانب تھا۔ آپ نے عمرؓ کا نام مختلف صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: "اس میں کوئی شک نہیں؛

Marfat.com

کہ عمرؓ بہترین آدمی ہیں اور خلافت کے لیے ہر لحاظ سے اہل ہیں لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے"۔ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ جب خلافت کی ذمہ داری ان پر آپڑے گی تو ان کی سختی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اے ابو محمد! میں نے اس کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے اور دیکھا ہے کہ جب میں غصے میں ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے"۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے چلے جانے کے بعد آپ نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو بلایا اور سیدنا عمرؓ کے بارہ میں ان کی رائے پوچھی۔ انہوں نے کہا: "عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں ان جیسا کوئی نہیں" سیدنا اسید بن حضیرؓ سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "میں آپ کے بعد عمرؓ کو بہترین آدمی سمجھتا ہوں۔ وہ خوش ہونے کی باتوں پر خوش ہوتے ہیں اور ناراض ہونے کی باتوں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے۔ آپ کے بعد ان سے زیادہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں"۔ ان حضرات کے علاوہ سعید بن زیدؓ اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے بھی سیدنا عمرؓ کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ سیدنا عمرؓ خلیفہ ہونے والے ہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ نے جب ان مشوروں کی خبر سنی تو انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر سیدنا عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو ان کی سختی اور درشتی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کر دے گی۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ سیدنا ابوبکرؓ سے مل کر انہیں اس ارادہ سے باز رکھا جائے۔ اذنِ باریابی کے بعد کچھ حضرات آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ نے بارگاہِ خلافت میں عرض کی: "ابوبکرؓ! آپ کو بخوبی پتہ ہے کہ عمرؓ کے مزاج میں کس قدر سختی اور درشتی ہے، اس کے باوجود میں نے سنا ہے کہ آپ انہیں خلیفہ نامزد کر رہے ہیں۔ کل اس بارہ میں آپ اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے؟"۔

سیدنا ابوبکرؓ لیٹے ہوئے تھے۔ آپ یہ الفاظ سن کر غصے سے کانپ اٹھے اور جذباتی ہو گئے اور حاضرین سے فرمایا: "مجھے بٹھا دو" لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپؓ نے فرمایا: "تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو۔ جب میں اپنے پروردگار سے ملوں گا تو کہوں گا: اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے ایک بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا" اس کے بعد آپ سیدنا طلحہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "جو بات میں نے تم سے کہی ہے وہ اپنے پیچھے بیٹھے ہوؤں کو بھی سنا دو۔" (ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۲ وغیرہ)

سیدنا طلحہؓ کی اس گفتگو سے سیدنا ابوبکرؓ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ مسلمان سیدنا عمرؓ

کی جانشینی پر برضا و رغبت متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور اس معاملہ پر غور و فکر کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ حاضر خدمت ہوئے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے ان سے ایسے انداز میں گفتگو کی جیسے کل کے واقعہ سے انہیں بے حد دکھ ہوا ہو۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ میں نے تمہارا کام سب سے بہتر شخص کو سونپنا چاہا لیکن تم لوگ اس پر ناک بھوں چڑھا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ یہ ذمہ داری عمرؓ کے بجائے کسی اور شخص کے سپرد کی جائے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیجئے۔ اس سے آپ کی بیماری میں اضافہ ہوگا۔

اب جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو بلایا اور فرمایا کہ میری طرف سے خلافت کی جانشینی کا وصیت نامہ لکھو۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ نے لکھوایا:

هذا ما عهد ابوبكر ابن ابى قحافه الىٰ المسلمين

اما بعد فانى قد استخلفت عليكم.......

ابھی اتنا ہی املا کروایا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ سیدنا عثمانؓ نے اس وصیت نامہ میں اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیے: "عمر بن الخطاب" یعنی میں تم پر عمر ابن الخطابؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے سیدنا عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیا لکھا ہے؟ آپ نے جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا۔ جب سیدنا عثمانؓ نے عمر ابن الخطابؓ کا نام پڑھا تو سیدنا ابوبکرؓ کے منہ سے نکلا "اللہ اکبر" اور فرمایا: "عثمان! حق تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔"

(الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۱۹، العواصم من القواصم ص ۵۱، عثمان بن عفان للعقاد ص ۱۵۰)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ الفاظ لکھے:

استخلفت عليكم عمر ابن الخطاب ولم آل لكم خيراً

یعنی میں تم پر عمر ابن الخطابؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

غرض سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو جانشین نامزد فرما کر مسلمانوں کے سامنے ایک تحریر پیش کی۔ روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ بالاخانے میں تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں اپنا جانشین مقرر کروں؟

بخدا! میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا۔ میں عمر ابن الخطابؓ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ میرا کہنا سنو اور مانو گے ؟"

تمام لوگوں نے بیک زبان کہا کہ "ہم نے سنا اور مانا" اس کے بعد سیدنا ابو بکرؓ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا: "اے اللہ! میں نے یہ نامزدگی صرف اور صرف مسلمانوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے کی ہے اور اس اندیشے سے کہ ان میں فتنہ و فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد ایک بہترین اور قوی ترین شخص کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے"۔ لوگوں نے جب سیدنا ابو بکرؓ کی یہ دعا سنی تو وہ آپ کی اس نامزدگی سے بالکل مطمئن ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کی یہ بات سن کر کہا:

لا نرضیٰ الا ان یکون عمر ابن الخطاب

عمر ابن الخطابؓ کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہ ہوں گے

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۷۰ 'تاریخ الخلفاء ص ۶۱' الصواعق المحرقہ ص ۵۴)

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ کے حکم سے وصیت نامہ کو سیدنا عثمانؓ سربمہر کر کے آپ کے دولت کدہ سے باہر آئے۔ سیدنا عثمانؓ نے لوگوں کو سیدنا ابو بکرؓ کی طرف سے کہا کہ "اس کاغذ پر جس شخص کی تجویز ہو چکی ہے کیا آپ لوگ اس کے حق میں بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں؟" سب حضرات نے یک زبان ہو کر کہا کہ "ہم سب بیعت کے لیے بالکل تیار ہیں" لیکن سیدنا علیؓ نے کہا: "وہ شخص ہمیں معلوم ہو گیا ہے"۔

وھو عمر فاقروا بذالك ورضوا وبایعوا (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۲)

اور وہ عمرؓ ہیں سب لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا اور اس پر رضامند ہو گئے اور سب نے عمرؓ کی بیعت کر لی۔

جب وصیت کا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے سیدنا عمرؓ کو بلایا اور کچھ وصیتیں فرمائیں' اور فرمایا: "بغیر کسی سہل انگاری اور تاخیر کے عراق اور شام کی مہمات کو جاری رکھا جائے۔ پھر انہیں وہ فرائض یاد دلائے جو ایک خلیفہ پر عائد ہوتے ہیں۔ پھر انہیں اللہ کی رحمت کے حصول کی ترغیب دلائی اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تاکہ بندہ اپنے اللہ سے رغبت بھی رکھے اور اس سے خوف بھی کھائے۔ پھر کچھ اور کارآمد اور ضروری

وصیتیں کیں جن میں مملکت کے دستور العمل کے بارہ میں کچھ مفید باتیں بھی تھیں۔

جب سیدنا ابو بکرؓ وصیت فرما چکے تو سیدنا عمرؓ باہر تشریف لائے۔ گردن جھکی ہوئی اور ذہن غور و فکر میں مصروف۔ شاید وہ یہ سوچ رہے ہوں کہ میں اس گرانبار ذمہ داری کے بار دوش سے کیسے سبکدوش ہوں گا۔ اور کاش سیدنا ابو بکرؓ صحت یاب ہو جائیں اور یہ ذمہ داری مجھ سے ٹل جائے۔ لیکن ابو بکرؓ تو صحت یاب نہ ہوئے اور دنیا نے دیکھا کہ جو ذمہ داری تھی وہ سیدنا عمرؓ کے کندھوں پر ڈال کر گئے تھے۔ اور وہ بڑی اہم اور غیر معمولی ذمہ داری تھی جس کے اٹھانے سے بڑے بڑے دل گردے والے اعراض برتتے ہیں' سیدنا عمرؓ نے اس بوجھ کو اس طرح اٹھایا اور ان ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہوئے کہ دنیا آج تک انگشت بدندان ہے۔ اور جب انہوں نے اس دنیا کو خیر باد کہا تو اسلامی فتوحات ایران' شام' مصر اور دوسرے کئی ایک ممالک تک پھیل چکی تھیں اور اسلامی ریاست فولادی بنیادوں اور آہنی ستونوں پر استوار ہو چکی تھی۔ اور سیدنا علیؓ کا یہ قول درست نکلا جو انہوں نے ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: "لقد اذللت الخلفاء بعدك" (اے عمر! تو نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو ذلت اور مشقت میں ڈال دیا) (سیرۃ عمر ابن الخطاب ص ۱۴۰' البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۶) مطلب یہ تھا کہ نہ تیرے جیسی کوئی حکومت کرے گا اور نہ لوگ اس سے مطمئن ہوں گے۔

کیا اسلام میں نامزدگی جائز ہے؟

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمر ابن الخطابؓ کو نامزد کیا تھا حالانکہ کئی لوگ ان کی نامزدگی کے خلاف تھے' اس لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں نامزدگی جائز ہے؟ یہ سوال اس سے پہلے تو اتنا نہیں اٹھایا گیا جتنا آج کل اٹھایا جاتا ہے کیونکہ آج کل لوگوں کے ذہنوں پر جمہوریت کا بھوت سوار ہے۔ اور جمہوری ذہن رکھنے والے لوگوں کے نزدیک یہ بات بڑے اچنبھے کی ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو نامزد کیا۔ کیونکہ بعض لوگوں نے ان کے ذہنوں میں یہ ٹھونسا ہوا ہے کہ اسلام میں نامزدگی کسی صورت جائز نہیں جب کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس سوال کا جواب خود دینے کے بجائے' ہم فیلسوف اسلام اور مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون اندلسیؒ کی تاریخ کے مقدمہ سے نقل کرتے ہیں۔ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

Marfat.com

"امام ولیِ امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں ان کا انتظام بھی حسب طاقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً امت کے غور و پرداخت کے لیے ایک ایسا اپنا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا۔ اور شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (ولی عہدی مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے کیونکہ سیدنا ابوبکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں سیدنا عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہ کرامؓ نے جائز رکھا اور سیدنا عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح سیدنا عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں چھ بقیہ صحابہ کرام کی صوابدید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کرلیں...... اب جس اجتماع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہ کرامؓ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ بالاتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے"۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

علامہ ابن خلدونؒ نے مسئلہ ولی عہدی کے جواز پر سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے اعمال کو بطور دلیل پیش کیا ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات خلیفہ راشد تھے اور خلفاء راشدین کی سنت دین میں بذاتِ خود حجت ہے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص میرے بعد زندہ رہے وہ امت میں بہت ہی زیادہ اختلاف دیکھے گا۔

فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین

پس تم پر لازم ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوطی سے پکڑو"۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۹۲' ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۸۹' ابن ماجہ ص ۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷ 'مسند دارمی ص ۲۶ وغیرہ)

حضرات خلفاء راشدین نے جو کام اپنے قیاس اور تفقہ اور اجتہاد سے کیا ہے وہ بھی

Marfat.com

سنت ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت امت اس سنت کو تسلیم کرنے کی بھی پابند ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ نے فرمایا ہے (اشعۃ اللمعات جلد ا ص ۱۴ اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

(غنیۃ الطالبین ص ۱۹۵)

خلافتِ فاروقی کا آغاز

سیدنا ابوبکرؓ تو سیدنا عمرؓ کی جانشینی کی وصیت فرما کر ۲۲ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۲ء بروز اتوار غروب آفتاب کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور پوری اسلامی مملکت کا بارِ گراں سیدنا عمرؓ کے کندھوں پر ڈال گئے۔ اور نماز جنازہ کے بعد انہیں حجرہ سیدہ عائشہؓ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ تدفین میں سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ شامل تھے۔ آپ کی وفات سے نہ صرف مدینہ طیبہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کے بام و در لرز اٹھے۔ تمام صحابہ کرامؓ کو بہت صدمہ ہوا۔ سیدنا علیؓ نے ان کی وفات پر فرمایا:

الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ آج خلافت نبوت منقطع ہو گئی

سیدنا عمرؓ سیدنا ابوبکرؓ کی تدفین سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اب وہ صرف عمرؓ نہیں تھے بلکہ امیر المؤمنین عمرؓ تھے۔ جاتے ہی بستر پر لیٹ کر ان تمام امور پر غور و فکر کرنے لگے جو انہیں کل پیش آنے والے تھے۔ ان میں ایک امر یہ تھا کہ کل علی الصبح لوگ بیعت کے لئے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ وہ تمام مجھے پسند ہی کریں۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کو میں ناگوار گذروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری بیعت کر لیں لیکن وہ اسے ایک ناگوار فرض سمجھ کر ادا کریں گے۔ پھر عراق اور شام میں جنگ ایک نہایت نازک موڑ میں داخل ہو چکی ہے۔ ان دونوں مسئلوں کو کس صورت میں حل کیا جائے۔ یہ دونوں مسئلے ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لیے انتہائی مشکل بھی ہیں اور انتہائی خطرناک بھی۔

ساری رات اسی فکر و اضطراب میں گذری۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر نماز

Marfat.com

تہجد ادا کی۔ حق تعالیٰ سے نصرت چاہی اور صبح اٹھ کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور لوگوں کو بیعت کے لیے آگے بڑھتے دیکھ کر ان کی بے چینی اور اضطراب میں قدرے سکون ہوا۔ نماز ظہر کے بعد آپ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے جس پر سیدنا ابو بکرؓ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا۔ پھر خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکرؓ کے مناقب و فضائل بیان فرماتے ہوئے لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے:

"لوگو! میں تمہی میں سے ایک ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ رسولؐ کی حکم عدولی گوارا ہوتی تو میں ہرگز یہ منصب قبول نہ کرتا"۔

یہ بات اتنے انکسار سے کہی کہ حاضرین و سامعین کے دلوں میں اتر گئی۔ اب لوگوں کو محسوس ہوا کہ ابو بکرؓ نے عمرؓ کے بارہ میں جو رائے قائم کی تھی وہ بالکل درست تھی اور اپنے بعد انہیں خلیفہ نامزد کر کے انہوں نے بڑی دور اندیشی اور دور بینی سے کام لیا ہے۔ ہر شخص اب ان کی تعریف کرنے لگا۔ لوگوں کی تعریف میں اور اضافہ ہو گیا جب انہوں نے دیکھا کہ سیدنا عمرؓ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہہ رہے ہیں:

"اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم فرما، میں کمزور ہوں مجھے قوت عطا فرما، اے اللہ! میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے"۔

یہ کہہ کر عمرؓ تھوڑی دیر خاموش ہو گئے۔ اب ہر نگاہ ان کی طرف اٹھ رہی تھی اور ہر شخص ان کی طرف ہمہ تن گوش تھا۔ جب تمام مجمع پر سکوت کی چادر چھا گئی تو فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے میرے دو رفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی رکھ کر میرے ساتھ تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا ہے۔ بخدا! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا، اسے میرے سوا کوئی اور طے نہ کرے گا اور جو میری نگاہوں سے دور ہو گا اس میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق کفایت و امانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی کے ساتھ پیش آئے تو میں انہیں سزا دوں گا"۔

سیدنا عمرؓ نے اپنا خطبہ ختم کیا اور منبر سے اتر کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کو خطاب کیا اور انہیں مثنیٰ کے ساتھ عراق جانے کی دعوت دی۔ لوگوں نے جب سیدنا عمرؓ کی یہ دعوت سنی تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اور کسی نے اس

اپیل کا کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی یہ واقعہ ہو چکا تھا جب ابو بکرؓ نے لوگوں کو شام پر حملہ کی دعوت دی تھی اور لوگوں نے اس دعوت کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے جب انہیں ڈانٹا کہ تم خلیفہ رسول کی اپیل کا کیوں جواب نہیں دے رہے۔ تب کہیں انہوں نے اس دعوت کا جواب دیا تھا اور رُومیوں کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے۔ سیدنا عمرؓ کی یہ دعوت عرب کے زعماء اور اہل الرائے کے نزدیک معمولی نہ تھی۔ لیکن یہ لوگ آپ کی دعوت کا کوئی جواب نہ دے رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سیدنا عمرؓ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور سر جھکا لیا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے اور سیدنا عمرؓ نے ساری رات غور و فکر میں گذار دی۔ صبح مسجد میں آکر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور لوگوں کو حکم دیا کہ مرتدین کے غلام اور ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیا جائے کیونکہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عربوں میں غلامی کی رسم قائم ہو۔ لوگوں نے یہ حکم سنا تو ان کی نگاہیں سیدنا عمرؓ کے چہرے پر جم گئیں۔ کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ سیدنا ابو بکرؓ کے حکم کی مخالفت ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے اس حکم سے قبائل عرب کی تالیفِ قلب کر لی تھی۔ اور اپنی سختی سے نفرت کرنے والوں کے دلوں کو جیت لیا تھا۔

تیسرے روز جب وہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ ان کی بیعت سے فارغ ہو گئے (یاد رہے کہ تین چار روز تک لوگ آ آکر سیدنا عمرؓ کی بیعت کرتے رہے) تو آپ نے اٹھ کر حاضرین سے فرمایا:

"عرب کی مثال ایک نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے۔ وہ اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جاتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! میں انہیں راہِ راست پر لا کر چھوڑوں گا۔"

نگاہیں اور بھی آپ کے چہرہ پر جم گئیں، لیکن سیدنا عمرؓ بھی نہایت مردم شناس تھے۔ آپ نے ان کے چہروں کو پڑھ لیا۔ جب لوگ نماز ظہر کے لئے مسجد میں جمع ہوئے تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے ہیں اور میری درشتی سے کانپتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عمرؓ اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔ پھر وہ اس وقت بھی ہم سے سختی کا برتاؤ کرتا تھا جب ہمارے اور ان کے درمیان ابو بکرؓ حائل تھے۔

Marfat.com

اب کیا ہو گا جب کہ تمام معاملات کی زمام اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو بھی یہ کہتا ہے' درست کہتا ہے......... مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور ادنیٰ خادم تھا۔ اور کوئی نہ تھا جو نرمی اور رحم دلی میں آپ کے درجہ کو پہنچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ وہ مومنین کے لئے راحت و رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ بارگاہِ نبوت میں میری حیثیت ایک برہنہ تلوار کی تھی۔ جب حضور علیہ السلام چاہتے مجھے نیام میں فرمالیتے اور جب چاہتے اذنِ کار عطا فرمادیتے ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ حضور علیہ السلام آخر وقت تک مجھ سے راضی اور خوش رہے۔ اس سعادت پر مجھے فخر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر فراواں ادا کرتا ہوں۔

"سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی زمام کار سیدنا ابوبکرؓ کے ہاتھ میں آئی جن کے تحمل اور نرمی اور قوتِ برداشت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں ایک برہنہ شمشیر تھا جسے وہ نیام میں کر لیتے تھے یا اپنا کام کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ میں اسی طرح ان کے ساتھ بھی رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اپنی طرف بلالیا۔ وہ بھی آخر دم تک مجھ سے خوش اور راضی تھے"۔

"اور اے لوگو! اب تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ سختی اب نرمی میں تبدیل ہو گئی ہے' لیکن ان لوگوں کے لیے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو امن و سلامتی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں' ان کے لیے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی کرے گا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگا دوں' اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں۔ یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اپنی اس تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لیے میں خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔"

"لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا

Marfat.com

ہوں۔ اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کر لو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے' کوئی شئے ناحق نہ لوں۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کر دوں۔ اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہداشت کروں"۔

"اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو' مجھ سے درگذر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو" اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں' ان سے متعلق مجھے بتاؤ۔ میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں"۔

اس خطبہ کے بعد سیدنا عمرؓ منبر سے اترے اور لوگوں کو نماز پڑھا کر مسجد سے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن خالی الذہن نہیں بلکہ جو کچھ عمرؓ نے کہا وہ سب کچھ ان کے ذہن و دماغ میں موجود تھا۔ اب وہ ان سب پر غور و فکر کرنے لگے۔ انہیں یہ پتہ تھا کہ عمرؓ کا ظاہر و باطن یکساں ہے اور دل و زبان کی ہم آہنگی میں وہ تمام صحابہ کرامؓ میں مشہور ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ سیدنا عمرؓ اپنی سختی اور درشتی کے باوجود معدلت کیش اور انصاف پسند انسان ہیں۔ عمرؓ کی ایک ایک بات پر وہ غور و فکر کر رہے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ جو دارالخلافہ میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے' انہوں نے محسوس کیا کہ سیدنا عمرؓ کی تقریر لوگوں کے دلوں میں اتر گئی ہے۔ وہ ان کی خلافت سے مطمئن ہیں اور عمرؓ کی سختی اور درشتی کا خوف ان کے دلوں سے دور ہو رہا۔ لیکن اب ان کے دلوں میں صرف اندیشہ ہے کہ ایران اپنے غیر معمولی اقتدار اور شوکت و عظمت کے دبدبہ اور غلبہ استیلاء کی وجہ سے ان کے لیے ایک ہوّا سا بنا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ خود تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور حاضرین سے یوں گویا ہوئے :۔

"لوگو! ایران کو ہوّا نہ سمجھو۔ ہم اس کے سبزہ زاروں کے قلب میں بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس کے بہترین حصے پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہم اس کے ملک میں آدھے کے شریک ہیں اور یہ حصہ ہم نے انہی سے حاصل کیا ہے۔ ہم میں سے جو

Marfat.com

کوئی ان کے مقابلہ پر آیا ان پر دلیر ہوا اور انشاءاللہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا"۔

مثنیٰ کی باتوں نے حاضرین پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ اور حاضرین بھی ان دونوں حضرات کی تقریروں سے بہت متاثر ہوئے۔ اب ہر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ہمت و جرأت سے کام لیں یا احتیاط و گریز پر قائم رہیں۔ اتنے میں سب نے دیکھا کہ ابو عبید بن مسعود بن عمرو ثقفیؓ عراق جانے کے لئے آگے بڑھے۔ وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اس اہم کام کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کے بعد سلیط بن قیسؓ نے آمادگی ظاہر کی۔ ان دونوں حضرات کا اٹھنا تھا کہ پھر لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا اور فوری طور پر مدنی مجاہدین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر گئی۔ جہادِ عراق کے لیے لوگوں کا یہ ذوق و شوق دیکھ کر سیدنا عمرؓ بے حد خوش ہوئے اور ان کا دل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے دھڑکنے لگا۔

مثنیٰ نے جب دیکھا کہ ایک ہزار سے زائد کا لشکر ان کے ساتھ عراق جانے کے لئے تیار ہے تو وہ بھی مطمئن ہوگئے۔ سیدنا عمرؓ نے اب مثنیٰ کو مدینہ طیبہ میں روکے رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ انہیں حکم فرمایا کہ وہ عراق جا کر اپنے لشکر سے جا ملیں اور جب تک یہ کمک نہ پہنچے لڑائی سے گریز کریں۔ چنانچہ جب اس لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو آپ نے ابو عبید بن مسعودؓ سے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بات ماننا اور انہیں مشورہ میں شریک رکھنا۔ جلد بازی سے کام نہ لینا کیونکہ یہ جنگ ہے اور جنگ میں کامیابی و کامرانی اسی کے قدم چومتی ہے جس کی طبیعت میں ٹھیراؤ ہو اور جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہو"۔

جب اس لشکر نے تیاری مکمل کر لی تو ایک دن سیدنا عمرؓ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ابو عبید آئے اور اس لشکر کو جو اسلامی پرچم تلے جمع تھا' عراق لے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ یہ لشکر عراق روانہ ہو گیا۔

مثنیٰ کون ہے؟

یہ مثنیٰ کون ہیں جو کمک حاصل کرنے کے لئے مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایران پر ساسانی خاندان کی حکمرانی تھی۔ نوشیروان عادل کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز سلطنتِ ایران پر تخت نشین تھا۔ اور یہی وہ بدبخت ہے جس نے سرکارِ دو

Marfat.com

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا اور نہایت متکبرانہ انداز میں کہا تھا کہ "میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: "اس نے میرے خط کو نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا" اور پھر وہی ہوا جو آپؐ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ یعنی خسرو پرویز نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کو جو حجاز میں ہے' اس کے یہاں اپنے دو توانا اور مضبوط آدمی بھیج کر اسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کرو۔ باذان نے تعمیل حکم کرتے ہوئے دو آدمی ایک خط دے کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کر دیے۔ جس میں آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان دو آدمیوں کے ساتھ آپ خسرو پرویز کے پاس حاضر ہو جائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے تو ایک نے کہا: شہنشاہ کسریٰ کے رُوبرو پیش ہونے کے لئے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کچھ دھمکی آمیز باتیں بھی آپ سے کیں۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے انہیں جواب دیا کہ کل ملاقات کریں۔

ادھر عین اسی وقت خود خسرو پرویز کے گھرانے کے اندر اس کے خلاف ایک زبردست شعلہ بھڑک رہا تھا جس کے نتیجہ میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں ایرانی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ منگل کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم بذریعہ وحی ہوا۔ چنانچہ اگلے روز صبح جب وہ دونوں ایرانی نمائندے حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اس واقعہ کی خبر دی۔ وہ اس خبر کو بالکل ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس کے ساتھ آپ نے ایک خبر اور دی کہ اپنے بادشاہ کو کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔ تم دونوں اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیر اقتدار ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا' اور تمہیں تمہاری قوم کا بادشاہ بنا دوں گا۔ یہ دونوں جب واپس باذان کے پاس پہنچے تو وہاں ایک خط آیا کہ شیرویہ نے باپ کو قتل کر دیا ہے خسرو پرویز کے مرنے کے بعد دنیا کی اس نہایت قوی' زور آور اور سپر پاور سلطنت میں کچھ اس قسم کی ابتری پھیلی کہ ایوان حکومت متزلزل ہو کر رہ گیا۔ اور ملک میں جا

Marfat.com

جا بدامنی پھیل گئی۔ تھوڑے سے عرصہ میں کئی بادشاہ قتل ہوئے۔ یہاں تک اولاً ذکور میں سے کوئی حکومت کرنے کے قابل نہ رہا اور ایک عورت پوران دُخت کو تخت نشین کیا گیا۔ جب پوران دُخت کے ہاتھ میں حکومت آئی تو اردگرد کے ممالک میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ ایران بے تاج ہو گیا ہے اور اہل ایران ایک عورت کے دَر پر پناہ گزین ہیں۔ چنانچہ قبیلہ بکر بن وائل کے دو شخص جن میں ایک کا نام مثنیٰ بن حارثہ شیبانی تھا اور دوسرے کا نام سُوید بن قطبہ عجلی نے اپنی جمعیت سمیت ایران کی سرحد پر خیمے گاڑ دیئے۔ وہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں پر یورش کرتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا اٹھا کر لے جاتے۔ اگر ان کا تعاقب کیا جاتا تو دور صحرا میں گھس جاتے اور کوئی انہیں پا نہ سکتا۔ مثنیٰ بن حارثہ حیرہ کی جانب سے یورش کرتا جب کہ سوید ابلہ کی طرف سے۔ یہ واقعہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت کا ہے۔ چنانچہ مثنیٰ نے سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی اور خلیفہ اسلام کو یہ اطلاع بھی دی کہ ایرانی بہت کمزور ہو چکے ہیں اور درخواست کی کہ وہ ان کی امداد کے لیے کوئی لشکر روانہ فرمائیں، مثنیٰؓ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ اسلام سے دور تھا اور عیسائیت یا بت پرست تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ کی خدمتِ اقدس سے واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلے کو اسلام کی ترغیب دی اور پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۱) ان نو مسلم لوگوں کی اچھی خاصی جمعیت ساتھ لے کر انہوں نے عراق کا رخ کیا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے مثنیٰ شیبانیؓ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور سیدنا خالد بن ولید سیف اللہؓ کو جو اس وقت تک مانعین زکوٰۃ اور مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کی جنگوں سے فراغت حاصل کر چکے تھے، ان کی مدد کے لئے حیرہ بھیجا اور کہا کہ مثنیٰ اور اس کے لشکر کو ساتھ لے کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہوں۔ چنانچہ سیدنا خالدؓ اور مثنیٰ شیبانیؓ نے اپنے فوجیوں کے ہمراہ پیش قدمی کی اور حیرہ پر دباؤ ڈالا اور نہ صرف حیرہ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر کے اپنی عظمت و فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔ حیرہ کا مقام کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۵-۲۲۶)

عراقی سرحد پر مسلمانوں کی فتوحات نے رومیوں کو ہوشیار کر دیا اور اب وہ بھی مسلمانوں کے مقابلہ کی زور شور سے تیاریاں کرنے لگے، لیکن جس زور شور سے عیسائی لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے، ان کے مقابلہ کا وہاں پورا سامان نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ نے ربیع الثانی ۱۳ھ میں خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین بنا کر خود فوری طور پر شام روانہ

Marfat.com

ہو جائیں۔ خالدؓ امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل میں شام روانہ ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عراقی فتوحات فوری طور پر رک گئیں۔

جب سیدنا عمر بن الخطاب مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے سب سے پہلے مہمات عراق کی طرف توجہ دی اور لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ عراق پر حملہ کے لئے مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ کی مدد کریں۔ جس کا جواب پہلے تو لوگوں نے نہایت سرد مہری سے دیا لیکن بعد میں جب سیدنا عمرؓ اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ دونوں نے مل کر ترغیبِ جہاد دی تو ایک ہزار سے زائد آدمی لشکر میں جانے کے لئے تیار ہو گئے جس کا تذکرہ ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ اور ابو عبید ثقفیؓ نے سب سے پہلے اٹھ کر کہا کہ "اَنَا لِهٰذَا" اس کام کے لئے میں حاضر ہوں۔ یہ تھا مختصر سا تعارف مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کا۔

Marfat.com

ابو عبید سر زمین عراق میں

سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اہل مدینہ کو جو عراق پر حملہ کی دعوت دی اس پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے ابو عبید بن مسعود ثقفیؓ تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نے انہیں امیر لشکر بنایا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی فوج تیار کر کے مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ کی امداد کے لئے عراق روانہ ہو جائیں مثنیٰ بن حارثہؓ کو سیدنا عمرؓ نے پہلے ہی عراق بھیج دیا تھا تاکہ وہ عراق کی موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لیں اور ایرانیوں پر حملہ کرنے کی تدبیر کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ جب تک کمک نہ پہنچے لڑائی شروع نہ کریں۔ مثنیٰ راستہ ہی میں اپنے ذہن میں جنگ کا پلان بناتے ہوئے اور منزل بہ منزل اپنا راستہ طے کرتے ہوئے عراق میں اپنے ہیڈ کوارٹر حیرہ پہنچے۔ حیرہ پہنچ کر ان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ امرائے ایران کا کیا حال ہے؟ انہیں ایران کے تمام حالات سے باخبر کیا گیا لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی اپنی فوج میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اکیلے کسریٰ کی فوجوں کا مقابلہ کر سکے، لہٰذا ابو عبیدؓ کی کمک کا وہ انتظار کرنے لگے پھر سیدنا عمرؓ کی ہدایت بھی انہیں یہی تھی کہ ابو عبیدؓ کی کمک کا انتظار کرنا۔ اکیلے دشمن پر حملہ نہ کرنا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ابو عبیدؓ ایک ماہ تک مدینہ طیبہ میں اپنی فوج اور اس کی روانگی کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو سیدنا عمرؓ سے روانگی کی اجازت چاہی۔ سیدنا عمرؓ نے اجازت تو دے دی لیکن دوبارہ ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے رہنا اور انہیں اپنے کاموں میں شریک رکھنا (یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ابو عبید کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا

Marfat.com

شرف حاصل نہ تھا' اس لیے بعض لوگوں کو ان کی امارت پر اعتراض تھا' لیکن سیدنا عمرؓ نے معترضین کے اعتراض کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا تاہم چونکہ صحابہ کرامؓ کی دلجوئی ضروری تھی لہٰذا ابو عبیدؓ کو ہدایت فرمائی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا) ابو عبیدؓ کی فوج میں سلیط بن قیسؓ ایک نہایت تجربہ کار اور جری سپاہی تھے۔ ان کے بارہ میں بھی فرمایا کہ ان کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا۔ غرضیکہ ابو عبیدؓ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ان کی منزل حیرہ تھی۔ جب وہ حیرہ پہنچے تو پتہ چلا کہ مثنیٰ شیبانی حیرہ سے نکل کر خفان پہنچ گئے ہیں جو صحرا کی حدود پر واقع ہے۔

سیدنا ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت کی مہمات نے جن میں سیدنا خالد بن ولیدؓ پیش پیش تھے ایرانیوں کو ہوشیار کر دیا۔ چنانچہ انہوںؓ نے فوجی تنظیم نو کی۔ پوران دُخت نے جو اس زمانہ میں ایران کی حکمران تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت بہادر اور مدبر' معاملہ فہم پہلوان تھا' ایرانی سپاہ کا وزیر جنگ مقرر کر دیا۔ نہ صرف اسے وزیر جنگ مقرر کیا بلکہ پورے ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ اس نے اس کے سر پر تاج شاہانہ رکھا اور تمام اعیان اور امراء سلطنت کو تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی بھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اس سے قبل اپنے تشتت و انتشار کے نتائج دیکھ چکے تھے' اس لیے انہوں نے اب دل و جان سے احکام کی اطاعت کرنا شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں تمام افرا تفریاں اور ملکی بدانتظامیاں ختم ہو گئیں اور ایرانی سلطنت میں پھر وہی قوت پیدا ہو گئی جو خسرو پرویز یا اس سے قبل کے زمانہ میں تھی۔

رستم نے وزیر جنگ ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایرانیوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکایا۔ جاگیرداروں اور بڑے بڑے امراء سلطنت کو ایک فرمان کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف حملہ کے لئے اکٹھا کیا۔ ملک کے گوشے گوشے میں اپنے نقیب روانہ کئے۔ اس طریقہ سے اس نے سارے ایران میں ایک آگ سی لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے خلاف متفق و متحد ہو گئی۔ اسی کے نتیجہ میں سیدنا ابو عبید ثقفی کے عراق پہنچنے سے پہلے مفتوحہ عراق کے کئی شہر بغاوت کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔

ان سب چیزوں سے فارغ ہو کر اس نے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور مثنیٰ کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ سیدنا مثنیٰ شیبانیؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ ایرانی فوج بہت زیادہ ہے اور مسلمان اس کا مقابلہ نہیں

Marfat.com

کرسکتے' حیرہ چھوڑ کر خفان آگئے جہاں مسلمانوں کی فوج پر پشت کی طرف سے حملہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سیدنا مثنیٰ ابھی خفان ہی میں تھے کہ سیدنا ابو عبیدؓ بھی آکر مثنیٰ سے مل گئے۔ خفان میں ابو عبیدؓ نے اپنی فوج کو چند روز آرام کرنے کا حکم دیا' مقصد یہ تھا کہ ایک تو فوج کی تکان دور ہو جائے اور دوسرے دشمن سے مقابلہ کرنے کا کوئی مناسب لائحہ عمل تیار کرلیا جائے۔

وزیرِ جنگ رستم کے مشورہ سے پوران دُخت نے ایرانیوں کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد کے لئے سپہ سالار مقرر کیا۔ جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عربوں سے اس کو ایک خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ ایران کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض قدیم اضلاع اس کی جاگیر تھے۔ ان دونوں سپہ سالاروں کی زیر کمان رستم نے مدائن سے دوسرے لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے۔ ایک لشکر کی قیادت جابان کررہا تھا جسے حکم تھا کہ وہ دریائے فرات کے کنارے کنارے چل کر حیرہ پہنچے۔ جب کہ دوسرے لشکر کی کمان نرسی کے سپرد تھی اور اسے ہدایت تھی کہ وہ فرات اور دجلہ کے درمیان "کسکر" میں قیام کرے۔

سیدنا ابو عبیدؓ مدینہ طیبہ سے چار ہزار کی جمعیت لے کر نکلے تھے لیکن راستہ میں اور بہت سے لوگ ان کے لشکر میں شامل ہو گئے جس سے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ خفان میں مثنیٰ شیبانی کا لشکر بھی ان کی فوج میں مل گیا۔ اب حیرہ اور قادسیہ کے مابین "غارق" کے مقام پر ان دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف کی فوجیں جان توڑ کر لڑیں اور ایک قیامت خیز جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابو عبیدؓ کو دشمن پر فتح نصیب فرمائی۔ جابان کی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھوں شکست فاش کھائی۔ جوشن شاہ اور مردان شاہ دونوں میدانِ کارزار میں کام آئے۔ جابان بھی گرفتار ہو گیا لیکن جس شخص نے اسے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جابان نے اس سے کہا: "اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں۔ تم مجھے چھوڑ دو اور اس کے عوض میں نوجوان اور پھرتیلے غلام لے لو" اس مسلمان نے اس پیش کش کو منظور کرلیا۔ اب اس نے کہا: "مجھے اپنے امیر کے پاس لے چلو تاکہ بات پکی ہو جائے" وہ شخص اسے ابو عبیدؓ کے پاس لے آیا اور جو بات ان دونوں میں طے ہوئی تھی اس کو ابو عبیدؓ نے پختہ کردیا۔ اتنے میں چند مسلمان وہاں آگئے انہوں نے جابان کو پہچان لیا۔ انہوں نے ابو عبید سے کہا: "اسے قتل کردیں' یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار

Marfat.com

جابان ہے"۔ ابو عبیدؓ نے جواب دیا: ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے اس لیے اب یہ قتل نہیں کیا جا سکتا۔"

جابان کے اس لشکر کی اطلاع پوران دُخت اور رُستم دونوں کو ہو گئی۔ رُستم نے ایک اور ایرانی جرنیل جالینوس کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے جائے اور "کسکر" میں نرسی سے جا ملے۔ جالینوس یہ حکم پا کر فوری طور پر منزل مقصود کی جانب روانہ ہو گیا' لیکن سیدنا ابو عبیدؓ نے اس سے بھی زیادہ عجلت سے کام لیا اور جابان کی شکست کے فوراً بعد اپنے لشکر کو حکم دیا کہ نرسی کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سے قبل کہ جالینوس "کسکر" پہنچے کسکر کے قریب ایک مقام "سقاطیہ" پر نرسی اور ان سپاہیوں کے مقابل صف آرا ہو گئے جو غارق کی جنگ سے فرار ہو کر نرسی کی فوج سے جا ملے تھے۔ دونوں فوجوں میں خوب مقابلہ ہوا۔ نرسی بھی جابان سے زیادہ مسلمان فوجوں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور بے شمار ساز و سامان چھوڑ کر اپنی فوج کے ساتھ فرار ہو گیا۔ اتنے میں جالینوس کی فوج بھی پہنچ گئی۔ ابو عبیدؓ کے لشکر نے اس کو بھی شکست فاش دی۔ اور نرسی کی طرح جالینوس بھی میدان جنگ سے ایسا بھاگا کہ مدائن پہنچ کر ہی دم لیا۔

ایرانیوں کے لئے یہ شکست ذلت آمیز تھی کیونکہ اس میں ان کے دو بڑے جرنیل مارے گئے' چنانچہ ان کی اس ذلت کی تشہیر کے لئے اور لوگوں کے دلوں سے ایرانیوں کا ہوا نکالنے کے لئے سیدنا ابو عبیدؓ نے اپنی فوج کے افسروں بالخصوص مثنیٰ شیبانیؓ کو بھیجا کہ عراق کی سرزمین میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائیں جس سے عراقیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی جرأت و ہمت کی دھاک بیٹھ گئی اور ان کے ذہنوں خالد بن ولیدؓ کے کارناموں کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے جاگیرداروں اور امراء نے ابو عبیدؓ سے اپنی مخالفانہ کارروائیوں کی معافی چاہی۔

سقاطیہ کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے شمار مال غنیمت آیا جس میں کھانے پینے کے سامان کی بہتات تھی۔ اس سامان میں اچھی قسم کی کھجوریں بھی تھیں جن کو ایران کے بادشاہ نہایت رغبت سے کھاتے تھے۔ یہ کھجوریں مسلمانوں اور ایران کے غریب کسانوں میں بھی تقسیم کی گئیں اور ان کا خمس نکال کر مدینہ طیبہ بھیجا گیا اور ساتھ ہی لکھا گیا کہ:

"اللہ نے ہمیں مرغوب غذائیں عطا فرمائی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرات بھی ان سے بہرہ ور ہوں اور اللہ کے فضل و انعام کو یاد کریں"۔

Marfat.com

بعض روایات میں ہے کہ ایرانیوں کی اس ذلت آمیز شکست کے بعد فرخ اور فراونداد جو باروسما اور زوابی کے امراء تھے' اسلامی لشکر کے اطاعت گذار ہو گئے۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے اظہار خلوص کے لئے نہایت عمدہ ایرانی کھانے پکائے اور ابو عبیدؓ کی خدمت میں پیش کیے۔ ابو عبیدؓ نے پوچھا: "کیا تمام لشکر کے لیے ایسے ہی لذیذ کھانوں کا انتظام کیا گیا ہے؟" جواب دیا گیا: "نہیں"۔ یہ جواب سن کر ابو عبیدؓ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا: "لے جاؤ' ہمیں ان کھانوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابو عبیدؓ کتنا برا آدمی ہوگا اگر وہ اکیلے یہ کھانے کھالے اور اپنے ان بھائیوں کو نہ پوچھے جو اس کی خاطر اپنا خون بہا رہے ہیں۔ خدا کی قسم' جب تک سارے مسلمانوں کو یہی کھانا نہ ملے گا' ابو عبید اس کو ہاتھ نہیں لگائے گا"۔ چنانچہ وہ کھانے ان کو واپس کر دیے گئے۔

معرکہ جسر

رُستم ایک نہایت مغرور اور متکبر آدمی تھا۔ وہ ایرانی فوجوں کی شکست سے نہایت مضطرب تھا جس میں اس کے قابل ترین کمانڈر مارے گئے اور نرسی اور جابان گرفتار ہو گئے۔ لہٰذا اس نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا۔ چنانچہ اس نے مردان شاہ کو جس کو نوشیرواں نے اس کے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا ہوا تھا' ایک بہت بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ بھگوڑے جالینوس کو اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور اسے ڈانٹ کر کہا کہ اگر تم نے اب کی بار بھی اپنی بزدلی کا مظاہرہ کیا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ اس سے رستم اس جنگ کی اہمیت بتانا چاہتا تھا۔ اس لشکر کے آگے درفش کاویانی تھا جو چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا اور اس کا طول بارہ ہاتھ تھا اور جو کئی ہزار سال سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آرہا تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ تصور کیا جاتا تھا' اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ ابو عبیدؓ پہلے سے اپنے لشکر کے ساتھ قس الناطف نامی ایک گاؤں میں پہنچ گئے تھے۔ بہمن (مردان شاہ) اپنی فوج کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور ابو عبیدؓ دوسرے کنارے پر، ان دونوں کے درمیان دریا حائل تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم دریا کے اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں؟ ابو عبیدؓ کے تمام سرداروں اور ساتھیوں نے کہا کہ ہم کو دریا پار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسی طرف ہی رہنا چاہئے اور ایرانیوں کو دریا عبور کرنے کا موقع دینا چاہئے' لیکن ابو عبیدؓ نے اس میں بزدلی محسوس کی اور کہا: "وہ ہم سے زیادہ موت پر دلیر نہیں ہیں' دریا ہم عبور کریں

Marfat.com

گے"۔ سلیط بن قیسؓ اور دوسرے اکابر نے اس بات کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ "عربوں کو آج تک اتنے بڑے ایرانی لشکر سے واسطہ نہیں پڑا۔ وہ زبردست تیاری کر کے آئے ہیں۔ اور ان کے سینوں میں گذشتہ شکستوں کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور یہ جگہ جہاں ہم اس وقت ہیں ہر لحاظ سے موزوں ترین جگہ ہے" لیکن ابو عبیدؓ نے کہا: "بخدا! یہ میری بزدلی ہو گی"۔

بعض روایات میں ہے کہ مردان شاہ کا جو قاصد پیغام لے کر آیا تھا اس نے کہا کہ ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مرد میدان نہیں ہیں" اس جملہ نے اور بھی اشتعال پیدا کر دیا۔

ابو عبیدؓ اس وقت کچھ اتنے جذباتی ہو گئے کہ انہوں نے نہ تو اپنے رفقاء کی کوئی بات مانی اور نہ ہی سیدنا عمرؓ کی نصیحت کا کوئی خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے ضرور مشورہ کرنا اور انہیں اپنے کاموں میں شریک رکھنا اور سلیطؓ کو خاص اہمیت دینا۔ پھر سیدنا عمرؓ کے اس قول کو بھی انہوں نے گلدستہ طاق نسیان بنا دیا جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "تم ایک ایسی سرزمین کی طرف جا رہے ہو جو مکر و فریب اور دغابازی اور خیانت سے بھری ہوئی ہے اور جس میں ایک ایسی قوم آباد ہے جو شر کی ماہر اور خیر سے یکسر نابلد ہے۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ سیدنا عمرؓ نے سلیطؓ کو اس لیے امیر لشکر نہیں بنایا تھا کہ وہ عجلت کار ہیں۔ اور جب تک کوئی مجبوری نہ ہو عجلت جنگ میں ہمیشہ تباہ کن ہوتی ہے۔ بہر حال ابو عبیدؓ نے دریا عبور کرنے کا حکم دیدیا۔ حکم ملتے ہی افسران فوج نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ تمہاری اس رائے اور حکم پر عمل کرنے سے تمام فوج ہلاک و برباد ہو جائے گی لیکن اس وقت چونکہ تم امیر ہو اور امیر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ مختصر یہ کہ کشتیوں کا پل باندھا گیا اور "مروحہ" کے مقام پر دریا کو عبور کیا گیا۔ سیدنا سلیط بن قیسؓ دریا عبور کرنے والوں میں سب سے آگے تھے۔

مسلمانوں نے ابھی دریا عبور کیا ہی تھا کہ دشمن نے حملہ کر دیا اور انہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ دیا۔ ایرانی فوج کے آگے ہاتھیوں کی قطار تھی جو نہایت مہیب اور دیو پیکر تھے۔ ان کے گلوں میں گھنٹے لٹک رہے تھے اور بڑے زور شور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں پہنے ہوئے بالکل صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے ایسا ہیبت ناک نظارہ اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا اس وجہ سے وہ بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابو عبیدؓ نے یہ حال دیکھا تو اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور ان کا کودنا تھا کہ دوسرے سوار بھی اپنے گھوڑوں سے نیچے کود کر دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اور اتنی

Marfat.com

بے جگری سے لڑے کہ چھ ہزار ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن ہاتھیوں کی قطاریں جس طرف رخ کرتیں صفوں کی صفیں الٹ دیتیں۔ اب ابو عبیدؓ نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا کہ ہودوں کی رسیاں کاٹ کر سواروں سمیت الٹ دو۔ مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسا ہی کیا اور تمام فیل نشینوں کو زمین پر گرا دیا۔ اب معاملہ گتھم گتھا کا ہو گیا کبھی مسلمان ایرانیوں کی صفوں میں گھس جاتے اور کبھی ایرانی مسلمانوں کی صفوں میں۔ گویا کہ ایک عجیب عالم رستاخیز تھا۔

تمام لشکر پریشان تھا لیکن سب سے زیادہ پریشان اور مضطرب ابو عبیدؓ تھے۔ اب انہیں احساس ہو رہا تھا سلیطؓ اور دوسرے اہل الرائے حضرات کا مشورہ قبول نہ کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ اب وہ کسی نہ کسی طرح اس کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر اسلامی لشکر شکست سے دوچار ہو گیا تو اس شکست کی ساری ذمہ داری ان پر ہو گی۔ للذا وہ خود بھی جان توڑ کر لڑ رہے تھے اور لشکر کو بھی لڑوا رہے تھے۔ وہ بہر صورت شکست کی ندامت سے بچنا چاہتے جو قیامت تک ان کا دامن نہ چھوڑے گی۔ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک کوہ پیکر سفید ہاتھی دائیں بائیں اپنی سونڈ سے صفوں کو الٹ رہا ہے۔ ابو عبیدؓ نے آگے بڑھ کر اس ہاتھی کی سونڈ پر ایسا بھر پور وار کیا کہ ہاتھی کی مستک تو الگ ہو گئی اور وہ بڑے زور سے چنگھاڑا لیکن ساتھ ہی اس نے آگے بڑھ کر ابو عبیدؓ کو اپنے پاؤں تلے ایسا کچلا کہ ہڈیاں تک چور ہو گئیں۔ ابو عبیدؓ پہلے ہی وصیت کر چکے تھے کہ اگر میں لڑائی میں کام آجاؤں تو میرے قبیلے کے فلاں فلاں سات آدمی علی الترتیب فوج کی قیادت کریں۔ چنانچہ ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا۔ ہاتھی پر حملہ کیا لیکن ہاتھی نے ابو عبیدؓ کی طرح اسے بھی اپنے پاؤں سے کچل کر شہید کر دیا۔ چنانچہ یہ ساتوں آدمی باری باری قیادت سنبھالتے اور شہید ہوتے گئے۔ اس بات نے مسلمانوں کے حوصلے کچھ پست کر دیے۔

طبری اور دوسرے کئی مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ابو عبیدؓ کی بیوی دومہ نے جو اس وقت ان کے ساتھ "مروحہ" میں تھیں' ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک شخص شرابِ طہور کی صراحی لئے آسمان سے اترا ہے ابو عبیدؓ اور بنو ثقیف کے چند ایک لوگوں نے اس صراحی سے شراب پی ہے۔ صبح دومہ نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے سن کر کہا اس کی تعبیر شہادت ہے اور پھر ابو عبیدؓ نے اپنے نائبین کو نامزد کیا۔

مسلمانوں کی فوج میں کچھ عجیب افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا۔ حوصلے پست ہو گئے

Marfat.com

مقابلے کی قوت نہ رہی' صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اور ان میں سے اکثر اپنی جان بچانے کے لئے پل کی طرف بھاگنے لگے۔ اس نازک صورت حال میں مثنیٰ نے آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لیا۔ اب وہ ایرانیوں پر فتح پانے کے بجائے اس کوشش میں لگ گئے کہ مسلمان نظم و ترتیب کے ساتھ دریا پار کر کے مروحہ پہنچ جائیں۔ وہ ابھی واپسی کی راہ سوچ ہی رہے تھے کہ عبداللہ بن مرثد ثقفی نے پل کی ابتدائی کشتیاں توڑ دیں اور چلا کر کہا: "مسلمانو! اپنے قائدین کے نقش قدم پر چل کر جان دے دو یا پھر دشمن پر فتح حاصل کرو" عبداللہ بن مرثد کی اس جذباتی حرکت سے مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب انہوں نے گھبرا گھبرا کر دریا میں چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔ جس نے بے صبری سے کام لیا وہ غرق ہو گیا۔ اس افراتفری نے مثنیٰ کو اور پریشان کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے بلند آواز سے کہا!"لوگو! میں دشمن کو روکے کھڑا ہوں تم اطمینان سے پل تیار کر کے دریا عبور کر لو"۔ مسلمانوں کے اوسان کچھ درست ہوئے اور انہوں نے کشتیاں جوڑ کر پل دوبارہ درست کیا اور مسلمانوں نے دریا عبور کرنا شروع کر دیا مثنیٰ ایرانیوں کا آگا روکے کھڑے تھے اور بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک نیزہ آ کر انہیں لگا۔ مثنیٰ زخم کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس سے مسلمانوں کو دریا عبور کرنے کی مہلت مل گئی اور وہ اطمینان سے مروحہ پہنچ گئے۔ جب تمام فوج پل عبور کر چکی تو اب وہ بھی پیچھے ہٹے۔ اس دوران میں سلیط بن قیسؓ بھی شہید ہو گئے اور ان کا خون بھی اس میدان کی خاک میں جذب ہو گیا جس نے ہزاروں مسلمانوں کے خون کو اپنی آغوش میں جذب کیا تھا۔

دریا کے پار جا کر جو حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی ہے اور چھ ہزار نے اپنی جان اللہ کے رستہ میں دے دی ہے۔ اس سے قبل اتنی تعداد میں مسلمان کسی بھی جنگ میں شہید نہ ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔

مسلمان دریا عبور کر کے "مروحہ" تو پہنچ گئے' لیکن دشمن کے تعاقب کا خطرہ لاحق تھا۔ چنانچہ وہ اپنی باقی ماندہ فوج کو لے کر حیرہ آ گئے اور یہاں سے جنوب کی طرف الیس کے مقام پر جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے خطرہ کو اس طرح ٹال دیا کہ بہمن کو اطلاع ملی: مدائن میں ایرانیوں کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ رستم کے ساتھ ہے اور دوسرا اس کے حریف فیروزان کے ساتھ۔ یہ سنتے ہی بہمن اپنی فوج لے کر مدائن روانہ ہو گیا

Marfat.com

اور جابان اور مردان شاہ کو تھوڑی سی فوج دے کر چھوڑ گیا۔ یہ دونوں ایرانی سردار مثنیٰ کے تعاقب میں چلے لیکن الیس کے باشندوں نے مثنیٰ کو ایرانی امراء کے تازہ ترین اختلاف سے آگاہ کر دیا اور مثنیٰ الیس کے باشندوں کی کثیر جمعیت لے کر ان پر حملہ آور ہو گئے۔ جابان، مردان شاہ اور ان کے کئی اور ساتھی گرفتار ہوئے اور ان سب کی گردنیں ماردی گئیں۔

معرکہ جسر سے بھاگنے والوں میں سب سے پہلے جو صاحب مدینہ پہنچے وہ عبداللہ بن زیدؓ تھے۔ سیدنا عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو ان پر نظر پڑی۔ آواز دے کر پوچھا: کہو' عبداللہ کیا خبر لائے ہو؟ عبداللہؓ سیدنا عمرؓ کے پاس گئے اور ساری سرگذشت سنادی۔ سیدنا عمرؓ نے پریشانی کا بالکل اظہار نہیں فرمایا۔ انتہائی صبر و تحمل سے سارے واقعات سنے۔ جو مسلمان معرکہ جسر میں بھاگ کر آئے تھے' وہ مارے شرم کے مدینہ میں داخل نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا۔ چنانچہ اس معرکہ میں جو لوگ بھاگے وہ عرصہ تک خانہ بدوش پھرتے رہے۔ کچھ لوگ ہمت کر کے مدینہ میں آگئے تھے' اول تو وہ گھروں سے باہر نہ نکلتے اور اگر نکلتے تو ان کی گردنیں شرم و ندامت کے بوجھ سے جھکی رہتی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمرؓ کو ان پر رحم آگیا۔ وہ لوگوں کو ان پر طنز و ملامت سے منع کرنے لگے۔ فرماتے تھے: "یا اللہ! میں تمام مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں۔ جس کسی نے دشمن سے مقابلہ کیا اور کوئی تکلیف اٹھائی اس کی تلافی میرے پر ہے۔ مسلمانو! ڈرو نہیں۔ تم میرے پاس آئے ہو میں تمہارا ذمہ دار ہوں" بنی نجار کے ایک قاری معاذ نامی تھے۔ وہ بھی معرکہ جسر میں بھاگ کر آئے تھے' وہ قرآن حکیم کی وہ آیت پڑھتے جس میں " او متحیزاً الی فئیۃ" کے الفاظ آئے ہیں تو خوب روتے یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ جاتی۔ سیدنا عمرؓ ان کو تسلی دیتے اور فرماتے معاذ! روؤ نہیں۔ تم میرے پاس بھاگ کر آئے ہو' تمہارا ذمہ دار میں ہوں۔ سیدنا عمرؓ کے اس روّیہ نے لوگوں کو بہت متاثر کیا کیونکہ وہ اتنے سخت اور درشت آدمی سے اس قسم کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ آپؓ ان کے پشت پناہ بن گئے۔ ان کو اپنی مہربانیوں سے نوازتے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ ان کے ننگ ہزیمت کی شدت احساس ختم ہو کیونکہ وہ کمزوروں کے لیے سراپا لطف و احسان تھے۔

علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۳ھ بروز ہفتہ وقوع پذیر ہوا اور اس میں نامور صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات شہید ہوئے ان میں کچھ یہ ہیں۔ سیدنا سلیط بن قیسؓ

Marfat.com

سیدنا ابو زید انصاریؓ، عقبہؓ و عبداللہ پسران قبطی بن قیس، سیدنا یزید بن قیس انصاریؓ، سیدنا ابو امیہ انفرازی وغیرہ، لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ شعبان ۱۴ ھ کا بیان کیا ہے۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ طبری جلد ۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۔۲۸ وغیرہ)

معرکہ بویب

معرکہ جسر کی شکست نے مسلمانوں کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچایا۔ اگرچہ اس کے بعد سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ نے جابان اور مردان شاہ کی فوج کو الیس میں شکست فاش دی لیکن اتنی چھوٹی سی شکست کسریٰ جیسی سپر پاور کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ مثنیٰ نے اپنی فوج کو قلعہ بند ہو کر کچھ دن بستانے کے لئے چھوڑ دیا تاکہ یہ تازہ دم ہو جائے۔ مثنیٰ ایک نہایت دور بین اور متحمل مزاج جرنیل تھے۔ انہیں ہر وقت خطرہ تھا کہ ایرانی ان پر پہلے سے بڑا حملہ کریں گے جبکہ مسلمانوں کی طاقت ان کے مقابلہ میں پہلے سے کمزور ہے۔ بلکہ اب عراق میں انہیں مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ مدینہ سے کمک آنے میں خاصی مدت درکار ہوتی ہے۔ اس لیے مثنیٰ نے آس پاس کے عرب قبائل میں اپنے نقیب روانہ کئے اور انہیں ایرانیوں کے خلاف لڑائی کی دعوت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قبائل نے مثنیٰ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ایک بہت بڑی فوج ان کے پاس بھیج دی۔ ان لوگوں میں بنو نمیر کے عیسائی بھی تھے جو اپنی قوم کے دوش بدوش لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اب مثنیٰ نے اپنا لشکر الیس سے سماخ میں منتقل کر دیا جو قادسیہ اور خفان کے درمیان عرب کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ دوسری طرف انہوں نے دارالخلافت میں سیدنا عمرؓ کی خدمت میں کمک کے لیے درخواست روانہ کی۔ ادھر سیدنا عمرؓ کو بھی اس بات کا شدید احساس تھا کہ نازک مرحلہ پر اگر مثنیٰ کی امداد نہ کی گئی تو عراق میں مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے تمام عرب میں اپنے خطباء اور نقیب بھیج دیے جنہوں نے جوشیلی اور جذباتی تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے عرب قبائل امنڈ آئے۔ بنو ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر، بنو تمیم کے حصین بن معبد ہزار آدمیوں کا جتھہ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ عدی بن حاتمؓ بھی ایک بہت بڑی تعداد لے کر آئے۔ اسی طرح دوسرے قبائل کے لوگ بھی اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ بارگاہِ خلافت میں پہنچے۔ بنو تغلب کے

Marfat.com

سرداروں نے، جو اگرچہ عیسائی تھے، سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس لیے اس قومی معرکہ میں ہم بھی اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔ غرض کہ مختلف گوشوں سے لوگ کھنچ کھنچ کر مدینہ میں آنا شروع ہو گئے اور ایک جم غفیر یہاں جمع ہو گیا۔

سیدنا ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد دلایا کہ بنو بجیلہ کو جو مختلف قبائل میں بکھرے ہوئے ہیں، یک جا کر دیا جائے، لیکن سیدنا ابو بکرؓ نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ اس وقت ہم بہت مصروف ہیں، ہمیں اس کام میں اس وقت نہ الجھاؤ۔ اتفاق سے اس موقع پر جریر بن عبداللہؓ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں بھی وہی بات کہی جو سیدنا ابو بکرؓ سے کہی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا چنانچہ بنو بجیلہ یک جا کر دیے گئے۔ جب یہ کام ہو گیا تو سیدنا عمرؓ نے جریرؓ سے کہا کہ مثنیٰ کے پاس عراق چلے جاؤ۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن بعد میں وہ عراق جانے پر راضی ہو گئے۔ بنو بجیلہ کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی عراق جانے پر آمادگی ظاہر کی جن میں معرکہ جسر میں بھاگ کر آنے والے پیش پیش تھے۔ اس کے بعد بنو ازد اور بنو کنانہ وغیرہ کے لوگ بھی جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ غرض کہ مختلف قبائل کی ایک بہت بڑی تعداد عراق جانے کے لئے جمع ہو گئی۔

یہ تو عراق اور مدینہ میں مسلمانوں کی کیفیت تھی۔ ادھر مدائن میں ایرانیوں کا بھی عجیب حال تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ عراق میں مسلمانوں کی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں، تو ان کے اوسان خطاء ہو گئے۔ اگرچہ معرکہ جسر میں مسلمانوں کو ایک دفعہ بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن ایرانی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان اس شکست کا انتقام ضرور لیں گے۔ للہذا رستم اور فیروزان دونوں نے مل کر ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مرتب کیا اور اس کی کمان مہران ہمدانی کے سپرد کی۔ مہران بن مہرویہ ہمدانی کو فوج کی کمان سپرد کرنے کی یہ وجہ تھی کہ اس نے عرب میں تربیت پائی تھی، اس وجہ سے وہ عربوں کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ مہران ہمدانی اپنے لشکر کو لے کر اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ معرکہ جسر سے زیادہ بڑی شکست مسلمانوں کو دینی ہے۔

سیدنا مثنیٰ شیبانی کو جب اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا وہ اس وقت سیاخ میں تھے وہاں سے انہوں نے سیدنا جریر بن عبداللہ بجلیؓ اور اپنی مدد کو آنے والے دوسرے قائدین کے نام پیغام بھجوایا: ”اس وقت ہم ایک ایسی صورتِ حال سے دوچار ہیں کہ جب تک آپ

Marfat.com

حضرات نہ پہنچیں ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا آپ حضرات بویب میں آ کر ہم سے جلد از جلد ملئے۔ (بویب جہاں آج کل کوفہ آباد ہے' اس کے قریب ایک مقام تھا) یہ پیغام بھجوا کر آپ نے بھی بویب کا رخ کیا اور دریائے فرات کے کنارے اپنی فوج کو اکٹھا کیا۔ اتنے میں مہران بھی اپنی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فرات کے کنارے پہنچ گیا۔ اب ان دونوں فوجوں کے درمیان صرف دریا حائل تھا۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا مثنیٰؓ نے اپنے لشکر پر نظر دوڑائی۔ انہیں پتہ چلا کہ اس میں بجیلہ اور عرب کے دوسرے مشہور قبائل کے علاوہ بنو نمر اور بنو تغلب کے عیسائی قبائل بھی تھے۔ جو مسلمانوں کی اعانت کے لئے آئے تھے۔ مثنیٰ اپنے لشکر سے مطمئن ہو گئے۔ اب مہران نے اسلامی سپہ سالار مثنیٰ کو پیغام بھیجا کہ یا تم دریا عبور کرو یا ہمیں عبور کرنے کا موقع دو۔ مثنیٰ دریا عبور کرنے کا انجام دیکھ چکے تھے لہٰذا انہوں نے ایرانیوں کو کہلا بھیجا کہ دریا تم عبور کرو۔ چنانچہ ایرانیوں نے دریا کو عبور کیا اور اپنی فوج کو تین صفوں میں مرتب کیا۔ ہاتھی ان کی ہر صف میں تھے۔ ادھر سیدنا مثنیٰ نے بھی اپنے لشکر کو نہایت ترتیب سے صف آرا کیا۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے نامور جانبازوں کی ماتحتی میں دیے۔ میمنہ پر مذعور' میسرہ پر نسیر' پیادہ پر مسعود' والنظیر پر عاصم' گشت کی فوج پر عصمہ مقرر فرمائے۔ جب لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ اپنے سیماب صفت گھوڑے پر سوار ہوئے اور پوری فوج کا چکر لگایا۔ سپاہیوں کو ہدایات دیں' ان کی ہمتیں بڑھائیں اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا: "مجھے امید ہے کہ تم عرب کے دامن شرافت و شجاعت پر دھبہ نہ آنے دو گے' بخدا! آج کے دن مجھے اپنے لیے بھی وہی شئے پسند ہے جو تم سب کے لئے پسند ہے"۔

یہ جنگ رمضان میں ہوئی اس لئے بعض بعض مجاہد روزے سے تھے سیدنا مثنیٰ شیبانیؓ نے انہیں روزہ افطار کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ انہوں نے روزہ افطار کر لیا۔ یکایک مثنیٰ نے دشمن کی فوج میں ایک شور سنا۔ مثنیٰ نے اپنی فوج سے کہا: یہ بزدلانہ شور ہے۔ تم خاموش رہو۔ اگر بات کرو بھی تو سرگوشی کے انداز میں۔ تمام لشکر نہایت توجہ اور خاموشی سے مثنیٰ کی باتیں سن رہا تھا۔

اسلامی فوج کا یہ قاعدہ تھا کہ رئیس لشکر تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتھیاروں سے آراستہ ہو جاتی' دوسری تکبیر پر ہتھیار تول لیتے اور تیسری تکبیر پر حملہ

کردیا جاتا۔ مثنیٰ نے ابھی پہلی تکبیر کہی تھی کہ ایرانیوں نے تیزی سے اسلامی فوج پر حملہ کردیا۔ مسلمان یہ دیکھ کر ضبط نہ کرسکے اور کچھ لوگ حملہ کرنے کے لیے صف سے آگے نکل آئے۔ مثنیٰ نے غصہ میں آکر کہا: "خدا کے لئے اسلام کو رُسوا نہ کرو"۔ یہ سن کر وہ لوگ فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ اب مثنیٰ نے تکبیریں کہیں۔ چوتھی تکبیر پر اسلامی فوجوں نے دشمن پر حملہ کردیا۔

چند گھنٹوں تک گھمسان کا رَن پڑا اور ہر طرف خون ہی خون بہنے لگا۔ مثنیٰ نے جب دیکھا کہ لڑائی طویل ہوتی جا رہی ہے تو عربوں کی فتح کا طریقہ سوچنے لگے۔ جس کی ایک ہی صورت انہیں یہ نظر آئی کہ ایرانی سپہ سالار پر حملہ کرکے اسے پیچھے دھکیل دیا جائے یا قتل کردیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے عیسائی سرداروں انس بن ہلال نحری اور ابن مروی الفہر تغلبی کو بلا کر کہا: "اگرچہ تم عیسائی ہو مگر عرب ضرور ہو۔ مجھے مہران پر حملہ کرتے دیکھو تو میرے ساتھ تم بھی حملہ کردینا" یہ کہہ کر مثنیٰ نے ان دونوں سرداروں کو لے کر حملہ کردیا اور میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ ایرانیوں نے جو یہ دیکھا تو اپنے سردار کو بچانے دوڑے۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ اتنے میں یہ دیکھا گیا کہ مثنیٰ نے ایرانیوں کے میمنے اور میسرے دونوں پر بیک وقت حملہ کردیا اور انہیں دریا تک دباتے چلے گئے۔ اس دوران میں مثنیٰ اپنے لشکر اور مجاہدین اسلام کو برابر یہ پیغام ارسال کرتے رہے کہ "جانبازو! تم اللہ کی مدد کرو' اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ یہ پیغام مسلمانوں کی ہمتیں بڑھاتا' ان کے حوصلوں کو بلند رکھتا اور ان میں بہادری اور جواں مردی پیدا کرتا، اور وہ جوش وجذبہ کے ساتھ آگے بڑھ بڑھ کر دشمن پر کاری ضربیں لگاتے۔ مسلمان فوجوں کا حملہ اتنا شدید تھا کہ ایرانی اس کی تاب نہ لاسکے۔ چنانچہ وہ پل عبور کرنے کے ارادہ سے بھاگے۔ مثنیٰ نے ایرانیوں کو بھاگتے دیکھا تو ان سے پہلے پل پر جاکر راستہ روک لیا۔ اب ایرانیوں کے اوسان بالکل خطا ہوگئے اسی افراتفری کے عالم میں کچھ لوگ پل کی طرف بھاگے اور کچھ دریا میں کود گئے۔ اب مسلمان گھڑ سواروں نے انہیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا اور کشتوں کے پشتے لگادیے۔ ایرانی اس قدر بدحواس ہوگئے کہ ایک ایک مسلمان نے کئی کئی ایرانیوں کو قتل کیا اور ایرانیوں کو ان کے خلاف ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ رہی۔ چنانچہ "بویب" کے اس معرکہ کا نام "یوم الاعشار" پڑ گیا یعنی ایک ایک اسلامی سپاہی نے دس دس ایرانیوں کو قتل کیا تھا۔

مسلمان رات گئے تک بھاگتے ہوئے ایرانیوں کو قتل کرتے رہے۔ دوسرے روز

Marfat.com

بھی تھی۔ لڑائی کا یہ سلسلہ صبح سے شام تک جاری رہا۔ ایک لاکھ کے قریب ایرانی اس معرکے میں کام آئے اور بویب کی اس جنگ میں جس قدر خون ریزی ہوئی اس سے پہلے کی جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایرانیوں کی لاشیں میدان میں پڑے پڑے گل سڑ گئیں اور ان کی ہڈیاں ایک مدت تک دیتی رہیں واقعہ عبرت بن کر کوفہ کی چھاؤنیوں میں مٹی کے تلے دفن ہو گئیں۔

اگرچہ لڑائی میں ایرانیوں کا بہت جانی نقصان ہوا۔ ان کے بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اتر گئے، تاہم ان کا سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ اتنے میں قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخریہ لہجے میں پکارا: "میں ہوں تغلب کا بہادر نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل۔" مہران کے قتل سے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

بویب کی اس شاندار فتح کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مثنیٰ کی محبت اسلامی لشکر کے ایک ایک سپاہی کے دل کی گہرائی میں اتر چکی تھی۔ مثنیٰ کو لڑائی کے دوران یقین کی حرارت اور دل کی حرارت کے ساتھ غنیم کی صفوں میں گھستے دیکھ کر ان کے سپاہیوں کے جذبہ شجاعت نے بھی انگڑائی لی اور وہ بھی انتہائی بے جگری کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و کامرانی سے مالا مال کیا۔ غرض کہ مثنیٰ کی فوج کے ایک ایک افسر اور ایک ایک سپاہی نے اس جنگ میں وہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو شجاعت اور سرفروشی کے باب میں فخر و ناز کی سیاہی سے لکھے گئے۔

مورخ کے رپورٹ بتاتے ہیں کہ جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو مثنیٰ کے بھائی مسعود جو ایک نہایت بہادر افسر تھے دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور ایرانیوں کی شکست سے قبل ہی زخم کھا کر گر پڑے۔ جب اپنی موت کی وجہ سے انہوں نے ساتھیوں میں بے دلی کے آثار دیکھے تو جاں کنی کے عالم میں پکار کر کہا: "اے فرزندانِ بکر بن وائل! اپنا پرچم بلند رکھنا اللہ تمہیں سربلند کرے گا، خبردار! میری موت سے ہراساں نہ ہونا"۔ انس بن ہلال نصرانی لڑتے لڑتے مارے گئے۔ جب مثنیٰ نے ایرانیوں سے پہلے پل پر پہنچ کر ان کا راستہ روک لیا تو عرفجہ بن ہرثمہ فوج کا ایک دستہ لے کر فرات پر جا پہنچے۔ ایرانیوں نے عرفجہ کے دستہ پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کا حملہ نہایت بے جگری سے تھا۔ یہ دیکھ کر عرفجہ کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: "اگر تم پیچھے ہٹے تو دیکھ لوں گا" عرفجہ نے اس سپاہی کو جواب دیا "میں آگے بڑھوں

Marfat.com

گا" اور پھر ایرانیوں پر اتنے زور کا حملہ کیا کہ سوائے بھاگنے کے ان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔ اور پھر ان کا ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچ سکا۔

جنگ ختم ہوئی۔ مثنیٰ اپنے بھائی مسعود اور انس بن ہلال کی لاشوں سے چمٹ گئے انہیں ان دونوں کی موت کا یکساں غم تھا۔ مذہب کا اختلاف ان کے حزن و ملال میں کمی کا باعث نہ بن سکا۔ بعد ازیں مسلمان شہداء کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر فرمایا:

"بخدا! یہ خیال میرے غم کو ہلکا کر دیتا ہے کہ یہ لوگ بویب کی جنگ میں شریک ہوئے' ثابت قدم رہے' جرأت و ہمت سے کام لیا، نہ خوف زدہ ہوئے اور نہ ہی بزدلی کا اظہار کیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ شہادت گناہوں کا کفارہ ہے"۔

جنگ ختم ہو گئی۔ مسلمان فتح و کامرانی سے ہم کنار ہوئے۔ ایک روز مسلمان شام کے وقت بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ مثنیٰ نے کہا: "میں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں عرب و عجم سے جنگ کی ہے۔ بخدا! جاہلیت میں ایک سو عجمی (ایرانی) ایک ہزار عربوں پر بھاری ہوتے تھے۔ لیکن آج ایک سو عرب ایک ہزار عجمیوں پر بھاری ہیں۔ اللہ نے ایرانیوں کا رعب زائل اور مکر باطل کر دیا۔ تم ان لوگوں کے نمائشی دبدبے' لمبے نیزوں اور کثرت تعداد سے ہرگز مرعوب نہ ہونا۔ ان سہاروں سے محروم ہوتے ہی وہ چوپایوں کی طرح ہیں جنہیں تم جہاں چاہو ہانک کر لے جاؤ"۔

بویب میں مسلمانوں کو بہت سامال غنیمت ہاتھ لگا جس میں بھیڑ بکریوں کے علاوہ گیہوں کا آٹا بھی تھا۔ کھانے پینے کا یہ سامان کچھ تو مجاہدین مدینہ کے اہل و عیال کو بھیج دیا گیا' جنہیں وہ عرب کی سرحد پر چھوڑ آئے تھے۔ اور کچھ ان عورتوں اور بچوں کو بھیج دیا گیا جو حیرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سرحد پر جو عورتیں تھیں انہوں نے جب چند گھوڑ سواروں کو غلہ لادے ان کی طرف آتے دیکھا تو وہ سمجھیں کہ یہ ڈاکو ہیں اور پتھر اور ڈنڈے لے کر کھڑی ہو گئیں۔ عمرو بن عبدالمسیح نے جو اس قافلے کے ساتھ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کہا: "ایسے لشکر کی عورتیں بھی ایسی ہونی چاہئیں" چنانچہ ان خواتین کو پورا پورا اطمینان دلایا گیا۔ فتح کی خوشخبری دی گئی اور یہ سامان ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا گیا: "یہ پہلی غنیمت ہے"۔

بویب کی اس فتح کے بعد مثنیٰ نے فوجی افسروں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سواد عراق کو طے کرتے ہوئے مدائن کے بالمقابل ساباط پہنچ جائیں۔ ایرانی فوجیں مویشیوں کی طرح بے تحاشا ان کے آگے آگے بھاگی جا رہی تھیں۔ نہ کوئی شے ان کے قدم روکتی اور نہ ہی

Marfat.com

ان میں سے کسی کو ٹھہرنے کی جرأت ہوتی تھی اب سیدنا خالد بن ولیدؓ کی طرح تمام عراق میں مثنیٰ کا طوطی بولنے لگا۔ مسلمان عراق کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور وہاں کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔

Marfat.com

جنگِ قادسیہ

جنگِ بویب میں مسلمانوں کو جو کامیابی اور کامرانی نصیب ہوئی اس نے ایرانی فوج کے ہیڈ کوارٹر کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ایک دہشت طاری ہو گئی اور انہیں گمان ہو گیا کہ عرب ایک نہ ایک دن ان کے پایہ تخت میں داخل ہو کر ان کے قصر ابیض پر قابض ہو جائیں گے اور ان کے قلعے مسمار کر دیں گے۔ اور کسریٰ کی اولاد کو باج گذار بنا لیں گے۔ اس ذلت سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ایرانی اپنا اندرونی خلفشار اور انتشار ختم کر کے اور باہم متحد ہو کر غازیان اسلام کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم جائیں اور انہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ اور اگر رستم اور فیروزان میں اقتدار کی جنگ جاری رہی تو نتیجہ ذلت و خواری کے سوا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ کارکنان حکومت اور دیگر اہل ایران نے ان دونوں کو ان کی باہمی مخاصمت سے خبردار کرتے ہوئے کہا: ''بغداد' ساباط اور تکریت کے بعد اب مدائن کی باری ہے۔ اس لئے یا تم دونوں آپس میں صلح کر لو ورنہ اس سے پہلے کہ سرزمین فارس پر کوئی آفت آئے ہم تم دونوں کا قصہ تمام کر دیں گے۔

رستم اور فیروزان نے بھی محسوس کیا کہ واقعی ہمارے انتشار و خلفشار کی وجہ سے ہمیں پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور بویب کی شکست نے تو ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے پوران دُخت کے بجائے سلطنت کے اصلی وارث یزدگرد کو اس کے آبائی تخت پر بٹھایا۔ اس وقت بقول مؤرخین اس کی عمر ۲۱ سال تھی۔ اور اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے ایرانی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور زائل شدہ وقار کی بازیابی کے لئے کوشش کرنے لگے۔ یزدگرد کی تخت نشینی سے سلطنت ایران میں

نئے سرے سے جان آ گئی۔ انتظامی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے' پوری طرح مستعد ہو گئے۔ تمام چھاؤنیاں اور قلعے مستحکم کر دیئے گئے۔

سیدنا مثنیٰ کو اہل ایران کی ان جنگی تیاریوں اور ملکی پالیسیوں میں ان تبدیلیوں کی اطلاعات ملیں تو وہ کچھ پریشان ہوئے۔ انہیں یقین تھا کہ ایرانی افواج اگر اس طرف بڑھیں تو اہل عراق بغاوت کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمرؓ کو ایک خط لکھا جس میں کمک' فوجی ضروریات کے علاوہ اس متوقع بغاوت کا بھی ذکر کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کا خط بارگاہِ خلافت میں پہنچے' ایرانیوں کا لشکر تیار ہو گیا۔ لشکر کی تیاری نے عراق کے مختلف شہروں میں بغاوت کے شعلے بھڑکا دیے۔ یہ حالات دیکھ کر مثنیٰ اپنی فوج لے کر عرب کی سرحد کی طرف سمٹ آئے اور ذی قار میں انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا اور یہاں ارد گرد کے علاقوں میں جتنے لوگ انہیں مل سکے ان کو اپنی فوج میں شامل کر لیا اور مدینہ طیبہ سے کمک کا انتظار کرنے لگے۔

سیدنا عمرؓ کو جب مثنیٰ شیبانیؓ کے خط سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے اپنے باہمی اختلافات دور کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی زبردست تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا: "بخدا! میں شاہانِ عجم کو ملوکِ عرب سے ضرور ٹکراؤں گا"۔ چنانچہ آپ نے مثنیٰ کو فوری طور پر مطلع کیا کہ وہ عراق کی سرحدوں پر پہنچ کر ایران کے قریبی ساحل پر پھیل جائیں اور وہاں کے قریبی لوگوں سے مدد چاہیں" اس کے ساتھ آپ نے خود بڑے ساز و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب اور خطباء دوڑائے کہ عرب کے شہروں میں جہاں کہیں بھی کوئی بہادر' صاحب تدبیر' خطیب' اہل الرائے ہو فوراً بارگاہِ خلافت میں آئے۔ چونکہ زمانہ حج آ چکا تھا اس لیے خود تو حج پر تشریف لے گئے' لیکن حج سے فراغت سے قبل ہی ہر طرف قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ حضرموت' صدف' قیس' غیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے تین ہزار مجاہدین روانہ کئے۔ بنو رباب اور بنو تمیم کے چار ہزار اور بنو اسد کے تین ہزار آدمی آئے۔ سیدنا عمرؓ حج سے واپس تشریف لائے تو انہیں آدمیوں کا ایک جنگل نظر آیا۔ تاحدِ نگاہ آدمی ہی آدمی تھے۔ آپ اتنی بڑی تعداد میں مجاہدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ لشکر کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا جائے۔ میں اس لشکر کی کمان خود کروں گا۔ چنانچہ ہراول پر سیدنا طلحہؓ' میمنہ پر سیدنا زبیرؓ' میسرہ پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو

Marfat.com

مقرر فرمایا۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو بلا کر کاروبار خلافت سپرد کیا۔ اور خود مدینہ سے نکل کر جرف روانہ ہوئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا عمرؓ جب بھی مدینہ طیبہ سے باہر گئے' اپنی غیر حاضری میں اکثر دفعہ آپ نے اپنا نائب سیدنا علیؓ کو بنایا۔ چنانچہ اب بھی آپ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام سیدنا علی مرتضیٰؓ کو بنایا۔

(ملاحظہ ہو طبری جلد ۳ ص ۰۷' البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵ وغیرہ)

سیدنا عمرؓ کی اس مستعدی سے لوگوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے مارنے پر کمریں باندھ لیں۔ سیدنا عمرؓ مدینہ سے نکلے اور صرار نامی ایک چشمے پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا' قیام فرمایا۔ اب تک اکثریت کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اس فوج کی قیادت سیدنا عمرؓ خود فرمائیں گے یا یہ خدمت کسی اور کے سپرد فرمائیں گے۔ سیدنا عمرؓ نے لشکر کی قیادت کے لئے عوام کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ آپ خود اس لشکر کی قیادت فرمائیں۔ اہل الرائے صحابہ کرامؓ نے یک زبان ہو کر رائے دی کہ امیر المؤمنین! اس لشکر کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو مرحمت فرمائیں اور خود مدینہ میں رہ کر کمک روانہ کرتے رہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں فتح فرما دی تو فھو المقصود ورنہ دشمن کی سرکوبی کے لئے دوسرا لشکر روانہ کر دیا جائے گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس رائے کی پرزور تائید کی اور کہا: "آپ خود مدینہ میں قیام فرمایئے اور لشکر کو بھیج دیجئے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے لشکروں سے کیا فیصلہ رہا۔ اگر خدانخواستہ شکست بھی ہوئی تو یہ شکست اس ہزیمت سے بہر حال کم ہو گی جو آپ کی قیادت میں پیش آئے گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ شہید ہو گئے یا شکست کھا گئے تو مسلمان پھر کبھی نہ تو تکبیر کہہ سکیں گے اور نہ ہی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے سکیں گے۔

اب سیدنا عمرؓ نے کھڑے ہو کر عوام سے خطاب کیا اور فرمایا: "میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن اہل الرائے حضرات اس سے متفق نہیں۔ اب سیدنا عمرؓ نے خواص سے معلوم کیا کہ کس کو اس لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف نام پیش کیے۔ سیدنا علیؓ سے درخواست کی گئی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جائے کہ دفعتہً سیدنا عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: کون؟ جواب دیا: سعد ابن ابی وقاصؓ۔ اس انتخاب کو سیدنا عمرؓ نے پسند فرمایا۔ سیدنا سعدؓ ان دنوں نجد میں تھے اور وہیں سے انہوں نے تین ہزار مجاہد اس لشکر

Marfat.com

کے لئے ارسال کئے تھے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت مسلم تھی۔ لیکن پھر بھی لشکر کی تمام مہمات سیدنا عمرؓ نے اپنے قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان کے سب معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم کے بارہ میں احکامات آپ ہی بھیجتے رہتے تھے۔ مدینہ سے عراق تک کی منزلیں بھی سیدنا عمرؓ ہی نے متعین فرمائی تھیں۔

سیدنا عمرؓ نے سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ کے سپہ سالار نامزد ہونے کے بعد پہلی ہدایت یہ فرمائی: "اے سعد! اِس بات پر کبھی فخر نہ کرنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور آپ کے صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں نیکی سے مٹاتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان اطاعت کے سوا اور کوئی دوسرا رشتہ نہیں۔ اللہ کے دین میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ سربلندی صرف اطاعت کیش لوگوں کے لئے مقدر کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا اور صبر واستقامت کا دامن کسی صورت ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔"

غرض کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ چار ہزار فوج لے کر جو اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائی تھی، مدینہ سے عراق روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد چاروں طرف سے لوگ آ کر مدینہ میں جمع ہوتے رہے اور آپ انہیں سیدنا سعدؓ کے پاس بھیجتے رہے۔ اس لشکر کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے نامور سورما، شہ سوار، شاعر اور خطیب شامل تھے۔ جن میں عمرو بن معدی کربؓ، طلیحہ بن خویلد اسدیؓ اور اشعث بن قیس کندیؓ جیسے زعمائے عرب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۷۔۱۸ منزلیں طے کرنے کے بعد سیدنا سعدؓ ثعلبہ پہنچے اور یہاں قیام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے۔ یہاں ان کے لشکر کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھے۔ بویب کی جنگ اور یزدگرد کی تخت نشینی کے بعد مثنیٰ کی فوج ذی قار میں سمٹ آئی تھی۔ یہ فوج تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جس میں اردگرد کے قبائل کے پانچ ہزار افراد آ کر شامل ہو گئے تھے۔ اور جو افواج ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں شام سے چلی تھیں ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ اس طرح قادسیہ کی جنگ میں فوج کی کل تعداد چھتیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اور یہ عہد صدیقی سے لے کر اب تک سب سے بڑا لشکر تھا۔

ثعلبہ میں قیام کے بعد سیدنا سعدؓ شراف پہنچے تو شام سے آنے والی فوج کے سوا باقی

Marfat.com

تمام فوجیں پہنچ گئی تھیں۔ ذی قار سے جو فوج آئی۔ اس میں مثنیٰ نہیں تھے معرکہ جسر میں جو زخم انہیں آیا تھا وہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ بشیر بن خصاصیہ کو فوج پر کمانڈر مقرر کر کے خود اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہاں مثنیٰ شیبانی کے بھائی معنیٰ بھی اپنی بھاوج کو ساتھ لے کر پہنچ گئے۔ مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے' معنیٰ نے وہ سیدنا سعدؓ سے بیان کیے۔ اب یہاں سیدنا سعدؓ قادسیہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

مثنیٰ ایک ایسے مسلمان تھے جن کا ایمان سچا اور بے کھوٹ تھا۔ اسی طرح وہ ایک ایسے مجاہد تھے جو نظم واطاعت کے مفہوم کو خوب سمجھتے تھے۔ فتح عراق کی بساط سب سے پہلے انہوں نے بچھائی۔ وہ ایک ایسے آزمودہ کار قائد تھے جنہوں نے انتہائی نازک موقعوں پر مسلمانوں کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ وہ ایک ایسے مدبر تھے جنہوں نے مذہبی اختلافات کے باوجود عراق کے تمام عربی النسل قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر بویب کی جنگ میں ایرانیوں پر وہ ضرب کاری لگائی تھی جسے ایرانی ہمیشہ سینکتے رہے اور پھر اس کے بعد انہیں فتح کا دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا بلکہ پوری سلطنت کسریٰ پاش پاش ہو کر رہ گئی۔

سلمیٰ (مثنیٰ کی بیوہ) اور معنیٰ دونوں سیدنا سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیدنا مثنیٰ کی وصیت انہیں سنائی۔ مثنیٰ کی وصیت سن کر سیدنا سعدؓ کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں اور ان کا مدت کا غم تازہ ہو گیا۔ انہیں مثنیٰ کی کمی محسوس ہوئی کیونکہ اس قسم کا مدبر جرنیل فوج کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مثنیٰ کی خدمت معنیٰ کے سپرد فرما دی اور مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ سے نکاح کر لیا تاکہ اس کو وہی عظمت و بزرگی حاصل رہے۔

سیدنا عمرؓ اگرچہ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے لیکن عراقی فوج کی ایک ایک نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھے سیدنا سعدؓ کو ان کا یہ حکم تھا کہ انہیں ایک ایک موقعے کی اطلاع دی جائے اور اس کے متعلق ان کے احکام کا انتظار کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا سعدؓ ایک ایک واقعہ کی اطلاع بارگاہ خلافت میں دیتے۔ شراف سے سیدنا عمرؓ کو جو خط لکھا اس کے جواب میں امیر المؤمنینؓ نے وہی ہدایات دیں جو سیدنا مثنیٰ نے اپنی وصیت میں دی تھیں۔ انہوں نے سیدنا سعدؓ کو حکم دیا کہ فوراً قادسیہ چلے جائیں جو ایام جاہلیت میں ایران کا دروازہ تھا۔ اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ حدود عرب سے قریب تر رہ کر ایرانیوں کے تمام راستے بند کر دیے جائیں۔ پھر لکھا کہ دشمن کی تعداد اور سامان جنگ کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہدایات ارسال کیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی ہدایات

Marfat.com

میں سفر کی راہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا وقت تک معین فرمادیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ اس سرزمین کے نقشہ سے بخوبی آشنا ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے ایک خط میں سیدنا سعدؓ کو لکھا: "مجھے لکھو، دشمن کی فوجیں تم سے کتنی دور ہیں اور ان کا سپہ سالار کون ہے؟

کتابوں میں سیدنا عمرؓ اور سیدنا سعدؓ کے مابین جو مراسلت آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کو عراق سے اتنی دلچسپی تھی اور آپ اسلامی فوج کی خبریں اس اہتمام سے طلب فرماتے جیسے سپہ سالاری کے فرائض وہ خود انجام دے رہے ہیں۔ فوج کی ایک ایک نقل و حرکت پر ان کی نظر تھی۔ بالکل یہی حال ان کا شام کی اسلامی فوجوں کے ساتھ تھا۔ جس طرح وہ سیدنا سعدؓ کو خط لکھتے رہتے تھے اسی طرح سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے بھی ان کی مراسلت تھی۔ ان کی صرف نظر ہی نہیں بلکہ ان کا دل اور ان کا سارا وجود اپنی فوج کے سرداروں کے ساتھ رہتا تھا۔ گویا وہ ان میں موجود ہیں۔

ایک روز یہ ہوا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو امیر المومنین سیدنا عمرؓ کا مکتوب ملا جس کے تحت وہ شراف سے قادسیہ روانہ ہو گئے۔ اس قادسیہ روانہ ہونے والی فوج کے افسر بھی سیدنا عمرؓ ہی نے نامزد کیے۔ انہوں نے لشکر کو دہائیوں میں تقسیم کر دیا اور ہر دہائی پر ایک "عریف" مقرر کیا۔ علموں کا امیر "سابقون اوّلون" کو بنایا۔ اور مقدمۃ الجیش اور میمنہ و میسرہ کی قیادت ان مردانِ کار کو عطا فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داد شجاعت دے چکے تھے۔ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ مقدمۃ الجیش پر زہرہ بن عبداللہ بن قتادہؓ جو جاہلیت میں بحرین کے بادشاہ تھے۔ پھر اپنی قوم کے ساتھ مسلمان ہو گئے' میمنہ پر عبداللہ بن معتصمؓ (صحابی) میسرہ پر شرحبیل بن السمطؓ' ساقہ پر عاصم بن عمرو تمیمیؓ' طلایع (گشت کی فوج) پر سواد بن مالکؓ مجرد (بے قاعدہ فوج) پر سلمان بن ربیعہ الباہلیؓ' پیادہ پر جمال بن مالک الاسدیؓ' شتر سواروں پر عبداللہ بن ذی السہمین' قاضی و خازن عبداللہ بن ربیعہ الباہلیؓ' رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والا سلمان فارسیؓ' مترجم ہلال ہجری اور منشی زیاد بن ابی سفیان کو مقرر کیا گیا۔ یہ لشکر اتنا بابرکت تھا کہ اس میں چودہ سو وہ صحابہ کرامؓ تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نبرد آزما ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ ستر سے کچھ اوپر اصحاب بدر تھے' تین سے اوپر بیعتِ رضوان میں حاضر ہونے والے صحابہؓ تھے۔ تین سو فتح مکہ کے مجاہدین تھے' اور سات سو تابعین یعنی صحابہ کرامؓ کی اولاد۔ اس مبارک لشکر کو لے کر سیدنا سعدؓ نہایت وقار و جلال اور عظمت و شان کے ساتھ روانہ

Marfat.com

ہوئے۔ اور عذیب کے مقام پر قیام کیا۔ عذیب ایرانیوں کی ایک فوجی چوکی تھی جس کی بلند دیواروں پر مضبوط بُرجیاں بنی ہوئی تھیں۔ چوکی کی ایک بُرجی میں ایک آدمی بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ مسلمانوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو وہ بھاگ گیا۔ چوکی کے اندر کا جاکر دیکھا کہ تمام برجیاں خالی تھیں۔ یہ شخص دراصل جاسوس تھا جو مسلمانوں کے لشکر کی تعداد اور ساز و سامان معلوم کرنے کے لئے آیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اسے پکڑنے کے لئے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ سیدنا سعدؓ نے دیکھا کہ عذیب کا پورا علاقہ خالی پڑا ہے۔ آپ نے اس مقام کی قلعہ بندی کی اور اس کے بعد قادسیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیدنا سعدؓ نے قلعہ قدیس میں قیام فرمایا جب کہ زہرہ بن حویہ نے قطرۃ العتیق کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف مقامات پر مامور کر دیا گیا اور فوج کے لئے مال مویشی اور کھانے پینے کا سامان فراہم کرنے کے لئے ادھر ادھر دستے روانہ کر دیئے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عاصم بن عمروؓ ایک دستہ لے کر "میسان" گئے۔ میسان کے لوگ اس دستہ کو دیکھ کر اطراف کی گڑھیوں اور قلعوں میں گھس گئے لیکن ایک شخص سیدنا عاصمؓ کے ہاتھ آ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: "بتاؤ بکریاں اور گائیں کہاں ہیں؟" لیکن اس نے چرواہا ہونے کے باوجود لاعلمی کا اظہار کیا۔ گویا کہ اس نے جھوٹ بولا۔ اس پر ایک بیل چلا کر بولا: "بخدا! یہ شخص جھوٹ بولتا ہے ہم یہاں ہیں" یہ آواز سن کر سیدنا عاصمؓ اندر گھس گئے اور تمام بیلوں کو ہانک لائے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانے میں اس روایت کی صحت سے انکار کیا اور جو لوگ اس واقعہ میں شریک تھے ان سے اس بارہ میں حلف لیا۔ ان لوگوں نے قسم کھا کر اس واقعہ کو درست قرار دیا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے قادسیہ میں ایک ہفتے تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں ان کی فوج نے بڑے اطمینان اور فراغت سے دن گذارے کیونکہ قادسیہ نہایت شاداب، سرسبز اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے نہایت محفوظ مقام تھا۔ سیدنا عمرؓ زمانہ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گذرا کرتے تھے اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے بخوبی آشنا تھے۔ چنانچہ سیدنا سعدؓ کو انہوں نے جو مکتوب بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا، لیکن چونکہ اس جگہ کو دیکھے دیر ہوئی تھی اس لئے سیدنا سعدؓ کو لکھا کہ قادسیہ پہنچ کر اس سرزمین کا پورا نقشہ اور محل وقوع اور دیگر کیفیات لکھ کر بھیجیں کیونکہ میں نے بعض ضروری امور اس وجہ سے نہیں لکھے کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ چنانچہ سیدنا

Marfat.com

سعدؓ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور دیگر حالات لکھ کر بارگاہِ خلافت میں روانہ کئے۔

ساسانی حکومت کا پایہ تخت قدیم زمانے سے اصطخر تھا لیکن نوشیرواں نے مدائن کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ اور اس وقت سے یہی پایہ تخت چلا آرہا تھا۔ مدائن سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی فرودگاہ سے ۳۰۔۴۰ میل دور تھا۔ اس وجہ سے وہاں کی تمام خبریں آپ کو ملتی رہتی تھیں۔ سیدنا سعدؓ نے یہاں سے بارگاہ خلافت میں جو خط بھیجا اس میں یہ تو لکھا کہ ایرانی ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں لیکن اس لشکر کا کمانڈر کون ہوگا یہ ابھی تک طے نہیں ہوا تھا۔ یزدگرد نے جب دیکھا کہ مسلمانی فوجیں قادسیہ میں جمع ہو گئی ہیں اور انہیں یہاں ڈیرے ڈالے ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا ہے تو اس نے سلطنت کے وزیر دفاع رستم بن فرخ زاد کو پیغام بھجوایا: ”آج تم ایران کے سب سے بڑے سورما ہو' میں چاہتا ہوں کہ عربوں کے مقابلہ کے لئے تمہیں اس لشکر کا کمانڈر مقرر کروں“۔ رستم یہ پیغام سن کر چونکا اور اس نے جواب دیا: ”بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے مدائن ہی میں رہنے دیں“ کیونکہ رستم مسلمانوں کے مقابلہ سے جی چرا رہا تھا یزدگرد نے رستم کو دوبارہ لکھا اور رستم نے اپنی پہلی بات دہراتے ہوئے جواب دیا: بخدا! میں آپ کی ذات اور آپ کے ملک کی بقا کا طلب گار ہوں' خدارا مجھے یہیں رہنے دیں اور میرے بجائے جالینوس کو روانہ کر دیجئے۔ وہ بھی ایک بہت بڑا بہادر کمانڈر ہے اور جنگ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہے۔ اس نے اگر کامیابی حاصل کر لی تو بہت اچھا ہوگا ورنہ ہم کسی اور کو بھیج دیں گے اور اسی طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں کی قوت توڑ دیں گے۔ میں اسی وقت تک اہل ایران کی امیدوں کا مرکز ہوں جب تک میں شکست نہ کھاؤں گا۔ یزدگرد رستم کے اس جواب سے کچھ پریشان ہوا۔

چند دنوں بعد ملک کے جاگیرداروں اور زمینداروں نے کسریٰ کو لکھا کہ عرب ہمارے علاقوں میں غارت گری کر رہے ہیں لہٰذا خدارا ہماری امداد کریں' ورنہ پھر ہم مسلمانوں کی اطاعت کر لیں گے۔ اب یزدگرد بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر رستم کو لکھا کہ تم میرا یہ پیغام ملتے ہی ساباط روانہ ہو جاؤ' اور اب تمہارا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے۔ مجبوراً رستم کو ساباط جانا پڑا اور فوج کی کمان سنبھالنی پڑی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو جب رستم کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ یزدگرد نے جنگ کی تمام ذمہ داریاں رستم کو سونپ دی ہیں۔ امیر المؤمنین نے اس

کے جواب میں لکھا: ”دشمن کی تیاریوں سے بالکل پریشان اور خوف زدہ نہ ہونا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا اور اسی پر توکل کرنا۔ تم ان کے پاس دعوت اسلام دینے کے لئے ایسے لوگوں کو بھیجو جو وجیہہ عقل مند اور بہادر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو دشمن کی ذلت اور ہماری کامیابی کا ذریعہ بنائے گا۔ اور مجھے روزانہ خط لکھتے رہنا۔“

رستم ساباط آکر ٹھہر گیا۔ اب یہاں بھی اس کا جی قادسیہ جاکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے نہیں چاہتا تھا۔ ساباط جاکر اس نے اپنی فوج کا ایک دستہ اہلِ سواد کے اطمینان کے لئے بھیج دیا۔ پھر حیرہ اور عراق کے دوسرے شہروں میں اس نے کچھ چھوٹے چھوٹے دستے صرف اس لئے روانہ کئے تاکہ لوگوں کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت ختم ہو جائے حالانکہ خود اس کے اپنے دل میں مسلمانوں کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ ان دستوں کے ذریعہ سے اس نے لوگوں کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو ایسی عبرتناک شکست دے گا کہ وہ پھر کبھی ایران کی سرزمین کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

سیدنا عمرؓ نے اپنے خط میں یزدگرد کے پاس سفارت کے لئے لکھا تھا۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے سیدنا سعدؓ نے عرب کے عقل مند اور بہادر سیاست دانوں کا ایک وفد یزدگرد کے پاس بھیجا۔ یہ وفد سیدنا نعمان بن مقرنؓ، سیدنا فرات بن حیانؓ، سیدنا اشعث بن قیس کندیؓ، سیدنا عمرو بن معدی کربؓ، سیدنا معنی بن حارثہ شیبانیؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ پر مشتمل تھا۔ وفد جب مدائن پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے ان کے چہروں، لباس، ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی چادروں اور دبلے پتلے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی خاک کر دیکھ کر کہا: ”یہ لوگ کس برتے پر ہم سے لڑنے کے لئے آگئے ہیں؟“ وفد جب یزدگرد کے دربار میں پہنچا تو اس نے نہایت نخوت اور تکبر کے لہجے میں اس سے سوال کیا: ”تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟“ اس سوال کے جواب میں سیدنا نعمان بن مقرنؓ نے پہلے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت اور اسلام کی دعوت کو بیان کیا اور کہا کہ ”اگر تمہیں اس دعوت سے انکار ہے تو جزیہ قبول کرو ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی“۔ یزدگرد کو یہ بات بہت ناگوار گذری۔ اس نے کہا:

”میں نے دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت، تم سے زیادہ کم سواد اور تم سے زیادہ خستہ حال اور کوئی قوم نہیں دیکھی۔ اس سے قبل جب کبھی تم لوگ سرکشی کرتے تھے تو ہم سرحدی بستیوں کے لوگوں سے کہہ دیتے تھے کہ تمہاری گوشمالی کر دیں۔

Marfat.com

ایرانیوں نے کبھی تمہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ تم پر چڑھائی کریں۔ تم لوگ کبھی بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا تمہیں ہم سے اکڑنا نہیں چاہیے۔ اگر افلاس اور قحط سالی نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا ہے تو ہم تمہارے کھانے پینے کا اس وقت تک انتظام کر دیتے ہیں جب تک تمہارے ہاں کچھ پیدا ہو۔ ہم تمہارے سرداروں کی عزت کریں گے۔ تم کو لباس پہنائیں گے اور تم پر ایسے شخص کو بادشاہ مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ لطف و کرام سے پیش آئے"۔

وفد نہایت سکون کے ساتھ یزدگرد کی یہ نخوت و پندار سے بھری باتیں سنتا رہا۔ اور کچھ نہ بولا۔ لیکن سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اٹھ کر یزدگرد کو مخاطب کر کے کہا:

"اے بادشاہ! یہ لوگ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں۔ یہ عرب کے سردار اور وہاں کے معزز لوگ ہیں۔ اشراف ہیں اور اشراف سے شرماتے ہیں۔ اشراف کی عزت اور اس کے حقوق کی پاسداری اشراف ہی کرتے ہیں۔ انہوں نے تم سے سب باتیں نہیں کہی ہیں۔ اور نہ ہی تمہاری سب باتوں کا جواب دیا ہے۔ تم نے ہماری خستہ حالی کا تذکرہ کیا ہے۔ بے شک ہم ایسے ہی ہیں بلکہ اس سے زیادہ خستہ حال تھے"........ اس کے بعد انہوں نے عرب کی فاقہ مستی کی تفصیل بیان کی اور سیدنا نعمان بن مقرنؓ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "تم چاہے جزیہ پسند کر لو یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لو"۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کے منہ سے یہ بات سن کر یزدگرد آپے سے باہر ہو گیا۔ اور انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا: "اگر قاصدوں کا قتل بین الاقوامی قوانین کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ جاؤ تمہارے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

اس کے بعد اس نے مٹی کا بھرا ہوا ایک ٹوکرا لانے کا حکم دیا اور کہا: "ان میں جو سب سے زیادہ معزز ہو یہ ٹوکرا اس کے سر پر لاد کر اسے ہانکتے ہانکتے مدائن سے باہر نکال دو"۔ پھر وفد سے مخاطب ہو کر بولا: "جاؤ اپنے سردار سے جا کر کہہ دو کہ میں تمہاری سرکوبی کے لئے رستم بن فرخ زاد کو بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"

Marfat.com

وفد کے ارکان جن کے دلوں میں سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف نہ تھا' یزدگرد کی بات سے بالکل مرعوب نہ ہوئے۔ بلکہ سیدنا عاصم بن عمروؓ نے کھڑے ہو کر مٹی کا وہ ٹوکرا اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا: "بادشاہ میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں میں ان سب کا سردار ہوں" اور مٹی کا ٹوکرا اٹھائے ایوان کسریٰ سے باہر نکل گئے اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر قادسیہ پہنچ گئے۔ یہ وفد جب سیدنا سعد سے قلعہ ذریک میں ملا اور سیدنا عاصم بن عمروؓ نے ان سے مٹی کے ٹوکرے کا یہ واقعہ بیان کر کے کہا: "انہوں نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی ہے" پھر بولے: "مبارک ہو' بخدا! ان کے ملک کی کنجیاں اللہ نے ہمیں عطا فرما دی ہیں"۔

بعض روایات میں ہے کہ اس وفد کے جانے کے بعد یزدگرد نے مشیران خاص کے ساتھ رستم کو ساباط سے طلب کیا اور مسلمانوں کے وفد کے ساتھ اس کی جو گفتگو ہوئی تھی' اس کو بتائی اور کہا کہ "مسلمانوں کے معزز ترین آدمی نے مٹی کا ٹوکرا اٹھا کر بڑی حماقت کا ثبوت دیا حالانکہ وہ اسے دوسرے کے سر پر بھی لاد سکتا تھا" یہ سن کر رستم نے جواب دیا: "بادشاہ! نہ تو وہ احمق تھا اور نہ ہی ان کا معزز ترین آدمی تھا۔ اس نے جو کچھ کیا اپنی قوم کے لئے ایثار کے طور پر کیا"۔ یزدگرد سے یہ باتیں سن کر رستم حواس باختہ ہو گیا اور وہ بادشاہ کے پاس سے انتہائی غم و غصہ کی حالت میں نکلا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ نجومی تھا اور ستاروں کی چال سے اس نے پتہ چلا لیا تھا کہ جو لوگ مدائن کی مٹی لے کر گئے ہیں وہ دراصل ایران کی سرزمین لے کر گئے ہیں۔ چنانچہ اس ہلاکت آفرین انجام سے بچنے کے لئے اس نے ایک آدمی کو ان لوگوں کے پیچھے دوڑایا اور کہا کہ اگر وہ مٹی مل جائے تو ان سے واپس لے آنا کہ اس سے آئی بلا ٹل جائے گی اور اگر وہ اس کو لے کر اپنے امیر کے پاس پہنچ گئے تو پھر وہ ہماری زمین پر غالب آ جائیں گے۔ اور جب وہ شخص اسلامی وفد کو نہ پا سکا تو رستم کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا اور اس نے یزدگرد کی حماقت اور جہالت پر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود جب بادشاہ نے اسے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا تو وہ سرتابی نہ کر سکا کیونکہ یزدگرد نے اس سے کہا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تم جاؤ نہیں تو میں خود جاتا ہوں۔ اب اس کے لئے "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" والا معاملہ تھا۔

غرض کہ رستم ساباط سے روانہ ہوا۔ پہلے اس نے جالینوس کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا۔ اس کے بعد ساٹھ ہزار فوج لے کر خود روانہ ہوا۔ میمنہ پر ہرمزان تھا اور

Marfat.com

میسرہ پر مہران بن بہرام رازی۔ پھر اس نے اپنے بھائی بندوان کو لکھا: "ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہو جاؤ اور کسی طرح کی سہل انگاری سے کام نہ لو۔ یوں سمجھو کہ عرب تمہیں اور تمہاری اولاد کو ملک سے جلا وطن کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں جب تک ان کی سعادت شقاوت اور بدبختی میں نہ بدل جائے ہمیں ان کا مقابلہ کرتے رہنا چاہیے۔" پھر وہ اپنے علم نجوم کے حساب سے جو کچھ جانتا تھا' اس کی روشنی میں اس نے اپنے خط کو اس فقرے پر ختم کیا: "مجھے یقین ہے کہ یہ قوم ہم پر غالب اور ہمارے ملک پر قابض ہو کر رہے گی"۔ اس کے باوجود اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ گویا تقدیر اسے ہلاکت کے گہرے غار میں دھکیل رہی تھی۔

ادھر رستم ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ قادسیہ جا رہا تھا' ادھر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی فوج کے دستے عراق کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے قبائل کی بستیوں سے اسلامی فوج کے لئے مویشیوں اور کھانے پینے کے سامان کی فراہمی کے لئے حملے کر رہے تھے رستم جب حیرہ پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس نے حیرہ کے سربر آوردہ لوگوں کو بلا کر انہیں ڈانٹا جس پر ان میں سے ایک عقل مند شخص نے کہا: "ایک تو آپ لوگ ہماری مدد کو نہ پہنچے اور الٹے ہمیں کو ملامت کر رہے ہو"۔ رستم جب نجف پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ مسلمان فوجوں کے دستے ڈیلٹا کے علاقے میں لوٹ مار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے لوگوں کی دل جوئی کے لئے ایک دستہ مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔

رستم کا سفر جاری تھا۔ مدائن سے رخصت ہونے کے چار ماہ بعد وہ قادسیہ پہنچا راستہ میں اس کی فوج جن جن مقامات سے گذری' تاریخ کے رپورٹ بتاتے ہیں کہ ہر جگہ اس نے نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام فوجی افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کی ناموس تک کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ جس راستہ سے ایرانی فوجیں گذرتیں نہ کوئی باغ سلامت رہتا اور نہ ہی کوئی کھیت۔ نہ کسی شخص کا مال محفوظ رہتا اور نہ ہی کسی عورت کی عزت و ناموس۔ ان باتوں نے ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب چند دنوں کی مہمان ہے۔

رستم کی فوجیں جس روز ساباط سے چلیں' سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ لمحہ بہ لمحہ کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ' لشکر کی ترتیب' اس کے علاوہ اتارنے کا رخ اور دوسری کئی ایک باتیں معلوم کرنے کے لئے مختلف فوجی

Marfat.com

افسروں کو متعین فرمایا۔ ان افسروں کے ساتھ کبھی کبھی دشمن کی مٹھ بھیڑ بھی ہو جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ طلیحہ بن خویلد اسدیؓ چپکے سے رستم کے لشکر میں چلے گئے اور دو سواروں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کے گھوڑے نکال لائے۔ رستم کے سپاہی ان کی تلاش میں نکلے جن میں سے دو کو تو انہوں نے قتل کر دیا اور ایک سپاہی کو گرفتار کر کے لڑتے بھڑتے اپنے لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں کے لشکر کو اپنے قریب دیکھ کر باقی سپاہی واپس چلے گئے۔ طلیحہؓ اس قیدی کو لے کر امیر فوج سیدنا سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب سیدنا سعدؓ نے اس قیدی سے طلیحہؓ کے اس کارنامے کے بارہ میں پوچھا تو اس نے جواب دیا: "میں لڑکپن سے فوج میں ہوں اور میں نے بڑے سورماؤں اور بہادروں کے حالات پڑھے اور ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، لیکن ایسا جانباز اور بہادر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ شخص چھ میل کی مسافت طے کر کے ستر ہزار کے لشکر میں جا گھسا اور وہاں دو آدمیوں کو قتل کر کے دو گھوڑے نکال لایا۔ پھر جب ہم اس کے تعاقب میں اس کے پاس پہنچے تو اس نے ہمارے ایک ایسے بہادر اور سورما کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو شجاعت و جواں مردی میں ایک ہزار ایرانیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہمارے ایک اور ساتھی کو قتل کر دیا جو پہلے سورما کی طرح ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ آخر کار میں نے اس پر حملہ کیا کیونکہ میں اپنے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا جو کہ میرے عم زاد تھے، لیکن مجھے بھی اپنی موت نظر آئی اور میں اس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ میرے دوسرے ساتھی میری کوئی مدد نہ کر سکے۔ یہ کہہ کر اس ایرانی قیدی سپاہی نے سیدنا سعدؓ کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔ اس قیدی کا نام "مسلم" رکھا گیا۔ اس کی وجہ سے ایرانیوں کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ قیدی پورے اخلاص سے اسلام لایا۔ اس پورے معرکہ میں شریک رہا اور مسلمانوں کے دوش بدوش ایرانیوں سے لڑتا رہا اور بعد کے بھی تمام معرکوں میں اس نے بھرپور حصہ لیا اور ہر موقع پر ثابت قدمی، جاں نثاری اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم اس شان سے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر قادسیہ پہنچا کہ ۳۳ ہاتھی فوج کے آگے آگے چل رہے تھے جن کے وسط میں ایک سفید ہاتھی تھا جس کا نام شاپور تھا۔ وہ تمام ہاتھیوں کا سردار تھا۔ باقی کے تمام ہاتھی اس کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اس کو ایک خاص قسم کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ لیکن اتنے بڑے لشکر اور اتنے ہاتھیوں کے باوجود

Marfat.com

رستم کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت طاری تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ میری مڈبھیڑ ہو۔ اس کی خواہش یہی تھی کہ عرب بغیر لڑے اس ملک سے واپس چلے جائیں۔ اسی وجہ سے اس نے مدائن سے قادسیہ تک پہنچنے میں چار ماہ لگا دیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اسے شکست ہو گئی تو عربوں کے لئے مدائن ہی نہیں بلکہ پورے ایران کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور ایران کی پوری سرزمین مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو کر رہ جائے گی اور ساسانی خاندان کے کسی فرد کو ایران کے کسی کونہ میں جائے پناہ نہیں مل سکے گی۔ وہ ایک ایسا بہادر تھا جس کی مثال ایران میں نہیں ملتی تھی' لیکن ستاروں کی پیشگوئی نے اس سورما کے حواس گم کر دیے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں گذشتہ جنگوں کا انجام جو عربوں اور ایرانیوں کے مابین ہوئیں' اس کے سامنے تھا۔ معرکہ بویب میں ایرانیوں کی عبرت ناک شکست اس کے سامنے تھی۔ ان تمام لڑائیوں میں اگرچہ تعداد اور سامان حرب و ضرب کے لحاظ سے عرب ایرانیوں سے کمزور تھے لیکن مقابلہ میں فتح نے عربوں کے قدم چومے اور ایرانی فوجوں کا بے شمار ساز و سامان اکٹھا کر کے غنیمت کے طور پر لے گئے۔ دوسرے لفظوں میں وہ یہ سمجھتا تھا کہ فتح عربوں کا مقدر بن چکی ہے۔ اب اگر ایسی قوم بغیر لڑے واپس اپنے ملک چلی جائے تو یہ نہ صرف بادشاہ اور ملک دونوں کے لئے بہتر ہو گا بلکہ رستم کے لئے بھی ایک اعزاز ہو گا۔ اور اس کی عزت' وقار اور شان و شوکت قائم رہے گی ورنہ سوائے ذلت و خواری کے اور کچھ بھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ ساری باتیں ساباط سے قادسیہ کے سفر کے دوران بھی اور قادسیہ میں بھی اس کے ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں اضطراب پیدا کرتی رہیں اور اس کا کوئی حل اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔

Marfat.com

رُستم میدانِ جنگ میں

رُستم میدانِ جنگ میں سیدنا سعد ابن وقاصؓ کے سامنے اپنی لاکھوں کی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا لیکن وہ لڑنے سے جی چراتا تھا' لہٰذا اس نے ایک دفعہ صلح کی کوشش کی۔ اس نے سیدنا سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی معتمد اور معتبر شخص سفیر بن کر میرے پاس آئے۔ شاید کوئی صلح کی صورت پیدا ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپس میں یہ خون ریزی ہو۔ سیدنا سعدؓ نے اتمام حجت کے لئے سیدنا ربعی بن عامرؓ کو اس کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ کچھ عجیب و غریب ہیئت سے گئے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کی میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ دوسری طرف ایرانیوں نے مسلمان سفیر کو متاثر کرنے کے لئے بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش' زریں گاؤ تکیے' پرنیاں و حریر کے پردے' درمیان میں مرصع تخت جس پر رستم بیٹھا ہوا تھا۔ سیدنا ربعیؓ فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے اور گاؤ تکیے کے ساتھ گھوڑے کے رسہ کو باندھ دیا۔ رستم کے درباری اگرچہ کچھ نہ بولے لیکن دستور کے مطابق چاہا کہ ان کے ہتھیار رکھوا لیں۔ انہوں نے فرمایا: "میں تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں' تم کو اگر میرا اس طرح آنا منظور نہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے کہا کہ سفیر ہتھیار ساتھ لانا چاہتا ہے' اس نے اجازت دے دی۔ یہ نہایت بے پروائی کے انداز میں آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن نیزہ جس سے عصا کا کام لیا تھا اس کی انی کو اس طرح ان کے بچھائے ہوئے قالینوں پر مارتے جاتے کہ یہ پر تکلف دیبا کے فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ کر بے کار ہو گئے۔ تخت

Marfat.com

کے قریب جا کر زمین پر نیزہ اس زور سے مارا جو فرش کے آر پار ہو گیا۔ اور خود رستم کے ساتھ اس تخت پر جا کر بیٹھ گئے جس پر رستم بیٹھا ہوا تھا۔

رستم نے پوچھا: "اس ملک میں کیوں آئے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "اس لیے تاکہ بندوں کو بندوں کی عبادت سے ہٹا کر خالق کی عبادت میں لگا دیں" رستم نے کہا: "میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعیؓ کے پاس آ کر اس کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے: "اسی سامان حرب و ضرب پر ایران کی عظیم سلطنت کو فتح کرنے کا ارادہ ہے؟" لیکن جب ربعیؓ نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند گئی اور جب اس کی کاٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو سیدنا ربعیؓ نے ایک ہی وار کیا تو ڈھال کے پرخچے اڑ گئے۔ درباری حیران ہو کر سیدنا ربعیؓ کو دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے کیوں دیکھتے ہو، تلوار کی کاٹ کو دیکھو"۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

لیکن ہم سامان حرب و ضرب کے بھروسے پر نہیں لڑتے بلکہ رب کائنات کے بھروسہ پر لڑتے ہیں۔ ربعیؓ اس وقت واپس چلے آئے کیونکہ رستم نے ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

ربعیؓ جاتے ہوئے سوچنے کے لئے تین روز کی مہلت دے گئے۔ ربعی کے بعد سیدنا حذیفہ بن محصنؓ گئے۔ یہ تو گھوڑے سے بھی نہ اترے اور گھوڑے کو رستم کے تخت تک لے گئے اور گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی رستم سے بات کر کے واپس چلے آئے۔

آخر رستم کی طرف سے ایک بار پھر اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ بات چیت کے لئے کوئی سفیر بھیجا جائے۔ اب کی بار سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ گئے جو اس سے قبل یزدگرد کے دربار میں بھی گئے تھے۔ اب کی بار رستم نے خوب دربار سجایا تاکہ مسلمانوں کا سفیر اس کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں دربار سجایا گیا۔ دیبا اور سنجاب کا فرش بچھایا گیا۔ خدام اور چوبدار سلیقے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ ایک طرف سوار ہی سوار بلکہ شہ سوار تھے جن کے رگ اور پٹھے نہایت سنگین تھے۔ جسم مرمریں اور چٹان کی طرح مضبوط۔ زرکار پردے، زربفتی تکیے، مور پنکھی جھالریں سب سامان خیرہ کن تھے۔ رستم سپہ سالار ہی نہیں سلطنت کا امیر الامراء بھی تھا۔

سیدنا مغیرہؓ یہ سب کچھ دیکھ کر ذرّہ برابر بھی مرعوب نہ ہوئے۔ اور سیدھے رستم

Marfat.com

کے تخت پر جا کر اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایرانیوں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ یہ دیکھا تھا کہ کوئی سفیر رستم کے برابر آ کر بیٹھے لہٰذا ان کا خون کھول گیا۔ ان کا دل چاہا کہ اٹھ کر مغیرہؓ کا سر قلم کر دیں لیکن مجبور تھے۔ آخر ایک چوبدار آگے بڑھا اور سیدنا مغیرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تخت سے اتار دیا۔ سیدنا مغیرہؓ نے افسرانِ دربار کو مخاطب کر کے کہا: "اصرار کر کے بلاتے ہو اور پھر مہمان سے یہ سلوک بھی کرتے ہو۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں طریقہ نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور دوسرے اس کے سامنے گردن جھکائے بیٹھے رہیں۔ ہم مساوات کے قائل ہیں۔ ہم میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں"۔ مترجم جس کا نام عبود تھا اور وہ حیرہ کا باشندہ تھا' جب اس نے ان جملوں کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا بلکہ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل اور کمتر سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ اور نادم ہوا اور اس نے اپنی ندامت مٹانے کے لئے کہا کہ میں نے ایسا کرنے کے لئے نہیں کہا، یہ چوبداروں کی غلطی ہے۔ پھر سیدنا مغیرہؓ پاس بیٹھے تو رستم نے ان کا ترکش دیکھا۔ اس میں سے دو تین تیر نکالے۔ تھوڑی دیر تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر بڑی طنز آمیز اور زہر بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا: "ان تکلوں سے کیا بنے گا؟" سیدنا مغیرہؓ نے فوری جواب دیا: "آگ کم ہو یا زیادہ، جلانا خوب جانتی ہے!" اب رستم نے سیدنا مغیرہؓ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا: "یہ تمہاری نیام ایسی ہے؟ اور تم نے اس پر یہ چیتھڑے کیا لپیٹ رکھے ہیں؟" سیدنا مغیرہؓ نے ٹکا سا جواب دیا: "نیام کیا دیکھتے ہو یہ ہاتھ دیکھو جس میں یہ تلوار ہو گی"۔ رستم یہ جواب سن کر کھسیانا ہو گیا۔

رستم نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا: "دیکھو ہمارا یہ جاہ و جلال! اور یہ بھی دیکھو کہ ہماری سلطنت کس قدر مالا مال ہے۔ اب میں تمہارے بھلے کی بات کہتا ہوں کہ ہم سے ٹکرانے کا خیال ذہن سے نکال دو اور کچھ لے لوا کر ہماری سرزمین سے نکل جاؤ۔ ہم تمہاری ہر حرکت کو معاف کر دیں گے بلکہ اچھا خاصا انعام و اکرام دے کر تمہیں رخصت کریں گے"۔

رستم کی یہ بات سن کر سیدنا مغیرہؓ نے جواب دیا: "ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ تم اسلام لے آؤ تو ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ہم ویسے تم۔ ورنہ میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو اس سے قبل میں تمہارے بادشاہ سے کہہ چکا ہوں۔ اور وہ یہ ہے: جزیہ یا جنگ۔ یہ بات کہتے ہوئے سیدنا مغیرہ کا ہاتھ خود بخود تلوار کی طرف بڑھ

Marfat.com

گیا۔ یہ جملہ کہہ کر بھرے دربار میں رستم کی غیرت کو للکارا گیا تھا۔ بھلا وہ اس کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ وہ چلایا: "چاند اور سورج کی قسم! کل دن چڑھنے نہ پائے گا کہ میں تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دوں گا۔ تم لوگ ہو کس شمار و قطار میں؟ تم اپنی اوقات بھول بیٹھے ہو۔ تم نے رستم کا قہر و غضب نہیں دیکھا۔ اب تمہیں اپنی حماقت کا پتہ چلے گا"۔

رستم غصے سے چلا رہا تھا اور سیدنا مغیرہؓ نہایت بے پروائی سے اس کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔ رستم کی بات ختم ہوئی تو وہ اٹھے اور بولے:

"ہم میں سے جو اللہ کو پیارے ہوں گے وہ شہید ہوں گے اور جو بچ رہیں گے وہ تمہارے فاتح ہوں گے۔ کچھ سمجھے؟"

یہ کہہ کر مغیرہ تو اٹھ کر اپنے لشکر میں واپس چلے آئے اور ان کے واپس آنے سے صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

جنگ کا آغاز

رستم اب تک جنگ کو ٹالتا رہا۔ کیوں ٹالتا رہا؟ اس کی کئی وجوہات تھیں جن میں سے ایک دو کا تذکرہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کر دیا ہے، لیکن اب بھرے دربار میں سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کی غیرت کو للکارا تھا۔ لہٰذا اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا۔ قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا۔ نہایت سر سبز و شاداب۔ ایک طرف اس کے شاہ پور کی خندق تھی اور دوسری طرف دریائے فرات کی مشہور نہر عتیق۔ زمانہ جاہلیت ہی سے اسے فارس کا دروازہ کہتے تھے۔ رستم نے سیدنا سعدؓ کو کہلا بھیجا: "تم نہر کو پار کر کے ہماری طرف آ جاؤ ورنہ ہم تمہاری طرف آتے ہیں"۔ سیدنا سعدؓ نہر عبور کر کے کیسے پار جا سکتے تھے جبکہ واقعہ جسر کی مثال ان کے حافظہ میں تازہ تھی۔ وہ یہ پیغام سن کر خاموش رہے۔ سامنے نہر عتیق ان کی حفاظت کر رہی تھی پہلو میں خندق شاہ پور تھی اور پشت پر ریگستان پھیلا ہوا تھا۔

سیدنا سعدؓ نہر عبور کرنے کی غلطی نہیں کر سکتے تھے اور اب رستم اپنی جگہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا تھا کیونکہ اب ایران کا اقتدار خطرہ میں تھا۔ اور اگر رستم مسلمانوں سے جنگ نہ کرے تو اس کی ہیبت و اقتدار خطرے میں پڑ جاتا۔ اس کے علاوہ ایرانی فوجیں مسلمانوں سے اپنی ننگ و ذلت کا انتقام لینے کے لئے تڑپ رہی تھیں۔ لہٰذا رستم مجبور

Marfat.com

ہو گیا کہ وہ نہر پار کر کے مسلمانوں سے نبرد آزما ہو۔ لیکن سیدنا سعدؓ نے نہر عتیق کا پل پار کرنے کی اجازت نہ دی۔ اب رستم نے حکم دیا کہ نہر کا ایک حصہ پاٹ دیا جائے چنانچہ راتوں رات نہر پاٹ دی گئی اور دوسری دوپہر ہوتے ہوئے ایرانی فوج نہر پار کر گئی۔

نہر پار کر کے رستم نے اپنی فوج آراستہ کی۔ قلب میں ہاتھی تھے۔ میمنہ اور میسرہ پر ہتھیاروں سے بھرے ہوئے صندوق اور مسلح سپاہی۔ باقی فوج کو پیچھے رکھا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ رستم نے اپنی فوج کو بڑی ترتیب سے صف آرا کیا۔ آگے پیچھے تیرہ قطاریں تھیں، اور درمیانی حصے میں ہاتھیوں کا قلعہ بنایا گیا۔ درمیان میں شاپوری سفید ہاتھی تھا۔ لشکر کے دائیں اور بائیں حصے کے پیچھے بھی ہاتھیوں کا پرا تھا۔ ان پر تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کے ساتھ ساتھ ہتھیاروں سے بھرے ہوئے بڑے بڑے صندوق بھی رکھے ہوئے تھے۔ قلب لشکر میں ایک زر نگار سیمیں تخت پر سونے چاندی کا چتر سایہ کیے ہوئے تھا۔ رستم بادشاہوں کی طرح بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں نامی گرامی سردار اور خاص دستے کے سوار اور سپاہی تھے۔ رستم خود ایک زر نگار تخت پر بیٹھا جس پر چتر سایہ کیے ہوئے تھا۔ اس نے دوہری زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ سر پر آہنی خود۔ پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا: ”عرب کو چکنا چور کر دوں گا“۔ کسی سپاہی نے کہا: ”ہاں اگر خدا نے چاہا“ کہنے لگا: ”خدا نے نہ چاہا تب بھی“۔

دونوں لشکر بالکل تیار بالمقابل کھڑے ہو کر جنگ شروع ہونے کا انتظار کرنے لگے دونوں فریق اچھی طرح جانتے تھے کہ اس فیصلہ کن معرکہ کا انجام دو ہی صورتوں میں ظاہر ہو گا۔ اگر شکست ایرانیوں کو ہوئی تو عربوں کے لئے مدائن کے دروازے کھل جائیں گے اور اگر ہزیمت عربوں کا مقدر ہوئی تو انہیں جزیرہ نما عرب کے ریگستان میں پسپا ہونا پڑے گا اور یہ بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ پھر عراق آ بھی سکیں گے یا نہیں۔

یزدگرد کی یہ خواہش تھی کہ اس اہم اور غیر معمولی جنگ کی خبریں لمحہ بہ لمحہ اس تک پہنچتی رہیں۔ گویا اس جنگ میں وہ خود موجود ہے۔ رستم کے برعکس یزدگرد کو اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ نوجوان تھا اور نوجوانی یاس و نومیدی سے آشنا نہیں ہوتی۔ وہ شکست اور ناکامی کا تصور نہیں کر سکتی۔ اور پھر ایرانی قوم نہایت یک جہتی کے ساتھ اس کے گرد جمع ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اسے اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا۔ پھر ایرانیوں نے بھی تو مسلمانوں پر فتح کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اس کا طریقہ یہ کیا گیا کہ قادسیہ

Marfat.com

کے میدان سے لے کر مدائن تک تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر آدمی کھڑے کیے گئے۔ پہلا آدمی دوسرے کو خبر دیتا' دوسرا تیسرے کو اور اس طرح پل پل کی خبریں یزدگرد کے پاس پہنچنے کا اہتمام کیا گیا جو ایرانی فوجوں کی فتح کی خوش خبری سننے کے لئے نہایت مضطرب اور بے چین تھا۔

اب ایک طرف ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار جو مرنے مارنے کا عزم لے کر گھر سے نکلا تھا اور ہر قسم کے آلاتِ حرب وضرب سے لیس' تمام وسائل سے مطمئن اور بے فکر' رستم جیسا جرنیل ان کی پشت پر اور یزدگرد کسریٰ ایران کے انعام واکرام ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمان تھے' کل تیس ہزار مجاہد' وطن سے دور' کچھ ساز وسامان ان کے ساتھ۔ سامانِ رسد کے لئے صرف اللہ پر بھروسہ تھا۔ پیچھے سے کمک کی امید بہت کم، لیکن ایمان کی حرارت سینوں میں لئے ہوئے۔ اور یہی ان کا سب سے بڑا سامان تھا۔ وہ اللہ کے دین کی دعوت کے لئے اتنی دور آئے تھے' لہٰذا نصرتِ خداوندی پر پورا پورا یقین اور اعتماد۔ لیکن ایک بات کی انہیں فکر تھی۔ وہ یہ کہ سپہ سالارِ لشکر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سخت بیمار تھے۔ انہیں عرق النساء کا درد لاحق ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ دو قدم بھی نہ چل سکتے تھے۔ لیکن اللہ کے سپاہی ان ساری باتوں سے بے نیاز تھے۔ انہوں نے خالد بن عرفطہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا کیونکہ خود فوج کے ساتھ شریک جنگ نہ ہو سکتے تھے۔ قادسیہ میں ایک نہایت قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان جنگ کے کنارے پر واقع تھا۔ وہ اس محل کے بالاخانے میں میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور پرچوں کے ذریعہ اپنے نائب سیدنا خالد بن عرفطہؓ کو پیغام بھجواتے۔ خالدؓ انہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے رہتے۔ لڑائی کے آغاز سے قبل سیدنا سعدؓ نے اپنے جرنیلوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

> "میں میدان جنگ پر نگاہ رکھ کر خالدؓ کو یہاں سے ہدایت دیتا رہوں گا۔ تم ان پر عمل پیرا ہونا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا کیا ہوا ہر وعدہ سچا اور برحق ہے۔ ہمیں سلطنتِ عجم کی فتح کی بشارت دی گئی ہے"۔

پھر فرمایا:

> "عرب کے شاعر' خطیب ذرا اپنے بھائیوں کے جذبات سے مل آئیں۔ اور

دیکھیں کہ ان کا عزم اور حوصلہ کیسا ہے"۔

امیر لشکر کا یہ پیغام سن کر سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا عاصم بن عمروؓ، سیدنا طلیحہ بن خویلدؓ، سیدنا عمرو بن معدی کربؓ، سیدنا ربعی بن عامرؓ، سیدنا قیس بن ہبیرہؓ اور سیدنا ہذیل اسعدیؓ چند ایک اور ساتھیوں کے ساتھ اسلامی لشکر میں گشت کر کے واپس آئے۔ بڑھاوے دیتے' نعرے لگاتے اور رجز پڑھتے وہ پورے لشکر میں گھومے۔ ان کی زبانوں سے نکلا ہوا ایک ایک حرف ہمت کے منارے بلند کرتا گیا۔ اب قاریوں کو کہا گیا کہ وہ میدان میں نکل کر سورۃ جہاد کی تلاوت کریں۔ چنانچہ تلاوت ہوئی۔ میدانِ جنگ' دشمن کی افواج سامنے' خدا کا کلام' خوش الحان قاری' اس کی تاثیر سے اللہ والوں کے دل ایسے گداز ہوئے کہ اپنے مقصد کے سوا اور کوئی بات یاد ہی نہ رہی۔ اور وہ بات تھی اللہ کی راہ میں جان دینا۔

اتنے میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف سے اعلان ہوا کہ دوسری تکبیر پر تمام مجاہد ہتھیار ٹھیک کر لیں۔ تیسری تکبیر پر ہتھیار درست کر کے تول لیں اور چوتھی تکبیر پر حملہ کر دیں۔ رستم نے عربوں کی یہ تیاریاں دیکھیں تو اس کے دل میں بھی وطنی حمیت کا جذبہ بھڑکا۔ اس نے چند آدمیوں کو مقرر کیا کہ وہ بھی فوج کو اپنے وطن کی مدافعت پر ابھاریں اور ایرانی سپاہیوں کا حوصلہ بڑھائیں۔ چنانچہ ایرانی مقرروں نے بھی اپنی فوج کو بڑھاوے دیے اور ان کی ہمتوں کو بلند کرنے کے سب جتن کیے۔

جب دونوں طرف پوری پوری تیاریاں ہو گئیں تو اب دونوں لشکر اشارے کے منتظر کھڑے تھے۔ مسلمان جنت کی آسائشوں اور دنیا کی نعمتوں کی امید میں داد شجاعت دینے کے لئے بے چین تھے اور ایرانی اپنے وطن اور کسریٰ کی سلطنت اور عظمت کو اجنبی اقتدار سے بچانے کے لئے بے قرار تھے۔

اب طبل جنگ پر چوٹ پڑی تو دونوں طرف آتش فشاں پھٹ پڑا۔ ایرانی سورما اپنی صفوں سے نکل آئے۔ اور مبارزت کے لئے اللہ کے شیروں کو للکارنے لگے۔ سب سے پہلے ایک ایرانی سورما ہرمز آگے بڑھا۔ یہ شاہان باب کے خانوادے سے تھا۔ چھیل چھبیلا جوان' سر پر تاج' بدن پر دیبا کی قبا' جدید قسم کے ہتھیاروں سے لیس اس طرح اپنی صف سے نکلا جیسے پتھر سے شرارہ نکلتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں غالب بن عبداللہ اسعدیؓ سینہ تانے نکلے۔ زبان پر یہ شعر تھا۔

قد علمت واردة المسائح ذات اللبان والبنان الواضح

Marfat.com

انی بیمام البطل الشایح   وفارج الامرا لمهم القادح

یعنی اس بکھری زلفوں' ابھری پوروں اور نمایاں سینے والی حسینہ کو معلوم ہے کہ میں وہ برق رفتار سورما اور پھرتیلا تیغ زن ہوں جو بڑی سے بڑی کٹھنائی کو جیت لیتا ہوں۔

دونوں باز کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹے۔ دونوں پے در پے ایک دوسرے پر ہاتھ مارے جا رہے تھے کہ یکبارگی اسلامی لشکر سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور دونوں طرف کی فوجوں نے دیکھا کہ غالب شیرِ ببر کی طرح اپنے شکار کو دبوچے اپنے لشکر کی طرف لا رہے ہیں۔

اب عجمی صف سے ایک اور شہسوار نکلا۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا عاصم بن عمروؓ آگے بڑھے اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"وہ حسینہ جس کے گورے چٹے بدن میں ہنسلی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے چاندی پر سونے کا جھول چڑھا ہوا ہو۔ وہ جانتی ہے کہ میں ایسا مرد ہوں' وہ نہیں جس کا کوئی کچھ بگاڑ سکے میرے جیسا شخص تیرے جیسے آدمی پر جب جھپٹتا ہے تو گویا ایک مصیبت چمٹ جاتی ہے۔"

دونوں طرف سے نیزوں اور تلواروں سے مقابلہ ہوا۔ نیزے کبھی علم ہوتے' کبھی آڑے اور کبھی ترچھے۔ عاصمؓ نے ایک وار کیا دشمن نے اپنی ڈھال پر لے لیا۔ عاصمؓ نے نیزے کو داہنے ہاتھ سے بڑھایا اور پھرتی سے بائیں ہاتھ سے تلوار اس زور سے دشمن پر سونتی اور پھر جھونک دی کہ حریف کی سٹی گم ہو گئی۔ وہ دم دبا کر بھاگا۔ عاصمؓ نے اس کا تعاقب کیا اور اس کی صفوں سے اس کو پکڑ لائے۔ وہ اس کو پکڑ کر لا رہے تھے کہ انہیں ایک اور ایرانی ملا۔ یہ اپنا خچر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ عاصمؓ خچر کو بمعہ سامان کے سیدنا سعدؓ کی خدمت میں لے آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ خچر والا شاہی باورچی تھا جو رستم کا کھانا لے جا رہا تھا سیدنا سعدؓ نے یہ کھانا سپاہیوں میں تقسیم کروا دیا۔

اب دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ سیدنا عمرو بن معدی کربؓ لشکر کو بڑھاوا دیتے اور رجز پڑھتے پھر رہے تھے کہ ایک ایرانی تیر انداز کمان لیے آگے بڑھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی تیر خالی نہیں جاتا تھا۔ اس نے ایک تیر مارا جو ان کی زرہ میں آ کر لگا۔ سیدنا عمرو بن معدی کرب غصے سے جھنجھلا گئے۔ پلٹ کر شیر کی طرح اس پر حملہ کیا اور زریں کمر بند میں

Marfat.com

ہاتھ ڈال کر زمین پر دے پٹکا۔ پھر تلوار اس کے حلقوم پر رکھی اور اسے ذبح کر دیا۔ پھر للکار کر کہا ۔

یوں لڑا کرتے ہیں شیرانِ خدا

اور مقتول کے ہاتھوں کے کڑے اور ڈھال اور قیمتی قبا اتار لائے۔

سیدنا جریر بن عبداللہؓ کی قیادت میں بنو بجیلہ دشمن پر بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کرنے کے لئے تیرہ ہاتھی بھیجے گئے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کب دیکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر گھوڑے بدکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف سوار باقی رہ گئے انہیں ہاتھی اپنے پاؤں تلے روندنے ہی والے تھے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے بنو اسد کو ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ طلیحہ بن خویلد اسدیؓ اور ان کے قبیلے کے دوسرے جانباز مدد کے لئے دوڑے۔ طلحہؓ نے للکار کر کہا: "اے بنو اسد! اگر سعدؓ تم سے زیادہ کسی اور کو ان کی مدد کے لیے موزوں سمجھتے تو اسے بھیجتے۔ ان پر بپھرے ہوئے شیروں کی طرح جھپٹو۔ تمہیں اسد کہا جاتا ہے اپنے کو اسم بامسمی ثابت کرو۔ شیر بنو اور دشمن کا صفایا کر دو۔ اب بنو اسد نے ایسا زور دار حملہ کیا کہ ہاتھیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ قادسیہ کی فضائیں تھرا گئیں۔ مسلمان تو خود بڑھ کر موت کو گلے لگانے آئے تھے۔ انہیں کس بات کی پروا تھی۔ ہاتھیوں کے قدم رک تو گئے لیکن انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ اب سیدنا سعدؓ نے سیدنا عاصم بن عمروؓ کو پیغام بھیجا کہ "اے بنو تمیم! تم اونٹوں اور گھوڑوں والے مشہور ہو ان ہاتھیوں کا بھی کوئی علاج تمہارے پاس ہے ؟" سیدنا عاصمؓ نے جواب دیا: "ہاں ہے"۔ سیدنا عاصمؓ نے اپنے بہترین نیزہ بازوں اور تیر اندازوں کو فوراً اکٹھا کیا اور کہا: ہاتھیوں کو زد میں لو، ہودج کے سواروں کو تاکو اور دیکھو کوئی ان میں سے بچ کر نہ جائے، حکم کی دیر تھی۔ ہاتھیوں پر جب اولوں کی طرح تیر برسے۔ ہودجوں اور عماریوں پر ساون کی بوندوں کی طرح تیروں کی بوچھاڑ پڑی اور ہاتھیوں کی آنکھوں میں تاک تاک کر تیروں کی باڑھ چلی تو ہاتھیوں نے چنگھاڑیں مار مار کر فیل بانوں کو نیچے پھینکا اور بعض سواروں کو لے کر ہاتھی پیچھے کی طرف بھاگے جو سوار نیچے گرے وہ سب کے سب قتل کر دیے گئے اس طرح بنو اسد اور بنو تمیم نے بنو بجیلہ کو اس بلائے بے درمان سے نجات دلائی۔ لیکن بنو اسد کے پانچ سو سے زائد مردانِ کار اس کی نذر ہو گئے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قادسیہ میں جتنے روز مسلمان رستم کی آمد کا انتظار

Marfat.com

کرتے رہے اتنے روز وہ بیکار نہیں رہے بلکہ ان دنوں میں فوج کی باقاعدہ تربیت ہوتی رہی۔ معنی بن حارثہ شیبانی اپنے بھائی مثنیٰ بن حارثہؓ کی طرح ایرانیوں کے طریقہ جنگ سے خوب واقف تھے۔ مسلمان مجاہدین نے ان کی موجودگی سے بھی خوب فائدہ اٹھایا ہاتھیوں کے دستوں کو زیر کرنے کی بھی خوب مشق کی گئی۔ ہاتھیوں کی آنکھوں کو نشانہ بنانے، ان کے تنگ کاٹنے اور ہودجوں اور عماریوں کے گرانے کی بھی خاص تربیت حاصل کی گئی تھی۔

دوران جنگ سیدنا سعدؓ بالاخانے سے جنگ کا تمام منظر دیکھ رہے تھے۔ بنو بجیلہ اور بنو اسد پر ہاتھیوں کی یلغار دیکھ کر وہ سخت مضطرب ہوئے۔ انہیں اس بات کا صدمہ تھا کہ وہ اس قیامت آسا جنگ میں شرکت سے محروم ہیں۔ سیدنا مثنیٰ بن حارثہؓ کی بیوہ سلمیٰ جواب ان کی سابق تھیں ان کے پہلو میں بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور اپنے سابق شوہر مثنیٰ کے ایسے معرکوں میں کارناموں کی ایک فلم ان کے دماغ میں چل رہی تھی۔ جب انہوں نے ایرانیوں کو بنو اسد پر جھپٹتے اور انہیں قتل کرتے دیکھا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا: "ہائے مثنیٰ! افسوس آج مثنیٰ نہ ہے" سیدنا سعدؓ پہلے ہی پریشان تھے، سلمیٰ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر آپے سے باہر ہو گئے۔ اور زور سے سلمیٰ کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا: "ان جانبازوں (بنو اسد اور بنو تمیم) سے مثنیٰ کا کیا مقابلہ، جو اس قیامت کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ طمانچہ اس جرأت مند بدویہ کا سر نہ جھکا سکا اور اس نے سیدنا سعدؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: "یہ بزدلی اور یہ غیرت؟" سیدنا سعدؓ اپنی اس حرکت پر نہایت نادم ہوئے اور ان کی پیشانی عرقِ ندامت سے تر ہو گئی۔ انہوں نے کہا: "بخدا! اگر تم بھی مجھے معذور نہ سمجھو گی تو پھر اور کون سمجھے گا۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں کس قدر درد میں مبتلا ہوں"۔ لوگوں نے جب سعدؓ اور سلمیٰؓ کے اس واقعہ کے بارہ میں سنا تو انہوں نے اس جرأت مند بدویہ کی بہت تعریف کی۔ جبکہ سیدنا سعدؓ بھی ان کے نزدیک بزدل اور قابلِ ملامت نہ تھے۔

دن بیت گیا۔ سورج افق مغرب میں ڈوب گیا۔ رات آ گئی لیکن لڑائی جاری تھی۔ دشمن یلغار پر یلغار کرتا رہا لیکن مسلمان پہاڑ کی طرح جمے تھے۔ عجمی سپاہ کا سیلاب آ آ کر ان سے ٹکراتا رہا لیکن ان میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ ایک پہر رات گذری تو دونوں لشکر پیچھے ہٹے۔ میدان خالی ہوا تو زخمی اور شہید میدان سے اٹھائے گئے۔ اور سپاہی اپنے ہتھیار اگلے روز کے لئے تیز اور صیقل کرنے لگے۔

قادسیہ کی جنگ تین دن اور ایک رات ایک ہی جگہ ہوتی رہی لیکن مؤرخین نے ہر

Marfat.com

دن کی جنگ کو الگ الگ ناموں سے یاد کیا ہے۔ پہلے دن کی جنگ کا نام "یوم ارماث" رکھا ہے یہ نام رکھنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ اگلے دن صبح نے آنکھ کھولی تو عرب اور ایرانی اپنے زخمیوں کو مرہم پٹی کرنے اور اپنے مقتولوں کو دفن کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کو عذیب کے قریب ایک وادی میں دفن کیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لئے عذیب پہنچا دیا۔ ایرانیوں نے اپنے مقتولوں کو پشت کے میدان میں گاڑا اور زخمیوں کو دریا کے کنارے لے گئے۔

جنگ کا دوسرا دن

جنگ کے دوسرے روز رستم اپنی فوجوں کو آراستہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ سلطنت عجم کا اژدہا جیسا پھریرا فضا میں لہرایا۔ پیادے 'سوار' بکتر بند' تیر انداز' نیزہ باز' زرہ پوش' شہسوار اور بہادر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف در صف میدان میں اپنی اپنی جگہ آ جمے 'لیکن آج ہاتھیوں کا پرا نہ تھا۔ پتہ چلا کہ کل بنو اسد اور بنو تمیم نے سارے ہودج توڑ دیے ہیں۔ ان کی مرمت ہو رہی ہے۔ مرمت کے بعد یہ بھی میدان میں کل کی طرح آجائیں گے۔

ادھر مسلمان بھی کل کی طرح اپنی صفوں کو درست کر رہے تھے۔ صفیں درست ہو گئیں تو مسلمان فوجوں کے عقب میں نعرہ تکبیر بلند ہونے شروع ہو گئے۔ اور شام کی طرف سے گرد کے بادل امنڈ آئے۔ غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمیؓ اپنی چھ ہزار فوجوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو پتہ چلا تو وہ خوشی کے مارے بستر سے اٹھ بیٹھے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ قعقاعؓ سب سے پہلے امیر لشکر سیدنا سعدؓ سے آ کر ملے اور بتایا: "امیر المؤمنین نے ابو عبیدہؓ کو حکم بھیجا تھا کہ اب جب کہ دمشق فتح ہو چکا ہے تو عراق کی افواج کو واپس عراق بھیج دو کیونکہ وہاں ان کی سخت ضرورت ہے۔ وہ اس حکم کی وجہ سے آئے ہیں۔ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ (سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بھتیجے) چھ ہزار کا لشکر لے کر آ رہے ہیں اور سیدنا قعقاع بن عمروؓ مقدمۃ الجیش کے امیر ہیں۔

قعقاعؓ وہ مشہور بہادر جوان تھے جنہیں سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا خالدؓ کے عراق روانہ ہونے کے وقت ان کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ اور جب لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ خالدؓ کمک مانگ رہے ہیں اور آپ صرف ایک آدمی کو بھیج رہے ہیں تو سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا: "جس

Marfat.com

لشکر میں ان جیسا آدمی ہو وہ کبھی شکست سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔" اور پھر حالات نے ثابت کر دیا کہ ابو بکرؓ کی رائے بالکل درست تھی۔ خالدؓ جیسا جانباز اور میدان جنگ کا پارکھ سیدنا قعقاعؓ کے دست وبازو اور ان کے ذہنِ رسا کی خوبیوں کو مانتا تھا۔ ابھی وہ لشکر گاہ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ان کی ذہنی خوبیوں کے جوہر کھلنے لگے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے ہر اول دستے کے ایک ہزار جانبازوں کو دس ٹکڑیوں میں تقسیم کیا۔ خود سو سواروں کا دستہ لے کر آگے نکلے اور دوسروں کو کہا کہ ٹھہر ٹھہر کر میدانِ جنگ میں پہنچنا۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے مسلمانوں کی صفوں میں اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگے اور اور شہسواروں کا ایک دستہ سر پٹ گھوڑے دوڑاتے ان سے آملتا۔ اس سے مجاہدوں کے حوصلے شام کے ان جانبازوں کی آمد سے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور دشمنوں کے دل دہل رہے تھے کہ معلوم نہیں مسلمانوں کی کتنی کمک آگئی ہے۔

سیدنا سعدؓ نے اس امداد کے بروقت پہنچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور اس بات کا بھی شکر ادا کیا کہ سیدنا قعقاعؓ اور سیدنا ہاشم بن عتبہؓ جیسے دو بہادر جرنیل انہیں مل گئے ہیں جن کو عراق کے محاذوں کی بخوبی واقفیت ہے اور ان کی لڑائی کے رنگ ڈھنگ سے وہ اچھی طرح آشنا ہیں۔ سیدنا قعقاعؓ نے مجاہدین سے کہا کہ "جو میں کروں وہی تم کرنا" اور اس کے بعد صف سے نکل کر دشمن کو للکارا۔ رستم نے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے لشکر خیرہ سر میں ذوالحاجب چٹان کی طرح سینہ تانے کھڑا تھا، سر سے پاؤں تک فولاد میں غرق' مغفر کی کڑیاں شانوں پر لٹکتی ہوئی۔ وہ انسان نہیں ایک فولادی دیو معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اسے میدان میں جانے کا اشارہ کیا۔ ذوالحاجب بڑی کڑک دھمک سے آگے بڑھا اور بولا: "میں بہمن جاذویہ ہوں' ہزار سوار اگر میرے مقابلہ میں آئیں تو منہ پھیر دوں"۔ قعقاع بن عمروؓ نے بہمن کا نام سنا تو بولے! آج میں تیری بوٹی بوٹی الگ کر کے رکھ دوں گا اور تجھ سے ابو عبیدؓ، سلیطؓ اور معرکہ جسر کے دوسرے شہداء کا انتقام لوں گا۔ تو نے ابو عبیدؓ کے لشکر کو دھوکے سے گھیر لیا تھا آج میں تجھ سے اس فریب کا بدلہ بھی لوں گا۔"

تلواریں نیام سے نکلیں اور ایسی ٹکرائیں کہ ہوائیں سہم گئیں۔ ایک شیر کی طرح جھپٹا اور دوسرا چیتے کی طرح سمٹا۔ کوئی آگے بڑھا اور کوئی پیچھے ہٹا۔ تلے ہوئے ہاتھ نپے ہوئے قدم۔ تلوار کی جھنکار تھی کہ ناگن کی پھنکار' دونوں طرف رزم گاہ میں کوئی نہ تھا جو دم سادھے کھڑا نہ ہو۔ دونوں سورما مجسم غضب۔ اتنے میں سیدنا قعقاعؓ کے ہاتھ میں کوندا لپکا

Marfat.com

اور یہ بجلی بہمن پر ایسی گری کہ چشم زدن میں وہ زمین پر ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ اللہ کے سپاہی نے پوری قوت سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور خوشی و مسرت کے ساتھ اسلامی لشکر نے اس سے وہ آواز ملائی کہ دشت و جبل گونج سے تھرا گئے۔

ذوالحاجب (بہمن جاذویہ) کے خون کا بدلہ چکانے کے لئے ایرانی صفوں سے دو شہسوار میدان میں آئے۔ بنی تمیم کے حارث بن ظبیان بن حارث نے یہ دیکھا تو گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور ایک کا راستہ کاٹ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسرے کو سیدنا قعقاعؓ نے جالیا۔ اب پھر ہمت کے بازوؤں میں ٹھن گئی اور کوئی کسی سے کم نہ تھا۔ تلواریں کیا چلتیں معلوم ہوتا تھا کہ بجلی گرتی تھی۔ جوڑیں برابر کی تھیں جسم جثہ بھی برابر کا تھا' لیکن پھر بھی دونوں کا حال ایک سا نہ تھا۔ ایک طرف زندگی کی امنگ تھی اور دوسری طرف شہادت کی ترنگ۔ پھر دونوں لشکروں نے دیکھا کہ دونوں عجمی زمین پر پڑے ایڑیاں رگڑنے لگے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ٹھنڈے ہو گئے۔ ان میں سے ایک بزر جمہر تھا اور دوسرا شہر براز (ابن خلدون نے ان کے نام فیروزان اور بندوان لکھے ہیں) ایک ہمدان کا مشہور بہادر اور دوسرا سیستان کا شہزادہ۔ اپنے ان تین سورماؤں کو مسلمانوں کے ہاتھوں مرتا دیکھ کر رستم نے پوری فوج کو میدان میں جھونک دیا اور ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔

سیدنا قعقاعؓ نے جب دیکھا کہ تمام عجمی فوج میدان میں آگئی ہے تو مسلمانوں کو مخاطب کر کے للکارا: "مسلمانو! اپنی تلواریں نکال لو' تلواریں ہی فتح و نصرت کی زمین کو دشمنوں کے خون سے سینچتی ہیں" سیدنا قعقاعؓ کی اس للکار کو سنتے ہیں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ تلواریں لہرائیں' تیر برسے' نیزے چمکے' پیک و سناں کی باڑھ ایسی تھی کہ ان کی آنچ سے نبرد آزماؤں کے بدن جل اٹھے۔ خون پانی کی طرح بہہ نکلا۔ قادسیہ کا میدان خوناب ہو گیا۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے لیکن دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ میدان جنگ میں پلڑا کسی طرف جھکنے نہیں پاتا تھا۔

ایرانی سپاہی نہیں تھے۔ لوہے اور فولاد کی چٹانیں کھڑی تھیں۔ ادھر مسلمان عزم و ہمت کے دھنی' زبان پر قرآن' دل میں نور ایمان' ہاتھ میں تلواریں اور نیزے بادلوں کی طرح برستے اور بجلی کی طرح کڑکتے۔ اور سب کی تمنا راہِ خدا میں شہادت ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

Marfat.com

اس میدان کارزار میں ایک طرف جوش وجذبے سے بھری ہوئی آواز گونجی۔ یہ سیدہ خنساء کی آواز تھی۔ ہتھیار سجائے گھوڑوں کی باگ پکڑے چار بیٹے خیمے کے آگے ماں کے حضور کھڑے تھے۔ میدان جنگ میں جاتے ہوئے یہ جانباز اپنی اماں کو خدا حافظ کہنے کے لئے رکے ہوئے تھے۔ ماں نے میدان جنگ پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا کہ کل تو ہاتھیوں نے مسلمان جانبازوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ آج بھی ایرانی بڑی سج دھج سے آئے ہیں۔ ماں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو رخصت کرتے وقت جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا:

"میرے بیٹو! قسم ہے اس خدائے لازوال کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تمہاری رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہے۔ تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے۔ میرا سر فخر سے بلند ہے اور تمہارے ماموں اپنی عزت پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ یاد رکھو: جہاد بہت بڑی عبادت ہے۔ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ جب تم دیکھو کہ میدان کارزار گرم ہو گیا ہے تو دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑنا۔ اس پر ایسا حملہ کرو کہ اس کے ہوش اڑ جائیں اور اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور شہادت کی دولت نصیب فرمائے گا۔"

(اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۴۲)

اس بڑھیا کے بڑھاپے کا سہارا اور عصائے پیری یہی بیٹے تھے۔ خاوند کا انتقال ہو چکا تھا لیکن کیسی شیر دل ماں تھی کہ اپنے جگر پاروں کو اسلام پر قربان کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں سجا کر بھیج رہی تھی اور پھر ان کی شہادت کی دعائیں بھی مانگ رہی تھی۔

گھوڑوں کی باگیں اٹھائے یہ سر فروش میدان کارزار میں پہنچے۔ یہ سینہ تانے بے درنگ بڑھ رہے تھے۔ کون ان جانبازوں کے سامنے ٹھہر سکتا تھا ایک صحابیہ ماں کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔ ماں نے دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑنے کے لئے کہا تھا۔ ماں نے کہا تھا تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے اس کے جگر پاروں نے میدانِ جنگ میں بے داغ کردار ادا کیا۔

گھمسان کے اس دن میں جب تلواروں کی جھنکار میں کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی' اسلامی لشکر کے نقیب نے پکارا: "امیر المؤمنین کے پاس سے قاصد آئے ہیں" سیدنا قعقاع" نقیب کے پاس آکر قاصدوں سے ملے اور پوچھا: "کیا پیام لائے ہو؟" انہوں نے بتایا کہ "امیر المؤمنین نے کچھ تازی گھوڑے اور عمدہ تلواریں بھیجی ہیں کہ یہ انعام

Marfat.com

ان بہادروں کو دیا جائے جو میدانِ کارزار میں اس کا حق ادا کر سکیں"۔

اس انعام کے تو سبھی مستحق تھے کیونکہ ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ پر بہترین کارنامے انجام دیے تھے۔ بہر حال انعام تھوڑا تھا اور مجاہد زیادہ۔ سیدنا سعدؓ نے چند جانبازوں کے نام گنائے اور فرمایا کہ "یہ انعام ان کو دیا جائے"۔

سیدنا سعدؓ کا فیصلہ سن کر سیدنا قعقاعؓ نے ان جانبازوں اور شہسواروں کو آواز دی جنہوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے اور اپنے دستوں کو نہایت ہوشیاری سے لڑایا بھی تھا۔ طلیحہ بن خویلدؓ اسدیؓ، عاصم بن عمروؓ اور ربیل بن عمروؓ اور جمال بن مالکؓ کو تلواریں دیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے مرحمت فرمائے۔ ربیلؓ نے تو فخر کے جوش میں فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقهم

اذا حصلوا بالمرهفات البواتر

یعنی سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں اس انعام کا سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں۔

بہادرانِ صف شکن انعام حاصل کرنے کے بعد اپنے دستوں میں پلٹے۔

جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور دن کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ اس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بالاخانے کی پچھلی کوٹھڑی میں ایک قیدی کے دل میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ میدانِ جنگ میں مجاہدین کے نعرے اور ان کے کارنامے یہ کوٹھڑی سے دیکھ رہا تھا۔ اس قیدی کا نام ابو محجن تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور مانے ہوئے شہسوار۔ سیدنا سعدؓ نے انہیں کسی بے قاعدگی کی سزا میں نظر بند کر رکھا تھا۔ نظر بند ہی نہیں بلکہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ سیدنا سعدؓ کی تیمارداری میں ان کی اہلیہ سلمٰی مصروف تھیں۔ انہوں نے کسی طریقے سے ان سے درخواست کی کہ "ان کی بیڑیاں کھول کر سیدنا سعدؓ کا بلقاء نامی گھوڑا انہیں عطا فرما دیں۔ اور قسم کھائی کہ اگر زندہ رہا تو آ کر خود بیڑیاں پہن لوں گا"۔ سلمٰی بنت حفصؓ نے فرمایا: "میں نہ تمہاری بیڑیاں کھول سکتی ہوں اور نہ ہی تمہیں بلقاء نامی گھوڑا دے سکتی ہوں"۔ ابو محجن یاس و ناامیدی کے عالم میں رینگتے ہوئے اپنی کوٹھڑی کی طرف چلے۔ اس وقت ان کی زبان پر کچھ اشعار تھے، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"اس سے بڑھ کر اور کیا غم ہوگا کہ سوار نیزے بازیاں کر رہے ہیں اور میں

Marfat.com

زنجیروں میں جکڑا پڑا ہوں۔ میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیریں نہیں اٹھنے دیتیں اور دروازے اس طرح بند کردیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔ میرے پاس دولت بھی بہت ہے اور میرے بھائی بہت ہیں لیکن ان سب نے مجھے تنہا چھوڑ رکھا ہے اور کسی کو میرا کوئی خیال نہیں۔ میں نے بارگاہ خداوندی میں عہد کیا ہے اور میں اس عہد سے ہرگز نہیں پھروں گا اگر میرے لئے میخانوں کے دروازے بھی کھول دیے جائیں تب بھی میں اس طرف کا رخ نہیں کروں گا۔"

سیدہ سلمیٰ بڑی دلیر اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہیں ان شعروں سے بڑی حسرت ٹپکتی نظر آئی۔ بولیں: "میں تمہارے وعدے سے مطمئن ہوں۔ انہوں نے قیدی کی بیڑیاں کاٹ دیں اور کہا: جاؤ اپنے حوصلہ کو آزماؤ" ابو محجن نے شکریہ ادا کیا اور بلقاء پر سوار ہوئے جو ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ میدانِ جنگ میں جاکر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ کبھی میمنے میں گھس جاتے اور کبھی میسرے میں اور ایرانیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکنا شروع کردیا۔ تھوڑے ہی وقت میں کشتوں کے پشتے لگادیے۔ لوگ حیران تھے یہ جانباز کون ہے؟ کچھ سمجھے کہ یہ ہاشم بن عتبہ کا کوئی ساتھی ہے۔ سیدنا سعدؓ بھی اپنے بالاخانے سے اس جانباز کی کارکردگی دیکھ رہے تھے اور بار بار اس کی جوانمردی کی داد دینے کے لئے درد کے باوجود کھڑے ہو جاتے۔ تلوار ان کے ہاتھ میں اس طرح کھیلتی تھی جیسے بادلوں میں بجلی کا کوڑا۔ کبھی یہ بولتے: واللہ! اگر ابو محجن قید میں نہ ہوتا تو میں کہتا یہ ابو محجن ہے۔ اور اس کی سواری میں میرا گھوڑا بلقاء۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ دادِ شجاعت دینے والا شخص جو میدانِ جنگ میں تیرتا پھر رہا ہے کون ہے؟

سورج جب مجلہ مغرب میں چھپا' دن ختم ہوا اور رات آئی تو ابو محجن میدان جنگ سے واپس آگئے۔ آتے ہی اپنی بیڑیاں پہن کر قید خانے میں چلے گئے۔ سیدنا سعدؓ کی طبیعت پہلے سے کچھ بہتر ہوئی تو بالاخانے سے نیچے آئے۔ دیکھا کہ بلقاء پسینوں میں نہا رہا ہے۔ پوچھا تو سیدہ سلمیٰ نے سارا واقعہ بیان کردیا۔ سیدنا سعدؓ نہایت خوش ہوئے۔ ابو محجن کا قصور معاف کرکے اسے رہا کردیا۔

جب جنگ زوروں پر تھی تو سیدنا قعقاعؓ ایرانی جنگ کے طور طریقوں کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلہ والوں سے مل کر ایک جنگی چال چلی۔ وہ یہ کہ اونٹوں پر بڑی

Marfat.com

بڑی جھولیں اور برقعے ڈال دیے۔ اس سے وہ اونٹ ایسے خوفناک دکھائی دیتے تھے کہ عجمی ہاتھی بھی کیا ہوں گے۔ اس پر طرفہ یہ کہ ان کی کاٹھیوں پر گھاس پھوس بھر کر آگ جلادی۔ اونٹ گھبرا کر بے تحاشا دشمن کی طرف بھاگے۔ ایرانی گھوڑے یہ خطرناک منظر دیکھ کر اپنے سواروں کو گرا کر سرپٹ بھاگے۔ اور سوار دھڑام سے نیچے گرے اور مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے۔ عجمی فوج کا کوئی گھوڑا ایسا نہ تھا جو اس خوفناک بلکہ ہیبت ناک منظر سے بدک کر بھاگا نہ ہو۔ اسی بھاگ دوڑ میں بے شمار ایرانی مارے گئے۔ جو حال ہاتھیوں کی وجہ سے ایک روز قبل مسلمانوں کا ہوا تھا اس سے کہیں بدتر حال آج ایرانیوں کا ہوا۔

سورج ڈوبا رات آئی لیکن لڑائی جاری تھی۔ اس روز لڑائی آدھی رات تک جاری رہی۔ اس روز مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ انہیں فتح کے آثار واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ سیدنا قعقاعؓ نے اس روز تیس ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس روز ایک مجاہد نے یہاں تک جرأت کی کہ رستم کو قتل کرنے کے ارادے سے وہ ایرانی صفوں میں گھس گیا اور انہیں چیرتا ہوا رستم کے قریب جا پہنچا۔ وہ رستم کا کام تمام کرنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے ایک ایرانی نے اسے شہید کر دیا۔ مسلمانوں نے آج کشتوں کے پشتے لگادیے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ایرانیوں کو ان کے مورچوں سے پیچھے دھکیل دیا جائے، لیکن ایرانیوں کی تعداد بے شمار تھی ایک مرتا تو دس اس کی جگہ آجاتے۔ ان کی قوت مدافعت بے حد شدید تھی۔ آدھی رات گذرنے کے بعد فریقین کے لئے لڑائی بند کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا لڑائی بند ہو گئی۔ اس روز مسلمانوں کے ہاتھوں دس ہزار ایرانی قتل ہوئے جب کہ مسلمان شہداء کی تعداد دو ہزار تھی۔

آج سپہ سالارِ لشکر سیدنا سعدؓ کچھ زیادہ ہی خوش تھے اور قلب میں اطمینان بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک سپاہی کو بلایا اور کہا:

"ہر ایک خیمے میں جاؤ۔ دیکھو مجاہد کیا کر رہے ہیں؟ اگر وہ ایک دوسرے کی تعریف کر کے خوش ہو رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اور اگر کچھ لوگ خاموش ہیں تو پھر بھی کوئی بات نہیں، لیکن اگر کسی خیمہ میں ضرورت سے زیادہ ایک دوسرے کی تعریفیں ہو رہی ہیں تو مجھے جگا دینا۔ یہ باتیں غرور و حماقت کی ہوں گی جو ملت کے لئے خطرناک ہیں اور اللہ کو بالکل پسند نہیں"۔

سیدنا سعدؓ کے آدمی نے حسب ہدایت سارے لشکر کو گھوم پھر کر دیکھا ہر طرف

Marfat.com

شجاعت و بہادری کے تذکرے تھے۔ ہر طرف خوشی و مسرت دلوں سے اچھل رہی تھی۔ ہر دل میں کامیابی اور فتح کی امید تھی' لیکن ایک خیمے کے آگے اندھیرا تھا۔ چار جانبازوں اور بہادروں کی لاشیں یہاں دفن کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ خیمے میں ایک بوڑھی خاتون بیٹھی تھیں جس کے چہرے پر غم واندوہ کے بجائے اطمینان اور شکر کی جھلک ٹپک رہی تھی۔ یہ سیدہ خنساءؓ تھی اور وہ لاشے اس کے جگرپاروں کے تھے جن کو اس نے آج اپنے ہاتھ سے سجا کر میدان کارزار میں بھیجا تھا۔ اس نیک بخت اور شیر دل خاتون کی زبان پر یہ کلمہ تھا: "یہ حق تعالیٰ کی کیسی عنایت اور مہربانی ہے کہ مجھے چار شہیدوں کی ماں ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اب میں اس کے سایہ رحمت میں اپنے بچوں سے ملوں گی"۔

یہ وہی خنساءؓ تھیں جن کا مرثیہ گوئی میں کوئی نظیر نہیں تھا۔ سوقِ عکاظ میں ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا "ارثی العرب" یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ انہوں نے اپنے بھائی صخر کی موت پر وہ مرثیہ لکھا تھا کہ پتھر کے کلیجے پانی ہوگئے تھے۔ سوقِ عکاظ کی فضائیں سوگوار ہوگئیں تھیں۔ لیکن آج اس کے لبوں پر مرثیہ نہیں بلکہ سجدۂ شکرانہ تھا۔ علامہ اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان کے عجیب و غریب واقعاتِ زندگی لکھے ہیں۔ وہ اسلام لائیں اور سیدنا عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد زندگی کی اقدار ہی تبدیل ہوگئیں۔

سیدنا سعدؓ تو سوگئے' لیکن اسلامی لشکر میں ایک کمانڈر ایسا بھی تھا جس نے سیدنا خالد بن ولید سیف اللہؓ سے میدانِ جنگ میں راتوں کو جاگنا اور اگلے دن کے لئے جنگ کے رنگ ڈھنگ سوچنا اور جنگی چالوں کی دھن میں لگے رہنا سیکھا تھا۔ یہ کمانڈر سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمیؓ تھے۔ نہایت جانباز اور اپنی دُھن کے پکے۔ صاحبِ فکر و نظر اور زرخیز ذہن کے مالک۔ بنو تمیم کے سردار۔

جنگ کے دوسرے دن جب قادسیہ پہنچے تھے' تو راستہ ہی میں انہوں نے ایک جنگی ترکیب دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے یہ سوچی کہ اپنی فوج کو دس حصوں میں تقسیم کردیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ ہر دستہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اسلامی فوج میں آکر ملتا جائے تاکہ دشمن یہ سن کر حوصلہ ہار بیٹھے کہ بہت بڑی تعداد میں کمک آئی ہے۔ ان کی یہ جنگی چال میدانِ جنگ میں بہت کامیاب رہی۔ دوسری چال میدانِ کارزار میں انہوں نے یہ چلی کہ اونٹوں کو جھول پہنا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دھکیل دیا جس سے اس کو کافی نقصان اٹھانا

Marfat.com

پڑا۔اب بھی وہ رات آنکھوں میں کاٹ کر دشمن کو مرعوب اور ہیبت زدہ کرنے کی کوئی ترکیب سوچ رہے تھے۔اب انہوں نے پھر رات کی تاریکی میں اپنے ساتھیوں کو اسی جگہ بھیج دیا جہاں سے وہ کل میدانِ جنگ میں آئے تھے' اور حکم دیا کہ وہ کل کی طرح ایک ایک سو کے دستوں میں تقسیم ہو کر وقفہ وقفہ سے میدانِ جنگ میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے آئیں۔انہیں یہ بھی امید تھی کہ آج ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ بھی چھ ہزار کے لشکر کے ساتھ پہنچ جائیں گے۔اور ان کی فوج کو بھی اسی تدبیر کے ساتھ میدانِ جنگ میں آنے کی ہدایت کردی گئی۔اس سے ایک تو مسلمانوں کی ہمت میں بڑھاوا پیدا ہوگا اور انہیں کامیابی کا یقین بھی زیادہ ہو جائے گا اور دشمن کے دل میں مسلمانوں کی کمک آنے سے رعب پیدا ہوگا۔ وہ اپنا حوصلہ ہارے گا اور اسے اپنی شکست کا یقین ہو جائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ دوسرے روز کی جنگ میں سیدنا قعقاعؓ نے اپنی غیر معمولی شجاعت' بہادری' جنگی بصیرت سے فتح کی بنیاد ڈال دی تھی۔

مؤرخین جنگِ قادسیہ کے دوسرے دن کو "یوم اغواث" کہتے ہیں۔ بعض حضرات اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ اس روز سیدنا قعقاعؓ نے شام سے آنے والی فوج کے ذریعہ سیدنا سعدؓ کے لشکر کی مدد کی تھی کیونکہ عربی زبان میں غوث کے معنی مدد کے ہیں۔واللہ اعلم

جنگ کا تیسرا دن

تیسرے روز صبح کو جب دونوں لشکر اٹھے تو میدان مقتولوں اور زخمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ جن میں دس ہزار ایرانی دو ہزار مسلمان تھے۔ مقتولوں کو دفن کردیا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لئے اپنے اپنے کیمپوں میں بھیج دیا گیا۔

سورج نکلا اور دونوں لشکر تیسرے روز مقابلہ کے لئے آمنے سامنے آراستہ ہوئے۔رستم نے آج پھر فوج کو تیرہ صفوں میں تقسیم کیا۔ہودج اور عماریوں کی مرمت ہو چکی تھی' اس لیے آج پھر ہاتھی میدانِ جنگ میں لائے گئے۔آج رستم نے ہر ہاتھی کے دائیں بائیں سوار اور پیادے بھی کھڑے کردیے تھے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ یزدگرد کو اس جنگ میں ایرانیوں کی فتح کا پورا پورا یقین تھا کیونکہ اس دفعہ جنگ میں ایرانیوں کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔

Marfat.com

دوسرے اس فوج کا سپہ سالار ایران کا وزیر دفاع رستم بن فرخ زاد تھا جو ایران میں سب سے بڑا کمانڈر مانا جاتا تھا۔ اس لیے اس نے شروع ہی سے میدان جنگ کی لحہ لحہ کی خبریں معلوم کرنے کے لئے انتظام کر رکھا تھا۔ یزدگرد کو پتہ چلا کہ مسلمانوں کی کمک آئی ہے تو آج اس نے بھی میدان جنگ میں تازہ دم فوج روانہ کی اور اپنے سرداروں اور کمانڈنگ افسروں کے لئے تحفے بھی بھیجے اور رستم کو کہلا بھیجا کہ آج ایران کا نام صرف تم سے زندہ ہے اور صرف تم ہی ایک آدمی ہو جو اس نام کی عزت برقرار رکھ سکتا ہے"۔ بادشاہ کے یہ کلمات رستم کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے لشکر کو تین صفوں میں ترتیب دیا۔ ہر قبیلے کے جوانمردوں کو دس دس کی کمپنیوں میں تقسیم کیا اور ہر قبیلے کا ایک کمانڈنگ آفیسر مقرر کیا۔ ابھی نقارہ جنگ پر چوٹ نہ پڑی تھی کہ سیدنا قعقاعؓ بن عمروؓ لشکر کے پیچھے کھڑے ریگستان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب دور سے انہیں سواروں کے دستے نظر آئے تو مسلمانوں کے لشکر سے "کمک آگئی" کے آوازے بلند ہوئے اور ساتھ ہی "اللہ اکبر" کے نعرہ نے فضا کو خوشی اور مسرت سے بھر دیا۔ جنگ شروع ہونے کو تھی تو ایک اور دستہ میدانِ جنگ میں نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا میدان میں آملا۔ اس کے آگے ہاشم بن عتبہؓ تھے۔ انہوں نے سیدنا قعقاعؓ سے آکر کہا: "میں نے اپنے چھ ہزار سواروں کو وہیں چھوڑ دیا ہے جہاں آپ کے جانباز کھڑے ہیں اور ان سب کو تاکید کردی گئی کہ جب تک پہلا دستہ اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اس وقت تک دوسرا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ یہ لوگ دن بھر مسلسل آتے رہیں گے۔

آج مسلمانوں کی کمک سے ایرانیوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے کیونکہ آج ان کے ساتھ ہاتھی تھے اور یقین دلایا گیا تھا کہ آج مسلمانوں کو "یوم ارماث" سے بھی زیادہ نقصان ہوگا بلکہ آج ایرانیوں کی فتح یقینی ہے۔ لیکن آج مسلمانوں نے ہاتھیوں کی پیش بندی کی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں آج ان کی فوج میں دو جرنیل ایسے تھے جو ہاتھیوں کی پیش بندی کے سارے داؤ کرتب جانتے تھے' ان میں ایک تو سیدنا قعقاعؓ بن عمروؓ تھے اور دوسرے ہاشم بن عتبہؓ۔ ان دونوں کو ایرانی محاذوں پر جنگ کا بہت تجربہ تھا۔ سیدنا ہاشم بن عتبہؓ کے ساتھ ایک اور جانباز بھی تھے جن کا نام قیس بن ہبیرہ تھا جن کا شمار مشہور شہسواروں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ جونہی آیات الجہاد کی تلاوت ختم ہوئی اور ایرانیوں نے طبلِ جنگ پیٹا تو ہاشمؓ تیر برساتے

Marfat.com

ہوئے اپنے ساتھیوں کو لے کر ایرانی لشکر کے قلب پر ٹوٹ پڑے۔ حملہ کچھ اس بے جگری سے کیا گیا کہ ایرانی پیچھے ہٹتے چلے گئے اور مسلمان نہ عتیق تک جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر مسلمان مجاہد پلٹے اور پھر دشمن پر جھپٹے۔ ایرانیوں نے چاہا کہ انہیں دونوں جانب سے داب لیں لیکن تیروں کی باڑھ کچھ ایسی تھی کہ ان کی پیش نہ گئی قیس بن ہبیرہؓ نے بھی آج بے پناہ جرأت کا مظاہرہ کیا۔ آج ہاتھیوں پر حملہ کی ابتداء انہوں نے ہی کی۔ ان کا گھوڑا زخموں سے چور ہو گیا تھا۔ جب دیکھا کہ گھوڑا جانبر نہ ہو سکے گا تو ایک ایرانی سوار کا پاؤں پکڑ کر کھینچا اور اسے گھوڑے سے گرا کر اس پر قبضہ کر لیا۔

جنگ لحہ بہ لحہ شدت اختیار کر رہی تھی۔ جب جنگ کی شدت بڑھی تو ایرانی تیر انداز اور زرہ پوش ہلہ بولنے لگے۔ رستم اپنے زرنگار تخت پر بیٹھا میدان جنگ میں ہدایات بھیج رہا تھا۔ اس نے ایک جگہ دیکھا کہ بکتر بند ایرانی سواروں کا ایک دستہ مسلمانوں کو خوب دبا رہا ہے۔ رستم اسی قسم کے موقع کی تلاش میں تھا للہذا اس نے اب میدانِ جنگ کا ڈھنگ اور طور طریقہ بدلنا چاہا۔ فوراً حکم دیا کہ ہاتھیوں کو میدان کارزار میں جھونک دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں آ گئے اور مجاہدین اسلام کو پاؤں تلے روندنے کی کوشش کرنے لگے۔

ان ہاتھیوں میں دو ہاتھی نہایت خطرناک تھے۔ ایک ابیض (سفید) اور دوسرا اجرب (چتکبرا) یہ جب چنگھاڑتے ہوئے آگے بڑھتے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں موت پھر جاتی۔ جو زد میں آ جاتا اس کا بچنا مشکل ہوتا۔ کوئی ان کی سونڈ کی مار میں آتا تو کوئی پیروں تلے کچلا جاتا۔ غرض کہ جس طرف یہ دونوں رخ کرتے تباہی مچا دیتے اور ایسا قیامت کا سماں برپا کر دیتے کہ الامان والحفیظ۔

امیر لشکر سیدنا سعدؓ نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھیوں نے یوم ارمات کی طرح تباہی مچانی شروع کر دی ہے تو انہوں نے ان نو مسلم ایرانیوں کو بلایا جو اپنی جان کے خوف سے مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے کیمپ میں تھے اور اس بلائے ناگہانی کا علاج معلوم کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ان کی آنکھیں اور سونڈیں بے کار کر دی جائیں تو پھر یہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ سیدنا سعدؓ نے اسی وقت سیدنا قعقاعؓ اور سیدنا عاصمؓ کو بلا کر کہا: "سفید ہاتھی تمہارے دستہ کے سامنے ہے۔ تم اس کا ذمہ لے لو"۔ اس کے بعد بنو اسد کے دو جانبازوں حمال اور ربیل کو پیغام بھیجا کہ تمہارے سامنے اجرب ہاتھی ہے اس کا بندوبست تم کرو۔

Marfat.com

دراصل یہ دونوں ہاتھی ہی سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ دوسرے سارے ہاتھی انہی کے پیچھے چلتے تھے۔

سیدنا قعقاع ؓ اور عاصم بن عمروؓ گھوڑوں سے اتر پڑے اور دونوں نے اپنے اپنے نیزے ابیض ہاتھی کی آنکھوں میں گھونپ دیے۔ ہاتھی مارے درد کے چنگھاڑا اور فیلبان کو ہودج سے نیچے گرا کر سونڈ پھرانے لگا۔ سیدنا قعقاع ؓ آگے بڑھے اور اس کی سونڈ پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ادھر حمال اور ربیل دونوں نے اجرب ہاتھی پر حملہ کیا۔ اس کی آنکھیں پھوڑ کر جگہ جگہ سے اس کے مستک کو زخمی کر دیا۔ وہ چیختا چنگھاڑتا اور اپنی صفوں کو روندتا ہوا پیچھے کو بھاگا۔ اجرب بھاگا تو دوسرے کچھ ہاتھی اس کے پیچھے بھاگے اور میدان جنگ میں ایک قیامت آسا تہلکہ مچا کر سب نہر میں کود پڑے اور پھر واپس نہ آئے۔ اس مرحلہ پر جنگ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی کیونکہ ہاتھیوں نے جب مسلمانوں کی صفوں کو روندنا اور برہم کرنا شروع کیا تو ایرانیوں کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور اب جب ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے پیچھے بھاگے اور ایرانیوں کی صفوں کو روندتے ہوئے نہر میں جا کودے تو مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہاتھیوں کے اس فرار کو دشمن کے خلاف اللہ کی نصرت قرار دیا۔

ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو چکی تھیں اس وجہ سے اب انہوں نے اپنی صفوں کو از سر نو ترتیب دیا۔ دوسرے یزدگرد کی طرف سے کچھ کمک بھی آ گئی تھی جس نے ایرانیوں کو بڑھاوا دیا اور اس طرح دوبارہ نہایت شدت کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی۔ سارا میدان گرد و غبار سے اٹ گیا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ سیدنا سعدؓ اور رستم دونوں میں سے کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کون غالب آ رہا ہے اور کون مغلوب۔

عمرو بن معدی کربؓ نہایت بہادر جرنیل تھے۔ انہوں نے آج قادسیہ کے میدان میں اپنی بہادری کے وہ جوہر صفحہ تاریخ پر نقش کیے جو ہمیشہ یاد رکھے گئے اور رکھے جائیں گے۔ زخموں پر زخم آئے تھے اور جگہ جگہ سے جسم نیزوں سے چھد گیا تھا لیکن تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔ مردانہ وار عقاب کی طرح اپنے شکار پر جھپٹتے۔ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں بے درنگ نہ گھس جاتے۔ مسلمانوں کے جانباز جب ابیض و اجرب سے نپٹ رہے تھے تو ایک ایرانی سردار گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے پاس سے گذرا۔ اس نے دیکھا کہ دشمن کا ایک سپاہی سامنے ہے تو ایک ہاتھ جڑ دیا۔ یہ پلٹے۔ سوار نے ان کے تیور دیکھے تو گھوڑے کو چمکا کر نکل جانا چاہا'

Marfat.com

لیکن یہ بھی عمرو بن معدی کرب تھے۔ بھلا کہاں جانے دیتے۔ گھوڑے کی دم پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ ایرانی سردار نے گھوڑے کو مہمیز لگا کر نکلنے کی کوشش کی لیکن "ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ" یہ بھی شہزوری کا مقابلہ تھا۔ ایرانی سردار نے ہر چند زور لگایا لیکن گھوڑا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اب وہ دہشت سے گھوڑے سے کودا اور ہیبت سے بھاگا اور پلٹ کر نہ دیکھا۔ یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے اور کچھ دیر ستانے کے بعد اپنی صفوں میں جا ملے۔ لیکن اس مرد مجاہد کو قرار کہاں۔ کچھ ستایا بھی نہ تھا کہ پھر نکل آئے اور جوشِ مردانگی میں ادھر ادھر حملہ کرنے لگے اور جو سامنے آتا گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے۔ یہ میدانِ جنگ میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے جیسے دریا میں نہنگ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اب جو گھوڑا اڑا کر نکلے تو دشمن کی ایک صف میں جا گھسے اور یوں دشمن پر حملہ کرتے جیسے شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ نہ صرف خود لڑتے بلکہ ساتھیوں کو بھی بڑھاوا دیتے۔ اپنے ساتھیوں کو کہتے:

"اللہ کے شیرو! طوفان بن کر امنڈو' بادل بن کر گرجو' بجلی بن کر گرو۔ یہ ہمارے دشمن ہیں کس شمار و قطار میں؟ ان کے دل بھی چھوٹے اور ان کے نیزے بھی چھوٹے یہ چھوٹے چھوٹے نیزے ٹوٹ جائیں تو تکلے رہ جاتے ہیں اور ان کے دل چھوٹ جاتے ہیں۔ آؤ میرے ساتھ بڑھو' ان پر یلغار کرو یہ ہمیں دیکھتے ہی بھاگیں گے کیونکہ ان کے حوصلے چھوٹے ہیں"۔

ایرانی کمانڈر نے دیکھا کہ فوجی جی چھوڑ رہے ہیں۔ اور وہ مسلمان سپاہیوں کو دیکھتے ہی پیٹھ پھیر دیتے ہیں تو اس نے مسلمانوں پر مست ہاتھی چھوڑ دیا۔ ساتھ پیدل فوج بھی تھی۔ عمرو بن معدی کربؓ کے ساتھ بھی مسلمان جانبازوں کی ایک بٹالین لگی ہوئی تھی۔ یہ فوراً گھوڑے سے کود کر ہاتھی کی طرف بڑھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا: "ہاتھی کو میں دیکھ لوں گا۔ بس اتنا کرو کہ میرے پیچھے پیچھے رہو"۔

سیدنا عمرو بن معدی کربؓ نعرہ زن آگے بڑھے تو ہاتھی چنگھاڑتا دھاڑتا ان پر چڑھ آیا۔ یہ اس کے مستک پر گھاؤ پر گھاؤ لگاتے گئے یہاں تک کہ ہاتھی منہ پھیر گیا ایرانی پیادے سپاہی ہاتھی کو زور دیتے ہوئے لا رہے تھے وہ بھی بہادر کو موت سے لڑتا دیکھ کر حملہ آور ہو گئے لیکن زخمی ہاتھی کی تڑپ اور پیادوں کی تگ و دو سے اتنا گرد و غبار اٹھا کر کچھ نظر نہ آتا تھا کہ وہ اس کی لپیٹ میں او جھل ہو گئے۔ ادھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مل کر ایسا زور دار حملہ کیا کہ ایرانی پیادوں کو بھاگنے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہ آئی۔ دشمن کی فوج

Marfat.com

پیچھے ہٹی تو سیدنا عمرو بن معدی کرب زخموں سے چور سر سے پاؤں تک لہو میں نہائے اپنی جگہ کھڑے تھے۔ شجاعت کے یہ انمول نقش انہوں نے تاریخ کے سینے پر ثبت کر دیے۔

جنگ کے دو روز گذر جانے کے بعد اب بھی رستم کے پاس ایک لاکھ کے لگ بھگ فوج تھی، کہیں زرہ پوش دستہ کھڑا تھا تو کہیں لوہے اور فولاد میں غرق سوار تھے کہیں پیدل تھے تو کہیں تیر انداز۔ پھر ہاتھیوں کا پرا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ سب حربے آزما چکا تھا مگر کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا ہر محاذ پر مسلمانوں سے منہ کی کھائی۔ بدمست ہاتھیوں کا پرا بے کار ہو گیا۔ وہ ہودج اور عماریاں جو آراستہ پیراستہ تھیں، کوئی صندوق کی طرح بند تو کوئی پالنے کی طرح اوپر سے کھلی، ایک سے ایک اعلیٰ نشانے باز اس میں بیٹھا ہوا تھا، کوئی بھی اس کے کام نہیں آ رہا تھا۔ پھر کسریٰ ایران کی طرف سے حوصلہ افزا بیانات انعام و اکرام کی بارشیں، مال و زر کے انبار، درفش کاویانی کا سایہ، مقدس آگ کی خوشبوئیں کوئی شئے بھی ایرانی فوجوں کو اسلامی فوجوں کے مقابل میں ٹکنے نہ دے رہی تھیں۔

دوسری طرف مسلمان، ایرانیوں کے مقابلہ میں چوتھائی لشکر بھی پاس نہیں۔ سامان حرب و ضرب بھی اتنا عمدہ اور اعلیٰ نہیں جتنا ایرانی فوجوں کے پاس تھا، لیکن رستم بن فرخ زاد جیسا تجربہ کار، آموزدہ، دور اندیش، میدان جنگ کا ماہر سپہ سالار ہیبت زدہ اور حوصلہ ہارا ہوا تھا۔ جس جس شئے پر اسے بڑا بھروسہ تھا وہ سب بے کار ثابت ہوئیں۔ ہاتھیوں پر اسے سب سے زیادہ بھروسہ تھا لیکن مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے کاغذ کے ہاتھی نکلے۔ مسلمان جیالوں نے ان کوہ آسا ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں، سونڈیں کاٹ ڈالیں اور انہیں خرگوشوں کی طرح بھگا بھگا کر مارا۔ وہ اپنے تخت زر نگار پر بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ اجرب و ابیض ان لوگوں سے پٹ گئے۔ ان کو دیکھ کر عقل دنگ اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ یزدگرد جو لحہ لحہ کی خبریں میدان جنگ سے حاصل کر رہا تھا۔ اب وہ اس کو کیا بتائے کہ ایرانی مسلمانوں سے چار گنا زیادہ فوج رکھنے کے باوجود بھی ان پر فتح حاصل نہیں کر سکے۔

رستم نے اب ایک اور حربہ اختیار کیا کہ اپنا زرہ پوش دستہ آگے بڑھایا۔ مسلمانوں کی طرف سے قبیلہ حمیضہ کے بہادروں نے بڑھ کر اسے روکا، لیکن کوئی تدبیر ان کے کام نہ آئی۔ مجاہدوں کی تلواریں ان کی زرہوں پر اچٹ کر رہ گئیں۔ سالارِ قافلہ نے

Marfat.com

جب دیکھا کہ تلواریں کام نہیں کر رہیں تو نیزہ تان کر آگے بڑھا اور تاک کر ایک زرہ پوش پر کچھ اس زور سے مارا کہ نیزے کا پھل آر پار ہو گیا۔ سردار لشکر کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں نے بھی نیزے نکال لیے اور چشم آفتاب نے پہلی دفعہ یہ نظارہ دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ زرہ پوش رسالہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔

سورج اسلام کے ان جانبازوں کی ہمت اور بہادری کی تاب نہ لا کر منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔ آخر کو وہ بالکل حجلہ مغرب میں چھپ گیا۔ لڑائی میں کچھ ٹھنڈک پیدا ہوئی، لیکن دونوں طرف کی فوجیں اپنے کیمپوں میں واپس نہیں گئیں بلکہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہی رہیں۔ گویا اپنی اپنی جگہ دونوں نے ٹھان لی کہ آج جنگ کا فیصلہ کر کے ہی واپس جائیں گے۔ اس فیصلہ میں رستم اور سیدنا سعدؓ کا عمل دخل نہیں تھا بلکہ یہ بات دونوں طرف کے سپاہیوں نے خود ہی طے کی تھی۔ سیدنا سعدؓ کا خیال تھا کہ اب چونکہ رات ہو گئی ہے لہٰذا دونوں لشکر اب جنگ بند کر کے چوتھے دن کے لئے جنگ کی تیاری کریں گے، لیکن انہیں اندیشہ ہوا کہ دشمن کہیں لشکر کے پیچھے گھاٹ کی طرف سے حملہ نہ کر دے۔ چنانچہ انہوں نے طلیحہ بن خویلد اور عمرو بن معدی کرب کو تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ ادھر روانہ کیا اور فرمایا: "اگر تم دیکھو کہ ایرانی تم سے پہلے وہاں موجود ہیں تو ان کے بالمقابل اتر جانا اور اگر وہ وہاں نہ ہوں تو وہیں ٹھہر کر میرے حکم کا انتظار کرنا"۔ جب یہ لوگ گھاٹ پر پہنچے تو وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ طلیحہؓ اور عمروؓ دونوں کے دل میں خیال آیا کہ پانی میں گھس کر ایرانیوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیں۔ یہ کس طرح کیا جائے؟ اس پر ان دونوں حضرات میں اختلاف ہو گیا۔ طلیحہ بن خویلدؓ ایرانی لشکر کی پشت پر پہنچ گئے اور تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس نعرہ سے ایرانی خوفزدہ ہو گئے اور سمجھے کہ مسلمانوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا ہے۔ ادھر مسلمانوں کو یہ آواز سن کر سخت تعجب ہوا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ایرانیوں نے ان کے حفاظتی دستہ پر حملہ کر دیا۔ اور وہ ہمیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ عمرو بن معدی کربؓ نے گھاٹ کے نچلے حصہ کی ایرانی فوج پر ہلہ بول دیا۔ ایرانیوں کو عربوں کی بدعہدی کا یقین ہو گیا اور جوابی حملے میں ان کی فوجیں بھی عربوں پر ٹوٹ پڑیں۔ سیدنا قعقاعؓ نے جو یہ دیکھا تو سیدنا سعدؓ سے اجازت لئے بغیر ایرانیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ سیدنا سعدؓ اگرچہ بالا خانے میں بیٹھے ایرانیوں پر حملہ کے متعلق سوچ رہے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ قعقاعؓ نے حملہ کر دیا ہے تو کہا:

اللھم اغفر لہ وانصرہ

اے اللہ! اسے معاف کر دے اور اس کی مدد فرما۔

ہر چند اس نے مجھ سے اجازت نہیں لی لیکن میں اسے اجازت دیتا ہوں۔ اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں جب تیسری تکبیر کہوں تو حملہ کر دینا۔ لیکن ابھی انہوں نے پہلی تکبیر ہی کہی تھی کہ بنو اسد نے حملہ کر دیا اور اس کے ساتھ ہی بنو نخع' بنو بجیلہ اور کندہ کے قبائل بھی جنگ کی آگ میں کود پڑے۔ سیدنا سعدؓ کی نگاہ سیدنا قعقاعؓ پر گئی تو دیکھا کہ ان کے چاروں طرف جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اور وہ چومکھی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان سب کے لئے مغفرت چاہی اور ان کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی۔

سیدنا سعد کی دوسری اور تیسری تکبیر پر عام جنگ شروع ہو گئی۔ اب میدان میں ہر طرف تلواروں کی جھنکاریں تھیں اور خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ ایک چیخ و پکار کا عالم تھا۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی لڑائی شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ رات بھر قیامت خیز جنگ جاری رہی۔ دونوں طرف کے سپہ سالاروں کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ سیدنا سعدؓ اب اپنے بالا خانے میں دست بدعا تھے اور لشکر کی کامیابی کے لئے اللہ کے حضور میں سجدہ ریز تھے۔ جب صبح نے اپنا نور بکھیرنا شروع کیا تو مسلمان اپنے اپنے قبیلہ کی تعریف کرنے لگے۔ یہ آوازیں جب سیدنا سعد کے کانوں میں پہنچیں تو انہیں اطمینان ہو گیا کہ مسلمان غالب ہیں۔ اور انہوں نے ایرانیوں کی گردنوں کو دبوچ رکھا ہے۔ اتنے میں انہوں نے سیدنا قعقاعؓ بن عمروؓ کو رجز پڑھتے دیکھا جس کا ترجمہ یہ تھا۔

"ہم نے گروہ کے گروہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے ہیں۔ چار چار بھی پانچ پانچ بھی اور ایک ایک بھی۔ ہم بڑی سے بڑی جمعیت پر بھی بھاری سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ میرے حریف جب تک موت کی نیند نہ سو گئے میں انہیں برابر تیغ آزمائی کے لئے للکارتا رہا۔ اللہ میرا رب ہے اور میں نے اس کی قوی اور مضبوط آڑ پکڑی ہے"۔

مؤرخین نے اس رات کو "لیلۃ الہریر" کہا ہے کیونکہ یہ بڑی ہنگامہ آفرین اور خون فروش تھی۔ اگرچہ صبح نے بیداری کی کروٹ بدلی لیکن ابھی تک فتح و کامیابی نے کسی فریق کے پرچم سے اپنا دامن نہیں باندھا تھا۔ چوبیس گھنٹوں کی اس مسلسل لڑائی سے اسلامی فوج تھکی نہیں تھی حالانکہ میدانِ جنگ میں انہوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ سیدنا

Marfat.com

قعقاعؓ نے چل پھر کر لوگوں سے کہا صبر کرو اور جنگ جاری رکھو کیونکہ جنگ صبر و تحمل سے ہوتی ہے۔ آج سورج کے سر پر پہنچتے ہی انشاء اللہ فتح کا پرچم ہمارے ساتھ ہوگا"۔ سیدنا قعقاعؓ کی اس للکار نے مسلمانوں کو پھر تازہ دم کر دیا۔ اب قعقاعؓ جنگی جوڑ توڑ میں لگ گئے۔

بہادروں اور کمانڈروں کی ایک جماعت کو اکٹھا کر کے سیدنا قعقاعؓ نے کہا: "میرے ساتھ آؤ، جب تک رستم زندہ ہے جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ چلو دشمن کے اس منارۂ ہمت کو مسمار کریں۔ یہ مارا جائے تو پھر ایرانی فوج کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ ان کی دُور بینی اور دُور اندیشی تھی اور جنگ ہمت کے ساتھ ساتھ دُور اندیشی سے بھی جیتی جاتی ہے۔

چند لمحوں میں مختلف سردار اپنے اپنے جنگ آزما بہادر اور شجاعت آفرین نوجوان لے کر آگے بڑھے۔ ایرانی فوج پہلے ہی زمین چھوڑ رہی تھی۔ یہ لوگ کچھ اس تیزی اور بہادری سے حملہ آور ہوئے اور کچھ اس رنگ ڈھنگ سے دشمن پر ٹوٹ پڑے کہ ایرانی فوج کے دونوں بازو کمزور ہو گئے۔ مجاہدینِ اسلام انہیں دبا کر اب جو آگے بڑھے تو رستم کے قلبِ لشکر کا راستہ ان کے لئے کھل گیا۔ یہی وہ موقع تھا جس کے انتظار میں اللہ کے ان شیروں نے پوری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ مدد فرمائی کہ ساتھ ہی زور کی آندھی آئی اور رستم کا خیمہ مہرِ عتیق میں اڑا لے گئی۔ جب دشمن کے دائیں اور بائیں بازو کے کمانڈر فیروزان اور ہرمزان پیچھے ہٹنے لگے اور فوج کے قلب میں شگاف پڑا تو سیدنا قعقاعؓ نے للکار کر کہا: "بہادرو! دشمن پر میدانِ جنگ تنگ ہو گیا ہے۔ سمٹ کر آؤ، مل کر بڑھو اور رستم پر ٹوٹ پڑو"۔

اللہ جانے اس جوان مرد کی آواز میں کیا جادو تھا کہ جوانانِ جری بگولے کی طرح بڑھے اور ژالوں کی طرح رستم کی رکاب کی فوج پر گرے۔ رستم اپنے تختِ رواں پر بیٹھا بڑی آن بان اور غرور و نخوت سے احکام صادر کر رہا تھا۔ مجاہدوں کی اب وہ یلغار تھی کہ قلم کو اس کیفیت کے لئے تابِ نگارش نہیں۔ انہوں نے نیزے پھینک دیئے، گھوڑے چھوڑ دیئے، پیادوں کے ساتھ مل کر تلواریں سونت لیں۔ ایسا رَن پڑا کہ معلوم ہوتا تھا کہ تلواروں کا مینہ برس رہا ہے۔ تلواریں کام کی نہ رہیں۔ نیزوں کے پھلوں میں چھالے پڑ گئے۔ دونوں فریق گتھم گتھا ہو گئے۔

اب اشعث بن قیس، عمرو بن معدی کرب، ابن ذی البردین اور قیس بن مشکوح کی

Marfat.com

نظر جو قعقاعؓ اور ان کے ساتھیوں پر پڑی اور دیکھا کہ وہ چومکھی لڑ رہے ہیں، تو انہوں نے اپنے اپنے قبیلوں سے پکار کر کہا: "دیکھو، یہ لوگ خدا کی راہ میں ہم سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم کہیں ان سے پیچھے نہ رہ جائیں"۔ بس ان کے پکارنے کی دیر تھی کہ بہادروں کا ایک ریلہ رستم کے تختِ رواں کی طرف جھپٹا۔ اب تو تلواروں کی آنچ ایسی تیز ہوئی کہ سورج سوا نیزے پر آ گیا۔ اب مجاہدوں کا ہدف ایرانی نہیں تھے بلکہ رستم تھا۔ سیدنا قعقاعؓ دشمنوں کو چیرتے، ان کی صفوں کو پھاڑتے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ ایرانی سورما اس یلغار سے بالکل ہی دل ہار بیٹھے۔ سب کے پاؤں اکھڑ گئے۔ رستم تخت سے اتر کر لڑنے لگا لیکن مجاہدوں کی تلواروں سے گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب وہ ان خچروں کی طرف بھاگا جن پر فوج کے انعام واکرام کے لئے دولت لاد کر لائی گئی تھی۔ وہ ایک خچر پر لدے سامان کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ قعقاعؓ کی فوج کے سپاہی نہر کی طرف نکل گئے۔ انہیں نہ یہ پتہ چلا کہ خچروں پر دولت لدی ہوئی ہے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ رستم سامان کے پیچھے چھپا کھڑا ہے۔ ہلال بن علقمہ نے ایک خچر پر تلوار کا ہاتھ مارا جس سے اس سامان کی رسی کٹ گئی جس کے نیچے رستم چھپا کھڑا تھا۔ سارا بوجھ رستم پر گرا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی لیکن ہلال بن علقمہ کو اس کا پتہ نہ چلا۔ رستم دوڑ کر نہر میں کود گیا۔ ہلال نے اسے دیکھا اور پہچان گئے۔ چنانچہ اس کے پیچھے وہ بھی نہر میں کود گئے اور اسے نہر سے نکال کر قتل کر دیا۔ پھر اس کے تختِ رواں پر کھڑے ہو کر چلائے: "ربِ کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا۔ لوگو، ادھر آؤ، دیکھو، میں نے رستم کو قتل کر دیا"۔ مسلمان نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ہلال کے گرد جمع ہو گئے۔

ایرانیوں کو جب پتہ چلا کہ رستم مارا گیا ہے تو ان کے اوسان خطا ہو گئے، جی چھوٹ گئے، حوصلے جاتے رہے۔ جالینوس نے انہیں کہا کہ پل کے اوپر سے دریا عبور کر لو۔ چنانچہ پل پر پہنچنے کے لئے بھگدڑ مچ گئی۔ پل کمزور تھا۔ اتنے سپاہیوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور ٹوٹ گیا جس سے تیس ہزار ایرانی اپنی زرہوں سمیت دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ ضرار بن خطاب نے ایران کا سب سے بڑا پرچم "درفش کاویانی" اٹھا لیا جس کی قیمت کروڑوں تک پہنچتی تھی۔ اور اس طرح سے اس کی فوجوں کو عبرت ناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

ایرانی فوج بھاگ رہی تھی۔ سیدنا سعدؓ نے اس کے تعاقب کا حکم دیا۔ سیدنا قعقاعؓ، شرحبیل اور اس کے بعد زہرہ تمیمی اور دوسرے کئی ایک جرنیل ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔

Marfat.com

زہرہ نے جالینوس کو جالیا جو شکست خوردہ سپاہیوں کو اکٹھا کر رہا تھا۔ اور اسے قتل کر دیا۔ مسلمانوں کو جو بھی ایرانی ملتا وہ یا تو اسے قتل کر دیتے یا گرفتار کر لیتے۔ بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ مسلمان ایرانی بھگوڑوں کو ایک دوسرے کے قتل کا حکم دیتے اور وہ بے چون وچرا اس کی تعمیل کرتے۔ کیونکہ ایرانیوں کی معنوی قوت بالکل ختم ہو چکی تھی اور ان میں مقاومت کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہا تھا۔ ایرانی فوج کے افسران بھی فرار ہو رہے تھے۔ فوجیوں نے جب اپنے افسروں کو فرار ہوتے دیکھا تو انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایک مسلمان نوجوان بیسیوں ایرانی سپاہیوں کو ہانکتا ہوا لے جاتا اور وہ اس کے آگے بھیڑوں کی طرح سر جھکائے چلتے۔

یہ شاندار فتح مسلمانوں کو دل و جان سے زیادہ عزیز تھی۔ مسلمانوں کے اہل و عیال کو جب اس شاندار فتح کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ رستم بھی مارا گیا ہے تو وہ بھی میدانِ جنگ کی طرف چلے۔ امِ کثیر، ہمام بن حارث نخعی کی بیوی ہے، وہ کہتی ہے کہ ہم بھی اپنے شوہروں کے ساتھ جنگِ قادسیہ میں شریک تھے۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے اور ایرانی فوجیں بھاگ رہی ہیں تو ہم نے اپنی کمر کس کے باندھ لی اور ڈنڈے لے کر مقتولین اور زخمیوں کے پاس پہنچے۔ اگر کوئی مسلمان ہوتا تو ہم اسے پانی پلاتے اور مرہم پٹی کے لئے اٹھا لیتے۔ اگر کوئی ایرانی ہوتا تو ڈنڈے مار مار کر اس کا کام تمام کر دیتے۔ بچے بھی ہمارے ساتھ تھے، وہ بھی یہی کچھ کرتے تھے۔ اس طرح تمام مرد، عورتیں اور بچے اس فیصلہ کن معرکہ میں شامل تھے۔

شکست کے بعد چند نامور ایرانی افسر جو مختلف ریاستوں کے مالک تھے میدان کارزار میں ثابت قدم رہے' ان میں شہریار' ابن البرید' فرخان اہوازی اور خسرو شنوم ہمدانی نے میدان جنگ میں اپنی جان دے دی' لیکن ہرمزان راہوز اور قاران وغیرہ بھاگ نکلے۔ ایرانی کتنے قتل ہوئے اس بارہ میں تاریخ کی کسی کتاب میں تعداد تو نہیں ملی' البتہ مسلمان شہداء کی تعداد چھ ہزار بتائی گئی ہے۔

اس جنگ میں سیدنا سعدؓ عرق النساء کے درد کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے' اس وجہ سے فوج کو ان کی طرف سے بد گمانی رہی' یہاں تک کہ ایک شاعر نے ان کے بارہ میں کہا:

وقاتلت حتی انزل الله نصره
وسعد بباب القادسية معصم

Marfat.com

فابنا وقد آمت نساء كثيرة

ونسوة سعد ليس فيهن ايم

یعنی ہم لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، لیکن سعدؓ قادسیہ کے دروازہ سے چمٹے رہے۔ جب ہم واپس ہوئے تو ہماری بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعدؓ کی کوئی بیوی بیوہ نہ ہوئی تھی۔

یہ اشعار بچے بچے کی زبان پر جاری ہو گئے۔ سیدنا سعدؓ کو جب ان اشعار کے بارہ میں پتہ چلا کہ بعض ذمہ دار لوگ ان پر جنگ سے جی چرانے کا الزام لگا رہے ہیں۔ اور انہیں بزدلی اور بے ہمتی کے طعنے دے رہے ہیں تو انہیں بہت دکھ ہوا، اور غصہ میں اپنے پاس والوں سے فرمایا: "مجھے اٹھا کر لوگوں کے سامنے لے جاؤ" چنانچہ آپ کو اٹھا کر لوگوں کے سامنے لے جایا گیا اور فوج نے ان کی تکلیف دیکھ کر انہیں واقعی معذور قرار دیا۔ لیکن سیدنا سعدؓ کو الزام لگانے پر بہت غصہ تھا۔ اس لیے فرمایا: "بخدا! اگر تم دشمن کے مقابل نہ ہوتے تو میں تمہیں عبرت آفریں سزا دیتا۔ واللہ! آج کے بعد اگر کسی نے کوئی ایسی حرکت کی جو ہمیں دشمن سے غافل کر دے تو اس کے ساتھ میں وہ سلوک کروں گا جو آنے والوں کے لئے ایک مثال ہو گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ اشعار سن کر فرمایا:

اللهم ان کان هٰذا کاذباً و قال الذی قاله ریاء وسمعة فاقطع لسانه

اے اللہ! اگر یہ بات کہنے والے نے غلط کہی ہے اور ریاکاری کے جذبہ سے کہی ہے تو میری طرف سے اس کی زبان بند کر دیجئے

سیدنا سعدؓ نہایت مستجاب الدعوات تھے لہٰذا وہ شخص صف میں کھڑا تھا کہ ایک تیر سیدھا اس کے منہ میں آکر لگا۔ زبان بھی بند ہو گئی اور شہید بھی ہو گیا۔

بہر حال اس جنگ میں مسلمانوں کے رشک آفریں کارناموں اور افسروں اور جوانوں کی سر فروشی اور جانبازی اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے شاندار فتح ہوئی۔ مسلسل تیس (۳۰) گھنٹوں کی جنگ میں مسلمانوں نے کس طرح اپنا خون بہایا، کس بے باکی سے اپنی جانیں نچھاور کیں کہ دشمن بھی دنگ رہ گیا، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح سے ہم کنار کیا۔ چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس سے پہلے دو دن "یوم ارماث" اور "یوم

Marfat.com

اغواث" میں اڑھائی ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ لیکن ان کے مقابلہ میں ایرانی فوجوں کو جو جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا وہ اس سے کئی گنا زیادہ تھا۔ تیس ہزار ایرانی تو پل کے ٹوٹنے کی وجہ سے دریا کی لہروں کی نذر ہو گئے۔ تینوں روز میدانِ جنگ ان کی لاشوں سے اٹا پڑا تھا۔ پھر بھاگتے ہوئے کتنے لوگ مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔

سیدنا قعقاع ؓ سیدنا عمرو بن معد یکرب ؓ سیدنا عاصم بن عمرو ؓ اور فوج کے دوسرے افسران فتح کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فتح کی خوشی اور مسرت نے سیدنا سعد ؓ کی تکلیف میں بھی کچھ کمی کر دی تھی۔ انہوں نے ان افسران اور سپاہیوں کی کارکردگی کی تعریف کی کیونکہ یہ بالاخانے میں بیٹھ کر ہر ایک کی کارکردگی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

دشمن کی غنیمت کا مال جو اکٹھا کیا گیا تو ڈھیر لگ گیا۔ اتنا مال ان لوگوں نے اس سے قبل کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ سیدنا سعد ؓ نے قاتل رستم ہلال بن علقمہ سے کہلا بھیجا کہ رستم کے لباس میں سے جو چاہو لے لو۔ ہلال نے اس کا سارا لباس اتار لیا جس کی قیمت ستر ہزار تک پہنچتی تھی۔ اگر اس کی ٹوپی نہر میں نہ گر پڑتی تو ہلال کو اور زیادہ مل جاتا کیونکہ کہتے ہیں کہ اس کی ٹوپی بہت قیمتی تھی۔ زہرہ بن جویہ جالینوس کی پوشاک اتار لائے۔ سیدنا سعد ؓ نے خمس نکال کر باقی مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ سیدنا عمر ؓ نے لکھا کہ خمس بھی مجاہدین میں تقسیم کر دو اور ان لوگوں کو بھی دو جو لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔ اس سے امیر المؤمنین کی مراد وہ لوگ تھے جو دیر سے پہنچنے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن آئے وہ جنگ کرنے ہی کے لئے تھے۔ ہاشم بن عتبہ ؓ کے ساتھ جو فوج آئی تھی وہ ساری قادسیہ کی جنگ میں شریک نہیں ہو سکی تھی۔ اس کا ایک حصہ مسلمانوں کی فتح کے بعد قادسیہ پہنچا تھا۔

سارے عرب کی نگاہیں قادسیہ کی جنگ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں اور اسے اپنے ملک کے ثبات و زوال کی میزان سمجھا جا رہا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ فکر سیدنا عمر ؓ کو تھی۔ وہ صبح ہوتے ہی قادسیہ کے قاصد کے انتظار میں مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے اور جب سورج کی تمازت تیز ہو جاتی تو واپس آتے۔ ایک دن وہ واپس تشریف لے جا رہے تھے تو ایک سانڈنی سوار انہیں ملا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قادسیہ سے آ رہا ہے۔ سیدنا عمر ؓ نے پوچھا: "اللہ

Marfat.com

کے بندے! وہاں کی کوئی خیر خبر؟" اس نے جواب دیا: "اللہ نے مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست دی" سیدنا عمرؓ اس کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور محاذ جنگ کے حالات پوچھتے جاتے تھے۔ وہ آپ کو بالکل نہیں پہچانتا تھا اس وجہ سے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ یہ سوار سعد بن عمیلہ فزاری تھا۔ جو امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کے نام سپہ سالار لشکر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کا خط لے کر آرہا تھا۔ جس میں فتح کی خوش خبری بھی تھی اور ساتھ ہی شہداء کی تعداد اور جو ان میں پہچانے جاسکے ان کے نام درج تھے۔ جب یہ دونوں مدینہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے سیدنا عمرؓ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنا شروع کیا تو سعد بن عمیلہ نے کہا: "اللہ آپ پر رحم فرمائے' آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے بڑی سادگی سے جواب دیا: "میرے بھائی' کوئی بات نہیں" اور سیدنا سعدؓ کا خط انہیں دیا۔ جو بعد میں لوگوں کو سنایا گیا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین نے ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا:

"لوگو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں تو خود اللہ تعالیٰ کا غلام اور بندہ ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے کندھوں پر رکھا گیا ہے اگر میں اسی طرح کام کروں کہ تم چین اور اطمینان سے اپنے گھروں میں سوؤ تو یہ میری سعادت ہے۔ اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری شقاوت اور بد بختی ہے۔ میں تمہیں تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن صرف قول سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے"۔

فتح قادسیہ کے بعد ہر شخص کو امن کا پروانہ مل گیا۔ کچھ لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ بھی واپس اپنے گھروں میں آ گئے۔ تمام ملک امن و آشتی کا گہوارہ بن گیا۔

قادسیہ کی اس فتح نے مسلمانوں کے لئے ایران کے پایہ تخت مدائن کا راستہ کھول دیا۔ اور اس کے اقتدار کو آخری ضرب لگانے کے لئے زمین ہموار کر دی۔ اس وجہ سے ہم نے کچھ تفصیل سے اس معرکہ کا ذکر کیا ہے۔۔ بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ مسلمان اپنی قلت تعداد کے باوجود ایرانیوں پر کیسے غالب آ گئے جب کہ ایرانی اپنے ملک میں تھے اور سامان حرب وضرب کے ساتھ تہذیب و تمدن کا بھی وافر سرمایہ ان کے پاس موجود تھا۔ اس کے برعکس مسلمان غریب الدیار اپنے ملک سے کوسوں دور اور ایرانیوں کے مقابلے میں غیر متمدن۔ ان کے پاس سامان جنگ بھی نہ تھا اور وہ جنگ کے جدید طریقوں سے بھی ناآشنا

Marfat.com

تھے جن سے ایرانی واقف تھے۔ پھر ایرانی اگرچہ جنگ قادسیہ سے قبل تشتت وافتراق کا شکار تھے لیکن یزدگرد کے بادشاہ بننے سے ان میں یکجہتی کی شان پیدا ہو گئی تھی اور عوام و خواص یزدگرد کے جھنڈے تلے متحد بھی ہو گئے تھے۔

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ایرانیوں کا اتحاد ان کے ذہنوں میں کوئی انقلاب برپا نہ کر سکا۔ ان کے اتحاد کا جذبہ صرف وقتی بھی تھا اور سطحی بھی۔ دل کی گہرائیوں میں بیگانگی اور پراگندگی کے جراثیم پنپ رہے تھے۔ ان میں کا ہر امیر اپنی ذات کو دوسروں پر بلکہ وطن پر بھی ترجیح دیتا تھا۔ اس کا بین ثبوت رستم کا جنگ سے جی چرانا تھا۔ اگر اسے یہ خوف نہ ہوتا کہ یزدگرد کے خود جنگ پر جانے سے عوام اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے تو وہ کبھی بھی فوج لے کر نہ نکلتا۔ پھر وہ اگرچہ فوج لے کر نکلا لیکن قادسیہ پہنچنے میں اس نے اتنی سست رفتاری سے کام لیا کہ مدائن سے قادسیہ جو کہ صرف تیس چالیس میل کا فاصلہ ہے' اس نے اور اس کے فوجی کمانڈروں نے چار ماہ لگا دیے۔ اس پر وطن سے زیادہ اپنی ذات کی محبت غالب آ گئی تھی اس لئے وہ شکست کھانا یا قتل ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ ایران کی، جو اس کا وطن تھا، قدر و قیمت جانتا اور اپنی ذات کو فراموش کر کے زندگی موت وطن کے لئے وقف کر دیتا تو شاید وہ شکست نہ کھاتا۔ اس کی فوج کے افسر اور سپاہی بھی رستم کی طرح اپنی ذات سے چمٹے ہوئے تھے اور ہر وقت ڈرتے تھے کہ انہیں کسی قسم کی کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ ان کا میدان کی طرف جانا بھی اس لئے تھا کہ انہیں ان کی اغراض و خواہشات ہانک رہی تھیں۔ انہی عوامل کی وجہ سے ایرانی ذہن بلند نصب العین سے یک قلم محروم تھا جس کے لئے کوئی قوم جیتی ہے اور جس کی راہ میں وہ جان تک کی بازی لگا دیتی ہے۔ گویا انہوں نے یہ جنگ دو چیزوں کے لئے لڑی ایک حب ذات اور دوسری خواہشِ حیات۔ یہی حال اس زمانے میں یزدگرد کا بھی تھا۔ اس کے دل میں وطن کی عزت و عظمت سے زیادہ تخت کی طلب تھی اور دوسری طرف امرائے ایران کو اپنی خواہشوں کا اس نے اتنا زبردست پجاری بنا دیا تھا کہ وہ دوسرے ہر مقصد اور غرض کو گلدستہ طاقِ نسیان بنا بیٹھے تھے۔ یہی دو فطرتی ایران کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ چنانچہ جس لشکر کی معنوی قوت اس حد تک کمزور اور مضمحل ہو چکی ہو' وہ اس لشکر کے سامنے کیسے ٹھہر سکتا ہے جس کی روح توانائی کے نقطہ کمال پر ہو۔ جو اعلیٰ نصب العین کی خاطر مصروف جہاد ہو' اللہ کی خوشنودی اور رحمتوں کا حصول اس کا مطمع نظر ہو۔ موت اس کے لئے شہادت ہو جو اسے پروردگارِ عالم کا قرب عطا کرتی ہے۔

Marfat.com

جنہوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں وقف کر رکھی ہوں۔ جن کی زندگی کا مقصد وہ ہو جو اقبال نے کہا کہ ؂

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

جو اپنے کو اللہ کا نمائندہ اس دنیا میں سمجھتی ہو اور دعوتِ دین اس کا مقصدِ زندگی ہو۔ ایسی قوت کی راہ میں بڑے سے بڑا اقتدار بھی حائل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ دیو پیکر ہاتھی بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے بلکہ وہ ہاتھیوں والے خود مجاہدین اسلام کے خوف سے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

Marfat.com

فتح مدائن

قادسیہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی بلکہ اس کو ختم ہوئے دو ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے لیکن سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ ابھی تک وہیں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے کیونکہ انہیں سیدنا عمرؓ کا حکم تھا کہ جب تک میری طرف سے کوچ کی اجازت نہ ملے' آگے نہیں بڑھنا۔ لیکن آپ نے ایرانی جرنیلوں کے بارہ میں پوری معلومات فراہم کی ہوئی تھیں کہ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد وہ کہاں کہاں ہیں۔ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد فارس کے نائب سپہ سالار نے تو مدائن میں پناہ لی اور دوسرے جرنیل بابل چلے گئے یا پھر ایران کے مختلف علاقوں میں ادھر ادھر منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ یزدگرد نے مدائن میں قادسیہ کی شکست کی الم ناک خبر سن لی تھی۔ اسے رستم کا مشورہ رہ رہ کے یاد آ رہا تھا اور غم کی شدت اسے نڈھال کیے ہوئے تھی۔ بلکہ پریشانی نے اس کے دماغ کو مفلوج کر دیا تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ اور اب کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی قوت کا اندازہ انہوں نے قادسیہ کے میدان میں دیکھ لیا تھا۔ اور اب وہ دیکھ رہا تھا کہ مسلمان وادیٔ عراق میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل چکے ہیں۔ قادسیہ ایران کا دروازہ تھا۔ مسلمان اس دروازہ پر قابض ہو چکے تھے اب تو ان کا ہدف مدائن تھا۔ قادسیہ میں دو ماہ سے زائد قیام نے مسلمان فوجیوں کی تکان وغیرہ اب دور کر دی تھی۔ اب وہ بارگاہ خلافت سے آئندہ حکم کے انتظار میں تھے۔

سیدنا عمرؓ نے قادسیہ کی جنگ سے قبل ایک خط میں سیدنا سعدؓ کو لکھا تھا:

"اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں دشمن کو شکست دی تو تم اس کو دباتے دباتے

Marfat.com

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قابض ہو جانا"۔

سیدنا سعدؓ کو پتہ تھا کہ اب مدائن پر حملہ کرنے کا حکم ہو گا لیکن کب ہو گا؟ اس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ادھر سیدنا عمرؓ مدائن پر حملہ سے پہلے اسلامی لشکر کو نئے سرے سے لیس کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں فوجی بھرتی کے بعد جب یہ انتظامات مکمل ہو گئے تو سیدنا سعدؓ کو حکم ہوا کہ "آگے بڑھو" لیکن بال بچوں کو عتیق میں چھوڑ کر معتدبہ فوج ان کے حفاظت پر مامور کر دینا۔

سیدنا سعدؓ نے زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں ہراول دستہ روانہ کیا۔ زہرہ حیرہ سے ہوتے ہوئے مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بُرس کے مقام پر ایرانیوں کی ایک جماعت سے ان کی مٹھ بھیڑ ہوئی، لیکن زہرہ نے اسے جلد ہی شکست دے دی۔ وہ بھاگ کر بابل چلے گئے جہاں پہلے ہی قادسیہ کے بھگوڑے آرام کر رہے تھے۔ زہرہ کو معلوم ہوا کہ بابل میں قادسیہ کے شکست خوردہ کئی جرنیل موجود ہیں' چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں سیدنا سعدؓ کو اطلاع دی جو اس وقت ہاشم بن عتبہ کے ساتھ حیرہ میں مقیم تھے۔ سیدنا سعدؓ خود بابل کے ارادہ سے چلے۔ راستہ میں ان کا فیروزان سے مقابلہ ہوا لیکن وہ جلد ہی شکست سے دوچار ہو گیا اور نہاوند بھاگ گیا۔ ہرمزان نے اہواز میں پناہ لی اور مہران نے مدائن میں سر چھپایا گویا ان جرنیلوں پر اب اپنے ہی ملک کی زمین تنگ ہو گئی۔

اب سعدؓ نے خود تو بابل میں قیام فرمایا اور زہرہ بن حویہ کی کمان میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ ایرانی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ شہریار اونچا لمبا' بڑے کلے جبڑے کا آدمی اور اسے اپنی شجاعت اور بہادری پر بڑا ناز تھا۔ شہریار کو خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے اس ہراول دستہ کو شکست دے دے گا۔ چنانچہ اس نے اسلامی لشکر کا راستہ روکا اور خود مقابلہ میں آیا۔ زہرہ نے اس کی مبارزت کے جواب میں کہا: کہ مسلمانوں کا تو بچہ بچہ شیر میدان ہے۔ تم جس سے چاہو مقابلہ کر لو۔

زہرہ نے دیکھا کہ شہریار سر سے پاؤں تک آراستہ اور ہاتھ میں نیزہ لیے میدان میں دندناتا پھر رہا ہے۔ زہرہ نے اسے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ خود تیرے مقابلہ میں آؤں لیکن تیری یہ اکڑفوں دیکھ کر اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں نابل کو تیرے مقابلہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ نابل بنو تمیم کا غلام تھا اور شہریار کے مقابلہ میں نحیف اور کمزور۔ نابل کو میدان میں آتا دیکھ

Marfat.com

کر شہریار اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور پھر جب نابل قریب پہنچا تو اپنا نیزہ ایک طرف پھینک کر اس پر لپکا۔ اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اور نیچے سے ٹانگ اڑا کر شہریار نے اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ نابل سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ شہریار نے اپنا داؤ مار دیا۔ اب دونوں کی دھینگا مشتی شروع ہو گئی۔ نابل نیچے اور شہریار اس کے سینہ پر چڑھا ہوا تھا۔ اسی دھینگا مشتی میں شہریار کا ہاتھ نابل کے منہ پر پڑا۔ نابل نے اسی وقت اس کی انگلی چبا ڈالی۔ شہریار تلملا اٹھا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اب نابل نے اپنا داؤ مارا' اور اسے چت کر کے اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اور شہریار کی کمر سے خنجر نکال کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں تمام ایرانی بھاگ گئے اور شہریار کی لاش زمین پر پڑی رہی۔

اب زہرہ ساباط کی طرف بڑھے۔ وہاں کے باشندوں نے جو یہ سنا کہ یہ وہی لشکر ہے جس نے سورا اور دیرا کے سدراہ ہونے والی ایرانی فوج کو شکست دی تھی تو اس نے جزیہ پر صلح کر لی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا سعدؓ خود تو بابل میں قیام پذیر رہے اور زہرہ بن حویہ کو مدائن جانے والے لشکر کا امیر بنا کر روانہ کر دیا۔ دوسری طرف سے ہاشم بن عتبہ بھی مدائن کے ارادہ سے نکلے۔ بہر شیر کے قریب ساباط میں ان کا سامنا پوران دُخت بنت کسریٰ کے شاہی رسالہ سے ہوا جس کے سپاہی روزانہ یہ قسم کھاتے تھے کہ جیتے جی ایران کی حکومت کو زوال پذیر نہ ہونے دیں گے۔ اس رسالہ کے ساتھ ایک شیر ببر بھی تھا جو کسریٰ سے بہت مانوس تھا۔ اس شیر کو مسلمانوں پر چھوڑا گیا۔ بھوکا شیر گولی کی طرح پنجرے سے نکلا' ڈکارتا اور دندناتا ہوا مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ قبل اس کے کہ اسلامی لشکر میں سے کوئی اور آگے بڑھتا' ہاشم بن عتبہ 'امیر لشکر' خود آگے نکل آئے۔ ایرانی کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کتنا بے وقوف ہے' موت کی طرف سے کیا بے پروا۔ بات تو ٹھیک تھی کہ انسان اور درندے کی قوت کا کیا مقابلہ؟ درندہ بھی شیر خونخوار' لیکن جنہوں نے چند ماہ قبل قادسیہ کے میدان میں ابیض اور اجرب جیسے ہاتھیوں کا منہ پھیر دیا تھا' ان کی نگاہ میں اس شیر کی کیا حیثیت تھی؟ ہاشم کو شیر سر پر جھپٹتے دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ مرد مومن واقعی کسی سے نہیں ڈرتا' ہاشم اور شیر "گویا" "نیا حریف تھا میدانِ کارزار نیا" ہاشم اپنی موت سے کھیل رہے تھے اور ایرانی دم سادھے ان کے انجام کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر میں سب نے دیکھا کہ شیر یوں اچھلا جیسا کہ کوہ آتش فشاں کا ٹکڑا اڑتا ہے۔ اس کی اڑان موت کی کمند تھی اور اس کی دھاڑ قیامت کی

Marfat.com

دھمک۔ سب کی نظریں شیر خونخوار پر جمی ہوئی تھیں۔ آڑا چوڑا ہیبت ناک دھڑ' مہیب اور ڈراؤنا سر' انگاروں کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں' پھڑکتے نتھنے' تڑپتے جبڑے' نکیلے دانت' کٹیلے ناخن اور وہ ہاشم بن عتبہ کے سر پر گرنے ہی کو تھا۔ سب کی آنکھوں نے دیکھا کہ پلک جھپکنے میں اللہ کے سپاہی کے ہاتھوں میں کوندا سا لپکا اور ابھی موت کا سایہ مجاہد اسلام کے سر پر پڑنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا ہی سے شیر غراں دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ دونوں فوجیں حیرت سے کھڑی اس منظر کو تک رہی تھیں۔ ایرانی یہ منظر دیکھ کر بھاگ گئے۔

سیدنا سعدؓ بہر شیر پہنچے تو اسلامی لشکر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ہاشم کی تلوار آنکھوں سے لگائی جا رہی تھی۔ چچا نے بھتیجے کی شیر افگنی کا حال سنا تو اس جواں مردی پر بھتیجے کو بے اختیار گلے لگا لیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور مدائن کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی :

او لم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال

کیا تم نے پہلے قسم نہیں کھائی تھی کہ تمہارے لئے زوال نہیں ہے۔

بہر شیر کی فتح' مدائن کی فتح کا دیباچہ تھی کیونکہ مدائن کا وہ حصہ جو دجلہ کی دوسری طرف تھا بہر شیر کہلاتا تھا۔ بہر شیر کی فتح کا واقعہ ذی الحجہ ۱۵ھ مطابق ۶۳۷ء کا ہے۔

شیر کو فضا میں دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر ایرانی بہر شیر شہر کے اندر چلے گئے۔ شہر کے دروازے بند کر لیے کیونکہ پایہ تخت مدائن میں مسلمانوں کے داخل ہونے سے روکنے کے لئے یہ سب سے بڑا مورچہ تھا۔ گویا بہر شیر مدائن ہی کا ایک حصہ تھا۔ وہ دجلہ کے دائیں کنارے واقع تھا اور مدائن اس کے بالمقابل بائیں کنارے پر واقع تھا۔ اور اس طرح دریائے دجلہ اگرچہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا لیکن پھر بھی تھا وہ مدائن ہی کا ایک حصہ۔ مدائن بغداد کے جنوب میں بیس میل کی مسافت پر آباد تھا۔ مدائن نوشیرواں کا پایہ تخت تھا۔ دینوری نے لکھا ہے کہ اردشیر بن بابک نے ایک مرتبہ اصطخر سے لوٹتے ہوئے دریائے دجلہ کے کنارے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ لفظ مدائن اصل میں مدینہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بہت سے شہر۔ اردشیر کے بعد جو بادشاہ ہوئے انہوں نے یہاں اپنے اپنے دور میں کئی بستیاں بسائیں انہی بستیوں یا شہروں کے مجموعے کا نام مدائن تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسکندر رومی نے بھی یہاں سے گذرتے ہوئے ایک آبادی قائم کی تھی۔ یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں اس کی تفصیل دی ہے۔

Marfat.com

بہر شیر کے لوگوں نے شہر میں داخل ہو کر فصیل کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کوئی دو تین ماہ جاری رہا (بعض روایات میں تو مہینے اور بعض میں اٹھارہ مہینے اور بعض میں اٹھائیس ماہ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک دو تین ماہ کی روایت زیادہ صحیح ہے) محاصرہ کے دوران میں منجنیقوں سے شہر پر پتھراؤ بھی کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایرانیوں کی رسد کسی طرح رک نہیں سکتی تھی کیونکہ دریائے دجلہ پر بہت سے پل بنے ہوئے تھے اور مدائن سے ہر قسم کا سامان بلا روک ٹوک پہنچ سکتا تھا۔

سیدنا سعدؓ نے شہر کا محاصرہ تو کر لیا لیکن خطرہ تھا کہ ایرانی پشت سے حملہ نہ کر دیں۔ سیدنا سعدؓ نے دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں غارت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ ایک لاکھ کسان پکڑ کر لائے جن سے مسلمانوں نے اپنے چاروں طرف خندق کھدائی اور بعد میں ان لوگوں کو ساباط کے جاگیردار شیر زاد کے مشورے سے ان کی زمینوں پر واپس بھیج دیا تاکہ وہ کھیتی باڑی کر کے غلہ اگا سکیں اب پشت کی طرف سے مسلمانوں کے حملے کا کوئی اندیشہ نہ تھا اس وجہ سے مسلمانوں نے بہر شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔

منجنیقوں کے پتھراؤ سے بھی اہل شہر پریشان نہ ہوئے۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ اگر مسلمانوں کو شہر سے پسپا نہ کیا گیا تو ان کے لیے پایہ تخت مدائن کے راستے کھل جائیں گے لیکن سوال یہ تھا کہ ان کو پسپا کیسے کیا جائے۔ یہ بات ان کی طاقت سے باہر تھی۔ اب تو یزد گرد بھی انہیں پسپا نہیں کر سکتا تھا۔ محاصرے کے دوران کبھی کبھی ایرانی شہر پناہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ بھی کرتے رہے کہ شاید وہ پسپا ہو جائیں لیکن مسلمانوں نے ہر بار ان کے حملوں کو ناکام بنا دیا۔ آخر ایرانیوں نے محاصرے کی طوالت سے تنگ آ کر ان فوجی افسروں کی سرکردگی میں جن کی شجاعت اور جنگی مہارت پر انہیں بھروسہ تھا ایک لشکر مرتب کیا اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے لیکن مسلمانوں نے ان کے اس حملہ کو بھی ناکام بنا دیا۔ اس شکست نے ایرانیوں کی ہمت اور حوصلے کو توڑ کر رکھ دیا اور اب یہ خوف ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا کہ جو بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں جائے گا شکست ہی سے دوچار ہو گا۔

مسلمانوں کے اس محاصرے اور اہل شہر کی شکست کی خبریں یزدگرد کو روزانہ بلکہ لمحہ بہ لمحہ پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ غم و اندوہ کا سایہ اس پر چھا گیا اور مایوسی اور یاس اس کے دل میں رینگنے لگی۔ یہ اطلاع بھی اس کو ملی کہ مسلمان سامانِ رسد جتنا چاہیں سر زمینِ عراق

Marfat.com

(ایران) سے حاصل کر سکتے ہیں لیکن ایرانی دن بدن کمزور تر اور ان کے حوصلے اور ہمتیں پست تر ہو رہی ہیں۔ اس لئے اسے یقین ہو گیا کہ بہر شیر اب کسی قیمت پر مسلمان فوجوں سے نہیں بچایا جاسکتا۔ مجبور ہو کر اب اس نے سیدنا سعدؓ کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی اور دریائے دجلہ کو ایران وعرب کے درمیان حد فاصل قرار دیا یعنی "دجلہ کے اِس طرف جو کچھ ہے ہمارا اور اُس طرف پہاڑ تک جو کچھ ہے وہ تمہارا"۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا کیونکہ امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ مدائن کو فتح کیا جائے۔ ہم مدائن پر قبضہ کر کے ہی رہیں گے۔ ایلچی کے جانے کے بعد سیدنا سعدؓ نے محاصرہ سخت کر دینے کا حکم دیا اور اب کی بار مسلمانوں نے پہلے سے زیادہ سنگ باری کی لیکن اتنی شدید سنگباری کے جواب میں شہر سے ایک تیر بھی نہ آیا۔ سیدنا سعدؓ کو یقین ہو گیا کہ شہر خالی ہو گیا ہے۔ مسلمان شہر میں بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گئے۔ شہر میں موت کی سی خاموشی تھی۔ شہر میں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ صرف ایک شخص امان طلب کرتا ہوا ان کے پاس آیا اور اس نے یہ بتایا کہ بہر شیر کی ساری آبادی کو یزدگرد نے مدائن بلوا لیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا ہے کہ دجلہ کے تمام پلوں کو آگ لگا کر گرا دیا جائے۔ ساری کشتیاں مدائن کے ساحل پر منگوالی جائیں۔ یہ دونوں کام فوری ہوں۔ چنانچہ یزدگرد کے حکم کی تعمیل کی گئی اور اب دریائے دجلہ کی تند و تیز موجیں دفاعی حد کا کام دے رہی تھیں اور انہوں نے مجاہدین اسلام کو مدائن میں داخل ہونے سے روکا ہوا تھا۔

اب مدائن اور اسلامی فوج کے درمیان صرف دریائے دجلہ تھا جس کی تند و تیز موجیں مسلمانوں کو روکے ہوئے تھیں۔ سیدنا سعدؓ دجلہ کے کنارے اس کی موجوں کو دیکھ رہے تھے اور دریا کو پار کرنے کے بارہ میں غور و فکر کر رہے تھے کچھ اور فوجی افسر بھی ان کے ساتھ کھڑے تھے۔ اب مدائن کا بارونق شہر بغیر کسی رکاوٹ کے ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ مدائن جہاں سے ان کے وفد کے ارکان کو ذلیل کر کے نکالا گیا تھا اور مٹی کا بورا ان پر لادا گیا تھا۔ اب آدھی رات کے وقت مسلمان فوجی جرنیل حیرت واستعجاب کی تصویر بن کر اس شہر کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ ان کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے یا خواب۔ ابھی وہ شہر کے در و دیوار ہی دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف سے ایک آواز گونجی۔ یہ ضرار بن خطاب کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہے تھے: "مسلمانو! اللہ اکبر وہ دیکھو سامنے کسریٰ کا سفید محل ہے جسے قصر ابیض کہتے ہیں۔ وہی محل جس پر قبضے کی سرکار دو عالم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی"۔ یہ عمارت ایسی بلند تھی کہ اتنی بلند عمارت مسلمانوں نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ ایک شان دار عمارت' عظمت و شوکت کا جلال آفریں مرقع' اس کی سفیدی کو رات کی گھنی تاریکی نے اور بھی نکھار دیا تھا۔ اس کی دل کشی اور رعنائی نے فوجیوں کے سانسوں کو روک دیا تھا۔ اب دریا کو پار کر کے ان کے دل میں ایوان کسریٰ میں داخل ہونے کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ مسلمانوں کا یہ جوش و خروش دیکھ کر ان کا سپہ سالار غور و فکر کے اتھاہ سمندر سے ابھرا اور اس دجلہ کو پار کر کے ایوانِ کسریٰ میں داخل ہونے کا عزم بے باکانہ اس کے چہرے پر دکھائی دے رہا تھا۔

کسریٰ کے اس قصر ابیض کو دیکھ کر مسلمانوں کا متحیر اور مبہوت ہو جانا کوئی حیرانی کی بات نہ تھی۔ یہ محل تھا ہی اس قابل کہ اپنے دیکھنے والوں کو مبہوت کر دے۔ چنانچہ یہ اس زمانے میں عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ یہ محل انوشیرواں نے ۵۵۰ء میں بنوایا تھا۔ اس کی تعمیر میں رومی' یونانی اور ایرانی فن تعمیر کی تمام نزاکتیں صرف کر دی گئی تھیں۔ اس کے سامنے کا حصہ ایک سو پچاس (۱۵۰) میٹر سے زیادہ چوڑا تھا۔ بلندی چالیس (۴۰) میٹر تھی۔ پانچوں دالانوں پر بڑے بڑے گنبد اس کی عظمت اور جلال کو تاج پہنا رہے تھے۔ ان گنبدوں پر کتنے خزانے بھرے پڑے تھے یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ صدر دالان جس کا گنبد سب سے اونچا تھا کسریٰ کا ایوان تھا جس کی مثال تمام دنیا میں نہیں ملتی تھی۔ جو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ ہما شما نہیں بڑے بڑے بادشاہوں کی ٹکٹکی بندھ جاتی۔ دنیا اسے عجوبہ سمجھ کر اس کی پرستش کرتی رہی۔ اس وقت اسے بنے ہوئے سو سال ہو گئے تھے' لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کاریگر ابھی بنا کر فارغ ہوئے ہیں۔

ادھر مسلمانوں کے دلوں میں اس قصر ابیض پر قبضہ کے خیالات انگڑائیاں لے رہے تھے اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ اس سفید ایوان پر جلد از جلد قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے۔ ان کے دلوں میں اور کئی خیالات مچل رہے تھے لیکن ادھر یزدگرد کسریٰ ایران اپنے ایوان میں پراگندہ خاطر بیٹھا تھا اور طرح طرح کے وسوسے اور خیالات اس کے دل و دماغ میں چبھ رہے تھے۔ کبھی وہ سوچتا کہ دریائے دجلہ کا یہ چوڑا پاٹ اور اس کی تند و تیز موجیں ایک قدرتی فصیل کا کام کر رہی ہیں۔ اس کی کف آگین موجیں اور اس کا گہرا پانی عربوں کو روکے رکھے گا اور انہیں اسے عبور کرنے کی جرأت نہیں ہو گی۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ اس خیال کی خود تردید کر دیتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ جب بڑے بڑے

Marfat.com

خونخوار ہاتھی اور شیر میری لاکھوں کی تعداد میں فوج ان کا راستہ نہیں روک سکی تو اس دریا کی کیا حیثیت ہے۔ وہ مسلمانوں کو جنات سمجھنے لگا تھا جن کی راہ میں کوئی قوت مزاحم نہیں ہو سکتی تھی اور نہ کوئی طاقت ان کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اب اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ بھاگ کر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچالے۔ چنانچہ اس نے شاہی خدام کو حکم دیا کہ قیمتی سامان، خزانہ، حرم شاہی اور شہزادے شہزادیوں کو لے کر حلوان چلے جائیں۔ لوگوں نے جب بادشاہ کا یہ حال دیکھا تو وہ بھی حوصلہ ہار گئے اور وہ بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی فکر کرنے لگے۔ چنانچہ ایرانیوں کی قوت مدافعت بالکل جواب دے گئی۔ اور اب دریائے دجلہ کے سوا کوئی انہیں مجاہدین اسلام کے حملہ سے نہیں بچاسکتا تھا۔

دریائے دجلہ دو لشکروں کے درمیان بہہ رہا تھا۔ ایک طرف وہ لشکر جس کی تمام قوتیں مضمحل ہو چکی تھیں اور ان کا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہا تھا۔ اور دوسری طرف وہ لشکر تھ جس کی معنوی روح بلندی کے نقطہ کمال پر تھی۔ جس کے دل میں ایمان کی روشنی تھی ایمان کی طاقت تھی۔ وہ دریا کو اور اس کی خشم گین موجوں کو کچھ نہیں سمجھتا تھا بلکہ دریا اس کے لئے پایاب تھا۔ اسے نہ پلوں کی ضرورت تھی اور نہ ہی دریا کے عبور کرنے کے لئے کشتیوں کی حاجت۔

اسلامی فوج کے سامنے اب سب سے بڑا مسئلہ دجلہ کو عبور کرنے کا تھا۔ سپہ سالار لشکر ہر وقت اسی خیال میں غرق تھے۔ اتنے میں انہیں اطلاع ملی کہ یزدگرد نے اپنا خزانہ حلوان منتقل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اس وقت انہوں نے اپنے جرنیلوں کو اور سپاہیوں کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی۔ فرمایا:

"میرے ساتھیو! دشمن نے اس دریا کو اپنی سپر بنایا ہے۔ تم اس میں سے گزر کر اس کی طرف نہیں جاسکتے، لیکن وہ جب چاہے کشتیوں میں بیٹھ کر تمہاری طرف آسکتا ہے اور تم پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ تمہاری پشت پر کوئی خطر نہیں جس سے خوف کھایا جائے لیکن قبل اس کے کہ دنیا تمہیں گھیر لے، تم قدم بڑھا کر دشمن پر حملہ کر دو میں عزم کر چکا ہوں کہ دریا عبور کر کے ان تک ضرور پہنچوں گا"۔

سیدنا سعدؓ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سب نے یک زبان ہو کر کہا "اپنے ارادہ کو روبہ عمل لائیے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں"، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ دریا کو عبور کیسے کیا جائے؟ اگر وہ کشتیوں پر بھی دریا عبور کریں تو ایرانی لشکر دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا

Marfat.com

خشم گین نظروں سے انہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ انہیں دریا سے باہر کیسے نکلنے دے گا؟ آخر سیدنا سعدؓ نے ایک بات صلائے عام کے طور پر کہی کہ "کون ہے جو پہلے اس کنارے پر جاکر دشمن کو روکے تاکہ وہ لشکر کو دریا پار کرنے سے باز نہ رکھ سکیں" سیدنا سعدؓ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر قوت و شجاعت کے پتلے سیدنا عاصم بن عمروؓ نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ ان کے ساتھ چھ سو جانباز اور تیار ہو گئے۔ سیدنا سعدؓ نے عاصمؓ کو ان کا افسر بنا دیا۔ جب یہ لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: "دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لئے دریا میں سب سے پہلے میرے ساتھ کون اترے گا؟" ساٹھ سوار آگے بڑھے۔ انہوں نے دوسروں سے کہا: "تم اس پانی سے ڈر گئے؟" پھر یہ آیت پڑھی:

وما کان لنفس ان تموت الا باذن الله کتاباً مؤجلا (۳: ۱۴۵)

اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ اس نے لکھ رکھا ہے وقت مقررہ پر۔

یہ کہہ کر عاصم بن عمروؓ نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور ان کے پیچھے ان کے ساتھی بھی دریا میں اتر گئے۔ قعقاعؓ بن عمرو نے دیکھا کہ مجاہدین اسلام کی یہ پہلی ٹکڑی آگے بڑھ رہی ہے اور دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر ایرانی ان سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے چھ سو ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ ایرانی فوجیں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئیں۔ ان میں سے کچھ تو انہیں دیوانے لگنے لگے اور کچھ نے کہا کہ "یہ انسان نہیں جن ہیں"۔

تھوڑی دیر تو ایرانی انہیں حیرت سے تکتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ عاصمؓ اور ان کے ساتھی دریا کے وسط میں پہنچ گئے ہیں تو مقابلہ کے لئے اپنے چند سوار دریا میں اتار دیے۔ جب یہ لوگ عاصمؓ کے قریب پہنچے تو سیدنا عاصمؓ نے ساتھیوں سے کہا تیر چلاؤ۔ اور ان کی آنکھیں پھوڑ دو۔ اب جب مسلمان فوجیوں نے ایک ساتھ تیر چلائے اور وہ ایرانی گھوڑوں اور ان کے سواروں کی آنکھوں میں ترازو ہونے لگے تو وہ گھبرا کر پلٹے۔ اور مسلم مجاہدین تھے کہ ہنستے کھیلتے دریا کی مرگ آفریں موجوں کا سینہ چیرتے چلے جا رہے تھے۔ اور دجلہ کا ساحل سہم کر ان جگر داروں کو تکنے لگا۔ کیسے صاحب عزم اور صاحب ایمان تھے یہ لوگ۔ دریا میں چلے تو اس شان کے ساتھ کہ صفوں کی ترتیب میں فرق نہ آیا۔ یمین و یسار برابر تھے۔ اور دشمن کا خیال یا موت کا خوف ان میں سے کسی کو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔

Marfat.com

عاصمؓ اپنے تمام ساتھیوں سمیت جب دوسرے کنارہ پر پہنچے تو ایرانی انہیں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عاصمؓ کے پیچھے قعقاعؓ بھی اپنے چھ سو کے دستے کو لے کر کنارے پر پہنچ گئے۔ اس وقت مشرقی کنارے پر ایک بھی ایرانی سپاہی نہ تھا۔ سیدنا سعدؓ نے جب دیکھا کہ مدائن والے کنارے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے باقی سواروں کو بھی دریا عبور کرنے کا حکم دے دیا۔ جب ان مجاہدوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈالے تو سارا دریا گھوڑوں سے اس طرح پٹ گیا کہ پانی تک نظر نہ آتا تھا۔ ویسے سیدنا عاصمؓ نے مشرقی کنارے پر جا کر ملاحوں کو حکم دیا تھا کہ اپنی کشتیاں بہر شیر کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ پیادہ فوج ان کشتیوں میں بیٹھ کر آئی جب سیدنا سعدؓ نے دریا عبور کیا تو مدائن سے تمام ایرانی فوج بھاگ گئی تھی۔ شہر کے لوگوں نے جزیہ پر آمادگی ظاہر کر کے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ساٹھ ہزار اسلامی شہ سوار دجلہ میں پھیلے ہوئے اس طرح بے تکلف باتیں کرتے جاتے تھے گویا باغ کی روشوں پر تفریح کے لئے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ نہ کوئی دریا میں ڈوبا اور نہ ہی کسی کی کوئی شئے ضائع ہوئی۔ البتہ ایک شخص غرقدہ نامی گھوڑے سے پانی میں گرے، لیکن ان کے ساتھی قعقاعؓ نے فوراً انہیں نکال لیا۔ ایک سوار کا پیالہ دریا میں گر گیا۔ اس پر ان کے ایک ساتھی نے مذاق کے طور پر ان سے کہا کہ "تقدیر نے اس کو اڑا دیا"۔ اس نے کہا: "بخدا میں ایسے حال میں ہوں کہ لشکر بھر میں صرف میرا پیالہ کبھی سلب نہیں کیا جائے گا"۔ چنانچہ اس شخص کے اخلاص اور صدق کی وجہ سے یوں ہوا کہ جب لشکر دریا پار کر چکا تو موجِ دریا نے اس پیالہ کو کنارہ پر پہنچا دیا۔ ایک شخص نے اٹھا لیا اور مالک نے پہچان لیا۔

دجلہ کی ایسی طغیانی کی حالت میں ساٹھ ہزار سواروں کا اطمینان و سکون کے ساتھ باہم گفتگو کرتے ہوئے اسے طے کر لینا اور کسی کی جان و مال کا نقصان نہ ہونا ایک بڑی عجیب و غریب بات اور اسلام کی کھلی کرامت اور اس کے آسمانی دین ہونے کی ایک بین شہادت تھی لیکن اس سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی یہ بات تھی کہ دریا کے زور شور میں تیرتے ہوئے جو گھوڑا تھک جاتا اس کے آرام کرنے کے لئے اسی جگہ پانی میں ایک ٹیلہ ظاہر ہو جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر گھوڑا ستا لیتا اور اپنی تھکن اتار لیتا تھا۔ قریب قریب تمام گھوڑوں کو ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اس عجیب و غریب آسمانی تائید کو نافع بن اسود نے اپنے اشعار میں

Marfat.com

بیان کیا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

''ہم نے مدائن پر گھوڑوں کو جھکا دیا کیونکہ مدائن کا دریا ان کے واسطے میدان کی طرح خوش نما تفریح کی جگہ تھی۔ پھر ہم نے کسریٰ کے خزانوں کو نکال لیا جبکہ ان لوگوں نے پشت پھیری اور کسریٰ مغموم ہو کر ہم سے بھاگا''۔

سیدنا عاصمؓ اور سیدنا قعقاعؓ مدائن کے ساحل پر اپنے سپہ سالار کے استقبال کے لئے کھڑے تھے، اب وہاں دور دور تک کوئی ایرانی سپاہی نہ تھا۔ مسلمان ساحل سے چلے تو قصر ابیض جا پہنچے۔ انہیں روکنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ چنانچہ انہوں نے قصر ابیض (White House) ہی میں پڑاؤ ڈال دیا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ سیدنا سعدؓ جب دریا عبور کر رہے تھے تو سیدنا سلمان فارسیؓ بھی اس وقت ان کے ساتھ تھے۔ وہ بے حد خوش تھے کہ ایمان کی روشنی آج ان کے ملک میں پہنچ رہی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے جیسے ہم دریا میں اترے ہیں ویسے ہی صحیح سلامت ہم دریا کے پار ہوں گے'' بلاذری نے لبان بن صالح سے روایت کیا ہے کہ ''مسلمان دجلہ کی طرف آئے۔ وہ اس وقت پانی سے اتنا لبریز تھا کہ اس سے قبل اتنا پانی اس میں نہیں دیکھا گیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس میں اپنے گھوڑے ڈال کر اسے پایاب ثابت کر دیا''۔ حافظ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ مسلمان دریا میں اس طرح باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے جس طرح زمین پر باتیں کرتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل سکون واطمینان سے لبریز تھے۔ سیدنا سعدؓ نے اس لشکر کی نصرت وسلامتی کے لئے اللہ سے دعا کی اور اسے دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا۔ اللہ نے اس کی حفاظت کی اور مسلمانوں کا کوئی آدمی یہاں تک کہ سامان بھی ضائع نہ ہوا۔ صرف لکڑی کا ایک پیالہ جو سامان کی رسی ڈھیلی ہو جانے کی وجہ سے دریا میں گر گیا لیکن پانی کا بہاؤ اس کو بھی اسی سمت لے گیا جس سمت یہ لشکر جا رہا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے اٹھا کر اس کے مالک کے سپرد کر دیا۔ دریا کو عبور کرتے وقت سیدنا سعدؓ کے ساتھ سیدنا سلمان فارسی تھے۔ سیدنا سعدؓ فرمانے لگے: ''حسبنا الله و نعم الوکیل'' خدا کی قسم! اللہ اپنے بندوں کو ضرور اپنی نصرت سے نوازے گا۔ وہ یقیناً اپنے دین کو غالب کرے گا اور لازمی طور پر اپنے دشمن کو شکست دے گا''۔ سیدنا سلمان فارسیؓ نے فرمایا: ''بخدا! ان کے لئے زمین کی طرح دریا بھی پامال کر دیے گئے ہیں''۔

مسلمانوں کا لشکر دریا سے نکلا تو گھوڑوں نے ہنہنا کر اپنے جسم سے پانی جھاڑا۔ سیدنا سعدؓ مدائن میں داخل ہوئے تو ان لوگوں کے سوا جو قلعہ میں چھپے ہوئے تھے پورا شہر خالی تھا۔ یہ اس لئے کہ خود بادشاہ اپنے سامان اور خزانہ کو لے کر حلوان بھاگ گیا تھا۔ سیدنا سعدؓ نے قلعہ میں بند لوگوں کو نکل آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نکل آئے۔ اس کے بعد سیدنا سعدؓ اپنے لشکر کو لے کر قلعہ میں داخل ہوئے اور کسریٰ ایران کے عجائب ونوادر کا جائزہ لیتے ہوئے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

کم ترکوا من جنات و عیون‘ و زروع و مقام کریم‘ ونعمة کانوا فیها فاکهین‘ کذالك‘ و اورثنا ها قوماً آخرین‘ فما بکت علیهم السماء والارض‘ و ما کانوا منظرین (۴۴: ۲۵۔۲۹)

وہ بہت سے باغات‘ چشمے‘ کھیت‘ پاکیزہ مقام اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اس طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا۔ پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں ڈھیل دی گئی۔

اس روز جمعہ تھا۔ کسریٰ کے ایوانِ عام میں مدائن کی سرزمین پر پہلی مرتبہ نماز جمعہ کے لئے اللہ کی تکبیر بلند ہوئی اور قلعہ سفید کے در و دیوار نے گواہی دی۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله

اس سے پہلے قصر ابیض کے در و دیوار نے توحیدِ الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی نہیں سنی تھی۔

یہی وہ قصر شاہی اور کسریٰ کا ایوان تھا جس سے ۶۰ھ میں سیدنا عبداللہ بن حذافہؓ کو نکال دیا گیا تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر کسریٰ ایران خسرو پرویز کے پاس آئے تھے اور انہیں کہا گیا تھا: "تم سفیر نہیں فقیر ہو"۔ پھر حضور علیہ السلام کے اس نامہ مبارک کو اس نے ہاتھ میں لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ آج اسی ایوان کسریٰ کے قیمتی فرش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور پیروکار اور عبداللہ بن حذافہؓ کے بھائی بند اپنے پیوند زدہ جوتوں سے روند رہے تھے۔ نہ وہ تخت رہا تھا اور نہ وہ تاج اور نہ وہ اترانے والے باقی رہے تھے۔ بلکہ ان درویشوں کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ یہاں سے بھاگ گئے تھے۔

سیدنا سعدؓ اسی ایوان کسریٰ میں اپنے جرنیلوں اور سپاہیوں کے ساتھ پھر رہے

Marfat.com

تھے۔اس کے حسین و جمیل باغوں سے گذر رہے تھے اور ان کی دل کشی کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ سامان آرائش ایسا تھا کہ اس کی نظیر نہ ملتی تھی۔ ایرانی ریشم کے زرکار پردے اور عیش و عشرت کا نظر فریب سامان ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ سیدنا سعدؓ نے فتح کے شکرانے میں آٹھ نفل ادا کیے اور حکم دیا کہ مسلمان حیرہ اور عراق کے دوسرے تمام شہروں اور بستیوں سے اپنے اہل و عیال کو لا کر مدائن میں آباد کر دیں۔

سیدنا سعدؓ نے محل میں قیام فرمایا اور ایوان کسریٰ کو مسجد بنا دیا۔ انہیں پتہ چلا کہ یزدگرد اور اس کے ساتھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ حلوان بھاگ گئے ہیں۔ سیدنا سعدؓ نے حکم دیا کہ ان کا پیچھا کیا جائے۔ حکم کی دیری تھی کہ شاہی قافلے کی تلاش شروع ہو گئی۔ یزدگرد خود تو بچ گیا لیکن اسکے کچھ ساتھی پکڑے گئے۔ ان کے پاس جو ساز و سامان اور نوادرات تھے ان کی قیمت محل کے ساز و سامان سے بھی زیادہ تھی۔ ان میں موتیوں اور جواہرات سے مرصع ایک بہت ہی قیمتی تاج تھا۔ زرکار ریشمی ملبوسات۔ سیدنا قعقاعؓ بن عمروؓ نے ایک ایرانی کا تعاقب کیا۔ اسے تو قتل کر دیا لیکن اس کے پاس سے دو تھیلے ملے جن میں کسریٰ، ہرقل، خاقان ترک اور دوسرے بادشاہوں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ سیدنا عصمہ بن خالدؓ ایک اور بھگوڑے سے دو بکس چھین لائے اور سیدنا عمرو بن مقرنؓ کو پیش کیے جو غنیمت کے نگران تھے۔ انہیں کھولا گیا تو ان میں سے ایک میں سونے کا گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی۔ گھوڑے کا ساز چاندی کا تھا جس میں یاقوت اور زمرد لگے ہوئے تھے۔ سوار بھی چاندی کا بنا ہوا تھا۔ اور اس کے سر پر جواہرات کا تاج تھا دوسرے بکس میں چاندی کی اونٹنی تھی اس کا پالان اور دوسرا سامان سونے کا تھا۔ اور سونے کی مہار میں موتی جڑے ہوئے تھے۔ ساربان سونے کا بنا ہوا تھا۔ اور سر سے پاؤں تک جواہرات میں ڈوبا ہوا۔ مدائن کے گھروں میں مسلمانوں کو ایسی ایسی نادر اور نفیس اشیاء ملیں کہ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کی کوئی قوم ایرانیوں سے زیادہ خوش حال نہ تھی۔

ہر طرف سے غنیمت کا مال اکٹھا کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے سامنے ڈھیر لگائے جا رہے تھے اتنے میں ایک سپاہی مالِ غنیمت کے خزانچی کے پاس جواہرات کا ایک ڈبہ لے کر آیا جسے دیکھ کر خزانچی اور حاضرین مجلس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا: "جتنا سامان اب تک ہمارے پاس جمع ہوا ہے اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے اس کے مقابلہ میں رکھا جا سکے" پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ اتنا قیمتی ڈبہ تو نے رکھ کیوں نہ لیا؟ تو اس اللہ کے نیک

بندے نے بڑا خوب جواب دیا:

"وجہ بتاؤں تو تم سن کر میری تعریف کرو گے لیکن میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اس اجر پر مطمئن ہوں جو ایمان داری کے صلہ میں مجھے اللہ سے ملے گا"۔

سیدنا سعدؓ کو جب اس سپاہی اور اُن جیسے دوسرے سپاہیوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا:

"خدا کی قسم! لشکر کا لشکر ایمان دار ہے۔ اگر اصحاب بدر کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ لوگ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے ہم مرتبہ ہیں"۔

سیدنا جابر بن عبداللہؓ فرماتے تھے:

"خدا کی قسم: جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیں قادسیہ کے مجاہدین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا بھی طلب کی ہو"۔

اس کی زندہ مثال سیدنا قعقاعؓ بن عمروؓ ہیں۔ قادسیہ اور مدائن کی فتح انہی کی مرہون منت ہیں لیکن جب انہوں نے کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کی تلواریں لا کر پیش کیں تو سیدنا سعدؓ نے ان سے فرمایا: "ان میں سے جو تمہیں پسند ہو وہ لے لو۔ انہوں نے صرف ہرقل کی تلوار پسند کی۔ باقی کسی شئے کو ہاتھ نہ لگایا"۔

اس سب سامان کے علاوہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کسریٰ کے خزانوں سے تین کھرب دینار ملے اور محل میں جو سامان تھا اس کی قیمت کا تو اندازہ ہی نہیں۔ مال غنیمت میں ایک عجیب و غریب فرش بھی ملا جس کی ساری دنیا میں شہرت تھی۔ وہ دو سو ستر فٹ لمبا اور ایک سو اسی فٹ چوڑا تھا۔ اس کو "فرشِ بہار" کہا جاتا تھا۔ شاہانِ ایران موسم خزاں میں اس پر بیٹھ کر شراب پیتے اور رنگ رلیاں مناتے تھے اس کے چاروں طرف حاشیہ تھا اور درمیان میں صحن چمن کا منظر۔ اس کی زمین سونے کی اور سبزہ زمرد کا بنا ہوا تھا۔ پکھراج کے حاشیے، موتیوں کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے۔ یہ فرش چونکہ مجاہدوں میں تقسیم نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس کو مدینہ بھیج دیا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے صحابہ سے پوچھا کہ اس کا کیا کیا جائے؟ کچھ نے کہا کہ اسے آپ رکھ لیں لیکن سیدنا عمرؓ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ سیدنا علیؓ نے مشورہ دیا کہ اسے ٹکڑے کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا علیؓ کو اس کا ایک گز کا ٹکڑا ملا جو انہوں نے بیس ہزار درہم میں

فروخت کیا۔ ان خزانوں نے بادیہ نشینان عرب کے ایمان کو ڈانواں ڈول نہ کیا اور نہ ہی کسی نے کوئی شے چھپا کر اپنے پاس رکھی جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا سعدؓ نے تمام مال غنیمت میں سے اس کا پانچواں حصہ (خمس) علیحدہ کیا۔ اور چھانٹ چھانٹ کر اس میں ایسی چیزیں رکھیں جنہیں دیکھ کر عرب کے بادیہ نشین تصویر حیرت بن جائیں۔ فرش بہار تو سارے کا سارا ہی مدینہ بھیج دیا۔ سیدنا سعدؓ نے ساٹھ ہزار سواروں میں یہ مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک ایک سوار کے حصہ میں بارہ بارہ ہزار آئے۔ اس کے بعد جن مجاہدین نے سر ہتھیلی پر رکھ کر نمایاں کارنامے انجام دیے انہیں ان کی شجاعت اور دلیری کے مطابق مزید حصہ دیا۔ مدائن کے سارے مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ اس بیش قیمت مال غنیمت نے مسلمانوں کو بہت مسرور کیا اور آئندہ فتوحات کے لئے ان کے اندر ولولہ اور جوش وجذبہ پیدا کر دیا۔

سیدنا بشیر بن خصاصیہ مال غنیمت کا خمس لے کر مدینہ طیبہ پہنچے اور اس کو امیر المؤمنین کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ سیدنا سعدؓ کو مدائن کی فتح کا تو پہلے ہی پتہ چل چکا تھا۔ اس خط میں جو بشیر کے ہاتھ سیدنا سعدؓ نے بھیجا اس میں واقعاتِ جنگ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ لیکن جب خط میں انہوں نے مسلمانوں کی امانت و دیانت اور اِمل غنیمت کی کثرت و نفاست کو دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ سیدنا علیؓ نے کہا: "امیر المؤمنین! چونکہ آپ کا اپنا دامن پاک ہے اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک دامن ہے۔ اگر آپ کی نیت درست نہ ہوتی تو اس کی نیت میں بھی فتور آ جاتا"۔ پھر آپ نے کسریٰ اور اس کے افسروں کے لباسوں، تلواروں اور زرہوں کی ایک نمائش سی لگائی تا کہ لوگ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ پھر سراقہ بن مالکؓ کو بلایا گیا اور اس کے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے۔ سراقہ کے کنگن پہننے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس کے بارہ میں حافظ ابن عبدالبرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ جب آپؐ سیدنا ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما رہے تو سراقہؓ نے آپؐ کا پیچھا کیا تھا اور آپؐ نے سراقہ سے فرمایا تھا:

"وہ بھی وقت کیا ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے"۔

چنانچہ اب کسریٰ کے کنگن اور اس کا کمر پٹہ اور اس کا تاج لایا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے یہ سب چیزیں سراقہؓ کو پہنا کر فرمایا: "ہاتھ اٹھاؤ اور کہو: تعریف ہے اس خدا کی جس نے یہ چیزیں کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں، جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور یہ بنی مدلج

Marfat.com

کے ایک دیہاتی سراقہ بن مالک کو پہنادیں"۔

(زرقانی جلد ا ص ۳۴۸ 'الاصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک 'الاستیعاب جلد ۲ ص ۱۲۰)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مدینہ کے سب سے لحیم و جسیم اعرابی کو بلایا جس کا نام محلم تھا اور کسریٰ کے مختلف لباس اس کو باری باری پہنائے۔ جب وہ اعرابی کسریٰ کے تمام ملبوسات پہن چکا تو سیدنا عمرؓ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا:

"اے اللہ! تو نے یہ سب کچھ اپنے نبی اور رسول کو نہ دیا حالانکہ وہ تجھے مجھ سے زیادہ عزیز اور محبوب تھا۔ پھر تو نے ابو بکرؓ کو بھی اس سے محروم رکھا حالانکہ وہ بھی تجھے مجھ سے زیادہ محبوب تھے 'لیکن اب یہ انعامات تو نے مجھے ارزانی فرمائے ہیں۔

اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں کہ کہیں یہ میری آزمائش نہ کی جا رہی ہو"۔

جس وقت مدینہ میں سیدنا عمرؓ ایوان کسریٰ کا فرش بہار 'اس کا خزانہ 'اس کے ملبوسات اور اس کے دوسرے نوادرات اپنے سپاہیوں اور دوسرے اہل مدینہ پر تقسیم فرما رہے تھے اس وقت یزدگرد رنجیدہ و غمگین حلوان میں پڑا تھا۔ غم اس کے دل کی رگیں کاٹ رہا تھا اور مایوسی اس کا کلیجہ چاٹ رہی تھی۔ رستم کی تصویر رہ رہ کر اس کی آنکھوں کے سامنے آتی اور اسے ستاروں کی پیشگوئی یاد دلاتی۔ وہ سوچتا کہ کہاں ہیں وہ دن جب اس کے آباؤاجداد نے تمام دنیا کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ اور کہاں ہے وہ زمانہ جب اس کا دادا اور مدائن کے قصر و ایوان کا مالک اردشیر جو عظمت و جلال اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن آج وہ خود ایک بادشاہ ہے جسے شکست دے کر اس کے دارالسلطنت سے نکال دیا گیا ہے۔ اور اس کی سلطنت اپنی وسعت کے باوجود اس پر تنگ کر دی گئی ہے۔ اور وہ بزدلوں کی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتا پھر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے مستقبل کے بارہ میں دن رات سوچنا شروع کر دیا کیونکہ اسے اس کا مستقبل تاریک سے تاریک تر نظر آرہا تھا۔ اسی نے مسلمانوں کو صلح کا پیغام بھیجا تھا لیکن اس کی کوئی پذیرائی نہ ہوئی کیونکہ مسلمان فاتح تھے اور فاتح کوئی رعایت نہیں دیتا۔

معرکہ جلولا

مدائن سے کوئی چالیس میل بغداد کے قریب خراسان کے راستہ میں 'عراق عجم کی سرحد پر ایک شہر کا نام جلولا تھا۔ حلوان کے قصر شرین میں بیٹھ کر یزدگرد دن رات یہی سوچتا

Marfat.com

رہتا تھا کہ مسلمانوں سے مدائن کی فتح کا کیسے انتقام لیا جائے اور بدیشی لوگوں کو اپنے دیس کی سرزمین سے کیسے نکالا جائے۔ ادھر سیدنا سعدؓ کا قیام مدائن کے قصر ابیض میں تھا۔ ان کے جاسوس انہیں یزدگرد کے بارہ میں ہر قسم کی خبروں سے مطلع کرتے رہتے تھے سیدنا سعدؓ کو اطلاع ملی کہ شکست کھا کر بھاگنے والے ایرانی جرنیل اور سپاہیوں نے جلولا میں پناہ لے رکھی ہے اور یہ پلان بنا رہے ہیں کہ یہاں لشکر جمع کر کے مسلمانوں سے ایک زبردست مقابلہ کریں۔ فتح حاصل ہو گئی تو ٹھیک ورنہ کوئی یہ تو نہیں کہے گا کہ ہم نے مادر وطن کی حمایت کا حق ادا نہیں کیا۔ اس وقت جلولا میں مہران' فیروزان' رستم کا بھائی خرزاد اور وہ تمام جنگی بہادر اور سورما جمع تھے جو سلطنت ایران کی آن پر مر مٹنے کے لئے آفتاب کی قسم کھا کر اکھٹے ہوئے تھے۔ یزدگرد جس کے سینے میں عربوں کے خلاف انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے اس نے بھی ان کو ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا۔ سیدنا سعدؓ کو اس بات کی اطلاع بھی دی گئی کہ یزدگرد اگرچہ خود تو حلوان میں رہے گا لیکن وہاں سے ہر قسم کی کمک ان کو بھیجتا رہے گا۔ قادسیہ اور مدائن سے بھاگی ہوئی ساری فوج جلولا میں جمع ہے اور اہل فارس کے مزاج کی وہی کیفیت ہے جو چوٹ کھائی ناگن کی ہوتی ہے۔ اب ان سب نے شہر کے اردگرد خندق کھود کر اس کے چاروں طرف نکیلے تار بچھا دیے ہیں۔ ان سب نے اب فرار نہ ہونے کی قسم کھا کر یہ عہد کیا ہے کہ جب تک عربوں کے ایک ایک فرد کو اپنے ملک سے نکال باہر نہ کریں گے' سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔

سیدنا سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں ان تمام خبروں کی اطلاع دی۔ وہاں سے سیدنا عمرؓ نے لکھا کہ ہاشم بن عتبہ کو ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ جلولا بھیج دو۔ مقدمۃ الجیش کو قعقاعؓ بن عمرو کی قیادت میں دینا۔ اسی طرح آپ نے میمنہ اور میسرہ اور ساقہ وغیرہ کے افسروں کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ سیدنا سعدؓ نے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کی اور سیدنا ہاشم بن عتبہؓ کی زیر کمان بارہ ہزار کا لشکر جلولا روانہ کر دیا۔ جب ہاشمؓ جلولا پہنچے تو اسلامی لشکر کو دیکھ کر اہل جلولاء قلعہ بند ہو گئے۔ ہاشم نے شہر کا محاصرہ کر لیا

ایرانی فوج کی قیادت مہران کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے دوسرے جرنیلوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ لڑائی قلعہ بند ہو کر لڑی جائے۔ اس لیے کبھی کبھی ایرانی باہر نکل آتے اور اسلامی فوج سے ایک آدھ جھڑپ ہو جاتی لیکن نقصان زیادہ ایرانی فوج ہی کا ہوتا اور وہ پھر بھاگ کر قلعہ بند ہو جاتے۔ اتنی بڑی تعداد اس سے قبل شاید ایرانیوں کی جمع نہ ہوئی

تھی۔ جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی لیکن اس وقت جلولا میں دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ یزدگرد کی طرف سے کمک نہ آتی ہو۔ دوسری طرف سیدنا سعدؓ بھی وقتاً فوقتاً کمک بھیجتے رہتے۔

جب ایرانی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں میں پٹنے لگے تو مہران نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یہ بات ہمارے لئے بڑی افسوس ناک ہے کہ مسلمانوں کی جرأت اور حوصلہ روز بروز بڑھ رہا ہے حالانکہ ان کی تعداد ہم سے بہت کم ہے اور ہمارا حوصلہ دن بدن گرتا چلا جا رہا ہے حالانکہ ہماری تعداد عربوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اپنی فوج کو میدان میں لے آئیں۔ اس میں ہمیں فائدہ ہے کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اور ان کا سپہ سالار بھی ساتھ نہیں۔ اگر ہم جم کر لڑے تو جلولا کے میدان میں ہم انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے۔

یہ بات فوجی جرنیلوں کے ذہنوں میں تو آتی تھی لیکن دل ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔ دل میں مسلمانوں کا رعب کچھ اس طرح بیٹھ گیا تھا کہ دو لاکھ سے زائد فوج ۱۲ ہزار مجاہدین سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے سے خوف کھاتی تھی۔ آخر فیروزان نے مہران کی رائے کی تائید کی تو ایرانی لشکر میدان جنگ میں صف آرا ہوا۔ اسی (۸۰) روز کے محاصرہ کے بعد یہ لوگ قلعہ سے باہر نکلے۔

سیدنا قعقاعؓ نے میدان پر نظر ڈالی تو صاف نظر آ رہا تھا کہ ایرانی اپنے دفاع کا پورا پورا انتظام کر کے باہر نکلے ہیں۔ اسلامی لشکر کے مقابلہ میں انہوں نے دور دور تک خار دار تار بچھائے ہوئے تھے۔ پیادے اور سوار ان پر سے گذر نہ سکتے تھے۔ اگر گزرنے کی کوشش کرتے تو خندق راستے میں حائل تھی۔ سیدنا قعقاعؓ نے جنگ کی نئی اسٹریٹجی تیار کی۔ وہ یہ کہ میدان جنگ میں پھیلنے کے بجائے چند خاص جگھوں پر حملہ کیا جائے اگر دشمن ان حصوں میں ذرا بھی کمزور پڑے تو قلعہ کی طرف جانے والے راستوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

چنانچہ سیدنا ہاشم نے لشکر کی تنظیم کی۔ سیدنا قعقاعؓ آگے آگے تھے۔ میسرہ پر مشعر بن مالک تھے اور میمنہ پر عمرو بن مالک، پچھلے حصہ پر عمرو بن مرہ تھے۔ اس دفعہ لڑائی ایرانی ڈھنگ اور اسلوب سے ہو رہی تھی۔

اگرچہ ایرانیوں نے مسلمانوں کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے تھے لیکن اسلامی لشکر

Marfat.com

کے آگے آگے سیدنا قعقاع ؓ بن عمرو تھے۔ وہ ان رکاوٹوں کی کیا پروا کرتے تھے۔ قعقاع ؓ نے جو دشمن پر حملہ کیا تو ایرانی پہاڑ بن گئے کیونکہ انہوں نے مادرِ وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کے لیے قسمیں کھائی ہوئی تھیں۔ چنانچہ دونوں فوجوں میں بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ میدان جنگ، میدانِ حشر بن گیا۔ کبھی کبھی اتنی مسلسل اور مربوط تیر اندازی ہوتی کہ آفتاب نگاہوں سے چھپ جاتا۔ مختصر یہ کہ جنگ اتنی سخت اور شدید تھی کہ اس سے قبل اس سے زیادہ شدید جنگ نہیں ہوئی تھی۔ نیزے ٹوٹ گئے، تلواریں کند ہو گئیں۔ پھر خنجروں سے دست بدست لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں نے لڑتے لڑتے اشارے سے نمازِ ظہر ادا کی اور نماز کے بعد اللہ کا نام لے کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن دبنے لگا۔ عین اسی وقت گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھا۔ ہوا کے جھکڑ شدت سے چلنے لگے، اس لئے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ گرد و غبار اس قدر شدید تھا کہ زمین و آسمان نظروں سے چھپ گئے اور دن میں رات کا سماں پیدا ہو گیا۔ ایرانی کچھ مسلمانوں سے دب کر اور کچھ اس طوفانِ بلاخیز سے پریشان ہو کر خندق میں گر پڑے۔ طوفان تھما تو مہران اور فیروزان نے دیکھا کہ جو خندقیں انہوں نے مسلمانوں کے لئے کھودی تھیں وہ ان کے اپنے ہی سپاہیوں کی لاشوں سے اٹی پڑی ہیں۔ اپنی لاشوں کو خندق میں دیکھ کر مہران نے حکم دیا کہ اس حصہ کو فوراً پاٹ دیا جائے۔ عجمی فوجوں کو میدانِ جنگ میں بڑھنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ اب ہمارے دستے ایک ساتھ آگے بڑھ سکیں گے۔ سیدنا قعقاع ؓ کو جب دشمن کی اس چال کا پتہ چلا تو وہ خوش ہوئے اور اسے اپنے لئے نیک فال سمجھا۔

مسلمان کمانڈروں نے کہا: "اب ایرانیوں کی تازہ دم فوج میدان میں آئے گی"۔ سیدنا قعقاع ؓ نے سن کر کہا: "کیا تم لوگ تھک تو نہیں گئے؟" مسلمانوں نے کہا: "ہاں ہم تھک گئے ہیں"۔ سیدنا قعقاع ؓ نے کہا: "مسلمانو! ہم اب اور اسی وقت ان پر حملہ کریں گے اور اس وقت تک ان کی جان نہ چھوڑیں گے جب تک اللہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ یہ کہہ کر سیدنا قعقاع ؓ آگے بڑھے۔ اس انداز سے بڑھے کہ دشمن کے جمے قدم اکھاڑتے، مثال شیر دھاڑتے اور صفوں کے جگر پھاڑتے اور ایرانیوں کو لتاڑتے۔ مسلمانوں نے اپنے سالار لشکر کا یہ حال دیکھا تو غضبناک شیروں کی طرح اپنی صفوں سے نکلے اور ایرانی فوج پر جا پڑے۔ سیدنا قعقاع ؓ نے جب اپنے سپاہیوں کی غضب ناکی اور بہادری دیکھی تو للکارا: "مسلمانو دشمن کی صفوں میں گھس جاؤ اور قلعہ کا راستہ یہ ہمارے سامنے

Marfat.com

ہے"۔ خود سیدنا قعقاعؓ اپنے مٹھی بھر مجاہدوں کے ساتھ خندق کے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں قلعہ کی طرف جانے کا راستہ تھا۔ اس وقت جھٹ پٹا ہو گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اندھیرے کی وجہ سے لوگ پیچھے ہٹ رہے ہیں' لہٰذا ان کے اشارے پر نقیب نے اعلان کیا: "مسلمانو! دیکھو تمہارا سالار دشمنوں کی خندق پار کر کے قلعہ کے راستہ پر قابض ہو گیا ہے۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں۔ اب بڑھے چلو"۔

یہی وہ وقت تھا جب جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا تھا۔ نقیب کی اس آواز سے مسلمانوں کے تن بدن میں ایک بجلی سی کوندگئی۔ اور وہ بے درنگ آگے بڑھے اور دشمن پر اس زور کا حملہ کیا اور دشمنوں کو اس بری طرح قتل کیا کہ قادسیہ کی آخری رات "لیلۃ الہریر" کی یاد تازہ ہو گئی۔ قلعہ کو جانے والے راستہ پر سیدنا قعقاعؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر جم گئے کہ ان کا قلعے کی طرف لوٹنا ناممکن ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی چاروں طرف سے گھر گئے اور مسلمانوں نے انہیں اپنی تلواروں کی نوک پر دھر لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جنگ ختم ہوئی تو دیکھا کہ ایک لاکھ ایرانی میدان میں دم توڑ چکے تھے۔ مہران نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن سیدنا قعقاعؓ نے اسے خانقین کے مقام پر جالیا اور قتل کر دیا۔ فیروزان گھوڑے پر سوار ہو کر حلوان بھاگ گیا اور جلولا کی جنگ کا انجام یزدگرد سے بیان کیا۔ یزدگرد جنگ کا انجام سنتے ہی رے بھاگ گیا۔

طبری کے مطابق تین کروڑ کی غنیمت ہاتھ آئی' اور لونڈی اور غلام اس کے علاوہ' اور باربرداری کے جانور بھی بہت زیادہ ہاتھ لگے۔

ان میں کچھ ایسے نوادرات بھی ملے جو ایرانی مدائن سے لے کر بھاگے تھے۔ اسلحہ کی ایک کثیر تعداد بھی انہیں یہاں سے ملی۔ سیدنا سعدؓ نے جب یہ مال فوج میں تقسیم کیا تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ہر سوار کے حصہ میں ۹ ہزار کی رقم اور نو باربرداری کے جانور آئے۔ کنیزیں اور غلام اس کے علاوہ تھے۔ اور کنیزوں میں کچھ ایسی بھی تھیں جو بڑے بڑے سرداروں کی بیٹیاں تھیں اور آسائش و آرام کی زندگی نے انہیں پہاڑوں اور میدانوں میں فرار نہ ہونے دیا تھا۔ شہربانو بھی شاید اسی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھیں جو یزدگرد کی بیٹی تھی اور بعد میں سیدنا حسین بن علیؓ کی زوجہ بنیں اور سیدنا زین العابدینؒ اسی کے صاحبزادے تھے۔

سیدنا سعدؓ نے جلولا کی فتح اور وہاں سے حاصل ہونے والا بہت سا مال غنیمت

(خمس) اور قعقاعؓ کے حلوان پہنچنے اور اس کو فتح کر لینے کی اطلاع سیدنا عمرؓ کی خدمت میں زیاد بن ابی سفیان کی نگرانی میں مدینہ منورہ بھیجی۔ زیاد نے جلولا اور حلوان کی فتح کے حالات ایسی فصاحت وبلاغت سے بیان کیے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "جس طرح یہ حالات تم نے مجھ سے بیان کئے ہیں' یونہی مجمع عام میں سب کے سامنے بیان کرو گے؟" زیاد نے عرض کیا: "ضرور' امیر المؤمنین' بخدا! دنیا بھر میں مجھ پر اگر کسی کا رعب پڑ سکتا ہے تو وہ صرف آپ کا۔ جب آپ کے سامنے میں نے یہ حالات بیان کر دیے ہیں تو دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرنا کیا مشکل ہے۔ چنانچہ اجتماع عام میں انہوں نے یہ واقعات اس فصاحت وبلاغت کے ساتھ بیان کیے پھر مسلمان جانبازوں کے کارنامے' ایرانی فوجوں کا فرار' ان کے مقتولوں کی تعداد' ان کے مال غنیمت کی تفصیل اس حسین اور دل نشین اسلوب میں بیان کی کہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے محاذ جنگ کی تصویر کھنچ گئی۔ یہ دلنشین پیرایہ خطاب سن کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "بخدا یہ زبان آور خطیب ہے۔ سیدنا عمرؓ کی اس تحسین وتعریف سے زیاد کے دل میں خوشی ومسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا:

ان جندنا اطلقوا بالفعال لساننا

ہماری فوج نے اپنے کارناموں سے ہماری زبانیں کھول دی ہیں

اس کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے غنیمت کا مال اور سامان حاضر کیا۔ بعض اہل الرائے نے مشورہ دیا کہ اس مال کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے' لیکن سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم! میں اسے بیت المال کی چھت کے نیچے رکھنے سے پہلے تقسیم کر دوں گا"۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اس لئے تقسیم ملتوی ہو گئی۔ سارا مال مسجد نبوی کے صحن میں رکھا رہا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا عبداللہ بن ارقمؓ نے رات اس کا پہرہ دیا۔ صبح ہوئی تو سیدنا عمرؓ تشریف لائے۔ نماز فجر سے فراغت اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد مال کے ڈھیر پر سے چادر ہٹائی۔ سونے چاندی' یاقوت وجواہر کو دیکھا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ: "یہ تو مقام شکر ہے کہ اللہ نے اپنے اور ہمارے دشمنوں کو خائب وخاسر فرمایا۔ امیر المؤمنین نے جواب دیا:

"مجھے اس دولت کے ملنے پر رونا نہیں آ رہا یہ تو واقعی مقام شکر ہے' بخدا! اللہ نے جس قوم کو یہ اشیاء دیں اس میں کینہ اور حسد پیدا ہو گیا۔ اور جب کسی قوم میں کینہ وحسد پیدا ہو جاتا تو محبت ومروت کٹ جاتی ہے اور اس قوم کا وقار ختم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے"۔

یہ سیدنا عمرؓ کی دوراندیشی اور دوربینی تھی جس نے آپ کو رلا کر رکھ دیا جب کہ دوسرے سب خوشیاں منا رہے تھے۔ یہ دولت اب مسلمانوں میں آ کر اقتصادی انقلاب پیدا کر رہی تھی۔ دولت کے انبار انسان کو عیش و آرام کی تھپکیوں کا عادی بنا دیتے ہیں اس کی عملی قوتوں کو زنگ لگ جاتا ہے اور بغض و حسد باہمی تعاون اور اخوت کے جذبہ کو ختم کر دیتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ افراد اپنی قوم کا سرمایہ افتخار اور حق کے معاون و مددگار ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت و عزت کے لئے اپنے رسول پر نازل فرمایا۔ سیدنا عمرؓ نے یہ محسوس کیا کہ سکون و فراغت اور آرام و آسائش کینہ پروری اور حسد و بغض کا پیش خیمہ ہیں اور وہ رو دیے۔ گویا غیب کی چلمن میں سے وہ تحریر دیکھ لی جو دست قضا نے اس قوم کی لوح تقدیر پر لکھ دی تھی۔

حلوان پر قبضہ

یزدگرد مدائن سے بھاگ کر حلوان چلا گیا تھا لیکن جب اس نے جنگ جلولا میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر سنی تو اس کا دل بیٹھ گیا۔ ناامیدی اس پر سایہ فگن ہو گئی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کی ہدایت تھی کہ سیدنا قعقاعؓ دشمن کا پیچھا کریں۔ اس ہدایت کے مطابق قعقاعؓ جلولا کی فتح کے بعد حلوان جا پہنچے۔ یزدگرد نے اپنی سوار فوج اور اس کے سالار خسروشنوم کو مقابلہ کے لئے یہاں چھوڑا تھا۔ زینبی حاکم حلوان اور خسروشنوم نے سیدنا قعقاعؓ کا مقابلہ کیا۔ زینبی جنگ میں مارا گیا اور خسروشنوم دم دبا کر بھاگ گیا۔ فیروزان جو حلوان میں موجود تھا پہاڑوں کی طرف نکل گیا تاکہ مسلمانوں کے لئے نیا محاذ کھول سکے۔ شہر پر قبضہ کے بعد سیدنا قعقاعؓ نے عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے ان کی جان و مال محفوظ رہے گی۔ اس اعلان پر بہت سے امراء حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جلولا عراق کا آخری مقام تھا اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ اور تکریت کی فتح

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے جہاں جلولا کی فتح وہاں سے حاصل ہونے والے مال و اسباب اور پھر قعقاعؓ کے حلوان کو فتح کرنے کی اطلاع بارگاہِ خلافت میں دی وہاں ایرانیوں کو ان کے اندرون ملک میں مار بھگانے کی اجازت بھی طلب کی لیکن سیدنا عمرؓ نے جواب میں

Marfat.com

فرمایا:

"میں چاہتا ہوں کہ سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے کہ نہ وہ ہماری طرف آسکیں اور نہ ہم ان کی طرف جا سکیں۔ ہمارے لئے سواد کا علاقہ ہی کافی ہے۔ میں مسلمانوں کی سلامتی کو مال غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں"۔

اگرچہ سیدنا عمرؓ کی پالیسی آگے نہ بڑھنے کی تھی لیکن عراق کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ پہلے صرف حکومتی مقابلہ تھا' مگر اب پوری ایرانی قوم اس کا انتقام لینے کے لئے سرگرم عمل ہو گئی۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ اب ایک قومی مسئلہ بن گیا۔ چنانچہ سیدنا سعدؓ نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ موصل کے رومی تکریت میں جمع ہو رہے ہیں جو مدائن کے شمال میں دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ اور عرب کے عیسائی قبائل ایاد' تغلب اور غران کے ساتھ مل کر انہیں حملہ کرنے کے لئے اکسا رہے ہیں۔ اس خط کے جواب میں سیدنا عمرؓ نے لکھا کہ عبداللہ بن معتم کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ تکریت روانہ کر دیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ عبداللہ بن معتم نے جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا جو چالیس روز تک جاری رہا۔ آخر رومیوں نے محاصرہ سے تنگ آکر ارادہ کیا کہ کشتیوں پر اپنا سامان لاد کر بھاگ جائیں۔ عبداللہ بن معتم کو جب پتہ چلا تو انہوں نے عرب عیسائیوں سے دعوت اسلام کے سلسلہ میں مراسلت کی اور انہیں مسلمانوں کی مدد کے لئے ابھارا۔ عرب عیسائیوں نے اثبات میں جواب دیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ شہر کے ان دروازوں پر قبضہ کر لیا جائے جن سے دریا کی طرف راستہ جاتا ہے۔ چنانچہ رومی کشتیوں پر سوار ہونے کے لئے باہر نکلے تو وہ تلواروں پر دھر لیے گئے۔ دوسری طرف مسلمانوں نے شہر پر حملہ کر دیا۔ رومی گھبرا کر دروازوں سے نکلنے لگے تو مسلمانوں نے انہیں اپنی تلواروں کا لقمہ بنا لیا۔ اور پیچھے سے ان عربوں نے ان کا صفایا کر دیا یہاں تک کہ ان کا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔

عبداللہ بن معتم نے ربعی بن افکل عنزی کو موصل روانہ کیا۔ ان کے ساتھ ایاد' نمر اور تغلب کے نو مسلم تھے۔ یہ برق رفتاری کے ساتھ نینوئی اور موصل کے قلعوں پر جا پہنچے۔ قلعہ والوں کو جب تکریت والوں کا حشر معلوم ہوا تو جزیے پر صلح کر لی۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ چنانچہ سوار کو تین ہزار اور پیادے کو ایک ہزار حصہ میں آیا۔

تکریت اور موصل کی شکستوں کی خبریں شام میں جب ان کے بھائیوں میں پہنچیں تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب ان کے پاس اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کی

Marfat.com

اطاعت کا جوا اپنے کندھوں پر ڈال لیں۔ چاروناچار انہوں نے اہل جزیرہ سے امداد طلب کی۔ سیدنا سعدؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بارگاہِ خلافت میں خط لکھا کہ "ہیت" کے مقام پر اہل جزیرہ کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے ہدایات جاری فرمائیں۔ انہیں ہدایات کے تحت سیدنا سعدؓ نے عمرو بن مالک کی قیادت میں ایک لشکر وہاں بھیجا۔ اس لشکر کو دیکھ کر دشمن قلعہ بند ہو گیا۔ اور اس نے چاروں طرف خندق کھود رکھی تھی۔ عمرو بن مالک ان کے اس حفاظتی انتظام کو دیکھ کر اور حارث بن یزید کو اپنا قائم مقام بنا کر شمال کی طرف قرقیسیا چلے گئے جو عراق اور شام کی سرحد پر فرات اور خابور کے سنگم پر واقع ہے۔ عمرو بن مالک نے تلوار کے زور سے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد عمرو نے حارث بن یزید کو لکھا کہ "ہیت" کی قلعہ بند فوجیں اگر باہر آجائیں تو انہیں کچھ نہ کہیں ورنہ ان کی خندق کے گرد ایک اور خندق کھود لو جس کے دروازے تمہاری طرف ہوں۔ حارث نے اہل ہیت کو اس بات سے مطلع کیا۔ انہوں نے ڈر کے مارے شہر خالی کر دیا اور مسلمان اس پر قابض ہو گئے۔

Marfat.com

فتوحاتِ شام

سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں دو محاذ کھولے تھے۔ ایک عراق میں جہاں ایرانی سلطنت تھی اور دوسرے شام میں جو قیصر روم کے تحت تھا۔ سیدنا عمرؓ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی عراق کے محاذ پر تو یہ فتوحات کیں جن کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے اور سلطنت کسریٰ کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ بادشاہ ایران کے لئے اس کا اپنا ملک اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گیا۔ کسریٰ جو کسی زمانہ میں سپر پاور (Super Power) سمجھا جاتا تھا' اب خاقانِ چین کے ہاں پناہ لے رہا تھا۔ اس کے اپنے ملک میں اس کے لئے دو وانچ جگہ بھی نہ تھی۔ دوسری طرف بازنطینی سلطنت کے محاذ پر بھی آپ نے اسلامی افواج کو روانہ فرمایا اور مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ مدینہ میں سیدنا ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی اس محاذ پر بھی پوری توجہ دی۔ بلکہ جس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ قادسیہ' مدائن اور جلولا میں ایرانی فوجوں کو شکست دے رہے تھے' اس وقت سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور ان کے ساتھی شام میں شہر پر شہر فتح کر رہے تھے۔ اور رومیوں کو ان کی اپنی سرزمین سے نکال باہر کر رہے تھے۔ یرموک کے میدان میں تذارق کو شکست فاش دے رہے تھے اور فحل سے ہرقل کے جانبازوں کے پرخچے اڑا رہے تھے۔

لیکن دونوں محاذوں پر جنگی پالیسی مختلف تھی۔ عراق میں پوری فوج کی باگ ڈور اور کنٹرول صرف ایک شخص کے ہاتھ میں تھا۔ عہد صدیقی میں یہ کنٹرول سیدنا خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھا اور عہد فاروقی میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھ میں' لیکن شام میں سیدنا ابو بکرؓ نے بیک وقت چار لشکر روانہ کیے اور ہر لشکر کے لیے شام کا ایک حصہ مخصوص

Marfat.com

کر دیا تھا اور ہر لشکر کا الگ الگ امیر مقرر فرمایا تھا اور انہیں اپنی حدود میں مکمل اختیارات حاصل تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ حکم تھا کہ اگر کسی جگہ یہ سارے لشکر جمع ہو جائیں تو ان سب کے سپہ سالار اور کمانڈر سیدنا ابو عبیدہؓ ہوں گے جو اس امت کے "امین" ہیں۔ اور جو فوجیں فلسطین بھیجی گئی تھیں ان کی قیادت سیدنا عمرو بن العاصؓ کو سونپی گئی تھی۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کو آپ نے سپہ سالار بنا کر عراق سے شام منتقل کیا، لیکن جب ابو بکرؓ کی وفات ہوئی تو سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ پھر امین الامت سیدنا ابو عبیدہ کو سپہ سالار بنا دیا۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے بعد سیدنا ابو عبیدہؓ برابر شام میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار رہے۔

دمشق کی فتح

جن دنوں مدینہ طیبہ میں سیدنا صدیق اکبرؓ کا انتقال ہوا ان دنوں مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس محاصرہ کو جاری رکھا۔ محاصرہ کے دوران دمشق کے پادری کے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی۔ اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور بدمست ہو کر سو گئے۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ امیر لشکر ہونے کے ناطے راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر دشمن کی مخبری کرتے تھے۔ انہیں اس جشن کی خبر ہوئی اور پتہ چلا کہ فوج اور اہالیان شہر بدمست ہو کر سوئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے چند مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر کی فصیل پر کمند ڈالی اور شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

پھاٹک کے محافظ بھی مستی میں اونگھ رہے تھے۔ آپ نے ان سب کو قتل کر کے مسلمان فوجوں کے لئے شہر کے پھاٹک کھول دیے۔ پھاٹک کھلتے ہی مسلمان فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ مسلمان فوج کے شہر میں اس طرح داخل ہونے سے اہل شہر بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ وہ سیدھے سیدنا ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچے جو شہر کی دوسری طرف متعین تھے اور ان سے پناہ اور صلح کی درخواست کی۔ انہیں صحیح صورت حال کا علم نہیں تھا لہٰذا انہوں نے صلح قبول کر لی۔ چنانچہ شہر کی ایک سمت سے سیدنا خالدؓ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے سیدنا ابو عبیدہؓ مصالحانہ طور پر۔ سیدنا ابو عبیدہؓ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے یہ فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ لہٰذا نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی اور غلام بنایا گیا۔

Marfat.com

۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا۔ یہ شام کا ایک مرکزی مقام تھا۔ چنانچہ رومیوں نے ذی قعدہ ۱۴ھ میں اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کر کے اس فتح کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق واپس لینے کے بجائے اردن کا پورا صوبہ رومیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

حمص کی فتح

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا فتح ہونا شام کا فتح ہونا تھا۔ انطاکیہ میں تو خود شاہِ روم ہرقل قیام پذیر تھا۔ حمص ان دونوں سے زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا۔ سیدنا عمرؓ کا خط پہنچا کہ اور شہروں کا خیال چھوڑ کر پہلے حمص کو فتح کیا جائے اور پھر انطاکیہ کو۔

سیدنا عمرؓ کے اس حکم کی تعمیل میں سیدنا ابو عبیدہؓ خالد بن ولیدؓ کو ساتھ لے کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمص اس زمانہ میں شام کے اضلاع میں ایک بہت بڑا ضلع اور قدیم شہر تھا۔ قدیم زمانہ میں اس کی شہرت اس وجہ سے تھی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بہت بڑا ہیکل تھا جس کے تیرتھ کے لئے دور دراز کے لوگ آیا کرتے تھے اور اس کا پجاری ہونا ایک بہت بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق کے قریب شمال مشرق میں مرج الروم پہنچ کر ان کا سامنا ایک رومی لشکر سے ہوا جو بطریق توذر کی زیر قیادت تھا۔ اسلامی فوج اس کے سامنے ٹھہر گئی۔ اسی اثناء میں ایک اور لشکر جس کا کمانڈر شنس رومی تھا، توذر کی امداد کے لئے پہنچ گیا۔ لیکن شنس نے اس سے ذرا ہٹ کر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا خالدؓ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ توذر کا مقابلہ خالد کریں گے اور شنس کا ابو عبیدہؓ۔ سیدنا خالدؓ اور سیدنا ابو عبیدہؓ رات بھر دشمن کا مقابلہ کرنے کا پلان تیار کرتے رہے، لیکن صبح جب خالدؓ اٹھے تو دیکھا کہ توذر کا لشکر وہاں موجود نہیں ہے۔ سیدنا خالدؓ سخت حیران تھے کہ یہ لشکر کہاں چلا گیا؟ اور کیسے چلا گیا؟ سیدنا خالدؓ کی دور بینی نے فوری طور پر اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ دشمن رات کے پہلے حصے میں اپنی فوج کو لے کر دمشق چلا گیا ہے۔ دمشق میں سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ صرف پانچ سو مجاہدین کے ساتھ مقیم تھے۔ توذر کی فوج کے مقابلہ میں یہ بہت کم فوج تھی۔ اس لئے خطرہ تھا کہ دمشق کے محافظین اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ سیدنا خالدؓ نے سیدنا ابو عبیدہؓ سے توذر کے لشکر کا تعاقب کرنے کی اجازت طلب کی۔

Marfat.com

اور سواروں کا ایک دستہ لے کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ خالدؓ اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ یزید بن ابی سفیانؓ اس روز صبح کو اٹھے تو انہیں دمشق سے آگے گرد و غبار کا طوفان سا اٹھتا ہوا نظر آیا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ دشمن کا ایک لشکر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ سیدنا یزیدؓ نے حکم دیا کہ شہر کے دروازے بند کر دو اور مدافعانہ جنگ لڑنے کی تیاری کر لو۔ توذر نے دیکھا کہ مسلمان قلعہ بند ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی اس نے حملہ کر دیا، اور توذر دمشق واپس لینے کے خواب دیکھنے لگا۔ توذر کے حملہ کے دوران ہی خالدؓ اپنے دستہ کے ساتھ عقب میں پہنچ گئے۔ اور سارے دستے نے مل کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں کی قلعہ بند فوج نے جو یہ نعرہ سنا تو ان کے دل بڑھ گئے۔ حوصلوں میں نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ توذر کی فوج کو جب پتہ چلا کہ خالدؓ آ گئے ہیں تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ چنانچہ سامنے سے سیدنا یزیدؓ نے اور عقب سے خالد بن ولیدؓ نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اور ان میں سے صرف وہی بچ سکا جو کسی طرح بھاگ نکلا۔ میدانِ جنگ دشمنوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ توذر مارا گیا لیکن اس کی لاش اٹھانے والا کوئی نہ رہا۔ رومیوں کے گھوڑے، بار برداری کے جانور اور دوسرا بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ سیدنا یزیدؓ تو فتح کے پھریرے اڑاتے دمشق واپس چلے گئے، لیکن خالدؓ واپس مرج الروم چلے آئے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا ابو عبیدہؓ بھی شنس کو شکست دے چکے ہیں۔ شنس مارا گیا اور انہیں بھی بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔

اب خالدؓ اور ابو عبیدہؓ پھر حمص کی طرف بڑھے۔ ان دنوں ہرقل حمص ہی میں مقیم تھا۔ اس نے جب توذر اور شنس کی شکست کا سنا تو وہ اہل حمص کو مقابلہ کی ہمت دلا کر خود بھاگ گیا۔ اور اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ تو کر لیا لیکن کڑا کے کی سردی سے عربوں کے جسم ٹھٹھر کر برف ہو گئے۔ ادھر سردی مسلمانوں کو تنگ کر رہی تھی ادھر اہل حمص محاصرے سے تنگ آ رہے تھے۔ اور ہرقل کی فوج کا انتظار کر رہے تھے۔ ہرقل کی مدد تو نہ پہنچی لیکن مسلمانوں نے صبر و ثبات سے کام لیا۔ چنانچہ سردی کا موسم تو گذر گیا۔ اہل حمص نے سمجھا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہے اور مسلمان ان کے گلے کا پھندا روز بروز کستے چلے جائیں گے۔ ابھی یہ صلح کے بارہ میں غور و فکر ہی کر رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا اور شہر کی فصیل شق ہو گئی۔ اور اندرون شہر بہت سے مکان مٹی کا ڈھیر ہو گئے۔ چنانچہ اہل شہر ڈر کر اپنے سرداروں کے پاس گئے اور صلح

Marfat.com

کے لئے ان پر زور دیا۔ چنانچہ ان کے سرداروں نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کر دی۔ مسلمانوں نے ان کی اس درخواست کو قبول کرلیا اور دمشق کی طرح جزیہ اور خراج پر صلح کرلی۔ اور اس کی اطلاع سیدنا عمرؓ کو دے دی گئی۔ آپ نے ابو عبیدہؓ کو وہیں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔

قنسرین کی فتح

سیدنا ابو عبیدہؓ حمص ہی میں مقیم تھے یہاں تک کہ ۱۵ھ کا آدھا موسم بہار گذر گیا اور فوج پر سے جاڑے سرد ہواؤں کا اثر جاتا رہا تو فتح کی امنگ پھر دلوں میں چٹکیاں لینے لگی۔ اسی دوران شام کے طاقت ور قبائل بھی ان سے آملے۔ اب سیدنا ابو عبیدہؓ نے سیدنا خالدؓ سے مشورہ کیا کہ اب کہاں جایا جائے؟ سیدنا خالدؓ نے کہا کہ ایک طرف انطاکیہ اور دوسری طرف حلب پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ انطاکیہ کا راستہ ارند کے کنارے ہو کر جاتا ہے۔ اور حماۃ اور شیزر اس کے درمیان میں پڑتے ہیں۔ لاذقیہ کی فوجی چوکیاں اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور حلب کے راستہ میں قنسرین کا قلعہ تھا جس کو چاروں طرف سے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔

سیدنا ابو عبیدہؓ سیدنا عبادہ بن صامتؓ کو حمص میں اپنا قائم مقام بنا کر خود حماۃ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اہل حماۃ نے فوری طور پر ان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ شیزر والوں کو معلوم ہوا کہ اسلامی فوجیں ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے بھی حماۃ والوں کی طرح صلح کرلی۔ حضرت ابو عبیدہ نے سلمیہ فتح کیا اور اس کے بعد لاذقیہ کے سرحدی قلعہ پر پہنچ گئے۔ یہاں کے لوگ قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے اس شہر کا محاصرہ کرنے سے پہلے اس کے تمام نشیب و فراز پر غور کیا۔ اس کے محاصرہ میں انہوں نے اپنے لئے کئی نقصانات محسوس کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ محاصرہ کی طوالت انطاکیہ جانے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ یہاں انہوں نے ایک جنگی چال چلی وہ یہ کہ انہوں نے شہر سے دور پڑاؤ ڈالا اور حکم دیا کہ غار نما گڑھے اتنے گہرے کھودے جائیں کہ ایک گھڑ سوار اس میں چھپ جائے۔ جب گڑھے کھد گئے تو ایسا ظاہر کیا کہ گویا مسلمان حمص واپس جا رہے ہیں۔ لاذقیہ والوں نے انہیں واپس جاتے دیکھا تو اطمینان کے ساتھ شہر کے دروازے کھول کر اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔ رات ہوئی تو مسلمان واپس آکر اپنے گڑھوں میں چھپ گئے۔ دوسرے روز صبح اہل لاذقیہ شہر کے دروازے کھول کر واپس آگئے۔ مسلمان نے اچانک گڑھوں سے نکل کر

Marfat.com

شہر پر حملہ کر دیا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ شہر کا دروازہ اتنا بڑا تھا کہ اسے کھولنے اور بند کرنے کے لئے کئی آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب جو مسلمان شہسواروں نے ان پر حملہ کیا تو اہل لاذقیہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہؓ نے جزیہ پر اُن سے صلح کی۔

اب سیدنا ابو عبیدہؓ انطاکیہ کی طرف بڑھے اور سیدنا خالدؓ حلب کی طرف۔ راستہ میں قنسرین تھا جو صوبہ حلب کا سب سے بڑا اور سب سے بارونق شہر تھا۔ اس کے قلعہ کو راستہ پہاڑوں پر سے ہو کر جاتا تھا اور جہاں راستہ تھا وہاں دشمن کی زبردست چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ میناس حلب کا گورنر تھا وہ اس وقت قنسرین ہی میں موجود تھا۔ اس کو ہرقل کے بعد سب سے بڑا مانا جاتا تھا۔ اس نے عرب فوجوں کے حملہ کی اطلاع پا کر اعلان کیا کہ "اب مسلمانوں کو کچل کر رکھنا ہے۔ انہیں یہ بتانا ہے کہ ہماری سرحدوں میں در آنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ فوج کو کمر بندی کا حکم دیا جائے اور ہر چھوٹا بڑا مادر وطن کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جائے"۔

سیدنا خالدؓ جنگ سے قبل میدان جنگ کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے عادی تھے۔ میدان کو دیکھ بھال کر وہ لڑائی کا نقشہ بناتے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے جو نظر ڈالی تو قنسرین پر حملہ کا مرحلہ بہت مشکل نظر آیا۔ اب انہوں نے حملہ کا نیا پلان تیار کیا۔ اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ تو انہوں نے دشمن کی نظروں کے سامنے چھوڑ دیا اور خود کچھ مجاہدوں کو لے کر میناس کے لشکر کے قریب پہاڑوں کے پیچھے پیچھے سے ہو کر رات ہی رات ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دشمن پر حملہ کرنا بہت آسان تھا۔

جب سورج نے افق مشرق سے جھانکا تو میناس نے پہاڑی کے نیچے اپنی ایک جمعیت کو ترتیب دینا شروع کیا۔ مسلمانوں کا لشکر اس کی آنکھوں کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اسے پورا اطمینان تھا کہ اتنے میں سیدنا خالدؓ کسی نامعلوم سمت سے میناس کی فوج پر حملہ آور ہو گئے۔ جونہی اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگے میناس کی بکھری ہوئی فوج تتر بتر ہو گئی۔ میناس نے بہت چاہا کہ اس ناگہانی حملہ کو روکے لیکن بے سود۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ حملہ خالد کے فوجی دستے کا ہے اور خالدؓ خود بھی اس میں موجود ہیں تو خالدؓ کا نام سنتے ہی ان کے دل ہلنے لگے اور وہ حوصلہ ہار بیٹھے ان کے ارادے مسمار ہو گئے۔ وہ مسلمانوں کے سامنے کس طرح ٹھہر سکتے تھے جب کہ دمشق، حمص، حماۃ اور لاذقیہ میں اسلامی فتوحات کی خبریں وہ اور

Marfat.com

ہرقل سن چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھاگنا چاہا لیکن سیدنا خالدؓ نے فرار کی ساری راہیں مسدود کی ہوئی تھیں۔ میدان جنگ میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ انسانی لاشوں کا لاوا ابل پڑا۔ میناس کو بھی مسلمانوں نے اس کے خون سے نہلا دیا۔ کچھ رومی بھاگ کر قنسرین میں قلعہ بند ہو گئے۔ سیدنا خالدؓ نے انہیں ایک تہدیدی پیغام بھیجا:

"یاد رکھو اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو گے تو اللہ ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا پھر تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا"۔

قلعہ اگرچہ ان کا بہت مضبوط تھا لیکن سیدنا خالدؓ کی ایک ہی دھمکی سے ان کی قوتیں ٹوٹ چکی تھیں۔ چنانچہ اہل شہر نے اپنے حاکم کو مجبور کیا کہ کسی طرح مسلمانوں سے صلح کر لی جائے کیونکہ ان سے مقابلہ ممکن نہیں۔ چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ اہل حمص کی شرائط صلح پر انہیں امان دے دی جائے۔ لیکن سیدنا خالدؓ ان کو حکم عدولی کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لیے شہر کو تباہ کرنے کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور اہل قنسرین اپنے مال و متاع اور اہل و عیال کو تقدیر کے حوالے کر کے انطاکیہ بھاگ گئے۔ شہر کے قلعے اور فصیلیں منہدم کر دی گئیں کیونکہ یہی وہ دیواریں تھیں جن پر ان کو اتنا ناز تھا کہ خدا کو بھولے ہوئے تھے۔ بعد میں اہل شہر کو درخواست کے مطابق امان دے دی گئی اور شہر کے نصف حصے پر مسلمان قابض ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ شہر کی کچھ زمین لے کر اس پر مسجد تعمیر کرا دی گئی۔ اور باقی سب کچھ بدستور اہل شہر کے پاس رہا۔ اور جو لوگ انطاکیہ بھاگ گئے تھے وہ بھی جزیہ قبول کر کے واپس آ گئے۔ لیکن اس کے باوجود اہل شہر کے دلوں میں بغض و کینہ کے جذبات سلگتے رہے۔ چنانچہ جب مسلمان فوج حلب کی طرف بڑھی تو انہوں نے بغاوت و سرکشی کر دی۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی جس نے محاصرہ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس فوج کو پھر وہیں چھوڑ دیا گیا تاکہ دوبارہ سرکشی نہ کر سکیں۔

قنسرین کو فتح کرنے کے بعد سیدنا ابو عبیدہؓ آگے حلب کی طرف بڑھے اور شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں جو عرب تھے انہوں نے تو جزیہ پر صلح کر لی اور پھر بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان بھی ہو گئے۔ اب سیدنا ابو عبیدہؓ نے سیدنا عیاضؓ بن غنم کو آگے بھیجا۔ ان کو دیکھ کر اہل حلب قلعہ بند ہو گئے۔ سیدنا عیاضؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہر چند کہ حلب کے قلعے بہت مضبوط تھے لیکن جب ہمتیں پست ہو جائیں اور ارادے مسمار ہو جائیں تو قلعوں

Marfat.com

کی مضبوطی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ انہوں نے امان کی درخواست کر دی۔ سیدنا عیاضؓ نے ان کی درخواست کے مطابق انہیں امان دے دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا ابو عبیدہؓ جب حلب میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی شخص نہ تھا۔ پورا شہر انطاکیہ منتقل ہو گیا تھا۔ اور جب صلح ہوئی تو واپس آیا۔

سیدنا ابو عبیدہؓ نے قنسرین اور دوسرے شہروں کی فتح کا خط سیدنا عمرؓ کو لکھا جس میں سیدنا خالدؓ کے کارناموں اور میناس پر ان کی فتح اور قنسرین میں ان کے داخلہ کی تفصیل بیان کی اور سیدنا خالدؓ کی وہ بات بھی نقل کی جو انہوں نے قنسرین والوں سے کہی تھی کہ " اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا"۔ سیدنا عمرؓ کو سیدنا خالدؓ کی عبقریت پر بڑا تعجب ہوا اور فرمایا:

" خالدؓ نے اپنے آپ کو امیر بنا لیا ہے۔ اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے"۔

اور آپ سیدنا خالدؓ کے اس جملہ کو بار بار دہراتے۔

مسلمانوں کا انطاکیہ پر قبضہ

دمشق، حمص اور دوسرے بڑے شہروں کے فتح ہونے کے بعد ہرقل کی پوزیشن بھی وہی ہو گئی جو یزدگرد کی تھی کہ اسے اپنی وسیع و عریض سلطنت میں کہیں جائے پناہ نہ ملتی۔ وہ جس شہر میں بھی جاتا مسلمان اس شہر پر حملہ کر دیتے اور اسے وہاں سے بھاگنا پڑتا۔ وہ دمشق میں تھا کہ مسلمانوں نے دمشق کو فتح کر لیا۔ ہرقل بھاگ کر حمص چلا گیا مسلمانوں نے حمص کو فتح کر لیا تو ہرقل بھاگ کر انطاکیہ چلا گیا۔ اب انطاکیہ مسلمانوں کا ہدف تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید تقدیر ترش روئی کے بعد پھر اس کے لئے مسکرا دے، لیکن ایسا ہونا اب ممکن نہیں تھا۔ مایوسی کے گھنیرے سائے اب روز بروز اس پر چھا رہے تھے اور اسے اب اپنا ستارہ اقبال زوال کے افق میں غروب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ جب وہ "رہا" سے بھاگ کر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی طرف جا رہا تھا تو جب وہ شمشاط سے گذرا تو سیدنا خالدؓ مرعش لے تل اعزاز ہوتے ہوئے دلوک جا رہے تھے۔ ہرقل کو جب سیدنا خالدؓ کا پتہ چلا تو وہ شمشاط سے نہایت تیزی کے ساتھ گذرا اور پہاڑوں کی راہ اختیار کی۔ وہاں اس نے شام کی حسین و جمیل سرزمین پر نگاہ ڈالی اور نہایت

حسرت ویاس بھرے لہجے میں کہنے لگا: "سلام اے سرزمین شام! الوداعی سلام! اب کوئی رومی بے کھٹکے تیری طرف نہ آسکے گا" وہ عزم وہمت کا جنازہ اپنے کندھوں پر لادے بازنطینیہ پہنچا۔ اس کا دل خون ہو رہا تھا۔ چنانچہ اسی عالم میں اس نے عصائے سفر وہیں ٹیک دیا۔

ان دنوں انطاکیہ مشرق میں رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور قسطنطنیہ کے مقابلہ کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ رومی سردار اس کو اسکندریہ سے بہتر سمجھتے تھے کیونکہ یہ دفاعی لحاظ سے اس سے زیادہ مضبوط تھا' اس لئے ان کی توجہ انطاکیہ پر زیادہ رہتی تھی۔ چنانچہ رومی امراء اور سلاطین نے اس شہر میں ایسی عبادت گاہیں' ایسی ایسی عمارتیں اور ایسی ایسی تفریح گاہیں بنائیں ہوئی تھیں جنہوں نے اس شہر کو دمشق کے علاوہ مشرق کے تمام شہروں سے زیادہ بارونق بنا دیا تھا۔ یونانی اور رومی بت پرستی کے زمانہ میں بھی اس کی یہی شان تھی اور عیسائی حکومت میں بھی اس کی شان میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوا کیونکہ انطاکیہ کو سب سے پہلے عیسائیت قبول کرنے کا شرف اور فخر حاصل ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ سینٹ پیٹرس نے ان لوگوں کو عیسائی بنایا تھا اور ان میں "انجیل برناباس" کو رواج دیا تھا۔ اس شہر میں سینٹ پیٹرس کے اتنے شاگرد اور مرید تھے کہ مسیحیت کے ابتدائی دور میں یہ شہر مذہبی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

اس زمانہ میں انطاکیہ کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی جو کہ اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی آبادی تھی۔ ان کی معیشت میں کوئی تنگی نہیں تھی کیونکہ انطاکیہ بحر روم کے ساحل پر ارنط کے دہانے کے قریب واقع تھا جہاں ان کے باشندوں کی ضروریات کی تمام اشیاء ملک کے مختلف شہروں سے بذریعہ جہاز آتی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ حلب جانے والے قافلوں کی گذرگاہ بھی تھا اور ہر لحاظ سے تجارت کا ایک عظیم مرکز بھی جو مشرق اور مغرب کا نقطہ اتصال سمجھا جاتا تھا۔ انطاکیہ کی یہ اہمیت عہد فاروقی تک برقرار رہی۔ چنانچہ مسلمانوں کے نزدیک اس شہر کی فتح قادسیہ' مدائن جلولا اور بیت المقدس کی فتح کے برابر تھی۔

سیدنا ابو عبیدہؓ انطاکیہ کے استحکام اس کے محل وقوع اور اس کی فوجی قوت اور دفاعی اہمیت سے پوری طرح آشنا تھے۔ شام کی لڑائیوں میں جو رومی شکست کے بعد بچ گئے وہ سب کے سب انطاکیہ میں جمع ہو کر اس کی حفاظت ومدافعت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ انطاکیہ ایک مستحکم شہر تھا جسے چاروں طرف سے بلند و بالا فصیلوں نے گھیر رکھا تھا۔ ان فصیلوں کی بلندی کو دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی تھی۔ اکثر ان پہاڑوں سے زیادہ اونچی تھیں جو شہر

Marfat.com

کے بعض حصوں کو محیط تھے۔ ایسی مستحکم اور مضبوط جگہ' جہاں روم کی تمام فوجیں بھی شام کی شمالی جنگوں سے پسپا ہو کر جمع ہو گئی تھیں' وہ واقعی اس قابل تھی کہ مسلمان اس پر اپنے حملہ کا خیال ترک کر دیں اور ہر قل کے لئے یہی مناسب تھا کہ وہ اس میں پناہ لے اور اپنی فوجیں جمع کر کے مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی اس بدنامی کے داغ کو دھوئے جو اس کے دامن پر لگ گیا تھا' لیکن ہر قل نے "رہا" سے فرار کے بعد انطاکیہ آنے کے بارہ میں سوچا ہی نہیں اور نہ ہی اس شہر کی مدافعت میں کوئی اہم حصہ لیا۔ بلکہ سیدنا ابو عبیدہؓ کو اس کی طرف جانے دیا۔ انطاکیہ کے لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایک سخت معرکے کے بعد شکست کھائی۔ اہل انطاکیہ نے سیدنا ابو عبیدہؓ سے جزیہ پر صلح کر لی۔ جن لوگوں نے جزیہ دینا قبول نہ کیا' ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔

فحل کی فتح

دمشق میں مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد سیدنا ابو عبیدہؓ کو ان اسلامی فوجوں کی فکر لاحق ہوئی جو فحل کے قریب اقامت پذیر تھیں۔ بحیرہ طبریہ کے جنوب میں فحل کے قریب رومیوں کا وہ لشکر موجود تھا جس نے یرموک کے میدان سے بھاگ کر وہاں پناہ لی تھی۔ اس کے علاوہ ہر قل کی امدادی فوجیں بھی ان کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں پر چونکہ یرموک کی شکست کا خوف طاری تھا اس لیے انہوں نے دریا اور آس پاس جس قدر نہریں تھیں ان سب کے بند توڑ دیے اور بیسان سے لے کر فحل تک کا تمام علاقہ زیر آب آگیا۔ کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے تمام راستے مسدود ہو گئے اور مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ یہ زمین جاڑے کے اختتام اور دمشق کے محاصرے تک زیر آب رہی۔ موسم گرما کے آغاز میں جب دمشق فتح ہوا اور زمین خشک ہونی شروع ہو گئی تو سیدنا ابو عبیدہؓ نے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں یمنی فوج کو دمشق میں چھوڑا اور خود سیدنا خالدؓ کے ہمراہ فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ یہ فوج فحل اور وادیٔ بیسان میں رومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے اس وقت پہنچی جب زمین تھوڑی تھوڑی خشک ہونی شروع ہو گئی تھی۔ فوج کے سرداروں نے باہمی مشورہ کے بعد سیدنا عمرؓ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔ خوراک کی یہاں کوئی کمی نہ تھی کیونکہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔ دوسری طرف ان

Marfat.com

کے سامنے رومیوں کا اسی ہزار کا لشکر تھا جو ان کے سامنے یرموک اور دمشق کا انتقام لینے کے لئے زخمی ناگن کی طرح پھنکاریں مار رہا تھا۔

جب فحل میں مسلمانوں کا قیام طویل ہو گیا تو ہرقل کے جرنیل سقلا بن مخراق نے اپنی کثرت افواج کے زعم میں اچانک حملہ کر کے انہیں شکست سے دوچار کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے ایک خاص جگہ منتخب کی جہاں سے وہ مسلمانوں کی طرف اپنی فوجوں کو بھیجنا چاہتا تھا۔ اور جب رات نے سیاہ چادر اوڑھ لی تو اس کا لشکر اس جگہ سے گذرا۔ سقلا کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مسلمان اس حملہ کے لئے تیار ہوں گے' لہٰذا اس کا خیال تھا کہ پہلے ہی حملے میں ان کی صفیں درہم برہم ہو جائیں گی' لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ مسلمان جرنیل کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے وہ ہر لحہ رومیوں کی چالبازیوں سے باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں لشکروں کی شدید لڑائی ہوئی اور معرکہ رات سے گذر کر دوسرے دن تک جاری رہا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا ضرار بن ازورؓ نے اس جنگ میں بہادری اور جواں مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن ورطہ حیرت میں پڑ گئے۔ چنانچہ معرکہ رات تک جاری رہا۔ جب رات کی سیاہی گہری ہوئی تو رومیوں کی قوت جواب دے گئی۔ اور وہ سقلا اور اپنے دوسرے جرنیلوں کے قتل ہونے کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان شکست خوردہ فوجیوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ چنانچہ ان کی شکست نے انہیں دلدل میں پھنسا دیا اور اس دلدل میں ان کے لئے قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ آخر کار مسلمانوں نے انہیں آ دبوچا اور اپنے نیزوں سے انہیں اس دلدل میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنانچہ اسی ہزار میں سے صرف وہی لوگ بچے جو کسی نہ کسی طرح بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فحل کے میدان میں شاندار فتح سے ہمکنار کیا۔ انہیں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ ابو عبیدہؓ نے فتح کی خوشخبری امیر المؤمنین کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال کی۔

Marfat.com

جنگِ یرموک

سیدنا ابو بکرؓ مسند خلافت پر متمکن تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ ہرقل قیصر روم اپنی فوجیں جمع کر رہا ہے اور چند دنوں میں مسلمانوں پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس وجہ سے شام کی سرحدوں کے قریب مسلمانوں کی زندگی خطرہ میں ہے۔ قیصر روم کے بارہ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی کئی دفعہ یہ خبریں آئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جن فتنوں نے سر اٹھایا تھا ان سب کی سرکوبی ہو چکی تھی۔ یمن اور اس کے آس پاس کے علاقے ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ دومۃ الجندل نے مجاہدین اسلام کے لئے اپنے دروازے کھول دیے تھے اور اس کی وجہ سے وادی سرحان کے راستے شام میں داخل ہونا مسلمانوں کے لئے آسان ہو گیا تھا۔ لہٰذا سیدنا ابو بکرؓ نے جب قیصر روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی شام پر حملہ کرنے کا عزم کر لیا۔

صفر ۱۳ھ میں سیدنا ابو بکرؓ اکابر صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس مشاورت طلب کی اور اس میں آپ نے شام پر حملہ کرنے کے بارہ میں اپنا پلان بیان فرمایا۔ سب حاضرین نے بیک آواز کہا: ''اے خلیفہ رسول! آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے' لہٰذا آپ جو حکم کریں گے اس کو بجا لایا جائے گا''۔ صحابہ کرامؓ کے اتفاق کے بعد آپ نے حجاز اور یمن کے تمام قبائل کے امراء کے نام جہاد میں شرکت کے لئے دعوت نامے ارسال فرمائے۔ قبائل نے آپ کی دعوت کو بڑی خوش دلی اور جوش و خروش سے قبول کیا اور چند ہی روز میں انہوں نے جوق در جوق مدینہ طیبہ میں آنا شروع کر دیا۔ سیدنا ابو بکرؓ نے ان قبائلی مجاہدین کو مدینہ کے قریب

مقام جرف میں خیمے لگا کر ٹھہر لیا۔ ان لشکروں کے علاوہ سیدنا عکرمہ بن ابی جہلؓ جو ارتداد کندہ کی جنگوں سے اور حضر موت اور عمان کی مہمات سر کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے اور سیدنا عمرو بن العاصؓ جو مرتدین کے استیصال کے بعد قضاعہ میں مقیم تھے ان سب کو شام بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔

آپ نے اس بڑے لشکر سے چار لشکر ترتیب دیے۔ ان لشکروں میں سب سے بڑا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کا تھا۔ ایک لشکر سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ایک لشکر سیدنا عمرو بن العاصؓ اور ایک اور لشکر سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ کی سرکردگی میں تھا۔ ان سب لشکروں کی مجموعی تعداد ۳۰ ہزار بنتی تھی۔

یہ سب لشکر مختلف محاذوں پر بھیجے گئے لیکن ان سب میں مراسلت اور مشاورت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ قیصر روم کو جب ان لشکروں کا علم ہوا تو اس نے بہت بڑے پیمانے پر اپنے لشکر ترتیب دیے۔ اس کی جنگی پالیسی کی بنیاد یہ تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک محاذ پر اکٹھا نہ ہونے دیا جائے تاکہ وہ اجتماعی قوت کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکیں۔ قیصر روم خود حمص آیا جہاں شام کی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں سے اس نے اپنے چار لشکریوں ترتیب دیے۔

۱۔ ایک لشکر اس نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اس میں نوے ہزار سپاہی تھے اور اس کی قیادت ہرقل کا بھائی تھیوڈرس کر رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں سیدنا عمرو بن العاصؓ کے لشکر کی تعداد صرف آٹھ ہزار تھی۔

۲۔ دوسرا لشکر سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے مقابلہ میں بھیجا۔ اس میں ساٹھ ہزار سپاہی تھے اور اس کی قیادت پیٹر کر رہا تھا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا ابو عبیدہؓ کے پاس صرف سات آٹھ ہزار سپاہی تھے۔

۳۔ تیسرا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اس کا قائد جرجیس تھا۔

۴۔ چوتھا لشکر سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور اس کا قائد دراقص تھا۔

مجاہدین اسلام کو جب ان لشکروں کی تعداد اور ان کے سامان اسلحہ کا علم ہوا تو انہیں اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے کچھ اندیشہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ رسولؐ کو دشمن کی

کثرتِ تعداد کی اطلاع دی لیکن بارگاہِ خلافت سے جو جواب آیا وہ یہ تھا:

"تم سب ایک جگہ ہو جاؤ اور ایک لشکر بنالو۔ اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے مددگار ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور تم سب یرموک میں جمع ہو جاؤ"۔

قیصر روم نے پہلے ہی یرموک کو اپنے فوجی ہیڈ کوارٹر کے لئے منتخب کیا ہوا تھا۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ اب رومی تین طرف سے پہاڑوں سے گھرے ہوئے تھے اور اس کے سامنے کی طرف اسلامی فوجیں قابض تھیں۔

دونوں فوجیں دو ماہ تک آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اس مدت میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن کھل کر جنگ نہ ہوئی۔ سیدنا ابو بکرؓ کو جب اس کی اطلاع موصول ہوئی تو وہ بہت فکر مند ہوئے اور آپ نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو جو اس وقت عراق میں تھے، لکھا کہ عراق میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو اپنا قائم مقام بنا کر فوراً شام کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے خالدؓ کو لکھا کہ:

"تم روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان اکٹھے ہوئے ہیں ان سے جا ملو کیونکہ وہ غم زدہ ہیں"۔

خالد تعمیل حکم میں شام کی طرف چلے تو کوئی نو ہزار کا لشکر ان کے ساتھ تھا۔ افسوس کہ اسی زمانے میں سیدنا ابو بکرؓ بیمار ہو گئے اور یرموک کی جنگ سے کوئی دس روز قبل یعنی ۸ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو انتقال فرمایا۔ خالدؓ منزلوں پر منزلیں طے کرتے اور مختلف شہروں کو راستہ میں فتح کرتے بصرہ پہنچے تو یہاں سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ نے اس شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن وہ شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سیدنا خالدؓ نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ شہر فتح ہو گیا۔

غرض کہ ربیع الآخر میں ادھر سیدنا خالدؓ یرموک پہنچے ادھر باہان جو راستہ میں بیٹھا اپنی فوج کے عقبی راستے کی حفاظت کر رہا تھا، اپنے لشکر سے جا ملا۔ باہان کا آنا تھا کہ رومی اپنی گھاٹی سے نکل آئے۔ تذارق نے یرموک کے کنارے اپنی فوجوں کو ترتیب دیا۔ چالیس ہزار سپاہی زنجیروں میں باندھ کر کھڑے کیے گئے تاکہ جان دینے کے سوا قدم پیچھے ہٹانے کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آئے۔ سپاہیوں کو میدان میں کھڑا کرنے کے بعد تذارق یہ سمجھتا تھا

Marfat.com

کہ یہ لوہے کی دیوار ہے جس سے دشمن ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ یہی نہیں کہ بازنطینی جانبازوں میں سے اسی ہزار کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ جہاں ان کو کھڑا کیا جائے وہیں یہ پہاڑ کی طرح جمے رہیں۔ چالیس ہزار نے خود کو اپنی پگڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ اسی ہزار سوار اور اسی ہزار ہی پیدل تھے۔ ان کے پاس وہ سامان حرب وضرب تھا کہ کیا کسی کے پاس ہو گا۔ یہ وہ جیالے تھے جو آسمان سے ستارے نوچ لائیں۔ ان کے آگے آگے راہب اور کاہن تھے جو ترانے سناتے 'بڑھاوے دیتے چلے جا رہے تھے۔ سب کے حوصلے بلند اور ہمتیں جوان تھیں۔

مسلمانوں کے پاس سیدنا خالدؓ کے ساتھ عراق سے آئی ہوئی فوج کو ملا کر کل پچیس (۲۵) ہزار مجاہد تھے۔ (بلاذری نے ۲۵ ہزار 'طبری نے ۳۶ ہزار اور ابن اثیر نے ۵۰ ہزار بتائی ہے) تعداد اور سامان حرب وضرب کا اتنا بڑا فرق کہ عقل محو تماشائے لب بام ہے۔ (یہ فرق تو مسلمانوں کے ساتھ ہر جنگ میں رہا ہے) چار سالار الگ الگ اپنی فوجیں لڑا رہے تھے۔ سیدنا خالدؓ نے یہ حال دیکھا تو سب سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور صورتِ حال کے بارہ میں غور وفکر کرنے لگے۔ جنگی چالیں سوچی گئیں۔ آخر میں سیدنا خالد بن ولیدؓ نے کہا:

> "آج کا دن ایک یادگار دن ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ دشمن بڑی ترتیب و تنظیم سے لڑنے آیا ہے۔ ہمیں خاندانی فخر یا اپنے شرف اور مرتبے کا خیال چھوڑ کر صرف اللہ کے لئے لڑنا ہے۔ اس لئے آیئے ہم سب ایک ہو کر لڑیں۔ ہم میں سے ایک آدمی کو فوج کی کمان سپرد کر دی جائے اور سب اس کے حکم کی تعمیل کریں"۔

متفقہ طور پر طے پایا کہ امیر لشکر خالدؓ ہوں گے۔ سیدنا خالدؓ نے ایک نئے ڈھنگ سے مسلمان فوج کو میدان جنگ میں اتارا۔ سارا لشکر ۳۶ دستوں میں تقسیم کیا گیا۔ سیدنا قعقاعؓ بن عمرو اور سیدنا عکرمہؓ قلب کے دو بازوؤں کے سالار بنائے گئے۔ اٹھارہ دستے درمیانی حصے میں رکھے گئے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ ان پر کمانڈر بنائے گئے۔ دس دستے میمنہ پر سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ کی کمان میں دیے گئے اور دس ہی دستے میسرہ پر سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی کمان میں دیے گئے۔ ہر دستے پر ایک آزمودہ کار سالار مقرر کیا گیا جنہیں ہدایت تھی کہ انہوں نے اپنے سالار کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔

سیدنا ابو سفیان بن حربؓ بھی فوج میں بھرتی ہو کر آئے تھے۔ ان کا صاحبزادہ یزیدؓ

بائیں بازو کا سالار اور باپ لشکر کے نقیب بنائے گئے۔ سیدنا مقداد بن اسودؓ قاری مقرر ہوئے۔ سیدنا ابو سفیانؓ کا پورا گھرانہ اس جنگ میں شریک تھا۔ بیوی ہند' بیٹی جویریہ بھی شریک لشکر تھیں۔ اور بھی مسلمانوں گھرانوں کی بہو بیٹیاں اس فوج کے ساتھ موجود تھیں۔

اسلامی لشکر کی صف آرائی کے دوران کسی شخص کے منہ سے نکل گیا: "بازنطینی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں"۔ سیدنا خالدؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

"مسلمان کتنے زیادہ اور بازنطینی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو' فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت اور جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا کی مدد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتا ہے۔ الحمد للہ! ہم بہادر بھی ہیں' جرأت مند بھی ہیں' اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے کون مقابلہ کرے گا"۔

سیدنا ابو سفیان کے بارہ میں تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ چونکہ نقیب لشکر تھے' ہر دستے کے آگے جاتے اور فرماتے:

"اللہ اللہ! تم لوگ جوانانِ عرب اور صاحبانِ اسلام ہو اور تمہارے مخالف مشرک اور کافر ہیں۔ وہ کیا اور ان کی ہمت کیا۔ اللہ کی نصرت اور مدد تو تمہارے ساتھ ہے یا اللہ! آج کا دن بڑا یادگار ہے۔ ہماری جلد مدد فرما"۔

جونہی لشکر آمنے سامنے ہوئے اور قاری لشکر سیدنا مقداد بن اسودؓ نے سورہ انفال کی تلاوت کی۔ تو مجاہدین اسلام کے دلوں میں کلام الٰہی کا ایک ایک حرف اترتا چلا گیا۔ احساس حمیت دمک اٹھے۔ دل میں خدا کی یاد کا چشمہ ابلنے لگا۔ زبان پر اللہ کا نام ترنم ریز۔ دست و بازو۔ میں شہپر جبریل کی طاقتیں سمٹ آئیں۔ بس پھر کیا تھا جونہی جنگ کا طبل بجا۔ سرفروش شیروں کی طرح آگے بڑھے اور چیتے کی طرح جھپٹے۔ سیدنا ضرار ابن ازورؓ تو کرتا اتار کر دشمنوں پر باز کی طرح جھپٹے۔ ہاتھ میں تلوار بجلی کی طرح کوندتی جس طرف نکل جاتے حریفوں کو جان کے لالے پڑ جاتے اور بازنطینیوں کی سٹی گم ہو جاتی۔

سیدنا عکرمہؓ' سیدنا سہیلؓ' سیدنا حارث بن عمرو بن عکرمہ' طفیل بن عکرمہ اور دوسرے جانباز مجاہد جدھر کا رخ کرتے دشمن زنجیریں توڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا۔

سیدنا خالدؓ سپہ سالار لشکر کا تو عجیب حال تھا۔ آخر سیف اللہ تھے اور اللہ کی تلوار کو نہ تو کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کند کر سکتا۔ وہ قلب لشکر میں گھس گئے۔ رومی سوار اور پیدل انہیں گھیرنے کی بہتیری کوشش کرتے لیکن وہ کسی کے پاس نہ آتے۔

جرجہ ایک رومی عیسائی تھا۔ خالد کی بے مثال شجاعت اور بے پناہ عزم و حوصلہ سے وہ بہت متاثر ہوا اور امان امان پکار کر سیدنا خالدؓ کے سامنے آیا۔ اور سیدنا خالدؓ کو پاس بلا کر پوچھنے لگا: "خالد! ایک بات بتاؤ' کیا تمہارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار اتری تھی؟" سیدنا خالدؓ نے کہا: نہیں"۔ جرجہ نے کہا: "پھر آپ کو اللہ کی تلوار کیوں کہا جاتا ہے؟" سیدنا خالدؓ نے جواب دیا: "اس لیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے نصرت خداوندی کی دعا فرمائی تھی۔ میں مشرکوں کے لئے اللہ کی تلوار ہوں"۔ جرجہ نے کہا: "بے شک تم درست کہتے ہو۔ اور تمہاری بہادری اور جرأت اس کی زندہ مثال ہے"۔

خالدؓ کی باتوں اور ان کی جرأت و ہمت نے جرجہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ اس نے اپنی ڈھال کو پلٹ دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس کے خیالات میں تبدیلی آگئی ہے۔ چنانچہ وہ اپنا لشکر چھوڑ کر سیدنا خالدؓ کے ساتھ ہوگیا۔ دونوں میدان کارزار سے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب واپس لوٹے تو جرجہ عیسائی سے مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ رومیوں کے مقدمۃ الجیش کا امیر تھا۔

جنگ یرموک کا یہ دن بڑا سخت تھا۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ نماز ظہر و عصر اشاروں سے پڑھی گئی جرجہ اب وہ نہیں تھا جو پہلے تھا۔ خیالات کی تبدیلی نے اس کے قلب و نظر تبدیل کر دیے۔ جسم کی توانائیاں بدل گئیں۔ جرأت و شجاعت میں نکھار آ گیا۔ اب اس کے اخلاص و عمل کا یہ عالم تھا کہ وہ مجاہدوں کے آگے آگے تھا۔ دل میں سوائے اللہ کے خوف کے باقی سب خوف نکل گئے تھے۔ اب وہ بجلی بن کر صف اعداء پر گرتا اور بادل کی طرح برستے ہوئے آگے نکل جاتا۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ اب اس نے اللہ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تھا اور غیر اللہ سے توڑ لیا تھا۔

چار سو مسلمانوں نے باہم مل کر عہد کیا تھا کہ میدانِ جنگ میں شہید ہو کر رہیں گے۔ رات ختم ہوتی تو صبح کے تارے نے دیکھا کہ وہ جانباز دھن کے پکے اور قول کے سچے زخموں سے چور چور ہو کر گرے پڑے ہیں۔ ان میں اکثر نے جامِ شہادت نوش کیا۔ سیدنا عکرمہؓ ابو جہل کے بیٹے ایک دستے کے سردار تھے۔ دیکھا کہ دن گذرا اور رات آگئی اور جنگ کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تو چلا کر بولے:

"میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑتا رہا ہوں' کیا آج ان رومیوں سے بھاگوں گا؟ بولو! کون ہے جو آج میرے ساتھ موت پر بیعت کرتا

Marfat.com

ہے؟"

سیدنا حارثؓ بولے "میں"۔ سیدنا سہیلؓ نے بلند آواز سے جواب دیا: "میں"۔ سیدنا ضرار بن ازورؓ چلائے "میں"۔ حارثؓ، سہیلؓ اور عکرمہ پاس ہی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ جان لبوں پر کھیل رہی تھی۔ زبان پر کانٹے پڑ گئے۔ سب پر نزع کا عالم طاری تھا۔ زخمیوں کو دیکھنے کے لئے جب کچھ مجاہد میدان میں گئے تو سیدنا عکرمہؓ نے پانی مانگا۔ پانی کا برتن سیدنا عکرمہؓ کی طرف بڑھایا گیا۔ انہوں نے پینا چاہا تو سہیلؓ حسرت بھری نگاہ سے پانی کے برتن کو دیکھ رہے تھے اور پانی کا اشارہ کیا۔ عکرمہؓ نے خود پانی نہ پیا اور کہا کہ میرے بھائی سہیلؓ کو پانی دو۔ وہ جب پینے لگے تو دیکھا کہ حارث پانی مانگ رہے ہیں۔ فرمایا پہلے ان کو دو۔ وہ جب پینے لگے تو پانی پینے سے پہلے ہی جان جان آفریں کے سپرد ہو گئی۔ پانی پلانے والا سیدنا سہیلؓ کے پاس پانی لے کر آیا۔ دیکھا کہ ان کی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ پانی پلانے والا ادھر ادھر دوڑتا رہا لیکن شہادت کا طالب کوئی بھی پانی نہ پی سکا اور پانی کا پیالہ اسی طرح اس کے ہاتھ میں رہا۔

عکرمہؓ خالدؓ کے جاہلیت کے دوست تھے۔ جنگ احد میں بھی انہی دونوں نے جنگ کا پانسہ پلٹا تھا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی تھی۔ آج بھی یہ دونوں اکٹھے اسلام کے جھنڈے تلے دین اسلام کی حمایت میں جنگ کر رہے تھے۔ عکرمہ نے آج میدانِ جنگ میں اپنی جرأت و بہادری کے جوہر دکھا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ سیدنا خالدؓ اپنے اس پرانے دوست کو میدان جنگ میں ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی لاش میدانِ جنگ سے لائی گئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اسلام کے اس جانباز و جان فروش کے چہرے سے خاک جھاڑتے جاتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے تھے۔ خالدؓ کی آنکھیں اپنے اس دوست کی جدائی میں نمناک تھیں۔ لیکن اب پانی کا کیا فائدہ؟ شہید کی روح تو جام کوثر پینے کے لئے پرواز کر گئی ہوئی تھی۔

ایک دن اور ایک رات کی مسلسل جنگ کے بعد رومی حوصلہ ہار چکے تھے۔ ان کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ جان بچانے کی کوشش میں ان کے بے شمار سپاہی خندق کی طرف بھاگے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے یا جن کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں ان پر تو خدائی قہر ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک جان بچانے کے لئے خندق میں چھلانگ لگاتا تو دس کی جان پر بن جاتی۔ سب ایک دوسرے پر گر گر ڈھیر ہو رہے تھے۔ سوار بھاگنا چاہتے تھے انہیں تو مسلمانوں نے بھاگنے کا

Marfat.com

راستہ دے دیا لیکن پیدل فوج کو تو بری طرح موت کے گھاٹ اتار اگیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب جنگ کا آغاز ہوا تو پہلے ہی قدم پر رومی دستوں نے مسلمانوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ سیدنا عکرمہؓ اس وقت سیدنا خالدؓ کے خیمے کے سامنے اپنا دستہ لئے کھڑے تھے۔ وہ رومی حملہ کی شدت کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور رومیوں کو مخاطب کر کے کہا: ''میں نے بڑے بڑے معرکے دیکھے ہیں اور بہت سی جنگوں میں شرکت کی ہے، میں تم سے ڈرنے والا نہیں''۔ پھر اپنے سپاہیوں سے کہا: ''جو شخص میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنا چاہتا ہے وہ ادھر آ جائے''۔ یہ الفاظ سنتے ہی حارث بن ہشام، ضرار بن ازور اور ان کے اپنے بیٹے عمرو بن عکرمہؓ چار سو جانبازوں کے ساتھ آئے اور عکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور اسی وقت رومیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ اور اس شدت سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ادھر جرجہ جس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا اپنے دستہ کے ساتھ ان سے آملا جس نے رومیوں میں مزید بدحواسی اور بے چینی پھیلا دی اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ خالدؓ نے رومیوں کی یہ افرا تفری دیکھی تو اپنے لشکر کو ایڈوانس کرنے کا حکم دے دیا۔ عکرمہؓ پہلے ہی انہیں پیچھے دھکیلتے جا رہے تھے۔ اب رومی مشکلات میں پھنس گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر طرف سے مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بننے لگے۔ چند مسلمان عورتیں بھی جنگ میں موجود تھیں وہ بھی دشمن پر برابر تلوار چلا رہی تھیں۔ سیدنا ابو سفیانؓ کی صاحبزادی جویریہ بھی ایک مجاہدہ کی حیثیت سے مصروفِ جہاد تھیں اور نہایت بہادری سے میدان میں ڈٹی ہوئی تھیں۔

سیدنا عکرمہؓ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے والا دستہ انتہائی شجاعت کا ثبوت دے رہا تھا۔ سورج جلد مغرب میں چھپ گیا لیکن لڑائی اپنے پورے زور پر تھی۔ آخر کار رومی فوج میں کمزوری کے آثار دکھائی دینے لگے اور ان کے سواروں اور پیادوں کے چہرے مرجھا گئے۔ اب وہ بھاگنے کی راہ ڈھونڈ رہے تھے، لیکن انہیں کوئی راہ نہیں مل رہی تھی۔ خالدؓ نے رومی فوج کی یہ پریشانی دیکھی تو اپنی فوج کو رومیوں کے سامنے سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ گھڑ سواروں نے بھاگنے کا راستہ کھلا دیکھا تو بھاگنے کے لیے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور چند لمحوں میں وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر اِدھر اُدھر شام کی سرزمین میں منتشر ہو گئے۔ اب صرف پیدل دستے میدانِ جنگ میں رہ گئے جن کو مسلمان سپاہیوں نے قتل کرنا شروع کر دیا۔ طبری کی روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار افراد کھائی میں گر کر نذرِ اجل ہو گئے۔ ان

Marfat.com

میں اسی (۸۰) ہزار وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

دوسرے روز دیکھا گیا تو میدان میں کوئی زندہ رومی تو نہ تھا البتہ رومیوں کی لاشوں سے سارا میدان اٹا پڑا تھا۔ جگہ جگہ ان کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار دشمن کے سپاہی میدان جنگ میں کھیت ہو گئے تھے۔ طبری نے لکھا کہ تیس ہزار مارے گئے اور باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تذارق جو اس لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا بھاگتے ہوئے پکڑا گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ فیقار اور دوسرے سرداروں سے کچھ نہ بن پڑا تو ندامت سے اپنے منہ ٹوپیوں سے چھپا کر ایک طرف کو نکل گئے' لیکن سردار تھے۔ لباس سے ان کی سرداری ٹپک رہی تھی اس وجہ سے اپنے آپ کو چھپا نہ سکے اور مارے گئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے صرف تین ہزار آدمی زخمی اور شہید ہوئے۔ واقدی نے شہدا کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا ابو عبیدہؓ دمشق سے روانہ ہو کر یرموک پہنچے تو سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی انہیں یہیں آکر ملے۔ یرموک کے میدان کو اس لئے لڑائی کے لئے پسند کیا گیا کہ عرب سرحد بہ نسبت اور مقامات کے یہاں سے قریب تھی اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس کی وجہ سے ضرورت پڑنے پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ یہیں سے سیدنا ابو عبیدہؓ نے سیدنا عمرؓ کو خط لکھا کہ:

> "رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہیں اور ان کے جوش کا یہ حال ہے کہ ان کی فوج جس راستہ سے گذرتی ہے' راہب اور ان کے گوشہ نشین پادری جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں رکھا تھا' اپنی خانقاہوں سے نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں"۔

اس خط نے امیر المؤمنین کو پریشان کر دیا۔ آپ نے مہاجرین و انصار کو جمع کر کے وہ خط سنایا۔ تمام صحابہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور نہایت جذباتی انداز میں کہا: "امیر المؤمنین! خدا کے لئے ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے ان بھائیوں پر جا کر قربان ہو جائیں۔ اگر خدانہ کرے ان کا بال بیکا ہو گیا تو پھر جینے کا کیا فائدہ؟" سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا: "امیر المؤمنین: آپ خود سپہ سالار بنیں اور ہمیں ساتھ لے کر محاذ جنگ پر چلیں"۔ لیکن دوسرے صحابہ کرامؓ نے سیدنا عبدالرحمنؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا۔ سیدنا عمرؓ نے قاصد سے پوچھا

Marfat.com

کہ دشمن کہاں تک آ گیا ہے؟ اس نے کہا! یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے"۔

اس خط سے قبل سیدنا عمرؓ نے سعید بن عامرؓ کے ساتھ ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر مدینہ سے بھیجا تھا۔ جس روز قاصد سیدنا ابو عبیدہؓ کے پاس واپس آیا اسی دن سعید بن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ دشمن کی کثرت تعداد کے مقابلہ میں ان ایک ہزار مجاہدین کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی لیکن پھر بھی مسلمانوں کو نہایت تقویت محسوس ہوئی اور ان کے حوصلے بڑھ گئے اور ہمتیں جوان ہو گئیں۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہوئے تو ایک بطریق صف کو چیرتے ہوئے میدان میں آیا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا میسرہ بن مسروقؓ اس کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن حریف چونکہ نہایت تنومند جوان تھا' اس لئے خالدؓ نے میسرہ کو روکا اور قیس بن ہبیرہؓ کو اشارہ کیا۔ وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں بڑھے ۔

سائل نساء الحی فی احجالها

ألست یوم الحرب من ابطالها

پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو' کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں آتا۔

قیس بن ہبیرہؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان میں جاتے ہی دشمن پر جھپٹے یہاں تک کہ بطریق ہتھیار بھی نہ سنبھال سکا تھا کہ ان کا وار چل گیا۔ تلوار جو سر پر پڑی تو وہ خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر گئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کا گرنا تھا کہ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ خالدؓ نے کہا: "الحمد للہ! شگون اچھا ہوا ہے۔ اب انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی"۔ اس روز لڑائی بند ہو گئی۔

رات کو باہان نے اپنے سرداروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کو مال و دولت دے دلا کر یہاں سے واپس بھیج دیا جائے۔ سب نے اس کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ دوسرے روز اس نے سپہ سالار لشکر کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ کسی معزز کمانڈر کو ہمارے پاس بھیج دو' ہم اس سے صلح کے بارہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا خالدؓ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ قاصد جو پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج تھا وہ شام کے وقت مسلمانوں کے کیمپ میں آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز مغرب شروع ہوئی۔ مسلمان نماز میں جس محویت' سکون و وقار اور ذوق و شوق کے ساتھ کھڑے ہوئے تو وہ نہایت حیرت کے ساتھ دیکھتا رہا اور بہت متاثر ہوا۔ بعد میں اس نے

Marfat.com

مسلمانوں سے اس بارہ میں کچھ سوال بھی کیے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ وہ واپس رومی لشکر میں جانا نہیں چاہتا تھا لیکن سیدنا ابو عبیدہؓ نے اس کو اصرار کے ساتھ واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ کل ہمارے سفیر کے ساتھ آجانا۔

دوسرے روز سیدنا خالدؓ رومیوں کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ رومیوں نے اپنی شان و شوکت دکھانے کے لئے بڑا اہتمام کیا ہوا تھا لیکن سیدنا خالدؓ ان سب چیزوں کو پائے استحقار سے ٹھکراتے ہوئے سیدھے باہان کے خیمے میں پہنچ گئے اس نے نہایت احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ پھر مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ باہان نے کہا: "ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ اس پر سیدنا خالدؓ نے اس کی بات ٹوکتے ہوئے فرمایا: "تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا لیکن ہم نے جس کو سردار بنایا ہوا ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے حاشیہ خیال میں یہ بات آجائے کہ وہ بادشاہ ہے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں"۔ باہان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "تمہاری قوم کے لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے۔ ہم نے ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کو ہر قسم کی مراعات سے نوازا' لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے' اور چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ ہمیں جانتے ہیں کہ تم بھوک اور تنگ دستی کی وجہ سے یہاں آئے ہو۔ ہم تمہارے اس ملک میں در آنے سے چشم پوشی اور درگذر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار دینار' افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیئے جائیں گے"۔

جب باہان اپنی یہ پیش کش کہہ چکا تو سیدنا خالدؓ نے فرمایا: "باہان سن! ہم اس وجہ سے اپنے ملک سے نکل کر یہاں نہیں آئے جو وجہ تو نے بیان کی ہے۔ بلکہ ہم لوگ خون پینے والے ہیں۔ اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ رومیوں سے زیادہ اور کسی قوم کا خون لذیذ اور اچھا نہیں ہے۔ ہم صرف اس لئے آئے ہیں" (انا قوم نشرب الدماء' وانه بلغنا انه لادم اطیب من دم الروم فجئنا لذالك) پھر فرمایا: ہم واقعی محتاج اور تنگ دست تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے تھے جن کی ہم پوجا کرتے تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم کیا اور ایک رسول بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ وہ ہم میں سب سے زیادہ نیک طینت اور فیاض تھا۔ اس نے ہمیں توحید کی تعلیم دی۔ اس نے ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم ان عقائد کی

Marfat.com

دعوت دیں۔ جس نے ان کو قبول کیا وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا' لیکن جزیہ دینا قبول کیا اس کے ہم محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لئے ہماری تلوار ہے"۔

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ لوگ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے کیونکہ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں"۔ غرض کہ کوئی معاملہ طے نہ ہوا اور سیدنا خالدؓ اٹھ کر واپس آگئے۔ اب باہان نے اپنے سرداروں کو نہایت جذباتی میں کہا: "دیکھ لیا عربوں کا اندازِ سخن۔ تم جب تک ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے' تم کو ان کی غلامی منظور ہے؟" تمام فوجی کمانڈروں نے کہا: "ہم مر جائیں گے لیکن یہ ذلت گوارہ نہیں کریں گے"۔

جب صلح کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں تو اگلے ہی روز جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے' جنگ شروع ہو گئی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے جو شخص اس روز سب سے پہلے شہید ہوا وہ سیدنا ابو عبیدہؓ کے پاس لڑائی شروع ہونے سے پہلے آیا اور عرض کی: "میں نے آج شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کا پورا پورا ارادہ کیا ہوا ہے' لہٰذا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دیں۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے فرمایا: جب تو شہادت کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہووے تو میری طرف سے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور یہ بھی عرض کرنا کہ:

"یا رسول اللہ: انا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً

اے اللہ کے رسول! جو ہمارے رب نے ہم سے وعدے کیے تھے ہم نے ان سب کو سچا پایا۔

وہ شخص یہ پیغام سن کر میدانِ جنگ میں گیا اور جاتے ہی شہید ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔

دورانِ جنگ ایک لمحہ وہ بھی آیا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے الگ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا اور ہٹتے ہٹتے عورتوں کی خیمہ گاہ تک چلا گیا۔ عورتوں کو مردوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ کر مردوں کو کہنے لگیں: "نامرادو! ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گی" یہ حالت دیکھ کر سیدنا معاذ بن جبلؓ جو میمنہ کے ایک حصہ کے کمانڈر تھے' اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور بولے: "کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے؟" ان کے بیٹے نے کہا: "ابا! میں اس کا حق ادا

Marfat.com

کروں گا" بیٹے نے گھوڑا لیا اور دونوں باپ بیٹا اس دلیری اور جوانمردی سے لڑے کہ فوج کے اکھڑے ہوئے پاؤں سنبھل گئے۔

اس جنگ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قریباً ایک ہزار صحابہ کرامؓ شریک تھے بیرون ملک کسی جنگ میں بھی اتنے صحابی شریک نہیں ہوئے جن میں سیدنا معاذ بن جبلؓ سیدنا زبیر بن العوامؓ' سیدنا ابو ہریرہؓ' سیدنا ابو سفیانؓ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور ان صحابہ میں ایک سو اصحاب بدر تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۹) اور کئی صحابہ کرامؓ اپنے پورے گھرانے کے ساتھ شریکِ جنگ تھے جیسے سیدنا ابو سفیانؓ' سیدنا عکرمہؓ بن ابی جہل' سیدنا معاذ بن جبلؓ وغیرہ۔ اور ہر صحابی اس بہادری' شجاعت اور جوانمردی سے لڑا کہ چشم آفتاب نے ایسے بہادر کم ہی دیکھے ہوں گے۔ سیدنا عکرمہؓ کے بارہ میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ عیسائیوں کو یہ پکارتے پھرتے تھے: "عیسائیو! میں حالت کفر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں، کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا قدم پیچھے پڑ سکتا ہے؟" طبری نے لکھا کہ سیدنا عکرمہؓ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالدؓ نے ان کا سر اپنی ران پر رکھا اور گلے میں تھوڑا سا پانی ٹپکایا۔ اور کہا: "خدا کی قسم! عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے" عکرمہؓ شہید تو ہو گئے۔ لیکن رومیوں کی طاقت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ باپ اور بیٹا دونوں شہید ہو گئے لیکن جریدہ عالم پر اپنا نام ثبت کر گئے۔ اور بتا گئے کہ شہادت ہی مومن کا مقصود اور مطلوب ہے۔

اس جنگ کے ویسے تو کئی واقعات یاد رکھنے کے قابل ہیں کیونکہ ایک طرف رومیوں کا دو لاکھ کا لشکر جرار اور دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۶ ہزار' لیکن یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت یرموک میں زور کا رن پڑا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر الگ ہو رہے تھے حباش بن قیس بڑی جانبازی اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ لڑائی کے دوران کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ان کا ایک پاؤں کٹ کر گر پڑا لیکن حباش کو بالکل خبر نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو میدانِ جنگ میں اپنے اس کٹے ہوئے پاؤں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ ان کے قبیلے کے لوگ ان کی اس بات پر ہمیشہ فخر کرتے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۱)

جنگ ختم ہوئی۔ رومی ایک لاکھ سے زائد مرے ہوئے میدان اور اس کے ارد گرد کی خندقوں میں پڑے تھے اور مسلمان تین ہزار جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ میدان اہل

Marfat.com

اسلام کے ہاتھ رہا۔ قیصر روم اس وقت انطاکیہ میں تھا اس کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو ایک تیر سا اس کے سینے میں لگا اور حسرت و یاس سے شام کے مرغزاروں کو دیکھنے لگا کیونکہ اب اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ قسطنطنیہ چلا جائے۔ چنانچہ وہ شام کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے خاص آدمیوں کی ایک میٹنگ بلائی جس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ بھی تمہاری طرح انسان ہیں' پھر یہ اپنی تعداد کی قلت کے باوجود تم لوگوں پر ہمیشہ کیوں غالب آتے ہیں؟ باقی ساری مجلس تو خاموش رہی لیکن ایک بڑے بوڑھے شخص نے ہرقل سے کہا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ رات کو اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور دن میں روزے سے ہوتے ہیں۔ اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں' لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے بلکہ عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں' زنا کرتے ہیں' حرام کاریوں کے مرتکب ہوتے ہیں' اپنے عہد و پیمان کی پابندی نہیں کرتے۔ لوگوں کے مال و دولت غصب کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو وہ کام کرنے سے روکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا یہ اثر ہے کہ ان کے کاموں میں جوش واستقلال پایا جاتا ہے اور ہمارے کام ہمت واستقلال سے خالی ہوتے ہیں"۔ قیصر نے اس شخص کے منہ سے یہ بات سن کر کہا: "آپ نے بالکل صحیح کہا"۔ گویا قیصر کو بھی پتہ تھا کہ ہماری ساری قوم بداخلاق اور بدقماش ہے کیونکہ وہ خود بھی ایسا ہی تھا۔ "الناس علیٰ دین ملوکھم"۔

جس روز سے یرموک کی جنگ شروع ہوئی تھی سیدنا عمرؓ اس کی خبر کے انتظار میں کئی دنوں سوئے نہیں تھے۔ آپ کو ہر روز قاصد کا انتظار رہتا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے یرموک کی فتح کا خط ایک مختصر سی سفارت کے ساتھ جن میں سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ بھی شامل تھے بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا۔ فتح یرموک کا خط پڑھ کر سیدنا عمرؓ سجدہ میں گر گئے اور حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رومیوں پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔

یرموک میں رومیوں کی شکست نے ان کی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا' لہٰذا معرکہ یرموک کے بعد مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے شہروں کو بغیر کسی مزاحمت کے فتح کر لیا۔

بیت المقدس کی فتح

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ شام پر حملہ کے سلسلہ میں سیدنا ابو بکرؓ نے چار لشکر ترتیب دیے تھے۔ سیدنا عمرو ابن العاصؓ کو آپ نے فلسطین کے صوبے کی فتح کے لئے بھیجا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے بعض مقامات عہدِ صدیقی میں فتح کر لیے۔ وہ جدھر بھی منہ کرتے فتح ان کے رکاب میں چلتی تھی۔

جس وقت سیدنا ابو عبیدہؓ شمالی روم میں فاتحانہ پیش قدمی فرما رہے تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ اس وقت فلسطین میں روم کی فوجوں سے جنگ آزما تھے۔ یہ فوجیں کثرت تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ جدید قسم کا سامان حرب و ضرب ان کے پاس موجود تھا اور پھر ان کی قیادت روم کا سب سے بڑا جرنیل اطربون کر رہا تھا۔ (بعض حضرات کے نزدیک یہ سپہ سالار کا نام نہیں بلکہ اس کا لقب ہے۔ یہ شخص رومی فوجوں کا چیف کمانڈر تھا جو عزت و اقتدار کے لحاظ سے ہرقل کا ہم مرتبہ سمجھا جاتا تھا) جس کی دور اندیشی، اور جنگ کے بارہ میں حکمت عملی ساری مملکت میں اپنا کوئی حریف نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا وہاں فتح حاصل کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے امیر المؤمنین کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ سیدنا عمرؓ نے یزید ابن ابی سفیانؓ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی معاویہؓ کو قیساریہ فتح کرنے کے لئے روانہ کرو تا کہ اطربون کو بحری راستہ سے کوئی مدد نہ مل سکے۔ سیدنا معاویہؓ نے امیر المؤمنین کی ہدایات کے مطابق قیساریہ پر حملہ کر دیا لیکن اہل شہر قلعہ بند ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ طویل ہو گیا تو اہل شہر ایک روز جرأت کر کے باہر نکلے لیکن عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست کھائی۔ اس کے میدان جنگ میں اسی (۸۰) ہزار سپاہی کھیت ہو گئے۔ اور فرار ہونے والوں کی تعداد اگر شمار کی جائے تو کل تعداد ایک لاکھ بنتی ہے۔ قیساریہ کی فتح سے اس راستہ سے رومیوں کی کمک کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ قیساریہ کے ساتھ غزہ بھی جلد ہی فتح ہو گیا۔ ان دونوں شہروں کی فتح سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو سمندر کی طرف سے اطربون کو مدد پہنچنے سے اطمینان ہو گیا۔

اب ایک اور سمت ایسی تھی جہاں سے اطربون کو کمک پہنچنے کی توقع تھی وہ تھا ایلیا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے علقمہ بن حکیم اور مسروق ملکی کو ایلیا کی طرف بھیج کر وہاں کی فوجوں کو الجھا دیا تا کہ اطربون کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ کو ایک خط ایسے

Marfat.com

پیرائے میں لکھا کہ امیر المؤمنین نے ان کی مدد کے لئے ایک عظیم لشکر بھیجنے کا حکم فرمایا۔ لیکن خط میں جونہی آپ نے اطربون کی ہوشیاری اور چالاکی کے بارہ میں پڑھا تو سیدنا عمرؓ مسکرائے اور فرمایا:

"ہم نے روم کے اطربون کو عرب کے اطربون سے بھڑا دیا ہے' دیکھئے' اب کیا نتیجہ نکلتا ہے"۔

چند روز کے بعد مدینہ سے روانہ کی گئی مدد فلسطین پہنچ گئی۔ سیدنا عمروؓ نے کچھ فوج کو ایلیا اور رملہ میں بھیج دیا اور خود ایک بڑا لشکر لے کر اجنادین پہنچ گئے جہاں اطربون ٹھہرا ہوا تھا۔ جونہی آپ اجنادین پہنچے دشمن قلعہ بند ہو گئے۔ سیدنا عمروؓ نے شہر کا محاصرہ تو کر لیا، لیکن انہوں نے دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑے گا لہٰذا انہوں نے ایک حیلہ اختیار کیا، وہ یہ کہ انہوں نے صلح کی بات چیت کے بہانے اپنے ایلچی بھیجے تاکہ وہ دشمن کے راز معلوم کریں۔ لیکن ایلچیوں کو اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ یہ کام خود انجام دیں لیکن اس طرح کہ دشمن میری شناخت نہ کر سکے۔ لیکن جب یہ کچھ آدمیوں کی معیت میں اطربون کے پاس گئے اور اگرچہ انہوں نے بھی بھیس بدلا ہوا تھا لیکن اطربون بھی بہت ہوشیار شخص تھا۔ دورانِ گفتگو اسے شک گذرا اور اس نے دل میں کہا: "بخدا! یہ شخص عمرو بن العاصؓ ہے یا پھر وہ شخص ہے جس کے مشورہ پر عمرو چلتا ہے"۔ اس نے ایک سپاہی کو بلوایا اور اس کے کان میں کہا کہ راستے میں کھڑے ہو جاؤ اور جیسے ہی یہ عرب تمہارے پاس سے گذرے اس کی گردن اڑا دینا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی قیامت کی نظر رکھتے تھے۔ فوراً تاڑ گئے۔ آپ نے تھوڑی دیر اسے باتوں میں لگایا اور اطربون سے کہا:

"تم نے میری بات سن لی اور میں نے آپ کی۔ دونوں طرف کی باتیں نہایت مناسب ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان شرائط پر صلح نہ ہو۔ ہمارے خلیفہ نے تم سے گفتگو کرنے کے لئے دس آدمی بھیجے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ہوں۔ کل میں ان سب کو لے کر تمہارے پاس آتا ہوں۔ ہم باہم بیٹھ کر ساری شرطیں طے کر لیں گے اور اہلِ لشکر اور امیر المؤمنین دونوں اسے قبول کر لیں گے"۔

اطربون نے سوچا کہ ایک کے بجائے کل دشمن کے دس آدمی ہاتھ آ رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ قتل کا منصوبہ کل پر ملتوی کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سپاہی کو جس کو اس نے اس کے قتل پر مامور کیا تھا' اسے نہ صرف وہاں سے ہٹا دیا بلکہ مسلمانوں کے سفیر کو بڑے تپاک

Marfat.com

سے رخصت کیا۔ چنانچہ کل کوئی بھی اطربون کے پاس نہ آیا۔ اطربون کو جب حقیقت حال کا پتہ چلا تو کہنے لگا: "یہ شخص مجھ سے زیادہ چالاک نکلا"۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ نے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کیا اور بالآخر ایک ہلاکت آفریں معرکے کے سوا اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہا تھا۔ چنانچہ اجنادین میں یرموک کی طرح قیامت آفریں رن پڑا۔ فریقین کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور فتح کے پلڑے دیر تک اونچے نیچے ہوتے رہے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا خالدؓ نے شمالی شام میں جو فتوحات حاصل کیں ان کی خبر جب رومیوں کو ملی تو ان کے حوصلے نہایت پست ہو گئے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ اور ان کے لشکر کو شمالی شام کی فتوحات کی خبروں سے بڑی تقویت پہنچی۔ چنانچہ جب آفتاب غروب ہونے لگا تو اطربون نے دیکھا کہ اس کے لشکر کی صفوں میں انتشار واقع ہو رہا ہے اور سپاہیوں پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہیں' چنانچہ وہ بیت المقدس کی طرف پسپا ہو گیا' گویا اطربون کا ساز و سامان اور بے پناہ لشکر مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے آگے ٹک نہ سکا۔ علقمہ بن حکیم اور مسروق نے جو اسے پسپا ہوتے دیکھا تو اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو۔ چنانچہ اطربون اپنی معمولی فوج کے ساتھ بیت المقدس کے مورچوں کی مضبوطی اور مدافعانہ قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گیا اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا جس میں وقت کی بے رخی کم سے کم اس کے حصہ میں آئے۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ نے رملہ اور بیت المقدس میں متعین مسلمانوں کی فوجوں کو اجنادین بلا لیا تاکہ باہمی مشورے سے کوئی بات طے کی جا سکے۔ چنانچہ باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ حملہ کرنے سے پہلے دشمن کو گھیر لینا اور سمندر کی طرف سے بھاگ نکلنے کا راستہ بند کر دینا چاہیے۔

رملہ اور بیت المقدس دو ہی ایسے شہر تھے جہاں رومی قلعہ بند ہو کر لڑ سکتے تھے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ جنگ کا نقشہ بنانے میں لگے ہوئے تھے کہ اطربون کا انہیں ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ:

"تم میرے دوست اور برابر کے امیر ہو' بخدا!! اجنادین کے بعد اب تم فلسطین کا کوئی حصہ فتح نہ کر سکو گے' اس لیے بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں نہ ڈالو' ورنہ دوسروں کی طرح تمہیں بھی منہ کی کھانی پڑے گی"۔

Marfat.com

سیدنا عمرو بن العاصؓ کو یہ خط پڑھ کر سخت حیرت ہوئی' لیکن وہ جانتے تھے کہ اطربون بڑا چالاک اور کائیاں ہے۔ جواب میں آپ نے اس کو لکھا:

"برابری کی بھی خوب رہی۔ میں تو اس ملک کا فاتح ہوں' لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اپنے دوستوں سے مشورہ کر لو۔ شاید تمہاری عبرتناک تباہی سے پہلے تمہیں کوئی نیک مشورہ دے دے"۔

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ اطربون نے جب سیدنا عمرو بن العاصؓ کا خط پڑھا تو اس جملے پر کہ "میں اس ملک کا فاتح ہوں"، ہنسا۔ اس کے ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ عمرو بن عاصؓ اس ملک کا فاتح نہیں ہے۔ اطربون نے جواب دیا کہ بیت المقدس کے فاتح کا نام "عمر" ہے جس میں تین حرف ہیں اور یہ تورات میں لکھا ہے۔ تورات میں جہاں سیدنا عمرؓ کی صفت بیان کی گئی ہے وہاں غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں جائے گا۔ (طبری جلد ۲ ص ۱۰۳)

بیت المقدس پر حملہ سے قبل سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اردگرد کے تمام علاقوں پر قبضہ کر کے اطربون کی سپلائی لائن کاٹ دی۔ پھر ایک خط امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ "میں بڑے ہی خطرناک دشمن سے لڑ رہا ہوں اور ایسے شہروں میں ہوں جو آپ کے لئے سپر کر دیے گئے۔ آگے جو آپ کی رائے۔"

اس دوران اطربون اور بیت المقدس کا پادری صفرینوس قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا' لیکن یہ محاصرہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہوتا گیا۔ اجنادین کے معرکہ نے بیت المقدس کے باشندوں پر ایک خوف طاری کر دیا تھا اور یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ بیت المقدس کا شہر ایک روز مسلمانوں کے قبضہ میں جا کر رہے گا۔ چنانچہ صلیب اعظم اور تمام کلیساؤں کے تمام قیمتی ظروف جہاز میں لدوا کر قسطنطنیہ بھجوا دیے گئے جہاں بعد کو صلیب اعظم اباصوفیہ کے کلیسا میں رکھ دی گئی۔ اور خود اطربون بھی اپنی فوجوں کو لے کر مصر بھاگ گیا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ نے دیکھا کہ فلسطین سے انہیں بار بار امداد کے لئے لکھا جا رہا ہے تو خود فلسطین کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ' سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا خالدؓ کو اطلاع بھجوائی گئی کہ مجھے جابیہ کے مقام پر آ کر ملیں۔ (جابیہ اس زمانے میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ شام کے علاقہ میں اس سے بڑی چھاؤنی اور کوئی نہ تھی۔

Marfat.com

مسلمانوں کے قبضہ میں آنے سے قبل یہ عیسائی بادشاہوں کی قیام گاہ تھا) اس وقت سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا خالدؓ شام کا سارا شمالی علاقہ فتح کر چکے تھے۔ امیر المؤمنین عمرؓ جابیہ میں اپنے کمانڈروں اور جرنیلوں کے باہمی مشورہ سے بیت المقدس کی صورت حال کے بارہ میں بیت المقدس کی فتح کا نقشہ بنانا چاہتے تھے۔

مسلمانوں کے طویل محاصرے اور پھر اطربون کے مصر بھاگ جانے اور اہل شہر کے حوصلہ ہار جانے کی وجہ سے بوڑھے پادری نے مسلمانوں سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اور چونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ امیر المؤمنین جابیہ تشریف لائے ہوئے ہیں' اس لیے اس نے یہ شرط لگادی کہ معاہدہ صلح لکھنے کے لیے وہ خود تشریف لائیں۔ جابیہ اور بیت المقدس میں اتنا فاصلہ نہ تھا کہ پادری صفرنیوس کی اس شرط کو نہ ماننے کا کوئی عذر پیش کر دیا جاتا۔

سیدنا عمرؓ نے اپنی روانگی سے قبل سیدنا علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۵۵ 'طبری جلد ۳ ص ۱۵۹)

طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ اپنی اونٹنی پر روانہ ہوئے۔ اونٹنی پر دو تھیلے تھے۔ ایک میں ستو تھے اور دوسرے میں کھجوریں۔ اور سامنے پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ تھا اور پیچھے زادِ راہ کا کشکول۔ مدینہ سے چل کر آپ نے جابیہ میں قیام فرمایا۔ فوج کے جرنیلوں کو آپ نے پہلے ہی لکھ بھیجا تھا کہ فلاں تاریخ کو مجھے جابیہ میں ملو۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل میں سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ' سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا خالد بن ولیدؓ آپ کی خدمت میں اس شان سے پہنچے کہ نگاہ ان پر رکتی تھی۔ ان کے دیبا و حریر کے لباس کو دیکھ کر سیدنا عمرؓ کا خون کھول گیا اور فرمایا: "کتنی جلدی تم لوگوں نے اپنی وضع بدل لی' کیا دو ہی برس میں تم لوگ اپھر گئے ہو؟ بخدا! اگر دو سو برس تمہارا یہی طرز عمل رہا تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسروں کو حکمران کر دے گا" لشکر کے جرنیلوں نے نہایت معذرت سے کہا: "امیر المؤمنین! ان دیبا و حریر کی قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے جب ان کے ہتھیار دیکھے تو آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور فرمایا: "پھر کوئی حرج نہیں"۔

آپ جابیہ میں فروکش تھے کہ ایک روز شمشیر بدست سواروں کو دیکھ کر فوج کے جرنیلوں نے گھبرا کر ہتھیار سنبھال لیے۔ سیدنا عمرؓ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: گھبراؤ نہیں' یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں" آنے والے بیت المقدس کے بوڑھے صفرینوس پادری کے ایلچی تھے اور وہ امیر المؤمنین کی آمد کے بارے میں سن کر ان سے صلح کرنے حاضر

Marfat.com

ہوئے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے دمشق کی شرائط پر بلکہ اس سے بھی زیادہ فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

روایات میں ہے کہ جابیہ پہنچنے سے قبل صلح نامہ تیار ہو گیا تھا۔ انتظار تھا کہ امیر المؤمنین کی تشریف آوری پر اس پر مہر لگادی جائے گی۔ جابیہ میں سیدنا ابو عبیدہؓ' سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ امیر المؤمنین کے انتظار میں تھے اور بیت المقدس والوں کے نمائندے کی حیثیت سے رومی حکومت کا امیر صفر ینوس بھی موجود تھا۔ اتنے میں سپاہی دوڑتے ہوئے آئے کہ امیر المؤمنین بستی کے قریب پہنچ رہے ہیں' آپ لوگ ان کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

سیدنا ابو عبیدہؓ سب حضرات کو لے کر استقبال کے لئے شہر سے باہر گئے۔ پادری صفر ینوس کا خیال تھا کہ اب امیر المؤمنین کا لاؤ لشکر نظر آئے گا۔ ان کا محافظ دستہ ان کے ارد گرد اور آگے پیچھے ہو گا جیسا کہ اس زمانہ میں بادشاہوں کے ساتھ ہوتا تھا' لیکن وہاں تو دور دور تک کوئی ایسا اہتمام نظر نہ آتا تھا۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک آدمی اونٹ پر بیٹھا ان کی طرف آرہا ہے اور دوسرا اس کی نکیل پکڑے آگے آگے چل رہا ہے۔ سب مسلمان جرنیلوں نے دوڑ کر اس شخص کا بڑے احترام اور اہتمام سے استقبال کیا جو نکیل پکڑے ہوئے پیدل آرہا تھا۔ پھر نہایت ادب و احترام سے ان سے باتیں کرنے لگے۔ صفر ینوس نے پوچھا: امیر المؤمنین کہاں ہیں اور وہ کب آئیں گے اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ یہ شخص امیر المؤمنین ہو سکتا ہے جس نے اونٹ کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ اسے بتایا گیا کہ یہی تو امیر المؤمنین ہیں۔

امیر المؤمنین کا حلیہ دیکھنے کا تھا۔ پھٹے جوتے' پاؤں پر گرد و غبار' پھٹے کپڑے' پیوند لگا کرتا۔ پیوند بھی ایک دو نہیں بلکہ پورے چودہ جن میں کچھ چمڑے کے بھی تھے۔ سفر کی تکان سے بے حال اور اس کے اثرات چہرے سے عیاں تھے۔ صفر ینوس کا دل اس بات کو ہرگز قبول نہ کرتا تھا کہ وہ عظیم المرتبت فاتح جس نے سلطنت روم اور سلطنت عجم کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا وہ شخص یہ ہو سکتا ہے۔ اب اس کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر یہ امیر المؤمنین ہیں تو پھر وہ شخص کون ہے جو اونٹنی پر سوار ہے؟ اسے بتایا گیا کہ وہ امیر المؤمنین کا غلام ہے۔ اب یہ بات اس کے لئے اور پریشان کن تھی کہ امیر المؤمنین پیدل چل رہے ہیں اور غلام اونٹ پر سوار، اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ لیکن وہ اس معما کو حل نہ کر سکا۔ ایسا اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ بات یہ تھی کہ سیدنا عمرؓ جب شام کی روانگی کے لئے مدینہ سے

Marfat.com

نکلے تو ایک ہی اونٹنی سواری کے لئے تھی۔ راستہ لمبا تھا۔ احتیاط کے خیال سے ایک غلام کو انہوں نے ساتھ رکھ لیا تھا۔ سفر شروع ہوا تو اس غلام سے فرمایا: "یہ مت سمجھنا کہ تمام راستہ میں ہی سواری پر بیٹھا آرام سے سفر کرتا رہوں گا اور تم پیدل چلتے رہو گے۔ ایسا نہیں ہو گا کیونکہ یہ بات انصاف اور عدل کے خلاف ہے۔ تھوڑی دیر میں اس اونٹنی پر سواری کروں گا تھوڑی دیر تم سواری کرنا۔ غلام انکار کرتا رہا لیکن امیر المؤمنین نے جو کچھ کہا تھا اس پر پورا پورا عمل کر کے دکھایا۔ اللہ اکبر! کیسا احترام انسانیت ہے جو نہ اس زمانے میں کہیں اور ملتا تھا اور نہ ہی اس زمانے میں ملتا ہے۔

باری باری غلام اور آقا کی سواری ہو رہی تھی کہ جابیہ کے پاس غلام کی باری آئی اس نے نہایت عاجزی اور لجاجت سے عرض کیا: "امیر المؤمنین' باری میری ہی سہی لیکن سوار آپ ہی رہیں کیونکہ یہاں عوام' امراء اور لشکر کے کمانڈر آپ کے استقبال کے لئے آئیں گے"۔ لیکن امیر المؤمنین نے جو جواب دیا' تاریخ نے اس کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہے۔ فرمایا: "باری تمہاری ہے۔ اونٹ پر تم ہی بیٹھو گے اور میں نکیل پکڑ کر چلوں گا اور اسی حالت میں تمام امراء اور جرنیلوں سے ملوں گا۔" صفر ینوس پادری نے جب یہ تفصیل سنی تو اس کا دماغ اور بھی چکر کھا گیا کہ "یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟" ایک انسان کی یہ عزت دیکھنا تو بہت بڑی بات ہے' اس نے اس سے پہلے کبھی سنی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہاں کی تو ہر بات ہی نرالی ہے۔ یہ کیسے عجیب اور نفیس لوگ ہیں۔

امیر المؤمنین جابیہ مین ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہیں بیت المقدس کا معاہدہ دستخط ہوا اور یہیں رملہ والوں سے صلح کا معاملہ طے پایا۔ فلسطین کے اور بھی کئی شہروں کے امراء یہاں آ کر صلح کے معاہدے کر کے گئے۔ اور اس لحاظ سے سیدنا عمرؓ کا شام کا یہ سفر نہایت کامیاب رہا۔

سیدنا عمرؓ نے فلسطین کی صلح مکمل کر کے سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا خالدؓ کو اپنی اپنی خدمات پر روانہ کر دیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ امیر المؤمنین کے ساتھ بیت المقدس اور اس کے بعد پھر اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہوئے) اس کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ کے ساتھ بیت المقدس جانے کا ارادہ فرمایا' لیکن آپ کا گھوڑا چلنے کے قابل نہ تھا۔ ایک ترکی گھوڑا حاضر کیا گیا۔ آپ جب اس پر سوار ہوئے تو وہ کلیل کرنے لگا۔ سیدنا عمرؓ کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ فوری طور پر اس پر سے اتر کر اپنی چادر کا دامن اس کے منہ

Marfat.com

پر مار کر فرمایا: "خدا تجھ سے سمجھے، یہ چال تو نے کہاں سے سیکھی" اور اس کے بعد پھر کبھی آپ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ چنانچہ جب آپ کا گھوڑا ٹھیک ہو گیا تو آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے۔ پادری صفرینوس اور دوسرے معززین شہر نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ سیدنا عمرؓ پادری صفرینوس اور دوسرے معززین سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آئے اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ آپ کی محبت ان کے دلوں میں جاگزین ہو گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب بیت المقدس قریب آیا تو ابو عبیدہؓ اور سردارانِ فوج نے سیدنا عمرؓ کا پھٹا ہوا اور میلا کچیلا لباس دیکھ کر ایک قیمتی پوشاک آپ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ یہ پھٹا پرانا لباس اتار کر اس کو پہن لیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ہمیں سلام کی عزت کافی ہے" غرض کہ اسی حال میں وہ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے اور وہاں محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سورۃ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ اس کے بعد مختلف جگہوں پر تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہ انبیاء و رسل کا شہر ہے۔ وہاں آثار کی کیا کمی ہے۔

سیدنا عمرؓ اور صفرینوس کلیسائے قیامت میں تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ بطریق (پادری) نے عرض کی کہ آپ یہیں نماز پڑھ لیجئے کہ یہ بھی ایک سجدہ گاہ خداوندی ہے لیکن تاریخ کے رپورٹ بتاتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے معذرت فرمائی کہ اگر آج انہوں نے یہاں نماز ادا کی تو مسلمان کہیں اس بات پر عمل کرتے ہوئے عیسائیوں کو ان کے گرجوں ہی سے نکال نہ دیں۔ اور یہ عہد امان کی خلاف ورزی ہو گی۔

غرض کہ بیت المقدس تشریف لانے سے سیدنا عمرؓ کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔ چنانچہ چند روز کے قیام کے بعد آپ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اور جو کچھ امور یہاں آپ نے سر انجام دیئے تھے ان کی اطلاع اپنی مجلس شوریٰ کو جا کر کر دی۔ اہل مجلس بہت خوش ہوئے کیونکہ عراق کی طرح اب شام بھی قریباً پورا ان کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ سیدنا عمرؓ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اس دن سے لے کر، جس دن اللہ نے دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا، آج تک اس نوعیت کا سفر کیا تھا۔

حمص پر قبضہ کی دوبارہ کوشش

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو عبیدہؓ بن

الجراحؓ اور سیدنا خالد بن ولیدؓ کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس بھیج دیا اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق روانہ کر دیا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ حمص اور سیدنا خالد بن ولیدؓ قنسرین کی امارتوں پر چلے گئے۔ یہ حضرات اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے اور اب انہیں کسی طرف سے اچانک حملے کا کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ لیکن اہلِ جزیرہ جو عراق اور شام کے درمیان آباد تھے وہ قدرے آتش بجان تھے کیونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے تکریت' موصل اور قرقیسیا میں ان کے بھائیوں کی بستیاں مسمار کر دی تھیں۔ (جزیرہ اس آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اس کا حدود اربعہ یہ ہے: مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک' جنوب شام' مشرق' عراق' شمال آرمینیہ کے کچھ حصے)۔ چنانچہ انہوں نے ہرقل کو لکھا کہ اگر وہ مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں ان کے مقبوضات سے نکال باہر کرنے کے لئے بحری راستے سے اپنے لشکر بھیجے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔ ہرقل اگرچہ شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں جا بیٹھا تھا' لیکن اس نے اہل جزیرہ کی اس تجویز پر غور و فکر کیا اور اس کی سمجھ میں آیا کہ اس میں نقصان کا کوئی پہلو نہیں بلکہ فائدہ کے امکانات موجود ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اہل جزیرہ کی مدد سے شمالی شام میں مسلمانوں کو شکست دے کر اپنا کھویا ہوا علاقہ ان سے واپس لے لے۔

ہرقل اس تجویز کے ہر پہلو پر غور کر رہا تھا' اس لیے خط کے جواب میں کچھ دیر ہو گئی چنانچہ اہل جزیرہ نے ہرقل کو دوبارہ خط لکھا جس سے اسے یقین ہو گیا کہ ان کے ارادے میں کوئی جھول نہیں ہے۔ ہرقل کو اگرچہ شام کے میدانِ کارزار سے بھاگے ہوئے ایک سال سے زیادہ ہو گیا تھا' لہٰذا اب اس کے دل میں وہ پہلا سا خوف بھی نہیں رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ بہت سے سرحدی قلعے ابھی تک مضبوط اور مستحکم ہیں اور اس کا جنگی بیڑا ابھی محفوظ ہے اور مسلمان جنگی بیڑے سے ابھی تک محروم ہیں۔ اسے اس بات کی بھی پوری پوری توقع تھی کہ شام کے لوگ مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔

ہرقل نے اپنے خط میں شامی قبائل کو اپنی امداد کا پورا پورا یقین دلایا اور کہا کہ میں نے جہازوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ فوج اور سامان جنگ اسکندریہ سے انطاکیہ پہنچا دیں۔ جونہی ہرقل کا خط پہنچا قبائل اپنی فوجیں لے کر جزیرے سے حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس فوج کی تعداد تیس (۳۰) ہزار بتائی جاتی ہے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کو جب ان جنگی کارروائیوں

Marfat.com

کی اطلاع ملی تو انہوں نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو قنسرین سے مشورہ کے لئے بلایا۔ اور دونوں جرنیلوں نے باہم مل کر یہ طے کیا کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے تمام اسلامی فوجوں کو شمالی شام سے اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ انطاکیہ' حماۃ' حلب اور قریب کی تمام چھاؤنیوں سے لشکروں کو حمص میں اکٹھا کیا گیا۔ جب ہرقل کے جہاز انطاکیہ پہنچے تو شہر کے دروازے فوج کے لئے کھل گئے اور رعایا مسلمانوں کے خلاف ہو گئی اور تمام شمالی شام میں یکدم بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ یہ ایک نہایت نازک موقع تھا۔ اگرچہ سیدنا عمرؓ نے آٹھ بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے صرف اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ اگر کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوری طور پر ہر جگہ سے فوجیں موقع پر پہنچ جائیں' لیکن یہاں باہر سے رومی فوجوں کے ساتھ اندرون شہر بھی بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی' جس کا مقابلہ کوئی آسان نہ تھا۔ باغیوں نے حمص کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور مسلمانوں نے صحرا اور سمندر دونوں طرف سے انہیں بڑھتے دیکھا تو اپنے کو حمص میں محصور پایا۔ چنانچہ اس حالت کے پیدا ہونے سے قبل انہوں نے امیر المؤمنین کو خط لکھا تھا اور اس نازک مرحلے کے لئے امداد طلب کی۔ سیدنا عمرؓ نے خط ملتے ہی ہر طرف قاصد دوڑا دیے۔ سیدنا قعقاعؓ بن عمرو کو کوفہ لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو لکھا کہ فوراً جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو لکھا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو روکیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ لیکن ان سب فوجوں کا آنا بھی کافی نہ تھا کیونکہ جزیرہ سے حمص آنے والی فوج کی تعداد تیس ہزار تھی اور وہ فوج اس کے علاوہ تھی جو ہرقل نے انطاکیہ بھیجی تھی۔ سیدنا عمرؓ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ بغاوت کا مادہ کئی شہروں میں پھوٹا ہوا ہے اور ان کے آدمی شام کے ہر شہر میں وہاں کے باشندوں سے نمٹ رہے ہیں' اگر وہ ان شہروں کو چھوڑ کر حمص کی حفاظت کے حمص چلے گئے تو سارے شام کا نظام درہم برہم ہو جائے گا' لیکن سیدنا ابو عبیدہؓ کا خط پہنچنے کے بعد انہوں نے جتنے بھی احکام صادر فرمائے وہ ان کی دور اندیشی، بعید بینی اور تدبر کے آئینہ دار تھے۔ آپ کے احکام کے تحت جب یہ سب جرنیل اپنے اپنے علاقوں سے چلے تو اہل جزیرہ کو ہیت' قرقیسیا اور موصل والوں کا حشر یاد آگیا اور وہ مقابلہ نہ کر سکے۔

سیدنا عمرؓ نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہرقل کو ابھی

Marfat.com

تک اپنی قوت پر اعتماد ہے اگرچہ وہ ہر محاذ پر کئی بار شکست کھا چکا ہے۔ اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو فوج اس نے اسکندریہ سے جہازوں کے ذریعہ انطاکیہ بھیجی ہے اس کا جرنیل اس نے اپنے بیٹے قسطنطین کو بنایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس ہلاکت آفریں صورتِ حال کے پیش نظر مدینہ اور اس کے اطراف سے جتنی فوجیں اکٹھی ہو سکتی تھیں' وہ کیں اور انہیں اپنی زیرِ کمان دمشق کے راستے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔

سیدنا قعقاعؓ بن عمرو' سیدنا سہیل بن عدیؓ' سیدنا عبداللہ بن عتبانؓ' سیدنا ولید بن عقبہؓ اور سیدنا عیاض بن غنمؓ اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کے وجود کے تحفظ کے لئے نہایت برق رفتاری کے ساتھ اہل جزیرہ کی گوش مالی کے لئے روانہ ہوئے اور سیدنا عمرؓ نے حمص کے تحفظ کے لئے مدینہ منورہ کو خیرباد کہا۔ یہ خبریں جنگل کی آگ کی طرح عراق اور شام میں پھیل گئیں۔ سیدنا ابو عبیدہؓ تو ان خبروں سے اطمینان کا سانس لینے لگے اور ان کی پریشانی کافور ہو گئی لیکن قبائل کو یہ پورا پورا یقین ہو گیا کہ بغاوت اور حملہ کی جو حرکت انہوں نے کی ہے اس کے بعد مسلمان ان کی بستیوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ اور ان کا وہی حشر ہو گا جو ہیت' قرقیسیا اور موصل کا ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان کے حوصلے ختم ہو گئے' ہمتیں جواب دے گئیں اور انہوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ جہاں سے وہ آئے تھے وہیں واپس چلے جائیں اور حمص پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عرب کے جو قبائل عیسائیوں کی مدد کے لئے آئے تھے وہ بھی اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور انہوں نے سیدنا خالدؓ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ تم چاہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں گے؟ سیدنا خالدؓ نے ان کو جواب دیا کہ افسوس میں دوسرے شخص (ابو عبیدہؓ) کے ہاتھ میں ہوں اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتے' ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے یا چلے جانے کی کوئی پروانہ ہوتی۔ تاہم اگر تم اپنے قول کے سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر چلے جاؤ" ادھر فوج نے سیدنا ابو عبیدہؓ سے یہ تقاضا کرنا شروع کر دیا کہ ہمیں حملہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ ہم محصور نہیں رہنا چاہتے۔ انہوں نے سیدنا خالدؓ سے مشورہ کیا۔ سیدنا خالدؓ نے جواب دیا کہ میری جو رائے ہے وہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ عیسائی ہمیشہ اپنی کثرت تعداد کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی' پھر کس بات کا اندیشہ ہے۔ ایک روز سیدنا ابو عبیدہؓ جو سو کر اٹھے تو معلوم ہوا کہ جزیرے کے قبائل اپنے شہر واپس چلے گئے ہیں اور اب صرف ان کے مقابلہ میں ہرقل کا لشکر رہ گیا ہے۔ اب

Marfat.com

سیدنا ابو عبیدہؓ نے اپنے جرنیلوں کو بلا کر کہا کہ وہ ہرقل کے لشکر کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا خالدؓ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اس سے قبل کہ رومی اس نئی صورت حال کا کوئی تدارک کریں ہمیں ان پر فوراً حملہ کر دینا چاہئے۔ رومیوں کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا کہ قبائل عین موقع پر انہیں چھوڑ کر چلے گئے ہی اور مسلمان ان پر فوری حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ بہت پریشان ہوئے اور سمجھے کہ ہمارے ساتھ قبائل نے ایک سازش کی ہے۔

بعض روایات میں ہے سیدنا ابو عبیدہؓ نے رومیوں پر حملہ کرنے سے قبل اپنی تمام فوج کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے ایک نہایت زوردار اور مؤثر تقریر کی کہ:

"مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک اور مال دونوں ہاتھ آئیں گے اور اگر وہ مارا گیا تو شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوگا۔ میں گواہی دیتا ہوں اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع اور وقت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ شرک نہ کرتا ہو تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا"۔

فوج تو پہلے ہی خود حملہ کرنے کے لئے اصرار کر رہی تھی۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کی پرجوش تقریر نے ان میں مزید ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہؓ نے ان رومیوں پر زوردار حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی حملے کو سہار نہ سکے اور شکست فاش کھائی۔ رومی میدان سے اس بدحواسی سے بھاگے کہ "مرج الدیباج" تک ان کے قدم نہ جمے۔ اس کے بعد پھر کبھی رومیوں کو پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی۔

روایات میں ہے کہ قبل اس کے کہ سیدنا قعقاعؓ بن عمرو حمص اور سیدنا عمرؓ جابیہ پہنچیں (ابن کثیرؒ کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ سرغ کے مقام پر پہنچ گئے تھے) رومی دم دبا کر بھاگ گئے۔ جب سیدنا عمرؓ جابیہ پہنچے تو انہیں سیدنا ابو عبیدہؓ کا قاصد ملا۔ انہوں نے امیر المؤمنین سے پوچھا کہ قعقاعؓ اور اس کی فوج کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے یا نہ دیا جائے کیونکہ ان کی فوج رومیوں کی شکست سے تین دن بعد حمص پہنچی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا کہ "اہل کوفہ کو غنیمت میں شریک کیا جائے کہ ان کی آمد کی خبر نے دشمن کے دل میں رعب طاری کیا جس کی وجہ سے اس کے حوصلے پست ہوئے اور اس نے شکست کھائی۔ اللہ تعالیٰ اہل کوفہ کو جزائے خیر دے کہ وہ اپنے علاقے کی حفاظت اور دوسرے شہر والوں کی

Marfat.com

امداد کرتے ہیں"۔ سیدنا عمرؓ پھر آگے تشریف نہیں لائے بلکہ وہیں سے واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

عرب قبائل جب ہرقل کی فوج کو چھوڑ کر واپس چلے گئے اور سیدنا ابو عبیدہؓ کے لشکر نے رومیوں پر فوری حملہ کر دیا تو رومیوں کی ہمتیں بالکل جواب دے گئیں اور وہ شکست کھا گئے۔ لیکن اگر قبائل رومیوں کو چھوڑ کر نہ جاتے تو ان دونوں فوجوں میں واقعی اتنی طاقت تھی اور کہ سیدنا ابو عبیدہؓ اور سیدنا عمرؓ کے اندیشے اپنی جگہ پر بالکل درست تھے۔

مسلمانوں نے جب اس بغاوت کو فرو کیا اور باہر سے اسلامی فوجیں بھی آئیں تو اب مسلمانوں نے جزیرہ کے مختلف علاقوں میں اپنی فوج بھیج کر انہیں آسانی کے ساتھ اپنے زیرِ نگین کر لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہؓ نے سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ بنو ایاد کے سوا باقی تمام جزیرے کے عرب مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اور بنو ایاد ترک وطن کر کے ارض روم چلے گئے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے ہرقل کو ایک خط لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ عرب کا ایک قبیلہ بنو ایاد ترکِ وطن کر کے تمہارے شہروں میں چلا گیا ہے۔ واللہ! یا تو تم انہیں اپنے ملک سے نکال دو وگرنہ ہم عیسائیوں کو جو ہمارے ملک میں آباد ہیں' تمہارے علاقے میں دھکیل دیں گے"۔ ہرقل کے دل پر سیدنا عمرؓ کا رعب کچھ اس طرح طاری تھا کہ اس نے بنو ایاد کو اپنے علاقہ سے نکال دیا۔ ان میں سے چار ہزار تو اپنی بستیوں میں واپس آ گئے اور باقی شام اور جزیرے کے درمیان بلادِ روم میں منتشر ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ نے ہرقل کو یہ اس لیے لکھا تھا کہ کہیں وہ دشمن کی پناہ میں رہ کر اتنی قوت حاصل نہ کر لیں کہ دوبارہ مسلمانوں پر چڑھائی کر دیں۔

۷اھ میں شام میں جنوب کے ایک سرے سے لے کر شمال کے دوسرے سرے تک مسلمانوں کے اقتدار نے استحکام حاصل کر لیا۔ اور پھر کبھی کوئی بغاوت نہ ہوئی۔ البتہ قیساریہ کا معاملہ کچھ مختلف رہا۔ قیساریہ کو بیت المقدس کی فتح سے کچھ پہلے سیدنا معاویہؓ نے فتح کیا اور رومیوں کے ایک لاکھ آدمی مارے گئے اور فرار ہوئے۔ لیکن بلاذری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیساریہ کا محاصرہ سات برس تک رہا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قیساریہ ایک نہایت مضبوط اور مستحکم سرحدی قلعہ تھا۔ اس میں تین سو بازار تھے جہاں تجارت ہوتی تھی۔ یہاں کی برجیاں اور فصلیں نہایت مضبوط تھیں اور یہاں شہریوں اور فوجیوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ بقول علامہ بلاذری روزانہ رات کو ایک لاکھ فوجی اس کی فصیل پر

Marfat.com

پہرہ دیتے تھے یہ اس طرح فتح ہوا کہ ایک یہودی ایک رات مسلمانوں کے پاس آیا اور انہیں ایک نالی دکھائی جس میں کمر تک پانی تھا۔ جب رات بھیگ گئی تو مسلمان اسی نالی کے راستے داخل ہوئے اور وہیں سے انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانا شروع کر دیے۔ رومیوں نے مسلمانوں کی تکبیر سن کر اسی نالی کے راستے بھاگنا چاہا۔ لیکن جب وہ نالی میں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان وہاں موجود ہیں۔ کچھ مسلمانوں نے شہر کے اندر جا کر فصیل کے دروازے کھول دیے اور مسلمان فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اسے ۷ اھ میں فتح کیا تھا لیکن بعد میں اس کے باشندوں نے بغاوت کر دی اور رومیوں نے انہیں سہارا دیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے اسے دوبارہ فتح کیا۔ اور اب اس کی حفاظت کے لیے ایک چھاؤنی قائم کر دی۔ روایت میں ہے کہ اس شہر میں سات لاکھ فوج تھی جس میں سامرہ کے تیس ہزار اور یہودیوں کے دو لاکھ آدمی تھے۔

سیدنا خالدؓ کی معزولی

۱۷ھ کے واقعات میں ایک اہم واقعہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معزولی ہے۔ یہ معزولی اس زمانہ میں ہوئی جب تمام شمالی شام مسلمانوں کے زیر نگین ہو گیا تھا بلکہ عیسائیوں نے جب حمص پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہا اور وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ کو معزول فرما دیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سیدنا عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سیدنا خالدؓ کی معزولی کے احکام جاری کر دیے تھے' لیکن یہ بات تاریخی طور پر غلط ہے۔ حمص پر جب عیسائیوں نے دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی اور جزیرہ کی تیس ہزار فوجوں نے حمص کو اپنے محاصرہ میں لے لیا' اس وقت سیدنا خالدؓ قنسرین کی فوجوں کے سپہ سالار تھے اور سیدنا ابو عبیدہؓ نے انہیں وہاں سے مشورہ کے لیے حمص بلایا تھا۔ اور جب عیسائی فوجیں محاصرہ سے واپس چلی گئیں اور حالات نارمل ہو گئے تو سیدنا خالدؓ واپس قنسرین اپنے عہدہ پر چلے گئے۔ لیکن قنسرین میں بھی وہ زیادہ عرصہ نہ ٹھہرے بلکہ سیدنا عیاض بن غنمؓ کے ساتھ مختلف قبائل کی بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ حلب' حماۃ اور انطاکیہ وغیرہ میں قبائل نے جو بغاوتیں کیں ان کے فرو کرنے میں سیدنا خالدؓ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ سیدنا خالدؓ جب ان تمام باتوں سے فارغ ہو گئے تو ایک روز سیدنا عمرؓ کا مکتوب ملا جس میں سیدنا خالدؓ کو معزول کیا گیا تھا اور ان سے بعض معاملات میں باز پرس بھی کی گئی۔

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کا سیدنا خالدؓ کی معزولی کا فیصلہ ایک نہایت اہم اور تاریخی فیصلہ ہے اور مختلف اہل قلم اور مؤرخین نے اس پر اپنے اپنے انداز میں نقد و جرح بھی کی ہے۔ بعض نے سیدنا عمرؓ کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور بعض نے سیدنا خالدؓ کے بعض کاموں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ ہمارا یہ مقام نہیں ہے کہ ہم ان دو عظیم ہستیوں کا موازنہ اور مقابلہ کریں۔ یہ دونوں عنداللہ مقبولان الٰہی میں سے تھے اور دونوں کے دینی کارنامے اتنے بلند ہیں کہ آج ہم میں ان کا موازنہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ سیدنا عمرؓ نے جو کچھ کیا اور خالدؓ نے بھی جو کارنامے سرانجام دیے، ان میں دُنیوی اور مادی بقا مقصود نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی۔

آج کل کے بعض حضرات اختلاف رائے کو دشمنی اور عداوت پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے معنوں میں بہت اختلاف ہے۔ صحابہ میں ایک دوسرے کی دشمنی نہیں البتہ بعض حالات میں ان میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ انہوں نے دین کے کاموں میں جو رائے بھی اختیار کی وہ ایمان اور تفقہ کی روشنی میں کی نہ کہ اپنی ذاتی اغراض کے تحت ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ یہ بات ان کے رتبہ سے فروتر تھی۔

سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ سے بعض معاملات میں اپنا اسلوب تبدیل کرنے کے لیے کہا۔ سیدنا خالدؓ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا جو کہ تمام عرب میں امیر اور متمول قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے والد ولید بن مغیرہ مخزومی زمانہ جاہلیت ہی سے ایک امیر کبیر شخص تھے۔ اور فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان کے خاندان میں تھا (عقد الفرید جلد ۲ ص ۱۲۶) اور ظہور اسلام کے وقت سیدنا خالدؓ اس معزز عہدہ پر فائز تھے۔ (الاستیعاب جلد ۱ ص ۱۵۷) چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا اس کے سردار سیدنا خالدؓ تھے (بخاری کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد) اور جنگ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے قدم انہی کی ہمت سے دوبارہ جمے اور مسلمانوں کے شدید نقصان کا باعث بنے۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے سیدنا خالدؓ اپنی رائے کو مبنی بر صواب سمجھتے تھے اور اکثر معاملات خصوصی طور پر لڑائی میں ان کی رائے صحیح اور درست ہوتی تھی لیکن چونکہ وہ فوجی اور مارشل قسم کے آدمی تھے لہٰذا بعض معاملات میں کچھ غیر شعوری طور پر ایسی باتیں کر گزرتے تھے جو ایک منتظم شخص کے نزدیک درست

Marfat.com

نہیں ہوتی تھیں ،لیکن ان کی ہر بات ذاتی اغراض کے لیے نہیں بلکہ اسلام کے مفاد کے لئے ہوتی۔ چنانچہ جنگِ موتہ کے موقع پر ان کی اسی فوجی جرأت اور بہادری کے صلہ میں انہیں "اللہ تعالیٰ کی سونتی ہوئی تلوار" کا خطاب ملا تھا جو بارگاہِ نبوت کی طرف سے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

دوسری طرف سیدنا عمرؓ بھی عظمت و رفعت کے آفتاب تھے۔ ملہم و محدث تھے۔اللہ کی زمین کو انہوں نے عدل و انصاف اور امن و امان کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ گویا کہ دونوں حضرات ہی اپنے اپنے مقام پر بلند و بالا تھے،ان دونوں میں سے کسی ایک کی تنقیص دونوں کی تنقیص ہوگی۔ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں ہمیں اپنی زبانیں نہایت حزم و احتیاط سے کھولنی چاہئیں اور ان کے بارہ میں کچھ لکھتے وقت اپنے قلم کو کنٹرول میں رکھنا چاہیے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے اخلاص اور نیک نیتی میں اپنے حاشیہ خیال میں بھی شک کو نہ لاویں۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سپہ سالاری کا حق ادا کیا۔ فتنہ ارتداد کا قلع قمع صرف انہی نے کیا۔ چنانچہ طبری نے لکھاہے کہ :

ان الفتوح فی اهل الردة کلها کانت لخالد بن ولید وغیره

یعنی ارتداد میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ خالد بن ولیدؓ وغیرہ کا کارنامہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ سیدنا عمرؓ کے کارناموں سے صرف نظر کر لیا جائے۔ اسلامی اصول یہ ہے کہ خلیفہ وقت اور ایک سپہ سالار کے مابین اختلاف رائے ہو جائے اور معاملہ نص صریح کا نہ ہو بلکہ تدبیر و انتظام کا ہو تو بات خلیفہ وقت کی مانی جائے گی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مختلف مواقع پر سیدنا خالدؓ سے، جو نسبی رشتہ میں ان کے ماموں لگتے تھے کیونکہ سیدنا خالدؓ سیدنا عمرؓ کی والدہ حنتمہ کے سگے چچازاد بھائی تھے، یہ کہا کہ وہ اپنا اسلوب تبدیل کریں ،لیکن سیدنا خالدؓ اس معاملہ میں مجبور تھے۔ ان کی نہادِ ذہنی ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ وقت پر بجائے کسی سے مشورہ لینے کے خود فوری طور پر فیصلہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر وہ میمنہ کے افسر تھے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۸۶ مصر) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستہ کو مکہ کے بالائی حصہ "کداء" کی جانب سے لے کر آئیں۔ یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں مشرکوں کا ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر اندازی شروع کر دی۔ خالدؓ نے بھی جوابی حملہ کیا اور اس میں چند مشرک مارے گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپؐ نے خالدؓ سے باز پرس

Marfat.com

کی۔ انہوں نے عرض کی کہ ابتداء انہی کی جانب سے ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "خیر اللہ کی مرضی بہتر ہے" (بخاری باب فتح مکہ طبقات ابن سعد حصہ مغازی) اسی طرح سریہ بنو جذیمہ میں انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ صحیح لفظوں میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے "اسلمنا" کے یعنی ہم ایمان لائے "صبانا" کہا یعنی ہم بے دین ہوگئے۔ سیدنا خالدؓ اس کو نہ سمجھ سکے اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا۔ بہت سے مہاجرین وانصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا' پھر بھی بہت سے لوگ مارے گئے۔ واپسی پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت افسوس کیا اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا: "اے اللہ! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں"۔ (بخاری باب سریہ بنی جذیمہ)

اسی طرح سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا۔ سیدنا خالدؓ کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے ایک مرتد کو قتل کیا ہے لیکن بعض حضرات جن میں سیدنا ابو قتادہؓ بھی تھے' اس قتل سے نہایت برہم تھے۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اور مالک بن نویرہ کے بھائی متمم بن نویرہ نے پہلے سیدنا ابوبکرؓ اور پھر سیدنا عمرؓ سے سیدنا خالدؓ کی شکایت کی۔ سیدنا ابوبکرؓ کو اس بات سے صدمہ تو ہوا لیکن مصلحت وقت کے پیش نظر خاموش ہوگئے' لیکن سیدنا عمرؓ کو سخت غصہ تھا۔ چنانچہ ان کی رائے تھی کہ خالدؓ کو فوری طور پر معزول کر دیا جائے۔ جب سیدنا عمرؓ کا اس پر اصرار بڑھا تو سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا خالدؓ کو مدینہ طلب کیا اور ان سے گفتگو کے بعد آپ کو جب یقین ہو گیا کہ اگر مالک بن نویرہ کا قتل بحالتِ اسلام ہوا بھی ہے تو بھی یہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطاء ہے' اس لیے آپ نے خالدؓ کی طرف سے مالک کا خون بہا ادا کر دیا۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ طبری نے جلد ۲ ص ۵۸۱ پر لکھا ہے کہ سیدنا خالدؓ نے عبدالعزیٰ (جس کا بعد میں نام عبداللہ ہو گیا تھا) اور لبید بن جریر ان دونوں کو جو دشمن کے کیمپ میں تھے قتل کر دیا۔ لیکن بعد میں معلوم کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ اور اس بارہ میں ان کے پاس سیدنا ابوبکرؓ کی ایک تحریر بھی تھی۔ جب سیدنا ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان دونوں کی دیت ادا کی لیکن ساتھ ہی سیدنا خالدؓ کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یوں ادا کرنے کو تو میں نے دیت ادا کر دی لیکن دراصل یہ دیت مجھ پر واجب نہیں تھی کیونکہ یہ دونوں مقتول اہلِ حرب کے ہاں مقیم اور ان کے مہمان تھے۔

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کی ایک اپنی شان تھی اور سیدنا ابو بکرؓ کی اپنی شان۔ چنانچہ مالک بن نویرہ کے قتل پر سیدنا عمرؓ اپنی شان "اشدھم فی امر اللہ عمر" کے تحت سیدنا خالدؓ پر سخت غصہ تھے کیونکہ اس سے قبل بنو جذیمہ کا ایک واقعہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آچکا تھا۔ سیدنا ابو بکرؓ کا معاملہ یہ تھا کہ ہر بات میں اسوۂ رسول کی اتباع ان کی فطرت اور طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے بھی بخوبی آشنا تھے اور دوسری طرف سیاست اور فوجی تدابیر کا جو مقتضا تھا اس سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ اس لیے سیدنا ابو بکرؓ کی رائے میں اگر سیدنا خالدؓ سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا بھی تھا تو بہر حال وہ اتنی بڑی غلطی ہر گز نہ تھی جس کی پاداش میں سیدنا خالدؓ جیسے مدبر جرنیل اور بہادر اور دور اندیش سپہ سالار کی قیادت سے لشکر اسلامی کو محروم کر کے اسلامی محاذ جنگ کو خطرہ میں ڈال دیا جائے۔ سیدنا عمرؓ اگرچہ عہد صدیقی میں بھی اپنی ایک رائے رکھتے تھے، لیکن سیدنا ابو بکرؓ کے فیصلہ کے سامنے ان کی گردن جھک جاتی تھی۔ چنانچہ سیدنا عمر کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ متمم بن نویرہ نے حاضر ہو کر سیدنا خالدؓ سے قصاص کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

لا ارد شیئاً صنعه ابوبکر (خزانۃ الادب جلد ۱ ص ۲۳۸)

ابو بکرؓ جو کر گئے ہیں میں اس کو رد نہیں کروں گا

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کے سامنے جب اصرار کے ساتھ سیدنا خالدؓ کو معزول کرنے کا مطالبہ کیا تو سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا: "کیا تم اس کی جگہ فوجوں کی کمان سنبھال لوگے؟" انہوں نے کہا "ہاں" جب صحابہ کرامؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ سیدنا ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ اور متفقہ طور پر کہا کہ آپ سیدنا عمرؓ کی رائے اور مشورہ کے محتاج ہیں لہٰذا انہیں مدینہ طیبہ سے باہر ہر گز نہ بھیجیں۔ عمرؓ کو اپنے پاس ٹھہرنے کا حکم فرمائیں اور خالدؓ کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی تاکید فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ نے ایسا ہی کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کی رائے کو قبول کر کے انہیں فوجوں کی کمان سنبھالنے کا حکم دیا، لیکن پھر صحابہ کرامؓ کے تعرض پر اس فیصلہ کو تبدیل کر دیا۔

تمام صحابہ کرامؓ اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ سیدنا عمرؓ ذاتی خواہشات سے متاثر ہو کر فیصلے نہیں کرتے بلکہ ان کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے بعض وہ فیصلے بھی کیے جو سیدنا ابو بکرؓ نے نہیں کیے تھے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے ان

Marfat.com

فیصلوں پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ مثلاً آپ نے مسلمانوں کو عقیدے کی خرابی سے بچانے کے لئے اس درخت کو کٹوادیا جس کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعتِ رضوان کی تھی' کیونکہ لوگوں نے اس کے نیچے برکت حاصل کرنے کے لئے بیٹھنے کی عادت بنالی تھی۔ پھر آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں طواف کعبہ کرتے ہوئے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا: "خدا! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان۔ اگر میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی بھی تمہیں بوسہ نہ دیتا۔ حالانکہ سیدنا عمرؓ خود ایک دفعہ طواف کر رہے تھے کہ آپؐ نے حجر اسود پر اپنا رخسار رکھا اور رونے لگے۔ پھر فرمایا:

"اے عمر! یہی وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں"۔ یہ آپ کے کمال ایمان اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ایک زندہ مثال ہے۔

روایات میں ہے کہ حمص کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد سیدنا خالدؓ اور سیدنا عیاض بن غنمؓ اسلامی مملکت کی سرحدوں کو مستحکم کرنے اور دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بٹھانے کے لئے تاکہ وہ آئندہ بغاوت کا سوچ بھی نہ سکیں' آرمینیہ کی طرف بڑھے یہاں تک کہ آمد اور رہاء پہنچ گئے۔ وہ جدھر سے گذرے شہر فتح کرتے' مال غنیمت سمیٹتے اور کافروں کے دلوں پر مسلمانوں کا رُعب بٹھاتے جاتے۔ اس کے بعد جب وہ واپس قنسرین آئے تو ان کے پاس بہت سامال غنیمت جمع ہو گیا تھا۔ اس لیے ادھر ادھر سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس آئے۔ سیدنا خالدؓ نے انہیں مایوس نہ ہونے دیا۔ ان لوگوں میں اشعث بن قیس بھی تھا' سیدنا خالدؓ نے اسے بھی دس ہزار درہم انعام میں دیے۔ سیدنا خالدؓ کے اس دس ہزار درہم کے انعام کا بہت چرچا ہوا۔ اس انعام کی خبر سیدنا عمرؓ کو مدینہ میں پہنچی۔ انہیں سیدنا خالدؓ پر بہت غصہ آیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ خالدؓ اپنی بے اعتدالیوں سے باز نہیں آ رہے۔ اس کے علاوہ بھی سیدنا عمرؓ نے انہیں حکم دیا تھا کہ جتنا مال تمہیں ملا ہے وہ کمزور مہاجرین وانصار کے لئے وقف کر دو' لیکن اس حکم کے برعکس انہوں نے دیکھا کہ خالد عزت والوں' طاقت والوں اور زبان آوروں کو مال تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ بارگاہِ خلافت سے انہیں یہ حکم بھی آیا تھا کہ "امیر المؤمنین کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو اونٹ اور بکری بھی انعام و بخشش کے طور پر نہ دیں۔ لیکن امیر المؤمنین کا یہ حکم ملنے کے بعد سیدنا خالدؓ نے کہا تھا کہ "مجھے اپنا کام کرنے دیجئے ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام"۔ سیدنا عمرؓ

Marfat.com

کے نزدیک یہ جواب ان کے حکم کی خلاف ورزی تھا۔

سیدنا عمرؓ سیدنا خالدؓ کے اس رویہ سے خوش نہ تھے کہ لوگ سیدنا خالدؓ کی فتوحات کی وجہ سے کچھ زیادہ گرویدہ ہو گئے ہیں اور ان کے کارناموں کے گن گانے لگے ہیں جس کی وجہ سے سیدنا خالدؓ کو اپنے بارہ میں غلط اندیش ہونے کا خطرہ تھا اور اس بات کا اندیشہ بھی سیدنا عمرؓ نے محسوس کیا کہ کہیں وہ آمرِ مطلق نہ بن جائیں۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر سیدنا عمرؓ کی بارگاہِ الوہیت میں خود بھی جواب طلبی ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کو سیدنا خالدؓ پر سخت غصہ آیا۔ چنانچہ آپ نے ایک روز فرمایا: ”بخدا! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سچا نہیں ہوں گا اگر جس حکم کا مشورہ ابو بکرؓ کو دیتا تھا' اسے خود نافذ نہ کروں۔ واللہ! میری طرف سے خالدؓ ہرگز کسی صوبے کے والی نہیں ہوں گے“۔ چنانچہ آپ نے ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ خالدؓ کو بلا کر اس کے عمامے سے اس کی مشکیں کسو اور اس کی ٹوپی اتار کر پوچھو کہ ”اشعث بن قیس کو انعام تم نے اپنے پاس سے دیا ہے یا مالِ غنیمت میں سے؟ اگر مالِ غنیمت میں سے دیا ہے تو یہ خیانت کی ہے اور اگر اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے“ اور حکم فرمایا کہ دونوں صورتوں میں انہیں ان کے عہدہ سے معزول کر کے ان کے علاقہ کو اپنی ولایت میں شامل کر لیں“۔ سیدنا ابو عبیدہؓ اس خط کو پڑھ کر ورطہ حیرت میں گم ہو گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ سیدنا خالدؓ کی ان کے دل میں بڑی عزت و توقیر تھی۔ وہ ان کے تمام کارناموں سے واقف تھے، لیکن امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ لہٰذا انہوں نے اس حکم کی تعمیل امیر المؤمنین کے قاصد اور مؤذن رسول سیدنا بلالؓ پر چھوڑ دی۔ انہوں نے سیدنا خالدؓ کو بلایا تو ان سے سیدنا عمرؓ کے خط کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ لوگوں کو جمع کر کے خود منبر پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سیدنا بلالؓ نے خالدؓ سے پوچھا: ”تم نے دس ہزار درہم اشعث بن قیس کو اپنے پاس سے دیئے تھے یا مالِ غنیمت میں سے؟“ خالدؓ نے جب یہ الفاظ سنے تو مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا بلالؓ نے اپنا سوال دہرایا لیکن خالدؓ کے ہونٹوں کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ سیدنا ابو عبیدہؓ منبر پر خاموش بیٹھے تھے اور انہوں نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا۔ جب سیدنا خالدؓ نے قاصد کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امیر المؤمنین کی ہدایت کے مطابق سیدنا بلالؓ نے خالدؓ کی ٹوپی اتار لی اور ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جا کر عمامے سے باندھ دیے۔ اس کے بعد پھر کہا: ”کیا کہتے ہو' یہ دس ہزار درہم اپنے پاس سے دیا یا مالِ غنیمت سے؟“

Marfat.com

یہ ایک عجیب منظر تھا۔ عراق و شام کی فتوحات کا سہرا جس سپہ سالار کے سر بندھا ہوا تھا' آج کی مشکیں کسی ہوئی ہیں' ٹوپی سر سے اتری ہوئی ہے اور مؤذنِ رسولؐ اس سے باز پُرس کر رہا ہے۔ خود اندازہ فرمائیں کہ خالدؓ کا اس وقت کیا حال ہو گا؟ جو مسلمان اس وقت موجود تھے ان کی حیرت بھی سیدنا خالدؓ کی حیرت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیونکہ وہ عدیم المثال سپہ سالار جس کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزتے اور کانپتے تھے اور جس نے ایران و روم کی قوتوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا اور جس کی بدولت کروڑوں کا مال غنیمت حاصل ہوا آج کندہ کے امیر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دینے پر اس سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ منبر پر بیٹھے لوگوں کے چہروں پر یہ سب تاثرات پڑھ رہے تھے۔ اور لوگوں کے چہروں پر انہیں ناگواری کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کو بھی اس واقعہ پر اتنی ہی حیرت اور اتنا ہی افسوس تھا جتنا کہ حاضرین کو تھا۔ سیدنا خالدؓ کی ریاست پسندی' جنگ میں جلدبازی اور خود رائی پر سیدنا عمرؓ اکثر باز پرس فرماتے رہتے تھے۔ ابو عبیدہؓ کو ان سب باتوں کا علم تھا۔ اور انہوں نے بہت کوشش کی تھی کہ امیر المؤمنین کی اس ناراضی کو کسی نہ کسی طریقے سے زائل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے معرکہ قنسرین کے بعد بارگاہِ خلافت میں جو خط لکھا تھا اس میں ان کے شاندار کارناموں کی بہت تعریف و تحسین کی تھی۔ اس خط کو پڑھ کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا تھا:

"خالد نے اپنے آپ کو خود امیر بنا لیا! اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے"۔

اسی تعریف و تحسین کے صلہ میں خالدؓ کو قنسرین کی امارت حاصل ہوئی تھی۔

جو قیامت اس وقت سیدنا خالدؓ کے دل پر ٹوٹ پڑی ہو گی اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص جاہلیت اور اسلام میں عزت' خودداری اور بزرگی کا ایک نمونہ تھا۔ جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا تھا' آج وہ خود اپنے ہی عمامے میں جکڑا ہوا ہے حالانکہ اس نے اپنی زندگی میں سینکڑوں بار قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا تھا۔ آج سیدنا بلالؓ ان سے بار بار پوچھ رہے ہیں اور خالدؓ ان کے سوال کا جواب نہیں دے پا رہے۔ اور جب تک خالدؓ اس سوال کا جواب نہیں دیں گے بلال مشکیں کھولنے والے نہیں۔ لیکن خالدؓ آخر خالدؓ تھے۔ وہ اپنے کو اسلامی فوج کا ایک سپاہی سمجھ رہے تھے اور عمرؓ کو امیر المؤمنین۔ چنانچہ جب پھر سیدنا بلالؓ نے وہ سوال دہرایا تو سیدنا خالدؓ نے جواب دیا: "اپنے پاس سے"۔

Marfat.com

تمام حاضرین سیدنا خالدؓ کے منہ سے یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوئے۔ اور اب ہر ایک یہ سمجھ رہا تھا کہ سیدنا خالدؓ قنسرین کی امارت پر واپس چلے جائیں گے۔ سیدنا بلالؓ نے خالدؓ کا جواب سنا تو مشکیں کھول دیں اور ٹوپی ان کے سر پر رکھ دی۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ سے ان کا عمامہ باندھا اور کہا: "ہم اپنے حاکموں کا حکم سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں"۔ مجلس ختم ہو گئی۔ ہر شخص حیرت میں گم اپنی اپنی قیام گاہ طرف مطمئن ہو کر چلا گیا۔ کچھ لوگ سیدنا خالدؓ کے حامی ہو گئے اور کچھ کہہ رہے تھے کہ امیر المؤمنین نے خالدؓ سے اس طرح باز پرس کی ہے جس طرح وہ دوسرے عمال سے کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا خالدؓ کی حیرت ختم نہ ہوئی۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ اگر صرف یہی پوچھنا تھا کہ یہ دس ہزار درہم میں نے مالِ غنیمت میں سے دیے ہیں یا اپنے پاس سے' تو اس کے پوچھنے کا اور طریقہ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑے اجتماع میں جو میری مشکیں کسی گئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی اور بات ہے اور بلا شبہ وہ بہت بڑی بات ہے جس پر ابو عبیدہؓ کی وہ حیرت بھی دلالت کرتی ہے جس نے ان کے لبوں پر مہر سکوت لگا رکھی تھی۔ وہ کبھی خیال کرتے کہ میں اس بارہ میں ابو عبیدہؓ سے پوچھ لوں۔ لیکن وہ خاموش رہے اور اس بارہ میں ابو عبیدہؓ سے کوئی سوال نہ کیا۔

ادھر حمص میں یہ ہو رہا تھا ادھر مدینہ طیبہ میں سیدنا عمرؓ سیدنا خالدؓ کا انتظار فرما رہے تھے انہیں یہ خیال نہ آیا کہ سیدنا ابو عبیدہؓ سیدنا خالدؓ کو معزولی کا حکم پہنچانے میں تکلف سے کام لیں گے یا معزولی کے بعد بھی انہیں بدستور قنسرین میں حکومت کرنے دیں گے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ کو طلبی کا خط لکھا اور جس حکم کو پہنچانے میں سیدنا ابو عبیدہؓ نے تکلف سے کام لیا تھا وہ براہِ راست انہیں بھیج دیا۔ خط پڑھ کر خالدؓ فوری طور پر سیدنا ابو عبیدہؓ کے پاس آئے اور غصے اور محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا: "اللہ آپ پر رحم کرے' آپ نے مجھ سے وہ بات کیوں چھپائی جو میں آج آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں"۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے نہایت لطف و محبت کے لہجے میں جواب دیا: "خدا! میں چاہتا تھا کہ جہاں تک میرے امکان میں ہو میں آپ کو پریشان نہ کروں۔ اور میں یہ خوب سمجھتا تھا کہ اس خبر سے آپ کو پریشانی ہو گی"۔ چنانچہ سیدنا خالدؓ قنسرین گئے اور تمام فوج کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کی شاندار خدمات کو سراہا۔ اور پھر اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو لے کر حمص پہنچے۔ حمص میں بھی ایک تقریر کی اور اہل حمص کو الوداع کہا لیکن ان دونوں

Marfat.com

تقریروں میں سیدنا عمرؓ کے بارہ کوئی برائی کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔ پھر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا خالدؓ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کی تقریر میں یہ بھی کہا کہ ''امیر المؤمنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام فتح کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا''۔ اس فقرہ پر فوج کا ایک سپاہی کھڑا ہو گیا اور کہا ''اے جرنیل! چپ رہ ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے'' سیدنا خالدؓ نے کہا: ''ہاں لیکن عمرؓ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کوئی احتمال نہیں''۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۸۷)

مدینہ میں پہلے ہی اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ خالدؓ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے اظہار ہمدردی بھی کیا ہو۔ لیکن سیدنا خالدؓ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور سیدنا عمرؓ سے کہا: ''میرے معاملہ میں آپ زیادتی کرتے ہیں'' سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''یہ دولت کہاں سے آئی؟ تم ایسے کہاں کے مال دار تھے کہ دس ہزار درہم انعام میں دے دیئے'' سیدنا خالدؓ نے جواب دیا: 'مال غنیمت کے حصول میں سے ساٹھ ہزار سے جو زائد ہو وہ آپ کا''۔ سیدنا عمرؓ نے حساب کیا تو اسی ہزار درہم نکلے۔ ان میں ساٹھ ہزار چھوڑ کر باقی بیس ہزار بیت المال میں جمع کرا دیئے۔ اب خالدؓ مدینہ میں رہنے لگے۔ ایک روز خالدؓ تنہائی میں سیدنا عمرؓ پر ناراض ہوئے اور پھر وہی کہا کہ آپ نے میرے معاملہ میں نا انصافی کی ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ''خالد! اللہ کی قسم! میں تمہاری انتہائی عزت کرتا ہوں اور تمہیں محبوب رکھتا ہوں۔ آج کے بعد تم مجھ سے کسی بات پر ناراض نہ ہو گے'' سیدنا عمرؓ کے اس جواب سے خالدؓ کو اطمینان ہوا۔ ان کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اس کے بعد جب کوئی انہیں سیدنا عمرؓ کی مخالفت پر ابھارنے کی کوشش کرتا تو وہ یہ کہہ کر اس کی بات ٹھکرا دیتے کہ جب تک عمرؓ زندہ ہیں خالدؓ ان کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا'' اور خالدؓ ناراض ہو کر بغاوت کر بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ وہ ایک سپاہی تھے جو نظم وضبط پر ایمان رکھتا ہے۔ پھر وہ ایک صادق الایمان اور مخلص مسلمان تھے اور دین اسلام کی کامیابی ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ چاہے وہ ان کے ہاتھوں عمل میں آئے یا ان کے سوا کسی اور کے ہاتھوں۔ اس بات کا بین ثبوت یہ بھی ہے کہ جب سیدنا خالدؓ کو معزول کیا گیا تو کئی لوگوں کے جذبات کو ٹھیس لگی اور ان کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور انہیں ابھارا کہ وہ خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں اور وعدہ کیا کہ ہم سب آپ کا ساتھ دیں

Marfat.com

گے' لیکن خالدؓ نے اس قسم کے مشورہ کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس وقت انہوں نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا:

انی لا اقاتل فی سبیل عمر و لکن فی سبیل رب عمر

میں عمرؓ کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمرؓ کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔

اس واقعہ سے سیدنا خالدؓ کے اخلاص اور سیدنا عمرؓ کے دبدبے دونوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

روایات میں یہ لکھا ہے کہ سیدنا خالدؓ کو معزول کرنے کے بعد آپ نے اپنے گورنروں اور جرنیلوں کو لکھا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ اس کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے لہٰذا میں نے انہیں معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عراق و شام کی یہ ساری فتوحات خالدؓ کی وجہ سے نہیں بلکہ خالدؓ کے رب کی وجہ سے ہیں۔

یہ بات سیدنا عمرؓ نے اس وجہ سے کہی کہ خالدؓ کی فتوحات اور اس کی پے در پے کامیابیاں جہاں اہل اسلام کے لئے تقویت اور نصرت کا باعث تھیں وہاں یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور سیدنا عمرؓ جانتے تھے کہ فتنے کا سدِباب اگر شروع میں نہ کر دیا جائے تو پھر اس پر قابو پانا ممکن نہیں رہتا۔ بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ خالدؓ جہاں ہو وہاں فتح ضروری ہوتی ہے حالانکہ فتح و نصرت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خالدؓ اگرچہ بہت بڑے جرنیل تھے' نہایت بہادر' حوصلہ مند' نڈر' بے باک اور جنگی علوم و فنون میں نہ صرف ماہر بلکہ یکتائے روزگار تھے لیکن پھر بھی ایک فانی انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہیں۔ وہ جو کچھ چاہتے تھے وہی کچھ ہوتا ہے سیدنا خالدؓ کو معزول کر کے سیدنا عمرؓ نے لوگوں کے ذہنوں سے اس وسوسے کو دور کر دیا کہ خالدؓ کی کمان فتوحات کا سبب ہے۔ چنانچہ سیدنا خالدؓ کی معزولی کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ نہ تو فوجوں کے کہیں قدم رکے اور نہ ہی انہیں کہیں شکست کا سامنا ہوا۔ اس سے مسلمانوں کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ نصرت اور فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ سپہ سالاروں اور لشکروں کی وجہ سے۔

سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ کی معزولی کا جو فیصلہ کیا' تمام صحابہ کرامؓ نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا اور کسی ایک نے بھی صدائے احتجاج بلند نہ کی کیونکہ انہیں سیدنا عمرؓ کی نیک نیتی' دور اندیشی' اخلاص اور ذاتی خواہشات سے مبرا ہونے کا یقین تھا۔ اور یہ بھی نہیں کہا

Marfat.com

جاسکتا کہ وہ لوگ مصلحتاً خاموش ہو گئے ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک غلط کام پر خاموشی بزدلی کا دوسرا نام تھا' اور ایک بہت بڑا اخلاقی جرم بھی۔ وہ تو ایسے لوگ تھے کہ اگر کبھی کوئی کام عدل وانصاف کے خلاف دیکھتے تو بھرے اجتماع میں کہہ دیتے: "اے عمر! ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے اور نہ ہی کوئی بات مانیں گے' جب تک تم ہمیں مطمئن نہ کردو"۔

کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کیوں کرتا جب کہ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"میں خالد بن ولیدؓ اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ کو معزول کردوں گا اس لیے نہیں کہ ان میں کوئی خامی یا نقص ہے بلکہ اس لیے کہ وہ دونوں خود بھی جان لیں اور ساری امت بھی جان لے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کی نصرت فرماتا ہے' اور اس کی نصرت کی حد صرف ان دو حضرات تک محدود نہیں ہے"۔

سیدنا عمرؓ اگرچہ اس بات کے مکلف نہیں تھے کہ اس بات کا اس طرح منبر پر اعلان کریں کیونکہ خلیفۃ المسلمین ہونے کی وجہ سے یہ ان کا استحقاق تھا کہ وہ جس کو چاہیں امیر مقرر کریں اور جس کو چاہیں معزول کریں' لیکن وہ لوگوں کے دلوں میں سوء ظن پیدا ہونے کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کیا تو ان کے بارہ میں لوگوں کے ذہنوں سے سوء ظن نہ پیدا ہونے دینے کے لئے فرمایا کہ میں نے ان کو کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ حالات کے تقاضا کے تحت ایسا کیا۔ لہٰذا آپ کے یہ الفاظ سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا مثنیٰ شیبانیؓ کی معزولی کے وقت اس شک اور سوء ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ سیدنا عمرؓ نے ان دونوں کو کسی ذاتی وجہ کی بنا پر معزول کیا ہوگا۔ جب ان دونوں جرنیلوں کے پاس بارگاہِ خلافت سے معزولی کے پروانے پہنچے تو انہوں نے کمال اطاعت اور وفاداری کا مظاہرہ کیا۔

سیدنا خالدؓ اور سیدنا عمرؓ دونوں حضرات اپنی اپنی رائے اور موقف کے حق میں دلائل رکھتے تھے۔ دونوں کے پیش نظر اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے اس فیصلہ میں یہ بھی بتادیا بلکہ یہ اصول طے کردیا کہ اسلامی حکومت میں امیر المؤمنین سربراہ مملکت ہونے کے ناطے نہ صرف انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے بلکہ فوجوں کا سپریم کمانڈر بھی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ بیت المال کا بھی ناظم اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور یہ اصول بھی آپ نے طے کیا کہ سربراہ مملکت اور فوج کے سپہ سالار کے درمیان اختلاف

Marfat.com

رائے کی صورت میں بالا دستی سربراہِ مملکت کے فیصلہ کو ہوتی ہے اور قوتِ نافذہ امیر المؤمنین ہے نہ کہ کوئی اور۔

ان دونوں حضرات کے اخلاص اور للّٰہیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سیدنا خالدؓ کو معزول کرنے کے بعد نہ تو انہیں قید کیا گیا اور نہ ہی ان کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی لگائی گئی۔ نہ ہی انہیں جلاوطن کیا گیا اور نہ ہی ان کی کردار کشی کی گئی۔ اور اسی طرح سیدنا خالدؓ نے نہ تو سیدنا عمرؓ پر کوئی الزام لگایا' نہ خلیفہ وقت کے خلاف کوئی سازش کی اور نہ ہی خلیفہ کے خلاف کوئی ایسی بات منسوب کی جو ان کے اندر نہیں تھی' اور نہ ہی کوئی خفیہ اجتماعات منعقد کیے۔ اس معزولی کا عوام الناس پر بھی کوئی ردِ عمل نہیں ہوا کہ انہوں نے امیر المؤمنین کی تائید یا مخالفت میں مظاہرے کیے. یا سیدنا خالدؓ کی مدح اور مذمت میں جلسے منعقد کیے یا انہوں نے سیدنا خالدؓ کی بحالی یا ان کے خلاف مقدمہ چلانے کا کوئی مطالبہ کیا ہو۔ ان میں سے کوئی بھی واقعہ رونما نہیں ہوا بلکہ مملکت کے سارے معاملات نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ چلتے رہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بڑا حادثہ رونما نہیں ہوا حالانکہ در حقیقت یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا' البتہ سیدنا خالدؓ کی معزولی پر ان کے چچازاد بھائی عمرو بن حفص نے غصے سے سیدنا عمرؓ سے کہا: "اے عمر! بخدا! تم نے انصاف نہیں کیا۔ تم نے اس شخص کو معزول کیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان سونپی تھی۔ تم نے اس تلوار کو نیام میں بند کر دیا ہے جسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بے نیام کیا تھا۔ تو نے حسد کیا ہے اور اپنے بھائی کے ساتھ قطع رحمی کا مظاہرہ کیا ہے"۔ سیدنا عمرؓ میں قوتِ برداشت بہت تھی۔ وہ ہر شخص کی بات بڑے تحمل سے سنتے اور پھر اس کا تسلی بخش جواب دیتے۔ آپ نے بڑے سکون سے عمرو بن حفص کی اس بات کا جواب دیا۔ فرمایا: "تم خالدؓ کے قریبی ہو' نوجوان ہو' چچازاد بھائی کے بارہ میں جذباتی ہو رہے ہو' لیکن تمہاری اس بات میں کوئی صداقت نہیں"۔

سیدنا عمرؓ نے اگرچہ ملکی مصالحت کی خاطر سیدنا خالدؓ کو معزول کر دیا لیکن اس کے بعد ان کے رتبہ کے مطابق ان سے کئی کام لیے اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ معزولی کے بعد رہاء' حران' آمد اور لرتہ کا گورنر مقرر فرمایا لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷) شاید یہ کام ان کے مزاج کے موافق نہ تھا۔

Marfat.com

سیدنا خالد بن ولیدؓ معزول ہونے کے بعد مجد و شرف کے میدانوں سے دور چار برس تک زندہ رہے۔ یہ غم ان کے دل کو کھائے جاتا تھا کہ ان کے بھائی فلسطین سے مصر اور عراق سے فارس تک بڑھتے چلے جارہے ہیں اور وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان کی تلوار جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلیفہ ابو بکرؓ نے بے نیام کیا تھا' اب نیام میں ہے۔ گھر میں بیٹھنے والی زندگی ان کے لیے اکتا دینے والی زندگی تھی۔ چنانچہ یہ غم والم ان کو گھن کی طرح روز بروز کھائے جارہا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا: "میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب و مرغوب نہیں جتنا جہاد۔ مجھے وہ رات اپنی زندگی کی سب سے زیادہ خوشگوار رات محسوس ہوتی ہے جو سخت ٹھنڈی اور بظاہر سخت تکلیف دہ تھی۔ اور مہاجرین کا ایک لشکر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے منتظر تھا۔ اگلی صبح دشمنوں سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ پس جہاد کو اپنے اوپر لازم کرلو"۔

اکثر ذوقِ جہاد میں فرمایا کرتے تھے: "مجھے میدانِ جنگ کی سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہم کنار ہو"۔ (استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۸)

غرض کہ سیدنا خالدؓ چار برس کی تلخیاں سہنے کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انہوں نے کہاں وفات پائی؟ اس بارہ میں مختلف روایات ہیں۔ مشہور روایت یہ ہے کہ سیدنا خالدؓ نے حمص سے ایک میل دور ایک گاؤں میں وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ سیدنا خالدؓ معزولی کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور پھر شام چلے گئے۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔ لیکن یہ روایت درست نہیں کیونکہ صحیح روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ ان کے جنازہ میں شریک تھے۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰' مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷) اور ویسے بھی روایت میں ہے کہ سیدنا خالدؓ کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ وہ اپنی والدہ سے ملنے شام سے مدینہ آئے جب وہاں سے واپسی کے لئے باہر نکلے تو بیمار ہو گئے۔ پھر اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے میرے دارالہجرت واپس لے چلو۔ ان کی والدہ انہیں مدینہ لے آئیں۔ اور یہاں ان کا انتقال ہو گیا۔

سیدنا خالدؓ نے آخری ایام میں فرمایا: "میں جنگ کے میدانوں میں شہید ہونا چاہتا تھا لیکن میری قسمت میں یہی لکھ دیا گیا تھا کہ موت کا استقبال اپنے بستر پر کروں"۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کا آخری وقت آیا تو بہت روئے اور فرمایا:

"میں نے بڑے بڑے معرکوں میں شرکت کی اور میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس پر تلوار' نیزے یا تیر کا زخم نہ ہو' لیکن اب میں اپنے بستر پر طبعی موت مر رہا ہوں۔ جس طرح گورخر مرتا ہے"۔

سیدنا خالدؓ انتقال تو کر گئے لیکن ان کی وفات سب مسلمانوں کو سوگوار کر گئی۔ خاص طور پر امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کا تو برا حال تھا۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے سیدنا خالدؓ کی والدہ کو اپنے بیٹے کے غم میں یہ شعر پڑھتے سنا ؎

انت خیر من الف الف من القوم

اذا کبت وجوہ الرجال

(تو قوم کے لاکھوں آدمیوں سے بہتر تھا جب لوگ زمین پر اوندھے منہ گر پڑتے تھے)

تو فرمایا: اللہ کی قسم! آپ نے سچ کہا، ابو سلیمان (سیدنا خالدؓ کی کنیت) ایسے ہی تھے۔

ہشام بن بختری ایک مرتبہ بنو مخزوم کے چند لوگوں کے ساتھ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ہشام! مجھے وہ شعر سناؤ جو تم نے خالدؓ کے متعلق کہے ہیں" ہشام نے اپنے بہترین شعر سنائے' جب وہ اپنے اشعار پڑھ چکا تو امیر المؤمنین نے فرمایا: "تم نے ابو سلیمان کی توصیف و تعریف کا حق ادا نہیں کیا۔ وہ شرف و عظمت کا مینار تھے۔ اپنے عزیزوں سے محبت کرتے تھے جو کوئی ان کی موت پر خوش ہو گا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا مستوجب قرار پائے گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز سیدنا عمرؓ کی مجلس میں سیدنا خالدؓ کا ذکر چھڑ گیا۔ سیدنا عمرؓ نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر فرمایا: "بخدا! وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک روک اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے۔ اور ان کا نفس پاک تھا"۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا: "پھر آپ نے انہیں معزول کیوں کیا؟" سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "میں اپنے کیے پر نادم ہوں"۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سیدنا خالدؓ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمرؓ حج پر تشریف لے گئے تھے اور پختہ ارادہ فرما چکے تھے کہ حج سے واپسی پر خالدؓ کو ان کے عہدے پر بحال کر دوں گا"۔ لیکن جب واپس ہوئے تو سیدنا خالدؓ کا انتقال ہو گیا۔"

سیدنا خالدؓ نے اپنی وفات کے بعد جو وصیت فرمائی اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ باوجود معزولی کے سیدنا خالدؓ اور سیدنا عمرؓ کے تعلقات باہم خوشگوار تھے۔ چنانچہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ "ان کے بال بچوں اور جائیداد اور وراثت کی تقسیم سیدنا عمرؓ کریں گے۔ اگر

Marfat.com

ان دونوں میں تعلقات خوشگوار نہ ہوتے تو سیدنا خالدؓ انہیں اپنی اولاد کا سرپرست کبھی نہ بناتے۔

بہر حال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا خالدؓ اور سیدنا عمرؓ دو ایسی عظیم الشان ہستیاں تھیں جن کی نظیر انسانوں میں بہت کم ملتی ہے۔ اگر یہ دونوں سلطنت کی تعمیر و ترقی اور سیاست و حکومت میں آخر تک ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تو فتوحات کی رفتار اور بھی تیز اور سلطنت کا دائرہ اور بھی وسیع و عریض ہو جاتا۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا کہ ہمارا یہ منصب نہیں ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کا موازنہ کرتے پھریں اور ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں کھڑا کرنے کی جسارت کریں۔ وہ اپنی پاکیزہ زندگیاں گذار کر اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ ان کے دلوں میں کسی کے بارہ میں کوئی بغض و کینہ نہ تھا۔ ہم ان کے خوشہ چین ہیں نہ کہ ان پر تنقید کرنے والے۔ کسی شخص کا تنقیدی جائزہ وہی شخص لے سکتا ہے جو ان سے زیادہ عالم' زیادہ سمجھ دار اور دین واخلاق میں ان کے برابر' یا بلند تر درجے پر ہو۔ بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ جو لوگ صحابہ کرامؓ پر تنقید کرتے ہیں اور جو لوگ آزادی اظہار کا نام لے کر زہریلے تیر چلانا شروع کر دیتے ہیں' ان کی ہر حرکت کا نوٹس لیں۔ اللہ تعالیٰ خالدؓ اور سیدنا عمرؓ دونوں پر اپنی رحمت کے پھول برسائے۔ وہ تقدیر کی غیر معمولی قوتوں میں سے دو قوتیں تھے۔ جب وہ قوتیں پھیلیں تو ایران وروم کی سلطنتیں تنگ ہو گئیں۔ اس کے بعد یہ دونوں قوتیں آپس میں ٹکرائیں اور یہ بات ضروری ہو گئی کہ ان میں سے ایک قوت سمٹ کر دوسری کو پوری طرح پھیلنے کا رستہ دے دے۔ الحمد للہ! سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سمٹنے والی قوت بننا منظور کر لیا۔ (اور یہی صحابہ کرامؓ کی ایک خصوصیت تھی) کہ تصادم کہیں دونوں قوتوں کو فنا نہ کر دے۔ اللہ کا شکر ہے کہ سمٹاؤ کی یہ گھڑی اس وقت آئی جب مسلمان عراق اور شام میں اپنے اقتدار' اور اپنے قائم کیے ہوئے عدل وانصاف اور اپنی مستحکم سیاست کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو چکے تھے۔ اور اب عرب کے علاوہ عراق وشام بھی ان کا اپنا مستقر ہو گیا تھا۔

عرب میں قحط

۱۷ھ کا آخر تھا کہ مدینہ اور جزیرہ نمائے عرب میں قحط پڑ گیا۔ اس قحط میں کھیتیاں تباہ اور مویشی ہلاک ہو گئے' اور لوگوں کو سخت تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ قحط کی وجہ یہ

Marfat.com

ہوئی کہ عرب میں نو ماہ تک پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی۔ اس لیے دور دور تک ریت ہی ریت نظر آتی۔ جب ہوا چلتی تو پوری فضا گرد آلود ہو جاتی اور ریت اڑ اڑ کر لوگوں کے منہ پر پڑتی۔ اس لیے لوگوں نے اس سال کا نام "عام الرمادہ" یعنی ریت والا سال رکھ دیا۔

کھیت کھلیان جل جانے کی وجہ سے جانوروں کے لئے کوئی چارہ نہ رہا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہونا شروع ہو گئے۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ مر گئے اور جو بچ رہے انہیں سوکھا لگ گیا۔ بازار سونے پڑ گئے۔ لوگوں کے ہاتھ میں غلہ خریدنے کے لئے رقم ہوتی لیکن غلہ ناپید تھا۔ قحط کی ابتداء میں مدینہ والوں کی حالت قدرے بہتر تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ والوں میں شہریت کا شعور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے ضروریات زندگی کا کچھ ذخیرہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن دیہاتی لوگوں کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا اس وجہ سے انہوں نے بھوک پیاس سے تنگ آ کر مدینہ کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ اور مدینہ میں پناہ لینے والوں کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اب مدینہ والے بھی قحط کی ابتلاء سے دوچار ہو گئے۔

سیدنا عمرؓ نے اس نازک موقع پر جس طرح اپنی ذمہ داری کو نبھایا وہ پوری دنیا میں ایک مثال اور نمونہ ہے۔ آپ نے عرب کے باشندوں کی مدد کے لئے عراق اور شام کے گورنروں کو خط لکھے اور ان خطوط کے الفاظ سیدنا عمرؓ کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلے ہوئے تھے۔ آپ اپنے فرض کی بطریقِ احسن ادائیگی کے لئے حد درجہ پریشان اور بے چین تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ رعایا کے ایک ایک فرد کے لئے وہ خدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہیں۔ چنانچہ آپ نے فلسطین کے گورنر سیدنا عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا: "سلام علیک: امابعد: کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھو گے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں گے۔ لہٰذا امداد! مدد!! مدد!!!" سیدنا عمرو ابن عاصؓ نے اس خط کے جواب میں لکھا: "اطمینان رکھیے، میں ایک ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا ایک سرا آپ کے پاس ہو گا اور دوسرا میرے پاس"۔

اسی قسم کے خط آپ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ اور سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور عراق و شام کے دوسرے گورنروں کو بھی لکھے۔ ان سب کے جوابات ویسے ہی پہنچے جیسے سیدنا عمرو بن عاصؓ کے تھے۔

گورنروں کے خطوط کے جوابات کے بعد سب سے پہلے غلہ کی کھیپ سیدنا ابو

Marfat.com

عبیدہؓ لے کر آئے۔ چار ہزار اونٹ غذا کے سامان سے لدے وہ خود لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ آپ اس غذائی سامان کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ اور مدینہ کے ارد گرد پڑے ہوئے قحط زدہ لوگوں میں تقسیم کرنے کا کام بھی انہی کے سپرد فرمایا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ چار ہزار درہم انہیں دے دیے جائیں۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے یہ درہم لینے سے انکار کیا لیکن سیدنا عمرؓ نے فرمایا یہ لے لو۔ جب تم نے اسے طلب نہیں کیا تو لینے میں کوئی حرج نہیں۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے فلسطین سے اونٹوں اور ابلہ (موجودہ عقبہ) کی بندرگاہ سے جہازوں پر سامان غذا بھیجا۔ آٹے اور گھی سے بھرے ہوئے بیس جہاز بذریعہ سمندر آئے اور آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ خشکی کے راستے سے مدینہ پہنچے۔ سیدنا معاویہؓ نے شام سے تین ہزار اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے عراق سے ایک ہزار اونٹ غلے کے بھیجے۔ علاوہ ازیں سیدنا عمرو بن عاصؓ نے پانچ ہزار کمبل اور سیدنا معاویہؓ نے تین ہزار چغے بھیجے۔

باہر سے جس قدر غذائی سامان آیا اس کی تقسیم کے لئے مختلف شہروں اور صحرائی علاقوں میں تو آپ نے مختلف آدمی مقرر فرمائے اور مدینہ والوں کی' جن میں ادھر ادھر سے آئے ہوئے ہزاروں اور لوگ بھی تھے' خیر گیری خود اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر لوگوں کو دیکھتے کہ کوئی بھوکا تو نہیں سویا۔ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک روز چھوڑ کر جانور ذبح کر کے ان کا گوشت ثرید میں رکھ دیتے تھے۔ جو غذا لوگ کھاتے امیر المؤمنین ان کے ساتھ مل کر وہی غذا کھاتے۔ جب عراق وشام سے اونٹ آ گئے تو روزانہ اپنے دستر خوان کے لیے بیس جانور ذبح کراتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ بعض دفعہ آپ کے دستر خوان پر دس دس ہزار آدمی ہوتے۔ اور جو آپ کے دستر خوان تک نہ پہنچ پاتے ان کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ چالیس ہزار کی تعداد بھی کتابوں میں آئی ہے۔ جو لوگ خود کھانا پکا سکتے تھے ان کے گھروں میں آٹا' روغن زیتون اور کھجوریں اور گوشت بھیج دیتے تھے۔ جب کبھی دیکھتے کہ غذا لوگوں کی ضرورت کے لئے ناکافی ہے تو جس گھر میں جتنے لوگ ہوتے اتنے ہی اور شامل کر دیتے تاکہ وہ آدھا آدھا راشن بانٹ لیں۔

قحط کے زمانہ میں سیدنا عمرؓ نے اپنی ذات سے زیادہ لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھا ایک روز آپ کے پاس گھی میں گوندھی ہوئی روٹی آئی۔ آپ نے ایک بدو سے شریکِ طعام ہونے کے لئے فرمایا۔ جس طرف گھی تھا وہ بدو اس طرف سے بڑے بڑے لقمے لینے لگا۔

Marfat.com

یہ دیکھ کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کبھی گھی نہیں کھایا"۔ اس نے کہا: "ہاں۔ میں نے فلاں فلاں دن سے آج تک گھی یا تیل نہیں کھایا اور نہ ہی کسی کو کھاتے دیکھا"۔ سیدنا عمرؓ نے اسی وقت قسم کھائی کہ جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں وہ گوشت اور گھی کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ آپ نے اپنی اس قسم کو پورا کیا۔ آپ اپنے اس عہد پر اس شدت سے قائم رہے کہ ایک دفعہ بازار میں گھی اور دودھ بکنے کے لئے آ گیا اور آپ کے غلام نے چالیس درہم میں خرید لیا۔ وہ یہ دونوں چیزیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم پوری کی۔ بازار میں دودھ اور گھی آ کر بکنے لگا اور میں چالیس درہم کا خرید کر لے بھی آیا۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "تم نے بہت گراں خریدا ہے۔ انہیں خیرات کر دو، میں اس فضول خرچی کا روادار نہیں" پھر فرمایا: "مجھے لوگوں کی تکلیف کا کیسے احساس ہو سکتا ہے جب تک کہ میں ان کی مصیبت میں شریک نہ ہوں"۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عام الرمادۃ میں ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا حالانکہ وہ سرخ و سفید رنگت کے مالک تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ قحط میں انہوں نے گھی اور دودھ کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ قحط دور نہ ہوتا تو عمرؓ مسلمانوں کے غم میں جان دے دیتے۔ اس سلسلہ میں ابن سعد نے طبقات میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قحط کے دنوں میں آپ اپنی ذات اور اپنی اولاد پر زیادتی کر کے لوگوں کو ہر قسم کی سہولت فراہم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت اقدس میں گوشت پیش کیا گیا جس میں گھی پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ سالن ہے" ایک دفعہ اپنے ایک لڑکے کے ہاتھ میں تربوز دیکھا اور فرمایا: "واہ امیر المؤمنین کے بیٹے! تم پھل کھا رہے ہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت بھوکی مر رہی ہے" لڑکا روتا ہوا بھاگ گیا۔ سیدنا عمرؓ یہ معلوم کر کے خاموش ہو گئے کہ اس نے یہ تربوز مٹھی بھر کھجوروں کے عوض خریدا تھا۔ ایک مرتبہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے دیکھا کہ آپ چمڑے کے دو تھیلے اور روغن زیتون کا کنستر اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ چند قحط زدہ لوگ نظر آئے تو ان کے لئے کھانا تیار کیا جو انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔

سیدنا عمرؓ قحط کے ان دنوں میں اپنی طاقت سے بڑھ کر قحط کی ہلاکت آفرینیوں کا زور توڑتے رہے لیکن جب اعانت کی راہیں تنگ ہو گئیں اور جزیرہ نمائے عرب میں بیماری اور موت نے شدت اختیار کر لی تو اب سیدنا عمرؓ کو اللہ کے دامانِ رحمت کے سوا اور کوئی پناہ نظر

Marfat.com

نہ آئی۔ جتنا عرصہ ملک میں قحط رہا آپ کا یہ معمول تھا کہ عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں چلے جاتے اور پوری رات نماز پڑھتے اور اور اللہ تعالیٰ سے رورو کر دعا مانگتے کہ وہ ان کے ہاتھوں امت مسلمہ کو ہلاک نہ کرائے۔ اب آپ نے نماز استقاء کا فیصلہ فرمایا اور تمام گورنروں کو لکھ بھیجا کہ فلاں روز لوگوں کو لے کر باہر نکلو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگو کہ وہ ان پر سے قحط کی اس بلا کو دور فرمائے۔ اس روز وہ خود لوگوں کو لے کر نکلے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رداء مبارک آپ کے جسم پر تھی۔ نماز کے اختتام پر انہوں نے اور تمام مسلمانوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نہایت تضرع اور زاری سے دعائیں مانگیں۔ سیدنا عمرؓ تو دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ سیدنا عباسؓ آپ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: ''اے اللہ! ہم تیرے رسولؐ کے چچا کو تیرے حضور وسیلہ بناتے ہیں'' سیدنا عباسؓ نے بھی اپنے پروردگار سے دعا مانگی۔ دونوں حضرات کی آنکھوں سے آنسو موسلادھار بارش کی طرح رواں تھے۔ آخر اللہ نے اپنے مومن بندوں کی سن لی اور دھواں دھار بارش کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے۔ پیاسی زمین سیراب ہو گئی۔ اور اس نے اپنا خاکستری لبادہ اتار کر ہرا لباس پہن لیا۔ جب حالات ٹھیک ہو گئے تو سیدنا عمرؓ نے اب ان لوگوں کو جو باہر سے مدینہ میں آئے ہوئے تھے، فرمایا: ''جاؤ، اپنے اپنے وطن کو واپس جاؤ''۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ لوگ مدینہ کی زندگی کو عیش و آرام کی زندگی سمجھ کر کہیں وہیں نہ رہ پڑیں۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے شہروں میں جا کر معمول کی زندگی بسر کرنے لگے۔

اس قحط کے زمانے میں سیدنا عمرؓ نے دنیا کے فرمانرواؤں کو جو اصول دیا وہ یہ تھا کہ ایک فرمان روا کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو عوام کی زندگی کے برابر رکھے تاکہ اس کا شعور غریبوں، کمزوروں اور محتاجوں کے شعور کے ہم آہنگ ہو جائے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اسی دستر خوان پر کھانا کھاتے جس پر عام لوگ کھانا کھاتے۔ اس سے ان کے دو مقصد ہوتے۔ ایک یہ کہ انہیں لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہو جائے اور دوسرا یہ کہ عوام کو اطمینان ہو جائے کہ امیر المومنین مصائب اور تکالیف میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور ان کے جذبات مشتعل نہ ہوں۔ جب انہیں یہ پتہ چلے گا کہ حکومت کا سب سے بڑا آدمی بھی ان کا ساتھ دے رہا ہے تو انہیں اپنی تکلیف کا احساس کم ہو گا۔

Marfat.com

طاعون عمواس

قحط ابھی پوری طرح ختم نہ ہونے پایا تھا کہ شام میں طاعون کے پھوٹنے اور پھر اس کے عراق تک پہنچ جانے کی خبر نے سیدنا عمرؓ کو بے چین کر دیا۔ ہوا یہ کہ فلسطین کے ایک شہر عمواس میں طاعون پھیلا اور پھر اس کے جراثیم نے پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینوں تک اس کی نہایت شدت رہی۔ اور پچیس ہزار مسلمان اس سے لقمہ اجل ہو گئے جن میں بڑے بڑے جرنیل بھی تھے جن میں زیادہ مشہور سیدنا ابو عبیدہؓ 'یزید بن ابی سفیانؓ 'حارثؓ بن ہشام 'سہیلؓ بن عمرو' معاذ بن جبلؓ' عتبہؓ بن سہیل اور اسی مرتبہ کے سینکڑوں اور مجاہدین تھے جنہیں موت میدانِ جنگ میں تو پچھاڑ نہ سکی لیکن طاعون نے انہیں اپنی بھینٹ چڑھالیا۔ حارث بن ہشام اپنے خاندان کے ستر افراد کے ساتھ مدینہ سے شام گئے تھے لیکن ان میں سے صرف چار بچے اور باقی اس بلائے بے درمان کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی اولاد میں سے چالیس آدمی اس کا لقمہ بنے۔ اس تباہی نے لوگوں میں وحشت اور دہشت پیدا کر دی۔ جب عمواس میں طاعون کا بھرپور حملہ تھا اس وقت اگر عیسائی مسلمانوں پر حملہ کر دیتے تو مسلمان ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے 'لیکن رومیوں کو یہ خوف تھا کہ اگر اس وباء کے جراثیم ہم میں آگئے تو ہم بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے' لہٰذا اس نازک موقع پر انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سیدنا عمرؓ شام جانے کا ارادہ فرما چکے تھے تاکہ فتح کے بعد اس کا نظم و نسق صحیح اصولوں پر استوار کیا جائے۔ جب آپ "سرغ" کے مقام پر پہنچے تو اسلامی فوج کے سپہ سالاران سیدنا ابو عبیدہؓ' سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ اور سیدنا شرجیل بن حسنہؓ وغیرہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ طاعون کی شدت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ سیدنا عمرؓ یہ خبر سن کر بہت پریشان ہوئے اور مہاجرین و انصار کو بلا کر مشورہ کیا کہ شام کا سفر جاری رکھا جائے یا واپس مدینہ جانے کا فیصلہ کیا جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ سیدنا عمرؓ نے اب ان مہاجرین کو جمع کیا جو فتح مکہ کے وقت موجود تھے اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ ان سب نے متفقہ طور پر مشورہ دیا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے واپسی کا حکم دے دیا اور سیدنا عباسؓ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ صبح ہوتے ہی سامان سفر تیار

Marfat.com

کرلیں۔ نمازِ فجر کے بعد سیدنا عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا: "میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلو" سیدنا ابو عبیدہؓ نے عرض کی: "امیر المؤمنین! قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ابو عبیدہ! کاش یہ بات کوئی اور کہتا، ہاں میں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگ رہا ہوں" (افرّ من قضاء الله الىٰ قضاء الله)۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس مدینہ آ گئے اور سردارانِ لشکر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔ مدینہ میں سیدنا عمرؓ نے وبا کے بارہ میں کچھ غور و فکر کرنا شروع کیا کہ مسلمانوں کو طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے۔ امیر المؤمنین کو سیدنا ابو عبیدہؓ کی بہت فکر تھی۔ آخر "امین الامت" تھے۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ سیدنا عمرؓ کو سیدنا ابو عبیدہؓ کی زندگی اس لیے بھی عزیز تھی کہ وہ انہیں اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے سیدنا ابو عبیدہؓ کو وبا کے گرداب سے نکالنے کے لئے خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے:

"سلام کے بعد، مجھے ایک ضرورت پیش آ گئی ہے جس کے بارہ میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا سخت تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ کو میرا یہ خط موصول ہو فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں"۔

سیدنا ابو عبیدہؓ مارشل آدمی تھے۔ آپ ساری زندگی اطاعتِ امیر کے پابند رہے، لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ سیدنا عمرؓ صرف اس لئے مدینہ بلا رہے ہیں کہ مجھے اس طاعون زدہ علاقہ سے نکالا جا سکے۔ چنانچہ خط پڑھ کر انہوں نے ساتھیوں سے فرمایا کہ "میں امیر المؤمنین کی ضرورت جان گیا ہوں۔ وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔ (انه یرید ان یستبقی من لیس بباق)۔ یہ کہہ کر سیدنا عمرؓ کو یہ جواب لکھا:

"امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بلایا ہے وہ مجھے پتہ چل گئی ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کے لئے میں اپنے قلب میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا۔ لہٰذا میں ان لوگوں کو تنہا چھوڑ کر اس وقت تک نہیں آنا چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارہ میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا لہٰذا مجھے، اے امیر المؤمنین! اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرمائیں اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیں۔"

سیدنا عمرؓ نے جب اپنے خط کا یہ جواب پڑھا تو آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ پاس بیٹھے

Marfat.com

لوگوں نے سیدنا عمرؓ کو جو آبدیدہ دیکھا تو پوچھا: "کیا ابو عبیدہؓ کی وفات ہو گئی؟" سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ہوئی تو نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہونے والی ہے"۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا ابو عبیدہؓ کو دوسرا خط لکھا کہ "آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں واقع ہے۔ اب انہیں کسی بلند جگہ پر لے جایئے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔ یہ خط سیدنا ابو عبیدہؓ کو پہنچا تو انہوں نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ آپ کوئی اچھی سی جگہ تلاش کریں جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھیرایا جا سکے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں جگہ کی تلاش میں جانے کے لئے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ میں نے واپس آ کر سیدنا ابو عبیدہؓ کو بتایا۔ انہوں نے خود جگہ کی تلاش میں جانے کے لئے اونٹ پر کجاوا کسوایا۔ ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا اور آپ اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر عالمِ جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

طاعون میں شہید ہونے والے لوگوں میں سیدنا معاذ بن جبلؓ بھی تھے۔ سیدنا معاذؓ انصاری صحابی ہیں اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں صحابہ کرامؓ میں حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔ (ترمذی حدیث نمبر ۳۷۹۳) اور اسی کتاب کی حدیث نمبر ۳۷۹۷ میں فرمایا کہ "معاذ بن جبلؓ اچھے آدمی ہیں"۔ سیدنا عمرؓ کو سیدنا معاذ بن جبلؓ سے بہت تعلق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ:

عجزت النساء ان یلدن مثل معاذ (سیر اعلام النبلاء ذہبی جلد ۱ ص ۴۵۲)

عورتیں معاذؓ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔

نہایت زاہد صحابی تھے۔ تاریخ اسلام میں ان کے زہد کے بے شمار واقعات مرقوم ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابنِ سعد جلد ۳ ص ۴۰۱، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۲۴۷، سیر اعلام النبلاء جلد ۱ ص ۴۵۶)

سیدنا ابو عبیدہؓ جب طاعون میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو اپنے بعد شام کی حکومت کے لئے نامزد کیا۔ اس زمانہ میں طاعون نہایت تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا۔ اس موقع پر سیدنا معاذؓ نے لوگوں کو سنایا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے۔ وہ تمہارے ہاتھ پر فتح بھی ہو گا اور وہاں ایک ایسی بیماری ظاہر ہو گی جو پھوڑے یا گٹھلی کی طرح ہو گی . . . . اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو شہادت عطا فرمائیں گے اور تمہارے اعمال کا تزکیہ فرمائیں گے"۔

Marfat.com

اس کے بعد سیدنا معاذؓ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اگر معاذؓ نے واقعتہً یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو اسے اور اس کے گھر والوں کو بھی اس فضیلت سے حظ وافر عطا فرما۔ دعا قبول ہو گئی۔ طاعون ان کے گھر میں داخل ہو گیا اور سیدنا معاذؓ کے گھر کا کوئی فرد اس سے نہیں بچا۔ سیدنا معاذؓ کو طاعون کی گٹھلی شہادت کی انگلی میں نکلی۔ آپ اسے دیکھ کر فرماتے:

"اگر کوئی اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دے تو وہ مجھے پسند نہیں"۔

(مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۱۱)

سیدنا معاذؓ کو طاعون میں مبتلا دیکھ کر ایک صاحب رونے لگے۔ سیدنا معاذؓ نے پوچھا: "کیوں روتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "میں اس علم پر رو رہا ہوں جو میں آپ سے حاصل کرتا تھا"۔ فرمایا: "میرے مرنے کے بعد چار افراد کے پاس علم تلاش کرنا: سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا سلمان فارسیؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہم"۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۱ ص ۴۵۹، مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۰۱۶۴)

سیدنا معاذ ابن جبلؓ نے اپنا قائم مقام سیدنا عمرو بن العاصؓ کو بنایا۔ وباء اپنے پورے زوروں پر تھی اور فوج میں ایک انتشار کی کیفیت تھی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک تقریر فرمائی کہ "وباجب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ لہٰذا پہاڑوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچاؤ"۔ چنانچہ لوگ پہاڑوں پر چلے گئے یہاں تک کہ وبا کا نہ صرف زور ختم ہوا بلکہ بالکل ہی ختم ہو گئی۔ سیدنا عمرؓ کو جب سیدنا عمرو بن عاصؓ کی اس تدبیر کا علم ہوا تو آپ نے اس کو اپنے حکم کی تعمیل قرار دیا جو سیدنا ابو عبیدہؓ کو بھیجا گیا تھا، لیکن یہ تدبیر اس وقت کی گئی جب ۲۵ ہزار آدمی اس طاعون کی بھینٹ چڑھ گئے تھے جو آدھی دنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور ان کا مال واسباب مارا مارا پھرتا تھا۔

وباء ختم ہونے کے بعد سیدنا عمرؓ نے شام کے سفر کا عزم فرمایا کیونکہ اسلامی لشکر کی کثیر تعداد جن میں بڑے بڑے جرنیل بھی شامل تھے لقمہ اجل ہو جانے کے بعد شام کی فتح ناخوشگوار نتائج سے دوچار ہو سکتی تھی کیونکہ رومی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے۔ علاوہ ازیں میراث کے جھگڑوں نے وہاں اقتصادی نظام میں گڑبڑ پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ آپ سیدنا علیؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ سے ایلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایلہ پہنچ کر اپنی سواری غلام کو دے دی اور خود کسی مصلحت سے اس کے اونٹ پر

سوار ہو گئے۔ راستہ میں جو لوگ دیکھتے وہ پوچھتے کہ "امیر المؤمنین کہاں ہیں؟" فرماتے: "تمہارے آگے" اس طرح ایلہ پہنچے۔ یہاں شہر کے پادری کو بلایا اور اسے اپنا کرتا دے کر کہا: "یہ طوالت سفر سے پھٹ گیا ہے اسے دھو کر پیوند لگا دو"۔ پادری نے کرتا دھو کر خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اسی طرح کا ایک نیا کرتا بھی سلوا دیا۔ یہ دونوں کرتے لے کر وہ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے اپنا کرتا پہن لیا اور دوسرا کرتا واپس کرتے ہوئے فرمایا: "یہ پسینہ زیادہ جذب کرتا ہے"۔

سیدنا عمرؓ ایلہ سے چل کر جابیہ پہنچے۔ وہاں شام کے مختلف عمال نے حاضر خدمت ہو کر اپنی رودادیں بیان کیں۔ پھر آپ نے قریباً تمام شام کا دورہ فرمایا اور ہر ضلع میں دو دو چار چار دن قیام فرما کر مناسب انتظامات کیے۔ مسلمانوں کے معاملات کی چھان بین کی شام کی سرحدوں اور لشکر گاہوں کو مستحکم کیا۔ غذا کی تقسیم کا از سر نو انتظام کیا اور فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ ان سب معاملات سے فارغ ہو کر ترکے تقسیم کیے اور مرنے والوں کا ترکہ ان کے مستحقین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پہنچایا۔ چنانچہ سابقہ نظام بحال ہو گیا اور رومیوں نے دوبارہ شام پر قبضہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ سیدنا ابو عبیدہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے انتقال سے جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں ان دونوں کی جگہ پر سیدنا شرحبیل بن حسنہؓ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کو گورنر مقرر کیا تھا لیکن شام کے سفر سے واپسی پر جب آپ جابیہ ٹھہرے تو آپ نے شرحبیل بن حسنہؓ کو ان کی خدمات سے معزول کر دیا' اور ایک تقریر میں اعلان فرمایا: "بخدا! میں نے شرحبیلؓ کو کسی ناراضگی کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ میں ایک ایسے شخص کو حکومت سپرد کرنا چاہتا ہوں جو ان سے زیادہ قوت اور طاقت کے ساتھ حکومت کرے۔ یہ درست ہے کہ شرحبیلؓ ایک نہایت تجربہ کار اور آزمودہ جرنیل ہیں لیکن ان میں وہ سیاسی سمجھ بوجھ نہیں ہے جو عوامی نفسیات کا احاطہ کر سکتی۔ اس کے برعکس معاویہؓ نوجوان ہیں لیکن تدبر و سیاست میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور ان کی نگاہ نہایت دوررس اور معاملات کی تہ تک پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ آپ نے اردن کا علاقہ بھی سیدنا معاویہ کی امارت میں دے دیا اور وہ پورے شام کے امیر ہو گئے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے ذہن میں سیدنا معاویہؓ کا کیا مقام تھا۔

شام سے واپس آ کر مدینہ طیبہ میں آپ نے کچھ روز قیام فرمایا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد

سیدنا عمرؓ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور ان لڑائیوں کی خبروں کا انتظار کرنے لگے جو ایران میں ایرانیوں اور مصر میں رومیوں سے لڑی جا رہی تھیں۔

خوزستان کی فتح

خوزستان کا علاقہ وہ ہے جو عراق اور فارس کے مابین واقع ہے۔ اس میں چودہ بڑے شہر ہیں جن میں سب سے بڑا شہر "اہواز" ہے۔ خوزستان کی سرحد چونکہ بصرہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس لئے ۱۵ھ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جب بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے تو انہیں محسوس ہوا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں نہ تو استحکام پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۶ھ میں اہواز پر جس کو ایرانی "ہرمز شہر" کہتے تھے حملہ کر دیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا مغیرہؓ وہیں رک گئے اور انہوں نے دوسرے شہروں کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ وہ اپنے معاہدے سے پھر گئے اور اپنی زمین کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سیدنا عمرؓ نے بعض وجوہات کی بنا پر سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ اہل اہواز نے بصرہ کی انتظامیہ میں یہ تبدیلی دیکھی تو اپنا سالانہ جزیہ دینا بند کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ سیدنا علاء بن حضرمیؓ نے فارس پر حملہ کرنے کے لئے جہازوں کے ذریعہ خلیج فارس کو عبور کیا اور اصطخر کی طرف بڑھتے چلے گئے لیکن ان سے یہ چوک ہو گئی کہ وہ عقب کی حفاظت کرنا بھول گئے۔ ایرانیوں نے ساحل کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا۔ انہوں نے مدد کے لئے درخواست کی۔ سیدنا عمرؓ نے بصرہ اور کوفہ کی فوجوں کو حکم دیا کہ علاءؓ اور ان کے ساتھیوں کی مدد کی جائے اور ان کے ساتھیوں کو اس مصیبت سے نکالا جائے۔ چنانچہ بصرہ اور کوفہ سے فوجیں علاءؓ کی امداد کے لئے گئیں۔ ان وجوہات کے سبب ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی جرأت کی۔ اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰؓ نے اہواز کو گھیر لیا۔ شاہی فوج نے مقابلہ تو نہایت پامردی سے کیا لیکن شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ اس جنگ میں بہت سے ایرانی غلام مسلمانوں کے ہاتھ لگے، لیکن سیدنا عمرؓ کو پتہ چلا تو آپ نے لکھا کہ "تمام غلاموں کو آزاد کر کے ان پر جزیہ عائد کر دو"۔ مسلمانوں نے امیر

Marfat.com

المؤمنین کے حکم کی تعمیل میں تمام غلام چھوڑ دیے۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ یہ ایک نہایت محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے نہایت جوانمردی اور ہمت سے مسلمانوں کے حملے کا مقابلہ کیا جس میں مہاجر بن زیادؓ شہید ہو گئے۔ ایرانیوں نے ان کا سر کاٹ کر قلعے کے دو کنگروں کے درمیان لٹکا دیا۔ مہاجرؓ کے شہید ہونے کے بعد لڑائی کی باگ ڈور ان کے بھائی ربیعؓ کے سپرد کر کے سیدنا ابو موسیٰؓ سوس کی طرف روانہ ہو گئے۔ ربیع نے بہت سے ایرانیوں کو قتل اور اسیر کر کے مناذر کو فتح کر لیا۔ سیدنا عمرؓ نے ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ مناذر سواد کی بستیوں کی سی ایک بستی ہے 'لہٰذا جو کچھ تم نے یہاں سے مال و اسباب حاصل کیا ہے وہ اہل شہر کو واپس کر دو۔ ادھر سیدنا ابو موسیٰؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد کی آمد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا' مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو افراد زندہ چھوڑ دیے جائیں۔ ابو موسیٰ نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔ رئیس شہر ایک ایک شخص کا نام لیتے جاتا اور سیدنا ابو موسیٰؓ ان کو امان دیتے جاتے۔ بد قسمتی سے رئیس نے ان سو افراد میں اپنا نام نہ لیا۔ چنانچہ جب سو افراد کی تعداد پوری ہو گئی تو سیدنا ابو موسیٰؓ نے رئیس کو قتل کروا دیا کیونکہ اس کا نام ان سو میں نہیں تھا۔

یزدگرد کو جب پتہ چلا کہ ایرانی مسلمان فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں تو اس کے دل میں اپنے کھوئے ملک کو دوبارہ حاصل کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔ چنانچہ اس نے ایک بیان جاری کیا جس میں اہل ایران کو غیرت دلائی۔ یزدگرد اس وقت ایک روایت کے مطابق مرو میں تھا یا پھر اصطخر یا قم میں تھا۔ اس نے اپنے اس بیان میں کہا:

"اے اہل فارس! تم نے سواد اور اہواز میں عربوں کا اقتدار تسلیم تو کر لیا لیکن وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے۔ اب وہ تمہارے گھروں میں گھسے چلے آ رہے ہیں۔ لہٰذا اے اہل فارس! اٹھو اور دشمن پر فتح پاؤ۔ اور اس کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کرو"۔

یزدگرد کے اس بیان نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ایرانی عربوں پر فتح پانے کے لئے کمربستہ ہو گئے جب یہ خبریں حرقوص بن زہیر اور دوسرے سپہ سالاران اسلام کو ملیں انہوں نے بارگاہِ خلافت میں ان کی اطلاع دیں۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو خط لکھا کہ نعمانؓ بن مقرنؓ کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر فوراً اہواز کی طرف بھجوا دو۔ آپ نے چند

مسلمان جانبازوں اور بہادروں کے نام لکھے کہ وہ ہرمزان کے مقابلے کے لئے اس لشکر کے ساتھ روانہ کیے جائیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ یزدگرد اس وقت قم یا مرو میں مقیم تھا اور شاہی خاندان کے تمام ارکان اس کے ساتھ تھے۔ ہرمزان جو شیرویہ کا ماموں تھا اور بڑی قوت واقتدار کا سردار تھا۔ مختلف جنگوں میں اس نے مسلمانوں سے بھاگ کر اپنی جان بچائی تھی۔ اس نے یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز اور فارس میری ماتحتی میں دے دیے جائیں تو میں یہ طاقت رکھتا ہوں کہ عربوں کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اس کی اس درخواست کو فوری طور پر منظور کر لیا اور اسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک لشکر جرار ساتھ کر دیا۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی ہیڈ کوارٹر یہیں تھا۔ سیدنا نعمانؓ ہرمزان کا مقابلہ کرنے کے لئے اہواز سے گذرتے چلے گئے۔ ہرمزان کو جب ان کی آمد کا پتہ چلا تو ایک بہت بڑا ایرانی لشکر لے کر اریک کے مقام پر پہنچا اور آتے ہی مسلمانوں پر شدید حملہ کر دیا۔ اسے پوری پوری امید تھی کہ مسلمان اس کے اس حملہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ لیکن مسلمان فوجیں ان سب حملوں کا مقابلہ کرنے کی پوری استعداد رکھتی تھیں۔ لہٰذا ہرمزان نے جو دیکھا کہ مسلمان غالب آنے والے ہیں تو وہ اریک سے رامہرمز اور پھر وہاں سے تستر بھاگ گیا۔ اسے پورا پورا یقین تھا کہ تستر کی فصیلوں میں وہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا بخوبی مقابلہ کر سکے گا۔ ادھر سیدنا نعمانؓ رامہرمز پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ سہیل بن عدی بصرہ سے ہرمزان کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوئے، لیکن جب انہیں یہ پتہ چلا کہ سیدنا نعمانؓ نے رامہرمز پر قبضہ کر لیا ہے اور ہرمزان تستر بھاگ گیا ہے تو انہوں نے سوق اہواز سے اپنا رخ تستر کی طرف کر لیا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سیدنا نعمانؓ پہلے ہی سے دشمن کے مقابلہ کے لئے وہاں موجود ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس مستحکم شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہرمزان اور اس کی فوجیں پہلے سے خندقیں کھود کر مورچہ بندی کر چکی تھیں انہیں اپنے قلعوں کی مضبوطی پر پورا یقین تھا اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کے مورچوں میں کوئی گھس نہیں سکتا۔ جو آگے بڑھے گا منہ کی کھائے گا۔ ہرمزان اور اس کے جرنیلوں کا یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ کیونکہ مسلمانوں نے شہر کی فصیلوں پر جب بھی چڑھائی کرنا چاہی انہیں پسپا ہونا پڑا۔ ایرانی بھی مسلمانوں پر کبھی حملہ کرتے لیکن کامیابی انہیں بھی نہ ہوتی۔ لڑائی نے طوالت اختیار کر لی۔ آخر کار ہرمزان کے پاس اندرون شہر غیر معمولی لشکر

جمع ہو گیا جو کسریٰ کے اعلان اور ہرمزان کے نقیبوں اور ہرکاروں کے جواب میں ملک کے مختلف گوشوں سے آیا تھا۔ مسلمانوں کو دشمن کی قوت کا بخوبی اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمرؓ کی خدمت میں کمک کے لئے عریضہ لکھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا ابو موسیٰؓ کو خط لکھا کہ بصرہ کی تمام فوج لے کر تستر کے محاذ پر جاؤ اور وہاں اسلامی فوجوں کی مدد کرو۔ تستر کے محاذ پر ابو سبدہ کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کے سالار تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ فوری طور پر ابو سبدہ کی مدد کے لئے تستر پہنچے اور شہر کے محاصرہ میں وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

محاصرہ جاری رہا اور جنگ شدت اختیار کرتی گئی۔ ایرانی اپنے مورچوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے اور فریقین کی بڑی تعداد اس میں کام آتی اور پھر اپنے اپنے مورچوں میں واپس چلے جاتے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلتا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ ساری تفصیل بارگاہِ خلافت میں لکھ بھیجی۔ امیر المؤمنین نے گورنر کوفہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کو لکھا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر فوری طور پر ابو سبدہ کی مدد کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

سیدنا عمار بن یاسرؓ کی فوجوں کے پہنچنے کے بعد مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اب شہر کی فصیل کا محاصرہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ محاصرہ تو کئی مہینوں سے جاری ہے۔ اب تو کسی نہ کسی طرح شہر پر حملہ کرنا چاہئے۔ ہرمزان نے قلعہ کی بلندیوں سے مسلمانوں کو حملہ کی تیاریاں کرتے دیکھا تو اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر سے نکل کر یک دم دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ جنگ کی اس پلاننگ سے اسے نہ صرف امید بلکہ یقین تھا کہ فتح اس کی ہو گی۔ چنانچہ ہرمزان خود بھی اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ مسلمان بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر براء بن مالکؓ کو متعین فرمایا (یہ سیدنا انس بن مالکؓ مشہور صحابی کے بھائی تھے) میسرہ سیدنا براء بن عازب انصاریؓ کو دیا۔ سواروں کا دستہ سیدنا انس بن مالکؓ کی رکاب میں تھا۔ دونوں خوب جان توڑ کر لڑے۔ سیدنا براء بن مالکؓ دشمن کی فوجوں میں گھستے ہوئے فصیل کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ پھاٹک کے پاس ان کا ہرمزان سے مقابلہ ہو گیا۔ سیدنا براء بن مالکؓ کوئی معمولی سپاہی نہ تھے۔ ایک آزمودہ کار بہادر' نامور شہسوار کئی بہادروں کو میدان میں کھیت کیا تھا' لیکن ہرمزان بھی ایک آزمودہ کار سپہ سالار تھا اور طاقت اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھا۔ سیدنا براءؓ اس کی ایک ہی ضرب سے ابدی نیند سو گئے۔ سیدنا براءؓ کا انتقام لینے کے لئے مخزاۃ بن ثور نے آگے بڑھ کر

Marfat.com

ہر مزان پر وار کیا' لیکن ہر مزان نے ان کا کام بھی تمام کر دیا۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ تستر خوزستان کا دار السلطنت اور اس کے تمام شہروں سے زیادہ مضبوط ہے۔ اگر اس پر قبضہ ہو گیا تو ایرانیوں کی تمام شان و شوکت زمین بوس ہو جائے گی۔ چنانچہ باوجود اس بات کے کہ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی اور مسلمانوں کے دو قابل فخر جرنیل بھی جام شہادت نوش کر چکے تھے' لیکن موت پر جھپٹنے کی تمنا نے ان کے حوصلے بلند تر کر دیے۔ جب سورج افق مغرب میں ڈوبنے لگا تو ایرانیوں پر تکان کے آثار طاری ہو گئے۔ چنانچہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ایک ہزار ایرانی مارے اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے اور ہر مزان کو قلعہ بند ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ دوسرے روز صبح کو کوئی ایرانی جنگ کے لئے باہر نہ نکلا کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان زندگی سے زیادہ موت پر جان دیتے ہیں۔ اب انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ نہ کرنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔

سارا شہر فوجوں سے بھر اپڑا تھا اور محاصرہ طویل ہو گیا۔ ایک روز ایک ایرانی شہر والوں سے چھپ کر سیدنا ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ لوگ میرے جان و مال کی امان دیں تو میں آپ کا شہر پر قبضہ کرا دوں گا۔ اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور یہ نہر دجیل میں اتر گیا اور ایک سرنگ کے راستے شہر میں نکلا جو آب در کے پہلو سے گذرتی تھی۔ اور اشرس بن عوف شیبانی کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ وہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہر مزان کے محل میں آیا۔ ہر مزان اپنے درباریوں اور اعیانِ سلطنت کے ساتھ مجلس سجائے بیٹھا تھا۔ اس ایرانی شہری نے اشرس کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور تمام نشیب و فراز سمجھائے پھر وہ اس عرب کو لے کر سیدنا ابو موسیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تو اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ آگے تم لوگوں کی ہمت۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے چالیس آدمی اشرس کے ساتھ کیے اور دو سو آدمی ان کی کمک پر بھیجے۔ یہ لوگ رات کے آخری حصہ میں روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے شہر میں داخل ہو کر پہلے تو پہرداروں کو قتل کیا' پھر فصیل پر چڑھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ سیدنا ابو موسیٰؓ پہلے ہی فوج لے کر دروازوں کے سامنے کھڑے تھے۔ دروازے کھلنے کے ساتھ ہی مسلمان لشکر شہر میں داخل ہو کر ایرانی فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ ہر مزان پر مسلمانوں کے نعرہ تکبیر سن کر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے قلعہ میں بھاگ گیا اور ساتھیوں سے کہنے لگا کہ "عربوں کو ہمارے بھید بتانے

Marfat.com

والا کوئی ہمارا ساتھی ہی ہے جس کی رائے میں مسلمانوں کی قسمت کا ستارہ عروج پر ہے اور ہمارا ستارہ زوال کی گہرائیوں میں ڈوب چکا ہے"۔ شہر کے دروازے کھول کر مسلمانوں کو اندر گھستے اور اپنے سردار (ہرمزان) کو بھاگتے دیکھ کر ایرانیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور حملہ آوروں کے خوف سے اپنے ہاتھوں اپنے بیوی بچوں کو قتل کر کے نہر دجیل میں پھینکنے لگے۔ ہرمزان بھاگ کر اپنے قلعہ میں جا کر چھپ گیا۔ مسلمانوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو کہنے لگا: "میرے ترکش میں سو تیر ہیں۔ جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا" یہ بات اس نے کہہ تو دی لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ مقابلہ کرتے ہوئے پکڑا گیا تو مار دیا جائے گا۔ اس نے کہا: "میں اس شرط پر گرفتاری پیش کرتا ہوں کہ تم مجھے اپنے خلیفہ عمرؓ کے پاس لے جاؤ' وہ میرے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ مسلمانوں نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔ چنانچہ ہرمزان نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کو سیدنا انس بن مالکؓ اور سیدنا احنف بن قیس کے ساتھ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی اس کے ہم رکاب تھے۔

ہرمزان کی گرفتاری تستر کی شکست کا اعلان تھی۔ چنانچہ دوسری تمام فوج اور اہلِ شہر سپر انداز ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا انتظام سنبھال کر مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ خمس نکال کر مال غنیمت میں سے سوار کے حصہ میں تین ہزار اور پیادہ کے حصہ میں ایک ہزار درہم آئے۔

ہرمزان ایک ایرانی سردار تھا اور شیرویہ کسریٰ ایران کا ماموں۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے گرفتاری دے دی۔ حالانکہ اس کو چاہئے تھا کہ وہ اپنی قوم کے لئے لڑ کر جان دیتا جس طرح قوم وطن کی حفاظت کے لئے جان توڑ کوشش کر رہی تھی' لیکن ہرمزان نے قوم کے برعکس اپنی زندگی کو موت پر ترجیح دی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایرانی قوم پر حبِ ذات اور حب حیات کا جذبہ غالب تھا خصوصی طور پر ان کے امراء اور سپہ سالاروں پر۔ رستم بھی اپنے کو بہر صورت بچانا چاہتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی قوم میں اجتماعی رشتوں میں بوسیدگی پیدا ہو جائے اس وقت اس کی معنوی روح اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہے اور قوم کی قوت مقابلہ جواب دے دیتی ہے کیونکہ اجتماعی رشتے معنوی زندگی کی اساس ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ایک قوم میں معنوی قوت کو وہی مقام حاصل ہے جو مقام فرد میں بقائے ذات کے فطری جذبے کو حاصل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی جسم کی قوتِ حیات کمزور ہو جاتی ہے تو اس کے اعضاء اپنا اپنا کام صرف اپنے اپنے مفاد کے لئے کرتے ہیں۔ پورے جسم سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اور اس طرح بقائے حیات کا جذبہ موت کے لئے جگہ خالی کر دیتا ہے۔ بالکل یہی حال ایک قوم کی اجتماعی زندگی کا ہے کہ جب اس کے افراد میں اجتماعی رشتوں کو گھن لگ جاتا ہے تو پھر وہ صرف اپنے ہی مفاد کے لئے سوچنے لگتے ہیں۔ یہی حال اس وقت ایرانی قوم کا ہو گیا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک ایرانی شخص نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مسلمانوں کو شہر کے اندر جانے کا خفیہ راستہ بتایا اور پوری قوم کو ذلت و خواری میں مبتلا کر دیا۔ اگر اس قوم میں معنوی روح زندہ ہوتی اور اس کے اجتماعی رشتوں میں بوسیدگی نہ پیدا ہوئی ہوتی تو ہرمزان زندگی پر لڑتے لڑتے جان دے دینے کو ترجیح دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے رومی ان پر غالب آئے اور پھر مسلمانوں نے ان پر غلبہ حاصل کیا۔ یہ تو ہرمزان تھا خود یزدگرد مدائن اور حلوان اور دوسرے کئی شہروں سے صرف اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہا تھا' قوم کی اسے کوئی پروا نہ تھی۔

تستر اور سوس کے فتح ہونے سے پہلے یزدگرد کے حکم سے ایک ایرانی سردار سیاہ اسواری مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اصفہان سے نکلا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ مسلمانوں نے اہواز کے بعد تستر جیسے ناقابل تسخیر شہر کو بھی فتح کر لیا ہے تو اس نے اپنے ساتھ آنے والے سرداروں کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کے کارنامے بیان کئے اور انہیں بتایا کہ "مسلمان ایک ناقابل شکست قوم ہیں۔ جو لشکر ان کے مقابلے میں آتا ہے شکست سے دوچار ہو جاتا ہے۔ جس قلعے پر وہ حملہ کرتے ہیں اس پر قبضہ کر لیتے ہیں" یہ سب کارنامے بیان کر کے اس نے اپنے سرداروں سے کہا: اب اپنے بارے میں تم خود سوچ لو۔ سب نے متفقہ طور اس سے کہا کہ آپ ابو موسیٰ اشعریؓ کو پیغام بھجوائیں کہ ہم آپ کا دین قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور ہم آپ کے ساتھ مل کر ایرانیوں سے جنگ بھی کریں گے اگر آپ ہماری شرائط مان لیں۔ سیدنا ابو موسیٰ نے ان کی شرائط لکھ کر دربار خلافت میں بھیج دیں۔ سیدنا عمرؓ نے لکھا: "وہ جو کچھ مانگتے ہیں انہیں دے دو" چنانچہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔

ہرمزان مدینہ طیبہ میں

چند روز کے بعد سیدنا انس بن مالکؓ اور سیدنا احنف بن قیسؓ اپنے آدمیوں کے ہمراہ

Marfat.com

مال غنیمت کا خمس اور ہرمزان کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کی خدمت میں پہنچے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر ہرمزان نے دیبا کی زرکار پوشاک زیب تن کی۔ شاہان عجم کے طریقے کے مطابق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی؛ موتیوں اور جواہرات سے مرصع تاج جو "آذین" کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا اور خالص سونے کا عصائے شاہی جس میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے' ہاتھ میں لیا۔ جونہی یہ مدینہ میں داخل ہوا تو مدینہ کے لوگوں نے اس کی شان و شوکت دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے سیدنا عمرؓ کے مکان کا رخ کیا۔ پتہ چلا کہ امیر المؤمنین کوفہ کے وفد سے بات چیت کرنے مسجد تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ مسجد پہنچے لیکن انہیں وہاں سیدنا عمرؓ نظر نہ آئے۔ مدینہ کے چند لڑکوں نے انہیں بتایا کہ امیر المؤمنین مسجد کی دائیں طرف اپنے چغے پر سر رکھے سو رہے ہیں۔ یہ لوگ پھر واپس مسجد آئے اور جہاں سیدنا عمرؓ سوئے ہوئے تھے ان کے قریب خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ہرمزان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سویا ہوا شخص ہی عمرؓ ہے کیونکہ وہ سوچ رہا تھا کہ سیدنا عمرؓ اس وقت پہرے داروں کی حفاظت میں اپنے ایوانِ شاہی میں استراحت فرمارہے ہوں گے کیونکہ ایسے باجبروت شہنشاہ کے لئے جس نے ایران و روم کی سلطنتوں کے پرخچے اڑادیے ہیں اور ان کے بادشاہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں' اس کے لیے ایسا ایوان شاہی ہونا ضروری ہے جس کے دروازے پر دربان بیٹھا ہو۔ چنانچہ ہرمزان نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص کو آہستہ سے پوچھا: "عمرؓ کہاں ہیں؟" اس نے سوئے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا: "وہ ہیں" پھر پوچھا: "اس کے پہرے دار کہاں ہیں؟" اس نے جواب دیا: "ان کا کوئی پہرے دار نہیں"۔ ہرمزان یہ سن کر سخت حیران ہوا کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اس قسم کے سربراہ مملکت کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس قسم کی سرگوشیوں سے سیدنا عمرؓ بیدار ہو گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنے آدمیوں سیدنا انسؓ اور سیدنا احنفؓ سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: "یہ ہرمزان ہے' تستر کا بادشاہ"۔ سیدنا عمرؓ نے کہا: "جب تک اس کے جسم پر اس قسم کے لباس کا ایک تار بھی ہے میں اس سے بات نہیں کروں گا"۔ لوگوں نے اس کی شاہی پوشاک اتار کر سادہ لباس پہنایا۔ اب سیدنا عمرؓ نے اس سے فرمایا: "ہرمزان! تو نے سرکشی کا وبال اور حکم الٰہی کا نتیجہ دیکھا؟ ہرمزان بڑا کایاں آدمی تھا۔ اس نے جواب دیا: "عمر! جاہلیت کے زمانہ میں جب

Marfat.com

خدا نے ہمیں اور تمہیں ٹکرایا تھا تو ہم تم پر غالب آئے تھے اس لیے کہ خدا نہ تمہاری طرف تھا اور نہ ہماری طرف لیکن جب خدا تمہارے ساتھ ہوا تو تم ہم پر غالب آ گئے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "جاہلیت میں تم ہم پر اس لیے غالب آتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم پراگندگی کا شکار' لیکن اب اپنی پے در پے شکستوں کے لئے تمہارے پاس کوئی عذر ہے"۔ ہرمزان نے دیکھا کہ یہ سوال کرتے وقت سیدنا عمرؓ کی آنکھوں سے غیظ و غضب کے شعلے نکل رہے تھے۔ اور خود اس کو بھی اپنی کرتوتیں یاد آ رہی تھیں قادسیہ سے فرار کے بعد ہرمزان نے کئی مرتبہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے صلح کی لیکن ہمیشہ اپنے اقرار سے پھر گیا۔ اس نے اپنے نقیبوں اور ہرکاروں کی مدد سے ایران کی فضا کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا۔ شوستر کے معرکہ میں اس نے دو سپہ سالاروں کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ سیدنا عمرؓ کے ذہن میں یہ سب واقعات تھے اور انہیں ان کا بہت رنج تھا لہٰذا انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ اتنے میں اس نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ جب پیالے میں پانی لایا گیا اور جونہی اس نے پیالہ پکڑا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ پوچھا: "تمہارے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں؟" اس نے جواب دیا: "مجھے خطرہ ہے کہ میں پانی پیتے ہی قتل کر دیا جاؤں گا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "جب تک تم پانی نہ پی لو تمہیں کوئی خطرہ نہیں"۔ یہ سن کر ہرمزان نے سارا پانی انڈیل دیا اور کہا: "میں پانی نہیں پیتا' اس لیے کہ شرط کے مطابق آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے"۔ سیدنا عمرؓ اس کی اس مغالطہ آمیز گفتگو سے حیران رہ گئے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کو رہا کر دیا۔ وہ اسلام لے آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہرمزان نے کہا کہ میں اسلام تو پہلے ہی لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہرمزان نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔ سیدنا عمرؓ اس کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے اور اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کا روزینہ بھی مقرر کر دیا اور اس سے فوجی مہمات میں اکثر مشورہ بھی لیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہرمزان کی بات میں اس کی مسلمانوں سے عہد شکنی کا کوئی جواب نہ پا کر آپ نے تستر سے آئے ہوئے اسلامی وفد سے کہا: "شاید مسلمان ذمیوں سے سختی سے پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟" وفد نے کہا: "ایسی کوئی بات نہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "پھر وہ عہد شکنی کیوں کرتے ہیں"۔ اس وقت سیدنا احنف بن قیسؓ نے کہا: "امیر المؤمنین! اس کی وجہ میں عرض کرتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے ہمیں اس ملک میں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ لیکن ایران کا بادشاہ زندہ ہے اور ان کی

Marfat.com

پشت پر موجود ہے۔ جب تک وہ زندہ رہے گا ایرانی عہد شکنی کرتے رہیں گے اور ہم سے لڑتے رہیں گے۔ ان کی یہ حرکتیں جاری رہیں گی جب تک آپ ہمیں آگے بڑھنے کا حکم نہیں دیں گے۔ جس وقت ہم ان کے ملک میں گھس کر ایران کے بادشاہ کو اس کی مملکت سے نکال دیں گے' ایرانیوں کی تمام امیدیں ٹوٹ جائیں گی اور ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے، پھر ان میں سے کوئی بھی عہد شکنی نہیں کرے گا"۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت توجہ سے سیدنا احنفؓ کی بات سن کر فرمایا: "تم نے سچ کہا۔ چنانچہ اب میں نے سمجھ لیا کہ فتوحات کو عراق کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دینا ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو ارض عراق میں بڑھنے اور ایرانیوں سے لڑنے کے لئے حکم دے دیا۔

ہرمزان نے اپنی مغالطہ آمیز گفتگو سے اپنی جان تو بچالی اور وہ مسلمان ہو کر مدینہ میں رہنے بھی لگا اور سیدنا عمرؓ کو ایران کی مہمات میں مشورے بھی دینے لگا' لیکن جب سیدنا عمرؓ شہید کیے گئے تو ان کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام اس پر لگا۔ ممکن ہے اس نے اپنی گذشتہ عہد شکنیوں کی طرح یہ بھی ایک اور عہد شکنی کی ہو۔ چونکہ یہ سیدنا عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہ کے ہاتھوں مارا گیا جس کی وجہ سے یہ سازش بے نقاب نہ ہو سکی۔

شوستر کے بعد مسلمانوں نے جندی سابور پر حملہ کیا جو شوستر سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ہے اس کا محاصرہ بھی کئی دن تک رہا۔ ایک روز شہر والوں نے شہر کی فصیل کے دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان کے اس طرح دروازے کھولنے اور اطمینان سے کام کرنے پر تعجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس کا سبب معلوم کیا۔ شہر والوں نے کہا کہ تم ہمیں جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ سب کو اس پر حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا۔ پتہ چلا کہ ایک غلام نے تمام لشکر سے چھپا کر امن کا پروانہ لکھ دیا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے کہا: "ایک غلام کا یہ فعل حجت نہیں ہو سکتا"۔ شہر والے کہنے لگے: "ہم غلام اور آزاد نہیں جانتے' تمہارے ایک آدمی نے ہمیں امان دے دی۔ بس"۔ سیدنا عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: "مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دی گویا سب نے امان دی"۔ اس شہر کی فتح سے تمام خوزستان میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے صوبے کا اضافہ ہو گیا۔

معرکہ نہاوند

سیدنا احنف بن قیسؓ نے امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو ایرانیوں کی عہد شکنی اور بغاوت کے بارہ میں جو وجہ بتائی تھی' سیدنا عمرؓ نے اس کی تصدیق کی اور سیدنا عمرؓ کے دل میں ایرانیوں کے بارہ میں شک وارتیاب کے تمام کانٹے نکل گئے۔ چنانچہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اب عراق عجم کی طرف بھی اسلامی فوجوں کو بڑھایا جائے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ سرزمین عراق دو حصوں میں منقسم ہے۔ مغربی حصہ کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصہ کو عراق عجم۔ عراق عجم کا حدود اربعہ یہ ہے مشرق میں خوزستان۔ مغرب میں مراغہ واقع ہے اور شمال میں طبرستان اور جنوب میں شیراز ہے۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان' ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں رے بالکل ویران ہو گیا ہے اور اس کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہانِ قاچار کا پایہ تخت ہے۔

یزدگرد جب سے مدائن سے بھاگا تھا اس کو اپنے ہی ملک میں کہیں پناہ نہ مل رہی تھی۔ جس شہر میں بھی وہ جاتا مسلمان فوجیں اس کا پیچھا کرتیں اور اسے وہاں سے بھاگنا پڑتا۔ ایرانی سرداروں نے اب یہ سمجھا کہ یزدگرد کا کسی شہر میں پناہ لینا اس شہر کے لوگوں کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ یزدگرد جب رے گیا تو یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے اس سے بے وفائی کی' وہ رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مرو میں قیام کیا۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اس کے لئے آتش کدہ تیار کروایا اور مطمئن ہو کر حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیے۔ یہیں اسے پتہ چلا کہ عربوں نے خوزستان کے پورے صوبے کو فتح کر لیا ہے اور ہرمزان جو سلطنتِ ایران کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا زندہ گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ سن کر یزدگرد پریشان بھی ہوا اور اسے طیش بھی آیا۔ ایرانی ابھی تک یہی سمجھ رہے تھے کہ عربوں کی آندھی سرحدی مقامات تک ہی رہے گی لیکن خوزستان کی فتح نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ ہرمزان کی گرفتاری اور خوزستان کی فتح ان کے لئے ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ چنانچہ اب ایرانی امراء نے ایک دوسرے کو خط لکھے کہ اگر ہماری باہمی بے اعتمادی اور پراگندگی کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو ہمارا بھی وہی حشر ہو گا جو ہرمزان کا ہوا ہے لہٰذا ہمیں متفق ہو کر ایک متحدہ محاذ عربوں کے خلاف بنانا چاہئے اور اس تحریک کی قیادت یزدگرد کے سپرد کرنی چاہئے کیونکہ وہ پورے ملک کی ایک مرکزی شخصیت ہے اور عوام اس کے جھنڈے تلے

Marfat.com

جمع بھی ہو جائیں گے اور ایران کا کوئی چھوٹا بڑا اس کے حکم سے سر تابی نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور کسریٰ نے پورے ملک کے امراء کو اس متحدہ محاذ کا مرکزی کردار ہونے کی حیثیت سے جو فرمان بھیجا تھا' ملک کے ہر چھوٹے بڑے نے اس پر لبیک کہا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آہنی دیوار بن جانے کا یقین دلایا۔ تمام امراء نے اپنے اپنے لشکر نہاوند کی طرف روانہ کر دیے یہاں تک کہ ڈیڑھ لاکھ کا جم غفیر فیروزان کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ فوج کے ہر سپاہی اور جرنیل نے یہ قسم کھالی کہ جب تک کسریٰ اور اس کی فوجوں کو فتح نصیب نہ ہو گی۔ وہ اپنے وطن نہیں جائے گا۔

سیدنا عمرؓ کو عراق کی یہ حالت اور ان کے باشندوں کے یہ ہیجان خیز جذبات سن کر بہت فکر ہوئی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ گورنر کوفہ یزدگرد' فیروزان اور نہاوند میں جمع ہونے والے ایرانی لشکر کی خبریں امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیج رہے تھے۔ یہ لشکر اتنا بڑا تھا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ "مالم يجتمع لهم قبل ذالك" یعنی اتنی فوجیں اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵) دوسری طرف اہل کوفہ کا ایک وفد جراح بن سنان اسدی کی قیادت میں خلیفہ اسلام سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچا اور ایک یادداشت پیش کی جس میں قائد افواج سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے خلاف شکایتوں کا ایک دفتر تھا۔ ان میں ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ نماز ٹھیک طریقے سے نہیں پڑھتے۔ ہمارے اس جمہوری دور میں بھی ایسے نازک وقت میں اس طرح کے احتجاج کو برداشت نہیں کیا جاتا اور فوجی قوانین کے لحاظ سے تو شاید ایسا احتجاج کرنے والے گردن زدنی قرار دیے جائیں۔ لیکن یہ خلافت راشدہ کا دور تھا جس میں ہر ایک کو کسی بھی وقت گورنر اور افسر کے خلاف شکایت کرنے کا پورا پورا اختیار تھا۔ سیدنا عمرؓ اس اچانک شکایت پر چونکے اور فرمایا:

"اس وقت جب کہ سعدؓ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں اور دشمن کی فوجیں تمہارے خلاف جمع ہو رہی ہیں' اتنا لمبا سفر کر کے تمہارا یہاں آنا تمہاری شرارت کی کھلی دلیل ہے" پھر فرمایا: "تمہاری شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہئے تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی"۔ چنانچہ آپ نے سیدنا سعدؓ کو مدینہ طلب فرمایا اور کہا کہ اس وفد نے سب کاموں میں تمہاری شکایت کی ہے یہاں تک کہ یہ شکایت بھی کی ہے کہ تم نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ سیدنا عمرؓ نے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا۔ ارکانِ وفد نے لوگوں کے بیانات لیے۔ کسی شخص نے ان شکایات کو صحیح قرار نہ دیا۔ صرف قبیلہ بنی عبس کی ایک

Marfat.com

مسجد میں اسامہ بن قتادہ نے یہ کہا کہ جب آپ قسم ہی دیتے ہیں تو سن لیں :

فان سعداً کان لایسیر بالسریة ولا یقسم بالسویة ولا یعدل فی القضیة

(بخاری جلد ا ص ۱۰۴)

سعدؓ مجاہدین کے دستہ کے ساتھ خود نہیں جاتے (کسی اور کو کمانڈر بنا کر بھیج دیتے ہیں) اور (مال غنیمت) مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے اور کوئی مقدمہ آتا ہے تو انصاف وعدل سے کام نہیں لیتے۔

اسامہ بن قتادہ کے بیان سے جو کہ صریحاً غلط تھا سیدنا سعدؓ کو سخت دکھ ہوا۔ آپ نے کہا :

"اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے اور اس نے صرف نمائش اور شہرت کے لئے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر' اس کے فقر کو طویل کر اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔

آپ کی یہ بددعا اثر کیے بغیر نہ رہی اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کی عمر بہت ہوئی' بڈھا کھوسٹ ہو گیا۔ بھنویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اور راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا۔ اگر اس حماقت پر تنبیہ کی جاتی تو کہتا : "**شیخ مفتون اصابتنی دعوۃ سعدؓ** (بخاری جلد ا ص ۱۰۴) یعنی بوڑھا ہوں اور فتنہ میں مبتلا ہوں' مجھے سعدؓ کی بد دعا لگ گئی ہے۔

اگرچہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بارہ میں وہ شکایات غلط تھیں تاہم آپ نے سیدنا سعدؓ کو ان کے عہدہ پر واپس کوفہ نہ بھیجا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عتبانؓ کو گورنر بنا کر مدینہ بھیج دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتبانؓ نے بھی کوفہ سے بارگاہِ خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارہ میں خبریں بھیجیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایک روز مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے وہ سارے خطوط سنا دیے جن میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارہ میں اطلاعات دی گئی تھیں اور فرمایا کہ میں خود اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر محاذ جنگ پر جاؤں اور شام' یمن اور بصرہ کے امراء کو بھی لکھوں کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں۔ اور ساری فوجوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے لڑاؤں۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے امیر المؤمنین کی اس تجویز کو پسند کیا۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے اٹھ کر کہا : "اگر آپ نے اہل شام کو شام سے ہٹایا تو رومی ان کے بال بچوں کو آلیں گے۔ اور اگر اہل یمن کو یمن سے بلوایا تو حبشہ ان کے ملک میں گھس آئے گا۔ اور اگر آپ نے مدینہ چھوڑا تو سارے

Marfat.com

عرب میں ہل چل مچ جائے گی اور ہمیں خود اپنے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ آپ کی حیثیت عرب میں وہی ہے جو دانوں میں رشتے کی ہے کہ وہی دانوں کو اکٹھا رکھتا ہے اور وہی انہیں بکھرنے سے بچاتا ہے۔ ایرانی جب آپ کو وہاں دیکھیں گے تو آپ کو عرب کا امیر اور مرکزی قوت سمجھتے ہوئے باؤلے کتوں کی طرح آپ پر جھپٹ پڑیں گے۔ اور جہاں تک ایرانیوں کی کثرت تعداد کا تعلق ہے اس کے بارہ میں یہ گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک ہم کثرت تعداد کے بل پر نہیں لڑے بلکہ فتح و نصرت کے بل پر لڑے ہیں۔ اس لیے آپ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں اور اہل کوفہ کو حکم دیجئے کہ ان کی دو تہائی فوج محاذ جنگ پر چلی جائے اور ایک تہائی اپنی جگہ رہے اور اہل بصرہ کو لکھئے کہ وہ ان کی مدد کریں۔"

سیدنا علیؓ کی یہ رائے سیدنا عمرؓ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے اعلان فرمایا کہ "وہ مدینہ میں رہ کر برابر لشکر روانہ کرتے رہیں گے" پھر آپ نے سیدنا نعمان بن مقرنؓ کو ان فوجوں کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان کے بارہ میں فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے نیزوں کے لئے سپر بنے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے ان کے اس انتخاب کو پسند کیا۔

سیدنا نعمان بن مقرنؓ کے انتخاب کے ساتھ ہی سیدنا عمرؓ نے انہیں خط لکھا کہ جو فوج تمہارے پاس ہے اس کو لے کر نہاوند چلے جاؤ کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں ایرانیوں کی ایک بہت بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ فوج کو پتھریلے اور دشوار گذار راستوں اور نشیبی جنگلوں سے لے کر نہ جانا کہ مجھے ایک مسلمان کی جان ایک لاکھ دینار سے زیادہ عزیز ہے۔ میں نے کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو بھی لکھ دیا ہے کہ وہ تمہاری مدد کے لئے جلد از جلد فوج بھیجیں۔ ساری فوج کے سپہ سالار تم ہو گے۔ اور کوفہ سے جو فوج آئے گی اس کی قیادت حذیفہ بن یمانؓ کریں گے۔ اگر تمہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو پھر کل فوج کے سردار حذیفہؓ ہوں گے۔ اور اگر حذیفہؓ کو کوئی گزند پہنچے تو امیر لشکر نعیم بن مقرنؓ ہوں گے۔ بصرہ کے گورنر سیدنا ابو موسیٰ کو لکھا کہ بصرہ والوں کو لے کر ماہ پہنچو۔ اور سلمیٰ بن قین اور حرملہ بن ریطہ کو جو فارس اور اہواز کے درمیان مقیم افواج کے سپہ سالار تھے لکھا کہ ایرانیوں کی توجہ اپنے بھائیوں سے ہٹائے رکھو۔ یہ ساری پیش بندیاں سیدنا عمرؓ نے اس خطرہ کے مقابلے کے لئے کی تھیں جن کی خبریں متواتر سیدنا عمرؓ کو پہنچ رہی تھیں۔ غرض کہ سیدنا نعمان بن مقرن تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ کرامؓ شامل تھے جن میں سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا جریر بن عبداللہ بجلیؓ،

Marfat.com

اور سیدنا عمروؓ بن معدی کرب وغیرہ تھے۔

سیدنا نعمانؓ نے جاسوسوں کا جال بچھادیا تاکہ دشمن کی کارروائیوں کا پتہ چلتا رہے اس خدمت کی سپرد داری انہوں نے طلیحہ بن خویلد اسدی' عمرو بن معدی کرب اور عمرو بن ابی سلمٰی مزنی کو دی۔ انہوں نے اطلاع دی کہ نہاوند تک کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ سیدنا نعمانؓ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا یہاں تک کہ نہاوند سے (۹) نو میل ادھر اسپدہان میں پڑاؤ ڈالا۔ فیروزان کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر ایرانیوں سے لڑنے کے لئے آیا ہے تو اس نے مسلمانوں کی اس تعداد کو ناقابل توجہ سمجھا' لیکن قادسیہ کے میدان میں وہ مسلمانوں کی جرأت اور بہادری کو دیکھ چکا تھا لہٰذا اندر سے ڈرتا بھی تھا۔ چنانچہ اس نے سیدنا نعمانؓ کو سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ انہوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ایرانیوں نے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا۔ سیدنا مغیرہؓ نہاوند کے ارد گرد کا میدان طے کر کے اور فصیلوں کو عبور کر کے فیروزان کے پاس پہنچے جو ایک طلائی تخت پر تاج پہنے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف پہرے دار تھے۔ تخت کے دائیں بائیں مختلف شہروں کے شہزادے دیبا کی زر کار قبائیں' سر پر تاج زریں اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی قطاریں تھیں جن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں تھیں جو آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ گفتگو قریباً وہی تھی جو مدائن میں اسلامی وفد اور یزدگرد میں ہوئی تھی۔ چنانچہ سفارت ناکام ہوئی اور سیدنا مغیرہؓ واپس اپنے لشکر میں آگئے۔ اب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سیدنا نعمان نے میمنہ اور میسرہ پر سیدنا حذیفہؓ اور سوید بن مقرنؓ کو اور ساقہ پر مجاشع کو مقرر فرمایا اور مجردہ پر قعقاع بن عمروؓ کو متعین فرمایا۔ ایرانیوں نے میدان کارزار سے پہلے سے گوکھرو بچھادیے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور ایرانی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے تھے۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی۔ چند اہل الرائے حضرات نے سیدنا نعمانؓ سے مل کر اپنے اندیشے کا اظہار کیا کہ ان حالات میں جنگ کے طویل ہونے کا خطرہ ہے جو کہ ہمارے لئے نقصان دہ بات ہے۔ سیدنا نعمانؓ نے سب حضرات سے اس بارہ میں پوچھا کہ کیا کیا جائے۔ طلحہ بن خویلد اسدی نے ایک رائے دی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ اس رائے کے مطابق سیدنا نعمانؓ نے قعقاعؓ کو حکم دیا کہ کل صبح اپنی فوج لے کر شہر پر حملہ کریں اور جب ایرانی نمودار ہوں تو اس طرح

Marfat.com

پیچھے ہٹیں گویا بھاگ رہے ہیں۔ قعقاعؓ اپنی فوج لے کر آگے بڑھے اور شہر پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ ایرانی بڑے جوش سے باہر نکلے اور فصیلوں اور گھوکھروں کو پار کر کے وہ مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ قعقاعؓ تھوڑی دیر تک تو جم کر لڑتے رہے اس کے بعد اپنی فوج کو لے کر پیچھے ہٹنے لگے۔ ایرانیوں نے دیکھا کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں تو وہ ان کا تعاقب کرنے لگے۔ جوں جوں ایرانی تعاقب کرتے جاتے مسلمان پیچھے ہٹتے جاتے۔ سیدنا نعمانؓ اپنی فوج لے کر شہر سے چھ میل دور بیٹھے تھے۔ جونہی ایرانی ان کی زد میں آئے سیدنا نعمانؓ نے ایرانی لشکر پر حملہ کر دیا۔ اب ایرانی اپنے شہر سے کافی دور آ چکے تھے اور ان کا پورا لشکر شہر کی فصیل سے باہر آ چکا تھا۔ قعقاعؓ پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی فوج میں آ کر مل گئے۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ اور ایرانی مسلمانوں کی فوج کی زد میں تھے' لیکن دیکھا یہ گیا کہ ایرانی تو تیروں سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں لیکن مسلمان حملہ نہیں کر رہے۔ نعمانؓ نے انہیں حملہ سے روکا ہوا تھا۔ ایرانیوں کے تیروں سے سینکڑوں مسلمان کام آ گئے لیکن افسر کی اطاعت تھی کہ زخم کھا رہے ہیں اور ہاتھ روکے کھڑے ہیں۔ سیدنا مغیرہؓ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوتی جا رہی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے سیدنا نعمانؓ نے نہایت صبر و سکون سے جواب دیا: "ذرا صبر کریں' ابھی حکم ملتا ہے" سیدنا نعمان صرف دوپہر ڈھلنے کا انتظار فرما رہے تھے کیونکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب دشمن پر حملہ کرتے تو اسی وقت کرتے تھے۔ جب سورج ڈھلا تو سیدنا نعمان ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک علم کے پاس جا کر مجاہدین کی ہمت بڑھانے اور ان میں جوش پیدا کرنے لگے۔ فرماتے: "تم میں سے ہر شخص اپنے گرد و پیش چھایا ہوا ہے جب میرا حکم ملے تیار ہو جاؤ۔ میں تین تکبیریں کہوں گا۔ پہلی تکبیر پر تم اپنی صفیں درست کر لینا۔ دوسری تکبیر پر ہتھیار کس کر تیار ہو جانا اور تیسری تکبیر پر میں انشاء اللہ حملہ کر دوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔ یا اللہ! اپنے دین کو عزت دے۔ اپنے بندوں کی مدد کر اور نعمان کو اپنے دین کی سربلندی اور اپنے دین کی نصرت کے لئے آج سب سے پہلے شہادت کے مقدس خون سے سرخرو فرما"۔ اب نعمان نے پہلی' پھر دوسری اور پھر تیسری تکبیر کہی۔ مسلمان نہایت بے تاب تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو شہادت یا فتح حاصل کئے بغیر اپنے گھر لوٹ جانا چاہتا ہو۔ نعمان کی تیسری تکبیر پر مسلمان ایرانیوں پر اس طرح جھپٹے جیسے بھوکا عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ ان کی تلواریں ایرانیوں کے سروں کا صفایا کرنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں

Marfat.com

کے پشتے لگ گئے۔ میدانِ جنگ میں تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں اور نعروں کی آوازوں کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایرانی اس قدر قتل ہوئے کہ زمین ان کے خون سے لالہ زار ہو گئی۔ خون زمین پر اتنی فراوانی سے بہ رہا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسل جاتے تھے۔ آفتاب مغرب کی طرف ڈھلنے لگا۔ نعمان گھوڑے پر سوار دائیں طرف رخ کرتے تو مسلمانوں کی تلواریں ایرانیوں کے میسرے کا صفایا کرنا شروع کر دیتیں اور بائیں طرف پلٹتے تو ایرانیوں کا میمنہ خاک و خون میں لوٹتا نظر آتا۔ وہ دشمن کے قلب کو چیرتے چلے جا رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر آ رہے۔ وہ زخموں سے چور ہو گئے تھے اس روز ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے ان کی شہادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور جاری رہی۔ نعمان کے بھائی نعیم نے جھنڈا سیدنا حذیفہؓ کو دے دیا۔ اور وہ جھنڈا لے کر چلے اور جہاں نعمان تھے وہیں جا کر اسے بلند کیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبط و استقلال اور موت سے محبت کا جذبہ عطا فرمایا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سیدنا نعمانؓ جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے' اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا۔ دیکھا کہ کچھ سانس باقی ہیں اور دم توڑ رہے ہیں۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آ گیا۔ وہ انہیں اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک بار پھر ان کے سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: "جنگ کا کیا انجام ہوا؟" اس نے کہا: "مسلمانوں کو فتح ہوئی"۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے فرمایا: "فوراً عمرؓ کو اطلاع دو"۔

اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

جب رات نے اپنی سیاہ چادر اوڑھ لی تو ایرانیوں کے حوصلے جواب دے گئے' ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن لوہے کے وہ گوکھرو جو انہوں نے مسلمانوں کے لئے بچھائے تھے' انہوں نے ان کے قدم روک لیے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ بھاگنے والوں نے گوکھروؤں سے بچ کے نکلنا چاہا لیکن پیچھے خندق تھی جسے مسلمانوں کے خوف اور رات کی

Marfat.com

تاریکی نے ان کی نظروں سے چھپا دیا اور وہ گھوڑوں سمیت اس میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ خندق میں گر کر ہلاک ہونے والوں کی تعداد اسی ہزار تھی اور یہ ان تیس ہزار ایرانیوں کے علاوہ تھی جو لڑائی میں کام آئے۔ چنانچہ ایرانیوں کا وہ ٹڈی دل لشکر اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو گیا جو ایران کے طول و عرض سے مسلمانوں کو ایران کی سر زمین سے نکالنے کے لیے جمع ہوا تھا۔

سپہ سالار لشکر فیروزان بھی بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ اکیلا اپنے گھوڑے پر سوار ہمدان کی طرف بھاگے چلا جا رہا تھا کہ نعیم بن مقرن نے اسے دیکھ لیا اور قعقاع ؓ کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ فیروزان ابھی ہمدان کی سرحد پر پہنچا ہی تھا کہ قعقاع ؓ نے اسے جا لیا۔ ہوا یہ کہ شہد سے لدے ہوئے گدھوں اور خچروں کا ایک قافلہ پہاڑی کی گھاٹی سے گذر رہا تھا جس نے اس بھگوڑے سپہ سالار کا راستہ روک لیا اور وہ گھوڑے سے اتر کر پیدل پہاڑ میں پناہ لینے کے لئے چل پڑا۔ سیدنا قعقاع ؓ نے اس کا پیچھا کیا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو بولے :

ان لِلّٰہِ جنوداً من عسل (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۱۱)

اللہ کے لشکر شہد سے بھی ہوتے ہیں

اس دن سے اس گھاٹی کا نام ہی "ثنیۃ العسل" یعنی شہد کی گھاٹی پڑ گیا۔

ایرانی بھگوڑے بھاگتے بھاگتے ہمدان پہنچ گئے لیکن مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا۔ ہمدان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اور قسم کھالی کہ جب تک شہر کے دروازے نہیں کھلیں گے واپس نہیں جائیں گے۔ حاکم شہر کو فیروزان اور اس کے ٹڈی دل لشکر کا حشر معلوم ہو گیا لہٰذا اس نے صلح کی درخواست کی جو سیدنا قعقاع ؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ ہمدان اور درست بے مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ شرط مان لی گئی۔

سیدنا قعقاع ؓ اپنے ساتھیوں سمیت جب ہمدان سے واپس لوٹے تو سیدنا حذیفہ بن الیمان ؓ جنگ کے بعد نہاوند شہر میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے ایرانیوں کے مال و اسباب اور مال مویشیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مال غنیمت مسلمانوں کی توقعات سے کہیں زیادہ تھا۔ نہاوند میں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبد سیدنا حذیفہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: "اگر مسلمان مجھے امان دیں تو میں انہیں ایک گراں بہا اور بیش قیمت خزانے کا پتہ دے سکتا ہوں۔" سیدنا حذیفہ ؓ نے اسے امان دے دی۔ اس موبد نے بیش قیمت جواہرات سے

Marfat.com

بھرے ہوئے دو صندوق ان کے سامنے لا کر رکھ دیے۔ یہ وہ جواہرات تھے جن کو کسریٰ ایران نے مشکل وقتوں کے لئے یہاں چھپا کر رکھا ہوا تھا اور ان کا پتہ صرف اس موبد کو تھا۔

سیدنا حذیفہؓ نے مال غنیمت فاتحین میں تقسیم کیا۔ سر پر کفن باندھ کر لڑنے والوں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیا۔ پھر وہ سپاہی بھی اس تقسیم میں شامل کیے گئے جو عقب میں فوج کی حفاظت پر مامور تھے اور ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو لڑائی میں شامل ہونا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکے۔ اتنی فراخ دلی سے تقسیم کرنے کے باوجود بھی اس دن سوار کے حصہ میں چھ ہزار درہم اور پیدل کے حصہ میں دو ہزار درہم آئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کا خمس اور وہ دونوں بیش قیمت صندوق سیدنا سائب بن اقرع کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیے گئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلمان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے اتنا کچھ مل گیا تھا کہ جب وہ دو صندوق جن میں نہایت بیش قیمت جواہرات تھے، موبد نے سیدنا حذیفہؓ کی خدمت میں پیش کیے تو فوج نے کہا کہ ہمیں مزید مال کی ضرورت نہیں لہٰذا غنیمت کا خمس اور جواہرات کے یہ دونوں صندوق بارگاہِ خلافت میں بھیج دیے جائیں۔

ادھر نہاوند میں ایک جان توڑ لڑائی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ادھر مدینہ میں سیدنا عمرؓ مجاہدین اسلام کے لئے بے چین تھے۔ آپ بہت متفکر تھے کیونکہ جنگ سے پہلے ایرانی فوجوں کی جو خبریں ان کے پاس آ رہی تھیں ان کی وجہ سے انہیں بہت تشویش تھی۔ آپ کو ہفتوں سے اس جنگ کی خبر نہیں ملی تھی اس وجہ سے وہ رات رات بھر جاگتے رہتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لشکر کی فتح و کامیابی کی دعائیں مانگتے رہتے۔ روایات میں ہے کہ ایک رات وہ اللہ کے حضور میں اسلامی فوجوں کی کامیابی کے لیے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے تو ان کا خوف یک دم اطمینان میں بدل گیا اور ان کے دل نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو کامیاب اور فتح یاب کیا ہے۔ چنانچہ جلد ہی انہیں قاصد نے آ کر فتح کی خوش خبری سنا دی۔ طریف بن سہم نے امیر المؤمنین کو فتح کی خوش خبری تو سنا دی لیکن ناگوار اور صدمے والی خبریں اپنے دل ہی میں رہنے دیں۔ فتح کی خوش خبری سے امیر المؤمنین اور اہل مدینہ بہت خوش ہوئے۔ اور دوڑ کر مسجد نبوی میں شکرانے کے نفل ادا کیے۔ ایک دو روز کے بعد سائب بن اقرع بھی مال غنیمت لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی نوید فتح سنائی۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: ”نعمان بن مقرنؓ کیسے ہیں؟“ اس نے کہا وہ تو شہید ہو گئے۔ یہ سنتے ہی سیدنا

Marfat.com

عمرؓ کانپ اٹھے اور لرزتی ہوئی آواز میں انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور بے اختیار رو پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی جب غم کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو سائب سے دوسرے شہداء کے نام پوچھے۔ سائب نے دوسرے سربر آوردہ شہداء کے نام بتائے اور کہا: "ان کے علاوہ کچھ اور مسلمان بھی شہید ہوئے جنہیں آپ نہیں جانتے" سیدنا عمرؓ نے پھر روتے ہوئے فرمایا: "عمر اگر ان لوگوں کو نہیں جانتا تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو انہیں جانتا ہے۔ جس نے انہیں شہادت کے انعام سے سرفراز فرمایا" سائب بن اقرع نے خمس مسجد نبوی میں رکھ دیا آپ نے وہ مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔ تقسیم کے بعد جب سیدنا عمرؓ مسجد سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے تو سائب نے انہیں راستہ میں بتایا کہ میرے پاس جواہرات کے دو صندوق بھی ہیں اور وہ جواہرات نہایت قیمتی ہیں۔ جو آپ کے لئے مخصوص ہیں۔ سیدنا عمرؓ یہ سن کر غصہ میں آگئے اور فرمایا: ان کو فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ ان کو فروخت کر کے ان کی رقم فوج میں تقسیم کردیں۔ یہ جواہرات چار کروڑ درہم میں فروخت ہوئے۔ چنانچہ ان کی فروخت سے ہر سوار کو مزید چار ہزار درہم ملے۔

مدینہ والوں کو نہاوند کی فتح سے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اس کا نام ہی "فتح الفتوح" رکھ دیا تھا۔ یہ واقعی فتح الفتوح تھی کیونکہ اس کے بعد پھر ایرانیوں کے قدم کہیں نہ جم سکے بلکہ حالت یہ ہوگئی کہ کسریٰ ایران کو اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک سے پناہ کی بھیک مانگنی پڑی جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمانؓ -- شخصیت اور کردار جلد اول" میں بیان کردی ہے۔ ابولؤلؤ فیروز جس کے ہاتھوں سیدنا عمرؓ کی شہادت لکھی تھی وہ اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عراق پر عام لشکر کشی

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ کا عراق پر عام لشکر کشی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اب تک آپ کی فوجوں نے جو جنگیں لڑیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت اور اپنی حکومت کے منوانے کے لئے تھیں۔ اور عراق کے جن علاقوں پر ابھی تک قبضہ کیا گیا تھا وہ دراصل عرب ہی کا ایک حصہ تھے۔ اس حصہ پر عربوں کی آبادی تھی۔ عراق کے اس حصہ سے آگے بڑھ کر جو جنگیں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی چلی گئیں۔ سیدنا عمرؓ ان کو بالکل فتح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایرانیوں کو تو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ

Marfat.com

ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مسلمانوں کو جنگ میں الجھا دیتے اور وہ ممالک جن پر مسلمانوں کا قبضہ تھا ان میں آئے دن بغاوت پھیلاتے رہتے۔ نہاوند کی لڑائی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی اور اس سے پہلے سوس، تستر اور اہواز کی جنگیں بھی اسی لیے تھیں کہ مسلمانوں کو ایران کی سرزمین سے نکال باہر کیا جائے۔ سیدنا احنف بن قیسؓ جب ہرمزان کو لے کر مدینہ آئے اور سیدنا عمرؓ نے ان سے جو آئے دن کی ایرانی بغاوتوں کے اسباب کے بارہ میں سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا سیدنا عمرؓ ان کے جواب سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے سیدنا عمرؓ کو عرض کیا تھا:

"امیر المؤمنین! اس (یعنی ایرانیوں کی بغاوتوں اور عہد شکنیوں) کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ آپ نے ہمیں ملک میں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے اور حکم دے رکھا ہے کہ جو علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں ہم انہی میں محدود رہیں، لیکن ایران کا بادشاہ زندہ ہے اور ان کی پشت پر موجود ہے۔ جب تک وہ رہے گا ایرانی ہم سے لڑتے رہیں گے کیونکہ ایک جگہ دو بادشاہ کبھی اتفاق سے نہیں رہ سکتے تاوقتیکہ ان میں سے ایک دوسرے کو نکال باہر کرے۔ اور یہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ہم نے یکے بعد دیگرے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے وہ انہی کی سرکشی کی بنا پر کیا ہے۔ دراصل یہ ایرانیوں کا بادشاہ ہی ہے جو انہیں ابھار کر ہمارے مقابلے میں بھیجتا ہے۔ اور ان کی یہ حرکتیں جاری رہیں گی تاآنکہ آپ ہمیں آگے بڑھنے کا حکم نہ دیں۔ جس وقت ہم ان کے ملک میں گھس کر ایران کے بادشاہ کو اس کی مملکت سے نکال دیں گے ایرانیوں کی تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے"۔

یہ باتیں سیدنا عمرؓ نے نہایت اطمینان اور توجہ سے سنیں۔ پھر بڑی دیر تک سر جھکائے اس پر سوچتے رہے اور اس کے بعد فرمایا: "احنف! بخدا! تو نے بالکل درست کہا اور اصل وجہ بیان کرنے کا حق ادا کر دیا۔ ہرمزان نے ایرانی ہونے کے باوجود احنف کی اس بات کی پرزور تائید کی جس کی وجہ سے سیدنا عمرؓ کو اور بھی اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاعات ملنے لگیں کہ اہل نہاوند مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ اس سے آپ کو سیدنا احنف بن قیس کی تقریر کی صداقت میں شبے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اب انہوں نے ارادہ کر لیا کہ ایرانی فتوحات میں توسیع ضروری ہے یہاں تک کہ یزدگرد کو

Marfat.com

سر زمین ایران سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمان فوجوں کو ارضِ ایران میں آگے بڑھنے اور ایرانیوں سے ہر محاذ پر لڑائی کرنے کا حکم دے دیا۔

نہاوند کی فتح کے بعد سیدنا عمرؓ نے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ اور یہ ایک بڑا اچھا موقع تھا لیکن نہاوند کی فتح نے ایرانیوں کو اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ ان کی معنوی قوتیں تیزی کے ساتھ رُو بہ زوال ہونے لگیں۔ ان کا پورا ملک بے جان ہو کر اسلامی اقتدار کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایران میں فوجیں بھیجنے کا کام خود سنبھال لیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور مختلف افسروں کو خود نامزد کر کے یہ علم ان کو دیے۔ خراسان کا علم سیدنا احنف بن قیسؓ کو دیا، اور اردشیر شاپور کا علم مجاشع بن مسعود سلمی کو، اصطخر کے لئے عثمان بن ابی العاص سلمی کو منتخب کیا' دارابجرد کے لئے ساریہ بن زنیم کنانی کو' کرمان کے لئے سہیل بن عدی کو سالار مقرر فرمایا۔ اور سجستان کے محاذ پر عاصم بن عمرو کو اور مکران کی مہم حکم بن عمرو تغلبی کے سپرد کی۔ اور فوج کے ان تمام جرنیلوں کو حکم دے دیا کہ اپنے اپنے علاقوں میں جانے کے لئے تیار رہیں۔

ادھر سیدنا عمرؓ نے اپنے جرنیلوں کو مختلف علاقوں میں آگے بڑھنے کے لئے تیاری کا حکم دے دیا۔ دوسری طرف کسریٰ ایران یزدگرد کو جب نہاوند میں ایرانیوں کی شکست کا پتہ چلا تو زخمی ناگن کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور اس نے آذربائیجان' خراسان' فارس اور مکران کے گورنروں کو لکھا کہ مسلمانوں کے اس بپھرے ہوئے طوفان کے سامنے بند باندھنے کے لئے مرو اور اصطخر کے گورنروں کی مدد کی جائے۔

اصفہان کی فتح

نہاوند اور ہمدان کو جب مسلمان فوجوں نے فتح کیا تو یزدگرد اس وقت رے میں مقیم تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ نہاوند اور ہمدان میں ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد مسلمان فوجیں اس کے مستقر کی طرف بڑھ رہی ہیں تو وہ رے سے اصفہان بھاگ کر وہاں کے باشندوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنے لگا۔ جب امیر المؤمنین کو اس کی خبر ملی تو آپ نے مسلمانوں کو اصفہان کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا۔ امیر المؤمنین کو پوری توقع تھی کہ یزدگرد خود مقابلہ کے لئے آئے گا اور گرفتار کر لیا جائے گا اور اس کی گرفتاری سے پورے ایران کی قوت مقاومت ختم ہو جائے گی کیونکہ ایرانیوں کو یہ جنگ پر ابھارتا ہے اور

Marfat.com

پھر بعد میں خود بھاگ جاتا ہے' اس کا گرفتار ہونا یا مارا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا آپ نے عبداللہ بن عتبانؓ کو حملہ کا حکم دیا۔ بعض حضرات نے اصفہان پر حملہ کی یہ وجہ لکھی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ہرمزان سے مشورہ کیا کہ حملہ فارس سے شروع کیا جائے یا آذربائیجان سے یا اصفہان سے۔ ہرمزان نے جواب دیا: فارس اور آذربائیجان عراق عجم کے دو بازو ہیں اور اصفہان سر۔ اگر ایک بازو کٹ جائے تو اس کی جگہ دوسرا بازو کام کرنے لگتا ہے لیکن اگر سر کٹ جائے تو بازو پھر کام نہیں کر سکتے' اس لیے پہلے سر کو کاٹئے۔ اس لیے سیدنا عمرؓ نے پہلے اصفہان کو سر کرنے کا حکم فرمایا۔ اصفہان عراق عجم کے صوبے کا صدر مقام اور ایک بہت بڑا شہر تھا۔ زمین بڑی شاداب' آب و ہوا خوشگوار' پانی نہایت شیریں۔ اسی وجہ سے ایرانی بادشاہ اسے اپنی قیام گاہ بناتے تھے۔ ملک کے مختلف گوشوں کی شاہراہیں یہاں آ کر ملتی تھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عتبان ۲۱ھ میں فوج لے کر اصفہان کی طرف روانہ ہوئے اصفہان کے باہر ان کے لشکر کی مٹھ بھیڑ ایک بہت بڑے ایرانی لشکر سے ہوئی جس کا سپہ سالار استندار تھا۔ اس لشکر کا مقدمۃ الجیش ایک نہایت تجربہ کار جرنیل شہریار بن جادویہ کی زیر قیادت تھا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ لیکن ایرانیوں کو میدان چھوڑ کر بھاگتے ہی بن پڑی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ ایرانی کہیں ہمت نہ ہار بیٹھیں' لہٰذا اس نے پہلی صف میں آ کر للکارا کہ جس کا دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلہ میں آئے۔ سیدنا عبداللہ بن عتبان خود اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ بن ورقاء ریاحی اس کے مقابلہ کو نکلے اور آتے ہی اسے قتل کر دیا۔ اپنے اس تجربہ کار جرنیل کے قتل کو دیکھ کر ایرانی اپنے اوسان کھو بیٹھے ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی اور وہ گاؤں چھوڑ کر چلے گئے۔ مسلمانوں نے وہاں "رستاق الشیخ" کے نام سے چھاؤنی قائم کر لی۔ ایرانی پسپا ہو کر اصفہان کی فصیلوں میں پناہ تلاش کرنے لگے۔

یزدگرد کو جب "رستاق الشیخ" میں ایرانیوں کے حشر کا پتہ چلا اور یہ دیکھا کہ اب مسلمان فوجیں اصفہان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو وہ اصفہان سے کرمان بھاگ گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتبان نے آگے بڑھ کر اصفہان کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں کے طویل محاصرے سے ایرانیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ایرانیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کے لئے صفیں آراستہ کیں۔ ادھر سے مسلمانوں نے بھی صف بندی کر لی۔ اصفہان کے حاکم فاذوستان نے عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ ہم دوسروں کی جانیں کیوں

ضائع کریں، آؤ ہم آپس میں مبارزت کریں۔ اگر میں تمہیں قتل کردوں تو تمہارے ساتھی واپس ہو جائیں گے۔ اور اگر تم مجھے مار ڈالو تو میرے ساتھی تمہاری حفاظت کریں گے، بشرطیکہ ان کی طرف ایک بھی تیر نہ جائے۔ چنانچہ دونوں حریف میدان میں آئے اور کچھ دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا لیکن سیدنا عبداللہ اس کے ہر وار کو نہایت پامردی سے روکتے۔ آخر فاذوستان نے عبداللہ سے کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ میں نے تمہیں واقعی بہادر اور جانباز پایا ہے۔ میں تم سے اس شرط کے ساتھ صلح کرتا ہوں بلکہ شہر تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں کہ جو یہاں رہنا چاہے گا وہ جزیہ ادا کر کے رہے گا اور جو کوئی نہیں رہنا چاہے گا یا جزیہ نہ دے گا وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عتبانؓ کی یہ شرط منظور کر لی گئی اور معاہدہ صلح لکھ دیا گیا۔ تمام شہر نے ذمی ہونا قبول کر لیا صرف تیس آدمیوں نے شہر چھوڑ دیا اور اپنے عزیزوں کے پاس کرمان چلے گئے۔

ہمدان کی بغاوت

اسی اثنا میں یہ خبر ملی کہ جنگ قادسیہ کے شکست خوردہ رستم کے بھائی اسفندیار رازی کے گرد ایرانی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ اہل ہمدان کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور انہوں نے عہد شکنی کر کے ہمدان میں بغاوت کر دی۔ نعیم بن مقرنؓ کو سیدنا عمرؓ نے اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے لکھا اور یہ بھی لکھا بزور شمشیر شہر میں داخل ہو کر ان عہد شکنوں کو وہ سزا دیں کہ انہیں آئندہ بغاوت کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔ سیدنا نعیم بن مقرنؓ نے حکم ملتے ہی بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ہمدان کا رخ کیا۔ اہل شہر کو جب معلوم ہوا کہ معرکہ نہاوند کا فاتح آ رہا ہے تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور حوصلے جواب دے گئے۔ نعیمؓ کو محاصرہ میں کچھ دیر لگ گئی تو انہوں نے اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ چنانچہ ہمدان کے علاوہ ارد گرد کے باقی تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ہمدان کے محصورین کو یہ اطلاع بھی مل گئی اور انہوں نے اور زیادہ ہمت ہار دی اور صلح کی درخواست کی۔ ہمدان تو فتح ہو گیا لیکن نعیمؓ نے ایک شرط صلح کے لئے یہ رکھی کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک دستہ ہمدان میں مستقل طور پر رہے گا جو انہیں اس صلح کی یاد دلاتا رہے کیونکہ انہوں نے پہلے صلح کر کے توڑ دی تھی۔

جو فوجیں رستم کے بھائی اسفندیار کے پاس جمع ہو رہی تھیں ان کی تعداد دن بدن

Marfat.com

بڑھ رہی تھی۔ دیلمی نے رے اور آذربائیجان وغیرہ سے ایک بہت بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرحان کا باپ زینبی جو رے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف اسفندیار پہنچا۔ وادیٔ رود میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں اور اس زور کا رَن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ مسلمان چونکہ فتوحات کے عادی ہو چکے تھے اور ایرانیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ ہر بار فتح مسلمانوں کے قدم ہی چومتی ہے اس لیے ان پر غالب آنا آسان نہیں ہے۔ لٰہذا جب شام ہوئی تو ایرانی بے شمار لاشیں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

نعیم چونکہ سیدنا عمرؓ کو یہ بتا چکے تھے کہ دیلم، رے اور آذربائیجان سے فوجیں جمع ہونے کی خبریں مل رہی ہیں' اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نہایت پریشان تھے اور بارگاہِ رب العزت میں مسلمانوں کے لشکر کی فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ عروہ بن زید جو اس سے پہلے واقعہ جسر کی شکست کی خبر لا چکے تھے' وہ اس فتح کا پیام لے کر گئے تاکہ اس روز کی تلافی ہو جائے۔ عروہ جب بارگاہِ خلافت میں پہنچے تو سیدنا عمرؓ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں لٰہذا بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ بالکل نہ گھبرائیں' خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی ہے۔ اس روز سے سیدنا عمرؓ نے ان کا نام "بشیر" رکھ دیا۔ آپ نے فتح کی نوید سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

رے کی فتح

عروہ کے ہاتھ ہی سیدنا عمرؓ نے نعیم بن مقرنؓ کے نام خط لکھ کر بھیجا کہ ہمدان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود رے کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور رے کو فتح کر کے پھر وہیں قیام کر لو' اس لیے کہ یہ شہر دوسرے شہروں کے وسط میں ہے اور تمہارے مقصد کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ خط ملتے ہی نعیم نے یزید بن قیس کو ہمدان میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود فوج لے کر رے کی طرف کوچ کیا۔ اس زمانہ میں رے کا حاکم سیاوش بن مہران تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اس نے طبرستان' دیناوند' قوس اور جرجان وغیرہ کے حاکموں سے فوجی امداد طلب کی۔ ہر شہر سے امدادی فوجیں آئیں جو سامان اور تعداد کے لحاظ سے نعیم کی فوجوں سے بہت زیادہ تھیں۔ یہ ساری فوجیں رے میں قلعہ بند ہو گئیں جسے سیاوش نے ہر لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کر رکھا تھا۔

رے اس علاقے کا بہت بڑا شہر تھا۔ اس میں آتش کدوں کے ارد گرد بڑی بڑی

Marfat.com

عبادت گاہیں تھیں۔ اس لحاظ سے اس شہر پر حملہ گویا ایرانی تقدس پر حملہ تھا۔ جس کی مدافعت ایک مذہبی فریضے کا درجہ رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں یہ شہر ایک وسیع تجارتی مرکز تھا جہاں مشرق و مغرب کے مال آ کر فروخت ہوتے تھے' لہٰذا حملہ آور مسلمانوں کو روکنے کے لئے مدافعین میں بہت جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ ایرانی فوجوں کی تعداد اور ان کا سامان حرب و ضرب مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا' اس وجہ سے ایرانیوں کو پوری امید تھی کہ فتح ہماری ہو گی۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ اگر فتح ہماری بھی ہوئی تو یہ شہر ہم سے بہت قربانیاں لے گا لیکن نعیمؓ اور اس کے ساتھیوں کے اندازے سے بھی کہیں کم قیمت پر فتح حاصل ہو گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ زینبی سیاوش سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا کیونکہ اس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار کرنے پر اسے برا بھلا کہا تھا اور اس سے نہایت بدسلوکی سے پیش آیا تھا۔ اور اس کا عہدہ بھی اس سے چھین لیا تھا۔ چنانچہ رات کے وقت زینبی نعیمؓ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ایرانیوں کی تعداد زیادہ اور آپ کی کم ہے۔ آپ اپنی فوج کا ایک دستہ میرے ساتھ روانہ کریں۔ میں شہر میں ایک ایسے خاص راستے سے داخل ہوں گا کہ انہیں پتہ نہیں چلے گا۔ ادھر سے آپ اس پر حملہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ جلد ہی سیاوش کی فوج کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ نعیمؓ کو زینبی کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے اپنے چچازاد بھائی منذر بن عمرو کی قیادت میں ایک سوار دستہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ زینبی اس دستے کو شہر میں اس طرح لے گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ادھر نعیمؓ نے شہر کے محافظوں کو رات بھر تیروں میں الجھائے رکھا اور انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کے دستہ نے شہر میں نعرہ تکبیر بلند کیا جسے سن کر ایرانیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ گھبرا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے انہیں اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ نعیم فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ سیاوش شکست کھا کر بھاگ گیا اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

رے میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ مدائن کے مال غنیمت سے کم نہ تھا۔ نعیم نے زینبی کو اہل رے کا نمائندہ قرار دے کر اس سے صلح کر لی اور شہر کی برجیاں اور مورچے بلکہ سارے پرانے شہر کو مسمار کر دیا۔ اور زینبی کو رے کا حاکم بنا دیا۔ پھر پرانے شہر کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا۔ سیدنا عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس کی طرف روانہ کیا جو بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ اور شہر والوں سے

سوید بن مقرن نے صلح کرلی۔ رے کے قریب ایک شہر دیناوند تھا جو ایک پہاڑ پر آباد تھا۔ اس کے باشندے رے کی مدافعت کے لئے اس کے قلعوں میں چلے گئے تھے۔ رے کے فتح ہونے کے بعد یہاں کے باشندوں نے بھی دو لاکھ درہم سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کرلی۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر مسلمانوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربائیجان کی فتح

آذربائیجان طبرستان کے پڑوس میں تھا۔ اس کی سرحدیں شمال میں دیلم اور جنوب میں عراق عرب اور جزیرے سے ملتی ہیں۔ جہاں آج کل تبریز واقع ہے اس کے قریب ایک بہت بڑا شہر اردبیل کے نام سے واقع تھا۔ آذربائیجان ڈیڑھ ہزار میٹر کی بلندی پر ایک پہاڑی صوبہ ہے۔ اس کی بعض چوٹیاں چار چار ہزار میٹر اونچی ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ موبد آذر آباد نے ایک آتش کدہ بنایا تھا جس کا نام آذر آبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ پہلوی لغت میں آذر کے معنی آتش یعنی آگ کے ہیں اور بائیگان کے معنی ہیں محافظ یعنی آگ کی محافظت کرنے والا۔ اس شہر میں آتش کدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں "آذربائیجان" بنا لیا۔ جب ایران میں آتش پرستی اسلام آنے کے بعد ختم ہو گئی اور یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر اس کا نام تبدیل کر کے ماژندران رکھ دیا گیا۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے آذربائیجان کا علم عتبہ بن فرقد اور بکیر بن عبداللہ کو بھیجا تھا اور ان کے سر زمین ایران میں آگے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین فرما دی تھیں۔ بکیر بن عبداللہ اپنی فوجوں کو لے کر جا رہے تھے کہ راستہ میں اسفندیار بن فرخ زاد سے مٹھ بھیڑ ہو گئی جو داخ روز سے شکست کھا کر اپنے بھگوڑے لشکر کے ساتھ واپس آرہا تھا۔ شدید لڑائی کے بعد اسفندیار کو شکست ہو گئی اور وہ پکڑا گیا۔ بکیر نے اسے قتل نہ کیا بلکہ قید کر لیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام سیدنا عتبہ بن فرقد سے ٹکرایا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے جب بھائی کی شکست کے بارے میں سنا تو بکیر بن عبداللہ سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی ہے اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ آذربائیجان انہیں دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربائیجان کا رئیس رہ کر انہیں جزیہ ادا کرتا رہے۔ چنانچہ ایک عہد نامہ لکھ دیا کہ "اس

Marfat.com

ملک کے باشندے مسلمانوں کو حسب استطاعت جزیہ ادا کرتے رہیں گے اور مسلمان ان کے جان ومال اور مذہبی رسوم کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔"

بلاذری کا بیان ہے کہ آذربائجان کا علم سیدنا حذیفہؓ کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے اس کے پایہ تخت اردبیل پہنچے اور وہاں کے حاکم کو سخت مقابلہ کے بعد شکست دی اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر اس سے صلح ہو گئی۔ اسی اثنا میں بارگاہِ خلافت سے حذیفہ بن الیمانؓ کی معزولی کا حکم آ گیا اور عتبہ بن فرقدان کی جگہ امیر مقرر ہوئے۔ عتبہ کے آتے ہی آذربائجان کے تمام اطراف میں بغاوت ہو گئی لہٰذا انہوں نے دوبارہ اس کو اور اس کے اطراف کو فتح کیا۔

طبرستان کی فتح

طبرستان بھی ایران کا ایک مشہور صوبہ تھا۔ اس کے مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربائجان، شمال میں جرزجان اور جنوب میں بلادِ جیل، بسطام اور استر آباد کے مشہور شہر ہیں۔ نعیم بن مقرن کے بھائی سوید بن مقرن نے قومس کی صلح کے بعد بسطام میں پڑاؤ ڈالا۔ اور جرجان کے فرمانروا کو لکھا کہ یا تو جزیہ دے کر صلح کر لے ورنہ اسلامی فوجیں اس کی طرف آ رہی ہیں۔ اس نے یہ پیغام ملتے ہی دہستان اور جرجان کی طرف سے صلح کر لی اور مسلمانوں کا باج گذار ہو گیا۔ اس صلح نامہ میں ایک خاص شق یہ رکھی گئی جو اس سے پہلے کسی صلح نامہ میں نہ رکھی گئی تھی کہ "تم میں سے جس کسی سے ہم کوئی مدد لیں گے، یہی اس کا جزیہ ہو گا۔ اس سے اور کچھ وصول نہ کیا جائے گا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جزیہ دراصل کسی مغلوب قوم کی حفاظت کا معاوضہ ہے۔ لیکن اگر وہ قوم اپنی حفاظت خود کرے یا مسلمانوں کا ساتھ دے تو اس سے کوئی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

جرجان کے اس صلح نامہ کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہ دار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

آرمینیہ کی فتح

صوبہ آرمینیہ کو بلادِ ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ اس کے شمال میں بحر اسود، جنوب میں کوہی اور صحرائی سلسلہ جو دور تک چلا گیا ہے، مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلادِ روم واقع ہیں۔ یہ صوبہ خلافت فاروقی میں پورا فتح نہ ہو سکا جو

حصہ اس کا رہ گیا وہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں فتح ہوا۔

بکیر بن عبداللہ آذربائیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے۔ اس کی فتح کے بعد انہوں نے شمالی ایران کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ آذربائیجان کی طرف بحر قزوین میں ایک بندرگاہ تھی جسے باب یا باب الابواب کہتے تھے۔ یہ بڑی مضبوط بندرگاہ تھی۔ باب کے حاکم کا نام "شہر براز" تھا۔ یہ مجوسی تھا اور سلطنت ایران کے ماتحت تھا۔ اسے جب مسلمانوں کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو وہ امان طلبی کے لئے خود مسلمانوں کے امیر عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور کہا کہ مجھے آرمینیہ کے باشندوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایرانی النسل ہوں اور جب تم لوگوں نے ایران کو فتح کر لیا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں تمہاری ہر طرح کی مدد کروں گا' لیکن ہم سے جزیہ لے کر ہمیں ذلیل نہ کرو۔ بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو ہم سے فوجی مدد لی جائے۔ عبدالرحمٰن نے اسے سراقہ بن عمرو کے پاس بھیج دیا جو اسلامی فوج کے سالار اعلیٰ تھے۔ شہر براز نے ان کے سامنے بھی اپنی وہی بات دہرائی۔ سراقہ نے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔ سراقہ نے اپنے اس فیصلے کی اطلاع امیر المؤمنین کو بھیجی۔ آپ نے اسے پسند فرمایا۔

باب کی فتح سے فارغ ہو کر سراقہ نے کچھ فوجی دستے آس پاس کی پہاڑی آبادیوں میں بھیجے۔ یہاں کے باشندوں نے جنگ کیے بغیر جزیے پر صلح کر لی۔ اسی اثنا میں سراقہؓ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ عبدالرحمٰن ترکوں سے لڑنے چلے تو شہر براز نے کہا: "ہم تو اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ ترک ہمیں باب ہی میں رہنے دیں"۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: "لیکن ہم تو ان کے گھروں میں گھسے بغیر دم نہیں لیں گے۔ بخدا! ہمارے ساتھ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہمارا امیر ہمیں اجازت دے تو میں ان کو لے کر روم میں پہنچ جاؤں"۔ شہر براز نے بڑے تعجب سے پوچھا: "وہ کون لوگ ہیں؟" عبدالرحمٰن نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ۔ یہ لوگ بڑے خلوص سے جہاد کے لئے نکلے ہیں۔ فتح و نصرت ہمیشہ ان کی رکاب میں چلے گی"۔ لیکن عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے ابھی ترکوں سے جنگ شروع نہیں کی تھی کہ انہیں سیدنا عمرؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ یہ خبر سن کر عبدالرحمٰن واپس ہو گئے اس کے بعد انہوں نے عہد عثمانی میں ان پر دوبارہ حملہ کیا۔

Marfat.com

ادھر بکیر بن عبداللہ نے قان کو جہاں سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا۔ حبیب بن مسلمہؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ نے تفلیس اور جبال املان کا رخ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہ ان علاقوں کو فتح کرتے سیدنا عمرؓ کی شہادت کی خبر انہیں مل گئی اور وہ نئی حکومت کی نئی پالیسی کا انتظار کرنے کے لئے واپس آ گئے۔ چنانچہ یہ مہمات سیدنا عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں انجام کو پہنچیں۔

فارس کی فتح

فارس پر مسلمانوں نے اگرچہ پہلے ۷ ھ میں حملہ کیا تھا لیکن وہ حملہ امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا۔ اب جب مسلمان خوزستان اور عراق عجم میں ہونے کی وجہ سے شمالاً صوبہ فارس کے پڑوس میں پہنچ گئے تھے اور غرباً خراسان کے پڑوس میں اس لیے اب اگر وہ فارس اور خراسان کی طرف بڑھ جائیں تو جنوب میں کرمان اور مکران کی راہیں ان کے لئے کھل جائیں گی۔ اور خراسان کے اس طرف ایران کی سرزمین اپنی انتہائی حدود تک ان کے پاؤں تلے بچھ جائے گی۔ ایرانی بھی یہ دیکھ رہے تھے کہ مجاہدین اسلام ایک پر ایک شہر فتح کرتے ہوئے پورے ایران پر چھا رہے ہیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان بحرین سے خلیج فارس عبور کر کے ان کے ملک میں در آئیں گے اور اس کے بعد ان کی سرزمین کو اسی طرح پامال کریں گے جس طرح اس سے قبل وہ ایران کے بڑے شہروں اور صوبوں عراق، خوزستان، اصفہان اور رے کو پامال کر چکے ہیں۔ چنانچہ نعیم بن مقرنؓ نے جب رے فتح کیا ہی تھا تو سیدنا عمرؓ نے تمام سپہ سالاروں کو سرزمین ایران میں پیش قدمی کی اجازت دے دی۔ جو فوجیں اصفہان میں تھیں وہ خراسان کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بصرہ اور بحرین کے لشکروں نے فارس اور کرمان کا رخ کیا۔ اور ہر طرف سے امدادی فوجیں ان کی امداد کے لئے آگے بڑھیں۔ اب سیدنا عمرؓ کی پالیسی تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ ایرانیوں کے لئے اب اطمینان و قرار کی کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے جہاں وہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف کچھ سوچ سکیں۔ اس لئے اب شمال سے جنوب تک کسریٰ کی سلطنت ایک زبردست جنگ کا اکھاڑا بن گئی۔ بھگوڑا کسریٰ جہاں کہیں بھی پناہ کے لئے جاتا اسے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ ملتی۔ ہر جگہ لڑائی کی خبریں اس کا پیچھا کرتیں۔ چنانچہ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتا پھرا۔ یہ سب سیدنا عمرؓ کی پالیسی کی تبدیلی کا منطقی نتیجہ تھا۔

سیدنا عمرؓ کی خلافت کے آخری دنوں یعنی ۲۳ھ میں صوبہ فارس پر حملہ کرنے کے لئے بحرین اور بصرہ سے چلے۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی خلیج فارس کو عبور کر کے فارس کی طرف بڑھے اور جزیرہ ابر کادان کو فتح کر کے توخ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں انہیں مجاشع بن مسعود ملے جو بصرہ سے روانہ ہوئے تھے لیکن ایرانیوں نے ان کو توخ کے قریب روک لیا تھا۔ بہر حال عثمان بن ابی العاصؓ نے اس شہر کو فتح کر کے وہاں چھاؤنی قائم کر دی۔ مساجد تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل کو یہاں آباد کیا۔ یہاں سے وہ کبھی کبھی سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس چلے جاتے۔ اس طرح اردشیر' سابور' اصطخر کے بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک فارس کا مرزبان تھا۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک لشکر جرار جمع کر کے توخ کی طرف بڑھا۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض کہ جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر جانب فوجیں بھیج دیں۔ چنانچہ فارس کے تمام صدر مقامات گازرون' نوبند جان' ارجان' شیراز اور سابور وغیرہ خود عثمان کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ فساء اور دارالبحر وغیرہ پر جو فوجیں روانہ گئی تھیں وہ کامیاب اور فتح یاب واپس آئیں۔ اس معرکہ کا اثر یہ ہوا کہ ایرانیوں کی رہی سہی معنوی قوت بھی فنا کے گھاٹ اتر گئی۔

کرمان کی فتح

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے' جس وقت عثمان بن ابی العاص کا لشکر صوبہ فارس میں پیش قدمی کر رہا تھا' سہیل بن عدی کرمان میں نبرد آزما تھے۔ ۲۳ھ میں وہ ایک فوج لے کر جس کا مقدمۃ الجیش بشیر بن عمر العجلی کی کمان میں تھا' کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد حاصل کر کے مقابلہ کیا لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھوں مارا گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کے بعد اس کے دوسرے شہر جیرفت اور سیر جان بھی فتح ہو گئے جو کرمان کے بہت بڑے تجارتی شہر تھے۔ بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں غنیمت میں ان کے ہاتھ آئیں لیکن مکران والوں نے مکران پر مورچہ بندی کر لی۔ لہٰذا ان کے اور مجاہدین کے درمیان شدید جنگ ہوئی جس میں فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ دشمن کے بے شمار سپاہی کام آئے۔ سیدنا عمرؓ کو فتح

Marfat.com

کی نوید کا خط اور مال غنیمت کا خمس صحار عبدی کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ خمس کے ساتھ ایک ہاتھی بھی بھیجا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا کہ ہاتھی کو فروخت کر کے اس کی قیمت فاتحین میں تقسیم کر دی جائے۔

مسلمان جب کرمان کو فتح کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے تو یزدگرد یہیں مقیم تھا۔ اس نے دیکھا کہ یہ شہر بھی مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکے گا تو وہ خراسان بھاگ گیا۔ اسے امید تھی کہ خراسان اور سجستان کے باشندے مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں گے لیکن اس کی یہ حسرت بھی پوری ہوتی نظر نہ آتی تھی۔

سجستان کی فتح

سجستان کا علاقہ کرمان کے شمال میں تھا۔ سیدنا عمرؓ نے عاصم بن عمروؓ کے سپرد اس کی مہم کی۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق سیدنا عاصمؓ اپنی اس مہم کی طرف روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن عمیر بھی وہاں ان سے مل گئے۔ اہل سجستان اپنے ملک کی سرحدوں پر حملہ آوروں کے خلاف صف آرا ہوئے لیکن زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور دارالحکومت زرنج میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ طویل ہو گیا تو انہوں نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ مسلمان سجستان کے کھیتوں کو پامال نہیں کریں گے۔ ان کی یہ شرط مان لی گئی اور اہل شہر نے جزیہ پر صلح کر لی۔

مؤرخین نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے کہ سجستان کے لوگوں نے اتنی جلدی ہتھیار کیوں ڈال دیے۔ حالانکہ سجستان خراسان سے بڑا اور مستحکم اور مضبوط تھا۔ اس کے باشندے ترکوں اور اردگرد کی دوسری اقوام سے امداد حاصل کر سکتے تھے۔ اس کا آسان اور سیدھا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اتنی جلدی ہتھیار اس لیے ڈال دیے کہ جب انہوں نے یزدگرد کسریٰ ایران کو دیکھا کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے وہ مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہاں سے فرار ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو وہاں رہ کر مقابلہ کرنا چاہئے، لیکن وہ لوگوں کی جانوں سے اپنی جان کو زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ اب لوگ اس کے لئے اپنی جان کو کیوں ضائع کریں۔ انہوں نے دیکھا کہ جب کسریٰ ایران ہی مسلمان فوجوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ بھاگ جاتا ہے تو وہ کیوں محاصرہ کو طویل کر کے اپنی جانوں کی قربانی دیں' لہٰذا انہوں نے اپنی عافیت صلح میں سمجھی اور بغیر دیر کئے مسلمان فوجوں سے صلح کر لی۔

Marfat.com

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ علاقہ سیستان کا علاقہ بھی کہلاتا تھا اور عرب لوگ سیستان کو سجستان کہتے ہیں۔ اس کے مشرق میں سندھ، مغرب میں کوہستان، شمال میں ہرات اور جنوب میں مکران واقع ہے۔ اس کا مشہور شہر زرنج تھا جہاں میوہ جات کی فراوانی تھی۔ اس کا کل رقبہ ۲۵ ہزار مربع میل ہے۔ اس ملک کے مسلمانوں کے قبضہ میں آنے سے سندھ سے لے کر نہر بلخ کے ساتھ جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

مکران کی فتح

مکران کا علاقہ بھی ایک بہت بڑا علاقہ ہے۔ آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ بلاذری فاروقی فتوحات کی حد سندھ کے شہر دیبل (موجودہ کراچی) تک لکھتا ہے، لیکن طبری نے آخری حد مکران لکھی ہے۔ مکران کی اس مہم پر سیدنا حکم بن عمرو تغلبی سیدنا عمرؓ کی طرف سے مامور ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کی خلافت کے آخری ایام ۲۳ھ میں وہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتار دیں۔ مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود نہر کے پار آیا اور صف آرائی کی، لیکن ایک شدید جنگ کے بعد شکست کھائی اور مسلمانوں کا مکران پر قبضہ ہو گیا۔ صحار عبدی فتح کی نوید کا خط لے کر دربار خلافت میں گئے۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا:

ارض سهلها جبل، ما ؤها وشل، وثمرها دقل، وعدوها بطل، وخيرها قليل وشرها طويل والكثير بها قليل

سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ واقعات کے بیان کرنے میں یہ قافیہ بندی کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حقیقت حال کو بیان کیا ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے حکم بن عمرو تغلبی کو لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ گئی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ طبری کے بیان کے مطابق فتوحات فاروقی کی حد یہی مکران ہے۔

خراسان کی فتح

سیدنا عمرؓ نے جب ایران کے مختلف صوبوں میں اپنے جرنیلوں کو پیش قدمی کرنے کے لئے علم عطا فرمائے تو احنف بن قیسؓ کو خراسان کا علم مرحمت فرمایا۔ خراسان ایک بہت بڑا صوبہ تھا جس کی سرحدیں مغرب میں عراق عجم سے ملتی تھی اور مشرق میں افغانستان

Marfat.com

اور ہندوستان سے۔ اس کے جنوب میں کرمان اور سجستان تھے اور شمال میں وہ ایران کی انتہائی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ نیشاپور' ہرات' بلخ اور مرو وغیرہ اس کے بڑے شہر تھے اس زمانہ میں خراسان انتہائی زرخیز صوبہ تھا اور وہاں سوت اور ریشم کے نفیس اور بہترین کپڑوں کی صنعت عروج پر تھی۔ سیدنا احنف بن قیس جب خراسان کی سرحدوں پر پہنچے تو اس وقت یزدگرد مرو میں تھا۔ یہ ۲۲ھ کا واقعہ ہے یزدگرد اہل خراسان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ اس طریقہ سے اپنے آباؤ اجداد کی باقی ماندہ زمین مسلمان فوجوں سے بچا سکے' لیکن اس کے ذہن میں مدائن اور نہاوند کے واقعات بھی تھے۔ جنگ قادسیہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ مسلمان کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ نہاوند میں اس نے پورے ایران کی قوتوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑائی میں جھونک دیا تھا' لیکن پھر بھی شکست اس کا مقدر بنی۔

احنف بن قیس نے جب خراسان کا رخ کیا تو ہرات تک انہیں کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ ہرات خراسان کے وسط میں واقع تھا اور ایک بہت بڑا شہر تھا۔ اسے چاروں طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔ دولت و آسودگی میں وہ دوسرے شہروں سے ممتاز تھا۔ اس کا غذائی اندوختہ کئی مہینوں تک چل سکتا تھا' لیکن سیدنا احنف کو اس شہر کے فتح کرنے میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی اور جلد ہی شہر والوں نے سپر انداز ہو کر صلح کا دامن پھیلا دیا۔ ہرات فتح ہو گیا لیکن اس کا سقوط گویا پورے خراسان کا سقوط تھا۔ احنف نے یہاں اپنے لشکر کے کئی حصے کیے۔ ایک دستہ شہر کی نگرانی کے لئے چھوڑا۔ اور تھوڑی سی فوج نیشاپور اور سرخس بھیج دی اور باقی ماندہ لشکر کو لے کر خود مرو کا رخ کیا جہاں یزدگرد مقیم تھا۔ مرو خراسان کا ایک نہایت اہم اور بڑا شہر تھا بلکہ اس کا دارالسلطنت تھا لیکن اس کا محل وقوع ہرات کی طرح زیادہ محفوظ نہ تھا۔ یزدگرد کو جب معلوم ہوا کہ احنف مرو کی طرف آ رہے ہیں تو وہ مرو سے رود چلا گیا۔ یہ شہر مرو کے قریب ایک بہت بڑے دریا کے کنارے آباد تھا۔ یزدگرد کا خیال تھا کہ یہ شہر مورچہ بندی کے لئے مرو سے بہت بہتر ہے لیکن احنف بن قیس نے اس کو مورچہ بندی کی مہلت ہی نہ دی۔ احنف کے پاس کوفہ کی امدادی فوجیں پہنچ چکی تھیں لہٰذا وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ احنف نے مرو رود کی طرف بڑھنا شروع کر دیا' لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ یزدگرد اور تمام ایرانی قوم کی معنوی قوت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے یزدگرد مرو رود سے بلخ بھاگ گیا۔ احنف نے کوفہ سے آئی ہوئی فوج کو یزدگرد

Marfat.com

کے تعاقب میں بلخ روانہ کر دیا اور خود مرو رود میں ڈیرہ ڈال دیا۔ مسلمانوں کی یہ فوج جب بلخ پہنچی تو یزدگرد یہاں سے بھی بھاگ گیا۔ اتنے میں سیدنا احنف بھی مرو رود سے بلخ پہنچ گئے اور وہ اپنی فوج کو لے کر شہر بلخ میں داخل ہوئے۔ بعد میں ربعی بن عامرؓ بلخ اور اس کے اطراف کا علاقہ سپرد کر کے خود مرو رود واپس آگئے اور ہر طرف فوجیں بھیج کر نیشاپور اور طخارستان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

اب یزدگرد کے لئے اپنے وسیع و عریض ملک میں کوئی جگہ نہ رہی اور نہ ہی ایران کا کوئی حاکم اس کو اپنے ہاں پناہ دینے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ وہ اب جو بلخ سے بھاگا تو ایران اور ترکستان کے درمیانی دریا کو عبور کر کے خاقان ترک کے دامن میں پناہ لی۔ اور اس سے امداد کی بھیک مانگی۔ خاقان ترک نے اپنی ایک فوج تیار کی اور یزدگرد کو اپنے ساتھ لے کر مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کے لئے خراسان روانہ ہو گیا۔ اس دوران میں سیدنا احنف بن قیس امیر المؤمنین کو خراسان کی فتح اور مرو اور بلخ کی فتح کی نوید سنا چکے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے احنف کا خط پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "وہ احنف ہے' اہل مشرق کا سردار"۔ پھر فوراً بعد ہی سیدنا عمرؓ نے اس کے عواقب پر غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا: "میں چاہتا تھا کہ خراسان کی طرف فوجیں نہ بھیجتا"۔ انہیں اب یہ اندیشہ ہوا کہ احنف کہیں خراسان سے آگے مشرق کی طرف نہ بڑھ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر احنف کو لکھا کہ "جہاں تک پہنچ چکے ہو اس سے آگے نہ بڑھنا' دریا ہرگز پار نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے"۔

خاقان یزدگرد کے ساتھ دریا عبور کر کے بلخ پہنچ گیا' چنانچہ کوفہ کی فوج جو بلخ میں مقیم تھی پسپا ہو کر مرورود آ گئی اور یہاں احنف اور ان کے لشکر کے ساتھ مل گئی۔ خاقان ترک بھی اپنے لشکر جرار کے ساتھ مرورود پہنچ گیا۔ اب تو احنف نے دشمن کا یہ ٹڈی دل دیکھا تو سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے بڑے غور و فکر اور سوچ وچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ لشکر کو لے کر کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں دریائے مرورود سامنے ہو اور پہاڑ پشت پر تاکہ دریا ان کے اور ان کے دشمن کے درمیان خندق کا کام دے اور پیچھے سے پہاڑ ان کی حفاظت کرے۔ چنانچہ یہ بات انہوں نے اپنے لشکر کو سمجھا دی۔ اسلامی فوج مناسب جگہ پہنچ گئی اور خاقان ترک اور اس کا ٹڈی دل آگے بڑھ کر ان کے مقابل آ کر خیمہ زن ہو گئے۔

اس احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ سیدنا احنف بن قیسؓ نے سیدنا عمرؓ کی یہ ہدایت خاقان ترک کو پہنچا دی کہ مسلمان دریا عبور کر کے ترکوں کے ملک میں نہ جائیں۔

چنانچہ جب خاقان نے دیکھا کہ مسلمان نہ تو دریا کو عبور کر رہے ہیں اور نہ ہی ہمیں جنگ کی دعوت دے رہے ہیں تو اسے اس کی تصدیق ہو گئی۔

کئی روز دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے رہے لیکن مسلمانوں کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ایک روز احنف نے اپنے جاسوس بھیج کر دشمن کی شب گاہ کا پتہ لگایا۔ اور اسی رات چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر خاقان کے لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ جب صبح ہوئی تو ترکوں کے ہراول کا ایک سوار اس طرح نکلا گویا مسلمانوں پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ احنف نے اسے جالیا اور کچھ دیر مقابلہ کے بعد اسے قتل کر دیا۔ پھر دوسرا سوار نکلا۔ احنف نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر تیسرا نکلا' اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ احنف اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ دشمن نے وہ تین لاشیں میدان میں رکھ دیں۔ خاقان اپنی قیام گاہ سے باہر نکلا تو اس نے میدان میں تین لاشیں پڑی دیکھیں۔ اس نے اس کو نہایت برا شگون سمجھا۔ اور اسی وقت اپنے آدمیوں کو بلا کر کہا: "ہمارا قیام بہت طویل ہو گیا ہے' اور ہمیں مسلمانوں سے لڑنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں"۔ چنانچہ خاقان ترک اسی روز اپنی فوج کو لے کر میدان جنگ سے بلخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب بھی نہ کیا۔ اس سے وہ یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی مجھ سے کوئی لڑائی نہیں۔ ان کی لڑائی صرف ایرانیوں سے ہے۔ اور یزدگرد اپنا حساب خود چکاتا پھرے۔ چنانچہ خاقان بلخ کے پاس سے دریا عبور کر کے واپس اپنے ملک چلا گیا۔

کوفہ کی فوج جب بلخ سے پسپا ہو کر سیدنا احنف کے پاس مرورود پہنچی تھی تو یزدگرد ایرانی فوج کو لے کر مروشاہجہان روانہ ہو گیا تھا۔ وہاں اس نے حارثہ بن نعمان اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور اپنا ایک گڑا ہوا خزانہ نکال کر کچھ لوگوں کی حفاظت میں دے دیا تھا۔ لیکن جب خاقان بلخ سے دریا عبور کر کے اپنے ملک چلا گیا تو یزدگرد نے چاہا کہ اپنے خزانے کو لے کر ترکستان اس سے جا ملے۔ یہ خزانے بڑے قیمتی تھے۔ ایرانیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یزدگرد ملکی خزانے لے کر ترکستان بھاگ جانا چاہتا ہے اور یہ خزانے اتنے قیمتی ہیں کہ ان کی قیمت لگانے سے اعداد قاصر ہیں تو وہ مزاحم ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اتنے قیمتی خزانے لے کر اسی قوم کے پاس ان کے ملک میں جا رہے ہیں جو آپ کا' آپ کے ملک کا اور آپ کی قوم کا ساتھ چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کا مال و دولت دوسرے ملک میں نہیں جانے دیں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ مل کر

Marfat.com

مسلمانوں سے صلح کرلیں جو ہمارے ملک میں نہایت امن وسکون کے ساتھ حکومت کر رہے ہیں۔ یزدگرد نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری بات نہیں مانتے تو یہ خزانے یہیں چھوڑ جایئے۔ ہم ان کو دوسرے ملک میں نہیں جانے دیں گے۔ لیکن کسریٰ نے ان کی اس بات کو بھی نہ مانا۔ آخر انہوں نے کسریٰ کا مقابلہ کر کے ان تمام خزانوں کو چھین لیا۔ یزدگرد اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ بلخ سے فرغانہ چلا گیا جو ترکوں کا دارالسلطنت تھا۔ ایرانی سیدنا احنف کے پاس گئے اور تمام خزانے ان کے سپرد کر کے صلح کرلی۔ احنف کوفہ کی فوج کو مرورود سے بلخ لے گئے اور انہیں وہاں چھوڑ کر اپنے صدر مقام پر واپس آگئے۔

سیدنا احنف نے امیر المؤمنین کو فتح کا خط لکھا۔ سیدنا عمرؓ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے اس میں وہ خط پڑھ کر سنایا۔ اور آخر میں فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے مجوسی سلطنت کو تباہ وبرباد کر دیا اور اس کے شیرازے کو منتشر کر دیا۔ اب انشاء اللہ اس ملک میں کوئی طاقت نہیں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکے۔ اللہ نے اب ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے مال اور ان کی اولاد کا وارث تمہیں بنایا ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ اب تم کیا کرتے ہو۔ اگر تم نے بھی وہی کام کرنے شروع کر دیے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے گا۔ مجھے اس امت کی بد بختی کا کوئی اندیشہ نہیں مگر یہ کہ تمہی ان کے لئے مصیبت بن جاؤ"۔

یزدگرد ترکستان بھاگ گیا اور سرزمین ایران سے اس کی سلطنت کا پوری طرح خاتمہ ہو گیا۔ وہ برسوں اپنے باپ دادا کے ملک پر قابض ہونے کے خیالی پلاؤ پکاتا رہا لیکن سیدنا عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں نہایت کسمپرسی کی حالت میں ایک چکی والے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

(اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "سیدنا عثمانؓ۔ شخصیت اور کردار"، جلد اوّل)

Marfat.com

مصر کی فتح

عراق اور شام پر مسلمان فوجیں مسلسل حملے کر رہی تھیں۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ اگرچہ مدینہ طیبہ سے اپنی فوج لے کر مصر کے لئے تو نہیں گئے تھے لیکن جنگ یرموک کی فتح کے بعد ان کے دل میں مصر کی فتح کا خیال انگڑائیاں لینے لگا۔ روایتوں میں ہے کہ ۱۶ھ میں جب سیدنا عمر بیت المقدس کی صلح کے لئے وہاں تشریف لے گئے تو سیدنا عمرو بن عاصؓ نے ان سے وہاں مصر کی فتح کا ذکر کیا۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے مصر کی بے شمار نعمتوں کی تصویر بھی کھینچی، اس کے دوسرے حالات بھی بیان کیے۔ سیدنا عمرؓ نے ان کی باتیں نہایت غور سے سنیں پھر ان پر غور و خوض بھی کیا لیکن حملہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ دیکھا یہ گیا کہ سیدنا عمرؓ سے مصر پر حملہ کے لئے جب بھی بات کی گئی تو وہ سوچ میں پڑ جاتے تھے کیونکہ ۱۶ھ کے آخر تک پورا شام مسلمانوں کے زیر اقتدار نہیں آیا تھا اور وہاں مسلمانوں کے قدم ابھی تک صحیح طور پر نہیں جمے تھے۔ یہ صورت حال ۱۷ھ کے آخر تک رہی اس لیے سیدنا عمرؓ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ مصر میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنی فوجیں شام سے مصر بھیج دیں۔ اس لیے آپ کو اس بارہ میں تردد تھا۔ پھر سیدنا عثمان بن عفانؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ مصر پر فوج کشی کے حق میں نہ تھے۔ جب پورا شام فتح ہو گیا تو اگرچہ اب آپ شام کی فوجیں مصر بھیج سکتے تھے لیکن دو بڑی مصیبتوں نے جزیرہ نمائے عرب اور شام کو آگھیرا۔ ان میں ایک تو قحط تھا جس سے مدینہ اور اس کے اطراف میں بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے اور دوسرا سبب فلسطین کے ایک شہر عمواس میں طاعون کا پھوٹ پڑنا تھا جو پھیلتے پھیلتے شام اور بصرہ تک پہنچ گیا۔ اس بلائے ناگہانی نے شام میں رکی ہوئی تمام فوج کو پریشان کر دیا۔ بڑے بڑے

Marfat.com

جرنیل اس بلائے بے درماں کی بھینٹ چڑھ گئے اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ایرانی اور رومی کہیں پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ نہ کر دیں۔ ان دونوں حوادث نے سیدنا عمرؓ کو سب کچھ بھلا دیا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے بھی اس دوران مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی' لیکن مصر کی فتح کی خواہش ان کے دل میں اضطراب پیدا کرتی رہتی۔ چنانچہ جزیرہ نمائے اور شام میں ان دونو ں مصیبتوں سے نجات مل گئی اور عام زندگی بحال ہو گئی تو امیر المؤمنین حالات کی درستی اور فوجوں کی از سر نو تنظیم کے لئے شام تشریف لے گئے۔ جابیہ میں سیدنا عمرو بن عاصؓ ان سے ملے اور شام کے مختلف علاقوں کا ان کے ساتھ دورہ کیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیدنا عمرو بن عاصؓ نے امیر المؤمنین سے پھر فتح مصر کا ذکر چھیڑا اور اپنے اس موقف کے حق میں بہت سے دلائل دیئے۔ سیدنا عمرؓ نے حسب سابق ان کے دلائل سنے اور ان کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کیا۔ پھر عمرو بن عاصؓ بھی تو کوئی معمولی انسان نہ تھے۔ نہایت جہاں دیدہ' تجربہ کار اور سیاست اور جنگی مسائل کے نشیب و فراز سے بخوبی آشنا تھے۔ انہوں نے دلائل اس انداز میں دیے کہ سیدنا عمرؓ کے لئے ان کا رد کرنا دشوار ہو گیا۔ آپ نے اس وقت ان کی اس درخواست کو رد تو نہ کیا واپس مدینہ چلے گئے لیکن سیدنا عمرو بن عاصؓ ان کے خط کا انتظار کرنے لگے۔ اور اس دوران میں مصر روانگی کا پلان مرتب کرنے لگے۔

سیدنا عمرؓ نے مدینہ واپس آ کر سیدنا عمرو بن عاصؓ کی تجاویز پر سوچ بچار شروع کر دیا۔ سیدنا عمرؓ نے ان کی اس تجویز کو اس لیے بھی رد نہ کیا کہ وہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی جنگی مہارت اور سیاسی بصیرت سے بخوبی آشنا تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر عمرو بن عاصؓ مصر کی مہم پر روانہ ہوئے تو وہ اپنی خوبیوں کے سبب انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے اور واقعات نے ثابت بھی کر دیا کہ آپ کا یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ سیدنا عمرو ابن عاصؓ بڑے ذہین اور ٹھنڈے دماغ کے آدمی تھے۔ وہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی طرف آتش زار جنگ میں بے دھڑک کود پڑنے کا نام بہادری نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ عجلت و بے صبری کے مقابلے میں استقلال اور صبر و تحمل کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ ان کی دلیری سمجھ بوجھ کی دلیری ہوتی تھی۔ جس وقت سیدنا عمرو بن عاصؓ کے ذہن میں مصر فتح کرنے کا خیال آیا تھا ان کی عمر پچاس کے پیٹے میں تھی یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ ایک ایسے بہادر تھے جن کی شہ سواری اور تیغ زنی کی شہرت عام تھی۔ جاہلیت میں بھی وہ ذہین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے قریش مکہ نے انہیں اس وفد کا رئیس بنا کر بھیجا جو نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کے خلاف گیا تھا۔ اگرچہ وہ

اپنے مقصد میں ناکام رہے لیکن انہوں نے نجاشی کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے میں قوت استدلال اور زور بیان کا حق ادا کر دیا۔

مدینہ پہنچ کر سیدنا عمرؓ نے اصحاب الرائے کو جمع کیا اور سیدنا عمرو بن عاصؓ کی خواہش اور ان کے دلائل ان کے سامنے رکھے۔ حاضرین نے اختلاف کیا۔ سیدنا عمرؓ کی چونکہ اپنی رائے اب فتح مصر کی تھی' اس لیے انہوں نے سیدنا عمروؓ کو مصر جانے کا حکم دے دیا اور شریک بن عبدہ کے ہاتھ انہیں ایک خط لکھا کہ :

"لوگوں کو مصر چلنے کی دعوت دو۔ اور جو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر مصر روانہ ہو جاؤ"۔

روایات میں ہے کہ جس وقت آپ کو سیدنا عمرؓ کا یہ خط ملا' اس وقت سیدنا عمروؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ خط پڑھ کر آپ کو بڑی خوشی ہوئی اور آپ نے اسی وقت محاصرہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے سپرد کیا اور خود ساڑھے تین چار ہزار کی فوج لے کر عریش کی طرف چل دیے۔ اس کے بعد شریک بن عبدہ کو کمک طلبی کا پیغام دے کر مدینہ روانہ کر دیا تاکہ شام کی چھاؤنیاں کمزور نہ پڑ جائیں۔

ادھر سیدنا عمرو بن عاصؓ عریش روانہ ہو گئے اور ان کا قاصد جب مدینہ پہنچا اور کمک کے لئے اس نے خط سیدنا عمرؓ کو دیا تو اصحاب الرائے نے جن میں سیدنا عثمان پیش پیش تھے اس پیش قدمی کی سخت مخالفت کی اور انہوں نے سیدنا عمرؓ پر بہت زور دیا کہ عمرو بن عاصؓ کو مصر جانے سے روکیں کیونکہ وہ ایک نڈر اور بے دھڑک آدمی ہیں اور اندیشہ ہے کہ وہ مصر کے حالات کا صحیح اندازہ کیے بغیر ناکافی فوج لے کر نکل کھڑے ہوں گے اور مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ سیدنا عمرؓ اس مخالفت سے سخت پریشان ہوئے، کیونکہ اس سے قبل وہ انہیں پیش قدمی کا خط لکھ چکے تھے اب کیسے انہیں مصر جانے سے روکیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام مصلحتوں اور نزاکتوں کے پیش نظر سیدنا عمروؓ بن عاص کو یہ لکھا: "اگر میرا یہ خط سرحد مصر پار کرنے سے پہلے وصول ہو تو جہاں سے چلے ہو وہیں واپس لوٹ آؤ اور اگر سرحد پار کر چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو۔ میں تمہارے لئے کمک بھیجوں گا"۔ قاصد جب یہ خط لے کر سیدنا عمرو بن عاصؓ کے پاس پہنچا وہ اس وقت مقام "رفح" پر تھے۔ اس نے ان کو امیر المؤمنین کا خط دینا چاہا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کی بصیرت نے بھانپ لیا کہ خط میں واپسی کا حکم ہوگا انہوں نے قاصد سے وہ خط تو لیا لیکن اپنا سفر جاری رکھا اور قاصد سے مدینہ کی

خبریں معلوم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ رفح اور عریش کے درمیان ایک گاؤں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر سیدنا عمرو بن عاصؓ نے پوچھا: "یہ گاؤں کس ملک میں ہے؟" لوگوں نے کہا: "مصر میں" اس وقت وہ اپنی سواری سے اترے اور قاصد نے انہیں وہ خط دیا۔ خط پڑھا اور ساتھیوں کو بھی اس کے مضمون سے آگاہ کیا اور فرمایا: "اب چونکہ ہم مصر کی سرحد عبور کر آئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی برکت اور اس کی مدد پر بھروسہ کرکے بڑھے چلو۔ یہ بھی فرمایا کہ ان کے یہ کلمات پہلی فتح ہیں"۔ انہوں نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا کیونکہ وہ اس قیمتی موقع کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رومی شام کی طرح مصر میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور مصر دنیا کا سب سے دولت مند ملک ہے اگر اس پر ہمارا قبضہ ہو گیا تو پھر کوئی قوت ان کی طاقت و قوت کے برابر نہ ہو گی۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاصؓ سے قاصد مقام "رفح" میں ملا تھا لیکن انہوں نے اس سے اس خیال سے خط نہیں لیا کہ خط میں انہیں آگے بڑھنے سے روکا ہوگا۔ اور جب عریش پہنچے تو خط لے کر کھولا تو اس میں واقعی یہ لکھا تھا کہ اگر مصر کی سرحد میں داخل نہیں ہوئے تو رک جاؤ اور اگر داخل ہو چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو۔ لیکن بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط آپ کو عریش ہی میں ملا تھا۔ لیکن اگر مقریزی کی بات ہی مان لی جائے تو رفح بھی تو داخل مصر ہی ہے۔ لہٰذا اس حیلہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جو مؤرخین نے سیدنا عمرو بن عاصؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ اپنے چار ہزار جانبازوں کے ساتھ عریش پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں رومیوں کی کوئی فوج نہیں۔ وہ پہلے ہی فولاد شکن ارادے کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تھے' اس لیے اب ان کے ارادہ میں اور پختگی اور مضبوطی پیدا ہو گئی اور پیش قدمی کی ہمت بڑھ گئی امیر المؤمنین کا قاصد منزلیں طے کرتا ہوا واپس مدینہ پہنچا تو اس نے امیر المؤمنین کو بتایا کہ عمرو بن عاصؓ کمک کی انتہائی احتیاج کے ساتھ مصر میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب وہ اس وقت تک ہرگز واپس نہیں ہوں گے جب تک شکست ہی انہیں پسپا ہونے پر مجبور نہ کر دے۔ اب ان حضرات کے لئے بھی جو مصر کی فتح کے حق میں نہیں تھے' اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنی مخالفت ترک کر کے نتیجہ کا انتظار کریں۔ عریش میں چونکہ رومیوں کی کوئی فوج نہ تھی اس لیے بغیر کسی مزاحمت کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ عریش سے آپ نے "فرما" کا رخ کیا۔ راستہ میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی لہٰذا آپ "فرما"

Marfat.com

پہنچ گئے۔ فرما عریش سے قریباً ستر میل دور ہے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے۔ گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا راستہ ایک صحرا میں سے گزرتا تھا جس میں کہیں کہیں چشمے اور گاؤں تھے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ جب فرما پہنچے تو شہر کے قلعے نہایت مستحکم تھے اور سرکاری فوج بھی کثیر تعداد میں موجود تھی۔ چنانچہ رومیوں نے مورچہ بندی کرلی۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ عمرو بن عاصؓ کے ساتھ تھوڑی سی فوج ہے لیکن اس کے باوجود وہ مقابلہ پر تو نہ آئے بلکہ قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ اور ایک دوسری روایت کے مطابق دو ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں رومی فوجیں وقتاً فوقتاً شہر سے نکل کر مقابلہ کرتیں لیکن پھر واپس قلعہ بند ہو جاتیں۔ مسلمانوں کو محاصرہ کے دوران غذا کی ضرورت لاحق ہوتی تو وہ آس پاس کے علاقوں میں چھاپے مار کر اپنی غذائی ضروریات پوری کرتے رہے۔ محاصرہ طویل ہونے کے بعد محصورین یہ توقع کر رہے تھے کہ مرکزی حکومت ان کی مدد کرے گی لیکن کوئی مدد نہ پہنچی۔ لہٰذا رومی جرنیل نے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ مسلمان بھوکے عقابوں کی طرح ان پر جھپٹے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ رومی فوج نے سمٹ کر واپس قلعے کی طرف جانا شروع کیا لیکن مسلمانوں نے بڑھ کر قلعہ کے دروازے پر قبضہ کرلیا۔ شہر پر مسلمانوں کا بغیر کسی دقت کے قبضہ ہو گیا۔

فرما فتح ہو جانے کے بعد عمرو بن عاصؓ ان سرحدوں کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور قدیم شہر مجدل سے گزر کر اس مقام پر پہنچے جہاں آج "قنطرہ" آباد ہے۔ یہاں سے انہوں نے مغرب کی طرف "قصاصین" کا رخ کیا اور جنوب مغرب کی سمت اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے بلبیس جا پہنچے۔ مسلمان بلبیس میں ایک ماہ تک رہے۔ اس دوران میں گاہے گاہے لڑائی ہوتی رہی لیکن بالآخر فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ جب بلبیس میں تھے تو مقوقس شاہ مصر نے مسلمانوں کی مصر سے واپسی کے بارہ میں گفتگو کرنے کے لئے اپنے نمائندے ان کے پاس بھیجے۔ یہ پادریوں کا ایک وفد تھا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے ان سے بعثت نبوی کا حال بیان کیا اور ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان سے کہا: "ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ جو کوئی ہماری اس دعوت کو قبول کرلے گا اس میں اور ہم میں پھر کوئی فرق نہیں رہے گا" لیکن جو انکار کرے گا ہم اس سے جزیہ لیں گے اور اس کے بدلے میں اس کی مکمل حفاظت کے ذمہ دار ہوں

گے۔ ہمیں بتایا جا چکا ہے کہ ہم تم پر فتح پائیں گے اور ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم ہماری دعوت قبول کر لو تو قرابت داری کے احترام میں ہم تمہاری بطور خاص حفاظت کریں"۔

مقوقس کا وفد سیدنا عمرو بن عاصؓ کی ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے کہا: "ہم واپس آ کر ایمان لائیں گے"۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے فرمایا: "مجھ جیسے شخص کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ تم خود بھی سوچ لو اور اپنی قوم سے بھی مشورہ کر لو۔ اس کے بعد میں تم سے جنگ کروں گا"۔ پادریوں نے ساری گفتگو مقوقس کو سنائی لیکن اطربون نے جنگ کرنے پر اصرار کیا۔ پادریوں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور بارہ ہزار کیل کانٹے سے لیس فوج لے کر روانہ ہوا اور بلبیس پہنچ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ بھی کوئی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھے۔ وہ نہایت محتاط آدمی تھے۔ اس لیے دونوں فوجوں میں قیامت کا رن پڑا۔ لیکن اطربون میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس کے لشکر کی دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اطربون اس معرکہ میں مارا گیا۔ اور مسلمان فتح کے بعد ایک روایت کے مطابق ایک ماہ ٹھہرے۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ اطربون کی بارہ ہزار فوج کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف چار ہزار فوج تھی۔

عمرو بن عاصؓ بلبیس سے صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے ام دنین کی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں آج کل قاہرہ کا محلہ ازبکیہ ہے وہیں اس زمانے میں ام دنین کی بستی تھی۔ یہ بستی بابلیون کے شمال میں تھی جو مصر کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ ام دنین کے قریب پہنچ کر انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور نیل کے وسیع پاٹ نے اور اس کے گرد پھیلے ہوئے سبزہ زاروں اور بہار کے مسکراتے ہوئے درختوں اور پودوں نے جنت نگاہ بن کر ان کے دامنِ دل کو کھینچ لیا۔ رومیوں نے بابلیون کے قلعہ میں اپنی بہترین فوج پہنچا دی تھی اور ام دُنین کے قلعے کو خوب مضبوط کر کے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ جنگ ان کے لئے زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ یا تو وہ عربوں کو مصر سے نکال باہر کریں گے یا پھر خود الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے وہی الفاظ دہرائیں گے جو ہرقل نے شام کو چھوڑتے ہوئے کہے تھے اور کہیں گے:

"تجھ پر سلامتی ہو اے مصر! اب ہم آپس میں کبھی نہیں ملیں گے"۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے جاسوسوں کی خبروں سے اندازہ لگایا کہ ان کی فوج قلعہ

Marfat.com

بابلیون کی فتح یا اس کے محاصرے کے لئے ناکافی ہے۔ وہ اپنی اس فوج کے ساتھ مصر کے شہر کو فتح نہیں کر سکیں گے جو قلعہ بابلیون کے پڑوس میں ہے۔ انہوں نے جنگ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فوج میں یہ اعلان کروایا کہ مدینہ سے امدادی فوجیں عنقریب پہنچنے والی ہیں۔ اس کے بعد وہ ام دنین کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر کے غذائی ضروریات اور سامان رسد روک دی۔ قلعہ بابلیون کے فوجیوں نے انین کی طرف آنے کی کوشش نہ کی کیونکہ وہ اطربون کے حشر کو جانتے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص ؓ نے امیر المؤمنین کو ایک خط قاصد کے ہاتھ بھیجا اور اس میں مصر کے سفر کے حالات' اس کے قلعوں کی تفصیلات اور کمک کی ضرورت کا اظہار کیا۔

محاصرہ کو کئی ہفتے گذر گئے۔ مسلمان فوجوں کو غذائی سامان کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ اسی دوران اطلاع ملی کہ پہلی امدادی فوج مدینہ سے روانہ کر دی گئی ہے اور ایک دو روز میں پہنچا ہی چاہتی ہے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے حوصلے دوبالا کر دیے۔ چنانچہ اطلاع کے مطابق ایک دو روز میں امدادی فوج پہنچ گئی۔ ہرقل کی فوج کو جب اس کمک کا پتہ چلا تو اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو گئے۔ ایک روز سیدنا عمرو بن عاص ؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ قلعہ پر دھاوا بول دیا جائے۔ چنانچہ خود سیدنا عمرو بن عاص ؓ ہراول دستے میں قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خاص نصرت فرمائی۔ قلعہ فتح ہو گیا اور دشمن کی بڑی تعداد کام آئی اور جو زندہ بچے وہ گرفتار کر لیے گئے۔ بابلیون کے قلعہ میں بیٹھے ہوئے رومیوں کو جب ام دنین میں اپنے ساتھیوں کے حشر کا پتہ چلا تو ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ اور اس سے زیادہ تعجب انہیں یہ معلوم کر کے ہوا کہ اسلامی فوج دریائے نیل عبور کر کے صحرا میں گرم سفر ہے۔

دریائے نیل کو عبور کر کے سیدنا عمرو بن عاص ؓ کا فیوم جانے کا ارادہ تھا لیکن فیوم کی سرحد پر پہنچتے ہی انہیں پتہ چلا کہ رومی اس صوبے کی مدافعت کے لئے کمربستہ ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے اس کے مختلف راستوں پر فوج متعین کر دی ہے۔ یہ خبر سن کر ابن عاص ؓ صحرا ہی میں رک گئے۔ اسی دوران میں اس علاقہ کے بدوؤں سے انہیں پتہ چلا کہ رومیوں کا ایک دستہ حنا نامی سپہ سالار کی قیادت میں نیستانوں اور کھجور کے باغوں کی آڑ لیتا ہوا ان کے مقابلے پر آ رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی عمرو بن عاص ؓ نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا' یہاں تک کہ حنا اور اس کے رستے سے دور ہو گئے۔ اس کے بعد پلٹے اور اس دستے کو گھیر کر اس کا ایک ایک آدمی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ رومی سپہ سالار حنا بھی اس میں مارا گیا۔ اس واقعہ نے مقامی

Marfat.com

باشندوں پر مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا۔ حنا کی لاش کو ڈھونڈ کر حنوط کر کے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ ہرقل نے اب قسم کھائی کہ وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مصر کی مدافعت کرے گا۔ رومی فوج فیوم سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کو جب ان کی روانگی کا پتہ چلا تو وہ صحرا میں مورچہ بند ہو گئے۔ رومیوں نے جو انہیں صحرا میں سمٹتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں واپس اپنے قلعہ میں آ گئے۔ عمرو بن العاصؓ دراصل بھاگے نہیں تھے بلکہ مدینہ سے جو تازہ کمک آئی تھی اس کو لینے کے لئے واپس گئے تھے کیونکہ خطرہ تھا کہ رومی انہیں دریا پار کرنے نہ دیں گے۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ رومی امدادی فوج اور ان کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔

یہ امدادی فوج جو مدینہ طیبہ سے آئی تھی آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جس کی کمان سیدنا زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اور عبادہ بن صامتؓ مقداد بن اسود اور مسلمہ بن مخلدؓ جیسے جانباز صحابہ کرامؓ اس میں موجود تھے۔ عمرو بن عاصؓ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ سرزمین مصر میں قدم رکھنے کے بعد سے لے کر اس کمک کے پہنچنے تک جس طریقہ سے میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے رہے وہ ان کے ماہر اور جانباز سپہ سالار ہونے کا بین ثبوت ہے۔ انہوں نے فرمایا بلبیس ام دنین اور فیوم میں رومی فوجوں کا جس بہادری' جوانمردی اور حربی مہارت سے مقابلہ کیا وہ ان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

سیدنا زبیر بن عوامؓ کے آنے سے بھی سیدنا عمرو بن عاصؓ کو بہت تقویت پہنچی۔ سیدنا زبیرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے داماد تھے۔ ان کا شمار عرب کے گنے چنے بہادروں میں ہوتا تھا۔ حربی فنون میں ان کا جواب نہیں تھا۔ مختلف غزوات میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا "حواری" فرمایا تھا۔ اخلاق نہایت بلند تھا۔ ان سے جو ملتا بس انہی کا ہو جاتا اور جو فوج ان کی قیادت میں جاتی ان کے حسن سلوک سے بس انہی کا دم بھرتی تھی۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے دریائے نیل کو عبور کر کے عین شمس کا رخ کیا اور سیدنا زبیرؓ اور ان کی فوج سے جا ملے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے عین شمس کے کھنڈرات میں سیدنا زبیرؓ کی زیر قیادت آئی ہوئی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ دفاعی لحاظ سے نہایت اعلیٰ تھی۔ اب جو سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اپنی فوج کی طرف نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ ساڑھے پندرہ ہزار

Marfat.com

مجاہدین ان کے گردوپیش ہیں۔ان کو بہت اطمینان ہوا اور سمجھ لیا کہ ان کے اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن گھڑی قریب آ پہنچی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنگی معاملات میں بصیرت رکھنے والے حضرات کو اکٹھا کیا اور ان کے مشورے سے لڑائی کا پروگرام بنایا۔

اس طرف مسلمانوں کے جرنیل یہ مشورے کر رہے تھے ادھر رومی سپہ سالار تھیوڈور نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور انہوں نے کہا کہ اس طرح قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہنے سے مصری ہمیں کمزور اور بزدل سمجھ رہے ہیں۔اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے ملنے کی خواہش چٹکیاں لینے لگی ہے۔ لہٰذا باہر نکل کر میدان جنگ میں عربوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ رومی تھیوڈور کی قیادت میں عین شمس کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کریں۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کو جب ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ایک تدبیر سوچی کہ رات کی تاریکی میں پانچ سو جانبازوں کا ایک دستہ پہاڑ کے عقبی حصے کی طرف روانہ کیا کہ پہاڑی قلعے کے قریب بنو وائل کے غاروں میں جا چھپے۔اور پانچ سو مجاہدین کا ایک اور دستہ خارجہ بن حذافہؓ کی قیادت میں صبح سے کچھ پہلے انین کی طرف بھیجا۔اور ان دونوں دستوں کو خاص ہدایات دیں۔اور خود اپنی پوری فوج لے کر عین شمس سے چلے اور اس جگہ پہنچے جسے آج کل عباسیہ کہا جاتا ہے۔یہاں ٹھہر کر وہ قلعہ بابلیون سے آنے والے لشکر کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر رومی پو پھٹتے ہی قلعہ سے باہر نکلے اور شمال مشرقی جانب سے عین شمس کی طرف بڑھنے لگے۔رومیوں کو اپنی فتح کا پورا یقین تھا کیونکہ ان کی فوج اور سامان حرب و ضرب مسلمانوں کی فوج سے بہت زیادہ تھا۔دوسرے سب نے مل کر مرتے دم تک لڑنے کی قسم کھائی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ آج اگر انہیں فتح حاصل نہ ہوئی تو پھر اس زرخیز اور دولت مند ملک سے ان کی حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔اور یہ بات ان کی کسی حد تک صحیح بھی تھی۔ چنانچہ رومیوں نے آتے ہی مسلمان فوجوں پر حملہ کر دیا۔ قیامت کا رن پڑا۔اتنا غبار اٹھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔کوئی فریق بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔لڑائی پورے زوروں پر تھی کہ بنو وائل کے غاروں میں چھپا ہوا دستہ نمودار ہوا اور بھوکے عقاب کی طرح رومیوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔رومیوں میں کھلبلی مچ گئی اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔وہ انین کی طرف پسپا ہونے لگے۔اسی اثنا میں ام دنین والا دستہ اپنی کمین گاہ سے نکلا اور رومیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔رومیوں میں اب مقاومت کی کوئی

Marfat.com

صورت نہ رہی۔ چنانچہ ان میں اکثر و بیشتر عربوں کی تلوار سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بے شمار لوگ میدان جنگ میں کام آئے اور باقی دریا کے ذریعہ اپنے گھوڑوں پر بھاگ گئے۔ اس شاندار اور فیصلہ کن فتح نے دریائے نیل کے ساحل کو مسلمانوں کا فرش پا انداز بنا دیا اور مصریوں اور رومیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔ قلعہ بابلیون میں پناہ لینے والی رومی فوجوں کو جونہی اس معرکہ میں کام آنے والی رومی سپاہیوں کی تعداد کا پتہ چلا وہ قلعہ خالی کر کے شمالی جانب قلعہ نقیوس میں بھاگ گئیں۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ شہر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ کے بغیر اس پر قابض ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد پتہ چلا کہ فیوم کی حفاظتی فوج مسلمانوں کی فتح کی خبر پا کر نقیوس کی طرف بھاگ گئی ہے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ جانبازوں کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوئے اور فیوم کے پورے صوبے پر قابض ہو گئے۔

ان تمام واقعات نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی کہ فتح و نصرت غازیان اسلام کی رکاب میں ہے۔ چنانچہ ان کے دل دہشت و خوف سے لبریز ہو گئے۔ مصریوں نے یہ بھی دیکھا کہ رومی حکام اور جرنیل سیدنا عمرو بن العاصؓ کے حکم سے ان کے سامنے اس طرح لائے جاتے کہ ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوتے اور پاؤں میں بیڑیاں ہوتیں۔ اکثر و بیشتر رومی مسلمانوں کے خوف سے اسکندریہ بھاگ گئے۔

قلعہ بابلیون میں سے اگرچہ کچھ لوگ بھاگ کر چلے گئے تھے، لیکن پھر بھی وہاں کافی فوج موجود تھی، اور عمرو بن العاصؓ کو یہ پتہ چلا کہ وہ مقابلہ کرنے کے لئے پر تول رہی ہے۔ یہ قلعہ رومیوں کا سب سے مضبوط قلعہ تھا اور وہ اسے ناقابل تسخیر کہتے تھے۔ اس کی فصیلیں ساٹھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھیں اور اس کے محلات فصیلوں سے بھی زیادہ بلند و بالا تھے۔ دریائے نیل قلعہ کے بڑے دروازے تک پہنچتا تھا۔ یہ بڑا دروازہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ قلعہ کے اندر کنویں کھدے ہوئے تھے۔ اور قلعہ کو ایک خندق نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ ان تمام استحکامات کے پیش نظر قلعہ بند فوجیں اپنے کو دشمن سے بالکل محفوظ سمجھتی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے قلعہ کے محاصرہ کی ٹھان لی اور قلعہ کے اندر پناہ لینے والی فوجوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر ہمت کس لی۔ ان کے حوصلوں میں جان پڑ گئی۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ انہیں قلعہ کی مضبوطی کا پتہ تھا لیکن انہیں یہ بھی علم تھا کہ اگر کچھ دن یا کچھ ہفتے قلعہ کے محافظین کو امداد نہ پہنچی تو ان کی معنوی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان کی ہوا اکھڑ جائے گی، ہمتیں جواب دے جائیں گی اور

Marfat.com

ارادے مضمحل ہو جائیں گے۔

روایات میں ہے کہ محاصرے کے آغاز میں مقوقش شاہِ مصر قلعے میں موجود تھا لیکن یہ قیصر روم کا باج گزار تھا۔ قلعہ کی فوجوں کا سپہ سالار ایک رومی تھا جس کا نام ''احیرج'' یا ''جارج'' تھا۔ قلعے میں قبطی تو گنتی کے تھے۔ باقی سب رومی تھے۔ محاصرے کو ایک مہینہ گذر گیا۔ اسلامی فوجوں کے حوصلے نہایت بلند تھے۔ لیکن مقوقش پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے قلعہ میں موجود جرنیلوں کو کہا کہ کیوں نہ عربوں کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا جائے تاکہ سرزمین مصر دوبارہ رومیوں کے قبضہ میں آجائے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا لیکن طے یہ پایا کہ ایک تو مقوقش اس بات چیت میں خود حصہ لے اور دوسرے اس بات چیت کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ورنہ یہ رومیوں کی بزدلی تصور ہو گی۔ چنانچہ مقوقش اور اس کے ساتھی رات کے سیاہ پردے میں چھپ کر قلعہ سے نکلے اور بابلیون کے پادری کے ساتھ کچھ آدمی کیے اور انہیں ایک مراسلہ دے کر سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجا جس میں ترغیب و ترہیب سے کام لیا گیا۔ اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ اپنے کچھ نمائندے ہمارے ساتھ بات چیت کے لئے بھیجیں، ہو سکتا ہے کہ ہماری اور تمہاری پسند کی کوئی بات طے ہو جائے۔

مقوقش کو یقین تھا کہ اس کے ایلچی اسی روز خط کا جواب لے کر واپس آجائیں گے لیکن قاصد دو دن تک واپس نہ آئے۔ جس سے وہ سمجھنے لگا کہ مسلمانوں نے یا تو قاصدوں کو گرفتار کر لیا ہے یا پھر قتل کر دیا ہے۔ لیکن سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مسلمانوں کی ہمت اور حوصلہ مندی دکھانے کے لئے انہیں روکا تھا۔ دو روز کے بعد وہ ابن العاصؓ کا خط مقوقش کے نام لے کر آئے جس میں لکھا تھا:

> ''ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تین صورتیں ہیں۔ یا تو تم حلقہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس صورت میں تم ہمارے بھائی ہو گے۔ ہمارے اور تمہارے حقوق ایک جیسے ہوں گے۔ یا زیر دست بن کر جزیہ ادا کرو' ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''۔

اس خط نے مقوقش کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس نے وفد سے پوچھا کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟ وفد نے جواب دیا: ''وہ عجیب و غریب قسم کے لوگ ہیں۔ ان کا ہر فرد زندگی سے زیادہ

موت، غرور سے زیادہ عاجزی اور خاکساری کو پسند کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دنیا سے دلچسپی رکھتا ہو۔ وہ زمین پر بیٹھتے ہیں۔ گھٹنوں پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں۔ ان کا امیر ان میں سے ایک ہے، ان میں شریف اور کمینے، اور آقا اور غلام کی کوئی تمیز نہیں۔ سب ایک جیسے ہیں۔ جب ان کی نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو جاتے ہیں، کوئی پیچھے نہیں رہتا"۔ (النجوم الزھرہ جلد ا ص ۱۱)

ان لوگوں کی یہ صفات سن کر مقوقش حیران بھی ہوا اور سوچ میں بھی پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "بخدا! یہ لوگ چاہیں تو پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ ان سے صلح کر لینی ہی بہتر ہے"۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے ان وفد کے ہاتھ ان کے خط کا جواب بھی بھیجا اور ان کی درخواست کے مطابق دس افراد پر مشتمل ایک وفد بھی بھیج دیا جس کی قیادت سیدنا عبادہ بن صامتؓ فرما رہے تھے۔ سیدنا عبادہؓ رنگ کے لحاظ سے کالے تھے اور جسم کے لحاظ سے قوی ہیکل اور بڑے ڈیل ڈول کے انسان تھے۔ وفد کی طرف سے یہ بات کرنے کے لئے مقرر کئے گئے۔ جب یہ بات کرنے کے لئے اٹھے تو پہلے تو مقوقش نے ان سے بات سننے کو پسند نہ کیا لیکن جب وفد کے دوسرے ارکان نے کہا کہ ہماری طرف سے یہی بات کریں گے تو مقوقش ان کی بات سننے کے لئے مجبور ہو گیا۔ سیدنا عبادہؓ نے جو اپنا موقف بیان کیا وہ یہ تھا: "اللہ کے دشمنوں سے ہماری جنگ اس بنا پر نہیں کہ ہمیں کوئی دنیا کی رغبت ہے یا ہم دنیا سمیٹنا چاہتے ہیں۔ . . . . ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اس کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں یا اس کے پاس صرف ایک درہم ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو دنیا کی زیادہ سے زیادہ جو مقدار درکار ہے وہ بس اتنا کھانا ہے جس سے وہ صبح و شام اپنی بھوک مٹا سکے، اور ایک چادر ہے جسے وہ اپنے بدن پر لپیٹ سکے۔ اگر ہم میں سے کسی کو اس سے زیادہ دنیا نہ ملے تو بھی اس کے لئے کافی ہے اور اگر اسے سونے کا کوئی ڈھیر مل بھی جائے تو وہ اسے اللہ کی طاعت و فرماں برداری ہی میں صرف کرے گا . . . . کیونکہ دنیا کی نعمتیں حقیقی نعمتیں نہیں اور نہ ہی دنیا کی خوش حالی حقیقی خوش حالی ہے، نعمتیں اور خوش حالی تو آخرت کی ہے۔ یہی بات ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائی ہے اور ہمیں یہ تاکید کی ہے کہ ہم دنیا کی اس سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں کہ ہماری بھوک مٹ جائے اور جسم کی ستر پوشی ہو جائے۔ باقی ہماری اصل فکر اور دھن اپنے

Marfat.com

رب کو راضی کرنے اور اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی ہونی چاہیئے۔ . . . . . اور یہ جو آپ نے ہمیں ڈرانے کی کوشش کی ہے اور ہمیں کہا ہے کہ ہمارے مقابلے کے لیے فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں اور وہ کثیر تعداد میں ہیں اور ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس بات سے نہ ہم ڈرتے ہیں اور نہ ہی ہمارے حوصلے ٹوٹ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی یہ بات درست ہے کہ روم کا بہت بڑا لشکر ہمارے مقابلہ میں آرہا ہے تو خدا کی قسم، اس خبر سے ہمارے شوقِ جہاد میں اور اضافہ ہو گا اور ہمارے حوصلے بلند ہوں گے، اس لئے کہ اگر ہمارا مقابلہ اتنے بڑے لشکر سے ہوا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری جواب دہی اور آسان ہو جائے گی، اور اگر ہم میں سے ایک ایک فرد ان کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور اس کی جنت کا امکان اور مضبوط ہو جائے گا۔ اور اس سے زیادہ محبوب اور آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی اور کوئی شئے نہیں ہو سکتی۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک صبح و شام اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتا ہے کہ اسے شہادت نصیب ہو، اور اسے اپنے شہر، اپنی زمین اور اپنے اہل و عیال میں واپس نہ جانا پڑے۔ ہم لوگ اپنے وطن میں جو کچھ چھوڑ کر آئے ہیں ہمیں اس کی قطعاً کوئی فکر نہیں، کیونکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اہل و عیال کو اپنے رب کی امان اور حفاظت میں دے کر آیا ہے۔ ہماری فکر تو اپنے آگے پیش آنے والے حالات کے بارہ میں ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اپنے معاشی حالات کے لحاظ سے تنگی کی زندگی گزار رہے ہیں، تو آپ یقین رکھیں کہ ہم اتنی وسعت اور فراخی میں ہیں جس کے برابر کوئی فراخت نہیں ہو سکتی۔ اگر ساری دنیا ہماری ملکیت میں آجائے تب بھی ہم اپنے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں رکھنا چاہتے جتنا اس وقت ہمارے پاس ہے۔ لہٰذا آپ اب اپنے معاملہ پر غور و فکر کر کے ہمیں بتا دیں کہ ہماری پیش کی ہوئی تین باتوں میں سے کون سی بات آپ پسند کرتے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تین باتوں کے علاوہ کسی اور بات پر نہ کبھی راضی ہوں گے نہ اس کے سوا آپ کی کوئی بات قبول کریں گے۔ بس آپ ان تین چیزوں میں سے کسی شئے کو اختیار کر لیجئے، اور ناحق باتوں کی طمع چھوڑ دیجئے۔ یہی میرے امیر کا حکم ہے۔ اسی بات کا حکم انہیں ہمارے امیر المؤمنین (سیدنا عمرؓ) نے دیا ہے، اور یہی وہ عہد ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔"   (النجوم الزھرہ جلد ۱ ص ۱۴۔۱۵)

اب مقوقش نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ ان کی دوسری شرط مان کر ان لوگوں سے

صلح کر لو' لیکن ساتھیوں نے مسلمانوں کی یہ شرط' ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ مقوقش نہایت پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ اس نے پھر زور دیا کہ جزیہ ادا کر کے مسلمانوں سے صلح کر لو۔ ان لوگوں کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو موت کو شہد سے بھی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ آخر اس کے ساتھیوں نے بادل نخواستہ اس کی بات مان لی۔ اس نے سیدنا عمرو بن عاص ؓ کو پیغام بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی۔ چنانچہ مقوقش اور اس کے چند ساتھیوں کی سیدنا عمرو بن عاص ؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ بات چیت میں طے یہ ہوا کہ پورے مصر میں ہر بالغ قبطی بلا امتیاز دو دینار جزیہ ادا کرے گا۔ نابالغ بچے' عورتیں اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مصریوں کی زمین مال و دولت' کلیسا سب انہی کے رہیں گے اور ان کی درآمدی اور برآمدگی تجارت میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کیا جائے گا۔ یہ صلح نامہ طے تو ہو گیا لیکن اس کا نفاذ ہرقل کی منظوری تک ملتوی رکھا گیا۔ مقوقش ہرقل سے اس معاہدے کی منظوری لینے کے لئے خود قسطنطنیہ گیا لیکن ہرقل نے باوجود اس کے کہ وہ عربوں کی طاقت اور قوت سے بخوبی آشنا تھا' اس معاہدہ کی منظوری نہ دی بلکہ اس پر ملک و ملت کی غداری کا الزام لگا کر اس کو نہایت ذلت و اہانت سے ملک سے نکال دیا۔ اب سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ مسلمان قلعہ کا محاصرہ کیے رہے۔ اور قلعہ والے باہر کی ہر قسم کی کمک سے محروم رہے۔ ہرقل نے ان کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ کی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ قلعہ میں بیماری پھوٹ پڑی۔ رومی ہر روز قلعہ کی برجیوں پر چڑھ چڑھ کر دیکھتے لیکن کمک کے آثار انہیں دو دور تک دکھائی نہ دیتے۔ ہاں انہیں یہ پتہ چلتا کہ عرب آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں۔ ان حالات نے انہیں سخت پریشان کر دیا۔ آخر ایک روز انہیں یہ خبر ملی کہ ہرقل مر گیا ہے۔ اس خبر سے رومیوں کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ قلعہ بند ہی رہے۔ ہرقل کی موت کا سبب یہ ہوا کہ مقوقش کی ملاقات کے بعد ذہنی پریشانی کی وجہ سے اسے بخار آنا شروع ہو گیا۔ اور ذہنی پریشانی نے اس کے دماغ کو کچھ اس طرح گھیر لیا کہ وہ بابلیون کی امداد کے لئے کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو گئی اور قلعے والے اس کی امداد اور کمک سے محروم رہے۔

محاصرہ کو سات مہینے ہو گئے۔ مسلمان اس محاصرہ سے نہایت تنگ آ گئے یہاں تک کہ انہیں اپنی زندگی اور اپنا وجود دونوں بے حقیقت نظر آنے لگے۔ سیدنا زبیر بن عوام ؓ نے جو سب سے زیادہ جری اور جذبہ سرفروشی سے سرشار تھے' حاضرین سے فرمایا: "میں اپنی جان

اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کرنا چاہتا ہوں اور میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا باعث بنائے"۔ وہ ایک دستہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں فصیل کے ساتھ سیڑھی پر چڑھ گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ جب میں تکبیر کہوں تو تم اسے دہراتے ہوئے اوپر چڑھ آنا۔ چنانچہ سیدنا زبیرؓ اور ان کے ساتھی رات کی تاریکی میں فصیل پر چڑھ گئے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ جو مسلمان قلعے کے باہر تھے انہوں نے بھی یہ نعرہ دہرایا۔ رومیوں کے کانوں میں یہ آواز اتنی زور سے پہنچی کہ انہیں یقین ہو گیا کہ عرب قلعہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ سیدنا زبیرؓ نے آگے بڑھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور باہر کی فوج نے اندر داخل ہو کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ رومیوں نے ۶ اپریل ۶۴۱ء کو قلعہ خالی کیا اور اپنی اس شکست کی پاداش میں مصریوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ رومیوں کے جانے کے بعد مسلمانوں کا قلعہ پر مکمل قبضہ ہو گیا اور اس طرح مصر کی فتح کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

اسکندریہ کی فتح

سیدنا عمرو بن عاصؓ بابلیون کی فتح کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔ اس وقت ہرقل کی موت کی وجہ سے سلطنت روم کا پایہ تخت تشتت وانتشار کی جولان گاہ بنا ہوا تھا۔ اس سفر میں سیدنا عمرو بن عاصؓ نے قبطیوں کے چند روساء کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا تاکہ راستہ میں آنے والے شہروں کے لوگوں کو یہ لوگ عربوں سے روشناس کروا کر ان کے قریب کریں۔

بعض حضرات نے لکھا ہے اس شہر کا نام جس کو سیدنا عمرو بن العاصؓ نے فتح کیا تھا' بابلیون کے بجائے فسطاط ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بابلیون کی فتح کے بعد سیدنا عمرو بن عاصؓ نے وہاں ایک خیمے میں چند روز قیام کیا۔ اتفاق سے سیدنا عمروؓ کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلہ بنا لیا تھا۔ جب کوچ کے لئے خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو سیدنا عمرو بن عاصؓ کی نگاہ اس کبوتر پر پڑی، حکم دیا کہ اس خیمے کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ خیمہ کو عربی میں "فسطاط" کہتے ہیں اور سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ سے واپسی پر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا تھا اس لیے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور آج تک اس کا یہی نام لیا جاتا ہے۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اس کھلی جگہ پر فسطاط کا شہر آباد کیا تاکہ مسلمان اہل مصر کو

Marfat.com

ان کے گھروں سے نکال کر ان پر خود قبضہ نہ کرلیں اور اس طرح ہر اس زیادتی سے دامن بچالیا جو مصری عوام کے لئے بے چینی اور ناراضی کا سبب بن سکتی تھی۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کا مقصد اس شہر کے آباد کرنے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے خاندان ایک شہر میں آباد ہو کر ایک ایسا ماحول بنالیں جس میں وہ اپنے ڈھب اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ مصر کے والی تھے۔ انہوں نے خود اس شہر کو اپنا مستقر بنایا تو آبادی اور رونق نے دوڑ کر اس کے قدم لئے۔ بعد میں یہی شہر سارے ملک کا دارالخلافہ بن گیا۔

بہر حال ۲۱ھ میں سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ راستہ میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں' انہوں نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن شکست ان کے مقدر میں تھی' لہٰذا شکست سے دوچار ہوئے۔ راستہ میں نقیوس والوں نے سدراہ ہونا چاہا کیونکہ ان کا قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ سیدنا عمرؓ نقیوس کے اس مضبوط قلعے کے سامنے پہنچ گئے۔ نقیوس والوں کا خیال تھا کہ اگر عربی فوجوں کو بغیر کسی مزاحمت کے اسکندریہ کی طرف بڑھنے دیا گیا تو عوام کے دل ٹوٹ جائیں گے اور وہ ان بدیشی لوگوں کی فوراً اطاعت قبول کر لیں گے۔ چنانچہ قلعہ کا کمانڈر اپنی پوری فوج لے کر باہر نکلا اور عربوں کا رستہ روکنے کے لئے ان کشتیوں پر سوار ہو گیا جو شہر کے دفاع کے لئے وہاں کھڑی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے مجاہدین اسلام کو ان کشتیوں پر تیر برسانے کا حکم دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو فوجی کنارے پر اتر آئے تھے وہ واپس کشتیوں میں پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ لیکن سواروں نے انہیں آسانی سے بھاگنے نہ دیا اور انہیں مارتے مارتے پانی تک لے گئے۔ لہٰذا کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ کشتیوں میں جا کر پناہ لینے لگے۔ اس فوج کے سپہ سالار نے اپنی کشتی کے ملاح کو حکم دیا کہ وہ اسکندریہ کی طرف رخ کرے۔ سپاہیوں نے جب اپنے کمانڈر کو اسکندریہ کی طرف بھاگتے دیکھا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے لیکن مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بن گئے، اور مسلمان فاتحین کی شکل میں شہر میں داخل ہو گئے۔

تھیوڈور جو رومی افواج کا سپریم کمانڈر تھا وہ مسلمانوں کے لشکر سے شکست کھانے کے بعد کریون میں آ گیا۔ اس نے یہاں بہت فوج جمع کر رکھی تھی اور مختلف شہروں سے جو رومی فوجی بھاگ کر آئے تھے وہ بھی یہیں اس کے پاس آ گئے ہوئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ عربی فوجیں اسکندریہ جا رہی ہیں تو اس نے مزاحمت کرنا چاہی۔ اسے اندازہ تھا اگر اسے اب کریون میں شکست ہو گئی تو عربوں کے لئے پایہ تخت کے دروازے کھل جائیں گے۔ لہٰذا اس

Marfat.com

نے چاہا کہ حملہ آوروں اور پایہ تخت کی فصیلوں کے درمیان کوئی دیوار حائل کر دی جائے۔ چنانچہ اس نے چاہا کہ کریون میں ٹھہر کر عربوں کا مقابلہ کیا جائے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کریون پہنچے اور رومی اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کریون میں صف آرا ہوئے اور دونوں فوجیں اس بے جگری سے لڑیں کہ اس سے پہلے کی جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ رات کو دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپوں میں چلی گئیں لیکن لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ دوسرے روز صبح ہی قیامت خیز رن پڑا اور رات ہونے پر پھر دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپوں میں چلی گئیں۔ غرض کہ دس دن یا اس سے بھی کچھ زیادہ لڑائی ہوتی رہی۔ ان لڑائیوں میں رومیوں نے جس بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اس سے مسلمانوں کے دل ہل گئے۔ لیکن مسلمانوں کے عزائم پست نہ ہوئے بلکہ بہادری اور شجاعت میں اور اضافہ ہوا۔ وردان جو سیدنا عمرو بن عاصؓ کے غلام تھے، علم ہاتھ میں لیے اسلامی فوج کے آگے آگے ہوتے تھے، اور سیدنا عمرو بن عاصؓ کے صاحبزادے عبداللہ ان کے پہلو میں دشمن سے نبرد آزما رہتے تھے ایک روز سیدنا عبداللہ بن عمروؓ کو گہرے زخم آئے اور نڈھال ہو کر وردان سے کہنے لگے: "وردان اگر تم ذرا رک جاؤ تو میں کچھ سانس لے لوں"۔ وردان نے کہا: "آرام تمہارے سامنے ہے۔ پیچھے نہیں"۔ یہ جواب سن کر عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اپنے زخم بھول گئے اور آگے بڑھے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کو جب اپنے بیٹے کا یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا: "واقعی وہ میرا بیٹا ہے"۔ اپنی اس شجاعت، بہادری، جوانمردی اور بے خوفی کی بنا پر مسلمانوں نے کریون کو فتح کر لیا۔

کریون کو فتح کرنے کے بعد سیدنا عمرو بن عاصؓ وہاں صرف اتنے ہی دن ٹھہرے کہ ان کی فوج تازہ دم ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اس شجاعت پناہ بہادروں اور غازیوں پر مشتمل لشکر کو لے کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب اسکندریہ تک انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور شہر کی بلند و بالا فصیلوں کے قریب پہنچ کر مجاہدین اسلام کی یہ فوج رک گئی۔

فوج میں اسکندریہ کو فتح کرنے کا ایک عجیب جوش اور ولولہ تھا۔ مسلمانوں کو خیال تھا کہ کریون میں تھیوڈور اس کی فوج کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی ہے، اس سے مدافعین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا ہو گا اور وہ ہمارے جاتے ہی شہر کے دروازے کھول دیں گے لیکن ایسا ہوا نہ۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے فوج کا جوش و ولولہ دیکھ کر شہر کی فصیلوں اور برجوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں حملہ کر بھی دیا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ شہر کی فصیل نہایت مضبوط اور مستحکم تھی اور رومی

Marfat.com

فصیلوں سے اپنی منجنیقوں سے بڑے بھاری پتھر برسا رہے تھے۔ تھیوڈور کریون سے بھاگ کر یہاں آ گیا تھا اور اس نے مسلمانوں کی فوج کے پہنچنے سے پہلے تمام نواحی علاقے فوج سے خالی کروا کر اسے قلعہ میں مورچہ بند ہو جانے کا حکم دے دیا تھا اور فصیلوں پر منجنیقیں نصب کرادی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاص نے جب منجنیقوں سے پتھر برستے دیکھے تو سمجھ گئے کہ دشمن جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ چنانچہ عربوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور لڑائی کے منصوبے سوچنے لگے۔ لیکن یہ بات تو انہوں نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لی کہ شہر پر حملہ کرنا آسان نہیں ہے۔ شہر کے شمال میں سمندر اس کی حفاظت کر رہا ہے اور مغربی سمت کو ثعبان نالے نے گھیر رکھا ہے صرف ایک ہی راستہ ہے شہر میں داخل ہونے کا اور وہ مشرقی راستہ ہے جو کریون اور اسکندریہ کے درمیان چلتا ہے لیکن یہ سمت بھی قلعوں اور فصیلوں سے مستحکم ہے۔ اسکندریہ کے پچاس ہزار محافظ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اگر انہیں یہاں شکست ہو گئی تو مصر میں رومی حکومت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں قیصر کا پیغام بھی انہیں مل گیا تھا کہ اگر عرب اسکندریہ میں فتح یاب ہو گئے تو یہ ملک ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور رومی ہلاک ہو جائیں گے' لہٰذا وہ اسکندریہ کے دفاع میں اپنی جانیں لڑانے کو تیار ہو گئے تھے' لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود سیدنا عمرو بن عاص اسکندریہ کو فتح اور دشمن پر غلبہ حاصل کرنے سے مایوس نہیں ہوئے۔

کچھ روز کے بعد انہوں نے سوچا کہ اگر وہ اسی طرح رومیوں کے باہر نکل کر لڑنے کے انتظار میں پڑے رہے تو یہ بات ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس سے مجاہدین کے ارادے مضمحل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کی قوت فکر نے ان کو ایک ایسی راہ دکھائی جس سے دو مقصد حاصل ہو سکتے تھے۔ ان کی فوج بھی نہ اکتائے اور دشمن کے حوصلے بھی پست ہو جائیں۔ وہ یہ کہ انہوں نے ڈیلٹا کے شہروں کی طرف فوجی دستے روانہ کیے جنہوں نے وہاں سے رومیوں کو بھگانا شروع کر دیا اور خود فوج کی اکثریت کے ساتھ اسکندریہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن محاصرہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور مہینوں پر مہینے گذرتے گئے۔

غرض کہ کئی ماہ محاصرہ کیے گذر گئے' محصورین مطمئن اور پرامن تھے اور مسلمان محاصرہ کی طوالت سے پریشان ہو گئے اور ان کو قلعہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔ اور لڑائی صرف جھڑپوں تک محدود تھی۔ اس طرف یہ حالت تھی ادھر سیدنا عمرؓ مدینہ میں مصر کی خبروں کے منتظر تھے۔ خصوصاً اسکندریہ کی فتح کا انہیں شدید انتظار تھا' لیکن کئی ماہ

Marfat.com

سے اسکندریہ کی کوئی خبر انہیں نہ ملی تھی وہ پریشان تھے کہ مصر کی اسلامی فوج وہ ہے جو بڑے بڑے مستحکم قلعوں کو فتح کر چکی ہے۔ جب انہوں نے سیدنا زبیرؓ اور دوسرے تین صحابہ کے ساتھ مصر کمک بھیجی تھی تو انہوں نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو خط میں لکھا تھا کہ یہ افسر سیدنا زبیر بن عوامؓ، سیدنا عبادہ بن صامتؓ سیدنا مقداد بن اسودؓ اور سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہیں، لیکن ان افسروں نے اسکندریہ کے بارہ میں کچھ نہیں کیا۔ میں نے ان کی کمک بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، پھر یہ کیا بات ہے کہ یہ لوگ قلعہ کی فصیلوں کے سامنے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ شاید سرزمین مصر انہیں پسند آ گئی ہے اور وہ اس کو اپنی منزل سمجھ کر آگے بڑھنے سے بے نیاز ہو گئے ہوں۔ یہ سب اندیشے بھی ان کے دل و دماغ میں کروٹیں لے رہے تھے۔ کبھی ان کے ذہن میں یہ خیال آتا کہ شاید مصر کی نعمتوں نے انہیں مادی آسائشوں کے جال میں پھنسا دیا ہو کیونکہ سیدنا عمرؓ اس بات پر شدت سے ایمان رکھتے تھے کہ دنیا کی محبت انسان کی ہمت و جرأت اور اس کی بہادری اور جانبازی کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور یہ بات ہے بھی کسی حد تک درست۔ چنانچہ ایک روز سیدنا عمرو بن عاصؓ کو خط لکھا کہ:

"میں حیران ہوں کہ تم دو سال سے لڑ رہے ہو اور مصر ابھی تک فتح نہیں ہوا۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میری سمجھ میں اس کی جو وجہ آتی ہے وہ یہ ہے کہ تم میں وہ پہلی سی لگن اور دلچسپی نہیں رہی اور تم بھی اپنے دشمن کی طرح حب دنیا میں گرفتار ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ صرف اسی قوم کی مدد کرتا ہے جس میں سچی لگن ہو۔ میں نے تمہارے پاس چار بہادر آدمی بھیجے تھے اور تمہیں یہ بتایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ میں تو ان کے بارہ میں یہی جانتا تھا، کیا معلوم کہ وہ بھی دنیا کی اس محبت میں پھنس گئے ہوں جس میں دوسرے پھنسے ہوئے ہیں۔ میرا یہ خط موصول ہوتے ہی لوگوں کو ترغیب دو کہ بہادری اور جواں مردی سے جنگ کریں۔ مذکورہ چاروں جانبازوں کو فوج کے سامنے رکھ کر اور فوج کو حکم دو کہ تن واحد کی طرح دشمن پر یلغار کرنے۔ یہ حملہ جمعہ کے روز زوال آفتاب کے وقت ہو کیونکہ اس وقت رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس وقت لوگ اللہ رب العزت کے سامنے گڑگڑا کر دعا کریں۔"

Marfat.com

اسکندریہ کا یہ محاصرہ کتنے مہینے رہا۔ اس بارہ میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ محاصرہ چودہ مہینے رہا۔ پانچ مہینے ہرقل کی موت سے قبل اور نو مہینے ہرقل کی موت کے بعد۔ کچھ لوگوں نے تین ماہ کچھ نے ساڑھے چار ماہ لکھا ہے لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ کئی ماہ رہا اور اس کی طوالت نے امیر المؤمنین کو غضب ناک کر دیا اور انہوں نے سیدنا عمرو بن عاصؓ قائد مصر کو دنیا طلبی سے متہم کیا۔ جونہی یہ خط سیدنا عمرو بن عاصؓ کو ملا تو وہ اسکندریہ کی فتح کا منصوبہ بنانے لگے۔ بعض روایات میں ہے کہ محاصرہ کی طوالت سے نہ صرف وہ خود بلکہ پوری فوج ہی تنگ آچکی تھی کیونکہ اس سے قبل کسی جنگ میں انہوں نے اتنا طویل محاصرہ کبھی نہیں کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اسکندریہ کے اس طویل محاصرہ کے دوران ایک روز سیدنا عمرو بن العاصؓ پیٹھ کے بل لیٹ گئے اور اسکندریہ کی فتح کے بارہ میں غور و فکر کرنے لگے۔ اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے قلب میں کچھ القاء کیا گیا ہے۔ اٹھ کر فرمانے لگے: ”میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے۔ اس کا انجام بھی وہی سنوارے گا جس نے اس کے آغاز کو سنوارا ہے“ آپ کی مراد انصارؓ سے تھی۔

چنانچہ اسی وقت انہوں نے سیدنا عبادہ بن صامت انصاریؓ کو بلایا اور انہیں علم دے کر اسکندریہ پر حملہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسی روز اسکندریہ کو ان کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے سیدنا عبادہ بن صامتؓ کو علم دینے کے لئے کہا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے سیدنا عبادہؓ کو بلایا اور تیر و سنان ان سے لے کر علم ان کے سپرد کر دیا۔ اور اسی روز لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ فتح کروا دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی روایات اس بارہ میں کتابوں میں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ مسلمان اسکندریہ میں بزور شمشیر داخل ہوئے۔ انہوں نے اس شہر کی فصیلوں پر زبردست حملہ کر کے اس کے دروازے کھول دیے اور رومیوں نے اعتراف شکست کے طور پر صحرا اور سمندر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اسکندریہ کے باشندوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی اور شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ مسلمان فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو اس کے کوچہ و بازار دیکھ کر عرب حیران رہ گئے۔ شہر کی فصیلیں اور عالی شان عمارتیں ان کے لئے حیرت کا باعث بن گئیں۔ عمارتوں' قلعوں' فصیلوں اور برجیوں کی مضبوطی اور ندرتِ تعمیر نے انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ان کی عقلیں مسحور

ہو گئیں۔ انہوں نے اسکندریہ میں وہ کچھ دیکھا جس کی نظیر شام اور عراق میں نہیں ملتی تھی۔ کلیسائے قیصریون کی عمارت اپنے حسن اور رعنائی سے ہر دیکھنے والی آنکھ کو مبہوت کرتی تھی۔ یہ عمارت کلیسا کی حیثیت سے تعمیر نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ بت پرستوں کا مندر تھا جو کلوپٹرا (Cleopetra) نے سمندر کو جھانکنے والے ایک بلند ٹیلے پر بنوایا تھا تاکہ یہاں آنے والا جب اسکندریہ کی طرف دیکھے تو شہر کی ساری رونق و عظمت، حسن و جلال اور رعنائی اس کی آنکھوں کے سامنے آجائے۔ یہ معبد ملکہ کلوپٹرا نے جولیس سیزر کے احترام میں بنوایا تھا اس لیے اس کا نام "قیصریون" رکھا گیا۔ یہ ابھی نامکمل ہی تھا کہ کلوپٹرا نے خودکشی کر لی اور مصر کی حکومت رومیوں کے ہاتھ میں آئی تو قیصر آگسٹس (Augustes) نے اس کی تعمیر مکمل کرائی۔

مسلمان تہذیب و تمدن کے ان مظاہر کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔ تحیر سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان عالی شان اور بلند و بالا عمارتوں کے نیچے زمین دوز عمارتیں بھی ہیں تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ زمین دوز عمارتیں چار چار پانچ پانچ منزلہ تھیں اور ہر منزل میں لاتعداد ستون اور بے شمار پتھر تھے جنہیں پانی جمع کرنے کے لئے حوضوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ دریائے نیل میں جب طغیانی آتی تو ان نالیوں کے راستے جو ان عمارتوں کو شیریں نہر سے ملاتی تھیں، پانی جمع ہوتا رہتا تھا، اس کے بعد لوگ سال بھر اس پانی کو پیتے رہتے۔

اسکندریہ کے فتح کرنے کے بعد سیدنا عمرؓ کو سیدنا عمرو بن عاصؓ نے خط کے ذریعہ اس کی فتح کی جو اطلاع دی اس میں بھی اس شہر کے حسن تعمیر اور جلال و جمال کو بیان کیا لیکن اس کی جزئیات نگاری کی تصویر کشی سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہوئے نہایت اختصار سے یوں لکھا:

> "میں نے ایک شہر فتح کیا ہے جس کی تعریف سے زبان و قلم دونوں درماندہ ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہاں چار ہزار عمارتیں اور اتنے ہی حمام پائے۔ اس شہر میں چالیس ہزار یہودی آباد ہیں جن پر جزیہ عائد کر دیا گیا ہے اور چار سو شاہی رقص گاہیں ہیں۔"

آپ جب سیدنا معاویہ بن خدیجؓ کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ مدینہ روانہ کرنے لگے، تو معاویہؓ نے پوچھا: آپ کوئی امیر المؤمنین کے نام خط نہیں دیں گے۔ سیدنا عمرو بن

Marfat.com

عاصؓ نے فرمایا: ”میں خط لکھ کر کیا کروں گا۔ کیا تم عرب نہیں ہو کہ فتح کا پیغام پہنچا سکو اور جو کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے امیر المؤمنین کے سامنے بیان کر سکو۔“

سیدنا معاویہ بن خدیجؓ دن رات سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے دوپہر کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے۔ مسجد کے باہر اونٹنی کھڑی کی اور مسجد کے دروازے کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ مسجد میں اس لئے آ کر بیٹھ گئے کہ انہیں خیال گذرا کہ یہ آرام کا وقت ہے ہو سکتا ہے کہ امیر المؤمنین آرام فرما رہے ہوں۔ اتفاق سے سیدنا عمرؓ کے گھر سے ایک لونڈی ادھر آنکلی اور معاویہؓ کے جسم پر سفر کا لباس اور چہرے پر تکان کے آثار دیکھ کر سمجھ گئی کہ یہ مصر سے آئے ہیں۔ وہ تیزی سے کاشانہ خلافت میں داخل ہوئی اور فوراً واپس آ کر بولی کہ امیر المؤمنین آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ سیدنا معاویہؓ اس کے پیچھے پیچھے کاشانہ خلافت میں داخل ہوئے۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں دیکھتے ہی سوال کیا: ”کیا خبر لائے ہو؟“ سیدنا معاویہؓ نے کہا: امیر المؤمنین مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ فتح کرا دیا“۔ سیدنا عمرؓ بہت خوش ہوئے اور معاویہؓ کو لے کر مسجد تشریف لائے اور لوگوں کو جمع ہونے کا اعلان کرایا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو امیر المؤمنین نے فرمایا: ”اٹھو اور اپنے ساتھیوں کو فتح کی تفصیل سناؤ۔“ جب معاویہؓ حال سنا چکے تو نماز شکر ادا کی۔ اس کے بعد معاویہؓ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لائے اور بارگاہِ اللہ رب العزت میں دعائیں مانگنے لگے۔ پھر لونڈی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ معاویہؓ نے جھجک جھجک کر کھانا کھایا، بعد میں کچھ کھجوریں بھی آئیں، معاویہؓ نے وہ بھی جھجکتے ہوئے کھائیں۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو سیدنا عمرؓ نے پوچھا: ”معاویہ! تم سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ مسجد میں کیوں چلے گئے؟“ معاویہؓ نے جواب دیا: ”میں سمجھ رہا تھا کہ قیلولہ فرما رہے ہوں گے“ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ”معاویہ تم نے غلط سمجھا اگر میں دن کو سوؤں تو رعیت کا نقصان ہے اور اگر رات کو سوؤں تو میرا اپنا نقصان ہے۔ ان دونوں صورتوں میں معاویہ! نیند کیسے آسکتی ہے؟“

اسکندریہ کی فتح کے بعد رومیوں نے خشکی اور تری کے راستے سے اسکندریہ خالی کرنا شروع کر دیا۔ رومی تو اسکندریہ سے چلے گئے لیکن مقوقس ان کے ساتھ نہ گیا بلکہ وہ اسکندریہ میں اپنے محل ہی میں مقیم رہا۔ وہیں مرا، وہیں ایک قبرستان میں دفن ہوا۔ مسلمانوں نے اسکندریہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کاروبار حکومت چلانے لگے۔ اور اس طریقہ سے رومی سلطنت کا ہمیشہ کے لئے مصر سے خاتمہ ہو گیا۔

Marfat.com

اسکندریہ مصر کا پایہ تخت تھا۔ اس کی فتح اس بات کا اعلان تھی کہ پورا مصر مسلمانوں کے ہاتھ آگیا ہے۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جو بعض چھوٹے چھوٹے شہر رومی فوج کے قبضہ میں تھے وہ بغیر آتش جنگ بھڑکانے کے ہی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ صرف معمولی سی تعداد تھی جس نے شاید مسلمانوں سے مزاحمت کی ہو۔ کیونکہ رومی اب سمجھ گئے تھے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کریں یا اطاعت قبول کریں' ہلاکت بہر حال ان کا مقدر ہو چکی ہے۔

مصر تو مکمل طور پر فتح ہو گیا لیکن سیدنا عمرو بن عاصؓ کی نگاہ بڑی دور بین تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ برقہ اور طرابلس میں رومی فوجیں موجود ہیں۔ خطرہ ہے کہ وہ قلعہ بند ہو جائیں اور موقع پا کر مصر پر حملہ کر دیں۔ لہٰذا ان کا بھگانا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسکندریہ کے انتظام سے فارغ ہو کر برقہ پر فوج کشی کی۔ وہ نہایت لطف و آرام کے ساتھ برقہ پہنچے اور معمولی سی مزاحمت کے بعد اہل برقہ نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور تیرہ ہزار دینار سالانہ جزیہ دینے پر رضا مند ہو گئے۔ برقہ طرابلس کا ایک صوبہ تھا اور یہ شہر اس مقام پر آباد تھا جہاں آج بن غازی کا شہر ہے۔ یہ صوبہ نہایت زرخیز تھا اسی وجہ سے یہاں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ زعفران کی کاشت بھی ہوتی تھی۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ برقہ کی فتح کے بعد طرابلس روانہ ہوئے۔ یہ ایک بندرگاہ تھی جس کی حفاظت رومیوں کا ایک لشکر کرتا تھا۔ طرابلس کے لوگوں نے جب مسلمانوں کو شہر کی طرف آتے دیکھا تو شہر بند ہو گئے اور شہر کے دروازوں کو قفل چڑھا دیے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن انہوں نے عربوں کے محاصرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بیرونی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب کئی ہفتوں کے بعد باہر سے کوئی مدد نہ آئی تو پریشان ہو گئے۔ اسی اثنا میں مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ سمندر کی طرف سے شہر بالکل غیر مسلح ہے۔ چنانچہ کچھ مسلمان فوجی چوری چھپے اس طرف سے شہر میں داخل ہو گئے اور داخل ہوتے ہی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سن کر رومی حوصلہ ہار بیٹھے اور فرار ہونے لگے۔ چنانچہ وہ شہر چھوڑ کر کشتیوں کے ذریعہ بھاگ گئے۔ ادھر دربانوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ عرب فوج شہر میں داخل ہو گئی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے قاصد کے ذریعہ برقہ اور طرابلس کی فتح کی نوید سنائی اور ساتھ ہی درخواست کی کہ انہیں تیونس اور اس سے آگے شمال افریقہ کی طرف بڑھنے کی

Marfat.com

اجازت دی جائے۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے ان کی اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاصؓ واپس برقہ تشریف لے آئے۔ بعد ازیں انہوں نے عقبہ بن نافع فہری کو مصر کی جنوبی سرحدوں کی طرف بھیجا اور ان سرحدوں کو بھی مستحکم کیا۔ اب انہوں نے مصر کے نظم و نسق کی طرف توجہ دی۔ آپ نے محاصل کا جو نظام مصر میں جاری کیا اس میں اس رقم کے مقابلہ میں بہت کم رقم اہل مصر سے وصول کی جاتی جو رومی اپنے زمانہ حکومت میں ان سے لیتے تھے۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاصؓ اہل مصر سے دس لاکھ دینار خراج وصول کرتے تھے اور مقریزی کا بیان ہے کہ رقم ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ مقریزی نے خراج اور جزیہ دونوں رقوم کا ذکر کیا ہو۔ لیکن اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اہل مصر سے جزیہ کی درمیانی رقم ۲ دینار فی کس تھی جس میں طبقاتی فرق سے کمی بیشی ہوتی تھی۔ اور جن مصریوں پر جزیہ عائد کیا گیا تھا ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق ساٹھ لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق اسّی لاکھ تھی۔

یہ تھی مختصر سی داستان فتح مصر کی۔ یہ شخص (سیدنا عمرو بن عاصؓ) چار ہزار سے بھی کم لشکر لے کر مصر روانہ ہوا۔ پھر امیر المؤمنین کی معمولی سی کمک کے ساتھ یہ پورا ملک فتح کیا۔ اور فتح کرنے کے بعد اس ملک کی سیاست اور اس کا نظام حکومت مرتب کیا اور اس کے باشندوں کا دل ہاتھ میں لیا۔ رومیوں سے نفرت اور مسلمانوں سے محبت ان کے دلوں میں ڈالی۔ اس لیے جس نے بھی کہا بالکل صحیح کہا:

> "اسلامی مصر اپنے وجود میں جتنا سیدنا عمرو بن عاصؓ کا احسان مند ہے' اتنا عراق' شام اور ایران میں سے کوئی ملک اپنے مسلمان فاتح کا ممنون نہیں۔"

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کی شہادت

سیدنا عمر بن خطابؓ نے ۱۰ سال چھ ماہ اور چار دن امیر المؤمنین کی حیثیت سے گذارے۔ انہوں نے اس طرح حکومت کی کہ نہ اس سے قبل کبھی کسی نے حکومت کی اور نہ اس کے بعد کوئی آج تک ایسی حکومت کر سکا۔ چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ کو دیکھا کہ سواری کو دوڑائے جا رہے ہیں۔ پوچھا: "امیر المؤمنین: کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟" فرمایا: "بیت المال کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اسے تلاش کرنے جا رہا ہوں"۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا: "آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ابوالحسن! یہ کوئی قابل ملامت شئے نہیں ہے' اس ذات کی قسم جس نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر بکری کا بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو قیامت کے روز اس کی بھی عمرؓ سے پرسش ہو گی"۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۱۴۰' البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۶)

جتنا عرصہ انہوں نے بار خلافت اٹھائے رکھا ان کے صبح و شام اللہ کے دین کے لئے وقف تھے۔ انہوں نے جہاں مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر مصر' شام' عراق اور ایران پر اپنی فوجوں کو اس طرح لڑایا کہ اللہ نے ہر محاذ پر کامیابی سے ہم کنار کیا اور جہاں وہ سپہ سالار تھے وہاں فقیہِ اکبر اور مجتہدِ اعظم بھی تھے۔ طاقت وروں سے کمزوروں کو ان کا حق دلواتے۔ وہ بندہ مومن تھے۔ ایک تجربہ کار سیاست دان بھی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ جب ان کی عمر تریسٹھ سال کے لگ بھگ ہوئی تو حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ

Marfat.com

داریوں سے ان کے کندھے شل ہو گئے اور اب انہیں سن وسال کا بوجھ کچھ زیادہ محسوس ہونے لگا۔ سلطنت کی سرحدوں میں وسعت پیدا ہونے کی وجہ سے ان کی راتوں کی نیند اور دن کا آرام ختم ہو گیا۔ بعض حضرات ان پر غصب خلافت کا الزام لگاتے ہیں' حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت سے انہوں نے کوئی ذاتی منفعت حاصل نہیں کی بلکہ پوری زندگی تنگ دستی میں اور سختیاں جھیلتے جھیلتے گذار دی۔ خلافت "غصب" کرنے سے انہیں فائدہ کیا ہوا؟

امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے آپ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے تھے اور حج کے دنوں میں اپنے گورنروں اور عمال کو مکہ بلاتے تھے تاکہ ان کی کارکردگیوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اور صوبوں کے نظم ونسق اور تدبیر و تنظیم میں ان کی راہ نمائی کی جا سکے۔ چنانچہ وہ اپنی زندگی کے آخری سال یعنی ۲۳ھ میں بھی حج کو تشریف لے گئے۔ جب ارکان حج سے فارغ ہوئے تو منیٰ سے ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا۔ کچھ سنگریزے جمع کر کے ایک چبوترہ سا بنایا اور اس پر اپنی چادر ڈال کر اس پر چت لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

> "اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں' قوتیں ایک ایک کر کے جواب دے گئی ہیں اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ سے رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنے پاس بلا لے، اس حال میں کہ میرا دامن عجز و ملامت سے پاک ہو"۔

ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے مکہ سے واپس آتے ہی جمعہ کے روز مدینہ طیبہ میں ایک عام خطبہ دیا۔ جس میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکرؓ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

> "لوگو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جسے میں اپنی موت کا پیام سمجھتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک سرخ رنگ کے مرغے نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں۔ اے لوگو! تم پر احکام فرض کر دیے گئے۔ تمہارے لئے قانون حیات مرتب کر دیا گیا اور تمہیں ایک کھلی شاہراہ پر ڈال دیا گیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ تم لوگوں کو ادھر ادھر بھٹکا دو"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۳۴۔۳۳۵)

ابن سعد نے طبقات میں سیدنا جبیر بن مطعمؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ

Marfat.com

Marfat.com

اس طرح اپنے غلاف میں ہیں کہ چٹکی نہیں۔

اس سوار نے وہاں سے کوئی حرکت نہ کی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے؟ ہم اس کے بارہ میں یہی کہتے تھے کہ وہ کوئی جن تھا۔ سیدنا عمرؓ اس حج سے واپس تشریف لائے تو ان پر قاتلانہ حملہ ہو گیا اور وہ اپنے رب سے جا ملے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۳۳۔۳۳۴)

واقعی سیدنا عمرؓ اس کے بعد پھر کبھی بھی اس مقام پر کھڑے نہ ہوئے۔ چنانچہ طبری اور دوسرے مؤرخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ جب حج بیت اللہ سے واپس آئے تو ایک روز وہ بازار میں گشت فرما رہے تھے۔ آپ سے فیروز ابولؤ لو ایرانی ملا اور کہنے لگا: "امیر المؤمنین! مجھے مغیرہ بن شعبہؓ سے بچایئے' یہ مجھ سے بہت خراج لیتا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "تم اسے کتنا خراج ادا کرتے ہو؟" اس نے جواب دیا: "دو درہم روزانہ" سیدنا عمرؓ نے پھر پوچھا "اور تم کام کیا کرتے ہو؟" اس نے جواب دیا: "کام تو میں کئی کرتا ہوں۔ نجاری' آہن گری اور نقاشی کا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے یہ دو درہم روزانہ کا خراج کوئی زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو ہوا سے چلنے والی چکی بھی بنا سکتا ہوں"۔ وہ کہنے لگا: "ہاں" فرمایا: "تو پھر مجھے ایک ایسی چکی بنا دو"۔ اس نے جواب دیا: "اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لئے ایک ایسی چکی بناؤں گا' جس کو مشرق سے مغرب تک دنیا یاد کرے گی"۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سیدنا عمرؓ بڑے ذہین آدمی تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کے فرماں روا تھے۔ جب وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: "اس غلام نے مجھے ابھی ابھی دھمکی دی ہے"۔

یہ بات کہہ کر سیدنا عمر بن الخطابؓ گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے روز کعب احبار ان کے پاس آئے اور کہا: "امیر المؤمنین! سن لیں آپ تین روز میں انتقال کر جائیں گے" یہ بات کہنے والے کعب احبار تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روایات کے مطابق اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں اپنا میلان اسلام کی طرف ظاہر کرتے تھے' لیکن اعلان اس وقت کرنا چاہتے تھے جب ان پر وہ تمام علامات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ تورات میں پائی جاتی تھیں۔ کہتے ہیں عہد نبوت میں اور سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں میں وہ برابر دین یہود

Marfat.com

پر قائم رہے اور جب شہادت عمرؓ کے بعد خلافت کا اعلان سیدنا عثمانؓ کے حق میں ہوا تو انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اتنی دیر تک اپنے اسلام کا اظہار اور اعلان نہ کرنا معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت تھا۔ بہر حال نیتوں کو تو حق تعالیٰ شانہ بہتر جانتے ہیں کہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں اپنے اسلام کا اعلان کرنے میں ان کی نیت کیا تھی۔

سیدنا عمرؓ نے جب کعب احبار کے منہ سے یہ بات سنی تو حیرت سے ان سے پوچھا: "تمہارا کیا مطلب ہے؟" کعب نے جواب دیا: "میں نے تورات میں پڑھا ہے"۔ سیدنا عمرؓ کعب کے منہ سے یہ بات سن کر انگشت بدنداں رہ گئے اور اسی حیرت کے عالم میں پوچھا: "کیا واقعی تم نے عمرؓ کا نام تورات میں پڑھا ہے؟" کعب نے کہا: "نام نہیں پڑھا بلکہ آپ کا حلیہ اور صفات اور یہ کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے"۔ سیدنا عمرؓ بیمار تو نہیں تھے اور نہ انہیں کوئی تکلیف لاحق تھی اس لیے کعب کی گفتگو سے انہیں اور بھی حیرت ہوئی۔ لیکن آپ نے اس کی اس بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ دوسرے روز کعب پھر امیر المؤمنین کی خدمت میں آئے اور کہا: "امیر المؤمنین! ایک دن گذر چکا ہے اور دو دن باقی رہ گئے ہیں' ایک روز بعد پھر آئے اور کہا: "امیر المؤمنین اب صرف ایک دن اور ایک رات باقی ہے۔ آپ کی زندگی بس کل صبح تک ہے" اور یہی ہوا کہ دوسرے روز صبح کی نماز میں ابو لؤ لو فیروز ایرانی نے سیدنا عمرؓ کو کاری زخم لگائے۔ اس کے بعد جب لوگ اور ان کے ساتھ کعب احبار سیدنا عمرؓ کے پاس آئے اور سیدنا عمرؓ نے کعب کو دیکھا تو فرمایا:

توعدنی کعب ثلاثاً اعدّھا
ولاشك ان القول ماقال لی کعب

کعب نے مجھے ڈرایا کہ میری زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ اور جو کچھ کعب نے مجھ سے کہا اس میں کچھ شبہ نہیں۔

ابن سعد نے طبقات میں سیدنا عمرؓ کے آزاد کردہ غلام سعد الجاری سے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ کو بلوایا اور دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ "اس نے کہا: "امیر المؤمنین! یہ یہودی یعنی کعب احبار آپ کے بارہ میں کہتا ہے کہ آپ جہنم کے ایک دروازہ پر کھڑے ہیں" سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ماشاء اللہ' بخدا! مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سعید پیدا کیا ہے۔ آپ نے کعب احبار کو بلایا اور اس سے اس کی اس بات کے بارہ میں پوچھا'

Marfat.com

داریوں سے ان کے کندھے شل ہو گئے اور اب انہیں سن و سال کا بوجھ کچھ زیادہ محسوس ہونے لگا۔ سلطنت کی سرحدوں میں وسعت پیدا ہونے کی وجہ سے ان کی راتوں کی نیند اور دن کا آرام ختم ہو گیا۔ بعض حضرات ان پر غصب خلافت کا الزام لگاتے ہیں' حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت سے انہوں نے کوئی ذاتی منفعت حاصل نہیں کی بلکہ پوری زندگی تنگ دستی میں اور سختیاں جھیلتے جھیلتے گذار دی۔ خلافت "غصب" کرنے سے انہیں فائدہ کیا ہوا؟

امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے آپ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے تھے اور حج کے دنوں میں اپنے گورنروں اور عمال کو مکہ بلاتے تھے تاکہ ان کی کارکردگیوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اور صوبوں کے نظم و نسق اور تدبیر و تنظیم میں ان کی راہ نمائی کی جا سکے۔ چنانچہ وہ اپنی زندگی کے آخری سال یعنی ۲۳ھ میں بھی حج کو تشریف لے گئے۔ جب ارکان حج سے فارغ ہوئے تو منیٰ سے ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا۔ کچھ سنگریزے جمع کر کے ایک چبوترہ سا بنایا اور اس پر اپنی چادر ڈال کر اس پر چت لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

> "اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں' قوتیں ایک ایک کر کے جواب دے گئی ہیں اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ سے رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنے پاس بلا لے، اس حال میں کہ میرا دامن عجز و ملامت سے پاک ہو"۔

ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے مکہ سے واپس آتے ہی جمعہ کے روز مدینہ طیبہ میں ایک عام خطبہ دیا۔ جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکرؓ کا ذِکر کرنے کے بعد فرمایا:

> "لوگو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جسے میں اپنی موت کا پیام سمجھتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک سرخ رنگ کے مرغے نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں۔ اے لوگو! تم پر احکام فرض کر دیے گئے۔ تمہارے لئے قانون حیات مرتب کر دیا گیا اور تمہیں ایک کھلی شاہراہ پر ڈال دیا گیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ تم لوگوں کو ادھر ادھر بھٹکا دو"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۳۴۔۳۳۵)

ابن سعد نے طبقات میں سیدنا جبیر بن مطعمؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ

سیدنا عمرؓ اپنے آخری حج کے موقع پر عرفہ کی پہاڑیوں پر کھڑے تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو اونچی آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا: "یا خلیفہ! یا خلیفہ!" کچھ سفر کی تیاری کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے سن کر اس سے کہا: "اللہ تعالیٰ تجھے سر منہ در گلو کرے' تجھے کیا ہوا؟" سیدنا جبیر بن مطعمؓ نے بلند آواز میں ان دوسرے شخص سے کہا: "اسے گالی نہ دو" دوسرے روز سیدنا عمرؓ عقبہ پر کھڑے رمی جمار فرما رہے تھے۔ سیدنا جبیر بن مطعمؓ ان کے ساتھ تھے کہ ایک کنکری سیدنا عمرؓ کے آ کر لگی جس سے آپ کا سر پھوٹ گیا۔ سیدنا جبیرؓ نے پہاڑ سے کسی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: "رب کعبہ کی قسم! مجھے بتایا گیا ہے کہ اس سال کے بعد عمرؓ اس مقام پر کبھی کھڑے نہیں ہوں گے" اور یہ اسی شخص کی آواز تھی جو کل چیخ چیخ کر "یا خلیفہ! یا خلیفہ!" کہہ رہا تھا۔

اسی طرح ابن سعدؒ ہی نے طبقات میں سیدہ ام کلثوم بنت ابی بکرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ اپنی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حوالہ سے بیان فرماتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "عمرؓ کا وہ آخری حج تھا جس میں امہات المؤمنینؓ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ جب ہم لوگ عرفہ سے واپس ہوئے تو میں محصّب سے گذری۔ وہاں میں نے ایک سانڈنی سوار کو یہ کہتے سنا: "امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ ایک دوسرے شخص نے اس کے سوال کے جواب میں کہا: "یہ ہیں امیر المؤمنینؓ" یہ بات سن کر اس نے اپنا اونٹ ٹھہرایا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھے:

علیك سلام من امام و بارکت

یدالله فی ذاك الادیم الممزق

اے امام! تجھ پر سلام ہو اور اللہ کا ہاتھ اس پھیلی ہوئی کشادہ زمین میں برکت کرے۔

فمن یسع أو یرکب جناحی نعامۃ

لیدرك ما قدمت بالامس یسبق

پھر جو دوڑے گا یا شتر مرغ کے بازوؤں پر سوار ہو گا۔ تم نے جو کچھ کل بھیجا اسے آگے جاتا ہوا پائے گا۔

قضیت اموراً ثم غادرت بعدھا

بوالق فی اکمامھا لم تفتق

تم نے تمام امور پورے کر دیے' اس کے بعد تم نے اس حالت میں چھوڑ دیا کہ وہ کلیاں ہیں جو

کعب نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ عجلت سے کام نہ لیں' بخدا! یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں گزرے گا کہ آپ جنت میں ہوں گے"۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "یہ کیا بات؟ کبھی تو جنت میں کہتا ہے اور کبھی جہنم میں"۔ اس نے کہا: "امیر المؤمنین! بخدا! ہم اپنی کتاب تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ آپ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہنم میں گرنے سے روکیں گے اور جب آپ خود وفات پا جائیں گے تو خود جنت میں جائیں گے۔

(طبقات جلد ۳ ص ۳۴۲)

اس روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کعب احبار کو معلوم تھا کہ سیدنا عمرؓ کی شہادت ذی الحجہ میں ہو گی۔ یہ ان کو کیسے پتہ تھا؟ اس سوال کا جواب مشکل ہے اور جو جواب کعب نے دیا وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ تورات میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آسمانی کتابیں انفرادی واقعات کی تعیین اتنی دقت اور تفصیل کے ساتھ کرتی ہوں۔ اس سے لازمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطابؓ کو شہید کرنے کی جو سازش تیار کی گئی تھی کعب اس سے بخوبی واقف اور آشنا تھے۔ کعب کی تنبیہ اور ابو لؤلو مجوسی کا حملہ ان دونوں میں کوئی جوڑ معلوم ہوتا ہے۔

کعب کے بتائے ہوئے وہ تین روز گذر گئے۔ چوتھے روز یعنی ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بدھ کے روز سیدنا عمرؓ نماز فجر پڑھانے کے لئے کاشانہ خلافت سے نکلے۔ سیدنا عمرؓ صفوں کے سیدھے کرنے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفوں کی درستگی کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰' مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۱۳' مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۹۹ وغیرہ) اسی وجہ سے آپ نے مسجد میں کچھ لوگ مقرر کر رکھے تھے جو ہر نماز سے قبل صفیں درست کرایا کرتے تھے۔ جب صفیں درست ہو گئیں تو سیدنا عمرؓ جماعت کے لئے تشریف لائے۔ دیکھا کہ پہلی صف کچھ آگے پیچھے ہے۔ آپ نے اسے اپنے درے سے درست کیا۔ پھر سیدنا عمرؓ امامت کے لئے آگے بڑھے۔ اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح نمایاں نہ ہوئی تھی۔ جونہی آپ نے تکبیر کہی ایک شخص اچانک آگے بڑھا اور اپنے دو دھارے خنجر سے ان پر تین یا چھ وار کیے جن میں سے ایک زیر ناف پڑا۔ سیدنا عمرؓ نے دھار والے آلے کی گرمی محسوس کی۔ زمین پر گر پڑے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "پکڑو! اس کتے کو اس نے مجھے قتل کیا ہے"۔

Marfat.com

یہ کتا کون تھا؟ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا ایرانی غلام ابولؤلو تھا۔ یہ ایران کا رہنے والا تھا اور نہاوند کی جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ آیا تھا۔ نہاوند کی جنگ وہ ہے جس میں ہرمزان جو کہ وہاں کا بادشاہ تھا گرفتار ہو کر آیا تھا۔ ابولؤلو ایرانی سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی غلامی میں آگیا تھا اور ان کی اجازت سے مختلف کام کرتا تھا جن کے عوض سیدنا مغیرہؓ اس سے دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ یہ اس روز سیدنا عمرؓ کو شہید کرنے کی نیت سے منہ اندھیرے مسجد میں آگیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک دو دھارا خنجر چھپا رکھا تھا جس کا دستہ درمیان میں تھا اور دونوں طرف بڑی تیز دھاروں والے پھل تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہو کر ایک گوشہ میں چھپ گیا۔ اور جب سیدنا عمرؓ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی تو اس نے آگے بڑھ کر آپ پر وار کیے۔ اس کے بعد اپنی جان بچانے کے لئے مسجد سے باہر بھاگا۔ سیدنا عمرؓ کا زخمی ہو کر گرنا تھا کہ نمازیوں میں ایک بے چینی سی پھیل گئی کہ صبح صبح اتنا ذلیل اور رسواکن کام اور وہ بھی مسجد نبوی میں، کس نے کیا ہے؟ بہت سے لوگ اس کتے کو پکڑنے کے لئے دوڑے تاکہ اس کو اس کے گھناؤنے جرم کی قرار واقعی سزا دیں لیکن ابولؤلو فیروز نے ان کا ہاتھ اپنی کمر میں نہ پہنچنے دیا اور دائیں بائیں نہایت بے دردی سے خنجر کے وار کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے بارہ افراد کو زخمی کر دیا جن میں ایک قول کے مطابق چھ اور دوسرے قول کے مطابق نو آدمی جانبر نہ ہو سکے۔ آخر کار ایک شخص اس کے پیچھے سے آیا اور اس نے اپنی چادر اس پر پھینک کر اسے نیچے گرا دیا۔ فیروز کو یقین ہو گیا کہ اب وہ پکڑا جائے گا۔ اور پکڑے جانے کی صورت میں وہ سازش عیاں ہو جائے گی اور ان پردہ نشینوں کے نام بھی ظاہر ہوں گے جو اس سازش کے پس پردہ کام کر رہے ہیں' تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو ختم کر لیا۔

ویسے تو سیدنا عمرؓ پر سب ہی کاری زخم لگے تھے لیکن جو زخم زیرِ ناف لگا تھا اس سے صفاق اور آنتیں کٹ گئی تھیں' اس لیے وہ نہایت مہلک ثابت ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ جونہی اس ایرانی نے آپ پر وار کیے آپ مصلیٰ پر کھڑے نہ رہ سکے اور فرش زمین پر گر پڑے اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جو آپ کے پیچھے کھڑے تھے' آگے بڑھا دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے قرآن حکیم کی دو انتہائی مختصر سورتیں سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر' پڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگ سیدنا عمرؓ اور ان کے گرد دوسرے مسلمانوں کو زخمی دیکھ کر نہایت پریشان ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ سب سے

Marfat.com

زیادہ خون میں لت پت تھے۔ چنانچہ جب لوگ سیدنا عمرؓ کو اٹھا کر کاشانہ خلافت میں جانے لگے تو اس منظر سے ان کے غم اور پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ لوگ اس بے چینی اور پریشانی میں تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے کہ کسی نے کہا: "اللہ کے بندو! نماز تو پڑھ لو' سورج نکلنے والا ہے"۔ چنانچہ اسی وقت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امام بنا کر نماز پڑھی گئی اور انہوں نے دو مختصر سورتیں پڑھ کر نماز ختم کی۔ بہر حال جیسا بھی ہوا ہو' یہ امر متفق علیہ ہے کہ نماز مکمل کی گئی اور سیدنا عمرؓ کو بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کی حالت میں کاشانہ خلافت میں لایا گیا۔ زخمیوں کو علاج کے لئے دوسری جگہ لے جایا گیا۔ ابولؤلو فیروز کی لاش بطحاء میں لے جا کر ڈال دی گئی۔ لوگ اس اچانک واقعہ پر پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اس پر گفتگو کرنے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر اسی المناک حادثہ کا ذِکر تھا۔ جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس حادثے کو دیکھا ان کی عقلیں حیران تھیں کہ یہ واقعہ کیوں کر ہوا اور کیسے ہوا؟ اس کے اسباب کیا تھے؟

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے مدینہ منورہ میں پھیل گئی اور ہر شخص اس حادثہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ عورتیں' بچے' بوڑھے اور جوان سبھی اس حادثہ کے بارہ میں پریشان بھی تھے اور مجسم سوال بھی کہ اتنا بڑا حادثہ یک دم کیسے ہو گیا؟ اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ دوسرے زخمیوں کو ان کے گھروں میں علاج کے لئے پہنچایا گیا۔ ان میں سے کچھ تو اللہ کو پیارے ہو چکے تھے کیونکہ ان کو کاری زخم لگے تے اور کچھ موت کی سسکیوں میں کراہ رہے تھے۔

فوری طور پر اصحاب الرائے اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ کاشانہ خلافت میں سیدنا عمرؓ کی عیادت کے لئے پہنچے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کاشانہ خلافت میں سیدنا عمرؓ کے پاس تھا۔ آپ پر مسلسل غشی طاری تھی۔ جب صبح نمودار ہوئی تو آپ کو کچھ ہوش آیا۔ انہوں نے اپنے گرد آدمیوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا: "لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" میں نے کہا: "ہاں" فرمایا: "جس نے نماز چھوڑی اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔" پھر سیدنا عمرؓ کے ارشاد کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عباسؓ باہر آئے اور اونچی آواز سے لوگوں سے کہا: "امیر المؤمنین دریافت فرماتے ہیں "کیا یہ واقعہ تم لوگوں کے مشورہ سے ہوا؟" جونہی یہ الفاظ انہوں نے سیدنا ابن عباسؓ کے منہ سے سُنے' سہم گئے کیونکہ سیدنا ابن عباسؓ نے یہ بات لوگوں کی طرف رخ کر کے کہی تھی۔ لہٰذا وہاں موجود سب لوگوں نے یک زبان

Marfat.com

ہو کر کہا: "معاذ اللہ! ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ یہ حادثہ کیوں ہوا اور اس کے کیا عوامل ہیں؟" "یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ مدینہ طیبہ کے سارے لوگ آپ کے جان نثار تھے۔ اگر انہیں یہ بات معلوم ہوتی کہ امیر المؤمنین پر حملہ ہونے والا ہے تو وہ اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ قاتل کا خنجر سینہ عمرؓ میں نہیں قلب کائنات میں پیوست ہوا ہے۔ وہ یہ حرکت کیسے کر سکتے تھے کیونکہ وہ سیدنا عمرؓ کے لیل و نہار سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کا اسلام مسلمانوں کی فتح کی پیش گوئی تھا' ان کی ہجرت نصرت خداوندی تھی اور ان کی حکومت لوگوں کے لئے باعث رحمت و برکت تھی۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷۰) لہٰذا وہ اس رحمت و برکت کو اپنے ہاتھوں کیسے برباد کر سکتے تھے؟ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے پھر پوچھا کہ "امیر المؤمنین پر حملہ کس نے کیا ہے؟" لوگوں نے کہا: "اللہ کے دشمن ابولؤلو فیروز ایرانی نے جو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام ہے"۔

سیدنا عمرؓ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے منتظر تھے کہ وہ اس سوال کا کیا جواب لاتے ہیں۔ انہیں اس طبیب کا بھی شدت سے انتظار تھا جو ان کے علاج کے لئے بلایا گیا تھا۔ جب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ واپس آئے اور لوگوں کا جواب انہیں سنایا اور بتایا کہ حملہ ایرانی غلام ابولؤلو فیروز نے کیا ہے اور اس نے دوسرے چند اور لوگوں کو بھی زخمی کر کے خودکشی کر لی ہے تو امیر المؤمنین نے فرمایا: "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اس کے حضور اپنے کبھی کے کیے ہوئے ایک سجدے کو میرے لئے حجت بناتا۔ الحمد للہ! مجھے کسی عرب مسلمان نے قتل نہیں کیا"۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک عرب طبیب آیا اور اس نے آپ کو نبیذ پلائی۔ وہ نبیذ جب ناف کے نیچے والے زخم سے باہر نکل گئی تو بالکل خون معلوم ہوتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ایک انصاری طبیب کو بلایا۔ پھر بنو معاویہ کا ایک اور طبیب آیا۔ اس نے امیر المومنین کو دودھ پلایا' لیکن وہ دودھ بھی نبیذ کی طرح جوں کا توں زخم سے باہر نکل گیا۔ طبیب نے سیدنا عمرؓ سے کہا: "امیر المومنین: اللہ کو یاد کیجئے" اس جملہ سے اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی صحت کی امید بہت کم ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "بنو معاویہ کے بھائی! تم نے بالکل درست کہا۔ اگر اس کے سوا تم کوئی اور بات کہتے تو غلط اور جھوٹ کہتے۔ طبیب کی بات سن کر حاضرین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' اور وہ رونے لگے۔ سیدنا عمرؓ نے جب انہیں روتے دیکھا تو فرمایا: "ہم پر آنسو نہ بہاؤ' جسے رونا ہو وہ یہاں سے چلا جائے۔ کیا تم لوگوں نے سرکار

Marfat.com

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ 'رشتہ داروں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے'"۔

ادھر کاشانہ خلافت میں سیدنا عمرؓ اور دوسرے اہل الرائے صحابہ کرامؓ طبیب سے مشورہ کر رہے تھے اور وہ آپ کے بارہ میں مایوسی کا اظہار کر رہا تھا تو دوسری طرف کاشانہ خلافت کے باہر صحابہ کرامؓ مختلف ٹولیوں میں ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہے تھے کہ "ابو لؤلو فیروز نے یہ ذلیل حرکت کیوں کی؟ کیا یہ کوئی سازش تو نہیں؟ ابولؤلو کو سیدنا عمرؓ سے آخر کیا دشمنی تھی جس کی وجہ سے اس نے اتنا بڑا کام کیا"؟ یہ سب سوالات ان کے ذہنوں میں گھوم رہے تھے اور وہ ان سوالات کا جواب تلاش کر رہے تھے لیکن ان کا تسلی بخش جواب انہیں نہیں مل رہا تھا۔ مؤرخین نے اس بارہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سیدنا عمرؓ کی شہادت ایک بہت بڑی سازش کا نتیجہ تھی۔ جس کا پروگرام اندرون مدینہ کئی دنوں سے بن رہا تھا لیکن صحابہ کرامؓ کو اس کے بارہ میں کوئی علم نہ تھا۔ کیونکہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں بھی کوئی شخص آپ کی شہادت کا منصوبہ بنا سکتا ہے۔

سیدنا عمرؓ کاشانہ خلافت میں بستر پر لیٹے تھے۔ طبیب انہیں سفر آخرت کی تیاری کا مشورہ دے رہا تھا اور ارباب حل و عقد اس ناگہانی مصیبت کے متعلق ان سے گفتگو کر رہے تھے جو مسلمانوں کے اس عظمت مآب خلیفہ (جس سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے) کی وفات کے بعد خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی تھی۔ قریباً ۳۱ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی اس سلطنت کا عمرؓ کے بعد کون خلیفہ اور جانشین ہوگا یہ مسئلہ اس وقت ہر شخص کی توجہ کا مرکز تھا۔ خود سیدنا عمرؓ بھی اب اس بارہ میں سخت پریشان تھے۔ سب حضرات بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے امیر المؤمنینؓ سے کہا: "بہتر ہوتا اگر آپ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیتے"۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "کس کو؟" عرض کی گئی کہ "آپ کا کام کوشش کرنا ہے کیونکہ آپ ان کے رب نہیں ہیں۔ اگر آپ اپنی زمین کے نگران کو بلاتے ہیں تو کیا یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنی واپسی تک کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے؟" فرمایا: "کیوں نہیں"۔ کہا: "اور جب آپ اپنے ریوڑ کے چرواہے کو بلاتے ہیں تو کیا یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنی واپسی تک کسی دوسرے کو اپنی جگہ مقرر کر آئے؟"

یہ ساری باتیں سن کر امیر المؤمنینؓ نے فرمایا: "اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کروں

Marfat.com

تو کر سکتا ہوں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھے یعنی سیدنا ابو بکرؓ انہوں نے اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اور اگر خلیفہ نامزد نہ کروں تو یہ بھی کر سکتا ہوں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھے یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۷۲، مسلم جلد ۲ ص ۱۲۰) سیدنا سعید بن زیدؓ نے امیر المؤمنین سے عرض کی: ''اگر آپ مسلمانوں کے کسی فرد کے متعلق اشارہ فرما دیتے تو لوگ آپ کو امین سمجھتے''۔ امیر المؤمنین نے جواب میں فرمایا: ''میں اپنے بعض ساتھیوں میں حرص کی سرسراہٹ پاتا ہوں'' اس کے بعد فرمایا: ''اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ اور ابو عبیدہؓ بن جراحؓ میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ نامزد کر دیتا۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ''میں کسے خلیفہ بناؤں؟ اگر ابو عبیدہ بن جراحؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بنا دیتا''۔ ایک شخص نے کہا: ''امیر المؤمنین! آپ عبداللہ بن عمرؓ کو کیوں خلیفہ نہیں بنا دیتے؟'' سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ''خدا تجھے غارت کرے، واللہ! میں خدا کی رضا نہ چاہوں گا اگر ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں جو اپنی بیوی کو اچھی طرح طلاق بھی نہ دے سکتا ہو''۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں اور بھی کئی روایات اس بارہ میں موجود ہیں۔ لیکن ان سب روایات کا نچوڑ یہ ہے کہ اسلام میں خلیفہ کے انتخاب کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے۔ ایک خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کر سکتا ہے۔ نامزدگی پر اسلام نے کوئی قدغن نہیں لگائی۔ اسی کے پیش نظر سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمر کو نامزد کیا تھا۔ یہ بات اس لیے کہی ہے کہ آج کل کے جمہوری دور میں اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں نامزدگی نہیں ہے حالانکہ یہ نظریہ غلط ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون اندلسیؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ''امام ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں ان کا انتظام بھی حسب طاقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً امت کی غور و پرداخت کے لئے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا۔ اور شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (جانشین مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے کیونکہ سیدنا ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں سیدنا عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہ کرامؓ نے جائز رکھا۔ اور سیدنا عمرؓ کی اطاعت

اور پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح سیدنا عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے چھ بقیہ صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لئے کوئی بھی امام منتخب کر لیں .... اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہ کرامؓ موجود تھے جو شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی پر اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ سب خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے"۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں سلطنت کی پہنائیوں میں جو اضافہ ہوا خطرہ تھا کہ کہیں کسی کے دل میں حرص اور باہمی رشک و منافست کے جذبات انگڑائیاں نہ لینے لگیں۔ چنانچہ طبری اور ابن اثیر کی روایت کے مطابق آپ نے سیدنا ابو عبیدہؓ کا نام لیا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں ضرور خلیفہ نامزد کر جاتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ابو عبیدہؓ اس امت کے امین ہیں۔ اور اگر سالمؓ زندہ ہوتے تو میں امور خلافت ان کے سپرد کر دیتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کو فرماتے سنا ہے کہ سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ میں لکھا ہے کہ آپ نے کچھ اور صحابہؓ کا نام بھی لیے۔ فرمایا: "اگر میں معاذ بن جبلؓ کو پاتا تو انہیں خلیفہ نامزد کر دیتا اور اگر خالد بن ولیدؓ زندہ ہوتے تو میں خلافت کی یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دیتا"۔ کسی شخص نے کہا کہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: وہ میرے نزدیک اتنا عقل مند نہیں کہ تمہاری زمام کار سنبھال سکے۔ یہ میرے لئے کوئی پسندیدہ بات نہ ہوگی کہ میں اپنے کسی گھر والے کے لئے خلافت کی تمنا کروں۔ اگر خلافت کوئی بھلائی ہے تو ہمیں حاصل ہو چکی۔ اور اگر برائی ہے تو اس کا ہم سے دور ہی رہنا اچھا ہے۔ عمرؓ کے خاندان کا ایک ہی فرد اس ذمہ داری کے احتساب اور امت محمدی کی مسئولیت کے لئے کافی ہے۔ بہر حال میں نے اپنے نفس سے جنگ کی اور اپنی اولاد کو محروم کر دیا۔ اس کے بعد بھی اگر مجھے نجات مل جائے اور میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو یہ میری نہایت خوش قسمتی ہوگی۔ (طبری جلد ۳ ص

Marfat.com

۲۹۲، عثمان بن عفان' عباس محمود عقاد ص ۱۵۱)

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ جانشینی کا یہ مسئلہ نہایت اہم تھا۔ اگر سیدنا عمرؓ اس کو حل نہ فرماتے تو خطرہ تھا کہ یہ کہیں الجھ نہ جائے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو واقعات پیش آئے وہ سب آپ کے سامنے تھے اور اب تو سلطنت کی وسعت کے باعث صورت حال اس سے بھی کہیں زیادہ نازک تھی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تو خلافت کا دعویٰ مہاجرین وانصار تک محدود تھا لیکن اب تو عرب و عجم اور عراق و شام کی جنگوں میں تمام عرب قبائل نے شرکت کی تھی' لہٰذا ہر قبیلہ یہ سمجھتا تھا کہ انتخاب خلیفہ میں اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا اہل مدینہ کا۔ یہ ساری باتیں اس نوزائیدہ سلطنت کے لئے نہایت خطرناک تھیں۔ چنانچہ آپ نے اس مسئلہ کو ادھورا نہ چھوڑا بلکہ فرمایا:

> "تمہارے لئے یہ لوگ ہیں جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ اور وہ علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن عوامؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنالیں تو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو"۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۹۳)

ان حضرات کی خلافت کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ "میں نے ان لوگوں سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل اور حق دار نہیں پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی ان سے خوش رہے۔ ان میں سے جس کو بھی خلیفہ بنایا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا"۔ پھر فرمایا کہ "اگر خلافت سعد بن ابی وقاصؓ کو ملے تو انہیں دے دی جائے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری اور خیانت کی وجہ سے گورنری سے معزول نہیں کیا تھا۔

پھر سیدنا عمرؓ نے ان حضرات کو بلایا اور ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ سیدنا عمرؓ نے انتخابِ خلیفہ کے لئے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنالی ہے تو انہیں اطمینان ہو گیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو مشورہ میں شریک کر لینا لیکن خلافت سے اسے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ سیدنا عمرؓ کی اب خواہش یہ تھی کہ یہ معاملہ ان کے انتقال سے پہلے پہلے باہمی مشاورت سے طے پا جائے تاکہ وہ اسلام اور سلطنت کے انجام کی طرف سے پورے طور پر مطمئن ہو کر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کریں۔ جس روز سیدنا

Marfat.com

فاروق اعظمؓ پر یہ قاتلانہ حملہ ہوا سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ مدینہ میں موجود نہ تھے بلکہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ کب واپس آئیں گے؟ اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے بھائی طلحہؓ کا تین روز انتظار کرنا۔ اگر وہ آجائیں تو ٹھیک ورنہ اپنے اس معاملہ کا فیصلہ کر لینا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ نہ آئیں تو ان کی جگہ میرے بیٹے عبداللہؓ کو مشورہ میں شامل کر لینا۔ اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو صرف خلافت کے لئے مشیر بنایا جائے' امیدوار نہ بنایا جائے۔

(طبری جلد ۳ ص ۲۹۳' التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان ص ۱۴)

پھر فرمایا کہ طلحہؓ کی کون حامی بھرتا ہے کہ ان کو تمہارا فیصلہ منظور ہوگا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بولے :" میں حامی بھرتا ہوں کہ انشاء اللہ وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے"۔

(طبری جلد ۳ ص ۲۹۳' عثمان بن عفان' عقاد ص ۱۵۳)

پھر آپ نے ان پانچوں حضرات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا :

" میں نے بہت غور و خوض کیا کہ تم لوگ مسلمانوں کے سردار اور ان کے قائد ہو۔ امر خلافت تم ہی سے وابستہ ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت تم سب سے راضی اور خوش تھے۔ اگر تم لوگ درست اور متحد رہے اور تم میں تشتت و افتراق کی وجہ سے دراڑیں نہ پڑیں تو پھر مجھے مسلمانوں کے بارہ میں کوئی خوف اور ڈر نہیں' لیکن اگر تم میں اختلاف واقع ہو گیا تو مسلمانوں میں بھی اختلاف و افتراق کی خلیج پیدا ہو جائے گی"۔ (عثمان بن عفان ص ۱۵۲' طبری جلد ۳ ص ۲۹۳)

سیدنا عمرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ " اگر میں انتقال کر جاؤں تو صہیبؓ تمہیں تین دن نماز پڑھائیں گے۔ پھر تم اپنے معاملہ میں اتفاق کر لو۔ اور اگر اس کے بعد تم میں سے کوئی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر خلیفہ بن بیٹھے تو اس کی گردن مار دو"۔

مجلس مشاورت کے یہ اراکین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے کمرہ میں جا بیٹھے اور خلیفہ کے انتخاب کے بارہ میں گفتگو کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آوازیں بلند ہوئیں تو سیدنا عمرؓ کو کچھ اذیت اور ناگواری محسوس ہوئی کیونکہ وہ آپ پر حملے کا چوتھا روز تھا اور بکثرت خون بہہ جانے کی وجہ سے آپ بے حد کمزور اور مضمحل ہو چکے تھے' لہٰذا آپ نے انہیں کہلا بھیجا کہ میرے انتقال تک خلافت کے بارہ میں اس گفتگو کو ملتوی رکھا جائے اور میرے

Marfat.com

انتقال کے بعد آپ لوگ پھر اسی طرح اکٹھے ہوں اور تین دن کے اندر اندر کسی کو اپنے میں سے خلیفہ مقرر کرلیں۔ اور جو تعاون ایسا نہ آنا چاہئے جس میں تمہارے اوپر تم میں سے کوئی خلیفہ نہ ہو۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۹۳)

سیدنا عمرؓ نے صرف یہی نہیں کیا کہ مسئلہ خلافت کو ان چھ ارکان میں منحصر کردیا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاحین حیات خوش اور راضی رہے بلکہ آپ نے مستقبل کے خلیفہ کے لئے کچھ ایسے سیاسی اصول بھی مرتب فرمادیے جن سے سلطنت کے معاملات درست رہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

"میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔ مہاجرین اوّلین کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کا احترام ملحوظ رکھے۔ مفتوحہ ممالک میں رہنے والے لوگوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ انہوں نے اسلام کی مدد کی ہے۔ دشمنوں پر غالب آئے ہیں اور مال جمع کیا ہے۔ صرف وہی کچھ ان سے لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور وہ نہایت خوش دلی سے دے دیں۔ انصار مدینہؓ کا خاص خیال رکھا جائے کہ انہوں نے بے گھروں کو گھر دیئے اور ایمان کی حفاظت کی۔ ان کا احسان تسلیم کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے۔ عربوں سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے کہ یہی لوگ اصل عرب اور مادۂ اسلام ہیں۔ ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کرکے ان کے محتاجوں میں تقسیم کردے۔ ذمیوں کے حقوق کا ہر طرح سے پاس کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اسے پورا کرے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرے"۔

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اللہ! میں نے اپنی بات پہنچا دی۔ میں اپنے بعد کے خلیفہ کے لئے بہترین اور پاکیزہ ترین ریاست چھوڑے جا رہا ہوں"۔

ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرنے کے بعد سیدنا عمرؓ نے اپنی ذات کے بارہ میں سوچنا شروع کیا کیونکہ انہیں عنقریب اپنے خالق حقیقی سے ملنا تھا۔ چنانچہ انہیں خیال آیا کہ ان پر بیت المال کا قرض ہے جسے ادا کرنے سے قبل وہ اس دنیا کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔

Marfat.com

چنانچہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ سیدنا عبداللہؓ کو بلایا اور اس سے اپنے اس قرض کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا کہ "میرا متروکہ فروخت کر کے چھیاسی ہزار درہم کا قرض ادا کر دینا۔ اگر اس متروکہ کی فروخت سے قرض ادا ہو جائے تو بہتر ورنہ بنو عدی سے درخواست کرنا کہ وہ باقی ماندہ قرض ادا کر دیں۔ اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے اس کی ادائیگی کی درخواست کرنا لیکن قریش کے علاوہ کسی اور کو تکلیف نہ دینا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کی: "آپ بیت المال سے لے کر یہ قرض کیوں نہیں ادا فرما دیتے؟" سیدنا عمرؓ نے جواب میں فرمایا: "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اور تمہارے ساتھی میرے بعد یہ کہیں کہ ہم نے اپنا حصہ عمرؓ کے لئے چھوڑ دیا"۔ پھر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ "کہ میرے قرض کی ذمہ داری قبول کرو"۔ چنانچہ سیدنا عبداللہؓ نے قرض کی ذمہ داری قبول کر لی۔ سیدنا عمرؓ ابھی دفن نہیں کیے گئے تھے کہ ان کے صاحبزادے نے چند انصار اور ارکان شوریٰ کو اپنی اس ضمانت پر گواہ بنایا اور جمعہ کا روز ابھی گذرنے نہ پایا تھا کہ قرض کی رقم لے کر سیدنا عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں پہنچے اور چند گواہوں کے سامنے اس قرض کے بارِ دوش سے سبکدوش ہو گئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ چھیاسی ہزار درہم کا یہ قرض اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان فروخت کیا گیا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان تھا۔ اس کو سیدنا امیر معاویہؓ نے خریدا۔ یہ مکان ایک مدت تک "دار القضاء" کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ اس کی تفصیل خلاصۃ الوفاء فی اخبارِ دار المصطفیٰ صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹ میں مذکور ہے۔ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۵۲۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اپنے مال کے چوتھائی حصہ کے لئے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ ام المؤمنین کے حق میں وصیت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ جب وہ بھی وفات پا جائیں تو یہ مال آل عمرؓ کے اکابر میں تقسیم کر دیا جائے۔

دنیا کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد اب آپ نے موت کے بعد والی زندگی کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے دو محترم رفیقوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکرؓ کے پہلو میں دفن ہوں۔ زندگی میں آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل موتی ببلد رسولك

اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت دینا اور اپنے رسولؐ کے شہر میں

موت کی سعادت عطا کرنا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۷)

سیدنا عمرؓ کی یہ دعا بارگاہِ احدیت میں قبول ہوئی اور آپ کو شہادت فی سبیل اللہ بھی نصیب ہوئی اور مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی اور جوار رسول میں بلکہ "ریاض الجنۃ" میں آخری استراحت سے نوازے گئے۔ اسی خواہش کے پیش نظر آپ نے دم واپسیں اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ :

"عمرؓ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ اور مجھے امیر المؤمنین نہ کہنا کیونکہ آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں۔ اور ان کی خدمت میں عرض کرنا کہ عمر بن خطابؓ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے"۔

سیدنا عبداللہؓ ام المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کرنے کے بعد سیدنا عمرؓ کا پیغام دیا۔ سیدہ عائشہؓ رو پڑیں اور فرمایا: "یہ جگہ میں اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔" سیدنا عبداللہؓ نے واپس آکر سیدہ عائشہؓ کا سلام اور ان کا جواب سنایا۔ جواب سنتے ہی آپ کا چہرہ خوشی اور مسرت سے تمتما اٹھا اور فرمایا :

الحمد لله' ماكان من شئى اهم الى من ذالك

اللہ کا شکر ہے (کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی) کیونکہ اس سے اہم اور کوئی شئے میرے نزدیک نہیں تھی۔ (التمہید والبیان ص ۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "جب میرا انتقال ہو جائے تو ایک بار پھر سیدہ عائشہؓ سے دفن کی اجازت طلب کرنا۔ اگر اجازت مل جائے تو بہتر وگرنہ اصرار نہ کرنا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے میرے اقتدار کی وجہ سے اجازت نہ دے دی ہو"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ لے کر جانا اور ام المؤمنینؓ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنا: "عمر بن خطابؓ اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو جنازہ اندر لے جانا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا"۔

ان امور سے فراغت کے بعد اب امیر المؤمنین کی ساری توجہ اپنے نفس کے محاسبہ کی طرف مبذول ہوئی کہ عنقریب اپنے پروردگار کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔ اس فکر سے سیدنا عمرؓ سخت بے چین تھے۔ ایک عیادت کرنے والے نے کہا: "بخدا! مجھے امید ہے کہ آگ آپ کے جسم کو ہرگز نہیں چھوئے گی"۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اس شخص کی طرف بغور دیکھا' آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی

Marfat.com

تھیں۔ سیدنا عمرؓ کی یہ حالت دیکھ کر حاضرین کے دل بھر آئے۔ اب سیدنا عمرؓ نے اس شخص سے کہا: "اے شخص! اس معاملہ میں تیرا علم بہت قلیل ہے اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں زمین کے سارے خزانے آنے والی آزمائش کے خوف پر نچھاور کر دیتا"۔ سیدنا عمرؓ نے جب یہ آخری جملہ کہا تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آپ کے پاس کھڑے تھے۔ وہ بولے: "امیر المؤمنین! خدا کی قسم، مجھے امید ہے کہ آپ کو اس سے زیادہ کچھ نہ دیکھنا پڑے گا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: "اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو" کیونکہ جہاں تک میں جانتا ہوں آپ "امیر المؤمنین" "امین المؤمنین" اور "سید المؤمنین" ہیں۔ ہر فیصلہ کتاب اللہ سے فرماتے ہیں اور تقسیم میں مساوات اور برابری کے اصول کو اختیار فرماتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے منہ سے یہ کلمات سن کر سیدنا عمرؓ بہت خوش ہوئے اور سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا: "ابن عباس! کیا تم میرے لئے اس کی شہادت دو گے؟" سیدنا ابن عباسؓ خاموش ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: "ابن عباس! میرے لئے اس کی شہادت دینا"۔ سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: "ہاں میں گواہی دوں گا"۔

ابو لؤلؤ فیروز ایرانی نے جب آپ پر حملہ کیا تو لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ کو امیر المؤمنین کے لقب سے مخاطب کر کے انہیں ان کی ۱۰ سالہ خلافت پر خراج تحسین پیش کرتے۔ ان کے مونہوں سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا: "کیا تم امارت کو میرا توشہ آخرت بنا رہے ہو؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد فرمایا تو آپ مجھ سے خوش تھے۔ اس کے بعد میں سیدنا ابو بکرؓ کے ساتھ رہا اور ان کا حکم سنتا اور مانتا رہا، اور آخر کار وہ بھی اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے اور میں آخری دم تک ان کا حکم سنتا اور مانتا رہا، لیکن اب تمہاری یہ امارت ہی میرے لئے خوف کا سبب بن گئی ہے"۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے جب آپ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: "جو عمرؓ کو بہکانا چاہتا ہے وہ خود فریب خوردہ ہے۔ بخدا! میری تو یہ خواہش ہے کہ جیسا میں آیا تھا ویسا ہی یہاں سے چلا جاؤں مجھے کچھ لینا دینا نہ ہو"۔

ایک روایت میں سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ پر قاتلانہ حملہ کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا: "جنت کی بشارت قبول فرمائیے۔ آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی اور آخر تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ پھر آپ کو مسلمانوں کی حکومت سونپی گئی اور آپ نے اسلامی ریاست کو طاقتور بنایا اور امانت کا حق ادا

Marfat.com

کر دیا"۔ آپ نے فرمایا: "ابن عباس! تم مجھے جنت کی خوش خبری دے رہے ہو'لیکن خدا کی قسم! اگر میرے اختیار میں ہو تو میں اس سے پہلے کہ مجھے حقیقت سے آشنائی ہو، پیش آنے والے خوف پر دنیا و مافیہا نچھاور کر دوں' رہی وہ بات جو تم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کے بارہ میں کہی ہے 'وہ درست ہے"۔

یہ سب باتیں اس عظیم انسان کی جلالتِ شان کا احساس دلاتی ہیں جو مسلمانوں کا بارِ خلافت اٹھا کر اور پھر نہایت احسن طریق سے اس سے سبکدوش ہوا۔ ۳۱ لاکھ مربع میل کی سلطنت کا فرماں روا ہو کر بھی نازاں نہ ہوا۔ نہ ایران و روم کی فتوحات نے اسے ناشکرا بنایا اور نہ ہی لوگوں کی تحسین و تعریف سے مغرور ہوا۔ کبھی اسے خوف رہا کہ اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی پیاسا مر گیا تو اس کی پُرسش ہو گی اور کبھی یہ خوف اسے بے چین رکھتا کہ اگر کبھی انہوں نے کسی کمزور پر ظلم کیا ہو گا اور اس کمزور کی فریاد اگر آسمان پر پہنچی تو تمام عمر کی نیکیاں صاحبِ عرشِ عظیم کے حضور بے وزن ہو کر رہ جائیں گی۔ یہی خشیت الٰہی تھی کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا اور دوسرے رشتہ داروں کو گریہ وزاری سے روک دیا تھا۔ سیدنا صہیبؓ نے زخم سے دودھ خارج ہوتے دیکھا تو بے اختیار چیخ اٹھے: "ہائے عمرؓ! ہائے برادر! آپ کے بعد ہمارا کون ہے؟" سیدنا عمرؓ نے یہ سنا تو فرمایا: "بھائی! صبر سے کام لو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جس پر ماتم کیا جاتا ہے، اُس پر عذاب ہوتا ہے"۔

پھر اپنی تجہیز و تکفین کے بارہ میں ہدایات دیں کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ میرے اعزاء و اقرباء اس بارہ میں کہیں غلو سے کام نہ لیں۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ جب کوئی بڑا شخص انتقال کر جاتا تو اس کو مشک سے نہلایا جاتا۔ فرمایا: "مجھے مشک سے نہ نہلایا جائے۔ مجھے کفن بھی اوسط درجہ کا دینا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر مجھ میں کوئی بھلائی ہوئی تو وہ اسے اچھے لباس سے بدل دے گا۔ اور اگر اس کے برعکس ہوا تو وہ مجھ سے چھین لے گا۔ میری قبر بھی معمولی ہونی چاہئے۔ عورتیں میرے جنازے کے ساتھ نہ چلیں۔ میری تعریف میں وہ باتیں نہ کہی جائیں جو مجھ میں نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سب سے زیادہ جانتا ہے۔ جب میرا جنازہ لے کر چلو تو تیز تیز قدم چلنا کیونکہ اگر مجھ میں اللہ کے نزدیک کوئی بھلائی ہے تو تم لوگ مجھے اس جگہ جلدی پہنچا دو گے جو میرے لئے زیادہ بہتر ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو تم اپنے کندھوں سے وہ بوجھ جلدی اتار پھینکو گے جو تم اٹھائے ہو"۔

جب آپ یہ ہدایات اور وصیتیں فرما رہے تھے تو آپ کے صاحبزادے سیدنا

Marfat.com

عبداللہؓ نہایت توجہ سے آپ کی ان باتوں کو سن رہے تھے کیونکہ وہ اپنے والد ماجد کے بستر کے قریب بیٹھے تھے اور ان کا سر آپ کے زانو پر تھا۔ جس وقت سیدنا عمرؓ نے محسوس فرمایا کہ اب آخری وقت آ پہنچا ہے تو اپنے بیٹے سے فرمایا: "میرا رخسار اپنے زانو سے ہٹا کر زمین پر رکھ دو۔ سیدنا عبداللہؓ نے عرض کی کیا" میرے زانو اور زمین میں کوئی فرق ہے؟" فرمایا: "تیری ماں نہ رہے 'میرا رخسار زمین پر رکھ دے" جب سیدنا عبداللہؓ نے آپ کا رخسار زمین سے لگادیا تو اپنے دونوں پاؤں ملا کر فرمایا: "افسوس ہے مجھ پر اور میری ماں پر 'اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا اگر مجھے اللہ نے معاف نہ کیا بس یہی فقرہ دہراتے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ادھر کاشانہ خلافت میں آپ کی روح آپ کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی تھی ادھر صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں بیٹھے آپ کی شہادت اور اس سازش کے بارہ میں گفتگو کر رہے تھے جس کی وجہ سے یہ شہادت ہوئی۔ کچھ حضرات اندیشہ ہائے فردا کے بارہ میں باتیں کر رہے تھے کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی اس نوزائیدہ سلطنت کا کیا حشر ہو گا؟ آپ کا جانشین ان ذمہ داریوں کے بار دوش سے بطریق احسن سبک دوش ہو سکے گا؟ پھر وہ حضرات آپ کی ان خوبیوں کے بارہ میں گفتگو فرما رہے تھے کہ کس طرح انہوں نے اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو فراموش کر کے اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے، مسلمانوں کی خدمت کے لئے اور دشمنِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور آپ کی للّٰہیت اور اخلاص ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو اسلامی حکومت صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی لیکن آج جب وہ اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو ایران 'شام 'عراق اور مصر وغیرہ کے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو چکے تھے 'لیکن بڑی ریاست کا فرمانروا ہونے کے باوجود آپ کی سادہ زندگی اور آپ کے زہد و تقشف میں کوئی فرق نہ آیا۔

میت کو غسل دینے کے بعد تین کپڑوں میں آپ کو کفنایا گیا اور پھر آپ کے جنازہ کو مسجد نبوی میں لایا گیا اور نماز جنازہ کے لئے اس مقام پر رکھ دیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک اور منبر کے درمیان تھا۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا علی ابن ابی طالبؓ آگے بڑھے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ امیر المؤمنین کی نماز جنازہ وہ پڑھائے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ دیکھا تو فرمایا: "یہ صرف امارت کی حرص ہے۔ تم دونوں جانتے ہو کہ یہ معاملہ تمہارے سپرد نہیں ہے۔ نماز جنازہ کا حکم ایک اور شخص کو دیا گیا ہے"

Marfat.com

پھر فرمایا: "صہیبؓ! آؤ اور امیر المؤمنین کی نماز جنازہ پڑھاؤ"۔

(طبقات ابن سعد لد ۳ ص ۳۲۷)

سیدنا صہیبؓ آگے بڑھے اور چار تکبیروں کے ساتھ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کی میت اٹھائی اور سیدہ عائشہ کے حجرے پر آکر کھڑے ہو گئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کی: "عمر بن خطابؓ اپنے محترم رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں؟" سیدنا عائشہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا: "بے کھٹکے چلے آؤ"۔ لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہوئے اور امیر المؤمنینؓ کی میت کو اس کی آخری آرام گاہ میں اتار دیا۔ سیدنا ابو بکرؓ کا سر شانہ نبوت کے متوازی تھا اب سیدنا عمرؓ کا سر شانہ صدیق اکبرؓ کے متوازی رکھا گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے میت کو قبر میں رکھا۔ ان کے ساتھ پانچ ارکان شوریٰ سیدنا عثمان بن عفانؓ سیدنا علیؓ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا زبیر بن عوامؓ بھی قبر میں اترے تھے۔ (طبری جلد ۳ ص) ابن سعدؒ نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ کی قبر میں سیدنا عثمان بن عفانؓ سیدنا سعید بن زیدؓ سیدنا عمرو بن نفیلؓ سیدنا صہیب بن سنانؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اترے۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۳۶۸) سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ ابھی تک مدینہ واپس تشریف نہیں لائے تھے چنانچہ نہ وہ سیدنا عمرؓ کی وفات کے وقت پہنچ سکے اور نہ ہی ان کی تدفین میں شریک ہو سکے۔ ان حضرات نے آپ کی میت کو قبر میں اتارا۔ قبر پر مٹی ڈال دی گئی اور اتنا عظیم انسان ہمیشہ کے لئے قبر کی آغوش میں چلا گیا جسے زندگی صدیوں سے تلاش کر رہی ہے لیکن پھر بھی اس کا سراغ نہیں پا سکی۔

سیدنا عمرؓ قبر کی آغوش میں استراحت کے لئے چلے گئے کیونکہ وہ اپنے پورے دور خلافت میں مضطرب اور بے قرار ہی رہے۔ ایک لمحہ بھی انہیں زمین کی اس پیٹھ پر آرام و استراحت میسر نہ ہوئی۔ اب وہ اپنے دونوں محترم دوستوں کے ساتھ آرام فرمانے کے لئے قبر کی آغوش میں چلے گئے۔ باقی لوگ بھی قریب ہی مسجد نبوی میں جمع تھے۔ غم ان کے دلوں کی تہ میں اتر چکا تھا کیونکہ جو سورج آج ڈوبا تھا اور جو کائنات آج اجڑی تھی اور جو ستارہ آج ٹوٹا تھا اور جو چاند آج چھپا تھا' وہ سورج پھر کبھی طلوع نہ ہوا' وہ کائنات پھر کبھی آباد نہ ہوئی۔ اس ستارہ کا دوبارہ ابھرنا ممکن نہ ہوا اور اس چاند نے پھر کبھی بھی آسمان کے دریچوں سے نہ جھانکا۔ مایوسی نے ان کے حواس گم کر رکھے تھے کیونکہ انہیں ایک ایسے

Marfat.com

شخص کی موت کا صدمہ کھائے جا رہا تھا جو ہماری خزاں کو پکارتا رہا کہ اپنا دامن اس کی بہار سے بھر لے۔ وہ فطرت کا ایک عطیہ تھا اور زندگی کی صدیوں کی ایک آرزو تھی۔ جس نے شرق و غرب کی پہنائیوں میں اسلام کی دعوت کو پہنچایا۔ اسلامی نظام کو اس کی تفصیلات کے ساتھ دنیا میں رائج کیا۔ خود بھوکا رہا لیکن دوسروں کو سیر کیا۔ جو لوگوں میں اپنی روشن مثال چھوڑ گیا۔ جب سیدنا عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالی تھی تو لوگ ان کی شدت اور سخت گیری سے سہمے ہوئے تھے حتیٰ کہ اکثر لوگوں نے ان کی نامزدگی کی مخالفت بھی کی۔ اس کے بعد انہوں نے دس سال چھ ماہ اور چار دن ان کے درمیان گذارے اور اس عرصہ میں وہ سب سے زیادہ مشفق' سب سے زیادہ مہربان' سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا' سب سے زیادہ عدل و انصاف کرنے والا امیر ثابت ہوا' لہٰذا لوگوں کے دل اس کی محبت کے اسیر ہو گئے اور آج اس کی موت سے لوگوں کے دل غم ناک اور آنکھیں نم ناک تھیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا' اس نے ان کو دنیا میں سرفراز کیا۔ پہلے وہ محتاج اور تنگ دست تھے اس نے انہیں اللہ کے فضل سے غنی کر دیا تھا۔ پہلے ان کے دلوں میں ایران اور روم کی سپر طاقتوں کا خوف چھایا ہوتا تھا، اب وہ ایران و روم کے مالک ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو فراموش کر کے پوری دنیا میں اللہ کی یاد کی تخم ریزی کی۔ اس نے مسلمانوں کو دنیا میں عزت و وقار کی دولت سے مالا مال کیا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی خبر گیری کرتا۔ اس نے تمام لوگوں کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کہ میرے لئے سوائے دو حلوں کے اور کچھ جائز نہیں۔ ایک حلہ سردیوں کے لئے اور دوسرا گرمیوں کے لئے۔ اور پھر اپنے اہل و عیال کے گذارے کے لئے کھانا جتنا کہ قریش کے ایک متوسط آدمی کو درکار ہو کیونکہ وہ خود کو مسلمانوں کا ایک عام آدمی سمجھتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۴) لوگوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ قحط کے زمانہ میں وہ سوائے روٹی اور تیل کے اور کچھ نہیں کھایا کرتا تھا حتیٰ کہ اس کی جلد سیاہ ہو گئی اور وہ یہ کہتا تھا کہ میں بہت برا حکمران ہوں گا اگر میں لوگوں کو بھوکا رکھوں اور خود پیٹ بھر کر کھاؤں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس قدر جاگزیں تھا کہ حق تعالیٰ کے خوف سے رو رو کر اس کے گالوں پر دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۵)

سیدنا عمرؓ کی تدفین سے فارغ ہو کر لوگ منتشر ہو گئے۔ وہ اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے لیکن غم ان پر چھایا ہوا تھا۔ حزن و ملال کے گہرے بادل ان کے دلوں پر چھائے

ہوئے تھے۔ ان میں اکثر اس دن کو یاد کرنے لگے جس دن سیدنا عمرؓ پر حملہ ہوا تھا۔ حملہ کیوں ہوا؟ اس کا سبب کیا تھا؟ کس بات نے ابولؤلو فیروز کو اس قاتلانہ حملہ پر ابھارا تھا؟ کیا اس کے پیچھے کوئی گہری سازش تو نہیں تھی؟ اس نے خودکشی کیوں کی؟ کیا اس وجہ سے تو نہیں کہ وہ سازش بے نقاب نہ ہو جائے؟ اگر اس کا خراج زیادہ تھا تو وہ امیر المؤمنین سے اس کی کمی کی درخواست کر سکتا تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ بعض بیرونی طاقتوں نے امیر المؤمنین کو قتل کروایا ہو اور خراج کا معاملہ محض ایک فریب ہو؟ یہ اور اس قسم کے کئی سوالات تھے جو ان کے ذہنوں کو دستک دے رہے تھے لیکن انہیں ان کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں مل رہا تھا۔

Marfat.com

قتل ایک سازش؟

سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد تمام مسلمانوں نے انہیں ان گنت آنسوؤں اور لاتعداد دھڑکنوں کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکرؓ کے جوار میں دفن کر دیا لیکن ہر شخص کا ذہن اسی بات پر آ کر رکتا تھا کہ آپ کا یہ قتل ایک گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے۔ خراج کا مسئلہ تو صرف ایک فریب ہے۔ اتنے معمولی سے مسئلہ پر اتنی بڑی شخصیت کا قتل کسی شخص کی عقل میں نہیں آتا تھا۔ اگر سیدنا عمرؓ نے اس کے خراج میں کمی نہیں کی تھی تو وہ پھر اس کی شکایت آپ کے پاس لے کر آ جاتا اکثر لوگ اس نقطہ پر سوچنے لگے۔

جب سے مسلمان ایرانیوں اور عیسائیوں (رومیوں) پر غالب آئے تھے جب سے ان کے ملکوں کی زمامِ حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی تھی اور شہنشاہ ایران اپنے ملک کی وسعت کے باوجود دوسرے ملکوں میں راہِ فرار ڈھونڈتا پھر رہا تھا، اس وقت سے ایرانی، یہودی اور عیسائی، یہ تینوں اپنے دلوں میں عربوں کے خلاف عموماً اور سیدنا عمرؓ کے خلاف خصوصاً بغض و کینہ کے جذبات چھپائے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات کی یہ وسعت انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مختلف مواقع پر اپنی گفتگوؤں میں اس بغض و کینہ کا اظہار بھی کیا تھا۔ پھر لوگوں کو سیدنا عمرؓ کی یہ بات بھی یاد آتی تھی جو انہوں نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان پر حملہ کرنے والا ابو لؤلؤ فیروز ایک ایرانی ہے، کہی تھی۔ فاروق اعظم نے فرمایا تھا:

"میں تم کو منع کرتا تھا کہ ہمارے پاس کسی بے دین کو گھسیٹ کر نہ لانا لیکن تم لوگوں نے میری بات نہ مانی"۔

Marfat.com

مدینہ میں ان عجمی بے دینوں کی گو مختصر جماعت تھی، لیکن اس کے دل غضب و انتقام سے لبریز اور ان کے سینے بغض و کینہ کی آگ سے دہک رہے تھے۔ پھر ان کے پیچھے یہودیوں، ایرانیوں اور رومی سلطنت کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست نہیں دے سکے، لیکن اب ان کو اندر گھس کر شکست دینی چاہیے، لہٰذا ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ ان عجمی بے دینوں نے یہ سازش کی ہو اور ابولؤلو کا یہ فعل اس سازش کا نتیجہ ہو۔

مدینہ میں رہنے والا ہر شخص اس مسئلہ پر پریشان بھی تھا اور غور و فکر بھی کر رہا تھا، لیکن سیدنا عمرؓ کے صاحبزادوں کو اصل حقیقت سے باخبر ہونے کی سب سے زیادہ بے چینی تھی، کیونکہ ان کا شفیق باپ دن دیہاڑے نماز کی حالت میں مسجد نبوی کے اندر قتل ہوا تھا۔ ابو لؤلو فیروز نے خودکشی کر لی لہٰذا اس سے تو تفتیش حال نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ قتل کے اس راز کو قبر کی آغوش میں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اب ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ قتل سازش تھا تو اس سازش کے بے نقاب ہونے کی کوئی سبیل نہیں رہی اور یہ قصہ اب ختم ہو گیا ہے، لیکن اس سازش کے بارہ میں ایک معمولی سا علم (Clue) معلوم ہو گیا جس نے اس بات کی طرف راہنمائی کی کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ تھا۔ ہوا یہ کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب وہ خنجر دیکھا جس سے سیدنا عمرؓ کو شہید کیا گیا تھا تو فرمایا: "میں نے یہ خنجر کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: "تم اس خنجر سے کیا کرو گے؟" تو وہ بولے: "گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے" اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اس چھری کو دیکھ کر فرمایا: "میں عمرؓ کے قاتل ابولؤلو فیروز کے پاس سے گذرا۔ ہرمزان اور جفینہ اس کے ساتھ تھے اور وہ تینوں آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو مجھے دیکھ کر وہ بھاگے اور ایک خنجر ان کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے اور دستہ درمیان میں تھا۔ دیکھو، وہ خنجر کیسا ہے جس سے امیر المؤمنین کو شہید کیا گیا ہے؟ لوگوں نے اس خنجر کو دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا جو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بتایا تھا۔ اب اس معاملہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ اس سازش میں کم از کم یہ تینوں آدمی تو ضرور شریک ہیں۔ یہ دونوں گواہ سچے اور صادق گواہ تھے اور وہ گواہی دے رہے تھے کہ جس خنجر سے امیر المؤمنین کو شہید کیا گیا ہے وہ ہرمزان اور جفینہ کے پاس تھا۔ ان میں سے ایک گواہ کا کہنا تھا کہ اس نے قاتل ابولؤلو فیروز کو قتل سے پہلے ان دونوں سے سازش

کرتے دیکھا ہے۔ اور ان دونوں گواہوں کے بیانات کے مطابق یہ سب کچھ اس رات کا قصہ ہے جس کی صبح امیر المؤمنین پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ لہٰذا اس کے بعد کوئی شخص اس بات میں شک و شبہ نہیں کر سکتا کہ سیدنا عمرؓ اس سازش کا شکار ہوئے جس کے اہم کردار یہ تین آدمی تھے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے ایرانی یا ان قوموں کے افراد بھی اس سازش میں شریک ہوں جن پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تھا اور آج وہ مسلمانوں کے محکوم تھے۔

سیدنا عمرؓ کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادہ عبید اللہ تھا۔ اس نے جب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی یہ بات اور سیدنا عبدالرحمٰن ابی بکرؓ کی یہ گواہی سنی تو ساری کائنات اس کی نگاہوں میں خون ہی خون ہو گئی۔ اس کے باپ کے قتل کا انتقام اس کے ذہن و قلب پر مستولی ہو گیا۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مدینہ کے تمام پردیسی اس کے باپ کے قتل کی اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کے ہاتھوں سے اس جرم کا خون ٹپک رہا ہے۔

انہوں نے فوراً تلوار سنبھالی اور ہرمزان اور جفینہ کو جا کر قتل کر دیا۔ انہوں نے ہرمزان کے گھر پر جا کر اس کو آواز دی۔ جب وہ باہر نکلا تو اس سے کہا: "ذرا میرے ساتھ آؤ اور میرے گھوڑے کو دیکھو" اور خود دروازے سے پیچھے ہٹ گئے۔ جب وہ دروازہ سے باہر نکل کر ان کے سامنے سے گذرا تو اس پر تلوار کا ایک زوردار ہاتھ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر جفینہ کو بلا کر اسے قتل کیا۔ ہرمزان ایرانی بادشاہ کا ماموں تھا، نہایت چالاک اور ذہین۔ اس کا ذکر جنگِ تستر میں گذر چکا ہے کہ وہ کس طرح اپنی ذہانت سے قتل ہونے سے بچ گیا۔ یزدگرد کا شہروں اور ملکوں پھرنا اسے اچھا تو نہیں لگتا تھا۔ مدینہ میں جو کچھ بھی اسے آرام ہو لیکن ایرانی حکومت تو اس زمانہ میں بہت بڑی شئے تھی۔ دوسرا شخص جفینہ حیرہ کا عیسائی اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس رشتے سے سعد اسے مدینہ طیبہ لے آئے تھے جہاں وہ لوگوں کو لکھایا پڑھایا کرتا تھا۔ ان دونوں کے قتل کرنے کے بعد سیدنا عبید اللہ بن عمرؓ نے ابو لؤلو کی ایک چھوٹی لڑکی کو بھی قتل کر دیا۔ وہ اپنے دل میں یہ تہیہ کر چکے تھے کہ مدینہ کے تمام غلاموں کو قتل کر دیں گے، لیکن جب مدینہ کے لوگوں نے یہ سنا تو مہاجرین اولین نے ان کے گرد جمع ہو کر اس کو منع کیا لیکن وہ ہیجان و جنون کے عالم میں تھے۔ کسی کے سنبھالے نہ سنبھل رہے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص نے جفینہ کے قتل کے بارہ میں سنا تو دوڑ کر آئے اور سیدنا عبید اللہ کی پیشانی کے بال پکڑ لیے۔ اسی طرح سیدنا عثمان بن عفانؓ سے بھی وہ دست و گریبان ہو گئے، کیونکہ ان کو اپنے سامنے سیدنا عمرؓ کے بہتے ہوئے خون کے سوا ا۔

کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ بہر حال انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ حافظ ابن کثیر نے سیدنا عبید اللہ کے اس واقعہ کو ان ایام کا نقل کیا ہے جب سیدنا عمرؓ زخمی ہو کر صاحب فراش تھے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا کہ عبید اللہؓ کو قید کر لیا جائے اور آئندہ جو بھی خلیفہ ہو وہ اس کا فیصلہ کرے"۔ لیکن اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عبید اللہؓ نے یہ سب کچھ سیدنا عمرؓ کی وفات کے بعد اور سیدنا عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے قبل کیا۔

سیدنا عبید اللہ نے یہ جو کچھ کیا یہ کسی لحاظ سے درست نہیں تھا۔ ان کا یہ اقدام جاہلی حمیت سے تعلق رکھتا تھا۔ اسلام کسی شخص کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ خود انتقام لینے کھڑا ہو جائے۔ انہیں چاہیے تھا کہ جب انہیں اس سازش کا علم ہوا تھا تو وہ اس کا فیصلہ ہونے والے امیر سے طلب کرتے۔ اگر ان کے نزدیک سازش ثابت ہو جاتی تو وہ قصاص کا حکم دے دیتے۔ قصاص اور انتقام لینے کا یہ طریقہ جو انہوں نے اختیار کیا ہر لحاظ سے غلط تھا۔ ان دونوں کے قتل سے سیدنا عمرؓ کی شہادت پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا گیا جو آج تک پڑا ہوا ہے۔ اور ان کے قتل کی سازش بے نقاب نہ ہو سکی کیونکہ اس سازش کے ظاہری طور پر تین اہم کردار تھے جیسا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بتایا۔ ایک ابو لؤلؤ فیروز جس نے خود کشی کر لی۔ اور دوسرے ہرمزان اور تیسرے جفینہ ان دونوں کو سیدنا عبید اللہؓ نے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ سازش ڈھکی کی ڈھکی رہ گئی۔ اور آج تک کسی نے اس سے پردہ اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے بڑی اچھی کتاب سیدنا فاروق اعظمؓ کی زندگی پر لکھی لیکن اس سازش کے بارہ میں وہ بھی خاموشی سے گذر گئے۔ موجودہ زمانہ کے ایک مؤرخ عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب "عبقریۃ عمرؓ" میں لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ، اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی حکومت کے دشمنوں کی سازش کا شکار ہوئے۔ خراج کا قصہ تو محض ایک پردہ تھا جو مدینہ اور دوسرے ملکوں کی سازشوں نے اس قصاص سے بچنے کے لئے ڈالا تھا جس کی سزا انہیں اس سازش یا اس سازش کے اسباب و محرکات کے انکشاف پر بھگتنی پڑتی"۔ عقاد کی رائے میں صرف ہرمزان، جفینہ اور ابو لؤلؤ فیروز ہی اس سازش میں شریک نہ تھے بلکہ کعب احبار بھی اس سازش میں شریک تھے۔ وہ شریک ہوں یا نہ ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ انہیں اس سازش کا پورا پورا علم تھا جیسا کہ روایت کی کڑیاں بتاتی ہیں۔

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کی مخالفت کے اسباب:

سیدنا عمرؓ کی شہادت تاریخی روایات کے مطابق ایک نہایت گھناؤنی سازش تھی بلکہ یہ ایک بین الاقوامی سازش تھی جس میں یہودی' ایرانی اور رومی عیسائی ملوث تھے۔ ہرمزان' جفینہ' فیروز ابولؤلو اس کے صرف کردار تھے جن کے ہاتھوں یہ سازش انجام کو پہنچی۔ اس سازش میں اول نمبر پر یہودی ملوث تھے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ نقصان انہیں سیدنا عمرؓ سے پہنچا تھا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو علمائے یہود خاص طور پر آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ سے مختلف قسم کے سوالات کیے۔ وہ لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ جس نبی کی بشارتیں سیدنا ابراہیم' سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام نے دی ہیں وہ مستقبل قریب میں سرزمین بطحاء میں مبعوث ہونے والا ہے۔ وہ اس بات کا ذکر مدینہ طیبہ کے لوگوں سے بھی کیا کرتے تھے۔ یہود کی ان باتوں سے اہل مدینہ بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ اہل مدینہ جب عقبہ اولیٰ میں آپ پر ایمان لائے تو یہ عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی علامات اور آپ کا تذکرہ علمائے یہود سے سنا تھا جن کی بنا پر ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ اگر وہ بھی آپ پر ایمان لے آئے تو پھر وہ اور ہم متحد ہو کر آپ کا ساتھ دیں گے"۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۴۔۱۷۵' زرقانی جلد ۱ ص ۳۱۰' ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۰' البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۴۸)

جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس پہنچے اور علمائے یہود سے انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ لوگ جو اہلِ مدینہ سے ایمان لانے میں سبقت لے جانا چاہتے تھے' اب بالکل انکار پر تل گئے اور انصارِ مدینہ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی مخالفت شروع کر دی۔ دو سال بعد جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو علمائے یہود اجتماعی اور انفرادی طور پر آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جن کے نصیبہ نے ان کی یاوری کی وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے اور دوسرے تہی دامن اور تہی دست رہے۔ ان ایمان لانے والے علمائے یہود میں ایک سیدنا عبداللہ بن سلامؓ بھی تھے۔ وہ آپ کو صرف دیکھنے آئے اور فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

"جب میں نے آپ کے روئے اقدس کو دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے"۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۱۰۔ ۲۱۲' عیون الاثر لابن سید الناس جلد ۱ ص ۲۰۷)

اسی طرح یہود کے سردار حی ابن اخطب کا بھائی ابو یاسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سن کر جب واپس گیا تو اپنی قوم سے کہنے لگا: "میرا کہا مانو کیونکہ یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے" لیکن حی ابن اخطب نے اس کی مخالفت کی اور قوم یہود نے بھی حی ابن اخطب کا ساتھ دیا اور ابو یاسر کے کہنے کو نہ مانا اور دولت ایمانی سے تہی دست رہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۰)

یہود مدینہ کی مخالفت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر اگرچہ بعض یہودی علماء آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اکثریت نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور آپؐ کے خلاف خفیہ طور پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی کا سدباب کرنے کے لئے ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا جس کی تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۲۴' سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۷۴ وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہ معاہدہ آپ نے یہود کے تین قبیلوں سے کیا جن کے نام یہ ہیں

(۱) بنو قینقاع (۲) بنو نضیر اور (۳) بنو قریظہ

یہ یہود کے تین بڑے قبیلے تھے اور مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے۔ ان قبائل نے آپ پر ایمان لانے میں گریز سے کام لیا۔ لہٰذا آپ نے ان سے یہ معاہدہ کیا۔ لیکن حالات کے شب و روز نے یہود کو اس معاہدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور ان تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے اس معاہدہ کو توڑا۔ چنانچہ سب سے پہلے بنو قینقاع نے اس معاہدہ کو توڑا۔ شوال ۲ھ میں آپؐ نے سیدنا ابو لبابہ بن عبد المنذر انصاریؓ کی زیر کمان ایک مختصر سا لشکر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے۔ سیدنا ابن عبد المنذر انصاریؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر سولہ روز کے محاصرہ کے بعد وہ قلعہ سے باہر آ گئے اور رئیس المنافقین

Marfat.com

عبداللہ بن ابی کی عاجزانہ اپیل پر ان کو قتل تو نہ کیا گیا لیکن جلاوطن کردیا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳ زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۶ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۰، اور احقر کی کتاب "سیرۃ خاتم النبیین")

ربیع الاول ۴ھ میں بنو نضیر نے بھی آپ کے قتل کی سازش کر کے اس معاہدہ کو توڑا۔ ان لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبیلہ میں بلا کر ایک دیوار کے نیچے بٹھائیں اور اوپر سے ایک آدمی ایک بڑا سا پتھر لڑھکا دے۔ جس سے معاذ اللہ آپ شہید ہو جائیں۔ چنانچہ اس خفیہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے حضور علیہ السلام کو ایک دیّت کے سلسلہ میں اپنے قبیلہ میں بلایا۔ آپؐ سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا عمرؓ سیدنا عثمانؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا زبیرؓ وغیرہ کی معیت میں وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے سایہ تلے بیٹھ گئے، لیکن بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد آپ کو بذریعہ وحی اس سازش سے مطلع فرما دیا گیا اور آپ وہاں سے اٹھ کر بغیر کسی کو کچھ بتائے مدینہ تشریف لے آئے۔ بعد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر بنو نضیر کا محاصرہ فرمایا..... بنو نضیر اپنے قلعوں میں گھس گئے۔ پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد آپ نے ان کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے قلعوں سے نکل کر امن کے خواستگار ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں دس روز کی مہلت دی جاتی ہے۔ ان دس روز میں تم مدینہ کو خالی کر دو اور اپنے سامانِ حرب کے سوا اہل و عیال اور دوسرے سامان کو جہاں لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔ بنو نضیر نے یہ شرط مان لی اور دس روز کے اندر ان کے بعض لوگ شام چلے گئے۔ اور بعض نے خیبر میں سکونت اختیار کر لی۔ خیبر میں سکونت اختیار کرنے والوں میں ان کے سردار حی بن اخطب، سلام ابن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بھی تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۷۴-۸۰، فتح الباری جلد ۷ ص ۱۵۴)

اس معاہدہ میں تیسرا قبیلہ بنی قریظہ شامل تھا۔ اس نے بھی ۵ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر قریش مکہ سے ساز باز کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ چنانچہ غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آپ جبریل امین کے کہنے پر بنو قریظہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے ۲۵ روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ آخر مجبور ہو کر بنو قریظہ نے سعد بن معاذؓ کو حکم مان لیا اور کہا کہ جو فیصلہ وہ فرمائیں وہ ہمیں منظور ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص

Marfat.com

۶۶' فتح الباری جلد ۷ ص ۴۲۲' زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۳)

سیدنا سعد بن معاذؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں' عورتیں اور بچے گرفتار کر کے لونڈی اور غلام بنا لیے جائیں اور ان کا سب مال و اسباب اہل اسلام میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۸' زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۷)

یہود کی خیبر سے جلاوطنی

مدینہ کے یہودی اپنی فتنہ پردازیوں اور آئے دن کی سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کر دیے گئے۔ مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد یہ لوگ خیبر وغیرہ میں آباد ہو گئے لیکن

نیش عقرب نہ از پئے کین است　　　مقتضائے طبیعتش این است

فتنہ و فساد ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا' اس وجہ سے انہوں نے وہاں بھی اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کی ان کارروائیوں کا علم ہوا تو آپ نے محرم الحرام ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر پر حملہ کر دیا اور چند ہی روز میں خیبر کے تمام قلعوں کو فتح کر لیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۳۶۳۔۴۷۶' زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۷' ابن اثیر جلد ۲ ص ۸۳' البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۹۸' عون المعبود جلد ۳ ص ۱۲۰' عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۴' ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۵۔۱۸۷)

اس غزوہ میں کچھ یہودی قتل ہوئے اور کچھ وطن چھوڑ کر ایران' شام اور دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے۔ یہود کی اسی اسلام دشمنی اور باطل دوستی کا نتیجہ تھا کہ قرآن حکیم نے ان پر ذلت اور مسکنت کے عذاب کا اعلان کیا اور ان کی برائیوں کو سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اے یہودیو! تمام مخلوق میں تم مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تمہی نے اللہ کے نبیوں کو قتل کیا اور تمہی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا"۔

(معانی الآثار جلد ا ص ۳۱۷)۔

یہود کی انہی اسلام دشمنیوں اور اہلِ اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا نتیجہ تھا کہ

Marfat.com

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت کو جہاں اور وصیتیں کیں وہاں ایک وصیت یہ بھی فرمائی:

اخرجوا الیھود من جزیرۃ العرب

(بخاری جلد ا ص ۴۴٦ 'مسند احمد جلد ۹ حدیث نمبر ٦۳٦٧)

یہودیوں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دینا

یہ وصیت ہر اس شخص کے لئے تھی جو آپ کے بعد بار خلافت کی ذمہ داری کو اٹھائے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی تمام تر توجہ اندرونی اور بیرونی فتنوں کی سرکوبی اور ملکی نظم و نسق کی طرف منعطف رہی' لہٰذا انہیں اپنی خلافت کے قلیل عرصہ میں آپ کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت ہی نہ ملی۔ آپ کے قریباً اڑھائی سالہ دور خلافت کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں آپ کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تمام یہودیوں کو جزیرہ عرب سے باہر دھکیل دیا۔ (مسند احمد جلد ۹ ص ٦۳٦٨)

سیدنا عمرؓ کی مخالفت

جزیرہ عرب سے نکالے ہوئے یہ یہودی خلافت اسلامیہ اور اس کے باہر مختلف علاقوں میں پھیل گئے لیکن اسلام اور خلیفہ اسلام کے خلاف اپنی جلاوطنی کا یہ انتقامی جذبہ کی آگ ان کے دلوں میں سلگنے لگی جس کی تسکین کے لئے انہوں نے خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظمؓ کے خلاف خفیہ سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ گویا خلافت اسلامیہ کے خلاف سب سے پہلا مخالف عنصر یہودی ہی تھے جن کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں جزیرہ عرب سے جلاوطن کیا تھا۔ انہی میں ایک عبداللہ بن سباء یہودی بھی تھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لئے اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی مخالفت کا دوسرا سبب عربوں کا عجم پر تفوق تھا جن میں ایران سب سے پیش پیش تھا۔ ایران اور روم کے بارہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے اسلام کے غالب آنے کی پیشگوئی فرمائی ہوئی تھی۔

انہ ستفتح کنوز کسریٰ و قیصر (کشف الغمہ جلد ا ص ۲۵)

بے شک عنقریب کسریٰ اور قیصر کے خزانے آپ کے لئے فتح کیے جائیں گے

ایسا ہی ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب حیات القلوب جلد ۲ ص ۹۵ ۳ میں لکھا ہے

Marfat.com

فتح ایران کی یہ پیشگوئی اپنی شانِ اعجاز کے ساتھ سیدنا فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ اور جنگ قادسیہ اور جنگ مدائن' جنگ تستر اور جنگ نہاوند میں اسلام ایران پر اس طرح غالب آیا کہ رومی سپہ سالار رستم اور ہرمزان اور دوسرے جرنیلوں نے اس فتح میں ایک مافوق الاسباب جھلک بھی دیکھی جس کا اظہار ہرمزان نے بھی اپنے اس بیان میں کیا جو سیدنا فاروق اعظمؓ کے سامنے اس نے دیا تھا۔ اس نے کہا تھا:

"عمر! اصل بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم اور تم اکیلے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوتے تھے' لہٰذا ہم ہمیشہ تم لوگوں پر غالب آتے تھے لیکن اب صورت حال مختلف ہے کہ مقابلہ کے وقت ہم اکیلے ہوتے ہیں اور تمہارے ساتھ خدا ہوتا ہے' لہٰذا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں کہ ہم دونوں کا مقابلہ کر سکیں"۔

۱۴ھ میں جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے سلطنت ایران کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو سلطنت ایران کے اعیان واکابر نے خاندان کیانی کے وارث یزدگرد جس کی عمر اس وقت بقول ابو حنیفہ، دینوری اور ابن جریر طبری کے ۲۱ سال تھی' کی قیادت میں باہم متفق اور متحد ہو کر خلافت اسلامیہ کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا' لیکن قادسیہ اور مدائن وغیرہ کی فیصلہ کن جنگوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا اور درفش کاویانی ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا۔ اور اسلامی علم نہایت شان وشوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا۔

ایران فتح تو ہو گیا اور اس میں بجائے درفش کاویانی کے سبز ہلالی پرچم لہرانے لگا اور دین زرتشت کو خیرباد کہہ کر ایرانی دینِ اسلام کو قبول کرنے لگے، لیکن ان کی ذہنی زمین میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ ان کے ذہن بجائے اسلامی عقائد واحکام کے برگ و بار نکالنے کے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کی پیداوار کرنے لگے۔ یہ لوگ کلمہ اسلام کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی روایات کے قریباً ہر دروازے پر تاویل کی دستک دینے لگے اور یہ احساس ان کے دلوں کو نہایت بری طرح زخمی کر رہا تھا کہ عربوں کو ایرانیوں پر یہ تفوق کیوں حاصل ہو رہا ہے۔ اور ان کے اندر عجمی عصبیت کا لاوا روز بروز ابلنے لگا۔ یہودیوں اور دوسرے دشمنان اسلام نے ایرانیوں کے اس نفسیاتی تقاضے کا پوری طرح فائدہ اٹھایا۔

چند لوگ اس عجمی عصبیت سے مستثنیٰ بھی تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کی فطری صلاحیت' جبلی انصاف پسندی اور قبول حق کے داعیہ نے ان میں ذہنی پختگی اور قلبی سکون پیدا کر دیا تھا۔ عوام اور خواص کی اکثریت طبعی تدین اور اعتدال مزاج کی بیش بہا دولت سے

Marfat.com

محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتی تھی۔ اور وہ بجائے دینی قدروں کے سیاسی قدروں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکے تھے' لیکن ان کی ذہنی حالت ابھی غیر مستقل تھی۔ وہ اگرچہ لاالہ الااللہ پڑھتے تھے لیکن اس کی تشریح میں ابھی وہ مختلف قسم کی تاویلات کا شکار تھے، اور وہ جغرافیائی قدروں پر ایمان رکھتے ہوئے کبھی بھی ایرانیوں پر عربوں کا یہ سیاسی تفوق برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

نو مفتوحہ علاقوں میں عمومی طور پر اور ایران میں خصوصی طور پر یہ ذہنیت جاری تھی' عبداللہ ابن سباء اور اس قسم کی ذہنیت والے دوسرے یہودیوں نے جنہیں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سرزمین عرب سے نکالا تھا' پہلے ہی سے ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایرانیوں کی ان نفسیاتی کمزوریوں سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور ان کے سامنے سیدنا فاروق اعظمؓ کو غاصب' جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرنے والا کہنے لگے۔ ویسے بھی ایرانیوں کا یہ پرانا دستور ہے کہ جس غیر ملکی شخصیت نے بھی ایران کی سرزمین پر قبضہ کیا' انہوں نے ان کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا۔ اس کی ایک مثال اسکندر رومی کے قبضہ ایران سے ملتی ہے۔ سکندر نے جب ایران کو فتح کر کے وہاں ایک غیر ملکی حکومت قائم کی تو اسے "مردود سکندر رومی" کے نام سے یاد کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو پہلوی اردہ دراف نامگ ص ۴ و ص ۱۴۱) اور بعض روایتوں میں اسے جہنمی بتایا جاتا ہے۔

ایرانی پہلے سے سیدنا عمرؓ سے سخت نالاں تھے کیونکہ انہوں نے ایران کی کیانی سلطنت کو تہس نہس کر دیا تھا اور اس کا سارا مال و متاع حتیٰ کہ اس کے دربار کے قالین اور فانوس بھی دربارِ خلافت میں مالِ غنیمت کے طور پر لائے گئے تھے اور ان کی لڑکیاں لونڈیاں بنا کر مدینہ لائی گئیں۔ یہ سب باتیں ان میں نفرت وانتقام کی آگ کو بھڑکا رہی تھیں لہٰذا وہ اسی وقت اس کے ہم نوا بن گئے اور جبر و غصب کے مظلوم شاہانِ عجم کو قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تاکہ اس سے ایک تو عربوں میں باہم تشتت وافتراق کی تخم ریزی ہو اور دوسرے اس ذریعہ سے بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں۔ چنانچہ ایک انگریز مؤرخ اور دانشور ایڈورڈ براؤن (Edward Brown) جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایران اور اہلِ ایران کی تاریخ کے مطالعہ میں گذارا ہے، لکھتا ہے:

"راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہل عجم متنفر ہیں تو

Marfat.com

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارت گر عجم تھے۔ اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا' لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے"۔

(تاریخ ادبیات ایران' اردو ترجمہ جلد ا ص ۲۱۷)

یہی ڈاکٹر براؤن ایک اور مقام پر اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا بلکہ یہ کہ انہوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا"۔

(تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۴۸۔۴۹)

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رضائے کرد کے یہ دو شعر بھی نقل کیے ہیں:

بشکست عمر پشت ہژبران اجم را
برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را
ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست
با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

یعنی سیدنا عمرؓ نے جنگل کے شیروں یعنی ایرانیوں کی پشت توڑ کر رکھ دی' اور جمشید کے خاندان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ (ایرانیوں کا) یہ سارا جھگڑا اس لیے نہیں کہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا علیؓ کی خلافت غصب کر لی بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اہل ایران کی آل عمرؓ سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔

(تاریخ ادبیات ایران' براؤن جلد ۴ ص ۴۹)

غرض کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے اہل ایران نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے خلاف عبداللہ بن سباء اور دیگر مسلم نما یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشوں کے زمین دوز بم (Mines) بچھانے شروع کر دیے جو کہ صولتِ فاروقی کی وجہ خلافتِ فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے لیکن خلافت عثمانی کے آخری سالوں میں انہوں نے ایک دفعہ تو پوری ملت اسلامیہ اور مملکت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔

بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اہل ایران نے ایک حربہ یہ بھی استعمال کیا کہ ساسانی طرز حکومت کی طرح اسلام میں "بادشاہوں کے الٰہی حق" (Divine

(Right of kings) کے پراپیگنڈے کا پرچار شروع کر دیا۔ یہ عقیدہ ایران میں تو نسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا۔ چنانچہ اس بارہ میں ایک اور یورپی دانشور اور کوپن ہیگن یونیورسٹی کے پروفیسر آرتھر کرسٹن سین نے لکھا ہے کہ :

"سلطنت ساسانی کی دو بڑی امتیازی اور اہم خصوصیتیں تھیں۔ ایک تو شدید مرکزیت اور دوسرے حکومتی مذہب کی پیدائش۔ اگر پہلی خصوصیت کے بارہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عہد داریوش اول کی روایات کا احیاء تھا تو دوسری امتیازی خصوصیت بالکل نئی ایجاد تھی، لیکن وہ ایک تاریخی ارتقاء کا نتیجہ تھی، ٹھیک جیسا کہ تیرہ سو سال بعد شیعیت کا مذہب حکومت قرار پانا اسی قسم کے ارتقاء کا نتیجہ تھا"۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۱۲۵)

ڈاکٹر براؤن نے اس مسئلہ کے بارہ میں نہایت واضح الفاظ میں لکھا کہ :

"ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور شد و مد کے ساتھ ایران میں پالا گیا اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی"۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد اص ۲۱۵)

مختصر یہ کہ ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو دیوتا یا الٰہی وجود کہتے تھے اور قدیم کیانی خاندان سے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو فر کیانی کا جائز وارث تصور کرتے تھے۔

فر کیانی ایک طرح کا تابوت سکینت تھا یا حکومت کرنے کے آسمانی حق کی ایک مادی صورت تھی۔ اس کی رو سے صرف آلِ ساسان ہی کو عجمی تاج پہننے کا حق حاصل تھا، اور کسی خاندان کے کسی فرد کا خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس منصب پر فائز ہونا بالائے فہم سمجھا جاتا تھا۔ (اخبار الطوال ص ۹۸)

اس عقیدے کے پرچار اور خاندان نبوت کے ساتھ اس کی خصوصیت کی ایک وجہ اور بھی ہوئی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد جو کہ ساسانی خاندان کی آخری یادگار تھا، اپنی تمام حشمت و جاہ کے باوجود اہل اسلام سے شکست کھا گیا تو اس کا سب مال و منال دربار فاروقی میں مالِ غنیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بن کر سیدنا عمرؓ کے پاس مدینہ آئیں اور مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں۔ چنانچہ سیدنا حسینؓ کی زوجہ محترمہ شہربانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی، لہٰذا اہل ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولادِ علیؓ کو تخت و تاج حاصل کرنے کا

Marfat.com

یہ حق دیا' کیونکہ ان کا رشتہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا اور آل ساسانی سے بھی۔
چنانچہ ڈاکٹر براؤن نے لکھا ہے:

"حضرت حسینؓ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا' اس لیے شیعوں کے دونوں فریق یعنی اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نزدیک (ان کے اپنے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں۔ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آلِ ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے۔ اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا۔

(تاریخ ادبیات ایران جلد ا ص ۲۱۸)

ایک اور مقام پر یہی انگریز نقاد لکھتا ہے:

"تیسرے امام حسینؓ کے زمانے میں جو حضرتْ علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے' ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا' کیونکہ متقدمین اور مستند مؤرخین مثلاً یعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسینؓ کے حبالہ عقد میں تھیں اور ان میں سے ایک صاحبزادے الموسوم بہ اعلیٰ الملقب بہ زین العابدین تھے جو چوتھے امام تھے' جو کہ ایک طرف اولاد فاطمہ سے تھے تو دوسری جانب ایرانی خاندان شاہی سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۹)

جرمن دانشور اور محقق گوبی نو (Gobeneau) نے بھی اس بارہ میں لکھا ہے کہ "ایران میں سیاسی تعلیم کا یہ ایک ناقابل نزاعہ فیہ مسئلہ ہے کہ صرف بنی علیؓ (اولاد علیؓ) ہی جائز طور پر تاج و تخت کے مالک ہیں۔ اور یہ اس دوہرے حق سے کہ ادھر تو وہ آخری تاجدار ایران یزدگرد کی بیٹی شہربانو کی طرف سے ساسانیوں کے وارث ہیں اور ادھر ملت حقہ کے سرداروں کی اولاد ہیں"۔ (وسط ایشیا کا مذہب و فلسفہ ص ۲۷۵)

ڈاکٹر براؤن نے اس عنوان کے تحت کہ "شیعیت ایرانی مزاج کو کیوں پسند ہے؟" لکھا ہے کہ "حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور "حق الہٰی" کے منتقل ہونی چاہیے تھی"۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۸)

ایرانی اثرات کے تحت جب شیعہ اعتقاد نے جنم لیا تو اصل اندر سے صاف نظر

Marfat.com

آنے لگی:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو اس بات کا الٰہی حق حاصل ہے کہ وہ دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے اسلام کے پیشوا مقرر ہوں"۔

(تاریخ ادبیات ایران جلد ا ص ۴۶)

شہربانو کے سیدنا حسینؓ کے عقد میں آنے کی روایت پر پروفیسر آرتھر کرسٹن سین نے لکھا ہے:

"دراصل اس روایت کا مقصد یہ تھا کہ امام حسینؓ کی اولاد کو قدیم شاہانِ ایران کی جلالت مقدسہ کا جائز وارث قرار دیا جائے"۔(ایران بعہد ساسانیان ص ۶۸۷)

ایک اور ایرانی مؤرخ اور دانشور حسین کاظم زادہ نے اپنی تصنیف "تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی" میں شہربانو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی دختر شہربانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن خطابؓ کے سامنے پیش ہوئیں۔ انہوں نے اسے بھی قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ اس بات سے مانع ہوئے اور کہا کہ بادشاہ زادگان اور شریفوں کو ننگے سر بازار میں لے جانا خلافِ ادب ہے۔ بالآخر وہ تقسیم ہوئیں اور حضرت حسین بن علیؓ کے حصہ میں آئیں۔

چند سطور کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے:

"اسی سبب سے حضرت علیؓ کا خاندان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا ہے اور رسول خدا سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا۔ صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت و تاج کا مالک ہو سکتا ہے۔ نیز اسی وجہ سے امام حسینؓ کے فرزند زین العابدین کو جو شہربانو کے بطن سے تھے، عرب و عجم کا فخر کہتے ہیں۔ کیونکہ باپ کی جانب سے ان کا نسب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے"۔ (تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی ص ۱۶۷)

عرب کے لوگ فطرتاً شورائی اور جمہوریت پسند تھے۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت بھی بشمولیت سیدنا علیؓ جمہوریت اور شوریٰ پر مبنی تھی۔ اور خود قرآن حکیم نے بھی ان

Marfat.com

کو "وشاورهم في الامر" اور "وامرهم شورى بينهم" کی تعلیم دی تھی۔ خود سیدنا علیؓ کی تعلیم بھی "انما الشورى للمهاجرين والانصار" تھی (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۸ مصر)

لہٰذا ایرانیوں کے اس نظریہ کی تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے مزاج کے دو زبردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کے برگ وبار ابھی تک فتنہ کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن نے لکھا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لئے تو بالکل قدرتی چیز تھا' لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا"۔

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:

"شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی "جمہوریت" اور "بادشاہوں کے الٰہی حق" کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں' لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں"۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۹)

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن وسنت کی رو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعہ اس نظریہ کا پرچار ہونا شروع ہو گیا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے برادرِ عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے شوہر حضرت علیؓ کو ان کا جانشین ہونا چاہئے تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں نامزد فرمایا تھا۔ نیز یہ کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور حق الٰہی کے منتقل ہونی چاہئے تھی"۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۸)

غرض کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی مخالفت کا ایک سبب یہ تھا کہ ان کا شورائی نظام حکومت ایرانیوں کے آسمانی حق حکومت سے بہت مختلف تھا اور سیدنا عمرؓ کو ایرانی اس لئے اپنی مخالفت کا ہدف بناتے تھے کہ:

"صحرائے عرب کے بادیہ نشینوں کو خلیفہ عمرؓ جیسے بے مثال مدبر نے مسلک تنظیم میں منسلک کر دیا تھا"۔ (ایران بعہد ساسانیان ص ۷۳)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات

عرب کے جلاوطن شدہ یہودی اور ایران وروم کے مجوسیوں اور عیسائیوں کے گٹھ جوڑ سے خلافت اسلامیہ اور سیدنا عمرؓ کے خلاف جو خفیہ تحریکیں چلائی گئیں، سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ان کو زیادہ برگ و بار پھیلانے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں، لیکن سب سے بڑی وجہ خود سیدنا عمرؓ کی صولت اور رعب ودبدبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی شخصیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے مدبرین اور جبابرہ آپ سے تھراتے تھے۔ اور تو اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق شیطان بھی آپ سے ڈرتا تھا۔ چنانچہ بخاری میں ہے :

ما لقيك الشيطان سالكاً فجاً قط الا سلك فجا غير فجك

(بخاری جلد ۱ ص ۵۲۰)

یعنی تجھے چلتے ہوئے شیطان کسی راستہ میں نہیں ملتا لیکن یہ کہ وہ تیری راہ چھوڑ کر دوسری راہ لے لیتا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ شیطان ایسے بھاگتا ہے جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے۔
اور امام ترمذی نے سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

انی لانظر الیٰ شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر (ترمذی)

میں دیکھ رہا ہوں کہ شیاطین خواہ وہ انسانوں کے ہوں یا جنوں کے عمرؓ سے بھاگتے ہیں۔

یہ احادیث جہاں سیدنا عمرؓ کی گناہوں سے محفوظیت کی دلیل ہیں وہاں صولتِ فاروقی کا بھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں اور جنوں کے دلوں میں بھی آپ کا رعب ودبدبہ موجود تھا۔ دین اور امور انتظامیہ میں ذرہ برابر مداخلت کو برداشت کرنا آپ کے لئے مشکل تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر خود ہی فرماتے ہیں :

"بخدا! میرا دل خدا کے لئے نرم ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہے۔ اور خدا ہی کے لئے سخت بن گیا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گیا ہے۔"

اس کی ایک مثال تو وہ ہے جسے ابن سعد نے طبقات میں نقل فرمایا ہے کہ غزوہ بدر میں کفار مکہ نے بنو ہاشم کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا تھا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے اپنی فوج کو حکم فرمایا کہ سیدنا عباسؓ اگر کہیں نظر آئیں تو انہیں قتل نہ کرنا۔ سیدنا ابو حذیفہؓ جو قریشی لشکر کے کمانڈر اور رئیس عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے۔ چونکہ جوش میں آئے ہوئے تھے' اس لیے جوش کی حالت میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا۔ سیدنا عمرؓ ابو حذیفہؓ کے منہ سے یہ گستاخی آمیز کلمات سن کر آپے سے باہر ہو گئے اور حضور علیہ السلام سے عرض کی: یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں"۔

(طبقات ابن سعد جز ۴ ص ۴ تذکرہ سیدنا عباسؓ)

اس کے ساتھ ساتھ آپ بالطبع غیور بھی تھے جس کا اقرار خود لسان نبوت نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے جسے صحاح کی سب کتابوں نے باختلاف الفاظ نقل کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اور آیات الٰہی آپ کو دکھائیں وہاں جنت کا مشاہدہ بھی کرایا۔ آپؐ نے فرمایا: "عمر! وہاں میں نے ایک عالی شان طلائی محل دیکھا جو تمہارے لئے مخصوص تھا۔ میں نے اس میں جانا چاہا لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی اور میں واپس چلا آیا۔" سیدنا عمرؓ نے لسان نبوت سے جب یہ سنا تو رونے لگے اور عرض کیا:

أعليك اغار يا رسول الله (بخاری جلد ا ص ۵۲۰)

اے اللہ کے رسول کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

آپ کی اس صولت' غیرت' حمیت اور فتنہ و فساد کے مقابلہ میں تشدد کی پالیسی نے اس فتنہ کے لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا' لیکن پھر بھی آپ کی زندگی کے آخری ایام میں اس طوفان کی تیز و تند ہواؤں نے امت کو اپنا احساس دلایا۔ انہی خفیہ سازشوں ہی کا نتیجہ تھا کہ ابو لؤلو فیروز ایرانی نے صبح کی نماز میں اچانک آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۱) فاروق اعظمؓ کے قتل میں وہ اکیلا ہی شریک نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ اور بھی شریک تھے جن میں دو تو قتل ہو گئے اور باقی لوگ ان کے قتل ہونے کی وجہ سے پردہ راز میں رہ گئے۔ اور سیدنا عمرؓ کو قتل کچھ اس لئے بھی کیا گیا کہ ان کی شخصیت کی موجودگی میں سازشیوں اور فتنہ پردازوں کی سازشیں برگ و بار نہیں لا سکتی تھیں۔

فاروقی فتوحات پر ایک نظر

سیدنا عمرؓ نے دس سال چھ ماہ چار دن حکومت کی۔ اس دوران انہوں نے نہایت وسیع سلطنت قائم کی۔ ایران' شام اور مصر وغیرہ کے علاقوں کو ان کے بہادر اور جانباز جرنیلوں نے فتح کیا۔ ایران کا شہنشاہ اور روم کا قیصر دونوں کے لئے اپنا ملک اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گیا۔ قیصر تو قسطنطنیہ میں جا بیٹھا اور کسریٰ شاہِ ایران اپنا ملک چھوڑ کر چین چلا گیا لیکن وہاں بھی اسے پناہ نہ ملی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶' مشرق کی جانب ۱۰۸۷' جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حکومت کی حد تھی اس وجہ سے وہ قابل ذکر نہیں ہے۔ (الفاروق' شبلی نعمانی ص ۱۸۱) ان تمام علاقوں میں شام' مصر' جزیرہ' خوزستان' عراق عجم' آرمینیہ' آذربائیجان' فارس' کرمان' خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا کچھ حصہ بھی شامل تھا' سیدنا عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں عرب کے بادیہ نشینوں نے فتح کر لیے۔ یورپی مؤرخین اتنی کم مدت میں اتنا وسیع رقبہ فتح کرنے پر حیران ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مختلف قسم کی تاویلیں کرنی شروع کر دیں۔ کبھی یہ کہا کہ ایران کی حکومت اس زمانہ میں چونکہ غیر مستحکم تھی اس وجہ سے مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ اور بازنطینی حکومت میں بھی عیسائیت کے مختلف فرقوں کے درمیان چپقلش کی وجہ سے نظام حکومت کمزور ہو چکا تھا اس وجہ سے مسلمانوں کو اس کو فتح کرنے کا موقع مل گیا۔ ان تاویلوں سے ان کا مقصد یہ ہے کہ عربوں میں یہ اہلیت اور طاقت نہیں تھی کہ وہ ان سپر پاورز کا مقابلہ کر سکتے، حالانکہ ان لوگوں کی یہ بات ہر لحاظ سے غلط ہے۔ اگر ان دونوں حکومتوں میں

Marfat.com

کوئی خلفشار نہ ہوتا اور وہ اپنے پورے عروج پر بھی ہوتیں پھر بھی وہ مسلمانوں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ ذرا یہ تو سوچیں کہ عرب مدینہ سے نکل کر ان کے شہروں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ وہ کتنے ہی کمزور سہی لیکن پھر بھی اپنے ملک میں تھے۔ ہر قسم کی سہولت انہیں میسر تھی' انہوں نے اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں بیٹھ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنا تھا' ان کے مقابلہ میں مسلمان باہر سے آئے تھے۔ ان کی تعداد کم تھی' آلات حرب میں وہ بہتات نہ تھی اور نہ ہی آلات جنگ میں وہ تنوع تھا۔ فنون جنگ میں بھی وہ اتنے ماہر نہ تھے جتنے یہ لوگ تھے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایران وروم کی فوجیں ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتی تھیں جیسے باز کے سامنے سے چڑیاں بھاگتی ہیں۔ روم وایران کی فوجوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں تھی بلکہ لاکھوں میں تھی لیکن مسلمانوں کی تمام فوجیں جو مصر وایران اور روم کے محاذوں پر مصروف جنگ تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی تھی۔ مسلمان سپاہیوں کے پاس صرف ایک زرہ ہوتی تھی جس کو وہ میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کے لئے پہنتے تھے اور وہ بھی اکثر لوہے کے بجائے چمڑے کی ہوتی تھیں۔ ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی تلواریں اور تیر اتنے کم حیثیت اور چھوٹے ہوتے تھے کہ ایرانی انہیں دیکھ کر حقارت سے "تکلے" کہتے تھے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں ان لوگوں نے دنیا کی دو سپر پاورز کو ایسی شکست دی کہ چشم آفتاب ابھی تک حیران ہے۔ اور خود ان حکومتوں کے سربراہ بھی پریشان تھے کہ مٹھی بھر بے سروسامان عربوں نے ان کی لاکھوں کی تعداد میں ہر قسم کے آلات حرب سے لیس فوج کو اس طرح شکست دی کہ آج تک کسی شہنشاہ کی فوج نے ایسی شکست نہیں دی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ جنگ اسلحہ سے نہیں جیتی جاتی بلکہ صبر واستقلال اور عزم و یقین کے ساتھ جیتی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں یہ ساری صفات موجود تھیں جب کہ ان کی مخالف فوجیں ان سب خوبیوں سے عاری تھیں۔ پھر عربوں کی جنگ کا مقصد کوئی دنیوی منفعت نہ تھی بلکہ وہ اپنے گھروں سے اس لئے نکلے تھے کہ "لتكون كلمة الله هي العليا" جب کہ مخالف فوجیں صرف دنیوی غرض اور منفعت کے لئے برسر پیکار تھیں۔ جب مسلمان فوجی اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے لڑتے تھے تو میدان جنگ میں ہر مشکل میں اللہ کی مدد کی آواز لگاتے تھے۔ چنانچہ جنگ یرموک میں جب مسلمانوں پر اپنی قلت تعداد کی وجہ سے مشکل وقت آیا تو سیدنا ابو سفیانؓ کی آواز تمام میدان جنگ میں گونجتی تھی "یا نصر

Marfat.com

اللہ! اقترب "(اے اللہ کی مدد' ہمیں جلدی پہنچ) اور اللہ تعالیٰ پھر ان کی مدد بھی فرماتا تھا۔ اور جن لوگوں کی اللہ مدد کرے وہ دنیا میں کبھی ناکام نہیں ہوتے۔

دوسری شئے جس نے فتوحات میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ مدد کی وہ ان کی راست بازی اور دیانتداری تھی۔ ان دونوں خوبیوں نے ان کے مخالفوں کو بھی ان کا گرویدہ بنادیا تھا۔ چنانچہ یرموک کی جنگ میں جب مسلمان شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا ان کے لئے دست بدعا تھی کہ "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے" اور یہودیوں نے تورات ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی اب قیصر یہاں نہیں آسکتا۔ پھر ایک موقع پر جب جنگی مصلحت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک شہر خالی کرنا پڑا تو انہوں نے جزیہ کی وہ تمام رقم اہل شہر کو واپس لوٹادی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ رقم تم ہمیں کیوں واپس لوٹا رہے ہو تو انہوں نے کہا کہ جزیہ کی یہ رقم تمہاری حفاظت کے لئے ہم نے تم سے لی تھی اب جب کہ ہم اس شہر کو خالی کر رہے ہیں ہم تمہاری حفاظت سے معذور ہیں' لہٰذا یہ رقم ہم تمہیں واپس کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے منہ سے یہ جواب سن کر اہل شہر کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں اور ان کے دلوں سے ان کے لئے دعا کی سوغاتیں نکلنے لگیں۔

اس واقعہ کو ایک عیسائی مستشرق پروفیسر آرنلڈ نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ حمص کی فتح کے سلسلہ میں لکھتا ہے :

> "رومیوں کی ان تیاریوں کی خبر جب سیدنا ابو عبیدہؓ کو پہنچی تو انہوں نے اپنے جرنیلوں سے مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ منتشر فوج کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ سب افواج کا اجتماع دمشق میں ہوا۔ دمشق میں اکٹھا ہونے کے لئے انہیں کئی مفتوحہ علاقوں کو خالی کرنا پڑا' لہٰذا انہوں نے جزیہ کی وہ تمام رقم جو اپنی عیسائی رعایا کی حفاظت کے لئے ان سے لی تھی' واپس کردی۔ اس بات کا عیسائی رعایا پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے رو رو کر ان فاتحین کو رخصت کیا اور ان کی واپسی کی دعائیں مانگیں۔"

جنگ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۲۵ ہزار تھی اور دشمن کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ چنانچہ جب امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو دشمن کی کثرت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے جواب جو دیا وہ یہ تھا :

"تم ایک جگہ ہو کر ایک لشکر بنالو اور اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین

کے مددگار ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور تم سب یرموک میں جمع ہو جاؤ"۔

پھر جب اسی جنگ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ اپنے لشکر کی صف آرائی فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: "بازنطینی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں"۔ سیدنا خالدؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

"مسلمان کتنے زیادہ اور بازنطینی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت اور جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا کی مدد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتا ہے۔ الحمد للہ! ہم بہادر بھی ہیں جرأت مند بھی ہیں اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے کون مقابلہ کرے گا"۔

یہ ہمت اور جرأت کن لوگوں میں ہوتی ہے؟ یہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو صاحب ایمان ہوں اور جن کے کیریکٹر کا دامن بددیانتی اور خیانت سے داغدار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان جہاں بھی گئے، لوگوں نے نہ صرف ان کی حکومت کو قبول کیا بلکہ ان کے اس دین کو بھی لبیک کہا جس نے ان میں یہ خوبیاں رکھی تھیں۔

گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا کہ رستم اپنی بے پناہ فوج اور بہترین اسلحہ کے باوجود لڑنے سے جی چراتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر مسلمانوں سے جنگ ہوئی تو غالب مسلمان ہی ہوں گے۔ قادسیہ کے میدان میں بھی جب کہ دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں اس نے پوری پوری کوشش کی کہ مسلمانوں سے ہمارا معاملہ بات چیت کے ذریعہ ہی طے پا جائے اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے سپہ سالار سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو پیغام بھیجا کہ اپنا کوئی معتمد آدمی ہمارے پاس بھیجیں تاکہ اس سے صلح کی بات چیت کی جائے۔ انہوں نے سیدنا ربعی بن عامرؓ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ نہایت خستہ حالت میں رستم کے دربار میں گئے۔ کمر میں رسی کا پٹکا بندھا ہوا تھا اور تلوار کے نیام پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ عرق گیر کی زرہ تھی۔ وہ جب اس ہیئت کذائی کے ساتھ رستم کے سازوسامان سے سجے ہوئے دربار میں گئے تو ایرانیوں کو ان کی اس ہیئت کذائی پر ہنسی آتی تھی۔ لیکن ربعی بن عامرؓ کی حالت یہ تھی کہ وہ فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے اور گھوڑے کی باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔ اور نہایت بیباکی کے ساتھ جسم پر ہتھیار سجائے رستم کے دربار میں بڑھتے چلے گئے۔ اگرچہ رستم کے درباریوں نے آپ کو اس طرح جانے

Marfat.com

سے روکا لیکن انہوں نے ان کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور اپنی برچھی جس سے انہوں نے عصا کا کام لیا تھا' اس کی انی کو اس طرح فرش پر چبھوتے جاتے تھے کہ دیبا کاوہ پر تکلف فرش اور قیمتی قالین جا بجا سے کٹ پھٹ کر بے کار ہو گئے۔ اور رستم کے تخت کے قریب جا کر زمین پر زور سے نیزہ مارا جو فرش کے آر پار ہو کر زمین میں گڑ گیا۔ درباری بار بار سیدنا ربعی بن عامرؓ کے ہتھیار دیکھتے تھے اور پھر پوچھتے: "اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟" لیکن جب ربعیؓ نے تلوار نیام سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ اور جب اس کی کاٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعیؓ نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔

جب مستشرقین سے اس قلیل عرصہ میں اس قدر زیادہ فتوحات کا کوئی جواب نہ بن سکا تو انہوں نے قرن اول کے ان مسلمانوں کی فتوحات کا اسکندر اور چنگیز خان کی فتوحات سے موازنہ کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ ان دونوں کی فتوحات سے مسلمانوں کی فتوحات کا کوئی مقابلہ اور جوازنہ ہی نہیں کیونکہ ان دونوں نے اپنی فتوحات میں مفتوح ممالک کے باشندوں پر جو جو ظلم و ستم کیے وہ سفاکیت آپ کو سیدنا عمرؓ کے زمانہ کی فتوحات میں بالکل نظر نہ آئے گی۔ سیدنا عمرؓ کی حکومت میں قانون کی حکمرانی تھی۔ یہاں چنگیز خان' بخت نصر' اسکندر مقدونی اور تیمور لنگ کی سفاکیت نہ تھی۔ آدمیوں کا قتل عام تو بہت بڑی شئے ہے وہاں تو فوج کو درختوں تک کے کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں تو یہ حکم تھا کہ صرف میدان کارزار میں مقابل کو قتل کرنے کی اجازت ہے اور جو لوگ لڑائی میں تمہارے مد مقابل ہیں ان سے فریب نہیں کرنا' کسی کی ناک اور کان کو نہیں کاٹنا اور نہ ہی کسی بچے کو قتل کرنا ہے (کتاب الخراج ص ۱۴۰)۔ جو لوگ مطیع ہو کر پھر باغی ہو جاتے تھے' ان کے دوبارہ اقرار پر ان سے درگذر کی جاتی تھی۔ ان چیزوں کے علاوہ اپنے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو جو رعایتیں سیدنا عمرؓ نے دی تھیں وہ دوسرے فاتحین نے کبھی بھی نہیں دیں۔

سیدنا عمرؓ کی سب سے بڑی خوبی جو ان فاتحین میں آپ کو ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی' وہ یہ تھی کہ اتنے وسیع علاقے کی فتح کے دوران وہ ایک دن بھی خود محاذ جنگ پر نہیں رہے' لیکن اتنے وسیع محاذ پر آپ کی جتنی افواج بھی لڑ رہی تھیں، مدینہ میں بیٹھ کر اس کی کمان اور باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جنگ کے نقشے مدینے سے محاذ جنگ پر بھیجے جاتے اور جنگ جیتنے سے پہلے اور جنگ جیتنے کے بعد ساری ہدایات ان کو آپ کی طرف سے بھجوائی جاتی تھیں' لیکن اس کے برعکس دوسرے فاتحین خواہ وہ تاتاری چنگیز ہو یا مقدونی

اسکندر وہ ہر موقع اور ہر جنگ میں خود شریک رہتے تھے اور خود فوج کا سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ سپہ سالار کی فوج میں موجود گی فوج کے دلوں کو قوی اور ہمت کو بلند اور حوصلے کو پختہ کر دیتی ہے۔ اور نفسیاتی اور طبعی طور پر ان میں اپنے بادشاہ اور سپہ سالار پر قربان ہونے کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ اور ان لوگوں کی فتوحات میں مقابلہ اور موازنہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

پھر سکندر اور چنگیز خان نے صرف فتوحات کیں۔ وہ آندھی کی طرح آئے اور بگولے کی طرح چلے گئے۔ انہوں نے اپنے مفتوحہ ملکوں کو کوئی نظام حکومت نہیں دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان فاتحین کے چلے جانے کے بعد ان کی وہ حکومتیں ختم ہو گئیں۔ لیکن سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جو ممالک فتح ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر چودہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ اور کئی سو سال تک ان میں وہی نظام حکومت جاری و ساری رہا جو سیدنا عمرؓ نے وہاں جاری کیا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ کی فتوحات پوری دنیا میں انوکھی ہیں۔ اور تاریخ کے اوراق میں کسی ایسے فاتح کا نام نہیں بتایا جا سکتا جس نے اس طریقہ سے اتنے ممالک ساڑھے دس سال کے قلیل عرصہ میں فتح کیے ہوں اور جن حکومتوں کو انہوں نے فتح کیا وہ اپنے زمانہ کی سپر پاورز تھیں۔ اس وجہ سے ہر شخص کو اس بات کا اقرار کیے بغیر چارہ کار نہیں کہ دنیا میں سیدنا عمرؓ جیسا فاتح آج تک اور کوئی نہیں گذرا۔

بعض حضرات جن میں کچھ اپنے بھی ہیں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ان فتوحات میں سیدنا عمرؓ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اس وقت کے جوش، عزم اور قوت ایمان، صبر و ثبات کی جو حالت تھی، یہ فتوحات اس کا ایک منطقی نتیجہ تھیں۔ لیکن ہمیں اس بات سے اتفاق نہیں کیونکہ سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے، لیکن وہ نتیجہ بر آمد نہ ہو سکا جو سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ یہ درست ہے کہ جوش و عزم، صبر و ثبات، دیانت و امانت برقی قوتیں ہیں اور یہ انسان میں ایک ولولہ تازہ پیدا کر دیتی ہیں، لیکن یہ قوتیں صحیح معنوں میں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب ان سے کام لینے والا بھی اسی زور و قوت کا ہو۔ یہ درست ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت مسلمانوں میں جوش و عزم، استقلال و بلند حوصلگی اور عزم و یقین کی قوتیں پیدا ہو گئی تھیں، لیکن سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان قوتوں کو اور زیادہ تیز اور قوی کر دیا۔ جنہوں نے نہ صرف فتوحات میں مدد کی بلکہ قیام حکومت اور نظام حکومت کے قیام میں بھی پوری مدد

Marfat.com

کی۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں چھوٹے بڑے کئی ہزار شہر فتح کر کے ان کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ ملک میں امن وامان کو قائم کیا رعایا کی خوشحالی کے انتظامات کیے۔ تمام ملک میں عدل وانصاف کو قائم کیا۔ مفتوحہ علاقوں سے ظلم وجور کی بیخ کنی کی۔ غرض کہ ہر وہ کام کیا جو ایک نیک دل اور خدا ترس فرمان روا کو کرنا چاہیے۔

نظامِ حکومت

اسلام میں اگرچہ سب سے پہلے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے اور انہوں نے ہی اسلام میں خلافتی حکومت کی بنیاد رکھی، لیکن اسلامی نظام حکومت کا دور سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں شروع ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا اور اندرونی فتنوں کی سرکوبی کے ساتھ ساتھ بیرونی فتوحات بھی شروع ہوئیں، تاہم اسلامی نظام حکومت کے ساتھ ملک کا اس طرح کا مربوط نظم و نسق سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں قائم ہوا اور آپ کی وفات تک نظام حکومت کے مختلف شعبے وجود میں آگئے۔ بلکہ بقول ایک انگریز دانشور کارلائل کے "دنیا اتنی ترقی کی منزلیں طے کرنے کے بعد بھی ابھی ان اصلاحات میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکی، جو اصلاحات سیدنا عمرؓ نے قائم کی تھیں"۔ (ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "ابوبکر الصدیقؓ")

بعض حضرات نے لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بالکل درست اور صحیح لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دینی بنیادوں پر ایک ایسی فلاحی مملکت قائم کی جس میں اسلامی حکومت کا آئین رائج تھا اور شورائی بنیادوں پر ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جو مسلمانوں کی ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا ضامن تھا۔ اگرچہ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی اسلامی نظام حکومت قائم تھا، لیکن ان کے قلیل عرصہ حکومت میں ایک منظم اسلامی نظام حکومت کا قیام نہ ہو سکا، کیونکہ یہ ایسا ہی تھا جیسا انسانی تمدن کے ابتدائی مدارج میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، کھانے، سونے، ملاقات کرنے،

Marfat.com

آرام کرنے' مطالعہ کرنے اور دیگر ضروریات کے لئے الگ الگ کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت سلطنت کی ہوتی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے باہم ملے جلے ہوتے ہیں۔ صوبے کا گورنر ہی' پولیس کا سربراہ' فوج کا سپہ سالار اور عدالت کا منصف ہوتا ہے لیکن تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ پھر اس کے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور پھر ہر شعبہ کا الگ الگ افسر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ سیدنا ابو بکرؓ کے زمانہ میں حکومت بلکہ عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا کیونکہ حکومت اسلامی نہایت چھوٹی سی تھی' اس لئے بہت سے حکومتی شعبے آپس میں مخلوط تھے۔ لیکن سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی حکومت ۳۱ لاکھ مربع میل میں پھیل گئی تو آپ انہوں نے مخلوط شعبوں کو الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کئے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ سب سے پہلے اسلامی خلیفہ ہیں جنہوں نے اسلامی اصولوں کی روشنی میں حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور پھر اس کو اس قدر وسعت دی کہ قریباً ہر شعبہ زندگی کے بارہ میں اسلامی اصول مرتب فرمائے کہ آج تک کوئی حکمران ایسے اصول مرتب نہیں کر سکا۔

سیدنا عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری؟

سیدنا عمرؓ کی حکومت کیسی تھی؟ شخصی یا جمہوری؟ اسلام کا نظام حکومت نہ تو آمرانہ ہے اور نہ ہی جمہوری بلکہ شورائی ہے۔ لہٰذا سیدنا عمرؓ نے بھی شورائی حکومت قائم کی اور ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس میں مہاجرین اور انصار میں سے اہل الرائے حضرات شریک ہوتے تھے۔ جو نظام حکومت کے نشیب و فراز کو بخوبی سمجھتے تھے۔ جمہوری ریاستوں کی طرح ان میں وہ لوگ نہیں ہوتے تھے جو جاہل اور بے شعور ووٹوں سے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں جاتے ہیں اور ان میں اکثر خود بھی جاہل اور بے شعور ہوتے ہیں' اور انہیں نظام حکومت کے بارہ میں کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس مجلس شوریٰ میں سیدنا عثمانؓ' سیدنا علیؓ' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ' سیدنا معاذ بن جبلؓ' سیدنا ابی بن کعبؓ' سیدنا زید بن ثابتؓ' سیدنا عبداللہ بن عباسؓ' اور سیدنا زبیرؓ جیسے لوگ شریک ہوتے تھے۔ امیر المؤمنینؓ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش کرتے تو ضروری بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق رائے اور کثرت رائے اور قوت رائے سے مسئلہ کا فیصلہ کیا جاتا۔ چنانچہ آپ کا اصول یہ تھا "لا خلافة الا عن مشورة" مشورہ کے بغیر کوئی خلافت نہیں۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۹)

Marfat.com

اصل بات یہ ہے کہ مغرب میں جب بھی کوئی نظریہ جنم لیتا ہے تو ہمارے ہاں اس نظریہ کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث سے دلائل فراہم کرنے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب اشتراکی نظریات کو بہت زیادہ فروغ ہوا تو کچھ لوگوں نے جن میں کئی علماء بھی شامل تھے' یہ سمجھا کہ اسلام کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کو اشتراکیت کے مطابق ثابت کیا جائے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں ''اسلامی سوشلزم'' کی اصطلاح وضع ہوئی۔ اور کہا گیا کہ تاریخ کے سب سے پہلے اشتراکی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسی طرح جب جمہوریت کا نظریہ وجود میں آیا تو اس کو اسلامی بنانے کے لئے ہمارے بعض علماء' صحافی اور سیاست دان حضرات نے قرآن و حدیث میں مشورہ کے بارہ میں جس قدر آیات اور احادیث تھیں ان کو مغربی جمہوریت پر چسپاں کرنا شروع کر دیا حالانکہ اسلامی مشورہ کو موجودہ جمہوریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وقت کے اسلوب میں دین کو بیان کرنا جتنا ضروری ہے وقت کی فکر میں اس دین کو ڈھالنا اتنا ہی غلط ہے۔ پہلی چیز تجدیدِ دین ہے اور دوسری تحریفِ دین۔ اسلامی جمہوریت ثانی الذکر شئے ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی ''اسلامی جمہوریت'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے وہ تحریفِ دین کا مرتکب ہو رہا ہے۔

اس سلسلہ میں جمہوریت پسند لوگ عوام الناس کو ایک مغالطہ دیتے ہیں کہ مطلق العنان شخصی حکومت جس کو آج کل کی اصطلاح میں ''ڈکٹیٹر شپ'' یا ''آمریت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' کے مقابلہ میں جمہوریت میں عوام کو آزادی رائے ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات بر ملا اور بر سر عام کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے یہ نظام سربراہ مملکت پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے کہ وہ آمر یا ڈکٹیٹر نہیں بن سکتا' لہٰذا یہ نظام بہت اچھا ہے۔ حالانکہ ان کی یہ بات صرف ایک مغالطہ ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ جمہوری نظام حکومت کے پیچھے سوشلزم کی طرح ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم نہیں چل سکتا کیونکہ جمہوریت کا رکن اعظم اور بنیادی ستون ''عوام کی حاکمیت'' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ عوام کا ہر فیصلہ جو کثرت رائے سے ہو ناقابل تنسیخ اور واجب العمل ہوتا ہے اور یہی شئے کفر ہے۔ حاکم اعلیٰ عوام نہیں بلکہ اللہ رب العزت ہے۔

جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جو خلافِ اسلام بھی ہے اور خلاف فطرت بھی۔ کیونکہ اس میں حمقاء اور جہلاء، عقلاء اور علماء پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ جاہل اور احمق ہوتی ہے۔ اس اصول کے تحت نتیجہ یہ

Marfat.com

نکلتا ہے کہ جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں جہلاء اور حمقاء کی اکثریت علماء اور عقلاء کی اقلیت پر حکمرانی کرتی ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ زمانہ میں ماہرین سیاست نے "جمہوریت" کو اس کے ان نقائص کی وجہ سے ناپسند کیا ہے۔ چنانچہ مشہور ماہر سیاسیات برکے (Burke) نے لکھا ہے :

"اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے۔ کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت بھی ہو سکتی ہے۔ اور اکثریت کی حرص و آز کے مقابلہ میں اس کے اندر زیادہ معقولیت بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ مقولہ کہ اکثریت کے فیصلے کو قانون بنا چاہئے' اس میں افادیت اور پالیسی کی اتنی ہی کمی ہے جتنی حقانیت کی"۔

The Substance of Politics , Oxford Universty Press)
1961, p 133)

جمہوریت کے تعارف اور اس کی کامیابی کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے ماہرین سیاسیات نے لکھا ہے :

"جمہوریتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ شرائط شاذونادر ہی پوری ہوئی ہیں۔ عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے۔ اس کی ساری توجہ کمیت اور تعداد پر رہتی ہے' کیفیت پر نہیں۔ اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں' انہیں تولا نہیں جاتا۔ شہریوں کی بہت بڑی تعداد اب بھی حکومت کو بنیادی وظائف زندگی میں سے نہیں سمجھتی۔ چنانچہ اس کو حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ کام کرتی اور کھیلتی رہتی ہے۔ اپنے پیشہ وارانہ اور فنی کاموں کو انجام دیتی رہتی ہے۔ ہل چلاتی' تخم ریزی کرتی' فصلیں کاٹتی اور انہیں بیچتی رہتی ہے۔ اور یہ بھول جاتی ہے کہ وہ دراصل ملک کی حاکم ہے۔ جمہوریت میں یہ حقیقی خطرہ موجود ہے کہ شہریوں کی ایسی ذہنی تربیت نہیں ہوپاتی جس کے ذریعہ وہ ان مسائل کے حقیقی مفہوم کا ادراک کر سکیں جو انتخابات کے موقع پر ان کے سامنے فیصلے کے لئے آتے ہیں' لہٰذا وہ طبقاتی جذبات اور نعروں سے گمراہ ہو سکتے ہیں۔ سرہنری مین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جمہوریت کبھی بھی اکثریت کی حکمرانی کی نمائندگی نہیں کر سکتی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عوام تو محض اپنے لیڈروں کی آراء کو

Marfat.com

تسلیم کرتے ہیں"۔ (Op. Cit, p.127)

اسی وجہ سے ماہرین سیاست نے جاہل اکثریت کی بجائے عاقل اقلیت کو حکومت کا مستحق قرار دیا ہے کیونکہ حکومت عقل سے ہوتی ہے جہالت سے نہیں۔ چنانچہ روسیو نے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے :

"حکومت کا بہترین اور سب سے فطری انتظام یہ ہے کہ عقل مند ترین انسان کو کثرت پر حکومت کرنی چاہئے بشرطیکہ اس بات کی ضمانت مل جائے کہ وہ اس کثرت کے مفاد کے لئے حکومت کرے گا نہ کہ اپنے مفاد کیلئے"۔

اور یورپ کے ایک اور مشہور دانشور کارلائل نے تو اور بھی واضح الفاظ میں اس بات کو یوں کہا ہے کہ :

"کسی بھی ملک میں وہاں کے قابل ترین آدمی کو دریافت کرلو۔ پھر اسے اٹھا کر اطاعت کے اعلیٰ ترین مقام پر رکھ دو اور اس کی عزت کرو۔ اس طرح تم اس ملک کے لئے ایک مکمل حکومت دریافت کرلو گے۔ پھر بیلٹ بکس یا پارلیمنٹ میں ہونے والی فصاحت وبلاغت یا رائے شماری یا دستور سازی یا کسی بھی قسم کی کوئی اور مشینری اس حکومت میں کوئی بہتر اضافہ نہیں کر سکے گی۔ یہ ایک مکمل ریاست ہو گی اور وہ ملک ایک مثالی ملک ہو گا"۔

(G.N.Slive; A History of Political Theory, P 764)

مشہور امریکی دانشور جوزف اے۔ شمپیٹر (۱۸۸۳۔ ۱۹۵۰) نے اپنی کتاب (Capitalism,Socialism & Democracy) مطبوعہ ان ون (Unwin) یونیورسٹی لندن ۱۹۶۶ء باب ۲۰ صفحہ ۲۴۰ تا ۳۸۳ پر دنیا کے موجودہ جمہوری نظام کی اچھے طریقے سے قلعی کھولی ہے۔ اور اس نے جمہوریت کے تاریخی پس منظر کا نہایت خوبی سے تجزیہ کیا ہے۔ اور جس شئے کو "عوام کی حکومت" کہتے ہیں اس کے بھی اصلی خدوخال نمایاں کیے ہیں۔ کتاب کے صفحہ ۲۴۶ پر اس نے ایک تجویز دی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر "عوام کی حکومت کے (Government by the people) نعرے کے بجائے" حکومت عوام کی منظوری سے" کے تصور کو اپنائیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اور صورت حال اس قدر پیچیدہ نہیں رہتی۔ اس نے عوام کی حکومت کے پرُ فریب نعرے کا ذِکر کرتے ہوئے ایک نہایت دلچسپ بات کہی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

"People never actually rule but they can always be made to do so by definition."

(Capitalism, Socialism and Democracy 1966. p247)

"عوام حقیقتاً کبھی بھی حاکم نہیں ہوتے' لیکن کم از کم جمہوریت کی تعریف کے ذریعہ تو انہیں حاکم قرار دیا جا سکتا ہے"

فرانس جسے جدید جمہوریت کا سرچشمہ کہا جاتا ہے' اس کے ایک فرزند رینے گینون (۱۸۸۶۔ ۱۹۵۱) جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس نے اپنا اسلامی نام عبدالواحد یحیٰ رکھا' نے اپنی کتاب مطبوعہ سہیل اکیڈمی' ۱۹۸۱ صفحہ ۶۹۔۷۸ میں جمہوریت کی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ اس نے جمہوریت کے خلاف سب سے زیادہ فیصلہ کن دلیل یہ دی ہے کہ گھٹیا سے بڑھیا کا صدور نہیں ہو سکتا اور اس کا سبب وہ سادہ سی وجہ ہے کہ کم سے زیادہ کا حصول نہیں ہو سکتا۔ یہ بیان اصل میں سیدھی اور صاف ریاضیاتی سچائی ہے جس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ یہ بات واضح ہے کہ عوام کسی کو اقتدار کیا دیں گے جب کہ وہ خود اس شئے سے محروم ہوتے ہیں۔ سچا اقتدار تو ہمیشہ اوپر سے آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے' خواہ یہ بات سرسری طور پر ہی کیوں نہ کہی جائے کہ اسے صرف اسی صورت میں قانونی شکل دی جا سکتی ہے جب یہ کسی سماجی نظام سے کوئی برتر شئے ہو۔ یعنی کسی روحانی اتھارٹی کے حوالے سے ہو۔ لیکن جہاں صورت حال اس کے برعکس ہو وہاں اقتدار نہیں ہو گا بلکہ اس کی صرف مصنوعی اور جعلی صورت ہو گی۔ یہ اقتدار ویسے تو موجود ہو گا لیکن کسی اصول کی عدم موجودگی سے ناقابل جواز ہو گا۔

اس دلیل کے بعد رینے گینوں جمہوریت کی معروف تعریف یعنی جمہوریت "حکومت عوام کی' عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے کا نام ہے" تجویز کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر جمہوریت کی یہ تعریف کی جائے کہ یہ عوام کی حکومت ہوتی ہے اور عوام ہی کے ذریعے ہوتی ہے' تو یہ سوائے ایک ناممکن بات کے اور کچھ نہیں۔ ہمیں الفاظ کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ لوگوں کو دھوکا دیں۔ اس سے زیادہ متضاد بات اور کیا ہو گی کہ عوام بیک وقت حاکم بھی ہوں اور محکوم بھی کیونکہ ارسطو کے الفاظ میں کوئی بھی شخص بیک وقت ایک ہی حوالے سے بالفعل اور بالقوۃ نہیں ہو سکتا۔ وہ قوتیں جو حاکم ہوتی ہیں وہ اپنی مخصوص مکاری کو کام میں لاتے ہوئے عوام کو اس بات کا یقین دلا دیتی ہیں کہ وہ خود ہی

(عوام) حکومت کرنے والے ہیں۔ اب جتنی آسانی سے حاکم قوتیں ان کو اس بات کا یقین دلاتی ہیں' عوام اس سے زیادہ آسانی سے اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں اور یوں خوشامد سے خوش ہو کر پوری طرح اس بات پر غور ہی نہیں کر پاتے کہ یہ بات ناممکنات میں سے ہے۔

اسی طرح مشہور زمانہ انگریز دانشور ہیرلڈ جے لاسکی نے اپنی کتاب "Demo-cracy in Crsis'1932. (لندن) کے مختلف صفحات میں جمہوریت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ یہ شخص یونیورسٹی آف لندن میں پولیٹیکل سائینس کا پروفیسر تھا۔ اور اس کی یہ کتاب اپریل ۱۹۲۱ء میں یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا' امریکہ میں دیئے گئے لیکچرز کا خلاصہ ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

پروفیسر لاسکی نے لکھا ہے کہ "ہر معاشی حکومت ایک ایسے سیاسی نظام کو جنم دیتی ہے جو حکومت کرنے والے افراد کے مفادات کی نگہداشت کرتا ہے۔ ایک فیوڈل معاشرہ میں اقتدار جاگیردار کے پاس تھا اور قانون اور کسٹم انہی کے مفادات کے تحفظ کے لئے بنائے جاتے تھے۔ ایک سرمایہ دار معاشرے میں اقتدار صاحبانِ سرمایہ کے پاس تھا اور قانون اور کسٹم ان کے مفادات کی نگہداشت کرتے تھے۔ صنعتی انقلاب کے آنے سے متوسط طبقے برسر اقتدار آئے اور انہوں نے ایک ایسے نظام حکومت کی تشکیل کی جس کو "سرمایہ دارانہ جمہوریت" کا نام دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہی نظام ان کے بہترین تحفظ کی ضمانت دے سکتا تھا۔ اب مغربی معاشرہ خصوصاً امریکہ کی صورت حال یہ ہے کہ یہاں صاحب اقتدار طبقہ بزنس مین ہے اور اس کا ایمان اور دیوتا صرف اور صرف دولت ہے۔ چنانچہ اگر برسر اقتدار حکومت کوئی ایسا قانون تشکیل دیتی ہے جس سے اس کے منافع پر زد پڑتی ہو تو وہ اسے منسوخ کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے یا پھر وہ اپنے مخالفین کو خریدنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً امریکہ میں اس طبقہ نے ججوں تک کو خریدا۔ ریاستی گورنروں بلکہ پریذیڈنسی تک کو خریدا۔ اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے یہ سب کچھ امریکی عوام کے بہترین مفاد میں کیا ہے"۔

یہ تو ہم نے چند مغربی دانشوروں کے نظریات جمہوریت کے بارہ میں مختصراً تحریر کیے ہیں۔ وگرنہ بلیک' اگنیشیئس (Ignatius) لیکی' لارنس' شپنگلر' گئے ایٹن' ریپرڈ' اور برٹرینڈرسل وغیرہ نے اس بارہ مین جو کچھ لکھا اور جس طرح اس نظام کو خلاف عقل اور خلاف فطرت قرار دیا ہے' اس کو طوالت کی وجہ سے درج نہیں کیا جارہا۔ اس مسئلہ سے مکمل

Marfat.com

آشنائی کے لئے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "فتنہ جمہوریت"۔

اسی جمہوریت کے بارہ میں ڈونلے اگنیشیئس نے مِنی سوٹا (Minnesota) میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جمہوری پارٹی ایک خچر ہے جسے نہ تو اپنے آباء واجداد پر فخر ہے اور نہ ہی اپنے اخلاف کے بارہ میں کسی بہتری کی امید ہے"۔

اور اس بارہ میں انگریز دانشور برنارڈ شا کا قول بھی نہائت اہم ہے :

Democracy substitutes election by the incompetent many for appointment by the corrupt few.

جمہوریت متعدد نااہل لوگوں کے ذریعہ منعقد ہونے والے الیکشن کے نتیجہ میں چند بد عنوان لوگوں کے ذریعہ تقرر کا دوسرا نام ہے۔

اس نظام کی ان خرابیوں کی وجہ سے جرمن مفکر نطشے نے اس طرزِ حکومت کو ناپسند کیا۔ بلکہ کارلائل جیسے بالغ نظر دانشور کو بھی یہ کہنا پڑا :

There are nine fools for every wise man. Democracy is the rule of fools.

ہر عقل مند آدمی کے مقابلہ میں نو بیوقوف ہوتے ہیں۔ جمہوریت احمقوں کی حکمرانی کا دوسرا نام ہے۔

اسی شئے کو مفکر مشرق علامہ اقبالؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے ۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید (پیام مشرق)

اپنی کتاب بانگ درا میں علامہ فرماتے ہیں

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہور قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

Marfat.com

ضرب کلیم میں حضرت علامہ نے جمہوریت کے بارہ میں یوں فرمایا ؂

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہ تو تھی مغرب و مشرق کے مفکرین' ماہرین سیاست اور دانشوروں کی جمہوریت کے بارہ میں رائے۔ لیکن جن لوگوں نے قرآن و حدیث کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ جمہوریت اپنی سرشت اور نہاد میں اسلامی نظام سے متصادم ہے بلکہ اسلام اور جمہوریت میں بنیادی اختلاف ہے۔

۱۔ اسلامی نظام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن مغربی جمہوریت میں حاکمیت عوام کی ہوتی ہے۔

۲۔ مغربی جمہوریت میں حاکمیت اکثریت کی ہوتی ہے جب کہ اسلام میں حق کی حاکمیت ہوتی ہے۔

۳۔ جمہوریت میں حکمران کو منتخب کرنے کا حق ہر بالغ کو حاصل ہے جبکہ اسلام میں جاہل و عالم اور فاسق و متقی' اہل الرائے اور غیر اہل الرائے کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۔ جمہوریت میں امیدوار امارت طلب کرتا ہے اور اسلام میں امارت طلب کرنے والے کو خائن قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ مغربی جمہوریت کی بنیاد تحزب اور پارٹی بازی پر ہے جب کہ قرآن حکیم پارٹی بازی کو شرک کے زُمرہ میں شمار کرتا ہے۔ (الروم : ۳۲)

مختصر یہ کہ جمہوریت اپنی نہاد میں اسلام کے عطا کردہ نظامِ ریاست سے متصادم ہے۔

ایک مغالطہ اور اُس کا جواب

بعض جمہوریت زدہ حضرات جمہوریت کے اسلامی ہونے کے بارہ میں عوام کو ایک مغالطہ دیتے ہیں' وہ یہ کہ جمہوریت عین اسلام ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں مشورہ کی تاکید آئی ہے' اور یہ اسمبلیاں بھی مجلس شوریٰ ہی کی دوسری شکل ہیں' لہٰذا جب اسلام میں

Marfat.com

مشورہ ہے تو گویا جمہوریت بھی ہے۔

یہ ایک سراسر مغالطہ ہے جو سادہ لوح لوگوں کو جمہوریت زدہ لوگوں کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام میں مشورہ کی بہت تاکید ہے یہاں تک کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کریں۔ اور ہر خلیفہ راشد کی مجلس شوریٰ ہوتی تھی‘ لیکن اسلام میں مشورہ کے بارہ میں خلیفہ وقت کو پابند نہیں کیا گیا کہ وہ مجلس شوریٰ کے مشورہ پر ضرور عمل کرے‘ یہاں تک کہ خود نبوت کے مشورہ پر بھی عمل کرنے کا امت کو پابند نہیں کیا گیا‘ جیسا کہ حدیث میں سیدنا مغیثؓ اور سیدہ بریرہؓ کا واقعہ مذکور ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :

> ”اس سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ جب امت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہو جائے گا کہ رعایا جو مشورہ دے اسی کے موافق عمل کرے‘ اس کے خلاف کبھی نہ کرے پس ”شاورھم فی الامر “ سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں۔ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کر لیا کریں“۔

چنانچہ احادیث نبویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے کئی امور میں اصحاب شوریٰ کے مشورہ کے خلاف کیا اور اکثریت کی کوئی پروا نہیں کی۔ خود سیدنا عمرؓ نے کئی امور کے بارہ میں مجلس شوریٰ کے مشورہ کے خلاف عمل کیا۔ انہوں نے کثرت آراء کی پروا نہیں کی بلکہ قوت دلیل کے مطابق عمل کیا۔ خود مشورہ کا مطلب بھی یہ نہیں کہ دوسروں پر اپنی رائے ٹھونسی جائے بلکہ مشورہ کا مادہ شور ہے جس کے معنی چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے مشورہ کے معنی ہیں دوسرے کے خیالات کا نچوڑ حاصل کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا۔ اور اگر خود شہد سے مفہوم لیا جائے تو جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی اپنی محنت کا ماحصل ایک جگہ جمع کر دیتی ہیں اسی طرح مشاورت میں مختلف افراد معاشرہ کی اپنی اپنی رائے‘ فکر و خیالات اور غور و خوض کے نتائج کو ایک جگہ جمع کر دینا تاکہ اس سے کسی فیصلہ تک پہنچا جائے۔

روئی دُھنئے والے کی کمان کی تانت کو بھی ”الشوار“ کہتے ہیں‘ لہٰذا مشورہ کا مفہوم یہ

Marfat.com

بھی ہو سکتا ہے' آراء کو ڈھنا اور انہیں کھول کر کوئی نتیجہ نکالنا۔ لغت کی کسی کتاب میں مشورہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنی رائے کسی پر ٹھونسنا۔ پھر معلوم نہیں کہ جمہوریت زدہ لوگوں نے یہ کہاں سے سمجھ لیا کہ مشورہ کے معنی کثرت رائے کو قبول کرنا ہے۔ دراصل مشورہ کی حقیقت یہ ہے کہ زیر غور معاملہ کی تمام اطراف منافع اور مضار روشنی میں آجائیں اور پھر مشورہ لینے والا جس جانب کو اختیار کرے' علیٰ وجہ البصیرت اختیار کرے' کیونکہ کئی دفعہ کسی معاملہ کے فوائد اور منافع ایک شخص کے ذہن میں ہوتے ہیں' مگر اس کے نقصانات اور مضرتوں کی طرف اس کا ذہن نہیں جاتا' اسی طرح بعض امور کے نقصانات انسان کے ذہن میں ہوتے ہیں' لیکن ان کے فوائد اس کے علم میں نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے ذہول ہوتا ہے۔ جب مختلف حضرات ان امور کے بارہ میں مختلف قسم کی آراء پیش کرتے ہیں جن میں امور کے فوائد و نقصانات' منافع اور مضار بیان کیے جاتے ہیں اور ان کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے تو اس سے مشورہ لینے والے کو ان امور کی ایک جانب کو ترجیح کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ ہے مشورہ کی اصل غرض و غایت جس کو جمہوری ذہنوں نے اسلام میں جمہوریت کے جواز کی دلیل بنالیا۔ حالانکہ جمہوری حکومت کی اسمبلیوں میں ممبران اسمبلی صرف مشورہ نہیں دیتے بلکہ کثرت رائے سے جو فیصلہ کرتے ہیں' سربراہ مملکت یا وزیراعظم ان فیصلوں کو ماننے پر مجبور ہیں۔ اگر وہ ان فیصلوں کو نہ مانیں تو وہ ایک دن بھی حکومت نہیں کر سکتے۔ ان اسمبلیوں کے مقابلہ میں ایک اسلامی حکومت میں سربراہ مملکت مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے کا تو پابند ہے لیکن ان کی اکثریت کی رائے کو ماننے یا نافذ کرنے کا پابند نہیں۔ اس لحاظ سے جمہوری حکومت کی پارلیمنٹ اور اسمبلی اور اسلامی حکومت کی مجلس شوریٰ میں بعد المشرقین ہے' لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام میں جمہوریت ہے نرا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

جمہوریت کے بارہ میں یہ طویل بحث ہم نے اس لیے کی تاکہ وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے ملک میں جمہوری نظام قائم کیا' ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ عہد فاروقی میں مدینہ کا نظام حکومت اسی بنیاد پر قائم تھا جو عہد رسالت اور اس کے بعد عہد صدیقی میں اس کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ یہ بنیاد ''شوریٰ'' تھی جس میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے استنباط کیا گیا تھا کہ:

''وَامرهم شوریٰ بینهم'' اور وہ آپس کے مشورہ سے کام کرتے ہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے جن میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ سب سے مقدم تھے۔ آپ ان دونوں سے فرمایا کرتے تھے: "بخدا! اگر تم دونوں کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے ہو تو میں تمہارے مشورہ سے کبھی نہیں ہٹتا۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا"۔ اس کے بعد جب سیدنا ابو بکرؓ نے عنانِ خلافت سنبھالتے ہی سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو روم کی جنگ کے لئے بھیجا تو ان سے اجازت چاہی کہ عمرؓ کو وہ مدینہ ہی میں رہنے دیں تاکہ سیدنا ابو بکرؓ دوسرے رفقاء کے ساتھ سیدنا عمرؓ کے مشوروں سے بھی مستفید ہو سکیں۔ یہی طریقِ کار سیدنا عمرؓ نے بھی اختیار کیا اور "شوریٰ" کو اپنی حکومت کی بنیاد قرار دیا۔

جیسا کہ موجودہ دور میں پارلیمانی نظام میں ہوتا ہے' اس زمانے میں "شوریٰ" کا کوئی ایسا نظام نہ تھا جو خلیفہ کے اختیارات کو محدود کر دے۔ اور نہ ہی مجلس شوریٰ کے ارکان کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ خلیفہ کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکیں۔ بلکہ شوریٰ کے باوجود خلیفہ اپنے اختیارات میں آزاد ہوتا تھا (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے) اور اس کی بازپرس خدا' خلیفہ کے ضمیر اور ان عوام کے ذمہ تھی' جنہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جب وہ حق سے تجاوز اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا' اپنے رب اور اپنے ضمیر کے مواخذے کا اسے کوئی خوف نہ رہتا تو پھر عوام پر فرض ہو جاتا کہ اس کی ٹیڑھ کو تلوار کی دھار سے سیدھا کر دیں۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سریر آرائے خلافت ہو کر مسجد نبوی میں اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا تھا:

فان احسنت فاعینونی و ان زغت فقو مونی

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۸۳' کتاب الاموال ص ۵)

اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام میں حکمران کی اطاعت انہی حدود میں ہے کہ وہ حکم میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ماتحت رہے تو ان کی اطاعت کی جائے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام میں سربراہ مملکت معصوم نہیں' معصوم ہونا صرف اور صرف نبیوں کی شان ہے۔ ایک سربراہ مملکت کے بارہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کہاں تک اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسولؐ کے فرامین کو بجا لا رہا ہے۔

چنانچہ صدر مملکت یعنی سیدنا عمرؓ کی حیثیت نہ تو کسی ڈکٹیٹر کی طرح مختار کل کی تھی اور نہ ہی آپ ایک جمہوری وزیر اعظم کی طرح بے دست وپا تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر اپنے ایک خطبہ میں آپ نے اپنی حیثیت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا:

"تمہارے مال میں سے مجھے اسی طرح کا حق ہے جس طرح ایک یتیم بچے کے ولی اور مربی کا اس کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو تمہارے اموال میں سے کچھ نہ لوں گا۔ اور اگر میں فقیر اور قلاش ہوں گا تو بقدر حاجت کھانے کے لئے تمہارے مالوں میں سے لینا حق ہے۔ لوگو! میرے ذمہ تمہارے کئی حقوق ہیں جن کا تمہیں مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خرچ' مال غنیمت اور ٹیکس بے جا طور پر جمع نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں' تیسرے یہ کہ وہ خراج اور ٹیکس بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے' چوتھے یہ کہ تمہاری سرحدوں کی حفاظت کروں۔ اور پانچویں یہ کہ تمہیں خطرات میں نہ ڈالوں"۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۷)

ان اصولوں پر آپ نے نہایت سختی سے عمل فرمایا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ بیمار پڑے۔ معالجین نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ شہد بیت المال میں موجود تھا۔ آپ نے مسجد نبوی میں جاکر لوگوں سے پہلے اجازت لی' پھر وہ شہد استعمال کیا۔

(کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۴)

اس بارہ میں ایک اور واقعہ بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔ سیدنا عمرؓ ایک مرتبہ روم کے بادشاہ کی طرف ایلچی بھیجنے لگے تو آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ نے جو سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے تھیں' خوشبو خرید کر دو شیشیوں میں ڈال دی اور بادشاہ روم کی بیوی کے لئے اس ایلچی کے ہاتھ تحفہ کے طور پر بھیجی۔ جب ایلچی واپس آیا تو اس خوشبو کے بدلہ میں وہ دونوں شیشیاں موتیوں سے بھری ہوئی سیدنا عمرؓ کے گھر پہنچادیں۔ سیدنا عمرؓ جب گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ ام کلثومؓ ان جواہرات کو جھولی میں ڈال کر بیٹھی ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "یہ کہاں سے آئے؟" سیدہ ام کلثومؓ نے سارا قصہ بیان کیا۔ سیدنا عمرؓ نے وہ سارے جواہرات اپنے قبضہ میں لے لیے اور فرمایا: "یہ تمہارے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے ہیں"۔ سیدہ ام کلثومؓ نے کہا کہ یہ میرے تحفہ کے بدلہ میں آئے ہیں۔

Marfat.com

امیر المومنین نے فرمایا کہ اس بارہ میں تیرے والد سیدنا علی بن ابی طالبؓ جو فیصلہ کریں وہ معتبر ہو گا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کے پاس یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا: "ام کلثوم! جس قدر تیرے دینار خرچ ہوئے' جواہرات میں سے تو اتنی مقدار لے سکتی ہے' باقی جواہرات تمام مسلمانوں کے لئے ہیں کیونکہ ان کو مسلمانوں کا قاصد اٹھا کر لایا تھا۔
(شرح السیر الکبیر جلد ۳ ص ۴۷' کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۶' ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۵۵۶)

جب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا انہوں نے خیال رکھا تو بڑی بڑی باتوں میں ان کی احتیاط کا کیا عالم ہو گا۔

آج کے جمہوری دور میں ایک چیز کو بڑا سراہا جاتا ہے' وہ ہے تنقید (Criticism)۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ تنقید کی جس قدر تحسین اور حوصلہ افزائی سیدنا عمرؓ نے فرمائی اتنی آج تک کسی فرمان روائے حکومت نے نہیں کی۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ حق مہر کم مقرر کرنے کے بارہ میں تقریر فرما رہے تھے کہ ایک عورت نے دورانِ تقریر ٹوک دیا: "اے عمر! اللہ سے ڈر" سیدنا عمرؓ نے اس عورت کی بات کو غور سے سنا اور فرمایا: "اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ قرآن جانتی ہے"۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے کئی بار سیدنا عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا: "اے عمر! اللہ سے ڈر" حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے منع کرنا چاہا تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "نہیں' اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم نہ سنیں گے تو ہم بے مصرف ہیں" (کتاب الخراج ص ۷)۔ اس قسم کے بے شمار واقعات سیدنا عمرؓ کی کتاب زندگی میں موجود ہیں' جن سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے تنقید کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی۔

مجلس شوریٰ اور اس کے اراکین کا انتخاب

سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی طرح ایک مجلسِ شوریٰ بنائی ہوئی تھی اور ان سے ہر معاملہ میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ شوریٰ سربراہ مملکت کو جمہوریت کی طرح بے دست وپا نہیں بنا دیتی اور نہ ہی اسلام سربراہ مملکت کو پارلیمنٹ اور مجلس شوریٰ کے رحم وکرم پر چھوڑتا ہے بلکہ اس کو نظام حکومت چلانے کے

لئے پورے اختیارات دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام رئیس مملکت کو ڈکٹیٹر اور آمر کے روپ میں بھی نہیں دیکھنا چاہتا' اسی وجہ سے اسلام میں مجلسِ شوریٰ کا قیام بھی ضروری قرار دیا گیا بلکہ حکومت کا قیام و دوام شوریٰ پر موقوف رکھا گیا۔

موجودہ زمانہ میں جس کو تعمیر و ترقی کا دور کہا جاتا ہے' ملک کی پارلیمنٹ اور اسمبلی اسلامی حکومت کی مجلس شوریٰ کا ایک چربہ ہے' لیکن ان اسمبلیوں کو اتنا بااختیار بنا دیا گیا کہ ملک کا وزیر اعظم یا رئیسِ مملکت اس پارلیمنٹ کے سامنے بے دست و پا اور بے اختیار ہو کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ آمریت کا دیوِ استبداد جمہوریت کی اس پارلیمنٹ میں "پائے کوبی" کرنے لگا اور "سربراہ مملکت" اس دیوِ استبداد کے سامنے مٹی کا بے جان بت بن کر رہ گیا۔

شوریٰ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو امام راغب اصفہانی اور ابو البقاء حنفی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"شوریٰ کی حقیقت آراء کا حاصل کرنا ہے۔ اس کے لئے پہلے دو سمتیں متعین ہوتی ہیں ایک طرف رائے لینے والے ہوتے ہیں اور دوسری طرف رائے دینے والے۔ ایک طرف اپنی ذمہ داریوں کے دائرہ میں اہم معاملات سے دوچار ہیں۔ ایسی حالت میں ایک طرف کے حضرات دوسری طرف کے لوگوں سے رائے طلب کرتے ہیں اور سلامتی اور کامیابی کے لئے ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ بس اسی کا نام "شوریٰ" ہے۔

(مفردات القرآن، الذریعہ الیٰ مکارم الشریعہ' کلیات ابی البقاء)

شوریٰ کو اسلام نے کیوں ضروری قرار دیا' اس بارہ میں مفسر القرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ' فرماتے ہیں:

"شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم' قابلیت اور اہلیت کے مطابق اپنی آراء پیش کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آجاتا ہے"۔

(تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۱۶۲)

شوریٰ کی ضرورت کے بارہ میں قاضی شوکانیؒ نے لکھا ہے:

"سربراہ مملکت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ قانون شوریٰ سے قوت حاصل کرے۔ یہ ممکن ہے کہ رئیس مملکت کسی معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہ

Marfat.com

رکھتا ہو جس قدر معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی قوم پر صورت حال مشکلات سے پر ہو جائے۔ دونوں صورتوں میں شوریٰ کا انعقاد اور ماہرین علم و فن کی رائے لینا اشد ضروری ہے۔ جنگی معاملات میں فوج کے کمانڈروں سے' مصالح عامہ کے سلسلہ میں عوام کے نمائندوں سے' مملکت کے نظم و نسق اور تعمیر و ترقی کے معاملہ میں اول درجہ کے مدبروں' دفتری حکام' انتظامی افسروں اور وزیروں سے مشورہ میں رائے لینی چاہیے"۔

(فتح القدیر جلد ا ص ۳۶۰)

چھٹی صدی ہجری کے نامور قانون دان عالم ابنِ عطیہ فرماتے ہیں کہ:

ان الشوریٰ ھی من قواعد الشریعة و عزائم الاحکام

شوریٰ شریعت کے قوانین میں سے ایک بنیادی قانون اور حکومت کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔ (البحر المحیط جلد ۳ ص ۱۹)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شوریٰ اسلام میں ضروری ہے اور سیدنا عمرؓ نے بھی اپنی ایک شوریٰ قائم کی ہوئی تھی۔ لیکن مجلس شوریٰ کے اراکین کے انتخاب کا طریقہ وہ نہ تھا جو آج کل ممبران پارلیمنٹ کے انتخاب کا طریقہ ہے' بلکہ خلیفہ خود اپنے مشیروں کا انتخاب کرتا تھا۔ پھر یہ مشیر جو رائیں دیتے' ان کا باہم موازنہ کر کے جس رائے کو چاہتا قبول کر لیتا اور جس رائے کو چاہتا رد کر دیتا تھا۔ عہدِ رسالت میں اربابِ شوریٰ مدینہ کے مہاجرین و انصار تھے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپ کے ارشادات سنتے۔ آپ کو مشورہ دیتے اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد میں ان میں سے اکثر عراق و شام کے میدانوں میں چلے گئے اور قریش کے کبار صحابہ کرامؓ ان کے پاس رہ گئے۔ آپ اب ان سے مشورہ لیتے تھے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

"ابوبکر صدیقؓ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا جس میں اہل رائے و فقہ کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی اور اس مقصد کے لئے وہ مہاجرین اور انصار میں سے کچھ لوگوں کو بلاتے تھے تو سیدنا عمرؓ' سیدنا عثمانؓ' سیدنا علیؓ' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ سیدنا معاذ بن جبلؓ' سیدنا ابی بن کعبؓ' اور سیدنا زید بن ثابتؓ کو بلاتے تھے۔

(طبقات ابن سعد قسم ثانی جزء ثانی ص ۱۰۹)

سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی یہی صورتِ حال تھی۔ مہاجرینؓ و انصارؓ صحابہ

میں سے ممتاز شخصیتیں ان کے پاس تھیں۔ کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس شوریٰ کے اراکین کے انتخاب کے لئے سیدنا عمرؓ کا اصول ایک تو یہ تھا کہ جن حضرات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکرؓ مشورہ کرتے تھے وہ حضرات آپ کی شوریٰ کے رکن تھے۔ اور دوسرا اصول یہ تھا شوریٰ کے لئے اس شخص کا انتخاب فرماتے تھے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضانِ تربیت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کا موقع ملا ہو۔ چنانچہ جو لوگ فتح مکہ سے قبل دائرہ اسلام میں داخل ہوئے آپ انہیں ترجیح دیتے تھے۔ مہاجرین و انصار میں سے کئی ممتاز شخصیتیں ان کے پاس تھیں۔ جس مسئلہ کے بارہ میں وہ کتاب و سنت میں کوئی حکم نہ پاتے' ان حضرات کی رائے کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرتے۔ یہ حضرات شوریٰ کے خصوصی ارکان تھے جن میں سیدنا عباسؓ' سیدنا عبداللہ بن عباسؓ' سیدنا علی بن ابی طالبؓ' سیدنا عثمان بن عفانؓ اور اسی مرتبے کے دوسرے صحابہ کرامؓ نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ انصار میں سے سیدنا معاذ بن جبلؓ' سیدنا ابی بن کعبؓ' سیدنا زید بن ثابتؓ وغیرہ کا نام بھی کتابوں میں ملتا ہے' لیکن سیدنا عمرؓ اکثر و بیشتر عام مجلس شوریٰ منعقد کرتے تھے۔ چنانچہ ایک منادی اعلان کرتا "الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو سیدنا عمرؓ مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز پڑھ کر منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے اور پھر جس مسئلہ پر بحث مقصود ہوتی اس کو صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔

پھر اس مجلس میں ہر شخص کو اپنی اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہوتا تھا۔ اس کے بعد بھی اگر مسئلہ حل نہ ہوتا تو نوجوانوں کو بلا کر ان کی رائے دریافت فرماتے کیونکہ آپ سمجھتے کہ نوجوان کی عقل تیز ہوتی ہے۔ جب عام مجلس شوریٰ میں اس کا کوئی حل نکل آتا تو اسے نافذ فرما دیتے' ورنہ وہ مسئلہ خاص مجلس شوریٰ میں پیش کرتے یہاں تک کہ بحث و تمحیص کے بعد اس کا کوئی بہتر حل نکل آتا۔ آپ اس حل پر مطمئن ہو جاتے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے مختلف مقامات پر سیدنا عمرؓ کی بہت سی خاص و عام مجالس کا ذکر کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی اہم امر پیش آتا تھا تو مہاجرین و انصار کا اجلاس عام طلب کیا جاتا اور وہ بات سب کے سامنے پیش کی جاتی اور پھر غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد اس کا کوئی فیصلہ کیا جاتا' جیسے کہ عراق اور شام کے فتح ہونے پر جب تمام صحابہ کرامؓ نے اس بات پر اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیے

جائیں تو اس بارہ میں آپ نے بہت بڑی مجلس منعقد کی جس میں تمام قدماء مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور جن میں پانچ اشخاص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے، شریک ہوئے۔ کئی روز تک مجلس کے جلسے ہوتے رہے اور نہایت آزادی اور بے باکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس مجلس میں سیدنا عمرؓ نے بھی تقریر کی جس کو امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے۔ اس تقریر سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ کے اختیارات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عراق میں سیدنا ابو عبیدہؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ وہ کیا کریں؟ ان سب نے کہا: "آپ ہمیں اپنے ساتھ لے کر خود چلیں"۔ لیکن خواص نے یہ رائے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ کو عراق کی افواج کا امیر بنا کر بھیج دیجئے اور خود مدینہ میں رہ کر ان کی مدد کیجئے۔ اس پر سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان لوگوں کو دوبارہ جمع کر کے فرمایا: "مسلمانوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوں۔ میرا بھی وہی خیال تھا جو تم لوگوں کا ہے لیکن تمہارے اہل الرائے نے مجھے جانے سے روک دیا ہے اور اب میری بھی یہی رائے ہے کہ میں خود مدینہ میں رہوں اور عراق کسی اور شخص کو بھیج دوں۔"

اس کے بعد جب وہ شام روانہ ہوئے اور سپہ سالارانِ عساکرِ اسلام نے ان سے ملاقات کر کے یہ کہا کہ شام کی سرزمین فساد زدہ ہو گئی ہے اور وہاں نہایت شدید طاعون پھیلا ہوا ہے، تو انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ انہیں وباء کے باوجود شام کا سفر جاری رکھنا چاہئے یا مدینہ واپس ہو جانا چاہئے؟ لوگوں میں اختلاف واقع ہو گیا۔ ایک گروہ کی رائے تھی کہ سفر جاری رکھنا چاہئے اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ واپس ہو جانا چاہئے۔ بالآخر دوسرے گروہ کی رائے سے اتفاق کیا گیا اور سیدنا عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

نہاوند کا معرکہ ۲۰ھ میں پیش آیا۔ اس معرکہ میں ایرانیوں نے بڑے پیمانے پر تیاری کی اور عام لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ کا اس مہم پر جانا ضروری معلوم ہوا۔ سیدنا عمرؓ کو جب لوگوں کے اس خیال کا پتہ چلا تو انہوں نے ایک بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد کی۔ سیدنا عثمانؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے باری باری اس میں

Marfat.com

تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر سیدنا علیؓ نے بھی ان حضرات کی تائید کی۔ غرض کہ فیصلہ یہ ہوا کہ امیر المؤمنین موقع جنگ پر نہ جائیں۔ اسی طرح افواج کی تنخواہ' عمال کا تقرر' دفتر کی ترتیب' غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر کسٹم ڈیوٹی کی تشخیص وغیرہ اس قسم کے معاملات بھی مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ تاریخوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

سیدنا عمرؓ کے نزدیک شوریٰ کی حیثیت ایک بنیادی نظام کی تھی جس پر مملکت اسلامیہ کے تمام گوشوں پر عمل ہونا ضروری تھا۔ وہ اپنے امرائے لشکر اور گورنروں کو بھی مشورے کا حکم دیتے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کو عراق روانہ کرتے وقت انہوں نے فرمایا تھا:

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی بات سننا اور انہیں اپنے معاملہ میں شریک رکھنا، فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا، کیونکہ جنگ میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جس کے مزاج میں تحمل ہو اور جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہو۔"

وہ اپنے امراء کو اسی طرح ہدایت کرتے تھے' چاہے انہیں محاذ جنگ کی نگرانی کے لئے بھیجا جا رہا ہو یا کسی علاقے کے انتظام و انصرام کے لئے۔

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت' استحسان و تبرک کے طور پر نہ تھی بلکہ سیدنا عمرؓ نے مختلف مواقع پر لوگوں کے سامنے برملا اس بات کا اعلان کیا کہ مشورہ کے بغیر خلافت کا صحیح وجود ہی نہیں چنانچہ ان کی یہ بات کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

لا خلافة الا عن مشورة (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۹)

مشورہ کے بغیر خلافت صحیح نہیں ہے

سیدنا عمرؓ مجلس شوریٰ (خاص اور عام) کے علاوہ عام رعایا کو بھی انتظامی امور میں مداخلت کی نہ صرف اجازت دیتے تھے بلکہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ صوبوں اور اضلاع کے امیر عموماً عام لوگوں کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ شام' کوفہ اور بصرہ کے خراج کے عمال جب مقرر کیے جانے لگے تو سیدنا عمرؓ نے ان تینوں شہروں میں لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار' امانت دار اور قابل ہو۔ چنانچہ شام سے معن بن یزیدؓ' کوفہ سے عثمان بن فرقدؓ اور بصرہ سے حجاج بن علاط کو وہاں کے لوگوں ہی نے

Marfat.com

منتخب کر کے بھیجا تھا اور سیدنا عمرؓ نے ان کے انتخاب پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ (کتاب الخراج ص ۱۶۴)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ کے صحابی اور فاتح ایران، جس نے جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کے پرخچے اڑادیے۔ دنیا کی تاریخ ہمیشہ اس فرشتہ صفت جرنیل کی بہادری اور شجاعت کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے کہ اس نے "بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑادیے"۔ جس زمانہ میں یزدگرد نہاوند میں اپنی فوجیں جمع کر رہا تھا اور اس نے اتنی فوجیں جمع کیں کہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

مالم يجتمع لهم قبل ذالك (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۰۵)

اتنی فوجیں اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں۔

عین اسی زمانہ میں اہل کوفہ کا ایک وفد "جراح بن سنان اسدی" کی قیادت میں سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس مدینہ آیا اور اس نے بارگاہِ خلافت میں ایک یادداشت پیش کی جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بارہ میں شکایت کا ایک دفتر تھا۔ ان میں ایک شکایت یہ تھی کہ "وہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے" سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کی اس یادداشت کو پڑھ کر فرمایا: "اس وقت جب کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ یزدگرد سے مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور دشمن کی فوجیں تمہارے مقابلہ میں اکٹھی ہو رہی ہیں، اتنا لمبا سفر کر کے تمہارا یہاں آنا یہ خود تمہاری شرارت کی دلیل ہے"۔ پھر فرمایا: "باوجودیکہ تمہاری شرارت واضح ہے، لیکن شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہیے، تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی (مع هذا لا يمنعني ان انظر في امركم) (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۰۶)

چنانچہ امیر المؤمنین نے گورنر کوفہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو مدینہ طلب کیا اور فرمایا کہ کوفہ کے ایک وفد نے آپ کے خلاف بہت شکایات کی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی شکایت کی ہے کہ آپ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ سیدنا سعدؓ نے اپنی اس چارج شیٹ کا جواب دیا اور کہا کہ ان تمام حالات میں اگر میں نماز بھی صحیح نہیں پڑھا سکتا تو مجھ سے زیادہ محروم القسمت کون ہو سکتا ہے؟ (البخاری جلد ۲ ص ۹۵۶، ص ۸۱۴)

سیدنا فاروق اعظمؓ کو سیدنا سعدؓ کی صداقت کا پورا پورا یقین تھا، لیکن پھر بھی آپ نے ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا کمیشن نے اہل کوفہ کے بیانات لیے۔ مسجدوں میں جاکر لوگوں سے پوچھا۔ ہر ایک نے سیدنا سعدؓ کی تعریف کی۔ صرف قبیلہ بنی عبس کی ایک مسجد

Marfat.com

میں ایک شخص اسامہ بن قتادہ نے یہ بیان دیا کہ "جب آپ قسم ہی دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ سعد مجاہدین کے دستہ کے ساتھ خود نہیں جاتے' کسی اور کو کمانڈر اور امیر بنا کر بھیج دیتے ہیں' اور مال غنیمت مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے اور کوئی مقدمہ ہو تو عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔(فان سعداً کان لایسیر بالسریة' ولا یقسم بالسویة ولا یعدل فی القضیة)۔(بخاری جلد ا ص ۱۰۴)

سیدنا سعدؓ اپنی صفائی میں ہزاروں شہادتیں پیش کر سکتے تھے' لیکن آپ نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور فرمایا:

"اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے' اس نے نمائش اور شہرت کے لئے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر' اس کے فقر کو طویل کر اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔

آپ مستجاب الدعوات تھے۔ دعا قبول ہوئی اور وہ شخص فتنوں میں مبتلا ہوا اور لوگوں سے کہا کرتا تھا۔ "شیخ مفتون اصابتنی دعوۃ سعد" (بخاری جلد ا ص ۱۰۴) میں بوڑھا ہوں فتنہ میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مجھے سعد کی بددعا لگ گئی۔

سیدنا سعدؓ کی اگرچہ آفتابِ نیم روز کی طرح برأت ثابت تھی' لیکن آپ نے پھر بھی سیدنا سعدؓ کو کوفہ کی گورنری سے معزول فرمادیا۔ لیکن جب انہیں انتخابِ خلیفہ کے لئے چھ ارکان میں نامزد کیا تو خود ان کی بریت فرمائی اور فرمایا: "میں نے ان کو کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے الگ نہیں کیا تھا"۔ (بخاری جلد ا ص ۵۴۲)

اس سارے واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ لوگوں کی باتوں اور ان کی شکایتوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی ہوئی تھی' لیکن اس مجلس کے علاوہ بھی ایک عام مجلس شوریٰ تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام قبائل کے سردار بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس عموماً اہم امور کے پیش آجانے پر منعقد ہوتی تھی۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آپ کی ایک مجلس خاص بھی تھی جس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔ (فتوح البلدان ص ۲۷۲)

ملک کی تقسیم

سیدنا عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ملک کے نظم و نسق کو صحیح طریقہ پر چلانے

Marfat.com

کے لئے اس کو مختلف ڈویژنوں اور صوبوں میں تقسیم کیا اور پھر ان کی حدود مقرر کیں۔ چنانچہ یعقوبی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ نے تمام ملک کو آٹھ ڈویژنوں (Divi-sions) میں تقسیم کیا۔ مکہ' مدینہ' شام' بصرہ' کوفہ' مصر اور فلسطین۔ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو صوبے اور ضلع پہلے حکمرانوں نے مقرر کر رکھے تھے' ان کو اسی طرح رہنے دیا۔ اس لیے مؤرخین نے ان ڈویژنوں کا نام نہیں لیا۔ پھر ہر ڈویژن اور صوبے میں کئی کئی اضلاع تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پچھلی ملکی تقسیم میں کچھ ردوبدل کیا۔ مثال کے طور پر فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار ہوتا تھا اور اس میں دس (۱۰) اضلاع شامل تھے۔ ۱۵ھ میں جب سیدنا عمرؓ نے خود فلسطین جاکر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار پایا' اور آپ نے علقمہ بن حکیم اور علقمہ بن مجزز کو الگ الگ صوبوں میں حاکم مقرر فرمایا۔ اسی طرح مصر کو بھی دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ میں ۲۸ اضلاع شامل تھے اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو اس کا حاکم مقرر فرمایا اور نشیبی حصہ میں ۱۵ اضلاع تھے' اس پر کوئی دوسرا افسر مقرر فرمایا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ پورے مصر پر بطورِ گورنر جنرل تھے۔

مشرق میں جو علاقے ایران کے اسلامی فوجوں نے فتح کیے' ان میں تین ڈویژن اور بنائے گئے تھے۔ خراسان' آذربائیجان اور فارس۔ ان میں سے ہر ڈویژن میں پھر کئی کئی اضلاع تھے۔ چنانچہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ :

۱۔ خراسان میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے۔

نیشاپور' ہرات' مرو۔ مرورود' فاریاب' طالقان' بلخ' بخارا' باذغیس' باورد' غرشتان' سرخس' جرجان۔

۲۔ اور آذربائیجان میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے۔

طبرستان' رے' قزوین' زنجان' قم' اصفہان' ہمدان' نہاوند' دینور' حلوان' ماسندان' مہرجان' قذق' شہرزور' سامغان' آذرسجان۔

۳۔ اور فارس ڈویژن میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے۔

اصطخر' شیراز' نوبندجان' جور' گاذرون' فسا' دارابجرد' اردشیر خرہ' سابور' اہواز' جندیساوبور' سوس' نہرتیری' منادر' تستر' دایذج' رام ہرمز۔

ہر ڈویژن میں حاکم اعلیٰ (گورنر) میر منشی (کاتب) صاحب الخراج (کلکٹر)

Marfat.com

صاحب احداث (انسپکٹر جنرل پولیس) صاحب بیت المال (افسر خزانہ) کاتب دیوان (اکاؤنٹنٹ جنرل) قاضی (جج) مقرر کیے گئے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا مگر اکثر حالتوں میں صوبے کا گورنر ہی اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں سیدنا عمار بن یاسرؓ گورنر تھے' سیدنا عثمان بن حنیفؓ کلکٹر' سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ افسر خزانہ' سیدنا شریحؒ قاضی اور سیدنا عبداللہ خلت الخزاعی اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ا ص ۲۰۱' ابن خلکان صفحہ ۲۵۳)

اسی طرح پولیس کا محکمہ بھی اکثر کلکٹر یا گورنر کے ماتحت ہوتا تھا۔ جیسے کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کوفہ کے گورنر تھے لیکن پولیس کے افسر اعلیٰ بھی وہی تھے۔ بحرین میں سیدنا قدامہ بن مظعونؓ کلکٹر تھے اور پولیس کا محکمہ بھی انہی کے ماتحت تھا۔ گورنر کا اسٹاف بارگاہِ خلافت سے مامور اور مقرر ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کو جب کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو دس معزز آدمی ان کو اسٹاف کے لئے بھی سیدنا عمرؓ ہی نے فراہم کیے تھے۔ جن میں ایک قرظ خزرجی بھی تھے۔ گورنر کا میر منشی نہایت قابل اور تقریر و تحریر میں نہایت اعلیٰ قسم کا لگایا جاتا کیونکہ گورنر کی خط و کتابت اور حکومتی بیانات کا انحصار زیادہ تر اسی پر ہوتا تھا' چنانچہ بصرہ کے گورنر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے میر منشی اور کاتب زیاد بن ابی سفیانؓ تھے جو باوجود جوانی کے اپنے زمانہ کے فصیح ترین لوگوں میں سے تھے اور سیدنا عمرؓ جیسا شخص بھی ان کی فصاحت و بلاغت پر حیران تھا۔ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام جزیرہ نمائے عرب ان کے علم کے نیچے ہوتا۔ اضلاع کے تمام افسر گورنر کے ماتحت ہوتے۔

عمال کا تقرر

صوبوں' ڈویژنوں اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم چیز ملکی عہدیداران کا انتخاب تھا۔ کوئی سربراہ مملکت اور ملک کا وزیر اعظم خواہ کیسا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو جب تک حکومت کے افسران قابل، لائق' راست باز' دیانت دار اور خدا سے ڈرنے والے نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے کام نہ لیا جائے' صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ملک ترقی کر سکتا ہے۔ اس معاملہ میں سیدنا عمرؓ نے نہایت بیدار مغزی سے کام لیا۔ اور حکومت کے ارکان اور اس کے افسران کے انتخاب میں

Marfat.com

بڑی احتیاط سے کام لیا۔

سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جس شخص کو بھی جو عہدہ دیا اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی شخص نہیں مل سکتا تھا۔ فن حرب میں سیدنا عمرو بن معدی کربؓ اور طلحہ بن خویلدؓ نہایت ممتاز تھے' سیدنا عمرؓ نے ان دونوں کو سیدنا نعمان بن مقرنؓ کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مقرر فرمایا' لیکن سیدنا نعمانؓ کو یہ لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ یہ تدبیر و سیاست میں دخل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو نبھانہ سکیں گے۔

اسی طرح اس زمانہ میں چار اشخاص "دہاۃ العرب" کہلاتے تھے' سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن ابی سفیانؓ۔ سیدنا عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیے اور انہوں نے ان عہدوں کو نہایت خوش اسلوبی سے چلایا۔ پھر ان تینوں کو اپنی حکمت عملی سے خود سر بھی نہ ہونے دیا اور اپنے قابو میں رکھا۔ زیاد بن ابی سفیانؓ اس زمانہ میں سولہ سالہ نوجوان تھے' اس لیے انہیں کوئی بڑا عہدہ تو نہ دیا گیا' لیکن ان کی قابلیت اور استعداد علمی کی وجہ سے سیدنا ابو موسیٰ کو لکھا کہ ان کو ملکی معاملات اور کاروبار حکومت میں اپنا مشیر کار بنائیں۔

جن حضرات نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی خاص یا اہم کام سر انجام دیا' سیدنا عمرؓ نے انہیں بھی ان کے مناسب حال عہدہ دیا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن ارقمؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا جواب خود اپنی طبیعت سے لکھا اور حضور علیہ السلام نے سن کر اس کو بہت پسند فرمایا۔ اس موقع پر سیدنا عمرؓ بھی موجود تھے۔ آپ نے ان کی اس قابلیت اور جواب کو ذہن میں رکھا۔ چنانچہ آپ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو اس وجہ سے میر منشی مقرر فرمایا۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۲۰)

آپ سے قبل سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنا اعتماد کھو دیا تھا' سیدنا ابو بکرؓ تائب ہو جانے کے بعد بھی ان کو ذمہ داری کا کوئی کام سونپنا پسند نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے بھی یہی پالیسی اپنائی۔ علاوہ ازیں آج کل کے قاعدہ کی طرح جب تک کسی شخص کے متعلق اس کی حسن کارکردگی کی وجہ سے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ وہ اس عہدہ کا اہل ہے تو اس کا تقرر عارضی طور پر کرتے تھے۔ مستقل ہونے اور ترقی پانے کی شرط ان کے ہاں حسن کارکردگی تھی۔

Marfat.com

ویسے بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے فطری طور پر آپ میں جوہر شناسی کا مادہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی انتخابِ عہدہ کے وقت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک علاقے کے لئے حاکم درکار ہے' لہٰذا اس کے بارہ میں مجھے ایک اچھے اور نیک شخص کی نشاندہی کریں؟ ایک شخص نے کہا: ''امیر المؤمنین! فلاں شخص اس عہدہ کے لئے نہایت موزوں ہے''۔ آپ نے اس شخص سے تین سوال کیے۔ فرمایا: ''کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں'' پوچھا: کیا کبھی تمہارا لین دین کا اس کے ساتھ واسطہ پڑا ہے؟'' اس نے نفی میں جواب دیا۔ تیسرا سوال آپ نے یہ کیا: ''کیا کبھی تم اس کے پڑوسی رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''نہیں'' آپ نے فرمایا:

لعلك رايتهٗ خارجاً من المسجد بعد الصلوٰة

شاید تم نے اسے کبھی مسجد سے نماز پڑھنے کے بعد نکلتے ہوئے دیکھا اور تم نے یہ اندازہ کر لیا کہ وہ بہت نیک اور اس عہدے کے لئے موزوں ترین آدمی ہے۔

ان تینوں سوالوں میں سیدنا عمرؓ نے ایک اچھے انسان کی شخصیت کو جانچنے کا اصول بتا دیا اور بتایا کہ نماز روزہ سے کسی کی شخصیت کا پتہ نہیں چلتا بلکہ لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات میں کسی کی شخصیت اجاگر ہوتی ہے۔

بعض دفعہ عہدہ کے انتخاب کے لئے آپ کسی شخص کا نام مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کرتے۔ اربابِ مجلس آپ کے حسن انتخاب پر اتفاق رائے کر لیتے۔ چنانچہ نہاوند کی مہم پر سیدنا نعمان بن مقرنؓ کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا۔ (الاستیعاب ترجمہ نعمان بن مقرنؓ)

مختلف عہدیداروں کے تقرر کے لئے کبھی مجلسِ شوریٰ کا اہم اجلاس بلایا جاتا اور اس میں ان عہدیداران حکومت کا انتخاب ہوتا تھا۔ چنانچہ جو شخص اس مجلس شوریٰ کے ارکان کی طرف سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کا تقرر کر دیا جاتا۔

بعض دفعہ آپ کسی شخص کا آزمائشی تقرر فرماتے اور اگر وہ اس عہدہ پر کامیاب نہ ہوتا تو اسے اس عہدہ سے معزول فرما دیتے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کی مہم پر فوج کے ایک دستہ پر امیر بنا کر روانہ کیا تو ان کو بہت سی ہدایات دیں۔ ان ہدایات کا آغاز اس طرح کیا:

میں نے تم کو اس لیے والی بنایا ہے کہ میں تم کو آزماؤں۔ تمہارا تجربہ کروں اور

Marfat.com

تم کو ٹریننگ دوں۔ اگر تم نے اچھا کام کیا تو میں اس عہدہ پر تم کو برقرار رکھوں گا اور ترقی دوں گا' اور اگر تم میرے معیار پر پورے نہ اترے تو میں تمہیں اس عہدہ سے الگ کر دوں گا"۔ (ابن اثیر جلد ۱۲ص ۷۶ ۲)

اسی طرح سیدنا عمرؓ نے بھی سیدنا عمار بن یاسرؓ کو، جو کہ السابقون الاولون میں سے تھے اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے 'بعض مصلحتوں اور قبولیت عامہ کی وجہ سے، کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا 'لیکن چند روز کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہیں ہیں' تو انہیں معزول کر دیا۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ سیدنا عمرؓ حکومت کے عہدہ کے لئے ہمیشہ موزوں آدمی تلاش کر کے لگاتے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا اور اہم کام تھا۔ سیدنا عمرؓ اکیلے یہ کام نہیں کرنا چاہتے تھے' لہٰذا آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: "اگر تم لوگ میری مدد نہ کرو گے تو اور کون کرے گا؟" (اذا لم تعینونی فمن یعیننی) سیدنا ابو ہریرہؓ بولے: "امیر المؤمنین! ہم آپ کی ضرور مدد کریں گے" وہ زمانہ آج کل کے زمانہ کی طرح نہ تھا' اس زمانہ میں لوگ ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے' جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے بارہ میں نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کی تحصیل پر مقرر فرمایا تو ان سے یہ ارشاد فرمایا:

"ابو ولید! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' اور قیامت کے دن اس حال میں نہ آنا کہ اپنے کاندھوں پر ایک اونٹ اٹھائے ہوئے ہو جو بلبلا رہا ہو یا ایک گائے جو بھاں بھاں کر رہی ہو' یا ایک بکری جو ممیا رہی ہو"۔ سیدنا عبادہ بن صامتؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ ذمہ داری ایسی کٹھن ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' یہ ذمہ داری ایسی ہی ہے سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے"۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں آئندہ کبھی دو افراد پر بھی امیر بننا نہیں قبول کروں گا"۔ (کتاب الخراج ص ۸۷)

اندازہ فرمائیں کہ صحابہ کرامؓ حکومتی ذمہ داریوں سے کس قدر کتراتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ نے کہا: عمرؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں ملوث کرنا چاہتے ہو"۔ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا: "میں ان بزرگوں کی اگر مدد نہ لوں تو

Marfat.com

کس سے لوں"۔ ابو عبیدہؓ نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں زیادہ مقرر کرو تا کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔" (کتاب الخراج ص ۶۴)

عہدیداروں کی تنخواہیں

اس زمانہ میں اکثر حضرات کا یہ خیال تھا کہ حکومت کے عہدہ پر کسی خدمت کے معاوضہ پر تنخواہ لینا زہد و تقویٰ کے خلاف ہے۔ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں اکثر حضرات کا یہی خیال تھا' لیکن یہ بات اصول انتظام کے سراسر خلاف تھی۔ سیدنا عمرؓ نے لوگوں کی اس تمدنی غلطی کو اس طرح رفع کیا کہ عہدیدارانِ حکومت کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہؓ نے جو امین الامت تھے' ایک موقع پر حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو سیدنا عمرؓ نے بہت مشکل سے انہیں اس بات پر راضی کیا۔ حکیم بن حزامؓ نے بھی جو سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھتیجے تھے' سیدنا عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی روزینہ یا مشاہرہ لینے سے انکار کیا۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۳۲۲)

گورنروں کے فرائض

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے عہد ہائے خلافت میں جو کسی صوبے کا گورنر یا عامل ہوتا تھا وہی فوج کا افسر اعلیٰ بھی ہوتا تھا۔ سیدنا عمرؓ جس شخص کو گورنر مقرر فرماتے' اس کو ایک فرمان دیا جاتا جس پر اس کی تقرری اور اختیارات و فرائض کا ذکر ہوتا جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ کے ترجمہ میں ابن اثیر نے ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اسد الغابہ) پھر اس پر بہت سے مہاجرین و انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی (کتاب الخراج ص ۶۶)۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جو شخص مقرر کیا جا رہا ہے اس کی لیاقت اور فرائض سے لوگ اور صحابہ کرامؓ آگاہ ہو جائیں اور اگر اس میں کوئی نقص یا عیب یا کمی ہو تو وہ واضح ہو جائے۔ اس فرمان کو لے کر گورنر مدینہ سے روانہ ہو جاتا اور جس مقام پر جاتا تھا وہاں تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ چنانچہ لوگ اس کے عہدہ اور اختیارات اور فرائض سے آشنا ہو جاتے تھے اور جب وہ اپنے ان تفویض کردہ اختیارات سے تجاوز کرتا تو لوگ اس پر گرفت کرتے۔ عاملوں کے فرائض حسب ذیل ہوتے تھے۔

۱۔ مسجد میں جماعت کی امامت اور خصوصاً جمعہ کے روز خطبہ دینا۔

۲۔ فوج کی نگرانی اور نگہداشت اور ان کی تنخواہ وغیرہ کا بندوبست کر کے اسے تقسیم کرنا۔

Marfat.com

۳۔ محاصل حکومت کا اکٹھا کرنا اور اشیاء کی در آمد و بر آمد کی نگرانی کرنا۔
۴۔ حدود اللہ جاری کر کے مجرموں کو سزا دینا۔
۵۔ اپنے علاقہ میں امن عامہ کی نگرانی کرنا اور لوگوں کی اخلاقی حالت درست کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا۔
۶۔ فتنہ پروروں' دہشت گردوں اور امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں سے جنگ کرنا۔
۷۔ مال غنیمت مسلمان فوجیوں میں تقسیم کرنا اور اس کا خمس مرکز کو بھیجنا۔
۸۔ ہر سال حج کے لئے جانے والے مسافروں کے قافلوں کا بندوبست کرنا اور ان کی حفاظت کے ساتھ ہر سہولت بہم پہنچانا۔
۹۔ ضعیف اور کمزور سپاہیوں کی پنشن کی ادائیگی اور ان کے متعلقین کی معاشی امداد کا انتظام و انصرام کرنا۔
۱۰۔ کسانوں کا خاص طور پر خیال رکھنا اور علاقہ کی زراعت کو ترقی دینا۔

سیدنا عمرؓ کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ گورنر کے فرائض سے ہر شہری واقف اور آشنا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے کئی خطبات میں اپنے گورنروں کو ہدایت کی :

"یاد رکھو! میں نے تم لوگوں کو امیر اور جبار اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام ہدایت بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے پیچھے چلیں۔ تم لوگوں کے حقوق ادا کرو اور انہیں زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل و خوار ہوں۔ ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ وہ اپنے بارہ میں غلطی میں پڑ جائیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان کے لئے ظلم ہے"۔

ہر اس شخص سے جس کو گورنر مقرر کیا جاتا اس سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ :

۱۔ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔
۲۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔
۳۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔
۴۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔
۵۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

(کتاب الخراج ص ٦٦)

Marfat.com

یہ باتیں اکثر پروانہ تقرری پر درج ہوتیں اور گورنر ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سناتا۔

گورنروں کے اثاثوں کی فہرست

سیدنا عمرؓ صرف گورنروں کو مقرر ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی خصوصی نگرانی بھی فرماتے تھے کیونکہ کل کو ان کا احتساب بھی کرنا ہوتا تھا۔ اس لئے جس وقت کوئی عامل مقرر فرماتے تھے تو اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی ایک مکمل فہرست تیار کر کے اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے تھے۔ اور جب دیکھتے کہ کسی عامل کی مالی حالت غیر معمولی زیادہ ہو گئی تو اس کا احتساب کر کے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ (فتوح البلدان ص ۲۱۹)

گورنر کے مال میں اضافہ سے سیدنا عمرؓ کے نزدیک اس کی امانت و دیانت مشکوک سمجھی جاتی تھی۔ آپ ان سے پورا پورا احساب لیتے اور زائد سامان بحق سرکار ضبط کر لیتے۔ پھر ان سے فرماتے:

"ہم تمہیں گورنر بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں بھیجتے"۔

گورنر کی اس مالی زیادتی کی ٹوہ کے لئے الگ کار خاص کے لوگ ہوتے تھے اور گورنر خواہ مصر میں ہو اس کی ہر بات کی اطلاع امیر المؤمنینؓ کو مدینہ میں ہوتی تھی۔

حج میں گورنروں کی حاضری

سیدنا عمرؓ اپنے گورنروں کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں طلب کرتے اور ان کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ مکہ میں اکٹھے ہوں۔ پھر آپ گورنروں سے ان کے کاموں کے بارہ میں پوچھتے اور عوام سے گورنروں کے رویہ کے متعلق دریافت فرماتے۔ اس سے وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اپنے فرائض کے احساس میں گورنر کتنی احتیاط اور ہوش مندی سے کام لیتے ہیں اور ادائے فرض کے وقت اپنے یا اپنے کسی رشتہ دار کے مفاد کا لحاظ تو نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ اخلاص اور بے غرضی سیدنا فاروق اعظمؓ کے نزدیک ہر شئے پر مقدم تھی۔

گورنروں سے یہ پوچھ گچھ بھی کسی خاص میٹنگ میں نہ ہوتی جیسا کہ آج کل رواج ہے بلکہ حج میں سیدنا عمرؓ خود کھڑے ہو کر اعلان فرماتے تھے کہ "اگر کسی کو کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت ہو تو پیش کرے"۔ چنانچہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہوتی تو وہ مجمع عام میں بیان کرتا اور سیدنا عمرؓ تحقیقات کر کے مناسب کارروائی کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

"لوگو! گورنر جو مقرر کر کے مختلف صوبوں میں بھیجے جاتے ہیں' وہ اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ وہ تمہیں طمانچے ماریں اور تمہارا مال چھین لیں' بلکہ میں ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں سنت نبوی کا راستہ سکھائیں۔ پس اگر کسی گورنر نے اس کے خلاف کیا ہو تو بلا جھجک مجھ سے بیان کرو"۔

گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا: "امیر المؤمنین! اگر کوئی گورنر ادب سکھانے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اسے سزا دیں گے؟" سیدنا عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' میں اسے ضرور سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار! مسلمانوں کو ہرگز نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہو جائیں گے"۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۰' مسند ابی داؤد حدیث نمبر ۵۵ طبری جلد ۳ ص ۲۷۳)

عاملوں کی تحقیقات کا محکمہ

گورنروں کے بارہ میں جو شکایت بارگاہِ خلافت میں پہنچتی' ان کی تحقیقات کے لئے ایک محکمہ مقرر تھا جس کے انچارج سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ تھے۔ یہ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہم پر تشریف لے گئے تو مدینہ میں انہیں اپنا نائب مقرر کر گئے۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں تحقیقاتی سیل کا انچارج بنایا ہوا تھا۔ جس صوبے سے بھی کسی گورنر کی شکایت موصول ہوتی تو وہ موقع پر جا کر تحقیق احوال کرتے۔

(اسد الغابہ تذکرۃ محمد بن مسلمہ انصاریؓ)

احتساب

سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں سب سے نمایاں شئے عہدیداران حکومت کا احتساب ہے۔ حکومت کے نظم و نسق کو درست رکھنے کے لئے عہدیداران کا احتساب ایک نہایت ضروری چیز ہوتی ہے۔ سیدنا عمرؓ اس معاملہ میں کبھی نہیں چوکے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کے لئے پیش کرتے تھے اور رعایا کا ہر شخص ان کا محاسبہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ عامل حکومت کے تقرر کے وقت ایک پروانہ اسے دیا جاتا تھا جس میں اس کے اختیارات و فرائض کی تفصیل و تصریح ہوتی تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ

Marfat.com

حکومت کے عہدے دار اگر پر تکلف زندگی گذارنے لگے اور عوام سے دور ہو گئے اور عوام اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ ہو گئی تو وہ ان کی خدمت نہیں کر سکیں گے' چنانچہ گورنر ہاؤس کو دروازہ لگانے کی اجازت نہ تھی۔ گورنروں کو نہایت سادہ زندگی گذارنے کا حکم تھا۔ وہ باریک کپڑے نہیں پہن سکتے تھے' دروازہ پر دربان نہیں رکھ سکتے تھے' ضرورت مندوں کے لئے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا ہونا لازمی تھا۔

احتساب کا ایک طریقہ یہ تھا کہ تمام گورنروں کو یہ حکم تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوں (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے) اور اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی شخص کو کسی گورنر کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ بغیر کسی ڈر خوف کے بیان کرے۔ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے اور آپ اس کا تدارک فرماتے۔ اگر آپ کو پتہ چل جاتا کہ کسی گورنر نے کسی پر کوئی زیادتی کی ہے تو اسے مجمع عام میں سزا دی جاتی۔ سیدنا عیاض بن غنمؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور مصر کے ایک علاقہ کے عامل تھے۔ بارگاہِ خلافت میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور گھر کے باہر دربان مقرر ہے۔ اطلاع کا پہنچنا تھا کہ بارگاہِ خلافت سے احتساب شروع ہوا۔ فوراً محمد بن مسلمہؓ افسر تحقیقات کو تحقیقات کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ اگر یہ اطلاع درست ہو تو عیاض بن غنمؓ کو فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہؓ مصر پہنچے اور سیدھے عیاض بن غنمؓ کے گھر گئے۔ دیکھا کہ واقعی دروازہ پر دربان ہے اور عیاض بن غنمؓ باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ سیدنا محمد بن مسلمہؓ عامل مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر مدینہ آئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کا باریک کرتہ اتروایا اور بالوں کا موٹا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی۔ بار بار یہی کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا: "یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے' اس میں عار کیوں ہے؟" عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے۔ اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور احسن طریقہ سے انجام دیتے رہے"۔ (کتاب الخراج ص ۶۶' طبری جلد ۳ ص ۲۰۷)

سیدنا خالد بن ولیدؓ "سیف من سیوف اللہ" شجاعت و جانبازی کے لحاظ سے تاج اسلام کے دُرِّ شاہوار اور بارگاہِ رسالت کے گوہر تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت بااثر اور ذی وقار بزرگ صحابی۔ بارگاہِ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب جلیلہ سے صرف اسی لئے

Marfat.com

معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک قصیدہ گو کو دس ہزار کی رقم بطور انعام دی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کو پتہ چلا تو آپ نے سیدنا ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے اگر یہ رقم اپنی گرہ سے دی ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی ہے' لہٰذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۱۸)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد سیدنا خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ وہ لوگوں کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر کوئی عطیہ نہ دیا کریں حتیٰ کہ کسی کو مسلمانوں کے خزانے سے ایک بکری یا ایک بھیڑ بھی دینی ہو تو دربارِ خلافت سے اس کی منظوری لی جائے۔ سیدنا خالدؓ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں جس چیز پر کاربند تھے اس سے دست بردار ہونے پر رضامند نہ ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا۔ یہ بات واضح رہے کہ نہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ پر بد دیانتی کا الزام لگایا اور نہ ہی ان کے بارہ میں بد دیانتی کا ادنیٰ شائبہ ہو سکتا ہے۔ عطیات دینا بھی اسلامی حکومت کے مفاد کے لئے تھا جب کہ ان عطیات پر خلیفہ کی منظوری کی شرط بھی ریاست اسلامی کے مفاد میں تھی۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے جب دیکھا کہ اس بات کے اثرات عوام پر اچھے نہیں پڑتے تو اتنے بڑے جرنیل کو آپ نے معزول کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱) اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان' غزوہ بدر' غزوہ احد' فتح مکہ' غزوہ طائف' غزوہ حنین' غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے جانباز مجاہد' عشرہ مبشرہ کے فرد' فاتح ایران' اتنی صفات کے حامل' لیکن بتانے والے نے جب بتایا کہ انہوں نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اسی وقت سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو بھیجا کہ اس بات کی تحقیق کریں۔ اگر واقعی ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے تو وہ "قصر سعد" نہیں "قصر فساد" ہے۔ اسی وقت اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سیدنا سعدؓ اس منظر کو خاموشی سے دیکھا کئے۔

ایک مرتبہ محمد بن عمرو بن العاصؓ نے ایک مصری کے تازیانے لگائے۔ وہ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: "لے میں بڑوں کی اولاد ہوں"۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس

Marfat.com

مصری کو قید کردیا کہ مبادا وہ امیر المؤمنینؓ سے ان کے بیٹے کی شکایت کردے۔ جب وہ مصری قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ منورہ پہنچا اور سیدنا عمرؓ سے اس بات کی شکایت کی۔ سیدنا عمرؓ نے اسے تو اپنے پاس ٹھہرالیا اور عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کو مصر سے بلا کر مجلس قصاص میں طلب کیا۔ جب دونوں باپ بیٹے مجلس قصاص میں پیش ہوئے تو سیدنا عمرؓ نے بلند آواز سے فرمایا: "مصری کہاں ہے؟" جب مصری آیا تو فرمایا: "لے یہ درہ اور بڑوں کی اولاد کو مار"۔ مصری نے محمد کو درے مارنا شروع کردیے یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے۔ مصری انہیں مارتا جاتا تھا اور سیدنا عمرؓ کہتے جاتے تھے "بڑوں کی اولاد کو مار" جب مصری جی بھر کر انہیں مار چکا اور درہ امیر المؤمنین کو واپس کرنے لگا تو سیدنا عمرؓ نے اس سے فرمایا: "عمروؓ کی چندیا پر بھی مار' خدا کی قسم 'بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا"۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ بھرپور سزا دے چکے ہیں"۔ اور مصری نے کہا: "امیر المؤمنین! جس نے مجھے مارا تھا میں نے اس سے بدلہ لے لیا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "قسم ہے خدا کی! اگر تو عمرو بن عاصؓ کو مارتا تو ہم اس وقت بیچ میں نہ آتے جب تک تو خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا۔ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کی طرف مخاطب ہو کر غضب ناک لہجے میں فرمایا: "عمروؓ! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا"۔

اس قسم کے احتساب کے واقعات آپ کی کتاب زندگی میں اس قدر ہیں کہ ایک پوری کتاب ان سے مرتب ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے خطبات میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

"اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارہ میں جن کو میں نے مختلف شہروں میں مقرر کیا ہوا ہے' تجھے گواہ بناتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کو نبی کی سنت کی تعلیم دیں۔ اور ان کا مال ان پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں انہیں کوئی مشکل پیش آئے تو میری طرف رجوع کریں"۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۹)

سیدنا عمرؓ صرف سختی ہی نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کا معاملہ اپنی رعایا سے محض حاکم و محکوم کا نہ تھا اور آپ نے محض اپنے جسم ہی کو دن رات لوگوں کی خدمت کا خوگر نہ بنا رکھا تھا بلکہ آپ کے قلبی جذبات اور ہمدردی و محبت کے احساسات ہر لمحے آپ کو رعایا کی خدمت اور بھلائی کے لئے سرگرم رکھتے تھے۔ عوام کی خوشی اور غم میں آپ برابر شرکت فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے۔ گورنروں سے احتساب بھی اسی ہمدردی کے نتیجہ میں تھا۔ کوئی حادثہ کسی فرد امت کو پیش آجاتا تو سب سے پہلے اس سے اظہار ہمدردی کے لئے آنے والی خود آپ کی ذات ہوا کرتی تھی۔ سیدنا سعید بن یربوع ؓ کی بینائی ختم ہو گئی تو سیدنا عمرؓ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اظہار ہمدردی بھی کیا اور ساتھ ہی محبت کے ساتھ نصیحت بھی فرمائی: "نماز جمعہ اور پانچ وقت کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کرنے کی کوشش کرنا" انہوں نے کہا: "امیر المؤمنین! میری بھی یہی خواہش ہے مگر مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں"۔ اسی وقت سیدنا عمرؓ نے ان کی خدمت کے لئے ایک غلام مقرر فرما دیا۔

عمال کا یہ محاسبہ اس وجہ سے تھا کہ وہ مملکت اسلامیہ کے ایک ایک گوشے میں عدل وانصاف قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو اپنے ضمیر کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے یعنی اگر ان کے کسی عامل اور گورنر نے کوسوں دور بھی کسی شخص پر ظلم کیا تو گویا خود انہوں نے اس شخص پر ظلم کیا۔ ایک روز حاضرین سے فرمایا: "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین آدمی کو عامل مقرر کر کے اسے عدل کا حکم دے دیا تو میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو گیا؟" لوگوں نے کہا: "جی ہاں" فرمایا" نہیں' یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا اس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں؟" اسی لیے وہ ان گورنروں کا محاسبہ اتنی شدت سے کرتے تھے۔ بلکہ بعض روایات میں سیدنا عمرؓ کے اس شدید محاسبے سے متعلق بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن پر یقین کرتے ہوئے لوگ ہچکچاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہؓ نے شام میں اپنے اہل وعیال کے لئے راحت و فراغت کے سامان فراہم کر لیے تھے سیدنا عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے مشاہرے میں کمی کر دی یہاں تک کہ "امین الامت" کی رنگت بگڑ گئی۔ کپڑوں کی حیثیت بدل گئی اور حالت تباہ ہو گئی۔ سیدنا عمرؓ کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا: "اللہ ابو عبیدہؓ پر رحم فرمائے' انہوں نے بڑے صبر و تقویٰ سے کام لیا" اور ان کی تنخواہ بحال کر دی۔ عمال کے محاسبے میں سیدنا عمرؓ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ وہ عامل کو کبھی ایسے شبے پر معزول کر دیتے تھے جو دلیل سے ثابت نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات ایسے گمان پر بھی اس کی معزولی کر دیتے تھے جسے صحیح معنوں میں شبہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے متعلق ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا تو فرمایا: "اگر قوم کے معمولی سے فائدے کے لئے کسی امیر کو بدلنا پڑے تو میں اسے بدل دوں گا"۔

Marfat.com

گورنروں کے اس شدید محاسبے سے آپ کی یہ غرض نہ تھی کہ ان کی حاکمانہ شان کو نقصان پہنچایا جائے یا ان کا وقار کم کیا جائے۔ نہیں' وہ اپنے اختیارات میں آزاد تھے۔ ان کے احکام نافذ ہوتے تھے اور جب تک وہ عدل و انصاف کی راہ سے نہ ہٹتے تھے' ان کا اقتدار سیدنا عمرؓ کے اقتدار کے مساوی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اگر کوئی خیرہ سر ان کے ساتھ زیادتی یا کوئی دریدہ دہن ان کی بے عزتی کرتا تو اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔ اہلِ عراق نے ازراہِ تحقیر اپنے امام پر کنکریاں پھینکیں۔ اسؓ سے پہلے بھی وہ ایک امام کے ساتھ یہی بدتمیزی کر چکے تھے۔ سیدنا عمرؓ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے اہلِ شام سے کہا: "اہل عراق کے خلاف تیاری کرو کہ شیطان نے ان میں انڈے بچے دے دیئے ہیں"۔

آج کل کے اس مغرب زدہ دور میں جب کہ تمام انسانی اقدار تبدیل ہو چکی ہیں' کوئی شخص زبانِ اعتراض دراز کرے کہ گورنروں پر اس قدر سختی اچھی نہیں' لیکن ملک میں کرپشن کو روکنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ارکانِ حکومت اور عہدہ دارانِ سلطنت سادگی اختیار کریں۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ حکومت کے وزراء اور سیکریٹریوں کو لوگ جو کرتا دیکھتے ہیں خود بھی اسی طرح کی زندگی گزارنی شروع کر دیتے۔ حکومت کے اعضاء و جوارح اگر سادہ زندگی گزاریں گے تو لوگ بھی اسی طرح کی سادہ زندگی گذارنے کی عادت بنا لیں گے' لیکن اگر وہ ان کو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے دیکھیں گے تو عوام کے دلوں میں بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی عادت پیدا ہو گی۔ سیدنا عمرؓ نے ارکان سلطنت پر سختی کی لیکن عوام الناس کو اس بارہ میں کچھ نہیں کہا۔ چنانچہ حکومت کے عمال کی سادگی نے عوام کے طرز معاشرت میں بھی سادگی پیدا کر دی۔ لیکن جہاں آپ نے دیکھا کہ عمال حکومت کو بڑے سر و سامان سے رہنا سیاسی مصلحت کا تقاضا ہے وہاں آپ نے بالکل کوئی تعرض نہیں کیا جیسا کہ بیت المقدس کے دورہ کے وقت آپ نے بعض صحابہ کرامؓ کو اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو پہلے تو آپ کو ان کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر غصہ آیا لیکن جب انہوں نے کہا کہ ہمارا یہاں رومیوں سے ہر وقت سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ان کی نظر میں اس کے بغیر سلطنت کا رعب وداب قائم نہیں رہ سکتا تو پھر آپ خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔

سیدنا معاویہؓ کے ساتھ بھی آپ کا یہی معاملہ ہوا۔ سیدنا عمرؓ شام جا رہے تھے'

Marfat.com

دیکھا کہ سیدنا معاویہؓ ایک شاندار جلوس کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے گھوڑے سے اتر کر امیر المؤمنین کو سلام کیا۔ لیکن فاروقِ اعظمؓ جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: ”کم از کم آپ ان سے بات تو کر لیتے“۔ اب سیدنا عمرؓ نے معاویہؓ سے پوچھا: ”یہ شاندار جلوس تمہارا ہے؟“ انہوں نے کہا ”جی ہاں“۔ فرمایا: ”افسوس ہے تم پر ایسا کیوں ہے؟“ سیدنا معاویہؓ نے کہا: ”ہمارے ملک میں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اگر ہم اس شان و شوکت سے نہ رہیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا گورنر ہوں۔ آپ گھٹائیں گے تو گھٹ جاؤں گا‘ بڑھائیں گے تو بڑھ جاؤں گا۔ اور روک دیں تو رک جاؤں گا“۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے: ”معاویہ! میں جب تم سے بازپرس کرتا ہوں‘ صاف بچ کر نکل جاتے ہو“۔

سیدنا عمرؓ جب یہ دیکھتے کہ ان کے گورنر محض رعایا کی بھلائی اور بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں تو ان سے بہت خوش ہوتے تھے اور ان کی بے انتہا تعریف فرماتے تھے۔ عمیر بن سعدؓ کو انہوں نے حمص کا والی مقرر فرمایا‘ اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں لکھا: ”جتنا خراج تم نے وصول کیا ہے وہ سارے کا سارا لے کر میرے پاس پہنچو“۔ جب سیدنا عمیرؓ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے تو پوچھا: ”کیا لے کر آئے“۔ انہوں نے جواب دیا: ”آپ نے مجھے بھیجا اور میں وہاں پہنچا۔ میں نے قوم کے نیک لوگوں کو اکٹھا کیا اور خراج وصول کرنے کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ جب انہوں نے خراج جمع کر لیا تو میں نے اسے موقع موقع سے خرچ کر دیا۔ اگر اس میں سے آپ کے لئے کچھ بچتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پیش کرتا“۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ”اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کچھ لے کر نہیں آئے؟“ اور جب سیدنا عمیرؓ نے یقین دلایا کہ انہوں نے سارا خراج اہل حمص پر خرچ کر دیا ہے تو فرمایا: ”عمیرؓ کو پھر وہیں بھیج دو“ یہ وہی عمیرؓ ہیں جنہوں نے ایک مرتبہ حمص کے منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا: ”جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے وہ ناقابل شکست رہے گا“ لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور تازیانے سے مارنا نہیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مواخذہ کرنا ہے۔ انہی عمیرؓ کے بارہ میں ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا تھا کہ ”کاش عمیر بن سعدؓ جیسا کوئی شخص میرے پاس ہوتا جس سے میں مسلمانوں کے کام میں مدد لیتا“۔

عمال اور ارکان سلطنت کو بددیانتی اور کرپشن سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے

Marfat.com

ان کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں جس کی وجہ سے رشوت اور غبن کے واقعات معدوم ہو گئے۔ علاوہ ازیں آپ نے ارکان سلطنت میں دینی اقدار کو اجاگر کیا اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کے مواخذے کا تصور ان کے دلوں میں پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے تاریخ کی کتابوں میں ڈھونڈے سے بھی کرپشن کا کوئی واقعہ آپ کو نہیں ملے گا۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبرؒ اور حضرۃ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ عمال فاروقی کی تنخواہیں بیش قرار تھیں۔ صوبے داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور مال غنیمت کی تقسیم میں جو رقم انہیں ملتی وہ اس کے علاوہ تھی۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ گورنر شام کی تنخواہ ایک ہزار دینار ماہوار تھی جو اس ارزاں معیشت میں بہت زیادہ تھی۔ آج کل جو ایشیائی ملکوں اور ترقی پذیر ملکوں میں کرپشن اور بد دیانتی کا دور دورہ ہے اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو تنخواہوں کا کم ہونا، معیشت کا گراں ہونا۔ اور دوسری وجہ دولت کی ہوس۔ آج جب سرمایہ دارانہ نظام میں لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں اس شخص کی زیادہ عزت ہوتی ہے جس کے پاس دولت زیادہ ہے تو ہر امیر و غریب کے دل میں دولت کی ہوس اور حرص اسے بد دیانتی، رشوت اور غبن پر مجبور کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں ارکان اسمبلی کی کرپشن یا ہزاروں ارکانِ سلطنت کی بد دیانتی اور رشوت ستانی پورے معاشرے کو گدلا کر دیتی ہے۔

سیدنا عمرؓ نے لوگوں کو آخرت رُخی زندگی (Akherat oriented life) کا تصور دیا اور جس شخص کے ذہن میں آخرت رُخی زندگی کا تصور بیٹھ جائے وہ اس بات سے باخبر ہو جاتا ہے کہ دنیا میری منزل نہیں بلکہ آخرت منزل ہے اور دنیا صرف اس منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ جس طرح ایک دنیا پرست آدمی کی زندگی کی تمام سرگرمیاں دنیوی مصالح کے گرد گھومتی ہیں اسی طرح ایک بندہ خدا کی پوری زندگی کا رخ آخرت کی طرف ہو جاتا ہے۔ ہر معاملہ میں اس کا رویہ اس فکر کے تحت بنتا ہے کہ آخرت میں اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس آخرت رُخی زندگی کے تصور کے جاگزین ہونے کے بعد آدمی کے جینے کی سطح بدل جاتی ہے اور جب تک جینے کی سطح نہ بدلے عمل کی سطح نہیں بدل سکتی۔

یہ اسی آخرت رخی زندگی کا اثر تھا کہ سیدنا عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں فرمایا: ”اگر تم لوگ میرے اندر کوئی غلطی دیکھو تو کیا کرو گے؟“ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: ”خدا کی قسم! اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے تو ہم اس کو تلوار سے سیدھا کر دیں گے“۔ سیدنا عمرؓ نے اس شخص کی اس گستاخی پر تنبیہ کے بجائے فرمایا: ”خدا کا شکر ہے کہ اس

Marfat.com

نے مسلمانوں میں ایسے لوگ بنائے جو عمرؓ کی ٹیڑھ کو تلوار سے سیدھا کر دیں گے"۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ نے عمال وارکانِ حکومت کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں حالانکہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں ارکانِ حکومت کی تنخواہیں معمولی ہوتی تھیں۔ سیدنا علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم میں سے جو کوئی شخص بھی والی ہو' اگر اس کی بیوی نہ ہو تو بیوی کرے' نوکر نہ ہو تو نوکر رکھے' گھر نہ ہو تو گھر بنائے یا کرایہ پر لے' سواری کا جانور نہ ہو تو وہ لے' اس سے زیادہ جو لے گا وہ خائن ہے یا چور"۔

(کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۴۲)

سیدنا عتاب بن اسیدؓ جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مکہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے اور سیدنا ابوبکرؓ کے عہد میں بھی اس منصب پر فائز رہے' ان کی تنخواہ تیس درہم ماہانہ تھی۔ (التراتیب الاداریہ للکتانی جلد ۱ ص ۲۶۴) اتنی قلیل تنخواہ ناگزیر ضروریاتِ زندگی ہی کی کفیل ہو سکتی تھی' اس میں پس انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی' لہٰذا ان کی وفات کے بعد صرف دو کپڑے ان کے پاس موجود تھے۔ (الاصابہ جلد ۲ ص ۴۴۴ ترجمہ عتاب بن اسیدؓ)

سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے ریاست کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا اس وجہ سے بھی آپ نے ارکانِ سلطنت کی تنخواہیں زیادہ مقرر کیں اور ہر شخص کی ذمہ داری کے لحاظ سے اس کی تنخواہ میں اضافہ کیا۔

عہد فاروقی کے بعض عہدیداران کے نام

سیدنا فاروق اعظمؓ کی مدت خلافت ۱۰ سال چھ ماہ چار دن تھی۔ اس مدت میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہوا۔ لیکن آپ نے حکومت کے نظم و نسق کے دائرہ میں بھی وسعت پیدا کی اور جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ پوری مملکت کو مختلف صوبوں' ڈویژنوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا اور اس میں دیانتدار' نیک خصلت' مخلص اور قابل ترین حاکم مقرر فرمائے جن کی فہرست درج ذیل ہے۔ ان کے ناموں سے قاری کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ لوگ دینی' اخلاقی اور علمی لحاظ سے کیسے لوگ تھے۔

نام	مقامِ ماموریت	عہدہ	کیفیت
سیدنا ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں

Marfat.com

سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ	شام	والی	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا
سیدنا امیر معاویہؓ	شام	والی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں
سیدنا عمرو بن العاصؓ	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا
سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ	کوفہ	والی	آنحضرتؐ کے رشتہ میں ماموں اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں
سیدنا عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں۔ بصرہ انہی نے آباد کرایا
سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں
سیدنا عتاب بن اسیدؓ	مکہ مکرمہ	والی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ کا عامل مقرر کیا تھا
سیدنا نافع بن عبدالحارث	مکہ مکرمہ	والی	فضلائے صحابہ میں سے تھے
سیدنا خالد بن عاصؓ	مکہ مکرمہ	والی	ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے
سیدنا عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	والی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
سیدنا یعلیٰ بن امیہؓ	یمن	والی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے
سیدنا علاء بن حضرمیؓ	یمن	والی	بڑے با اثر تھے۔ آپؐ نے انہیں یمن کا والی مقرر کیا تھا
سیدنا نعمانؓ	مدائن	صاحب الخراج	
سیدنا عثمان بن حنیفؓ	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش میں نہایت ماہر تھے
سیدنا عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا
سیدنا عمرو بن سعدؓ	حمص	والی	سیدنا عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے
سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	والی	مشہور صحابی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

Marfat.com

			کے رازدار تھے
سیدنا نافع بن الحارثؓ			بڑے خاندانی آدمی تھے
سیدنا خالد بن حرث دہمانیؓ	اصفہان	افسر خزانہ	
سیدنا سمرہ بن جندبؓ	سوق الاہواز		اکابر صحابہؓ میں سے تھے
سیدنا نعمان بن عدیؓ	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا
سیدنا عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کمشنر مالگزاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنائی

(الفاروق' علامہ شبلی ص ۲۰۵)

Marfat.com

مالی نظام

(ریاست کے ذرائع آمدنی و مصارف)

اسلامی ریاست کے ذرائع محاصل مندرجہ ذیل ہیں

(۱) خراج (۲) جزیہ

(۳) فے اور غنیمت و خمس (۴) مشترکہ قومی املاک سے استفادہ

(۵) زمین کے اندر پائے جانے والے معدنی ذخائر (معادنِ باطنہ)

(۶) ریاستی کاروبار کے منافع

(۷) اوقاف

(۸) لاوارث افراد یا اداروں کے ترکے

اس کے علاوہ بھی کچھ اور مدات ہیں جن سے اسلامی ریاست کو آمدنی ہوتی ہے۔

ا۔ خراج

خراج اس کرایہ کا نام ہے جو اسلامی ریاست اپنی مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے۔ (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ 'ضیاء الدین الریس' ص ۱۵۶۔۱۵۷) کرایہ دار کی حیثیت عام کرایہ داروں جیسی بھی ہو سکتی ہے اور موروثی کاشتکاروں جیسی بھی۔ جو غیر مسلم کاشتکار اپنی زمینوں کے مالک نہ ہوں بلکہ اسلامی ریاست کی مملوکہ زمین پر کرایہ دار یا موروثی کاشتکار کی حیثیت سے کاشت کر رہے ہوں 'ان سے حکومت اس زمین پر جو کرایہ وصول کرے گی اسے خراج کہا جاتا ہے۔ اس کرایہ کی کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ مختلف زمانوں میں

Marfat.com

زمین کی کیفیت کے لحاظ سے مختلف شرحیں رہی ہیں جو کہ کاشتکار کی ضروریات اور زمین کی کیفیت کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔

جو غیر مسلم جنگ کے بعد اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں ان کی زمینیں ان کی ملکیت نہیں رہ جاتیں بلکہ اسلامی ریاست کی ملکیت میں چلی جاتی ہیں۔ خراج کا تعلق اصلاً ایسی ہی زمینوں سے ہے۔

(کتاب الاموال لابی عبید ص ۶۸، ص ۷۹، ۲ الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ ص ۱۱۱)

صیغہ محاصل میں خراج کی یہ مد ایک نیا اضافہ ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں میں محاصل کی اس مد کا پتہ نہیں چلتا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہودیوں نے کہا کہ ہم ان زمینوں کے مالک ہیں اور ان کا جوتنا اور بونا ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں، اس لیے ہمارے ساتھ بٹائی پر معاملہ کر لو۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی اور نصفا نصفی پر معاملہ کر لیا۔ فدک کے لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی معاملہ کرنا چاہا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست بھی منظور فرمائی۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۵۰۔ ۵۱)

سیدنا ابو بکرؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ "مقاسمت" یعنی بٹائی پر رکھا۔ (کتاب الخراج ص ۵۰) لیکن سیدنا ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں عراق اور شام کے جو علاقے فتح ہوئے تھے آپ نے ان پر سرسری طور پر کچھ رقم متعین کر دی تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امام کو کلی اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو مفتوحہ زمین پر بٹائی پر معاملہ کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ایک خاص رقم مقرر کر دے، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ زمین بزور شمشیر فتح کی گئی ہو اور امام نے اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو۔

۱۶ھ میں جب مسلمان فوجوں نے عراق عجم پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف یرموک کی فتح نے رومی حکومت کی قوت کا استیصال کر دیا تو اب سیدنا عمرؓ نے فوج کے نظم و نسق کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن اس معاملہ میں آپ کو نہایت مشکل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ فوج کے سپہ سالاروں کا اصرار تھا کہ تمام مفتوحہ علاقوں کی زمینیں جو فوج نے بزور شمشیر حاصل کی ہیں، مال غنیمت کی طرح فوج میں تقسیم کر دی جائیں اور وہاں کے باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ سیدنا عمرؓ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن دوسری طرف

Marfat.com

امرائے فوج کا اصرار تھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو عراق کی مردم شماری کا حکم دیا۔ انہوں نے نہایت محنت اور کوشش سے مردم شماری کی اور وہاں کے کل باشندوں اور فوج کی تعداد کا موازنہ کیا۔ پتہ چلا کہ ایک مسلمان کے حصہ میں تین آدمی آتے ہیں۔ اب سیدنا عمرؓ نے یہ رائے قائم کی کہ زمین وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور لوگوں کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔

(فتوح البلدان ص ۲۴۶، کتاب الخراج ص ۲۱، طبری جلد ۳ ص)

چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ :

"امابعد! مجھے تمہارا خط موصول ہوا۔ تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کے اموال غنیمت اور جو کچھ اللہ نے انہیں بطورِ غنیمت عطا فرمایا ہے وہ سب ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد جائزہ لو کہ لوگ تمہارے پاس لشکر میں از قسم مال و مویشی وغیرہ کیا کیا لے کر آئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو تم ان مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دو جو موجود ہوں اور جنگ میں شریک رہے ہوں۔ زمینیں اور نہریں ان پر محنت کرنے والوں کے پاس چھوڑ دو تاکہ یہ مسلمانوں کو وظائف جاری کرنے میں کام آئیں۔ اگر تم انہیں بھی موجودہ لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو گے تو ان کے بعد آنے والوں کے لئے کچھ بھی باقی نہ بچے گا"۔ (کتاب الخراج ص ۲۱)

جب فوج اور کچھ صحابہ کرامؓ کا اصرار زیادہ بڑھا تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا :

"پھر ان مسلمانوں کا کیا ہو گا جو آئندہ آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین اس پر محنت کرنے والے دہقانوں سمیت تقسیم کی جا چکی ہے اور وراثت میں بیٹوں کو منتقل ہو چکی ہے۔ اور انفرادی ملکیت بن کر مخصوص ہو چکی ہے۔ یہ تو کوئی رائے نہ ہوئی"۔

اس سلسلہ میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا بلالؓ فوج کے ہم نوا تھے۔ اس بارہ میں امیر المؤمنین پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان سے پوچھا: "پھر کیا رائے ہے؟ زمین اور اس پر کام کرنے والے دہقان سوائے اس کے اور کیا ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں کو عطا کر دیا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

"اس کی نوعیت تو وہی ہے جو تم بتا رہے ہو لیکن میں اس تقسیم کے حق میں نہیں

Marfat.com

ہوں۔ بخدا! میرے بعد کوئی ایسا ملک فتح نہیں ہوگا جس سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل ہو بلکہ شاید وہ مسلمانوں پر بار ثابت ہوں۔ جب عراق کی زمین اپنے کاشتکاروں سمیت فوج میں تقسیم کر دی جائے گی اور اسی طرح شام کی زمین بھی کاشتکاروں سمیت تقسیم کر دی جائے گی تو سرحدوں کی حفاظت کس ذریعہ سے کی جائے گی۔ اور اس ملک میں عراق و شام کے دوسرے علاقوں میں جو کم سن بچے اور بیوائیں ہیں ان کا کیا ہوگا"۔ (کتاب الخراج ص ۲۱۔۲۲)

اس سلسلہ میں سیدنا معاذ بن جبلؓ نے سیدنا عمرؓ کی موافقت کی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ جب جابیہ تشریف لائے تو انہوں نے مسلمانوں میں زمینیں تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر سیدنا معاذؓ نے ان سے کہا: "واللہ! اگر ایسا کیا گیا تو ناخوشگوار نتائج پیدا ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ زمینیں تقسیم کر دیں تو لوگوں کو بے تحاشا دولت ہاتھ لگ جائے گی۔ پھر ان کے مرنے پر ممکن ہے کہ یہ ایک مرد یا عورت کو مل جائے۔ اور جو لوگ ان کے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں گے انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا لہٰذا کوئی ایسی تدبیر اختیار کیجئے جو شروع میں موجودہ لوگوں اور بعد میں آنے والوں دونوں کے لئے یکساں مفید ہو"۔

(کتاب الاموال لابی عبید جلد ا ص ۱۸۶)

جب اس معاملہ نے زیادہ طول کھینچا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کی مجلس مشاورت طلب کی سیدنا عمرؓ کو دفعتاً قرآنِ حکیم کی ایک آیت یاد آئی جو آپ کے موقف کی دلیل قاطع تھی۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلاً من الله ورضواناً وينصرون الله ورسوله' اولئك هم الصادقون

(الحشر: ۸)

یہ مال ان مفلس مہاجرین کے لئے ہیں جن کو ان کے گھروں اور اموال سے زبردستی بے دخل کر کے نکال دیا گیا۔ یہ لوگ اللہ کی رضامندی اور اس کے فضل کے طلب گار بن کر اللہ کے اور اس کے رسول کی مدد کرنے آئے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنی میں سچے لوگ ہیں۔

اس آیت کے بعد ہے "والذین جاء وا من بعدھم الخ" سیدنا عمرؓ کا استدلال یہ تھا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے، لیکن اگر ساری زمینیں ان فاتحین میں تقسیم کر

Marfat.com

دی جائیں تو آئندہ نسلیں اس سے کلیتاً محروم ہو جائیں گی۔ مجلس مشاورت کا اجلاس طلب کیا گیا۔ سیدنا عثمانؓ' سیدنا علیؓ' سیدنا طلحہؓ کی رائے وہی تھی جو سیدنا عمرؓ کی تھی' انصار کے دس افراد جن میں پانچ اوس سے اور پانچ قبیلہ خزرج سے تھے' کو بھی اس اجلاس میں طلب کیا گیا۔ جب یہ لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ نے ان کے سامنے حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

"میں نے آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری ہے' اس میں میرا ہاتھ بٹائیں کیونکہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہو گا۔ بعض حضرات نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ حضرات وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے۔ بخدا! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباع حق کے کچھ اور نہیں"۔

جب آپ یہ کہہ چکے تو مجلس مشاورت کے ارکان نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ فرمایئے' ہم سنیں گے اور غور کریں گے"۔ آپ نے فرمایا:

"آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں نے کوئی ایسی شئے جو ان لوگوں کا حق تھی' ان کو نہ دی ہو اور دوسرے کو دے دی ہو تو میں بڑا ہی بدبخت ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی جو فتح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال' زمینیں اور کاشتکار بھی بطور غنیمت عطا کر دیے ہیں ____ ان لوگوں کو غنیمت میں جو مال ملا تھا اسے تو میں نے ان کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے اور پانچواں حصہ نکال کر اسے اس کے متعینہ مصارف میں تقسیم کر دیا ہے۔ بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو اس کے کاشتکاروں سمیت سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کر دوں اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اسی طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے ایک مستقل آمدنی کا کام کرے گا جس کی آمدنی سے فوجی' کم سن افراد اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ دیکھئے! ان سرحدوں کی حفاظت

کے لئے بہر حال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام' الجزیرہ' کوفہ' بصرہ اور مصر وغیرہ' ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم کرنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے رقم دی جائے گی"۔

سیدنا عمرؓ نے اپنا موقف کچھ اس مدلل طریق سے بیان کیا کہ سب نے آپ کا بیان سن کر کہا:

"آپ ہی کی رائے صحیح رائے ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ قابل تحسین ہے اور جو رائے آپ نے قائم کی ہے وہ نہایت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لئے بطور تنخواہ اگر کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔"

جب مجلس مشاورت نے اپنا فیصلہ سیدنا عمرؓ کے حق میں دے دیا تو آپ نے اب انہی سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا ماہر اور دانش مند شخص بتایئے جو ان زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کر دے اور کاشتکاروں پر ان کی برداشت کے مطابق خراج تجویز کر دے۔ سب حضرات نے بالاتفاق سیدنا عثمان بن حنیفؓ کا نام پیش کیا اور کہا کہ یہ صاحب فہم و بصیرت اور ماہر اور تجربہ کار ہیں آپ ان کو اس کا ذمہ دار بنا کر روانہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ان کو فوری طور پر عراق کے بندوبست کے کام پر مقرر فرما دیا۔ ان کے ساتھ ایک دوسرے بزرگ صحابی سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ کو بھی لگایا گیا۔ یہ دونوں حضرات عراق میں زیادہ تر رہنے کی وجہ سے اس کام سے بخوبی آشنا تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ زمین کی پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے ہاتھ سے تیار کر کے ان حضرات کو دیا اور انہوں نے کئی ماہ تک بڑے اہتمام اور جانچ پڑتال سے پیمائش کا کام جاری رکھ کر بندوبست کا تمام حساب کتاب تیار کیا۔

ان دونوں حضرات نے عراق کا جو بندوبست کیا وہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ میل یعنی ۳۰۰۰۰ میل مکسر پیمائش کیا گیا۔ اور پہاڑ' صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہرایا گیا۔

Marfat.com

شاہی خاندان کی جاگیر' آتش کدوں اور عام لوگوں کے اوقاف' لاوارثوں' مفروروں اور حکومت کے باغیوں کی جائیدادیں' وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری کے لئے مخصوص تھیں' دریا بر آورد وغیرہ' جنگلات' ان تمام اراضیات کو سیدنا عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر جن کی مجموعی آمدنی ستر (۷۰) لاکھ تھی' رفاہِ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کردی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے عوض جاگیر بھی انہی زمینوں سے عطا کی جاتی تھی۔ لیکن یہ زمینیں بھی خراجی یا عشری ہوتی تھیں۔ ملک کا تمام بندوبست کر کے زمین قدیم قبضہ داران اور مالکان کے پاس رہنے دی گئی' لیکن اس پر حسبِ ذیل شرح سے لگان اگا دیا گیا۔

ا۔	گیہوں	۴درہم سالانہ فی جریب
۲۔	جو	۱درہم سالانہ فی جریب
۳۔	روئی	۵درہم سالانہ فی جریب
۴۔	نیشکر (گنا)	۶درہم سالانہ فی جریب
۵۔	انگور	۱۰درہم سالانہ فی جریب
۶۔	نخلستان	۱۰درہم سالانہ فی جریب
۷۔	تل	۸درہم سالانہ فی جریب
۸۔	ترکاری	۳درہم سالانہ فی جریب

بعض روایات میں ان شرحوں میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب ۔موال اور کتاب الخراج میں گیہوں پر ۴درہم سالانہ فی جریب اور جو پر ۲درہم سالانہ فی جریب کی روایت بھی ہے۔ (کتاب الخراج ص ۲۳ کتاب الاموال جلد ا ص ۱۶۴)

روایات میں ہے کہ خراج کی یہ شرح سیدنا عثمان بن حنیفؓ نے سفارش کر کے بھیجی اور سیدنا عمرؓ نے ان کو نافذ فرمادیا۔ لیکن ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ وفات سے تین یا چار دن قبل سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ اور سیدنا عثمان بن حنیف سے یہ کہہ رہے تھے: ''شاید تم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے وہ برداشت نہیں کرسکتی''۔ سیدنا عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نے زمین پر اتنا ہی مالیہ عائد کیا ہے جسے وہ برداشت کرسکتی ہے۔ اور اگر میں چاہتا تو اپنی زمین پر اس سے دگنا بار ڈال سکتا تھا''۔ سیدنا حذیفہؓ نے بھی کہا: ''میں نے جو شرحیں عائد کی ہیں انہیں یہ علاقہ برداشت کرسکتا ہے۔ اب جو فاضل بچ رہے گا وہ بہت زیادہ نہ ہوگا''۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

Marfat.com

"غور کر لو' ایسا نہ ہو کہ تم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔ اگر میں اہلِ عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لئے زندہ رہا تو انہیں ایسے حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں"۔ (کتاب الخراج ص ۲۶)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عثمان بن حنیفؓ کو خراج کے معاملات اور زمین کے بندوبست میں خوب مہارت تھی' لہٰذا انہوں نے زمین کی پیائش اسی طرح ٹھیک ٹھاک کی جس طرح کپڑا ناپا جاتا ہے لیکن خوجی کے باشندے بد اطوار تھے' انہوں نے سیدنا حذیفہؓ کو دھوکا دیا اور پیائش میں ان سے تعاون نہ کیا۔ اس وقت جوخی کی زمین آباد اور کار آمد تھی لیکن اس واقعہ کے بعد سے اجڑ گئی۔ اس کا پانی زمین میں اتر گیا۔ اس کے منافع گھٹ گئے' اور پھر اس کا مالیہ کم ہو گیا۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ باشندگانِ جوخی نے پیائش میں سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ کو دھوکا دیا۔ (کتاب الخراج ص ۲۶)

عراق کی زمین کے بندوبست کے دوسرے سال ہی فراخ کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس لاکھ درہم تک پہنچ گئی اور پھر ہر سال اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہا۔ امام ابو یوسفؒ نے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ کے پاس جب عراق کا خراج آتا تو کوفہ اور بصرہ کے دس دس ثقہ اور معتمد اشخاص بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوتے اور ان کو چار دفعہ شرعی قسم دے کر پوچھا جاتا تھا کہ اس مالگزاری کے اکٹھا کرنے میں کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم تو نہیں کیا گیا۔ (کتاب الخراج ص ٦٥)

سیدنا عمرؓ کی اسی نیک نیتی اور خلوص اور لوگوں کی بہی خواہی کا نتیجہ تھا کہ جتنا خراج ان کے زمانہ میں اکٹھا ہوا اتنا اس کے بعد پھر کبھی نہیں ہوا۔ یہ ان کی عدل گستری اور رعایا پروری کا نتیجہ تھا کہ آسمان سے برکتیں نازل ہوتی تھیں۔

عراق کے بندوبست کے علاوہ سیدنا عمرؓ نے کسی علاقے کا بندوبست نہیں کروایا بلکہ وہاں کی زمینوں کا جو بندوبست پہلی حکومتوں کے زمانے میں ہوا تھا اس کو قائم رکھا۔ بلکہ آپ نے ان علاقوں کی زبان تک بھی نہ بدلی۔ آپ نے ان علاقوں کے پرانے انتظامی طریقہ میں جہاں اصلاح ضروری سمجھی وہاں اصلاح کر دی وگرنہ دوسرا انتظامی نظم و نسق اُسی طرح رہا۔

مصر کی مالگزاری

یہ تو عراق کی مال گزاری کا معاملہ تھا۔ مصر کا علاقہ جب فتح ہوا تو یہ نہایت زرخیز

علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے بھی اس ملک کو فتح کر کے جو رپورٹ بارگاہِ خلافت میں بھیجی تھی اس میں اس کی زرخیزی کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ چنانچہ جب مصر مکمل طور پر فتح ہو گیا تو سیدنا عمرؓ نے اس کی مال گزاری کے قدیم طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ کی بلکہ مالگزاری کے وصول کرنے کے طریقہ میں نہایت نرمی کر دی کیونکہ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی زراعت کا دارومدار دریائے نیل پر ہے۔ اور چونکہ دریائے نیل کے بہاؤ میں ہر سال تفاوت ہوتا رہتا تھا' اس لیے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نے یہاں یہ طریقہ رائج کیا کہ جب مال گزاری کا وقت آتا تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف (پیداوار کا اندازہ لگانے والے) طلب کیے جاتے اور وہ پیداوار کی صورت حال دیکھ کر ایک تخمینہ حکومت کو پیش کرتے۔ پھر ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا الگ الگ تخمینہ لگایا جاتا جس میں مقامی زمیندار اور نمبردار شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم پھر ان لوگوں کے باہمی مشورے سے ہر ہر گاؤں کی پیداوار پر پھیلا دی جاتی اس طریقہ سے جو رقم یا پیداوار اکٹھی ہوتی اس میں سے اوّل گرجاؤں' اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ اور باقی جو بچتا اس کو دوسرے حکومتی مصارف میں لایا جاتا۔ اس طریقہ سے اگرچہ بڑی تکلیف اٹھانا پڑتی گویا ہر سال بندوبست کرنا پڑتا لیکن مصر کے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ایک عدل گستر اور انصاف پرور خلیفہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس احتیاط کے باوجود بھی سیدنا عمرؓ کے زمانے میں جو خراج مصر سے وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جس قدر خراج مصر سے وصول ہوا اس کے بعد والے زمانوں میں اتنا کبھی وصول نہیں ہوا۔ یہ بھی سیدنا عمرؓ کی رعایا پروری اور عدل گستری کی برکت تھی۔

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ ایک کروڑ بیس لاکھ دینار کی رقم جزیہ کی رقم تھی' خراج کی رقم اس کے علاوہ تھی۔ چنانچہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب سیدنا عمرو بن العاصؓ نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو سیدنا عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پہلے سال ۲۰ کروڑ دینار وصول کیے تھے' سیدنا عمرو بن العاصؓ سے باز پرس کی۔ اور یہ بات تو مسلمہ ہے کہ مقوقس کے زمانہ میں جزیہ نہ تھا۔ جزیہ تو اسلام نے آکر نافذ کیا۔ بہر حال خراج کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ ہو یا اس سے زیادہ اس زمانے میں یہ ایک بہت بڑی رقم تھی جو

Marfat.com

مصر جیسے زر خیز علاقے سے وصول کی جاتی تھی۔

شام سے خراج کی آمدنی

شام کی فتح کے بعد وہاں سیدنا عمرؓ نے مال گزاری کا بندوبست تو نہ کروایا بلکہ وہاں پہلے سے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج تھے اور اس پر مدارج کے اختلاف کے لحاظ سے لگان اور خراج بھی مختلف لگایا جاتا تھا۔ اسلامی فتوحات تک یہی قانون جو کسی یونانی بادشاہ نے وہاں رائج کیا تھا' جاری وساری تھا۔ سیدنا عمرؓ نے یہاں بھی مصر کی طرح وہی پرانا قانون جاری رکھا۔ اور اسی قدیم بندوبست کے لحاظ سے سیدنا عمرؓ کے زمانے سے شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا' اس کی مقدار کتابوں میں ایک کروڑ ۴۰ لاکھ دینار آئی ہے۔ اسی طرح ملک کے دوسرے علاقوں میں خراج کی آمدنی جمع ہوتی تھی' لیکن اس کی تعداد کتابوں میں کم ملتی ہے۔ بہر حال خراج سیدنا عمرؓ کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔

قانون مالگزاری میں فاروقی اصلاحات

مالگزاری کا قانون تو سیدنا عمرؓ کی خلافت سے قبل کا ہے اور ہر حکومت نے اس کو اپنی آمدنی اور سیاسی رشوت کا ذریعہ بنایا۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے اس صیغہ میں عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی خوش حالی کے لئے کئی اہم اصلاحات کیں جن سے ملک کے کاشتکار اور ہاری خوش حال ہو گئے۔ اور آپ کی ان اصلاحات نے ملک کے قدیم قانون کو بالکل ختم کر دیا۔ جس نے غریب کاشتکاروں کی زندگی اجیرن بنائی ہوئی تھی۔

رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو انہوں نے تمام زمینیں اصل باشندوں سے چھین کر بڑے بڑے لوگوں میں جو افسران فوج اور حکومت کے اعضاء و جوارح تھے' تقسیم کر دیں۔ کچھ زمینوں کو شاہی جاگیریں قرار دے دیا گیا۔ کچھ اپنے کلیساؤں پر وقف کر دیں۔ اور ملک کے اصل باشندوں کے ہاتھ میں ایک بالشت زمین بھی نہ رہنے دی۔ وہ جو اصل مالکانِ زمین تھے اب کاشتکار اور ہاری ہو گئے۔ اب اگر کوئی جاگیردار اپنی زمین کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی فروخت ہو جاتے۔ اس طریقہ سے زمین کاشت کرنے والے ہاریوں کے کچھ ہاتھ نہ آتا۔ زمین کی ساری آمدن زمیندار لے جاتا اور ہاری جس نے کڑاکے کی گرمی اور شدت کے جاڑوں میں اپنا خون پسینہ ایک کر کے زمین کو کاشت کیا ہوتا پورا سال نانِ شبینہ کا محتاج رہتا۔ جیسا کہ پاکستان میں

Marfat.com

جاگیرداروں اور ہاریوں کا معاملہ ہے۔ اسی طریقہ سے یہ لوگ ۵۲ سال سے پاکستان کی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں کیونکہ معاشی طاقت کا سلب کر لینا، افراد کے ہاتھوں سے سیاسی طاقت بھی سلب کر لینے یا اسے بے انتہا کمزور اور غیر مؤثر بنا دینے کو مستلزم ہے۔

سیدنا عمرؓ نے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کو فوری طور پر ختم کیا اور اس میں ترمیم یہ کی کہ رومی جاگیرداروں کے قبضے سے تمام زمین نکال کر کاشتکاروں کے حوالے کر دی اور جاگیرداروں کے حقوقِ ملکیت ان کاشتکاروں اور ہاریوں کے نام منتقل کر دیے اور مسلمان افسروں اور فوجی جرنیلوں کے لئے قانون بنادیا کہ نہ وہ کسی کی زمین پر قابض ہو سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کوئی زمین قیمتاً خرید سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ نے ان تمام عربوں کے لئے جو ان علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے تھے ' زراعت کرنا ممنوع قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ نے تمام گورنروں کے نام سرکلر جاری کر دیے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں لہٰذا کوئی عرب زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو سیدنا عمرؓ نے اس کو بلا کر فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت حاصل ہو۔ (حسن المحاضرہ ص ۹۳)

عربوں پر زراعت کی پابندی کچھ اس وجہ سے بھی آپ نے لگائی کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے الہامی طور پر یہ محسوس فرمایا کہ نفس انسانی جب روحانی بلندیوں کی طرف پرواز کرتا ہے تو خواہشات کی مقناطیسی قوتیں اسے ہمیشہ بلندی سے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جو ان کی فطرت وطبیعت سے مناسبت رکھتی ہیں' فضا میں اڑنے والے اس پرندے کی طرح جو ہمیشہ کشش زمین کی زد میں رہتا ہے۔ پس اگر سیدنا عمرؓ دوسروں کے واسطے نمونہ بننے کے لئے سب سے پہلے اپنی کمزوریوں کا مقابلہ نہ کرتے اور پھر تمام لوگوں کی کمزوریاں دور نہ فرماتے تو اندیشہ تھا کہ وہ ان اصول ومبادی سے اپنی راہ سے نہ ہٹ جائیں جو انہیں اس وقت اس بلندی کی طرف لے گئے تھے۔ اور دنیا کی خواہش ان پر غالب آ کر انہیں ان کی پہلی روش پر نہ ڈال دے اور اس روش کو ایک ایسے نئے روپ میں پیش نہ کر دے کہ دیکھنے والا اسے اسلام کے مبادی وتعلیمات سے ہم آہنگ سمجھنے لگے۔

سیدنا عمرؓ نے غازیانِ عرب کو عراق' شام اور مصر میں کھیتی باڑی کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ جنگ آزما اور فاتح لشکریوں کی حیثیت سے اسلامی چھاؤنیوں ہی میں رکھا۔ چنانچہ وسیع وعریض اسلامی سلطنت اسی سیاست کا حتمی نتیجہ تھی۔ یہ سیدنا عمرؓ کی دوربینی اور دور

اندیشہ تھی کہ عرب کے اصلی جوہر جرأت و بہادری' جانبازی و جفاکشی اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زراعت سے الگ رہے۔ جس روز انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا اسی دن ان سے یہ تمام اوصاف جو ایک قوم کی زندگی کا باعث ہوتے ہیں' ان سے رخصت ہو گئے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو زمین لینے اور کھیتی باڑی کرنے سے اس لئے منع فرمادیا تھا تاکہ زراعت انہیں جہادی اعمال سے غافل نہ کردے اور زمین کی محبت میں وہ اس رسالت کبریٰ کو نہ بھول جائیں جس کے لئے کارکنان قضاو قدر نے عربوں پر یہ فریضہ عائد کیا تھا کہ وہ اسے لے کر اٹھیں اور اللہ کے نور و حکمت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلادیں۔ رجسٹروں کی ترتیب اور وظائف کی تعین نے قرونِ اولیٰ کے ان عربوں کو ادائے رسالت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فرض کی گئی تھی' کتنی مدد دی۔ اور یہی ادائے رسالت تھی جس نے تاریخ میں ان کے نام کو بقائے دوام بخشی اور تاریخی کتابوں کے صفحات ان کے کارناموں سے جگمگا اٹھے۔ جس جذبے کے تحت سیدنا عمرؓ یہ چاہتے تھے کہ عرب اسلام کا پرچم لہرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں' اسی جذبے نے انہیں اس امر سے باز رکھا کہ وہ خراج اور جزیے کی رقم جزیرہ نمائے عرب کی سرزمین پر صرف کردیں اور سدِ مارب کے سے بند باندھ کر اس کے ریگ زاروں کو لہلہاتی زمینیں بنادیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو عرب جہاد کو چھوڑ کر اس زندگی کی طرف ڈھل جاتے جس میں مشقت بھی کچھ ایسی زیادہ نہ تھی اور خطرات بھی برائے نام تھے اور اسلامی رسالت کی تبلیغ اس طرح کبھی نہ کرتے جس طرح انہوں نے کی۔ اس کے علاوہ جتنی مہارت انہیں جنگ اور تجارت میں تھی' زراعت میں نہ تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے عراق اور دوسرے مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو زمین خریدنے اور زراعت کرنے سے حکماً ممنوع فرمادیا۔

اس سلسلہ میں سیدنا عمرؓ نے ایک اور تبدیلی یہ اختیار کی کہ بندوبست اور اس کے تمام متعلقہ امور میں ان ملکوں کی ذمی رعایا سے ہمیشہ رائے طلب کی اور جو مشورے انہوں نے دیے ان کو اکثر و بیشتر قبول کیا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے جب عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو وہاں کے گورنروں کو لکھا کہ وہاں کے دو رئیسوں کو مترجموں سمیت مدینہ بھیجو۔ چنانچہ ان رئیسوں کی سفارت کو مالگزاری کے بندوبست میں خاص اہمیت دی گئی۔ پھر بعد میں عراق کے دس بڑے زمیندار مشورہ کے لئے مدینہ بلائے گئے۔ (کتاب الخراج ص ۵) اسی طرح مصر اور دوسرے

Marfat.com

علاقوں سے بھی مختلف لوگوں کو بلا کر خراج کی تعیناتی کے بارہ میں ان سے مشورہ کیا گیا۔

ان سب چیزوں کا غیر مسلم رعایا پر خاصا اثر ہوا اور جب انہوں نے دیکھا زمین پر ہمارے حقوق کی حفاظت کی جا رہی ہے اور اب پہلے کی طرح ہماری حیثیت ڈھور ڈنگروں کی نہیں رہی اور ہر معاملہ میں ہمارے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جا رہا ہے تو انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ زمینوں پر کام کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی اور بنجر اور بے آباد زمینوں نے بھی اب سونا اگلنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مغربی دانشوروں نے لکھا ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگزاری کے معاملات کو بہت دخل ہے کیونکہ ایرانیوں اور رومیوں نے کاشتکاروں کو جس بری طرح سے پامال کیا ہوا تھا' مسلمانوں نے انہیں قعرِ مذلت سے نکال کر انسانیت کی بلندی پر لا کھڑا کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے حملوں کے دوران مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے مسلمان فوجوں کی بہت مدد کی' اور دمشق اور حمص کے باشندوں نے تو مسلمانوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "رومیوں کی حکومت کے مقابلہ میں تمہاری حکومت کو ہم بہت زیادہ پسند کرتے ہیں"۔

زراعت کی ترقی کے ذرائع

سیدنا عمرؓ نے نہ صرف ملک کے مختلف علاقوں میں مالگزاری کا بندوبست کروایا بلکہ زراعت کی ترقی کی بھی مختلف تدابیر اختیار کیں۔ اس کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کیے۔

ا۔ احیاءِ موات

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں "موات" کا اطلاق ان تمام زمینوں پر ہوتا ہے جو آبادی سے باہر ہوں' کسی کی ملک میں نہ ہوں' نہ ان پر کسی کا کوئی مخصوص حق ہو (بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۱۹۴) مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ان زمینوں کی تعریف یوں مرقوم ہے:

> "ایسی زمینیں جو نہ کسی کی ملک میں ہوں' نہ کسی شہر یا گاؤں کے باشندے انہیں چراگاہ کے طور پر یا ایندھن حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہوں' اور جو آبادی کی آخری حد سے کم از کم اتنے فاصلے پر واقع ہوں کہ بلند آواز آدمی اگر وہاں کھڑا ہو کر پوری قوت سے چلائے تو بھی وہاں نہ سنائی دے"۔
>
> (مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ نمبر ۱۲۷)

ان "موات" کے بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ:

"زمانہ قدیم سے افتادہ چلی آنے والی زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں۔ پھر یہ ان کی جانب سے تمہارے لئے ہیں۔ پس جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کی ہو گئی اور احاطہ بندی کرنے والے کا تین سال بعد کوئی حق باقی نہ رہ جائے گا"۔ (کتاب الخراج ص ۷۷)

شریعتِ اسلامیہ میں غیر مملوکہ افتادہ زمینوں کو کار آمد بنانے والے کے حقِ ملکیت کا ثبوت مختلف احادیثِ نبویہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری میں سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کسی ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے"۔ (بخاری باب من احیاء ارضاً مواتاً)

قبضہ ابتدائی کو دنیا کے قریباً تمام قوانین میں ذریعہ ملکیت تسلیم کیا گیا ہے' لیکن اسلام نے اسے جن شرائط کا پابند بنایا ہے اس نے اس ضابطہ کو ایک مخصوص مزاج عطا کر دیا ہے۔ اسلامی ضابطہ ملکیت کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں بنائے ملکیت صرف قبضہ کو نہیں بلکہ قبضہ کر کے کار آمد بنانے کو قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا عمرؓ نے زراعت کی ترقی کے لئے یہ عام حکم دے دیا کہ تمام ممالک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں' جو شخص ان کو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضہ میں لائے اور اسے تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضہ سے نکل جائے گی۔ (کتاب الخراج ص ۷۷' بخاری' باب من احیاء ارضاً مواتاً' ابو داؤد' باب احیاء الموات) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام زمینیں جو عرصہ دراز سے بنجر پڑی ہوئی تھیں' زمیندار لوگ ان پر قبضہ کر کے ان کے مالک بن گئے اور تین سال کے عرصہ میں وہ زرخیز اور غلہ پیدا کرنے والی ہو گئیں۔ جس سے ملک کی زراعت کو بہت ترقی ہوئی۔

۲۔ غیر مملوکہ زمینوں کے بارہ اعلان

مسلمان افواج نے جب عراق و شام اور مصر کے علاقوں پر حملہ کیا تو کئی لوگ اپنا گھر بار زمینیں چھوڑ کر فوج کے ڈر سے دوسرے ملکوں یا دوسرے شہروں میں چلے گئے۔ جس سے ان کی مملوکہ زمینیں بنجر اور غیر آباد ہو گئیں۔ اس سے ملک کی زراعت کو اچھا خاصا نقصان

Marfat.com

ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے اعلان کیا کہ وہ حضرات واپس آ کر اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد وہ لوگ واپس اپنے گھروں میں آ گئے اور اپنی زمینوں کو آ کر آباد کیا جس سے ملک کی پیداوار میں خاصا اضافہ ہوا۔

۳۔ زراعت کی حفاظت

اسلام کی ان فتوحات سے قبل کاشتکار لوگ جاگیرداروں سے اس لحاظ سے بھی تنگ تھے کہ جب ان ملکوں کی افواج ان کے علاقوں میں سے گذرتیں تو تمام کھیتیوں اور باغات کو پامال کر کے چلی جاتیں اور ان کاشتکاروں کی تمام سال کی محنت اکارت ہو جاتی۔ کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوتا۔ سیدنا عمرؓ نے اعلان کیا کہ اگر کسی علاقہ میں سرکاری افواج کسی کھیتی کو برباد یا پامال کریں گی تو اس کا معاوضہ حکومت ادا کرے گی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدنا عمرؓ سے آ کر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گذری اور اس نے میری زراعت کو برباد اور پامال کر دیا۔ سیدنا عمرؓ نے اسی وقت تخمینہ لگوا کر اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔ (کتاب الخراج ص ۶۸)

۴۔ آبپاشی کے ذرائع

زمین پر کتنی ہی محنت کیوں نہ کی جائے جب تک وافر پانی نہ ہو اس وقت تک زمین پیداوار نہیں دیتی۔ چنانچہ بعض کتابوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ آپ نے آبپاشی کا ایک محکمہ قائم کیا جس نے تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ بڑے بڑے تالاب بنائے جن میں پانی جمع رکھا جاتا۔ بند باندھے۔ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور سال بھر نہروں کی مرمت اور ان کی صفائی میں لگے رہتے اور ان کے تمام مصارف حکومت کے خزانہ سے ادا کیے جاتے (مقریزی جلد ۱ ص ۷۶)۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی علاقوں میں سیدنا عمرؓ نے نہریں کھدوائیں جن سے زراعت کو خوب ترقی ہوئی۔

۲۔ جزیہ

اسلامی حکومت کا خراج کے بعد دوسرا ذریعہ آمدنی جزیہ ہوتا ہے۔ جزیہ کیا ہے؟ اس کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ:

"ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کو

Marfat.com

جزیہ کہتے ہیں۔ یہ جزیہ صرف ایسے مردوں پر لگایا جاتا ہے جو فوجی خدمت کے قابل ہوں۔ عورتیں اور بچے اس ٹیکس سے مستثنٰی ہیں۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی مستثنٰی ہیں جو مال نہیں رکھتے۔ نادار مذہبی پیشواؤں کو بھی اس سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے۔ یہ ٹیکس اشخاص کی حیثیت کے لحاظ سے لگایا جاتا ہے"۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جزیہ امان کا بدلہ ہے یعنی انہیں امان دی گئی تو اس کے عوض انہوں نے جزیہ دیا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۱۴) یہ معاوضہ کس بات کا لیا جاتا ہے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) چونکہ ذمی یہ رقم اس امن کے معاوضہ میں دیتے ہیں جو انہیں اسلامی ریاست دیتی ہے اس لیے اس کا نام جزیہ رکھا گیا جیسا کہ قرطبی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) چونکہ ان ذمیوں کا خون نہیں بہایا جاتا للہذا ان کی جان بخشی کا معاملہ جزیہ کہلاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔

(۳) ذمیوں کی حمایت و مدافعت اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں فوجی بھرتی سے معافی دینے کے عوض جزیہ لیا جاتا ہے۔

(۴) جزیہ ذمیوں کو دیے جانے والے ان حقوق کا معاوضہ ہے جن سے وہ مسلمانوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور انہیں جان و مال اور آبرو اور دین کی آزادی ملتی ہے۔

(یہ اقوال تفسیر المنار سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۳۰ کی تفسیر میں دیئے گئے ہیں)

جزیہ خود سربراہ مملکت عائد کرتا ہے لیکن ان سفارشات کے مطالعہ کے بعد جو فنی ماہرین قابلِ جزیہ افراد کے حالات کا جائزہ لے کر ارسال کرتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے عثمان بن حنیفؓ کو عراق اسی مطالعہ کے لئے بھیجا تھا اور انہوں نے واپس آکر اپنی تجاویز سیدنا عمرؓ کو پیش کیں۔ سیدنا عمرؓ نے سواد عراق کے مال داروں پر ۴۸ درہم سالانہ اور ناداروں پر بارہ درہم سالانہ جزیہ عائد کیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد سیدنا عثمان بن حنیفؓ دوبارہ آئے اور انہوں نے سیدنا عمرؓ سے اہل فسطاط کے بارہ میں بات کی اور کہا کہ اللہ کی قسم! اگر فی کس دو درہم بڑھا دیں تو انہیں قطعاً دشوار معلوم نہ ہوگا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ۴۸ سے ۵۰ درہم سالانہ کر دیئے۔ (سنن بیہقی جلد ۹ ص ۱۹۶)

سیدنا عمرؓ نے اہل شام پر فی کس چار دینار سالانہ اور دو مد گیہوں اور تین قسط زیتون

کا تیل ماہانہ عائد کیا تھا۔(مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۸۵ کتاب الاموال ص ۳۹)

پھر جزیہ میں وہ اشیاء وصول کی جاتیں جن کا دینا ادا کنندگان کے لئے سہل ہوتا کیونکہ سیدنا عمر چاہتے تھے کہ لوگوں کے لئے جزیہ کی ادائیگی میں سہولت پیدا ہو۔ چنانچہ ان علاقہ کے لوگوں سے جہاں چاندی کا رواج تھا جزیہ میں چاندی وصول کر لیتے اور سونے والوں سے سونا لے لیتے۔ البتہ غیر مسلموں سے شراب اور خنزیر جزیہ میں لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں اشیاء مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ اص ۳۴۹' جلد ۶ ص ۸۷' مؤطا مالک جلد ا ص ۲۸۹)

جزیہ چونکہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان و مال کے تحفظ کے لئے وصول کیا جاتا ہے' اس لیے اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لئے آمادہ ہوں اور ریاست ان پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔

(الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ ص ۱۱۱)

گذشتہ صفحات میں ہم نے کئی جنگوں کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ اہل شہر نے اتنی رقم کے سالانہ جزیہ پر اسلامی فوج سے صلح کر لی۔ جزیہ کی یہ کثیر رقم بھی ہر سال اکٹھی ہو کر سرکاری خزانہ میں جمع ہوتی اور پھر مختلف مصارف میں خرچ ہوتی۔ عہد فاروقی میں جزیہ کی کل کتنی رقم ہر سال اکٹھی ہوتی اس کی کوئی تفصیل کتابوں میں مرقوم نہیں۔

جزیہ کی وصولی میں سختی کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ جب شام کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ان کا گذر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو دھوپ میں کھڑے کر دیے گئے تھے اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: "ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ ان کے ذمہ جزیہ ہے جسے انہوں نے ادا نہیں کیا ہے۔ لہٰذا انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے تاکہ وہ اسے ادا کر دیں۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "یہ لوگ ادائیگی کے بارہ میں کیا عذر پیش کرتے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا: "یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہم جزیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے"۔ آپ نے فرمایا: "پھر تم لوگ ان کو چھوڑ دو۔ اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو کیونکہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

"لوگوں کو عذاب نہ دو کیونکہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عذاب دے گا"۔

Marfat.com

چنانچہ آپ کے حکم سے ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا۔ (کتاب الخراج ص ۱۵۰ کتاب الاموال ص ۴۳)

سیدنا عمرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کے بارہ میں فرمایا کہ میں اسے تلقین کرتا ہوں کہ ذمیوں سے کیے گئے عہد کی پابندی کی جائے اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں امام ابو یوسفؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کا گذر کسی کے دروازے کے سامنے سے ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بدن کو ٹھونکا اور پوچھا: ”تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟“ اس نے جواب دیا: ”میں یہودی ہوں“۔ آپ نے پوچھا: ”کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا؟“ اس نے کہا: ”بڑھاپے‘ حاجت مندی اور جزیہ کے باعث بھیک مانگ رہا ہوں“۔ سیدنا عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خازن کو بلوایا اور فرمایا: ”اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ان کی جوانی میں ہم ان سے جزیہ وصول کر کے کھا جائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں“۔ آپ نے اس کا اور اس جیسے دوسرے تمام افراد کا جزیہ ساقط کر دیا۔

کچھ صورتوں میں یہ جزیہ ساقط بھی ہو جاتا ہے۔ ان میں پہلی صورت موت ہے چنانچہ جس شخص پر جزیہ عائد ہو‘ اگر وہ مر جائے تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ جزیہ کی ادائیگی شخص پر ہوتی ہے‘ اگر شخص ہی نہ رہا تو جزیہ کیسا۔

دوسری شئے اسلام ہے۔ جزیہ دینے والا اگر مسلمان ہو جائے تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے‘ چنانچہ اہل الیس میں سے دو شخص مسلمان ہو گئے تو سیدنا عمرؓ نے ان سے جزیہ ساقط کر دیا۔ (سنن بیہقی جلد ۹ ص ۱۹۹) اسی طرح اہلِ نجران میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا حکومت کے کارندوں نے اس سے جزیہ وصول کرنا چاہا۔ اس نے انکار کیا تو سیدنا عمرؓ نے اس سے کہا: ”معلوم ہوتا ہے‘ تم پناہ ڈھونڈ رہے ہو“۔ اس شخص نے کہا کہ اسلام میں پناہ ہی ہے‘ اگر آپ دینا چاہیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: بیشک اسلام ہی جائے پناہ ہے۔ اور حکم تحریر فرمایا کہ اس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۳۳۶) ماوراء النہر کے ایک دہقان زقیل نے اسلام قبول کر لیا تو سیدنا عمرؓ نے اس کے لیے دو ہزار دینے کا حکم دیا اور جزیہ معاف کر دیا۔ (المحلی جلد ۷ ص ۳۴۵)

Marfat.com

جزیہ کے ساقط ہونے کی ایک وجہ ناداری بھی ہے۔ اگر کوئی ذمی پہلے مال دار ہو اور پھر نادار ہو جائے اور جزیہ ادا کرنے پر قادر نہ رہے تو اس سے جزیہ ساقط کردیا جائے گا بشرطیکہ جزیہ کی ادائیگی شرائط صلح میں واجب قرار دی گئی ہو۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے بوڑھے نابینا شخص سے جو لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا جزیہ ساقط کردیا۔

جنون بھی جزیہ کو ساقط کردیتا ہے اگر کوئی شخص پہلے تو عاقل تھا لیکن بعد میں دیوانہ ہو گیا تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

جزیہ اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج کے لئے کوئی قرآنی نص نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ صرف سنت سے ثابت ہے جب کہ جزیہ کا ذکر خود قرآن حکیم میں موجود ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج زمین کا ٹیکس ہے بعد میں اگر مالک زمین مسلمان بھی ہو جائے تو زمین خراجی ہی رہتی ہے جب کہ جزیہ فرد کا ٹیکس ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ مسلمان پر زکوۃ لیکن اگر غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

جزیہ کی کوئی رقم عہد نبوی اور عہد صدیقی میں مقرر نہیں تھی۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی شرح متعین کردی تھی۔ اہل یمن خوش حال تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار فی کس جزیہ مقرر کردیا تھا۔ سیدنا خالدؓ نے اہلِ حیرہ سے دس درہم فی کس کے حساب سے عہد صدیقی میں جزیہ وصول کیا۔ (ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابی عبیدہ ص ۲۷)

امام ابو عبیدؒ جزیہ میں لی جانے والی رقم کی کوئی حد متعین نہیں کرتے وہ اس کے تعین کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر ڈالتے ہیں۔ اور وہ اس کی رقم میں کمی بیشی کرنے کے قائل ہیں۔ اپنے اس اختیار کردہ مسلک کی تائید میں وہ سیدنا عمرؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جزیہ مقرر کرنے کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اگر سیدنا عمرؓ یہ سمجھتے کہ جزیہ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مقررہ و متعینہ سنت ہے تو وہ اس سے تجاوز نہ کرتے“۔ (کتاب الاموال ص ۴۲)

جزیہ کے بارہ میں ایک خیال یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں چونکہ مسلم رعایا فوجی خدمت پر مامور و مجبور ہوتی ہے اور ان میں سے جنہیں حکومت جس وقت چاہے محاذ جنگ پر طلب کر سکتی ہے اور یہ صورت ذمیوں پر لازم نہیں آتی لہٰذا ان سے ان کی مدافعت و حفاظت کے صلہ میں جو رقم لی جاتی ہے وہ ”جزیہ“ کہلاتی ہے۔ اس بات کی تائید ان صلحی معاہدوں سے بھی ہوتی ہے تو سیدنا عمرؓ کے عہد میں ان کے گورنروں اور جرنیلوں نے مختلف مفتو

Marfat.com

علاقوں کے سرداروں سے کیے تھے۔ سیدنا سوید بن مقرنؓ نے جو سیدنا عمرؓ کے مقرر کردہ سپہ سالار تھے، فتح جرجان کے موقع پر اپنے عہدنامہ میں لکھا تھا:

"تمہیں اپنی ذمہ داری میں لیا جاتا ہے اور ہمارے اوپر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہوگی۔ اس شرط پر کہ تم میں سے ہر بالغ پر بقدر استطاعت سالانہ جزیہ کی ادائیگی لازم ہوگی اور تم میں سے جس سے ہم خدمت لیں گے تو اسے اس کی مدد اور خدمت کے عوض اس کا جزیہ دیا جائے گا"۔

(طبری واقعات ۲۲ھ جلد ۳ ص ۳۶)

اسی طرح سیدنا عمرؓ کے گورنر سیدنا عتبہ بن فرقد سلمیؓ نے اہل آذربائیجان سے جو عہد کیا تھا کہ اہل آذربائیجان اور اس کے حدود و مضافات کے جملہ باشندوں کو اس شرط پر امان کہ:

"وہ بقدر استطاعت جزیہ ادا کرتے رہیں گے اور ان میں سے جسے کسی سال جنگی خدمت پر بلایا جائے گا اس پر سے اس سال کا جزیہ وضع کر دیا جائے گا"۔

(تاریخ طبری ص ۱۲۶۲)

اس قسم کے اور بھی کئی حوالے طبری اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔

ان سب حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت اور مدافعت کرنے میں خود کو ناکام پائیں تو وہ ان سے وصول شدہ جزیہ انہیں واپس کر دیں گے جیسا کہ مسلمانوں نے ہرقل کی فوج کی آمد کی خبر سن کر ذمیوں سے لیا ہوا جزیہ انہیں واپس کر دیا تھا۔

(فتوح البلدان ص ۱۴۳)

یہ تو جزیہ کے بارہ میں ایک ضمنی بحث تھی، لیکن یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ خراج کے بعد سیدنا عمرؓ کی حکومت کے محاصل میں شاید جزیہ دوسرے نمبر پر ہے۔

۳۔ فے اور غنیمت

سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں حکومت کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ فے اور غنیمت بھی تھا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے بغیر جنگ و قتال کے حاصل ہو اور جنگ کر کے جو مال حاصل ہو وہ غنیمت کہلاتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غنیمت کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ اس مال کو پانچ حصوں میں

Marfat.com

تقسیم کیا جاتا تھا۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ اور پانچویں حصہ کو پھر پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح بانٹ دیا جاتا تھا کہ ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کا' دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا' تیسرا یتامیٰ کا' چوتھا مساکین کا اور پانچواں حصہ مسافروں کا۔ یہ مسافر وہ نادار مہمان ہوتے جو مسلمانوں کے علاقہ میں اترتے۔

امام شافعیؒ نے بھی فے اور غنیمت کی یہی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں :

"گھوڑوں اور سواریوں (مجاہدین) کی تگ ودو کے بعد جو کچھ حاصل ہو وہ غنیمت ہے..... اور جو بغیر گھوڑوں اور سواریوں کی تگ و دو سے حاصل ہو وہ فے ہے (کتاب الام' جلد ۴ ص ۱۴)"

ایسا ہی امام ماوردیؒ نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ ص ۱۲۲ پر لکھا ہے :

ان تعریفوں کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ دشمن سے حاصل شدہ جو مال مسلمانوں یا ان کی حکومت کی اجتماعی ملکیت بنالیا جاتا ہے' وہ فے کہلاتا ہے۔ فے تمام مسلمانوں کا اجتماعی مال ہوتا ہے اور ان کے مصالح کے لئے وقف رہتا ہے' اور اس کی نگرانی حکومت کا سربراہ کرتا ہے۔ اگر فے کو معنوی اور لغوی لحاظ سے دیکھا جائے تو غنیمت بھی فے ہوتی ہے اور ان علاقوں کے محاصل بھی فے ہوتے ہیں۔ غنیمت اور مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کار جدا جدا ہے۔ غنیمت کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک زمین کے علاوہ جملہ اموال اور دوسرا اراضی۔

۴۔ عشور

ایک شہر سے دوسرے شہر سامان تجارت لے کر جانے والے تاجروں سے حکومت جو کچھ وصول کرتی ہے وہ تجارتی عشر ہوتا ہے۔ (المغنی ابن قدامہ جلد ۸ ص ۵۱۷) عشور اگرچہ عشر کی جمع ہے لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع عشورات بھی آتی ہے۔

اسلامی دور حکومت میں سب سے پہلے عشور (تجارتی عشر) سیدنا عمرؓ نے عائد کیا (کتاب الاموال ص ۵۳۴' مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۳۳۴) اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ اہل منج اور بحر عدن کے اس پار کے لوگوں نے سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ وہ اپنا سامان تجارت لے کر سرزمین عرب میں داخل ہوا کریں گے اور مسلمانوں کو عشر (کل مال کا دسواں حصہ)

Marfat.com

دیا کریں گے۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ اس طرح سے سیدنا عمرؓ نے یہ تجارتی عشر وصول کیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۹۷، جلد ۱۰ ص ۳۳۵) لیکن اس مشورہ کے باوجود سیدنا عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ بھی پتہ چل جائے کہ مسلمان تاجر جب غیر مسلم ریاستوں میں برائے تجارت داخل ہوتے ہیں تو ان سے کتنا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ جب پوچھا گیا تو مسلمانوں تاجروں نے بتایا کہ غیر مسلم حکومتیں ان کے سامانِ تجارت کا دسواں حصہ ان سے لے لیتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ وہ ہم سے لیتے ہیں وہی کچھ ہم ان سے لیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۹۸) ابو عبیدہؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ذمیوں سے پانچ فی صد اہل حرب سے دس فی صد اور مسلمانوں سے اڑھائی فی صد عشر وصول کیا تھا۔ (کتاب الاموال ص ۵۳۲) ایک روایت میں بجائے اہل حرب کے ایسے غیر ملکی تاجروں کا لفظ ہے جو ذمی نہ ہوں۔ اور ملکی ضرورت کے پیشِ نظر اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، مثلاً سیدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں گیہوں اور زیتون کا تیل مکہ یا مدینہ در آمد کرنے والوں پر یہ ٹیکس دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں نصف کر دیا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۱۳، کتاب الاموال ص ۵۳۲) ایسا اس لیے کیا گیا کہ مدینہ میں یہ اشیاء افراط سے پہنچتی رہیں۔

زریق مولی بنی فزارہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے انہیں لکھا تھا کہ جو ذمی تاجر تمہارے پاس سے گذریں، ان سے ان کے اموال ظاہرہ پر یعنی ان مالوں پر جن سے وہ تجارت کرتے ہیں ہر بیس دینار پر ایک دینار وصول کریں۔ (مصنف ابن شیبہ جلد ا ص ۱۲۸) اموال ظاہرہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اگر تاجر اپنا کوئی مال چھپالیں تو عشر وصول کرنے والا اس کی تفتیش نہ کرے۔ چنانچہ زیاد بن عدیر سے مروی ہے کہ مجھے سیدنا عمرؓ نے عشور کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ میں کسی کی تفتیش نہ کروں۔ (مصنف ابن شیبہ جلد ا ص ۱۲۸، کتاب الخراج ابی یوسف ص ۱۴۴)

ایک روایت اس بارہ میں یہ بھی ہے کہ گورنر بصرہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو لکھا کہ مسلمان تاجر جب دار الحرب میں تجارت کی غرض سے جاتے ہیں تو دار الحرب کی حکومت ان سے دس فی صد ٹیکس وصول کرتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دار الحرب کے تاجروں سے اس قسم کا ٹیکس وصول کیا کریں۔ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: تم بھی دار الحرب کے تاجروں سے ۱۰ فیصد ٹیکس لے لیا کرو۔

Marfat.com

اور اہل ذمہ کے مال سے ۵ فیصد اور مسلمانوں کے مال تجارت سے اڑھائی فی صد لے لیا کرو۔
(بنایہ شرح ہدایہ جلد ا ص ۱۲۲۰)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے حربی' ذمی اور مسلمان تاجر کے درمیان عشور کی مقدار میں فرق رکھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر کیا کہ مسلمانوں سے دو سو پر پانچ لے لو اور پھر ہر چالیس پر ایک درہم وصول کرو۔ (کتاب الخراج' یحییٰ ص ۱۷۲' مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۳۱' بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۲۵) سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مجھے عشور وصول کرنے کے لئے بھیجا اور مجھے فرمان لکھ کر دیا کہ مسلمان تاجروں سے اموال تجارت لانے لے جانے پر ربع عشر یعنی اڑھائی فیصد وصول کروں اور ذمیوں سے نصف عشر اور حربیوں سے عشر وصول کروں۔
(کتاب الخراج ابی یوسف ص ۱۶۱' سنن بیہقی جلد ۹ ص ۲۱۰' المحلی جلد ۶ ص ۷۲' ص ۱۱۵' مصنف عبد الرزاق جلد ۴ ص ۸۸' جلد ۶ ص ۹۵)

ایسی ہی ایک روایت زیاد بن حدیر سے مروی ہے (خراج ابی یوسف ص ۱۳۴)

مسلمانوں سے اس کے سوا کچھ نہیں لیا جائے گا۔ فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ عاشر مسلمانوں سے جو کچھ وصول کرے گا وہ زکوٰۃ ہو گی، جزیہ نہیں ہو گا جو اہلِ ذمہ سے لیا جاتا ہے۔ اسی لیے زیاد بن حدیر نے جو اسلام میں سب سے پہلے عشور وصول کرنے والے ہیں (کتاب الاموال ص ۵۲۸) کہا ہے کہ ہم سیدنا عمرؓ کی حکومت میں عشور وصول کرتے تھے لیکن کسی معاہد اور مسلم سے عشور وصول نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن خالد عبسی نے پوچھا کہ پھر تم کس سے عشور وصول کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: ''اہلِ حرب تاجروں سے جن کے یہاں جب ہم جاتے تھے تو وہ ہم سے عشر وصول کرتے تھے'' (مصنف عبد الرزاق جلد ۶ ص ۹۹' جلد ۱۰ ص ۳۰۷' المحلی جلد ۶ ص ۱۶' کتاب الاموال ص ۵۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مسلمانوں سے ٹیکس وصول کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ (مصنف عبد الرزاق جلد ۲ ص ۱۳۹' کتاب الاموال ص ۵۲۸)

ان روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ مسلمانوں تاجروں سے اور ذمی تاجروں سے وہ مقدار وصول نہیں کرتے تھے جو اہل حرب کے تاجروں سے وصول کرتے تھے کیونکہ جو کچھ اہل حرب سے لیا جاتا تھا وہ اپنے مزاج کے لحاظ سے اس سے مختلف تھا جو مسلمان اور ذمی

Marfat.com

تاجروں سے لیا جاتا تھا۔

یہ تو تھا مسلمانوں سے درآمدی ٹیکس کا معاملہ' اہلِ ذِمہ سے اس سے دوگنا ٹیکس لیا جاتا تھا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے بعض ذمیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ ان کے تاجر جو سامان تجارت اپنے شہر سے لے کر دوسرے شہر جائیں گے' اس پر ان سے سال میں ایک مرتبہ نصف عشر لیا جائے گا۔ (کتاب الاموال ص ۵۳۲' المحلی لابن حزم جلد ۶ ص ۱۱۵' مغنی ابن قدامہ جلد ۸ ص ۵۱۷) اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ مسلمانوں پر جو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے' ان پر اس سے دگنا جزیہ عائد ہوگا' اسی لیے سیدنا عمرؓ نے ان پر نصف عشر عائد کیا تھا۔ آپ نے اہل نبط سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ ان میں سے جو اپنا تجارتی مال اپنے شہر سے کسی اور جگہ لے کر جائے گا اس سے عشر لیا جائے گا۔ (المحلی جلد ۶ ص ۱۱۵' مؤطاء امام مالک جلد ۱ ص ۲۸۱) اور جب عراق فتح ہوا تو سیدنا عمرؓ نے سیدنا عثمان بن حنیفؓ کو وہاں روانہ کیا اور انہیں وہاں کے مالی محصولات پر عامل مقرر فرمایا۔ اور سیدنا عمرؓ نے اہل سواد پر جو کہ ذمی تھے' ان کے اموال پر اور ان کے اس تجارتی سامان پر جو وہ لے کر گذریں بیس درہم پر ایک درہم (یعنی پانچ فیصد) عائد کیا۔ (کتاب الاموال ص ۶۸' ص ۵۳۲' مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۱۱۵' المغنی لابن قدامہ جلد ۸ صہ ۵۱۷)

غیر مسلموں کے ساتھ طے پانے والے ان معاہدوں کی روشنی میں سیدنا عمرؓ نے عشور وصول کنندگان کو حکم دیا تھا کہ وہ ان ذمی تاجروں سے جو ان کے قریب سے گذریں اسی تناسب سے عشور وصول کریں جو معاہدوں کی رو سے طے ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب سے اس سے دگنا عشور وصول کیا جائے جو مسلمانوں سے سونے اور چاندی پر بطور زکوٰۃ لیا جاتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۹۷' جلد ۱۰ ص ۳۳۵' کتاب الاموال ص ۵۳۲' کتاب الخراج یحییٰ ص ۶۸' مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۳۸) اسی طرح آپ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر فرمایا کہ "ذمی تاجروں سے نصف عشر وصول کریں"۔ (کتاب الخراج یحییٰ ص ۱۷۳)

اسی طرح سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ "سیدنا عمرؓ نے مجھے عشور کی وصول یابی پر مامور کر کے روانہ فرمایا اور یہ فرمان لکھ کر دیا کہ میں مسلمانوں سے ان کے تجارتی سامان کے لانے لے جانے پر ربع عشر (یعنی اڑھائی فیصد) وصول کروں اور ذمیوں سے

Marfat.com

نصف عشر (یعنی ۵ فیصد) وصول کروں" (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۶۱، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۹ ص ۲۱۰، المحلی جلد ۶ ص ۲۷، ص ۱۱۵، مصنف عبدالرزاق جلد ۴ ص ۸۸، جلد ۶ ص ۹۵) ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا کہ بنی تغلب کے نصاریٰ سے عشر وصول کرو اور اہلِ کتاب کے نصاریٰ سے نصف عشر وصول کرو۔ (المحلی جلد ۶ ص ۱۱۵، المغنی لابن قدامہ جلد ۸ صہ ۵۱۶، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۳۷۰) اور ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے عرب کے نصاریٰ سے نصف عشر وصول کرنے کا حکم دیا جو کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ سے دگنا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۹۹)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ سیدنا عمرؓ یہودیت اور نصرانیت کو عرب سرزمین کے لئے بیرونی دین تصور کرتے تھے۔ اسی لیے آپ نے نصاریٰ بنی تغلب سے اور باقی عرب کے نصاریٰ سے یکساں معاملہ کیا۔ اور غیر عرب نصاریٰ سے مختلف معاملہ کیا۔

سیدنا عمرؓ اہل حرب تاجروں سے جب وہ اپنا مال تجارت لے کر ہمارے علاقے سے گذرتے تھے، کل سامان پر عشور لیا کرتے تھے کیونکہ جب مسلمان تاجران کے علاقوں سے گذرتے تھے تو ان کی حکومتیں بھی مسلمان تاجروں کے سامان پر عشر وصول کرتی تھیں۔ سیدنا عثمان بن حنیفؓ نے سیدنا عمرؓ سے پوچھا کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں کہ ہم اہل حرب تاجروں سے کیا وصول کیا کریں؟ اس پر سیدنا عمرؓ نے دریافت کیا کہ جب مسلمان تاجران کے علاقوں سے گذرتے ہیں تو وہ کیا وصول کرتے ہیں؟ بتایا گیا کہ عشر (دس فیصد) لیتے ہیں۔ فرمایا: پھر تم بھی عشر لیا کرو تاکہ معاملہ برابر رہے۔ (کتاب الاموال ص ۶۸، سنن البیہقی جلد ۹ ص ۱۳۶، مغنی ابن قدامہ جلد ۸ ص ۵۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۳۸) سیدنا انس بن مالکؓ کو سیدنا عمرؓ نے ابلہ کا عامل بنا کر روانہ کیا تو ان کو بھی یہی لکھ دیا۔ (المحلی جلد ۶ ص ۲۷، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۹ ص ۲۱۰، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۶۱، مصنف عبدالرزاق جلد ۲ ص ۸۸، جلد ۶ ص ۹۵) اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھی آپ نے تحریر کیا کہ اہل حرب کے تاجر جب ہمارے علاقے میں داخل ہوں تو ان سے عشر وصول کرو۔
(خراج یحییٰ ص ۱۷۳)

زیاد بن حدیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ اہل حرب کے لوگ اسلام کی سرزمین میں آکر قیام کرتے ہیں تو سیدنا عمرؓ نے مجھے لکھا کہ اگر وہ چھ ماہ قیام کریں تو ان سے

Marfat.com

عشر لو اور اگر وہ ایک سال قیام کریں تو ان سے نصف عشر وصول کرو۔ (سنن بیہقی جلد ۹ ص ۲۱۰ کتاب الخراج یحییٰ ص ۱۷۲) کیونکہ مسلمانوں کے علاقے میں ایک سال رہنے کی بنا پر وہ ذمی بن جائیں گے اور ذمیوں پر نصف عشر ہے۔

سیدنا عمرؓ نے عشر لینے کا نصاب بھی مقرر فرمایا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ جس مال کی مجموعی قیمت دس درہم نہ ہو اس پر عشر نہ لیا جائے۔ زریق مولیٰ بنی فرازہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے انہیں لکھا کہ تمہارے پاس سے جو ذمی تاجر اپنا مال تجارت لے کر گذریں ان کے ظاہری مال پر یعنی جس سے وہ تجارت کرتے ہیں ہر بیس دینار پر ایک دینار لے لو اور جو اس سے کم ہو اس میں سے اسی حساب سے وصول کرو یہاں تک کہ دس دینار تک پہنچ جائے۔ پھر جب تین دینار سے کم ہو تو چھوڑ دو اور اس پر کچھ نہ لو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۳۸)

یہ چیز بھی ذہن میں رہے کہ عشور سال میں صرف ایک مرتبہ وصول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اگر تاجر عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گذرے اور اس کے پاس مثلاً ایک ہزار دینار کی قیمت کے بقدر تجارتی سامان ہو تو اس پر عائد ہونے والا عشر لے لیا جائے گا۔ پھر جب وہ اسی سال کے دوران دوبارہ گذرے اور اس کے پاس دو ہزار دینار کا سامان تجارت ہو تو اس سے صرف اس ایک ہزار دینار کا عشر وصول کیا جائے گا جو پہلے ہزار سے زائد ہے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ ان سے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ عشر لو۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الخراج یحییٰ ص ۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۳۸، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۶۲، المغنی لابن قدامہ جلد ۵ ص ۲۷۶)

غیر مسلم تاجروں سے وہ اشیاء عشر میں قبول نہیں کی جائیں گی جو مسلمانوں کے ہاں مال نہیں ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے ایک عامل نے آپ کو لکھا کہ عشر لینے والے کے پاس سے ذمی کافر گذرتے ہیں جن کے پاس شراب ہوتی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے لکھا کہ اس کی فروخت ان ہی کے سپرد کر دو۔ اور قیمت پر عشر وصول کر لو۔ (المغنی جلد ۵ ص ۲۷۶)

سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ غیر مسلموں کے ایسے سامان تجارت پر جو عوام کی ضرورت کا ہو ٹیکس کا بوجھ کم ہونا چاہئے تاکہ تاجران اشیا کو زیادہ لے کر آئیں۔ چنانچہ سیدنا عمر اہلِ نبط سے گندم اور زیتون کے تیل پر نصف عشر لیا کرتے تھے اور مقصد یہ تھا کہ وہ یہ اشیاء زیادہ مقدار میں مدینہ لے کر آئیں۔ اور دالوں پر (یعنی چنا اور مسور پر) عشر لیا کرتے

Marfat.com

تھے۔)(المؤطا مالک جلد ۱ ص ۲۸۱' سنن بیہقی جلد ۹ ص ۲۱۰' کتاب الاموال ص ۵۳۳' مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۹۹' جلد ۱۰ ص ۳۳۵)

۵۔ زکوٰۃ و صدقات

زکوٰۃ وصول کرنا اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ چنانچہ سورۃ حج آیت نمبر ۴۱ میں فرمایا کہ :

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں ملک میں تمکن عطا کرتے ہیں تو وہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر (برائیوں) سے روکتے ہیں"۔ (حج :۴۱)

اس سے یہ پتہ چلا کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہی وہ ادارے ہیں جن کا نظام مستحکم کرنے کے بعد ایک اسلامی حکومت اپنا صحیح مقام حاصل کر سکتی ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ نظام جب تک قوت سے جاری رہا مسلمانوں میں افتراق و تشتت جگہ نہ پا سکا' اور جب اس نظام میں کمزوری آئی تو تشتت و افتراق کی دراڑوں نے امت کی عمارت کو مجروح کر دیا۔

عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکیزگی' طہارت' برکت' نشوونما' مدح و ستائش کسی شئے کا پاکیزہ اور منتخب حصہ۔ (تاج العروس) زکوٰۃ بمعنی تزکیہ مصدر بھی ہے یعنی نشوونما کرنا' بڑھانا' بار آور کرنا' پاک کرنا' سدھارنا' اصلاح کرنا۔ لزوم کی جہت سے اس کے معنی طہارت و نمو اور صلاح (پاک ہونا' بڑھنا اور درست ہونا) بھی ہیں (تاج العروس ولسان العرب) امام راغب اصفہانی نے زکوٰۃ کا اصل مفہوم "ایسے بڑھنے اور نشوونما پانے" کو بتایا ہے "جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہو"۔ وہ لکھتے ہیں کہ "زکوٰۃ کے بنیادی معنوں ہی سے اس زکوٰۃ کا اشتقاق ہے جو آدمی حاجت مندوں کے لئے اللہ کے حق سے نکالتا ہے۔ اور اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کو دینے میں اللہ تعالیٰ سے برکت و کثرت خیر کی امید وابستہ کی جاتی ہے یا پھر اس لیے کہ اس کے ذریعہ نفس کی پاکیزگی وبالیدگی ہوتی ہے یعنی ایسے فضائل و برکات کے ذریعہ نشوونما بخشی جاتی ہے۔ (مفردات راغب)

صدقہ کے لفظ کے لغوی معنی سچائی' قول کا اعتقاد اور ضمیر کے مطابق ہونا، ظاہر و باطن کا یکساں ہونا، نیز کسی شئے سے جو توقع کی جائے اس پر اس کا پورا اترنا ہے۔ (مفردات

راغب) ہر وہ عمل جو اللہ پر ایمان کی تصدیق کرتے ہوئے انجام دیا جائے "صدقہ" کہلاتا ہے۔امام راغب نے صدقہ کی تعریف اس طرح کی ہے۔

الصدقة ما يخرجه الانسان من ماله علىٰ وجه القربة كالزكوٰة

صدقہ وہ شئے ہے جو انسان اپنے مال میں سے قرب الٰہی کے حصول کی خاطر نکالتا ہے، جیسے زکوٰۃ۔

مختصر یہ کہ صدقہ رضاکارانہ عطیہ اور مالی واجبات جو اسلامی حکومت کی طرف سے معین و فرض ہوں دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صدقہ اس مال کو بھی کہتے ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت کی زیر نگرانی رہتا ہے' جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

لا نورث ما تركنا صدقة (فتوح البلدان ص ۴۴' مسلم جلد ۲ ص ۹۰)

ہم کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

فاذا مت فهو الىٰ والى الامر بعدى (فتوح البلدان ص ۴۵)

یعنی میرے مرنے کے بعد ان اموال کا نگران والی (حاکم) ہو گا۔

صدقہ اور زکوٰۃ کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو' کتاب الام جلد ۲ ص ۷۱' ص ۹۰' الاحکام السلطانیہ ص ۱۰۸' ص ۱۵۲۔

یہ بھی ایک اسلامی حکومت کی آمدنی کی ایک بہت بڑی مد ہے۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی اور بھیڑ' بکری' اونٹ سب پر زکوٰۃ فرض تھی۔ جس کے بارہ میں تمام احکام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرما دیے۔ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں اس پر جو اضافہ ہوا وہ یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر آپ نے زکوٰۃ لاگو کی۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے ان سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے تھے اور سیدنا عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا اور جو گھوڑے تجارت کے لئے پالے جاتے تھے' ان پر زکوٰۃ لاگو کی جو پیغمبر کے قول کی مخالفت نہیں تھی بلکہ تشریح تھی۔

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے اسلام میں دو قسم کی زمینیں ہیں۔ ایک خراجی اور دوسری عشری۔ خراجی زمین تو وہ ہے جس پر حکومت کی طرف سے خراج لاگو ہو' لیکن عشری اس زمین کو کہتے تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتی تھی۔ اس کی مندرجہ ذیل قسمیں تھیں۔

۱۔ عرب کی وہ زمینیں جن کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے

Marfat.com

مدینہ کی زمینیں۔

۲۔ وہ زمین جو کسی ذمی کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آتی تھی جیسے کوئی لاوارث مر گیا یا مفرور ہو گیا وغیرہ۔

۳۔ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

اس قسم کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں۔ ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ (عشر) مقرر تھی۔ جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی تھی۔ یہ مقدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا سیدنا عمرؓ نے بھی اس کو قائم رکھا۔ آپ نے صرف یہ کہا کہ عراق و ایران کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اگر وہ ذِمیوں کی قدیم نہروں یا کنووں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اس کو سیراب کرتے تھے تو ان سے عشر لیا جاتا تھا۔

خراجی زمین سے خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا جبکہ عشر سال میں ہر فصل کا الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

فوجی نظام

عرب اگرچہ پیدائشی طور پر جنگ جو تھے لیکن ان کی باقاعدہ کوئی فوج نہ تھی۔ وہ گوریلا جنگ کے عادی تھے۔ عربوں کے علاوہ اس وقت کی دنیا میں فوجی سسٹم ہر حکومت میں غیر منظم تھا۔ اس زمانے میں فوج کا نظام کچھ اس طرح تھا کہ ملک کے جاگیر دار اور فیوڈل لارڈز نے فوج تیار کی ہوتی تھی اور وہ بادشاہ وقت کو ضرورت کے وقت ایک خاص تعداد میں فوج مہیا کرتے تھے۔ ان فوجوں کا براہ راست ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی یہ فیوڈل لارڈز بغاوت پر بھی اتر آتے تھے۔ یہ فوجی افسر بیرن (Barons) کہلاتے تھے۔ فوج کا یہ نظام اس زمانہ میں رومن ایمپائر (Roman Empire) میں تھا۔ ایران میں بھی کچھ اسی قسم کا فوجی نظام رائج تھا' البتہ فارسی میں ان بیرنز (Barons) کو "مرزبان" اور دہقان کہتے تھے۔ انہوں نے تھوڑی تھوڑی زمین اپنے ماتحت بنا رکھی تھی اور یہ لوگ ضرورت کے وقت سربراہ مملکت کو فوج مہیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اس شعبہ زندگی کی بھی تنظیم کی اور جنگ کے کچھ اصول و ضوابط متعین فرمائے۔ صحابہ کرامؓ کو جنگ کرنے کی تربیت دی۔ اور پھر خود جس طرح فوج کی قیادت کی اور اس کے لئے جو طریقے اختیار فرمائے' چودہ سو برس سے زیادہ گزرنے کے باوجود علوم و فنون کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ اسی تنظیم کا یہ نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے سیدنا ابو بکرؓ کے عہد میں اس زمانہ کی مہذب ترین اور متمدن ترین اور طاقتور حکومتوں بلکہ سپر پاورز (Super Powers) ایران اور روم کی افواج کو اپنی قلت تعداد اور سامان حرب کی کمی کے باوجود ہر

محاذ پر شکست دی۔ البتہ سیدنا ابو بکرؓ نے خلافت کے پہلے سال مال غنیمت سے جو کچھ بچا وہ سب لوگوں پر تقسیم کر دیا۔ دوسرے سال جب آمدنی میں اضافہ ہوا تو آپ نے رقم میں اضافہ کر دیا' لیکن آپ نے نہ تو فوج کی کوئی تنخواہ مقرر کی اور نہ ہی ان کا کوئی رجسٹر بنایا اور نہ ہی محکمہ دفاع قائم کیا۔ سیدنا عمرؓ کی خلافت کے اوائل تک یہی دستور رہا' لیکن ۱۵ھ میں سیدنا عمرؓ نے فوجی نظام کو نئی بنیادوں پر اس طرح منظم کیا کہ اس کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سیدنا عمرؓ کی اس تبدیلی نے تاریخ کا دھارا بدل دیا اور انسانی تہذیب کو ایک نئی راہ دکھائی۔

عہدِ فاروقی میں فتوحات کی وسعت نے ایک طرف تو مال غنیمت میں بے پناہ اضافہ کیا دوسری طرف جزیہ اور خراج کی بے شمار رقوم مدینہ طیبہ پہنچنے لگیں۔ مسلمان عراق و ایران اور شام و مصر کے جس علاقے پر قبضہ کرتے' اس کے باشندوں سے جزیے کی شرط پر صلح کر لیتے جو اوسطاً دو دینار فی کس سالانہ کے حساب سے ہوتا تھا۔ یہ آمدنی اس خراج کے علاوہ تھی جو زمیندار اپنی زمینوں کے بدلہ میں ادا کرتے تھے۔ خراج کا ایک معتدبہ حصہ ملکی اصلاح و انتظام پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جو رقم بچتی تھی وہ مدینہ طیبہ بھیج دی جاتی تھی۔ اس سے پہلے کہ ایران کی فتح مکمل اور مصر پر حملے کا آغاز ہو' آمدنی کے اس شعبے میں دولت کی وہ ریل پیل ہوئی کہ امیر المؤمنین اس نوزائیدہ سلطنت اسلامی کے مالی اور فوجی نظام مرتب کرنے کے بارہ میں سوچنے لگے۔

سیدنا عمرؓ نے اس موضوع پر کیسے سوچنا شروع کیا' مؤرخین نے اس بارہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں' لیکن مشہور روایت اس بارہ میں یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ جو بحرین کے گورنر تھے' ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے پاس آئے۔ سیدنا عمرؓ نے لوگوں کا حال دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا: "کیا لائے ہو؟" جواب دیا: "پانچ لاکھ"۔ سیدنا عمرؓ سمجھے کہ وہ مبالغے سے کام لے رہے ہیں' اس لیے پھر وہی سوال کیا' اور جب ان سے وہی پہلا جواب سنا تو فرمایا: "ابو ہریرہ! تمہیں گنتی آتی ہے؟" سیدنا ابو ہریرہؓ نے کہا "ہاں" یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا' آپ نے فرمایا: "تمہیں نیند آ رہی ہے اپنے گھر جا کر سو رہو' کل صبح میرے پاس آنا" دوسرے روز سیدنا ابو ہریرہؓ بارگاہِ خلافت میں پہنچے اور سیدنا عمرؓ کو یقین دلایا کہ وہ واقعی پانچ لاکھ درہم لائے ہیں"۔ سیدنا عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور فرمایا: "ابو ہریرہؓ ہمارے پاس بڑی دولت لے کر آئے ہیں' اگر تم کہو تو گن کر تم میں تقسیم کی جائے اور کہو

تو وزن کر کے۔ سیدنا علیؓ، سیدنا عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے حکمرانوں اور ایران کے سربراہوں کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ وہ رجسٹروں کے اندراج کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی تنظیم و ترتیب کا خیال پیدا ہوا۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۹)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رجسٹر مرتب کرنے کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "جتنا مال آپ کے پاس جمع ہو وہ سال کے سال تقسیم کر دیا جائے۔ اور کوئی شئے باقی نہ رہنے دی جائے"۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے فرمایا: "میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں میں دولت کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس کا شمار نہ کیا گیا اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے کس کس کو ملا ہے اور کس کس کو نہیں ملا ہے تو سارا نظام چوپٹ ہو جائے گا۔ ولید بن ہشام بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے امیر المؤمنین سے عرض کی: "امیر المؤمنین میں شام گیا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سلاطین شام رجسٹروں میں لوگوں کے ناموں کا اندراج کرتے ہیں۔ آپ بھی ایسا ہی کیجئے"۔ سیدنا عمرؓ کو ان کی بات پسند آئی۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ، سیدنا مخرمہ بن نوفلؓ اور سیدنا جبیر بن مطعم کو بلایا جو عرب کے مشہور ماہرین انساب تھے اور ان سے کہا کہ حیثیت اور مرتبہ کے مطابق ان لوگوں کی ایک فہرست تیار کریں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے دیوان (رجسٹر) کی تدوین اور وظیفوں کی تعیین کے متعلق مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا اور انہوں نے سیدنا عمرؓ کی اس رائے کی تائید کی۔ پھر آپ نے سپہ سالاران اور فاتحین سے مشورہ کیا، انہوں نے بھی آپ کی تجویز سے اتفاق کیا سوائے حکیم بن حزامؓ کے جو مکہ کے سرداروں اور صائب الرائے لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے آپ کی اس تجویز کے جواب میں کہا: "امیر المؤمنین! قریش تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ اگر آپ ان کے وظیفے مقرر کر دیں گے تو وہ تجارت چھوڑ دیں گے۔ پھر آپ کے بعد کوئی ایسا فرمانروا اور سربراہِ مملکت آئے گا جو ان کے وظیفے بند کر دے گا۔ اور اس وقت تجارت بھی ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہو گی۔ حکیم بن حزامؓ کی یہ بات بڑی دور اندیشی کی تھی یا پھر ان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کی گئی تھی۔ اور ہوا بھی یہی کہ وظائف نے عربوں کو نااہل بنا دیا اور وہ روزی کے لئے دوڑ دھوپ اور جدوجہد کرنے سے کاہل ہو گئے۔ اس کے بعد حالات نے کروٹ لی اور فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا اور غیر عرب اسلامی

Marfat.com

حکومت میں شامل ہو گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کا دارالسلطنت بغداد منتقل ہوا تو عرب کے باشندوں کے وظائف بند کر دیئے گئے۔ آسائش اور بے عملی کی گود میں پرورش پانے والی نسل تجارت کی طرف لوٹ سکی اور نہ روزی کے لئے دوڑ دھوپ کر سکی جس کے نتیجے میں حجاز ایسا ویران ہوا کہ آج تک اس کی وہ رونق لوٹ نہ سکی۔

بعض حضرات اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حکیم بن حزامؓ نے جو بات کہی تھی سیدنا عمرؓ نے اس بات کو وظائف مقرر کرتے وقت نگاہ میں کیوں نہ رکھا؟ اس کا مختصر اور سادہ جواب یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کو بھی اس بات کا اندازہ تھا اور وہ وظائف کے اس نتیجے سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ عوام کو سخت محنت کرنے اور زیادہ سے زیادہ روزی کمانے کی تلقین اور تاکید کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف ان لوگوں کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو نمائشی زہد و اتقاء کے زیرِ اثر دنیا سے بے تعلقی ظاہر کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے ایک زاہد مرتاض کو دیکھا۔ آپ اس کے پاس گئے اور اس کو ایک دُرّہ مار کر فرمایا: "خدا تجھے موت دے، ہمارے دین کا گلا کیوں گھونٹتا ہے؟" وہ لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے: "جس کے پاس دولت ہے اسے دولت کو مفید کاموں میں لگانا چاہئے کیونکہ عنقریب ایسا شخص آنے والا ہے جو اسی کو دے گا جسے چاہے گا"۔ ان کا یہ مقولہ بھی بعض کتابوں میں نظر سے گزرا ہے کہ "انسان اپنی دنیا کے لئے اس طرح کام کرے گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح کام کرے گویا کل ہی مر جائے گا"۔ دین و دنیا کے بارہ میں ان کی یہ رائے کس قدر وقیع اور کارآمد ہے!

اصل میں جو لوگ سیدنا عمرؓ پر یہ اعتراض کرتے ہیں جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے وہ وظائف مقرر کرنے کی اصل غرض و غائت سے غافل ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے عربوں کو تجارت کی جدوجہد سے غافل کرنے کے لئے ان کے وظائف مقرر نہیں کئے تھے بلکہ وظائف کا یہ رجسٹر انہوں نے اس لئے مقرر کیا تھا تاکہ عرب ہمہ تن جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو جائیں اور اللہ کے دین کی دعوت کے لئے میدان صاف کر دیں۔ وظائف مقرر کرنے سے ان کا مقصد لوگوں کو کاہل اور سُست بنانا نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے بیان کے جواب میں ولید بن ہشام بن مغیرہ نے سیدنا عمرؓ کو جو بات کہی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں:

قد جئت الشام فرایت ملوکھا قد دونوا دیواناً و جندوا جنداً، فدون دیواناً و جنداً فاخذ بقولہ

Marfat.com

(مقریزی جلد ۱ ص ۹۲، فتوح البلدان ص ۴۴۹)

یعنی میں شام گیا ہوں اور وہاں کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے دفتر (رجسٹر) اور فوج بنا رکھی ہے۔ پس آپ بھی رجسٹر بنایئے اور فوج منظم کیجئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ولید بن ہشام کی بات پر عمل کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ رجسٹر مرتب کر کے جو لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے وہ صرف اس لئے مقرر کئے گئے تھے تاکہ ایک باقاعدہ فوج تیار کی جا سکے اور اس فوج کو ماہانہ وظیفوں کی شکل میں تنخواہ ملتی رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جن لوگوں سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے، سیدنا عمرؓ ان کو یہ وظیفہ یا تنخواہ نہیں دیتے تھے۔ جیسا کہ علامہ بلاذریؒ نے فتوح البلدان ص ۴۵۸ پر لکھا ہے۔

اور یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمرؓ نے زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے کی ممانعت فرما دی تھی بلکہ پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) سے یہ بات منظور کروائی تھی، تاکہ زراعت انہیں جہاد سے غافل نہ کر دے اور زمین کی محبت میں وہ دعوت اسلامی کو فراموش نہ کر دیں۔

"دیوان" ایک فارسی لفظ ہے جسے معرب کر لیا گیا۔ اس کے معنی ہیں وہ "رجسٹر" جس میں فوجیوں اور وظیفہ خواروں کے نام درج کئے جائیں۔ چنانچہ دیوان وہ رجسٹر تھا جس میں فوجی اور غیر فوجی وظیفہ خواروں کے نام لکھے جاتے تھے اور ہر شخص کے نام کے آگے اس کے وظیفہ کی رقم درج ہوتی تھی۔

سیدنا عمرؓ کے حکم سے سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ، سیدنا مخرمہ بن نوفلؓ اور سیدنا جبیر بن مطعمؓ نے حیثیت اور مرتبے کے لحاظ سے لوگوں کی فہرستیں تیار کیں۔ ان میں فوجیوں اور غیر فوجیوں کی الگ الگ فہرستیں تیار کی گئیں۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کے نام لکھے گئے۔ پھر سیدنا ابوبکرؓ کے قبیلے بنو تیم اور پھر سیدنا عمرؓ کے قبیلے بنو عدی کے نام لکھے گئے اور پھر اسی ترتیب سے دوسرے قبائل کے۔ سیدنا عمرؓ نے جب تیسرے نمبر پر اپنے قبیلے کا نام دیکھا تو فرمایا:

> "خدا کی قسم! چاہتا تو میں بھی یہی تھا۔ کاش ایسا ہوتا، لیکن تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے شروع کرو۔ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں سب سے پہلے ان کے نام لکھو۔ پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، یہاں تک کہ عمر کو وہاں رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے"۔

بعض روایات میں ہے کہ بنو عدی کو جب سیدنا عمرؓ کی یہ بات معلوم ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا: "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے اپنا نام وہیں کیوں نہ رہنے دیا جہاں ان لوگوں نے لکھا تھا"۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت غضبناک نگاہوں سے انہیں دیکھا اور فرمایا: "واہ بنو عدی! تم چاہتے ہو کہ میری کمائی کھاؤ اور تمہاری وجہ سے میری نیکیاں برباد جائیں۔ نہیں، خدا کی قسم، تم اسی ترتیب سے آؤ گے جس ترتیب سے تمہارے پاس دعوت پہنچی تھی۔ چاہے تمہارے ناموں پر رجسٹر ختم ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔ خدا کی قسم ہمیں دنیا میں جو عزت ملی ہے اور ہم آخرت میں اپنے عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ کے جس ثواب کے امیدوار ہیں وہ سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔ اس لئے آپ ہمارا شرف ہیں اور آپ کی قوم اشرف العرب۔ اس کے بعد وہ جو اس سے قریب ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہیں"۔

سیدنا عمرؓ نے جو طبقاتی درجہ بندی کی وہ سیدنا ابو بکرؓ کے مسلک کے خلاف تھی۔ سیدنا ابو بکرؓ اپنے عہدِ خلافت میں عورت مرد، چھوٹا بڑا، آزاد غلام سب پر مال برابر تقسیم فرماتے تھے کیونکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دستور تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا۔ آپ نے اس کو سب میں برابر تقسیم فرمایا تو فی کس سوا سات درہم ملا۔ دوسرے سال مال زیادہ آیا اور حسبِ سابق برابر تقسیم کیا گیا تو فی کس بیس درہم حصے میں آئے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اے خلیفہ رسولؐ! آپ نے مال برابر تقسیم کر دیا حالانکہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو دوسروں پر تقدیم و تفوق حاصل ہے۔ اگر آپ سبقت فی الاسلام اور فضیلت کی رعایت رکھتے تو بہتر ہوتا۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا: "وہ اللہ کے لئے اسلام لائے اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے جو وہ قیامت کے روز انہیں عطا فرمائے گا۔ اس دنیا میں ان سب کا حصہ برابر ہے کیونکہ یہ معاش کا معاملہ ہے۔ اس میں برابری کا معاملہ کرنا ترجیح دینے سے بہتر ہے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۴۲)

سیدنا عمرؓ نے جب السابقون الاوّلون کو فضیلت دینا چاہی تو سیدنا ابو بکرؓ کا یہ قول "السویة خیر من الاثرة" (برابری کا معاملہ ترجیح دینے سے بہتر ہے) ان کے سامنے دہرایا گیا۔ انہوں نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے والوں کو ان لوگوں کے درجے میں نہیں رکھ سکتا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے"۔ چنانچہ آپ نے اہلِ بدر کو سب پر مقدم رکھا، لیکن جو حضرات

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے میں سب سے قریب تھے انہیں فضیلت دینے میں جہاد اور سبقت فی الاسلام کا لحاظ نہ رکھا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کے جو وظائف منظور کئے وہ حسب ذیل تھے:

(۱) سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ عم محترم	۱۲ ہزار درہم سالانہ
(۲) سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب عمہ محترمہ	۶ ہزار درہم سالانہ
(۳) امہات المؤمنین	۱۲ ہزار درہم سالانہ

یہ ابنِ سعد کی روایت ہے۔ طبری نے ۱۰ ہزار درہم لکھا ہے لیکن ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ سیدہ عائشہؓ کو دو ہزار درہم زیادہ دیئے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔

(۴) سیدنا علیؓ	۵ ہزار درہم سالانہ
(۵) سیدنا حسنؓ و سیدنا حسینؓ	۵ ہزار درہم سالانہ
(۶) شرکاء بدر	۵ ہزار درہم سالانہ
(۷) مہاجرین حبشہ اور شرکاء احد	۴ ہزار درہم سالانہ
(۸) فتح مکہ سے قبل ہجرت کرنے والے	۳ ہزار درہم سالانہ
(۹) فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والے	۲ ہزار درہم سالانہ
(۱۰) شرکاء قادسیہ و یرموک	۲ ہزار درہم سالانہ
(۱۱) قادسیہ و یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳ سو درہم سالانہ
(۱۲) اہلِ یمن	۳ سو درہم سالانہ
(۱۳) بلا امتیازِ مراتب	۳ سو درہم سالانہ

غرض کہ کسی شخص کا تین سو درہم سے کم وظیفہ مقرر نہ فرمایا۔ اور فرمایا! "اگر مال کی کثرت ہوئی تو ہر شخص کو چار ہزار درہم اور وظیفہ دوں گا۔ ایک ہزار سفر کے لئے، ایک ہزار اسلحہ کے لئے۔ ایک ہزار اہل و عیال کے واسطے اور ایک ہزار اس کے گھوڑے کے لئے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں ان کے امثال و اقران سے زیادہ وظیفہ دیا گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر بن ابی سلمہؓ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا گیا۔ یہ عمرؓ سیدہ ام سلمہؓ کے صاحبزادے تھے۔ ان کے وظیفہ پر محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ نے اعتراض کیا اور سیدنا عمرؓ سے کہا: "آپ نے عمر بن ابی سلمہؓ کو ہم پر فضیلت کیوں دی ہے؟ ہمارے بزرگوں نے تو ہجرت بھی کی اور مختلف غزوات

میں شریک بھی ہوئے۔ امیر المؤمنینؓ نے فرمایا: "میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ لاؤ اگر کوئی ایسی ماں ہو جس پر سیدہ امِ سلمہؓ کی طرح عنایت اور مہربانی کی گئی ہو؟"

سیدنا اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا گیا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ نے کہا! "آپ نے مجھے تو تین ہزار درہم دیئے اور اسامہ کو چار ہزار، حالانکہ میں غزوات میں شریک ہوا ہوں"۔ فرمایا! "میں نے اسے اس لئے زیادہ وظیفہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تم سے اور اس کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ چاہتے تھے"۔ سیدنا ابو بکرؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنتِ عمیسؓ کو ایک ہزار، سیدہ امِ کلثوم بنت عقبہؓ کو ایک ہزار اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی والدہ ماجدہ کو ایک ہزار وظیفہ دے کر ان کی ہم چشموں سے انہیں ممتاز کر دیا۔ جن لوگوں کے نام رجسٹر میں درج ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین وانصار کی بیویوں کا وظیفہ دو سو درہم تک، اہلِ بدر کی اولادِ ذکور کا وظیفہ دو ہزار درہم مقرر ہوا۔ جن لوگوں کا وظیفہ مقرر ہوا ان کے غلاموں کا وظیفہ بھی مقرر کیا گیا۔

جن جن مردوں کے ناموں کا اندراج رجسٹر میں ہوا، اگرچہ وہ سب صیغہ فوج سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان فوجیوں کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

(۱) وہ فوجی جو ہر وقت فوجی اور جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ باقاعدہ فوج کے سپاہی تھے۔

(۲) دوسرے وہ فوجی تھے جو عموماً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاتے تھے۔ جن کو آج کل کی اصطلاح میں ریزرو فوج (Reserve Force) کہتے ہیں۔

فوجی نظم ونسق کی طرف یہ سیدنا عمر بن خطابؓ کا پہلا قدم تھا جو آپ نے ۱۵ھ میں اٹھایا۔ اگرچہ اس میں کچھ غلطیاں بھی ہوئیں۔ اس میں ایک بے ترتیبی یہ تھی کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ غیر فوجی تنخواہیں بھی رجسٹر میں شامل ہو گئیں یعنی دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن ۲۵ھ میں سیدنا عمرؓ نے فوج کے اس صیغہ کو اس قدر منظم اور مرتب کیا کہ اس وقت کسی دوسرے ملک میں ایسا انتظام نہیں تھا۔ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے وظیفوں کے رجسٹر کب مرتب کئے۔ طبری ۱۵ھ بتاتے

ہیں اور ابن سعد ۲۰ھ ۔ ہمارے نزدیک اصل اور درست بات یہ ہے کہ اصل نظام کی ابتداء ۱۵ھ میں کی گئی تھی لیکن اس کو منظم ۲۰ھ میں کیا گیا تھا۔ اس دوران میں اس نظام کی اصلاح ہوتی گئی اور اس میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو دور کیا گیا۔

اس صیغے کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ ملک کو جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے فوجی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

فوج کے صدر مقامات

آپ نے پورے ملک میں سرحدوں کے قریب ۱۰ مقامات پر فوج کے لئے چھاؤنیاں قائم کیں جن کا نام "جند" رکھا اور یہی اصطلاح جو آپ نے چودہ سو سال قبل رائج کی تھی آج تک قائم چلی آرہی ہے۔ یہ فوجی چھاؤنیاں مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین میں قائم کیں۔ یہ دس مقامات بڑی فوجی اہمیت کے حامل تھے اس وجہ سے انہیں فوجی ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ مدینہ طیبہ مملکت کا صدر مقام تھا اور پوری فوج کے سپریم کمانڈر سیدنا عمرؓ یہاں رہتے تھے۔ ہر محاذ پر یہاں سے کمک بھیجی جاتی تھی، اس وجہ سے یہاں ہر وقت فوج تیار رہتی تھی کیونکہ معلوم نہیں کب کہیں سے کمک طلب کر لی جائے اس لئے اس کو جنرل ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ کوفہ اور بصرہ' یہ دونوں شہر فارس، خوزستان اور تمام مشرقی فتوحات کے دروازے تھے۔ یہ دونوں شہر فوجی ہیڈ کوارٹر کے لئے امیر المؤمنین نے خود بسائے تھے جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔ فسطاط جس کا موجودہ نام قاہرہ ہے، تمام مصر کا ایک دروازہ تھا۔ یہاں پر بھی فوجی ہیڈ کوارٹر بنانا ضروری تھا۔ شام کا علاقہ نہائت وسیع و عریض تھا لہٰذا اس کی وسعت کے پیشِ نظر وہاں چار ہیڈ کوارٹر (موصل، حمص، اردن اور فلسطین) بنائے گئے۔

ان تمام ہیڈ کوارٹرز پر فوج کی سپلائی کے پورے انتظامات کئے گئے۔ کوفہ، بصرہ اور فسطاط' یہ تینوں شہر بنائے ہی فوج کے لئے گئے تھے لہٰذا ان کی تعمیر میں ہی تمام فوجی انتظامات اور سہولتوں کا بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ یہاں فوجیوں کے مستقل قیام کے لئے بارکیں بنائی گئیں۔ گھوڑوں کی پرداخت کے لئے چراگاہیں مختص کی گئیں اور دفاعی ضروریات کا ہر انتظام یہاں کیا گیا۔ موصل میں ایرانیوں کا ایک قدیم قلعہ موجود تھا۔ کچھ گرجے اور

Marfat.com

قدیم مکانات بھی پرانے وقتوں کے چلے آرہے تھے۔ گورنر موصل ہرثمہ بن عرفجہ نے سیدنا عمرؓ کی ہدایات کے مطابق یہاں ان پرانے مکانات کو گرا کر نئی طرز پر ایک چھاؤنی تعمیر کی جس میں فوجیوں کی رہائش اور بود و باش کے لئے بارکیں بنائی گئیں۔ گھوڑے پالنے کے پورے انتظامات کئے گئے اور افواج کی سہولت اور آرام کے لئے ہر شئے مہیا کی گئی۔ ایسا ہی دوسرے فوجی ہیڈکوارٹروں میں فوج کی رہائش اور دفاع کے لئے ہر طرح کا انتظام کیا گیا۔

پھر نہ صرف فوجیوں کی رہائش اور بود و باش ہی کا انتظام کیا گیا بلکہ ان فوجی ہیڈ کوارٹروں میں گھوڑوں کی پرداخت کیلئے بڑے بڑے اصطبل بنائے گئے جن میں گرمی اور سردی میں گھوڑوں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ان فوجی ہیڈکوارٹروں میں ہر وقت چار چار ہزار گھوڑے مع سازوسامان کے ہر وقت تیار رہتے تھے اور جس محاذ پر بھی فوری ضرورت پڑ جاتی ان کو وہاں اسی وقت روانہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ ۱۷ھ میں جب جزیرہ والوں نے علم بغاوت بلند کیا تو انہی فوجی ہیڈکوارٹروں سے فوری طور پر کمک بھیج کر اس بغاوت کو فرو کیا گیا۔ ایسے ہی کئی اور مقامات پر جب کمک کی ضرورت پڑی تو یہیں سے فوج روانہ کی گئی۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال اور ان کی نگرانی کے لئے ماہرین کا انتخاب کر کے انہیں رکھا گیا۔ ان کے علاج معالجہ کے لئے بھی جانوروں کے ڈاکٹر مہیا کئے گئے۔ مدینہ طیبہ چونکہ جنرل ہیڈکورٹر تھا اور امیر المؤمنین جو فوج کے سپریم کمانڈر تھے، یہیں رہائش پذیر تھے، اس لئے وہاں کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں رکھا اور شہر سے چار منزل کے فاصلہ پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی جس کی نگرانی آپ کا ایک غلام کرتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لئے سرزمین عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلہ پر تھی۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری چراگاہ مقام ضریہ میں تھی جو مکہ مکرمہ سے سات منزل پر ہے اور وہ چھ میل لمبی اور چھ میل چوڑی تھی۔ اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ ان چراگاہوں کی تفصیل مختلف کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔

وہ گھوڑے جو ان چراگاہوں میں پرورش پاتے تھے ان کی رانوں پر یہ الفاظ داغ دیئے جاتے تھے "جیش فی سبیل اللہ"۔ گھوڑوں کے معاملہ میں سلمان بن ربیعہ الباہلی بہت ماہر تھے۔ وہ گھوڑوں کی شناخت، ان کے علاج اور ٹریننگ میں بہت مشہور تھے۔ ان کی اس مہارت کی وجہ سے ان کا نام ہی "سلمان الخیل" پڑ گیا تھا۔ یہ گھوڑوں کی تربیت اور

Marfat.com

پرورش نہائت اہتمام سے کراتے تھے اور سال میں ایک مرتبہ گھوڑ دوڑ کا اہتمام بھی تھا۔ گھوڑوں کی عمدہ نسل کو انہوں نے بہت ترقی دی۔ سلمان بن ربیعہ سے پہلے اہلِ عرب گھوڑے کی نسل کے بارہ میں ماں کی پروانہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا کہ گھوڑے کی ماں بھی عربی ہونی چاہئے۔

بصرہ کے ہیڈ کوارٹر کا سارا انتظام صوبہ اہواز کے گورنر جزر بن معاویہ کے ہاتھ میں تھا۔ غرض کہ تمام فوجی مقامات اور چھاؤنیوں میں نہائت اعلیٰ اور ماہر لوگوں کے ہاتھ میں گھوڑوں اور فوجیوں کا انتظام تھا۔ فوج کا ہر قسم کا انتظام یہاں کے دفتروں میں ہوتا تھا یعنی فوجیوں کی تعداد، ان کے ناموں اور ایڈریس کی تفصیل کے بارہ میں تمام رجسٹر اور کاغذات یہیں کے دفتروں میں ہوتے تھے۔ یہاں کے فوجیوں اور گھوڑوں کی رسد اور اجناس کے گودام بھی انہی فوجی ہیڈ کوارٹروں میں ہوتے تھے اور یہیں سے تمام رسد دوسری چھوٹی چھاؤنیوں میں بھی بھیجی جاتی تھی۔

فوجی چھاؤنیاں

ان فوجی ہیڈ کوارٹروں کے علاوہ دوسرے کئی مقامات اور ساحلی اور سرحدی علاقوں میں چھوٹی چھاؤنیاں بھی قائم کی گئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی چھاؤنیوں کا جال تو سیدنا عمرؓ نے مختلف ممالک میں پھیلا دیا تھا بلکہ آپ کا اصول یہ تھا کہ جونہی کوئی شہر فتح ہوتا اس کی حفاظت کے لئے وہاں معتد بہ فوج متعین کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ شام کے قریباً ہر شہر میں سیدنا ابو عبیدہؓ نے ایک ایک عامل مقرر کر دیا تھا جس کے ماتحت مناسب فوج ہوتی جو شہر کا انتظام بھی چلاتی اور بغاوت بھی نہ ہونے دیتی تھی۔ ۱۷ھ میں جب سیدنا عمر بن خطاب نے شام کے علاقوں کا دورہ کیا تو آپ نے سرحدی شہروں میں ہر قسم کا فوجی نظم و نسق قائم کیا اور بلاد ساحلیہ (ساحل سمندر پر واقع شہر) جو کہ رومیوں کی بحریہ کی زد میں تھے اور ان پر ہر وقت دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا، ان کا الگ مضبوط انتظام کیا اور اس تمام علاقے کا انتظام سیدنا عبداللہ بن قیسؓ کی ماتحتی میں دے دیا۔ بعض علاقوں میں آپ نے شامی عرب جو حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، آباد کر دیے تاکہ ان علاقوں کی مستقل حفاظت ہو سکے۔

۱۹ھ میں آپ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ جو اپنے بھائی یزیدؓ کے انتقال کے بعد شام کے گورنر نامزد ہوئے، ان کی سفارش پر ساحلِ شام پر واقع تمام قلعوں کی نئے سرے

Marfat.com

سے مرمت کروائی اور ان پر آگ روشن کروائی، پہرے دار متعین فرمائے اور فوجیں مرتب کروائیں۔

مصر کا علاقہ بڑا وسیع علاقہ تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ نے اس کو فتح کیا تھا۔ یہاں پر جتنی فوج تھی اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک چوتھائی فوج تو اسکندریہ میں متعین تھی کیونکہ یہاں ہر وقت رومی فوج کے حملہ کا سمندر کی طرف سے خطرہ تھا اور ایک چوتھائی فوج بلاد ساحلیہ میں متعین تھی اور آدھی فوج گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص ؓ کے ساتھ فسطاط (موجودہ قاہرہ) میں اقامت پذیر تھی۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ ایک نہائت زیرک جنرل تھے۔ اپنی اسی قابلیت کی وجہ سے انہوں نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کر کر کے رومیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا۔ فوجی جرنیل ہونے کی وجہ سے انہوں نے فوج کو نہائت اعلیٰ طریقہ سے رکھا ہوا تھا۔ فوجیوں کے لئے بڑے وسیع ایوان تھے اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک کمانڈنگ آفیسر (عریف) ہوتا تھا جو ان فوجیوں کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور ان کے ہر معاملہ کا انتظام اس کے ذمہ ہوتا تھا یہاں تک کہ فوجیوں میں رسد اور تنخواہ کی تقسیم بھی اسی کے ذمہ تھی۔ ان بڑے بڑے ایوانوں اور فوجی بارکوں کے آگے صحن کے طور پر بڑی وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔ بلادِ ساحلیہ میں جو ایک چوتھائی فوج رکھی ہوئی تھی وہ ۱۶ھ میں سیدنا عمر ؓ نے خود متعین فرمائی کیونکہ اس سال ہرقل نے دریا کے راستہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تھا جس کی تفصیل فتحِ مصر کے بیان میں گزر چکی ہے اور وہ اس حملہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ سیدنا عمر ؓ نے حفظِ ماتقدم کے طور پر وہاں فوج کی ایک بہت بڑی تعداد متعین فرما دی۔ ہر جگہ کی فوج کا الگ الگ کمانڈر تھا اور مصر کی تمام فوج کا سپہ سالار گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص ؓ تھے۔

کوفہ کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں چالیس ہزار فوج ہر وقت موجود رہتی تھی جن میں دس ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رہتے تھے اور بقیہ ریزرو فورس تھی، ضرورت پڑنے پر فوری طور پر ہر جگہ بھیجی جا سکتی تھی۔ جن علاقوں میں پہلے فوجی چھاؤنیاں تھیں ان کو بھی مضبوط کر کے وہاں فوجی رکھے ہوئے تھے۔ خوزستان ڈویژن میں نہائت کثرت سے چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہر وقت ۱۰ ہزار فوجی رہتے تھے اور ضرورت پر بغیر تاخیر کئے بھیجے جا سکتے تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، مقریزی اور طبری) نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک چھاؤنیوں سے بھر گیا اور اب تو اندرونی بغاوت کا

Marfat.com

بھی کوئی خطرہ رہا اور نہ ہی بیرونی حملوں کا۔

اس قدر چھاؤنیاں قائم کرنے کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی بحریہ ابھی تک قائم نہ ہوئی تھی اور بازنطینی حکومت کی بحریہ اس زمانہ میں بہت مضبوط تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ کہیں ہمارے ساحلی علاقوں پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے ساحلی علاقوں پر زیادہ چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ دوسری وجہ اندرونی بغاوتوں سے ملک کو روکنا تھا۔ بادشاہِ ایران کسریٰ ملک میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا وہاں اپنے نمائندوں کے ذریعہ یا تو ایرانیوں کو جمع کر کے اسلامی مملکت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا یا مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلانے کے لئے تدابیر سوچتا۔ اسی طرح قیصر روم بھی اپنے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کرتا۔ اس لئے اسلامی مملکت کے لئے ناگزیر ہو گیا کہ وہ مختلف علاقوں میں اپنی چھاؤنیاں قائم کرے۔ چنانچہ یہ چھاؤنیاں قائم کر کے ایک تو ایشیائے کوچک کی طرف سے رومیوں کے بحری حملوں سے ملک کو محفوظ کیا گیا اور دوسرے اندرونی بغاوتوں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔

بھرتی کے دفاتر

ملک میں چھاؤنیاں تو کثرت سے قائم ہو گئیں۔ اب ان چھاؤنیوں میں فوجی رکھنے کے لئے بھرتی کے دفتر بھی قائم کئے گئے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی طرف بھی خصوصی توجہ کی اور آپ نے نہائت اچھے طریقے سے بھرتی کے اس نظام کو منظم کیا۔ فوجوں کی بھرتی کا پہلا دفتر تو مدینہ میں تھا جس میں مہاجرین و انصار کی ایک معتدبہ تعداد موجود تھی۔ پھر یہ دفاتر ملک کے ہر علاقہ میں کھولے گئے اور لوگ جوق در جوق اسلامی فوج میں بھرتی ہونے شروع ہو گئے۔ ملک کے ہر علاقہ میں نوجوانوں اور تجربہ کار آدمیوں کے نام رجسٹرڈ کئے گئے۔ شام اور عراق کے قریباً ہر ضلع میں لوگوں نے جا کر وہاں کے قبائل کے رجسٹر تیار کئے۔ خصوصی طور پر عربوں کو زیادہ بھرتی کیا گیا۔ ان سب کے رجسٹر مرتب کئے گئے اور پھر علیٰ قدر مراتب ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ سے دو منزل ادھر ہے، جس قدر قبائل آباد تھے ان کے نام رجسٹرڈ کئے گئے۔ اس طرح ہر سال تیس (۳۰) ہزار نئی فوج مختلف محاذوں پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کے بارہ میں ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی ایسے بسائے گئے جو لڑنے کے قابل تھے جن میں ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی جو رے، آذربائیجان اور

Marfat.com

دوسرے مختلف محاذوں پر باری باری جاتی تھی۔

فوج میں صرف عرب ہی نہ تھے بلکہ عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی بھی تھے۔ چنانچہ کسریٰ ایران کا ایک خاص فوجی دستہ "جند شاہنشاہ" کے نام سے تھا اور اس کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ شہنشاہ ایران کا خاص دستہ تھا۔ یہ دستہ قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایرانیوں سے الگ ہو گیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں اپنی فوج میں داخل کر کے کوفہ میں آباد کر دیا اور ان کی علیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کر دیں۔ (فتوح البلدان ص ۲۸۰) فوج کا یہ دستہ دیلم قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی آتا ہے۔

اسی طرح باذان نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اس کی ماتحتی میں جو ایرانی فوج تھی اس میں سے اکثر وبیشتر فوجی بھی اسلامی فوج میں شامل کر لئے گئے۔ اسی طرح سندھ کے جاٹ جن کو اہلِ عرب "زطّ" کہتے ہیں، بھی یزدگرد کے لشکر میں داخل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد یہ مسلمان ہو گئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد ہو گئے۔ (فتوح البلدان ص ۳۷۲) بصرہ اور کوفہ میں زیادہ تر وہی لوگ آباد ہوئے جو دوسری قوموں سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ نے فوجی بھرتی کو نہائت وسعت دی اور کسی قوم، ملک اور مذہب کی تخصیص کے بغیر ریزرو فورس (Reserve Force) میں ہزاروں مجوسی اور یہودی بھی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر تنخواہ ملتی تھی۔

ابتداء میں فوج کی رسد کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ مسلمان جس علاقہ پر حملہ کرتے تو آس پاس کے دیہات کی طرف چند فوجی بھیجتے جو دیہاتیوں سے غلہ اور چارہ وغیرہ زبردستی لے آتے۔ البتہ بلاذری نے فتوح البلدان ص ۲۵۶ میں لکھا ہے کہ ان کے گوشت کا بندوبست دارالخلافہ مدینہ سے ہوتا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ گائیں اور بھیڑ بکریاں بھی گوشت کے لئے مسلمان قریبی دیہات سے چھین کر لے آتے تھے۔ جب مسلمانوں کی سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا اور اندرونی نظم و نسق میں استحکام پیدا ہوا تو پھر یہ انتظام کیا گیا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس اتنا غلہ لیا جانے لگا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی لیا جاتا تھا جو افواج کے سالن کا کام دیتا تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت اٹھانا پڑتی اس لئے سیدنا عمرؓ نے اس میں یہ تبدیلی کی کہ اس کے

Marfat.com

بجائے نقدی مقرر کر دی جس کو رعایا نے نہائت خوشدلی سے قبول کر لیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۷۸، ۲۱۶)

بعد میں سیدنا عمرؓ نے فوج کی سپلائی کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا۔ جس کا نام "اہرا" رکھا۔ (فتوح البلدان ص ۲۰۸) چنانچہ عمر بن عتبہ شام میں اس کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اب یہ ہوا کہ غلہ کے بڑے بڑے گودام بنائے گئے جن میں غلہ اور جنس، روغن زیتون، سرکہ وغیرہ اسٹاک کئے جاتے اور ہر ماہ کی یکم تاریخ کو ایک من ۱۰ اثار فی سپاہی کے حساب سے غلہ اور ۱۲ اثار روغن زیتون اور ۱۲ اثار سرکہ ملتا تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس طریقہ میں بھی تبدیلی ہوئی اور خشک غلہ کی بجائے موجودہ دور کی طرح پکا پکایا کھانا ملنے لگا۔ فوج کے لئے ایک بھتہ مقرر کیا گیا جس کو عربی میں معونتہ کہتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنا گھوڑا خود تیار کرتے تھے، لیکن جن کے پاس گھوڑے کے لئے رقم نہیں ہوتی تھی، اس کو حکومت خود گھوڑا مہیا کرتی تھی تاکہ وہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق تیار کر سکے۔

فوج کی تنخواہیں اور ان کی تقسیم

فوج کے لئے چونکہ زراعت، تجارت اور دوسرے کام ممنوع قرار دیئے گئے تھے، لہٰذا ان کی تنخواہیں اتنی مقرر کی گئیں جن سے وہ اپنی تمام ضروریاتِ زندگی پوری کر سکیں۔ چنانچہ ایک فوجی کی کم سے کم تنخواہ ۲۰۰ درہم تھی جو پھر ۳۰۰ درہم کر دی گئی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک تھی۔ بچوں کی تنخواہ پہلے تو دودھ چھوڑنے کے بعد شروع ہوتی تھی لیکن بعد میں حکم دے دیا کہ پیدائش کے روز ہی سے شروع کر دی جائے۔ بعد میں جب فتوحات میں اضافہ ہوا اور روپیہ کثرت سے آنا شروع ہو گیا تو اب سپاہی کو بہت کچھ ہاتھ آجاتا تھا۔ چنانچہ جنگ جلولاء میں نو نو ہزار اور نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے۔ تنخواہ کی اس زیادتی کی وجہ سے لوگوں کا زیادہ تر رجحان فوج کی طرف ہو گیا۔

تنخواہوں کی تقسیم کے مسئلہ کو بھی سیدنا عمرؓ نے بہت آسان اور منظم بنایا ہوا تھا۔ بھتہ اور تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف رکھے ہوئے تھے۔ محرم کے شروع میں تنخواہ، فصلِ بہار میں بھتہ اور فصل کی کٹائی کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ (طبری جلد ۲ ص) اور تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ فوج میں دس سپاہیوں پر

Marfat.com

ایک افسر ہوتا تھا جس کو "امیر الاعشار" کہتے تھے۔ اور ہر قبیلے کے ساتھ ایک کمانڈنگ آفیسر ہوتا تھا جس کو "عریف" کہتے تھے۔ حکومت کی طرف سے تنخواہ "امراء الاعشار" کو دے دی جاتی اور وہ "عریف" کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے قریباً ایک کروڑ درہم کی تقسیم ہوتی تھی۔ ان تمام حضرات کو بڑی سخت تاکید تھی کہ تنخواہوں کی تقسیم میں خاص احتیاط سے کام لیں۔ اور رجسٹر کے مطابق ہر شخص کو اس کی تنخواہ وقت پر دیں۔ عراق میں بعض "امراء الاعشار" نے تنخواہوں کی تقسیم میں کچھ بے احتیاطی سے کام لیا تو بارگاہِ خلافت سے ان کی سخت گوشمالی کی گئی اور ان لوگوں کی آفیشل تحقیقات سعید بن عمران اور مشعلہ بن عمران وغیرہ سے کروائی گئیں۔ پھر ان کی رپورٹ کی روشنی میں لوگوں کے عہدے اور ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں اور پھر دس دس فوجیوں پر افسر کی جگہ سات سات فوجیوں پر افسر مقرر کیا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری، مقریزی، فتوح البلدان اور البدایہ والنہایہ)

فوج کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کے دور میں کچھ اور بھی چیزیں ہیں جو ان سے پہلے فوج میں نہیں ہوتی تھیں اور ان کی ایجاد کا سہرا آپ کے سر ہے اور کچھ چیزیں ایسی بھی تھیں جو گزشتہ ادوار سے چلی آرہی تھیں، آپ نے ان کو قائم رکھا اور ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ کی کیونکہ وہ چیزیں سرکارِ دوعالم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کی قائم کردہ تھیں۔

طبری نے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد سے سرکار دوعالم ﷺ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہونے کے بعد آپ سورۃِ انفال کی آیات تلاوت فرماتے تھے۔ یہ دستور آپ کے بعد بھی قائم ودائم رہا۔ بلکہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد میں یہ اہتمام بھی ہوتا تھا کہ چند ایسے حضرات لشکر کے ساتھ بھیجے جاتے تھے جو اپنی ولولہ انگیز تقریروں اور قرآن حکیم کی آیاتِ جہاد کی تلاوت سے مجاہدینِ اسلام میں جوش اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ شام کی جنگ کے موقع پر یہ خدمت سیدنا ابوسفیان بن حربؓ کے سپرد تھی۔ ان کے علاوہ قرآن حکیم کی تلاوت سیدنا مقداد بن اسود کرتے تھے۔ یہ عہدہ سیدنا عمرؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں قائم رکھا اور ہر جنگ میں لوگوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے "وعظ گو" رکھے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور کئی مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ زخمیوں اور بیماروں کے علاج

Marfat.com

کے لئے طبیب اور جراح یعنی فزیشن اور سرجن بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگِ قادسیہ میں سیدنا عبدالرحمن بن ربیعہ قاضی، زیاد ابن ابی سفیانؓ محاسب اور ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں ان عہدوں کے قیام کا سہرا سیدنا عمر بن الخطابؓ کے سر ہے۔

فوجی یونیفارم

سرکارِ دو عالم ﷺ نے جنگ کے لئے کوئی لباس مقرر نہیں فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں کوئی ملٹری یونیفارم مقرر نہیں کی تھی تاہم حفاظت کے لیے زرہ اور خود پہننے کا عام رواج تھا اور سپر (ڈھال) رکھنے کا بھی عام دستور تھا۔ البتہ ڈاکٹر محمد حسن ابراہیم نے نقل کیا ہے کہ پیدل فوج چھوٹی قبائیں جو گھٹنوں تک لمبی ہوتی تھیں، پہنتے تھے اور تہمد کی بجائے پاجامے اور افغانیوں کی طرح کے جوتے پہنتے تھے۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص ۴۷۳) سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی طرف سے اہلِ حیرہ کے لئے جو عہدنامہ لکھا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ذمی جو لباس پہنتے ہیں وہ بے شک پہنیں۔ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ البتہ وہ مسلمانوں کا سا جنگی لباس (زی الحرب) نہیں پہنیں گے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۴۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا کوئی لباس ضرور تھا جس کو پہننے والا چاق وچوبند رہتا تھا۔

سیدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی خاص لباس فوج کے لئے مقرر نہیں تھا، لیکن فوج کے نام ان کے جو احکام کتابوں میں منقول ہیں۔ ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں، لیکن بلاذری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر آپ کی طرف سے کوئی خاص زور نہیں دیا گیا۔ کیونکہ جب ۲۱ھ میں مصر والوں پر جزیہ مقرر ہوا تو اس میں فوج کے کپڑے بھی شامل تھے اور ان کپڑوں میں اون کا جبہ، لمبی ٹوپی، یا عمامہ، پاجامہ اور موزہ شامل تھے۔ اور پاجامہ اور موزے مصری بھی پہنتے تھے۔ (فتوح البلدان ص ۳۱۵)

فوج اور اختلافِ موسم

ویسے بھی قدرت کی طرف سے ہر ملک میں سال میں چار موسم ہوتے ہیں: سردی، گرمی، بہار اور خزاں۔ لیکن جب فتوحات کی کثرت کی وجہ سے سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا تو کچھ ایسے علاقے بھی سلطنتِ اسلامی میں داخل ہوئے جو نہایت سرد تھے۔

Marfat.com

اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نے موسم کے اختلاف کے لحاظ سے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور سردی اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کے ایام تبدیل کر دیئے یعنی جو ملک سرد تھے ان پر گرمیوں میں اور جو گرم تھے ان پر سردیوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ سردیوں کے موسم میں جانے والی افواج کو "شاتیہ" اور گرمیوں میں جانے والی فوج کو "صافیہ" کا نام دیا گیا اور یہی اصطلاح آج تک رائج ہے۔ (طبری جلد ۲)

موسم بہار میں فوجیں صحت افزاء مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں عمدہ آب و ہوا اور سبزہ کی بہتات ہوتی تاکہ فوجیوں کی صحت درست رہے۔ پہلے فوج کے لئے یہ انتظام نہ تھا۔ یہ طریقہ ۱۷ھ میں جاری کیا گیا جب کہ فتح مدائن کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا کی وجہ سے فوج کی صحت گرنے لگی اور کئی فوجی بیمار ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے عتبہ بن غزوانؓ کو لکھا کہ ہر موسم بہار میں فوجیں سر سبز و شاداب مقامات پر چلی جایا کریں۔ گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاصؓ بھی اپنی فوجیں موسم بہار میں سر سبز و شاداب اور صحت افزا مقامات پر بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ خوب کھیلو کودو۔ سیر و شکار کرو اور اپنے گھوڑوں کو موٹا تازہ کرو۔

فوج جب چھاؤنیوں سے نکل کر محاذِ جنگ پر جاتی تو سیدنا عمرؓ کا حکم تھا کہ جمعہ کے روز راستہ میں قیام کریں تاکہ فوجی تازہ دم بھی ہو جائیں اور اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ پھر فوج کو یہ بھی تاکید تھی کہ کوچ کے دوران فوج ایک دن میں صرف اتنا راستہ طے کرے جس سے فوجی تھکنے نہ پائیں اور جب رات کے قریب پڑاؤ کرنے کا ارادہ ہو تو ایسی جگہ پڑاؤ کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی مہیا ہوں تاکہ کسی فوجی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔

چھٹی کا قاعدہ

فوج کے لئے سیدنا عمرؓ نے رخصت کے بھی کچھ قواعد مقرر فرمائے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ اگر کوئی فوجی محاذِ جنگ پر گیا تو پھر سالوں گزر جانے پر بھی واپس نہیں آئے گا۔ چنانچہ شروع میں جو فوجی دور دراز مقامات پر متعین تھے ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی تاکہ وہ اپنے اہل و عیال کو مل آئیں اور اپنے نجی کام نپٹا آئیں۔ پھر ایک موقع پر جب اپنی گشت میں ایک عورت کو اپنے خاوند کی جدائی میں دردناک شعر پڑھتے سنا تو اپنی

Marfat.com

بیٹی ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: "چار ماہ"۔ چنانچہ آپ نے تمام کمانڈروں کو سرکلر (Circular) جاری فرما دیا کہ کوئی شخص چار ماہ سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

یہ ساری سہولتیں اور آسانیاں آپ نے فوجیوں کو اس لئے دی ہوئی تھیں کہ ان کی صحت درست رہے اور وہ اپنے نجی کاموں سے فارغ البال ہو کر پوری دل جمعی کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوں کیونکہ اگر فوجیوں کے ذہن کسی دوسری طرف الجھے ہوئے ہوں گے تو وہ اچھے طریقے سے جنگی امور کی بابت غور و فکر نہیں کر سکتے۔ ان سہولتوں کے ساتھ ہی آپ نے اپنے فوجیوں کو کاہلی، سستی، آرام طلبی اور عیش پرستی سے محفوظ رکھنے کے لئے ان پر سخت قدغن لگائی ہوئی تھی۔ وہ ایک مسلمان سپاہی کو نہائت چوکس اور حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ کرنے والا اور جفاکش دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہلِ فوج کو سخت تاکید کی ہوئی تھی کہ:

۱: وہ رکاب کے سہارے سے گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔

۲: نرم اور ملائم کپڑے نہ پہنیں بلکہ کھردرے کپڑے پہنیں۔

۳: دھوپ کھانا (Sun Bath) نہ چھوڑیں۔

۴: حماموں میں نہ نہائیں کیونکہ اس سے بھی سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح کی اور بھی کئی ہدایات آپ نے فوجیوں کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے کی ہوئی تھیں۔

عرب میں جنگ کے طریقے اور فوج کے مختلف حصے

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ عرب شروع میں زیادہ تر گوریلا جنگ کے عادی تھے۔ اس طریقہ کے برخلاف عجمی لوگوں میں صف بستہ ہو کر لڑنے کا طریقہ رائج تھا جس کو عربی میں "زحف" کہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے بھی اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے یہ دونوں طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ (مقدمہ ابنِ خلدون، باب القسم السابع فی الحروب)

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ دونوں طرف کی افواج بے ترتیب کھڑی ہو جاتی تھیں۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج

Marfat.com

خاموشی سے ان دونوں کی قسمت کا تماشا دیکھتی رہتی کہ ان میں کون مرتا ہے اور کون زندہ رہتا ہے۔ آخر میں پھر دونوں طرف سے عام حملہ ہوتا تھا۔ لیکن اسلام کے اوائل میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا اور فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان کے مختلف نام رکھے گئے۔ جیسے میمنہ، میسرہ وغیرہ، لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے ماتحت ہو کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے جنگِ یرموک میں سیدنا خالدؓ کی وجہ سے "تعبیئہ" کی طرز پر جنگ ہوئی۔ یعنی چالیس ہزار نفوس پر مشتمل فوج سیدنا خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں لڑی اور وہ تنہا ان کے سپہ سالار تھے۔

عربی میں لشکر کو "خمیس" بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ "خمس" (پانچ) سے مشتق ہے۔ لشکر کو خمیس اس لئے کہتے تھے کہ وہ پانچ حصوں پر منقسم ہوتا تھا۔ ایک دستہ فوج جس میں امیرِ لشکر ہوتا تھا "قلب" کہلاتا تھا۔ امیرِ لشکر کے دائیں جانب والے حصے کو "میمنہ" اور بائیں جانب والے حصے کو "میسرہ" کہتے تھے۔ لشکر کا پچھلا حصہ "ساقہ" اور اگلا حصہ "مقدمۃ الجیش" کہلاتا تھا۔ لشکر کی ترتیب دو قسم کی ہوتی تھی۔ ایک ترتیبِ قریب جس میں لشکر کے سب حصے پاس پاس ہوتے تھے، اس کو "تعبیئہ" کہتے تھے اور دوسری ترتیب بعید جس میں لشکر کے مختلف حصے ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوتے تھے۔ اس وقت لشکر کے ہر حصہ کو "کردوس" کہتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں "تعبیئہ" کا رواج تھا، لیکن سیدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں سیدنا خالد بن ولیدؓ نے جنگِ یرموک میں جب دیکھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار اور دوسری کے مطابق ۳۶ ہزار ہے تو آپ نے اسلامی فوج کو ۳۶ یا ۴۰ حصوں یا دستوں (کرادیس) میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح گویا ہر دستہ میں ایک ہزار مجاہد تھے اور ہر دستہ کا الگ الگ ایک امیر مقرر کر دیا۔ قلب کے دستوں کے امیر سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے۔ میمنہ کے دستوں کے امیر سیدنا عمرو بن العاصؓ اور شرجیل بن حسنہؓ تھے۔ میسرہ کے دستوں کے امیر سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ تھے۔ پھر ہر ایک دستہ کا الگ الگ بھی ایک امیر تھا جو شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھا، مثلاً سیدنا قعقاع بن عمروؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا قباث بن اشیمؓ وغیرہ۔ (ابنِ اثیر جلد ۲ ص ۲۸۲) دشمن کی کثرت تعداد دیکھ کر کسی نے کہا کہ ہائے! رومیوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے؟ اور اس کے مقابلہ میں مسلمان کتنے کم ہیں۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے یہ سن کر فرمایا: "نہیں بلکہ مسلمان کس قدر

Marfat.com

زیادہ ہیں اور رومی کتنے تھوڑے"۔ اس کے بعد فرمایا: "کثرت و قلت کا دار و مدار کامیابی اور ناکامیابی پر ہے یعنی ان کو یقین تھا کہ نتیجہ جنگ انہی کے حق میں ہوگا اور کامیابی و کامرانی انہی کے قدم چومے گی"۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۸۲)

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ نے فوج کے مختلف حصوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ اس زمانہ کے لوگ حیران تھے اور آج بھی دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود ان میں کوئی اضافہ نہیں کر سکی۔ چنانچہ آپ کی فوج کے مندرجہ ذیل شعبے تھے:

۱۔ قلب — فوج کا درمیانی حصہ جس میں پوری فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔
۲۔ میمنہ — قلب کے دائیں ہاتھ والا حصہ۔
۳۔ میسرہ — قلب کے بائیں جانب والا حصہ۔
۴۔ ساقہ — سب سے پیچھے کا حصہ۔
۵۔ مقدمۃ الجیش — یہ قلب کے آگے کچھ فاصلہ پر ہوتا تھا۔
۶۔ طلیعہ — گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتی ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو O.P دستہ کہتے ہیں۔
۷۔ رو — وہ دستہ جو ساقہ کے پیچھے رہتا تھا تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
۸۔ رائد — وہ دستہ جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتا تھا۔
۹۔ رکبان — شتر سوار دستہ۔
۱۰۔ فرسان — گھوڑ سوار دستہ۔
۱۱۔ راجل — پیادہ دستہ۔
۱۲۔ رماۃ — تیر انداز دستہ۔
۱۳۔ سفر مینا — فوج کے لئے راستہ اور پل بنانے والا دستہ۔

فوج کی طرف سے جاسوسی (Intelligence) اور خبر رسانی (Information) کا انتظام بھی بطریق احسن کیا گیا تھا۔ کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس بارہ میں ان کی مدد کی گئی تھی، وہ یہ کہ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ وہ عربی اور وہاں کی زبانوں اور طور و طریق سے بخوبی آشنا تھے۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اسلام کو دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو یہ کہا گیا کہ وہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور نہ ہی اپنا لباس

Marfat.com

بدلیں۔ وہ لوگ چونکہ مدتوں سے وہاں رہ رہے تھے اور ان کے اوضاع و اطوار وہی تھے جو ان لوگوں کے تھے، اس وجہ سے انہیں دشمنوں کی فوج میں گھسنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی اور وہ ہر طرح کی خبر بغیر کسی دقت کے لے آتے تھے۔ علاوہ ازیں وہاں کے جو عیسائی اور عراقی تھے وہ بھی اپنی حکومت سے سخت نالاں تھی۔ وہ اپنی خوشی سے اپنی حکومتوں کی جاسوسی کر کے مسلمانوں کی مدد کرتے تھے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے اخلاق اور حسنِ سلوک سے بہت متاثر تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی ہر طریقہ سے مدد کرتے تھے۔ چنانچہ یرموک، قادسیہ، تکریت اور دوسری کئی جنگوں میں ان جاسوسوں کی وجہ سے بہت فائدہ ہوا۔

علاوہ ازیں اردن اور فلسطین کے اضلاع میں کچھ ایسے یہودی تھے جو جاسوسی کے کام میں نہایت ماہر تھے۔ ان کو بارگاہِ خلافت کی طرف سے کچھ خاص رعایتیں اس کام کے لئے دی گئی تھیں۔ بلاذری نے فتوح البلدان ص ۱۵۸ میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کی جاسوسی کی مہارت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئی تھیں۔ اس وجہ سے وہ نہایت خلوصِ نیت کے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے دشمنوں کے عزائم کی پوری پوری جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری جلد ۳، تاریخ شام ماذری ص ۱۵۴، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۸۰ فتوح البلدان ص ۱۵۸ وغیرہ)

ایک تو دشمن کی جاسوسی تھی، دوسری جاسوسی اپنے لشکر کی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے لشکروں میں کچھ لوگ ایسے متعین کئے ہوئے تھے جو فوج کی ایک ایک بات کی انہیں اطلاع دیتے تھے۔ جہاں فوج میں کوئی بداعتدالی اور غیر اصولی اور غیر قانونی بات ہوتی فوراً اس کی اطلاع دی جاتی اور آپ اس کا تدارک کرتے۔ اسی لئے طبری نے لکھا ہے:

كان عمر لا يخفى عليه شئى فى عمله

یعنی سیدنا عمرؓ پر لشکر کی کوئی شئے مخفی نہیں ہوتی تھی۔

فوج کا انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ جس کو "سفر مینا" کہا جاتا تھا اور اس کا کام فوج کے آگے راستہ صاف کرنا، پل بنانا، سڑکیں بنانا ہوتا تاکہ فوج کو مارچ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو، نہایت منظم تھا۔ اس میں زیادہ غیر عرب اور مفتوحہ قوموں کے آدمی ہوتے تھے بلکہ مصر میں تو خود والیِ مصر مقوقش نے صلح نامہ میں یہ شرط رکھی کہ اسلامی فوج کے آگے "سفرِ مینا" کی خدمت قبطی انجام دیں گے۔ (مقریزی جلد ۱ ص ۱۶۳) اسی طرح جب سیدنا عمرو بن عاصؓ اسکندریہ کو فتح کرنے کے لئے گئے تو آپ کی فوج کے لئے مصری (قبطی) نہایت

Marfat.com

خوش دلی اور گرویدگی کے ساتھ مسلمان فوج کے لئے پل بناتے اور سڑکیں بناتے اور خراب سڑکوں کی مرمت کرتے تھے۔ یہ سارا کام وہ کسی معاہدے کی وجہ سے نہیں کر رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک نے انہیں گرویدہ بنا لیا تھا اور وہ اپنی خوشی سے ان کی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کے اس حسنِ سلوک کا اعتراف نہ صرف مسلمان مؤرخین نے کیا ہے بلکہ موجودہ دور کے غیر مسلم مغربی مصنفین اور دانشوروں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہٹی (Hitti) جو موجودہ زمانہ میں تاریخِ اسلامی کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے، اس بارہ میں لکھتا ہے:

"مسلمان عرب فوجوں کی طاقت کا اصل راز نہ تو ان کی اسلحہ جنگ اور سامانِ حرب وضرب کی برتری ہے اور نہ ہی ان کی اعلیٰ درجہ کی تنظیم میں بلکہ در حقیقت اس اعلیٰ کیریکٹر اور اخلاقی اقدار میں ہے جس کے پیدا کرنے میں بے شبہ ان کے دین کا بہت بڑا حصہ تھا اور اس صبر و تحمل کی طاقت میں ہے جس کو ریگستانی زندگی سے بڑا سہارا ملا تھا۔" (Hitti; History of the Arabs, P.174)

اسی طرح مشہور پادری کارالیفس (C.Kara Leveski) فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا (French Encyclopaedia) میں شہر "انطاکیہ" کے حالات میں لکھتا ہے:

"مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں (Jacobites) نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا، یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیرووں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے اور اسی مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیوی عدالتی اقتدار عطا کیا جائے۔" (بحوالہ "رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی" ص ۲۸۳، ڈاکٹر حمید اللہ)

مشہور ولندیزی دانشور دخوئی (Dr.Gueuge) اقرار کرتا ہے کہ مسلمانوں نے فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں، ان میں اعتدال اور معقولیت کی جو روح کارفرما ہے، اس کے باعث اس کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے۔ یہ ہی مستشرق اپنی کتاب "فتوح شام" میں (صفحہ

Marfat.com

۱۰۴تا۱۰۶) لکھتا ہے:

"درحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ عربوں نے مفتوحین سے جو برتاؤ کیا اگر اس کا مقابلہ وہاں کے سابق حکمرانوں کے بے اصول ظلم سے کیا جائے تو بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ شام کے جو عیسائی کالسی ڈون (Chalcedon) کے فیصلہ کو نہیں مانتے تھے، قیصر روم کے حکم سے ان کے ناک، کان کاٹے جاتے اور ان کے گھر ڈھائے جاتے۔ اس کے برعکس عرب مسلمان مقامی باشندوں کا دل موہ لینے لگے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے۔ ان فتوحات کے پندرہ سال بعد ایک نسطوری پادری لکھتا ہے کہ یہ عرب جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں مگر وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسرپیکار نہیں بلکہ وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدیسوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور عبادت خانوں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔"

(بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۲۸۱۔۲۸۲)

مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ سیدنا عمرؓ کی خصوصیات سے ہی نہیں بلکہ یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور سیدنا ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی اس پر بڑی سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ جب بھی کوئی فوج بھیجتے تو انہیں جہاں یہ تاکید فرماتے کہ مذہبی پیشواؤں اور عبادت گزاروں سے تعرض نہ کیا جائے، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر تلوار نہ اٹھائی جائے، درخت نہ کاٹے جائیں، نخلستان برباد نہ کئے جائیں، ساتھ ہی جس ملک میں جنگ ہوتی تھی اس کے کسانوں اور اربابِ زراعت کی نسبت اس بات کی سخت تاکید ہوتی تھی کہ ان لوگوں کو ذرا ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چنانچہ غزوہ "ذات السلاسل" کے ذکر میں طبری نے لکھا ہے:

"اور خالدؓ اور اس کے امراء نے اپنی فتوحات کے دوران میں کسانوں کو ذرا نہیں چھیڑا کیونکہ ابوبکرؓ ان لوگوں کے بارہ میں پہلے ہی حکم بھیج چکے تھے۔"

Marfat.com

شروع ہی سے یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ جب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو شہری آبادی کی بہ نسبت دیہاتی آبادی زیادہ متاثر ہوتی ہے، کیونکہ وہاں حفاظت اور دفاع کے سامان ایسے نہیں ہوتے جیسے کہ شہروں میں ہوتے ہیں۔ لیکن سیدنا ابو بکرؓ اس بات کا برابر خیال رکھتے تھے کہ دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا عیاض بن غنمؓ نے جب حران کو صلح کے ساتھ فتح کیا تو اہلِ دیہات نے کہا: " نحن اسوة اهل مدينتنا و رؤسنا" ہم سے وہی معاملہ کیجئے جو آپ نے اہلِ شہر اور ہمارے رؤساء سے کیا ہے۔ سیدنا عیاض بن غنمؓ نے ان کو کیا جواب دیا؟ امام ابو یوسفؒ نے اس کو نقل تو نہیں فرمایا لیکن اس کے بعد ہی یہ لکھا کہ:

"مسلمانوں کے جو خلفاء اس کی فتح کے بعد اس کے والی ہوئے انہوں نے گاؤں والوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اہلِ شہر کے ساتھ کیا تھا۔"
(کتاب الخراج ص ۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عیاض بن غنمؓ نے بھی ان کو وہی جواب دیا ہوگا جو اسلام کا منشاء ہے۔

ان سب چیزوں سے بڑھ کر یہ کہ ایک قوم کی اخلاقی بلندی اور اس کے کردار کی عظمت کا اندازہ صحیح طور پر اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فریقِ محارب کے ساتھ جنگ میں اس کا کیا برتاؤ ہوتا ہے۔ جب اس کو بزور شمشیر فتح حاصل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے اور اگر فریقِ محارب مغلوب ہو کر صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کی طرف سے صلح کی شرائط کی کیا نوعیت ہوتی ہے اور وہ ان شرائط کی پابندی کس حد تک کرتی ہے۔ قدیم زمانے میں ایران اور روم کی حکومتیں اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی تھیں، اس کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کو آج کل غیر مہذب، غیر متمدن (Un-Civilized) سمجھا جاتا ہے۔ اس موجودہ دور میں جس کو تہذیب و تمدن کا دور کہا جاتا ہے، اس میں گزشتہ دو عالمگیر جنگوں میں اتحادیوں (Allies) نے جرمنی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اٹلی اور جاپان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟ اور جب ان سے صلح کی گئی تو اس کی شرائط کیا تھیں؟ ان مفتوح اقوام کی شہری آزادی کس حد تک باقی رکھی گئی؟ ان کی قومی انفرادیت کہاں تک آزاد رہی اور ان کے انسانی حقوق کا احترام کس حد تک ملحوظ رکھا گیا؟ لیکن اس کے مقابلہ میں اسلام کے شیرِ بیشۂ شجاعت سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سواد

(عراق) کے دیہات بانقیا، باروسما اور اُلَیس، جن کا سردار ابنِ حلوبا تھا اور وہ آپ سے صلح کرنے پر مجبور ہوا تھا کیونکہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، کے ساتھ جو صلح نامہ لکھا وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا:

"تو اللہ کی پناہ میں ہے۔ جزیہ ادا کرنے کے بعد تیری جان محفوظ ہو گئی اور تو نے اپنی طرف سے اپنی رعایا، اپنے جزیرہ اور بانقیا اور باروسما کے لوگوں کی طرف سے ایک ہزار درہم جو دیئے وہ میں نے قبول کئے اور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں وہ بھی اس پر رضامند ہیں اور اب تو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی ذمہ داری میں آگیا ہے۔" (طبری جلد ۲ ص ۵۵۱)

اسلامی فوج کے اس فیاضانہ حسنِ سلوک کا اثر تھا کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اصل شہری زندگی پورے امن واطمینان کے ساتھ لوٹ آتی تھی۔ کھیتی باڑی، زراعت، باغات اور نخلستان کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مقامی باشندے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا خوف وہراس نہیں ہوتا تھا۔

کمانڈر انچیف کا عہدہ

سرکارِ دوعالم ﷺ چونکہ خود غزوات میں شریک ہوتے تھے، اس لئے فوج کی اعلیٰ قیادت اور اس کا معائنہ اور مختلف ہدایات دینا، یہ تمام کام آپ خود ہی فرماتے تھے۔ آپ کے بعد جنگوں کا دائرہ بیرونِ عرب تک وسیع ہوا، اس لئے سیدنا ابوبکرؓ خود جنگوں میں شرکت نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کی حیثیت سپریم کمانڈر کی تھی۔ خاص محاذِ جنگ کے لئے آپ نے یہ انتظام کیا کہ ایک کمانڈر انچیف کا عہدہ قائم کیا جو پورے میدانِ جنگ کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور تمام فوج کی نقل وحرکت اسی کے حکم سے ہوتی تھی۔ محاذ شام پر سیدنا ابوبکرؓ نے ہر فوج کا الگ الگ امیر مقرر کیا ہوتا تھا لیکن ان سب پر ایک اور کمانڈر جس کو کمانڈر انچیف کہا جا سکتا ہے، مقرر کیا تھا اور وہ سیدنا خالد بن ولیدؓ تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ کو خالدؓ پر بہت زیادہ اعتماد تھا اور سیدنا خالد بن ولیدؓ نے بھی اپنی کارکردگی سے آپ کے اس اعتماد کو بحال رکھا۔ آپ کے اس اعتماد کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب شام کے محاذ پر مسلمانوں اور رومیوں کی فوجیں بہت دنوں تک آمنے سامنے پڑی رہیں اور کسی طرف سے کوئی حملہ نہ

ہوا تو سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا!

واللہ لانسین الروم وساوس الشیطان بخالد (طبری جلد ۲ ص ۲۰۶)

خدا کی قسم! رومیوں کے دلوں میں جو شیطانی وسوسے ہیں، وہ سب میں خالدؓ کو (عراق سے شام) بھیج کر بھلوا دوں گا۔

سیدنا عمرؓ کے زمانے میں شام کے ساتھ عراق اور مصر کے محاذ بھی کھل گئے۔ اس وجہ سے آپ نے ہر سیکٹر پر ایک ایک کمانڈر انچیف مقرر فرمایا جس کی ہدایات اور حکم کے مطابق اس سیکٹر کے ہر محاذ پر کام ہوتا تھا۔ شام کے سیکٹر میں پہلے تو سیدنا خالدؓ کمانڈر انچیف تھے جو سیدنا ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت سے اس عہدے پر چلے آرہے تھے۔ ان کی معزولی کے بعد آپ نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو اس سیکٹر کا کمانڈر انچیف مقرر فرمایا۔ عراقی سیکٹر پر سیدنا سعد بن وقاص کمانڈر انچیف تھے اور مصر کے سیکٹر پر سیدنا عمرو ابن عاصؓ اس عہدے پر فائز کئے گئے اور خود سیدنا عمر بن خطابؓ ان تمام سیکٹروں کے سپریم کمانڈر تھے۔ آپ نے اس عہدے کے فرائض کو اپنی بیدار مغزی اور واقفیت سے اس طرح نبھایا کہ آج تک مؤرخین انگشت بدنداں ہیں کہ مدینہ میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور کے تمام محاذِ جنگ ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ آپ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، لیکن فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ ان کی باگ ڈور سیدنا عمرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ تمام فوج پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ عراق کی فتوحات میں خصوصی طور پر آپ نے خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین فرمایا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور مدینہ کے اندر بیٹھ کر سینکڑوں میل دور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور تھے ان کے خاص حکم کے مطابق مامور تھے۔ طبری، ابنِ اثیر، ابنِ خلدون اور تاریخ ابنِ کثیر کے واقعات کی تفصیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک سپریم کمانڈر دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جنگ کے ہر محاذ پر جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ پھر نہ صرف کمانڈروں کو مختلف شہروں کے فتح کرنے کی ہدایات دی جارہی ہیں بلکہ وہاں عوام کی فلاح و بہبود کی ہدایات بھی ساتھ ہی بارگاہِ خلافت سے جاری ہورہی ہیں۔ کہیں اپنے جرنیلوں کو رفاہِ عامہ کے بارہ میں ہدایت دی جارہی ہیں، کہیں بنو تغلب سے معاہدہ کیا جارہا ہے، کہیں

اہلِ جزیہ کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایات جاری ہو رہی ہیں۔ جب بھی کسی عامل کو رخصت کرتے تو اسے مختلف قسم کی ہدایات دیتے۔ کبھی محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات لکھ کر بھیجی جا رہی ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ کو شام خط لکھا:

"امابعد! میں تمہیں ایک ایسا خط لکھ رہا ہوں جس میں میں نے امکانی حد تک اپنی اور تمہاری خیر خواہی کی ہے۔ پانچ باتوں پر عمل کرو تو تمہارا دین سلامت رہے گا اور تمہیں بہتر سے بہتر اجر ملے گا۔ جب کسی مقدمہ کے دونوں فریق تمہارے پاس آئیں تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ عادل گواہیوں اور قطعی قسموں (ایسی قسمیں جو شرعاً قابلِ اعتبار اور واضح ہوں، قسم کھانے والا فرد ساقط الاعتبار نہ ہو) کا مطالبہ کرو، کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کے دل کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے۔ غریب الوطن پردیسیوں کی طرف جلد توجہ کیا کرو کیوں کہ اگر اسے زیادہ عرصہ روکے رکھا جائے گا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا کام خراب کرنے کی ذمہ داری اس کے سر ہے جس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اور جب تک تم مقدمہ میں مناسب فیصلہ تک نہ پہنچ سکو تب تک صلح کرانے کی کوشش کرو۔ والسلام"۔

جنگ کا اسلحہ

سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں عراق، شام اور مصر کے محاذوں پر جنگ دنیا کی دو سپر پاورز سے جنگ تھی جن کے پاس ہر قسم کا جدید اسلحہ موجود تھا۔ شروع شروع میں تو مسلمان اسی پرانے اسلحہ سے لڑتے رہے اور ایرانی ان کی تلواروں اور نیزوں کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتے کہ اس ناقص اور پرانے اسلحہ سے تم ہمارا مقابلہ کیسے کر سکو گے۔ جیسا کہ سیدنا ربعی بن عامرؓ کا رستم کے دربار میں مذاق اڑایا گیا، لیکن بعد میں جب مالِ غنیمت میں اضافہ ہوا اور لاکھوں کروڑوں درہم خمس کے طور پر مدینہ آنے لگے تو آپ نے اپنی افواج کو ہر قسم کا اسلحہ فراہم کیا۔

لشکر میں گھوڑ سوار اور پیادہ دونوں قسم کے فوجی تھے اور جنگ میں یہ لوگ جو ہتھیار استعمال کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں: زرہ، تلوار، بڑا نیزہ (رمح) چھوٹا نیزہ (حربہ) الخط البحرین کا ایک ساحلی علاقہ ہے یہاں نیزے نہایت عمدہ بنتے تھے اور وہ "الرمح الخطی" کہلاتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں تلواریں بہت عمدہ بنتی تھیں اور وہ "السیف الہندی" کہلاتی

Marfat.com

تھیں۔ یہ اسلحہ تو وہ ہیں جو عام طور پر معروف ہیں۔ اس اسلحہ کے علاوہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے جس دوسرے اسلحہ کا استعمال مروی ہے، اس کا نام یہ ہے:

۱۔ منجنیق: اس کی شکل توپ یا کمان کی سی ہوتی تھی۔ اس کے ذریعہ دشمن پر پتھر پھینکے جاتے تھے جو گولہ کا کام کرتے تھے۔ سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ اسلام میں منجنیق کا استعمال سب سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ نے کیا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ۳ ص ۳۰۳) یہ اس زمانہ کی توپ ہوتی تھی۔ اس کے کئی سائز ہوتے تھے۔ چھوٹا پتھر پھینکنے کے لئے چھوٹے سائز کی اور بڑا پتھر پھینکنے کے لئے بڑے سائز کی منجنیق ہوتی تھی۔

۲۔ دبابہ: اس کا ایک بڑا خول ہوتا تھا۔ فوجیوں کی ایک تعداد اس کے اندر بیٹھ جاتی تھی اور اس کو دھکیلتے ہوئے دشمن کے قلعہ کی دیوار تک لے جاتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ان فوجیوں پر دشمن کے قلعہ کے اوپر سے اگر تیر بھی برستے تھے تو ان فوجیوں پر جو اس دبابہ میں ہوتے تھے، کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور وہ محفوظ طریقہ پر قلعہ کی دیوار تک پہنچ جاتے اور پھر قلعہ پر حملہ کر دیتے۔ یہ گویا اس زمانے کا ٹینک (Tank) ہوتا تھا۔

۳۔ الضبور: یہ بھی دبابہ کی طرح کا ہوتا تھا اور ایسی لکڑی سے تیار ہوتا تھا جس پر کھال چڑھی ہوتی تھی۔ اس کا فائدہ بھی یہی تھا کہ حملہ آور سپاہی اس کے خول میں چھپ کر بیٹھ جاتے اور حفاظت سے دشمن کے قلعہ تک پہنچ کر اس پر حملہ کر دیتے تھے۔ یہ دونوں ہتھیار بھی سرکارِ دو عالم ﷺ نے استعمال فرمائے ہیں۔

اس کے علاوہ عربوں کے ہتھیاروں کی تفصیل ابنِ قتیبہ نے عیون الاخبار جلد ۱ ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۲ پر دی ہے۔ یہ سارے ہتھیار سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت میں مختلف محاذوں پر سپلائی کئے گئے۔ چنانچہ ۱۶ھ میں بہرۂ شیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ اسی شہر کے محاصرہ میں دبابہ بھی استعمال کیا گیا۔

اس زمانے میں فوج کے ساتھ عورتیں بھی محاذِ جنگ پر جاتی تھیں جن کا کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور پانی پلانا ہوتا تھا۔ نازک مواقع پر وہ فوج میں جوش اور ولولہ بھی پیدا کرتی تھیں اور اگر کوئی اس سے بھی نازک موقع آ جاتا تو جنگ میں بھی حصہ لے لیتی تھیں۔ چنانچہ جنگِ قادسیہ اور جنگِ یرموک کی فتح میں عورتوں کا کافی کردار ہے۔

عدالت و قضاء

سیدنا عمرؓ کے ہاں قانون کی نگاہ میں مساوات تھی۔ وہ آزادی اور مساوات سے بے انتہا محبت کرتے تھے جس کا آسان سا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو کمزوروں اور محتاجوں کی سطح پر رکھتے تھے۔ سب سے پہلا خطبہ جو انہوں نے مسجدِ نبوی میں عوام کے سامنے دیا، اس میں واضح اور صاف لفظوں میں فرمایا:

> "خدا کی قسم! تمہارا ہر کمزور آدمی میرے نزدیک سب سے قوی ہے تا آنکہ (اُس کے لئے) اُس کا حق وصول نہ کروں اور تمہارا ہر طاقتور آدمی میرے نزدیک سب سے کمزور ہے تا آنکہ اُس سے حق وصول نہ کرلوں۔"

یہی وجہ ہے کہ آپ کا عدل و انصاف آج تک ضرب المثل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے، اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سوجھ بوجھ، باریک بینی، دور اندیشی، خوفِ آخرت اور محاسبۂ نفس کی ضرورت ہوتی ہے، اسے خوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ دو جھگڑنے والے ان کے پاس آئے تو سیدنا فاروقِ اعظم گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا! "یااللہ! ان کے بارہ میں مجھے روشنی عطا فرما، ان میں سے ہر ایک میرا دین چاہتا ہے۔"

عدل قائم کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی کوئی نرمی نہ برتتے تھے۔ بلکہ ایک بار جب انہوں نے لوگوں کو کسی بات سے روکنا چاہا تو اپنے اہل و عیال کے پاس گئے اور فرمایا: "میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جسے میں نے کسی کام سے روکا ہو اور پھر اس نے وہی

Marfat.com

کام کیا ہو سوائے اس شخص کے جسے سزا دینے میں مجھ سے کمزوری ظاہر ہوئی ہو"۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ قضاء کا محکمہ سب سے پہلے سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے قائم فرمایا۔ پروفیسر ہٹی نے اپنی کتاب "ہسٹری آف دی عربز" صفحہ ۱۷۳، اور علامہ شبلی نے اپنی تصنیف "الفاروق" میں یہی لکھا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات محلِ نظر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عہدہ خود عہدِ نبوت میں قائم ہو چکا تھا۔ کتب حدیث میں "کتاب الاقضیہ" کے عنوان سے جو باب ہے اس کی احادیث و روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے قاضی کے فرائض و واجبات، عہدہ کے شرائط و آداب اور شہادت کے احکام وغیرہ نہایت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ اگرچہ معاملات حکومت میں آخری فیصلہ آپ ہی کا نافذ ہوتا تھا، لیکن مملکت میں توسیع کے باعث ہر معاملہ اور ہر مقدمہ آپ خود فیصلہ نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لئے اپنی جانب سے مختلف علاقوں میں قاضی بھی مقرر فرما دیتے تھے، اور ان کو اس سلسلہ میں خاص خاص ہدایات دی تھیں۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو کم عمر ہوں اور مجھ کو قضاء کا کوئی علم نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اللهم ثبت لسانه واهد قلبه **(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۰۷ بحوالہ مسند احمد)**

"اے اللہ اس کی زبان کو استواری بخش اور اس کے قلب کو راہ دکھا۔"

یہ بھی فرمایا کہ "جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے بیٹھو تو جس طرح تم نے پہلے فریق کی بات سنی ہے اسی طرح جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سن لو، کوئی فیصلہ نہ کرو۔ یہی طریقہ ہے جس سے تمہارے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو گا"۔ (سنن ابی داؤد۔ باب کیف القضاۃ)

اسی طرح سیدنا معاذ بن جبلؓ کو آپؐ نے قاضی بنا کر یمن بھیجا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے پوچھا: "جب تمہارے پاس مقدمات آئیں تو تم کیونکر حکم (قضا) کرو گے؟" انہوں نے عرض کی، "میں اللہ کی کتاب کی روشنی میں فیصلہ کروں گا"۔ فرمایا "اگر کتاب اللہ میں تم اس کا حکم نہ پاؤ تو؟" عرض کی: "پھر سنتِ رسولؐ کی روشنی میں"۔ اب سوال کیا: "اگر سنت رسول میں بھی تم اس کا جواب نہ پاؤ؟" سیدنا معاذؓ نے عرض کی: "ایسی صورت میں میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہ ہونے دوں گا"۔ سیدنا معاذ بن جبلؓ کے منہ سے یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی اور مسرت سے دمک اٹھا۔ آپ نے

Marfat.com

خوشی میں ان کے سینے پر پیار سے ہاتھ مارا اور فرمایا: "سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ ہے"۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۴۹، سنن دارمی جلد ۲، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۴۰، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ص ۱۱۴)

سیدنا معاذؓ سے اس حدیث کو کئی حضرات نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شئے قرآن وسنت میں نہ ملے اس کے بارہ میں یہ نہ کہنا چاہیے کہ وہ بات دین کی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث میں سے اجتہاداً نکالی گئی ہو۔ صحابہ کرامؓ نے اسے ہمیشہ شریعت کا تیسرا ماخذ سمجھا۔

اس حدیث میں سیدنا معاذؓ نے جو الفاظ استعمال فرمائے وہ یہ ہیں: "اجتهد برائی ولا آلو" یعنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف سے بات سمجھنے اور اس کا حل نکالنے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کے ان الفاظ کو منظوری بخشی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد کے لئے اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں۔ حدیث تو ہر شخص روایت کر سکتا ہے۔ الفاظ کو یاد کر لیا اور اس کو آگے روایت کر دیا۔ لیکن اہل الرائے ہونا یہ درجہِ اجتہاد ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کے لئے مجتہد اور اہل الرائے ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے جن لوگوں کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں قاضی مقرر فرمایا، وہ سب مجتہد تھے اور صحابہ میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

سیدنا معاذ بن جبلؓ کی اسی خوبی کی وجہ سے سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا اس میں ان کی اس خوبی کا ان الفاظ میں اقرار فرمایا:

> "اے لوگو! جو شخص چاہے کہ قرآنِ حکیم کے بارہ میں کچھ پوچھے، وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جائے اور جو شخص وراثت کے بارہ میں کچھ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس آئے اور جو شخص فقہ (قضاء) کا خواہاں ہو وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس آئے"۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۳۵)

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں سیدنا علیؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ وغیرہ کو اس خدمت پر مامور رکھا، لیکن

یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ کتب تاریخ و سیر میں ان حضرات کو عہدِ صدیقی کے قاضی نہیں بلکہ اصحابِ افتاء کہا گیا ہے جیسا کہ علامہ سرخسیؒ نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے۔ (المبسوط جلد ۱۶ ص ۱۰۹) صدر اول میں قاضی کو بھی مفتی کہتے تھے، لیکن اگر یہ قاضی بھی مان لئے جائیں تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ صدیقی دور میں قاضی القضاۃ (Chief Justice) کے عہدہ پر فائز تھے اور اہم معاملات کا فیصلہ آپ ہی فرماتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں سیدنا عمرؓ کے لئے افتاء کا نہیں بلکہ قضاء کا لفظ آیا ہے۔

طبری میں مرقوم ہے کہ جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو سیدنا عمرؓ نے خود فرمایا: "انا اکفیك القضاۃ" میں آپ کے لئے قاضی کا کام کروں گا، لیکن چونکہ وہ دور خیر القرون کا تھا، اس لئے سال بھر تک کوئی جھگڑا اور قضیہ سیدنا عمرؓ کے سامنے پیش نہ ہوا۔ (طبری جلد ۲ ص ۶۱۷) ابن اثیر نے "الکامل" میں لکھا ہے:

و فیها استقضی ابوبکرؓ عمر بن الخطاب و کان یقضی بین الناس خلافة کلها.

اور اس سال سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمر بن الخطابؓ کو قاضی مقرر فرمایا اور وہ خلافتِ صدیقی بھر قضا کا کام کرتے رہے۔

تاریخ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اپنے اس حق قضا کو پوری آزادی سے استعمال کیا اور مقدمات کے فیصلہ کے بارہ میں وہ سیدنا ابوبکرؓ کی رائے کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصنؓ سیدنا ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ایک بے کار زمین جو ان کی طرف پڑی ہوئی تھی اس کا مطالبہ کیا۔ چونکہ یہ دونوں مولفۃ القلوب میں سے تھے، اس لئے سیدنا ابوبکرؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اس زمین کا پٹہ ان کے نام لکھ دیا۔ اب یہ دونوں سیدنا عمرؓ کے پاس آئے تاکہ پروانہ خلافت کی ان سے توثیق کرالیں، لیکن سیدنا عمرؓ انہیں دیکھتے ہی سخت غضبناک ہوئے اور وہ پروانہ ان کے ہاتھ سے لے کر چاک کر دیا اور فرمایا: "سرکارِ دوعالم ﷺ اس زمانہ میں تمہاری دل جوئی فرمایا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا۔ اب اسلام کافی مضبوط ہے۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کر دیکھو"۔ یہ دونوں وہاں سے واپس سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے: "خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟" سیدنا ابوبکرؓ نے جواب دیا: "خلیفہ تو عمرؓ ہی ہوتے اگر وہ چاہتے"۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ سیدنا عمرؓ بھی غصہ میں بھرے ہوئے آپہنچے اور سیدنا ابوبکرؓ سے بازپرس کی

Marfat.com

کرنے لگے کہ آپ نے یہ زمین کا ٹکڑا ان دونوں کو کس طرح دیا؟ یہ آپ کی ملکیت ہے یا مسلمانوں کی؟ سیدنا ابو بکرؓ نے جواب دیا: "مسلمانوں کی"۔ سیدنا عمرؓ نے کہا: "تو پھر آپ کو کیا حق تھا کہ دو آدمیوں کو بخش دیں؟" سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا: "اس وقت جو لوگ میرے پاس موجود تھے، میں نے ان سے مشورہ کر لیا تھا"۔ آخر سیدنا ابو بکرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور سیدنا عمرؓ کے فیصلہ کو بحال رکھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کی تحریر چاک کر دی تھی۔ اس کے بعد عیینہ سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ایک دوسری تحریر لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: "لا اجدد شیئاً ردہ عمر" جس کو عمرؓ نے رد کر دیا میں اس کی تجدید نہیں کروں گا۔"

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاصابہ جلد ۳ ص ۵۶ ترجمہ عیینہ بن حصن، کتاب الاموال ص ۲۷۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ کے زمانہ میں عدلیہ (Judiciary)، انتظامیہ (Executive) سے الگ نہیں تھی۔

سیدنا عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو قاضی تو آپ تھے ہی، لیکن صوبوں کا انتظام، حکومت کے وسیع معاملات اور اعلیٰ سیاست نے انہیں ان تمام ذمہ داریوں سے غافل کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ نے جلد ہی یہ محسوس فرمالیا کہ وہ ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو رہے جن کے بارہ میں اپنی بیعت کے روز انہوں نے عوام سے وعدہ کیا تھا۔ عراق و شام کے اسلامی لشکروں کی خبریں ان کی بہت سی توجہ اور ان کا بہت سا وقت لے لیتی ہیں اور مملکت کے مختلف حصوں میں ان کے گورنر کیا کچھ کر رہے ہیں، ان کے متعلق بھی وہ سوچتے رہتے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھنے اور وہاں مال و دولت کی ریل پیل ہونے سے اہلِ مدینہ کے مفادات میں الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں اور ادھر فتوحات کی وسعت اور مقبوضہ علاقوں کا نظم و نسق اس امر کا متقاضی تھا کہ سیدنا عمرؓ اپنی ذمہ داریوں کو مختلف معاونین کے سپرد کریں جو عوامی مفاد کے لئے اس طرح کام کریں کہ اس سے حکومت کا مفاد متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انہوں نے یہ کیا کہ مدینہ طیبہ کے عدالتی فرائض سے سبکدوش ہو کر یہ خدمت سیدنا ابو الدرداء کے سپرد فرما دی اور انہیں قاضی کے نام سے موسوم کر دیا کہ لوگ اگر اپنے مقدمات اور خصومات ان کے پاس لائیں تو

Marfat.com

وہ ان کا فیصلہ کتاب و سنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب سیدنا فاروقِ اعظمؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ آپ لوگوں کے تنازعات اور خصومات کے فیصلے کریں اور جنگی امور سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب لابنِ جوزی باب ۴۳ ص ۱۱۶) اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ :

"سیدنا عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی مدینہ کا قاضی سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو مقرر فرمایا اور ملک شام کے لئے اپنا نائب سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو مقرر کیا"۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ لوگوں کے لیے قاضی اور مفتی تھے لیکن ان کے اپنے تنازعات اور خصومات کے لئے سیدنا عمرؓ قاضی تھے بلکہ قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں منقول ہے کہ :

"سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ اور سیدنا علیؓ دونوں نے اموالِ فے اور اموالِ بنی نضیر کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی عدالت میں اپنا تنازعہ پیش کیا۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ اس جائداد وغیرہ کو آپ لوگوں میں مالکانہ حقوق دے کر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کی آمدنی آپ حضرات کے مابین عہدِ نبوی کے دستور کے مطابق تقسیم ہوتی رہے گی اور باقاعدہ جاری رہے گی۔ اگر آپ لوگوں کے درمیان اس کی نگرانی بھی قابلِ نزاع ہو رہی ہے تو یہ مجھے واپس کر دیں، میں خود نگرانی کا انتظام کروں گا اور اس کی آمدنی آپ حضرات کو باقاعدہ حاصل ہوتی رہے گی"۔ (بخاری جلد ا ص ۴۳۵، جلد ۲ ص ۸۰۶، مسلم جلد ۲ ص ۸۱)

اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا علیؓ اور سیدنا زبیر بن عوامؓ کے درمیان ایک غلام کے متروکہ اموال کا تنازعہ ہو گیا، وہ دونوں اس مقدمہ کو سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی عدالت میں لے گئے چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اس مقدمہ کا فیصلہ سیدنا زبیرؓ کے حق میں کیا۔ (المصنف عبد الرزاق جلد ۹ ص ۴۳۵، ۴۵، کنز العمال جلد ۶ ص ۷)

ویسے طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانوں میں سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا علی ابنِ ابی طالبؓ، سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ اصحابِ افتاء تھے اور یہ دونوں حضرات ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ (طبقات ابنِ سعد جلد ۲ ص ۱۰۹)

Marfat.com

یہ تو مدینہ کا حال تھا۔ پھر جب کوفہ اور بصرہ آباد ہو گئے اور عربوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور لوگوں میں باہمی تنازعات پیدا ہوئے تو کوفہ کا قاضی سیدنا شریحؒ کو بنا دیا گیا اور بصرہ کا قاضی سیدنا ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے مسلمانوں کا قاضی قیس بن ابی العاص سہمیؓ کو مقرر کیا گیا۔ یہ تمام قاضی کتاب و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے آزادانہ فیصلے کرتے تھے کیونکہ آپ نے عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کر دیا تھا۔

قضاۃ کا انتخاب

سیدنا عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے جوہر شناسی کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا، لیکن آپ نے قضاۃ کے انتخاب میں گورنروں کے انتخاب کی طرح، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ، اپنی وہبی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود فقہ و شریعت کے عالم تھے اور ان کی نظر اس قدر گہری تھی کہ اس وقت میں کوئی اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ:

"عمرؓ کا علم اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور عرب کے تمام قبائل کا علم دوسرے پلڑے میں تو بھی عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ سیدنا عمرؓ حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل قریش کے عہدۂ سفارت پر مامور تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اکثر و بیشتر سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رہنے لگے اور آپ سے علم دین سیکھتے۔ اس کے علاوہ ان میں آدمیوں کی جوہر شناسی کا ایک فطری جذبہ تھا اور شریحؒ کے قاضی کوفہ بنائے جانے کا واقعہ اس کا بہترین ثبوت ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر گھوڑا خریدا اور اس کی آزمائش کے لیے اس پر سوار ہوئے۔ گھوڑا چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "کسی کو اس بارہ میں ثالث بنا لو"۔ مالک نے عرض کیا: "شریح عراقی"۔ دونوں شریحؒ کی ثالثی پر رضامند ہو کر ان کے پاس پہنچے۔ شریحؒ نے فریقین کے دلائل سن کر کہا: "اگر گھوڑی کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا: "حق یہی ہے"۔ اور شریح کو

کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ جہاں وہ ساٹھ برس تک اس منصب پر قائم رہے۔

قاضی اگرچہ گورنر صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قاضیوں کے تقرر کا پورا پورا اختیار حاصل تھا لیکن پھر بھی احتیاط کی وجہ سے قاضی آپ خود منتخب کر کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں بھیجتے اور قاضیوں کے انتخاب میں عملی امتحان اور ذاتی تجربہ سے کام لیتے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں جو قاضی مقرر کیے گئے وہ نہایت قابل اور فضل وکمال کے حامل تھے۔ کوفہ کے قاضی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ تھے جن کی قابلیت اور فقاہت بے مثال تھی۔ ان کی جلالت اور عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب سیدنا عمرؓ نے انہیں کوفہ کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تو اہلِ کوفہ کو لکھا:

"میں تمہاری طرف عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو علی الترتیب امیر اور معلم بنا کر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں سے ہیں اور اہلِ بدر میں سے بھی ہیں۔ لہٰذا تم (اپنے اپنے دائرہ میں) ان دونوں کی پیروی کرنا اور ان کے اقوال کو عملی جامہ پہنانا"۔

(اعلام الموقعین لابنِ قیم جلد ۲ ص ۲۱۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مسئلہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی رائے اور تھی اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی اور۔ جب سیدنا ابو موسیٰ کو سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کا پتہ چلا تو فرمایا:

لا تسئلونی ما دام ھٰذا الحبر فیکم (بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷، ابو داؤد جلد ۲ ص ۴۴)

مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ بڑا عالم تم لوگوں میں موجود ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد ۱۹ ھ میں شریحؒ کو قاضی مقرر فرمایا۔ یہ اگرچہ صحابی رسولؐ نہ تھے لیکن اپنی ذہانت اور معاملہ فہمی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سیدنا علیؓ بھی ان کی ذہانت اور قضا کے معترف تھے۔ ان بزرگوں کے علاوہ سلمان ربیعہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، ابو قرہ الکندی، جمیل بن معمر وغیرہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ کے قاضی تھے جو اپنے زمانہ کے علم و فضل، ذہانت اور معاملہ فہمی میں نہایت جلیل القدر حضرات تھے۔

بصرہ کے قاضی کعب بن سور الازدی تھے، جو اپنے زمانہ کے علم و فضل، ذہانت اور معاملہ فہمی میں نہایت جلیل القدر حضرات تھے، فلسطین کے قاضی سیدنا عبادہ بن صامتؓ تھے جن کی جلالتِ قدر تمام صحابہ کرامؓ میں مسلم تھی۔ مدینہ طیبہ کے ایک قاضی سیدنا زید بن

Marfat.com

ثابتؓ بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتبِ وحی بھی تھے اور علمِ فرائض میں تمام عرب میں ان کا کوئی جواب نہ تھا۔

قضا کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی وسعتِ نظر

سیدنا عمرؓ کے مکاتیب آج بھی اس امر کی زندہ شہادت دیتے ہیں کہ قضا اور اس کے اصول واحکام پر ان کی نظر کس قدر وسیع تھی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ان کا ایک خط آدابِ قضاء کا ایک غیر فانی نقش ہے جس میں انہوں نے قضاء کے اصول بیان فرمائے ہیں اور قیاس واجتہاد کی فصل مقدمات میں اجازت دی گئی ہے۔ تاریخ میں سیدنا عمرؓ کے سیدنا ابو موسیٰؓ کے نام خطوط سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے وہ سارے مراسلے جو وقتاً فوقتاً انہیں موصول ہوئے تھے، بڑے اہتمام سے محفوظ رکھے تھے اور مرتے وقت اپنے بیٹے ابو بردہؒ (جو حجاج کے قاضی کوفہ تھے) کو تاکید کی تھی کہ انہیں پڑھیں اور محفوظ رکھیں۔ نہج البلاغہ کے شارح ابن ابی الحدید اور مصنف نہایۃ الارب نے لکھا ہے کہ یہ خط سیدنا ابو موسیٰؓ کو عراق کے قاضی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا۔ اس خط میں سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو موسیٰؓ کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیر المؤمنین کی طرف سے عبداللہ بن قیس کے نام! سلام علیک

اما بعد! واضح ہو کہ فصل مقدمات ایک اہم فریضہ ہے جس پر ہر زمانہ میں عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو (اور جب صحیح فیصلہ سمجھ میں آجائے تو اسے نافذ کردو۔ کیونکہ زبانی فیصلہ بے سود ہے تاوقتیکہ اسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو۔ کسی ایک فریق سے بات کرنے یا عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو تاکہ "بڑا آدمی" یہ توقع نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ رعایت کرو گے اور "غریب" اور کمزور کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ ناانصافی سے پیش آؤ گے۔ جو شخص دعویٰ کرے اس سے گواہ مانگے جائیں اور جو دعویٰ نہ مانے (یعنی مدعا علیہ) ان سے قسم لی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے قرآنِ حکیم کا کوئی

Marfat.com

قانون نہ ٹوٹے۔ اگر کل تم نے کوئی فیصلہ کیا، آج اس سے بہتر فیصلہ تمہاری عقل اور سمجھ بوجھ نے تمہیں سمجھادیا تو اپنے پہلے فیصلے کو رد کر سکتے ہو، اس لئے کہ حق ازلی ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔
جس مسئلہ میں شبہ ہو اور وہ تمہیں قرآن وحدیث میں نہ ملے تو اس پر غور کرو، پھر غور کرو اور اس کی امثال ونظائر کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے قیاس واجتہاد سے کام لو۔ کوئی شخص اگر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مہلت مانگے تو اسے مہلت دو۔ اور اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوادو، ورنہ مقدمہ خارج کر دو۔ اس سے شک مٹے گا اور ظلم و ستم کی سیاہی دور ہو گی۔ ہر مسلمان ثقہ ہے سوائے ان اشخاص کے جنہیں کسی جرم میں کوڑے لگائے جا چکے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولد و نسب میں مشکوک ہوں۔ تمہاری چھپی ہوئی بد اعمالیوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں قانونی سزا سے بچنے کے لیے اس نے گواہی حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! تمہارے دل میں اہلِ مقدمہ سے خفگی، اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو کیونکہ جو شخص حق وانصاف کے موقع پر حق وانصاف قائم کرتا ہے، وہ اللہ کے انعام اور اچھی شہرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جس کسی نے اپنی نیت درست رکھی، اس کے اور لوگوں کے درمیان اللہ کافی ہے اور جو ان سے بناوٹی اخلاق کے ساتھ پیش آیا اس کے لئے اللہ کے رزق اور رحمت کی امید نہ رکھو۔ والسلام"۔

(سنن دار قطنی ص ۵۱۳، عیون الاخبار لابنِ قتیبہ جلد ۱ ص ۶۶، البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۲۴، نہایۃ الارب نویری جلد ۶ ص ۲۵۷، اعلام الموقعین لابنِ قیم جلد ۲ ص ۷۱، ۲۰۷۔ مبسوط سرخسی جلد ۱۶ ص ۶۰، ۶۵۔ عمر بن الخطاب لابنِ جوزی ص ۱۳۵، مقدمہ ابنِ خلدون مصر جلد ۱ ص ۱۸۴، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۱۹ وغیرہ)

ایک اور روایت میں جو قاضی شریح ؒ سے مروی ہے، یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ فیصلے کس طرح کیے جائیں؟ آپ نے ان کے جواب میں لکھا!

"کتاب اللہ کے مطابق..... اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ کے مطابق اور اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور سنت رسول ﷺ میں بھی نہ ہو تو پہلے اکابرِ امت جو فیصلے کر چکے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرو۔ اور اگر پہلے صالحین

امت بھی اس پر کچھ فیصلے نہ کر پائے ہوں تو چاہو تو آگے بڑھو (یعنی اجتہاد کر لو) اور چاہو تو رک جاؤ (یعنی یہاں لکھ بھیجو) اور میرے خیال میں تمہارے لیے رکنا بہتر ہے۔" والسلام (نسائی جلد ۲ ص ۳۰۵)

قضا کے یہ اصول جو سیدنا عمرؓ نے چودہ سو برس قبل مقرر فرمائے، آج بھی اکثر مہذب قوموں کا عدالتی نظام انہی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ وہ پائیدار اصول ہیں جو زمانے کی کروٹوں کے ساتھ تبدیل نہیں ہوئے اور جن کے سلسلہ میں فقہ و قانون کی کتابوں کی شروحات دسیوں نہیں سینکڑوں مجلدات میں لکھی گئیں۔ ان اصولوں کا سیدنا عمرؓ کی طرف سے مقرر کیا جانا کوئی تعجب خیز اور حیرت زا بات نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، سیدنا ابوبکر اپنے زمانے کے مقدمات انہی کے سپرد فرماتے تھے۔ اور خلافتِ فاروقی کے ابتدائی دور میں قضاء کے فرائض وہ خود ہی انجام دیتے تھے۔ وہ بڑے بالغ النظر فقیہ تھے اور جو مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوتا تھا وہ اس کی گہرائی اور گیرائی تک پہنچتے اور بہترین معلومات سے کام لے کر اس کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو مشورہ کے بعد اجتہاد فرماتے تھے۔ اور ان کا اجتہاد درست ہی نہیں بلکہ حجت ہوتا تھا۔

کیا کسی متقی اور انصاف پسند قاضی کے سوا کوئی اور وہ بات کہہ سکتا ہے جو سیدنا عمرؓ نے قاضیوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمائی ہے "جب مدعی اور مدعا علیہ تمہارے سامنے پیش ہوں تو ان سے منصفانہ شہادت طلب کرو یا واضح قسم کھلواؤ۔ کمزور سے اتنے قریب ہو کہ اس کا دل بڑھے اور زبان کھل جائے۔ اور غریب کی دل جوئی کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ اپنا حق چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اس کا حق ضائع کرنے والا وہ شخص ہوگا جس نے اس سے لطف و نرمی نہیں برتی"۔ خط کا ایک ایک لفظ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ خط لکھنے والا قانون و فقہ میں کس قدر ماہر ہے۔

عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی

قاضیوں کا تقرر ایک ایسا قدم تھا کہ مملکت کے بدلتے ہوئے حالات میں ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ یہ کوئی عمومی تنظیم نہ تھی جس سے کسی اصول کی تطبیق مقصود تھی۔ چنانچہ جن گورنروں پر مملکت کے کاموں کا غیر معمولی بوجھ نہ تھا اور جو عدالتی فرائض انجام دے سکتے تھے، آپ نے ان کے صوبوں میں قاضی مقرر نہ فرمائے بلکہ تمام

Marfat.com

اختیارات (انتظامیہ اور عدلیہ کے) انہی کے ہاتھ میں رہنے دیئے۔ لیکن یہ آپ کا ابتدائی قدم تھا اور یہ قدم اٹھائے ابھی چند ہی سال گزرے تھے کہ وہ حکومت کے دوسرے نظاموں کی طرح ایک نظام بن گیا۔ چنانچہ آپ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور قاضی کی ایک خاص حیثیت ہو گئی جسے ہر قسم کی عزت واحترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا اور پھر آنے والے وقتوں کے قاضیوں نے انتظامیہ کے خلاف فیصلے کرنے میں بھی کوئی پس و پیش نہ کی۔ چنانچہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ کوفہ میں عدالت کا اجلاس ہو رہا تھا اور قاضی شریک بن عبداللہ مقدمات کی سماعت فرما رہے تھے۔ باہر لوگوں کا ایک ہجوم تھا جن کے مقدمات کی شنوائی اس عدالت میں ہونی تھی۔ اس ہجوم میں ایک بڑھیا بھی کھڑی تھی جس کے چہرے سے فکرو تردّد ٹپک رہا تھا اور ضعف و مسکنت کے آثار بھی نمایاں تھے۔ جب وہ اپنی باری پر قاضی صاحب کے حضور پیش ہوئی تو قاضی صاحب نے پوچھا! "بی بی! کیا معاملہ ہے؟" اس عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ "امیر المؤمنین کے چچا نے مجھ پر ظلم کیا ہے، میں اس کی فریاد لے کر آپ کے حضور میں آئی ہوں"۔ جب قاضی صاحب نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا: "دریائے فرات کے کنارے میرا کھجوروں کا ایک باغ تھا جو مجھے ورثہ میں ملا تھا۔ میرے باپ کے انتقال کے بعد جب میرے بھائیوں نے اسے تقسیم کیا تو میں نے اپنے حصے کو دیوار بنا کر ان سے علیحدہ کر لیا اور باغ کی نگرانی اور حفاظت کے لیے ایک ملازم رکھ لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد گورنر موسیٰ نے میرے بھائیوں کے حصہ کا باغ خرید لیا اور میرے حصہ پر حریفانہ نظریں گاڑ دیں۔ چنانچہ اس نے مجھے برملا باغ فروخت کرنے کا کہہ دیا۔ لیکن میں نے اس کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک روز گورنر موسیٰ چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر آیا اور اس دیوار کو گرانے کا حکم دیا جو میں نے تعمیر کی تھی۔ یہ واقعہ بیان کر کے اس پریشان حال عورت نے کہا! "اے قاضی! میں اب تیرے پاس اپنا حق لینے آئی ہوں اور یہ اعلان عدالت کے اس کٹہرے میں کھڑے ہو کر کرتی ہوں کہ میں اپنا باغ گورنر موسیٰ کے ہاتھ ہرگز ہرگز نہیں فروخت کروں گی۔"

قاضی شریکؒ نے یہ واقعہ بڑے غور سے سنا اور جونہی اس عورت نے بات ختم کی تو قاضی صاحب نے لحہ بھر کے لیے سر جھکایا، پھر آواز دی: "غلام"۔ جب غلام حاضر ہوا تو قاضی نے ایک سمن پر اپنی مہر لگا کر اسے دی اور کہا کہ گورنر موسیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ غلام جب سمن لے کر گورنر کے گھر گیا اور اس کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو گورنر یہ فقرہ سن کر

Marfat.com

لال پیلا ہو گیا اور غصہ کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ اس نے اسی وقت اپنے باڈی گارڈ افسر کو بلایا اور حکم دیا کہ فوراً قاضی شریک کے پاس جاؤ اور انہیں میری طرف سے کہو کہ تم بھی عجیب آدمی ہو کہ ایک عورت کا بالکل جھوٹا دعویٰ تم نے تسلیم کر لیا اور اب مجھے اس کے دوش بدوش کھڑا کرنے کے لیے عدالت میں بلا رہے ہو۔ تمہیں میرے منصب کا کچھ تو لحاظ ہونا چاہیے۔ وہ افسر قاضی شریک کے مزاج سے واقف تھا اس نے عرض کی کہ آپ میری جگہ کسی اور شخص کو قاضی صاحب کے پاس بھیج دیں تو بہتر ہوگا، لیکن گورنر صاحب نہ مانے۔ ناچار اس افسر کو جانا پڑا۔ چنانچہ اس افسر نے قاضی شریک کی عدالت میں حاضر ہو کر گورنر صاحب کا پیغام دیا۔ قاضی صاحب نے اسی وقت سپاہی کو بلا کر حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ کر جیل میں ڈال دو۔ گورنر کو جب پتہ چلا کہ قاضی صاحب نے گارد افسر کو جیل بھیج دیا ہے تو وہ اور سیخ پا ہو گیا۔ اب اس نے اپنا حاجب قاضی صاحب کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا: ”قاضی صاحب! گارڈ افسر تو صرف گورنر کا پیغام لے کر آیا تھا، لیکن آپ نے اسے جیل بھیج دیا“۔ قاضی صاحب نے اسی وقت سپاہی کو آواز دی۔ جب وہ آیا تو کہا کہ ”اس حاجب کو بھی گارڈ افسر کے ساتھ جیل میں بند کر دو۔“

شام کے قریب گورنر کو پتہ چلا کہ قاضی شریک نے حاجب کو بھی جیل بھیج دیا ہے تو وہ زخمی سانپ کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کی حالت دیدنی تھی۔ اسے کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر اس نے معززینِ شہر کو بلایا جن میں کئی لوگ قاضی شریک کے دوست احباب بھی تھے اور انہیں کہا کہ آپ حضرات قاضی صاحب کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں کہ آپ نے میری توہین کی ہے۔ میں عام شہری نہیں ہوں کہ عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔ پھر آپ نے میرے پیغام بروں کو بھی جیل میں ڈال دیا ہے۔ معززین کوفہ اور قاضی شریک کے دوست ان کے ہاں گئے اور انہیں گورنر کا پیغام پہنچایا۔ قاضی صاحب کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا! ”تم لوگ مجھے ایسی بات کہنے آئے ہو جس کا تمہیں کوئی حق نہیں“۔ پھر اس نے خدام کو آواز دی اور کہا کہ ان سب لوگوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دو“۔ انہوں نے حیرانی میں پوچھا کہ آخر ہمارا جرم کیا ہے؟ ”تم لوگ فتنہ ہو۔ حق کی راہ میں مزاحم اور قوانینِ شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ بن رہے ہو۔ تمہاری سزا قید ہی ہو سکتی ہے، تاکہ تم آئندہ کسی ظالم کا پیغام نہ لاؤ“۔ گورنر موسیٰ کو جب قاضی شریک کی اس بات کا پتہ چلا تو وہ غصے سے لال بھبوکا ہو گیا۔ فوراً اپنا گھڑ سوار دستہ لے کر جیل خانے

Marfat.com

پہنچا اور داروغہ جیل سے ان تمام قیدیوں کو رہا کروادیا جن کو قاضی صاحب نے جیل میں قید کیا تھا۔ اگلے روز صبح قاضی عدالت لگائے بیٹھے تھے کہ داروغہ جیل حاضر ہوا اور گزشتہ روز کی ساری روئیداد قاضی صاحب کے گوش گزار کردی۔ اور بتایا کہ گورنر موسیٰ بن عیسیٰ نے ان سب قیدیوں کو رہا کردیا ہے جن کو آپ نے جیل بھجوایا تھا۔

قاضی صاحب نے جونہی یہ سنا فوراً کھڑے ہوئے۔ عدالت برخاست کردی اور گھر پہنچے اور غلام سے کہا کہ میرا سامان گھر پہنچادو۔ غلام نے پوچھا! "کیا جناب منصب عدالت چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟" قاضی صاحب نے جواب دیا:

"بخدا! ہم نے یہ منصب امیر المؤمنین سے مانگا نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود زبردستی یہ کام ہمارے سپرد اس شرط پر کردیا تھا کہ وہ یا ان کا کوئی اہل کار عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کرے گا۔ آج یہ مداخلت ہوئی ہے، لہٰذہ یہ منصب انہیں واپس لوٹانے جا رہا ہوں"۔

گورنر موسیٰ کو یہ خبر ملی کہ قاضی صاحب نے استعفیٰ دے دیا ہے اور وہ بغداد جا رہے ہیں۔ اب گورنر بجائے غصہ میں آنے کے گھبرایا۔ چنانچہ اس نے فوراً باڈی گارڈ دستہ ساتھ لیا اور قاضی صاحب کو راستہ میں جالیا، اور لگا منت سماجت کرنے۔ اور عرض کی کہ آپ واپس تشریف لے چلیں اور اپنے فرائض ادا فرمائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ چاہیں گے وہی کروں گا۔ اور وہی کچھ ہوگا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ "جب تک وہ سب لوگ جیل نہیں چلے جاتے جو کل تو نے رہا کیے ہیں میں یہاں سے ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ ورنہ میں امیر المؤمنین مہدی کے دربار میں جاؤں گا اور جو بوجھ انہوں نے میرے کندھوں پر لاد رکھا ہے وہ ان کے سامنے اتار کر ان کی خدمت میں رکھ دوں گا۔" گورنر موسیٰ نے فوری طور پر اس شرط کو مان لیا۔ ان سب لوگوں کو فوری طور پر واپس جیل بھجوادیا گیا۔ اب قاضی صاحب نے خدام سے فرمایا کہ گورنر کی سواری کی لگام پکڑو اور انہیں میری عدالت میں حاضر کرو۔ گورنر کو عدالت میں حاضر کیا گیا اور اس مظلوم عورت کے ساتھ کھڑا کیا گیا۔ قاضی صاحب نے اس عورت سے کہا: "بی بی! فریق ثانی حاضر ہے جو کچھ کہنا ہے، بے خوف ہو کر کہو۔ عورت نے وہ پہلی تمام داستان دہرائی۔ اب قاضی صاحب نے گورنر سے پوچھا: "اس خاتون نے جو دعویٰ دائر کیا ہے اس کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟" گورنر نے جواب دیا! "یہ بالکل درست کہتی ہے"۔ قاضی صاحب نے کہا: "جو دیوار آپ نے گرائی ویسی ہی نئی

Marfat.com

دیوار فوراً ہوا دیجئے"۔ چنانچہ قاضی صاحب کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ عورت قاضی صاحب کو دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی اور قاضی شریک نے اسلامی عدل و انصاف کی تاریخ میں ایک روشن ورق کا اضافہ کر دیا۔

عدلیہ کی یہ آزادی سیدنا فاروقِ اعظم کی مرہونِ منت ہے جنہوں نے عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ بعض مرتبہ حکامِ عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے جس سے ایک تو قاضیوں کی قابلیت کا امتحان لینا مقصود ہوتا تھا اور دوسرے ان میں آزادی کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا تھا۔ یہ فتاویٰ کنزالعمال اور حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفا میں مرقوم ہیں۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے خط میں سیدنا عمرؓ نے ایک بات یہ بھی لکھی کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ اس میں شاہ و گدا اور امیر و غریب کا امتیاز نہ ہو۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ جن ملکوں میں عدالتی مساوات نہیں ہے وہاں قانون کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ کرپشن اور ناانصافی کا دور دورہ ہوتا ہے اور ملک میں امن و امان کی حالت دن بدن ابتر ہوتی جاتی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اس عدالتی مساوات پر بڑا زور دیا۔ چنانچہ اس تجربہ اور امتحان کے لیے بعض دفعہ خود مدعی یا مدعا علیہ بن کر عدالت میں حاضر ہوئے۔ ایک دفعہ ان میں اور سیدنا اُبی بن کعبؓ میں کچھ نزاع پیدا ہو گئی۔ سیدنا ابی بن کعب نے مدینہ کے قاضی سیدنا زید بن ثابتؓ کے پاس سیدنا عمرؓ کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ سیدنا عمرؓ ایک مدعا علیہ کی حیثیت سے سیدنا زید بن ثابتؓ کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ جونہی آپ عدالت میں داخل ہوئے، سیدنا زیدؓ نے ان کی بڑی تعظیم کی۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا! "یہ تمہارا پہلا ظلم ہے"۔ یہ کہہ کر آپ سیدنا ابی بن کعبؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ سیدنا ابیؓ نے قاعدہ کے مطابق سیدنا عمرؓ سے قسم لینا چاہی لیکن سیدنا زیدؓ نے امیر المؤمنین کے رتبے کا لحاظ رکھتے ہوتے سیدنا ابیؓ سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ سیدنا عمرؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ کی اس بات پر سخت رنجیدہ ہوئے اور سیدنا زیدؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا! "زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور امیر المؤمنین برابر نہ ہوں، تم منصبِ قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے"۔ سیدنا زیدؓ امیر المؤمنین کی اس بات سے نہایت متاثر ہوئے۔

سیدنا عمرؓ نے ان طریقوں سے قضاۃ کے دلوں میں ایک ایسا جذبہ پیدا کیا کہ وہ نہایت عدل وانصاف اور عدالتی مساوات کے ساتھ فیصلے کرتے تھے اور قضاۃ میں یہ جذبہ آپ کی شہادت کے بعد بھی کافی مدت تک قائم رہا۔

قاضیوں کی رشوت سے حفاظت

جب اسلام میں قاضی کو اتنے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ امیر المؤمنین بھی اس کی عدالت میں اسی طرح حاضر ہوگا جس طرح ایک عام آدمی حاضر ہوتا ہے تو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رشوت کا مرتکب نہ ہو جائے اور عدلیہ جب راشی ہو جاتی ہے تو پھر ملک میں انصاف بکتا ہے۔ اسلام نے نہ صرف قاضی کو رشوت لینے سے منع کیا بلکہ ہدیہ اور تحفہ سے بھی روکا۔

ھدیہ کا اصل مادہ "ھدی" ہے۔ یہ لفظ جوڑنے اور ملانے پر بولا جاتا ہے، چنانچہ عربی میں کہتے ہیں: اھدی الرجل امرأتہ یعنی مرد نے اپنی دلہن کو اپنے پاس بلایا اور اس سے ملا۔ اس کی جمع "ھدایا" آتی ہے جب کہ اہلِ مدینہ کی لغت میں "ھداوی" ہے۔ صحاح جوہری میں ہے کہ "مھدی" (میم پر زیر کے ساتھ) سے مراد تھالی یا طباق اسی وقت ہوگا جب کہ ہدیہ دی ہوئی شئے اس کے اندر موجود ہو۔ حدیث میں ہے "تھادوا تحابوا" ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو اس میں محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(صحاح جوہری جلد ۲ ص ۲۴، ۲۵)

عام اصطلاح میں ہدیہ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ "کسی شرط کے بغیر ایک آدمی دوسرے کو جو مال دیتا ہے، اس کو ہدیہ کہتے ہیں"۔ اس تعریف میں "کسی شرط کے بغیر" کے الفاظ قید احترازی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے رشوت خارج ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ جلد ۳ ص ۱۲۲۶)

نیز ان الفاظ سے بدلہ کا ہدیہ بھی خارج ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ہدیہ ہے جس میں اسی جیسا یا اس سے کم یا زیادہ تحفہ لوٹانے کی پیشگی شرط ہوتی ہے۔

ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ "ایک شخص پہل کر کے دوسرے کو اس کی طلب کے بغیر ہدیہ دے۔" کشاف القناع عن متن الاقناع جلد ۶ ص ۳۱۷)

ایک تعریف اس کی یہ بھی کی گئی ہے کہ "ہدیہ وہ مال ہے جو دلی محبت کے اظہار، الفت کے حصول اور ثواب کی غرض سے عزیزوں، دوستوں، علماء و مشائخ اور صالحین کو دیا

Marfat.com

جائے۔ جن کے بارہ میں اسے حسنِ ظن ہو"۔ (تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی و سعادۃ الرعیۃ ص ۵۰)

علماء نے لکھا ہے کہ ہدیہ دینا اگرچہ مستحب ہے اور اس کے استحباب کی وجہ حدیث میں یہ ہے کہ لوگوں میں محبت عام ہو، لیکن یہ ہدیہ کا لین دین اس شخص کے لئے ہو گا جو مسلمان کے کسی کام کا نگران اور ذمہ دار نہ رہا ہو۔ رہا وہ شخص جسے کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی جیسے قاضی، سربراہِ مملکت، وزیرِ اعظم یا وزراء، گورنر یا دوسرے ارکانِ سلطنت تو ایسے عہدیداران کے لئے ہدیہ قبول کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ اگر کسی رکن مملکت خواہ وہ کلرک، چپڑاسی یا کوئی معمولی ملازم ہی کیوں نہ ہو، سے کام کرایا جاتا ہے جو اس ملازم پر ہدیہ لیے بغیر بھی فرض ہوتا ہے، یا اگر اس کے فرض کو یاد دلانے کے لیے اسے کوئی ہدیہ یا تحفہ دیا گیا تو وہ ایک قسم کی رشوت ہو گی۔ (مبسوط سرخسی جلد ۱۶ ص ۸۲) کیونکہ ہدیہ دینے والا جس کو ہدیہ پیش کرتا ہے، اس کی قربت اور نزدیکی کا خواستگار ہوتا ہے، لیکن چونکہ خدا کی قربت اور نزدیکی مطلوب نہیں ہوتی اس لیے اس کے اندر کسی خیر کے پیدا ہونے کا سوال نہیں آتا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہدیہ لینے والے کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو سکے۔ اس طرح اس کا دینا دلانا ایک دلی مقصد کے تحت ہوتا ہے جس کے خارج میں پائے جانے کو وہ دل سے چاہتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہدیہ لینے والا صاحب اقتدار، ذی جاہ اور با رسوخ آدمی ہے۔ اگر اس کی خوشنودی حاصل رہی تو اسے کامیابی ہو گی۔ اس کی توجہ اس کی طرف منعطف رہی تو اس کا کام ہو جائے گا۔ دوسروں کے خلاف انہیں مدد مل جایا کرے گی یا کوئی منصب یا ملازمت حاصل ہو گی یا قاضی کوئی فیصلہ میرے حق میں کر دے گا یا ایسی ہی کوئی صورت میسر آئے گی جس سے شخصی اور ذاتی مفاد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ (تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی و سعادۃ الرعیۃ ص ۵۰)

اسی وجہ سے ابن تین کہتے ہیں کہ گورنروں اور عمال کو تحفہ دینا رشوت ہے۔ اس کو تحفہ اور ہدیہ کہا بھی نہیں جا سکتا، اس لیے کہ اگر وہ شخص گورنر یا قاضی نہ ہوتا تو کون اسے تحفہ دیتا؟ یونہی قاضی کو ہدیہ دینا سخت قبیح اور حرام ہے۔ وہ اس کا مالک بھی نہ ہو گا"۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۱۱ ص ۴۰۷)

اور ربیعہ کہتے ہیں کہ ہدیہ سے بچو، اس لیے کہ ہدیہ رشوت کا زینہ ہے۔ (معین الحکام ص ۱۷)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ گورنروں کے تحفے اولاً تو قبول نہیں کرتے تھے، اور اگر قبول بھی فرماتے تو اسے بیت المال میں داخل فرمادیتے تھے۔ اگر ان سے کوئی کہتا کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے تو آپ جواب دیتے کہ آپ کے وقت میں وہ ہدیہ ہوتا تھا، لیکن آج وہ رشوت ہے۔ (حاشیہ الرہونی جلد ۷ ص ۳۱۲)

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ سے جب یہ سوال ہوتا تو آپ فرماتے کہ آپؐ کے لئے وہ ہدیہ ہوتا تھا لیکن ہمارے لیے رشوت ہے کیونکہ آپؐ کو ہدیہ مقامِ نبوت پر فائز ہونے کی وجہ سے ملتا تھا اور ہمیں والی ہونے کی بناء پر۔ (معین الحکام ص ۱۷، اطلال و الحرام فی الاسلام ص ۳۳۲)

کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

فساد الدین و الدنیا قبول الحاکم المالا

حاکم کا مال قبول کرنا دین و دنیا کی خرابی کا باعث ہے۔

اور ایک اور شاعر نے کہا ہے ؎

اذا اتت الهدية دار قوم تطايرت الامانة من كواها

جب ہدیہ کسی قوم کے گھر آتا ہے تو امانت اس کے روشن دانوں سے نکل کر اڑ جاتی ہے۔ (المبسوط جلد ۶ ص ۸۲، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ ص ۵۳)

ہدیہ دینے والا جب پہلے سے ہدیہ نہیں دیتا تھا بلکہ ابھی ابھی دینا شروع کیا ہے تو لامحالہ اس کی اس میں کوئی غرض پنہاں ہوگی۔ اور وہ غرض اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ باطل مقاصد کے لیے اس کی آڑ لینا چاہتا ہے یا اس لین دین کے ذریعہ وہ کسی شئے پر اپنا حق جتلانا چاہتا ہے۔ اور یہ تمام چیزیں کھلم کھلا حرام ہیں۔ (عون المعبود شرح ابی داود جلد ۹ ص ۴۹۸)

اور ادنیٰ ترین مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شخص مذکور کی مصاحبت سے لوگوں میں شہرت اور نام آوری چاہتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں۔ اس کی باتوں کو خاطر میں لائیں اور اس مقصد کے حاصل ہونے کے بعد وہ یہ ضرور چاہے گا کہ اپنے مقابل پر غلبہ حاصل کرے۔ یا ان مطالبات سے محفوظ رہے جن کا تقاضا لوگ اس سے کر سکتے ہیں، کیونکہ اس طرح لوگ اس سے خوف کھائیں گے۔ اور جن لوگوں کو اس سے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا اب انہیں زبردست خطرات لاحق ہوں گے۔ جو حشر ان چیزوں کا ہوتا ہے بعینہٖ یہی انجام

Marfat.com

رشوت کا ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے کا ڈر ہے۔ اس شخص کے مصبِ قضاء پر فائز ہونے کے بعد ہدیہ اور تحفہ تحائف قبول کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس کا یہ احسان جب تک پیشِ نظر ہوگا طبیعت میں اس کا اثر موجزن رہے گا۔ اور احسان کرنے والے کی طرف سے دل میں الفت و محبت بڑھے گی۔ اور جب قاضی کے سامنے اس پر یہ احسان دھرنے والا اور اس کا فریقِ مخالف دونوں آئیں گے تو فطری طور پر قاضی کا دل اس کے احسان کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کے نتیجہ میں حق اور صداقت سے اس کا دل ہٹ کر اسی کی طرف مائل ہوگا۔ اور لطف یہ کہ یہ انقلاب اس طرح آپ سے آپ رونما ہوگا کہ بیچارے قاضی کو اس کا احساس تک نہ ہوگا بلکہ وہ یہی خیال کرے گا کہ احسان کرنے والے کے احسان نے اس کے دل میں کوئی اثر نہیں کیا، اس لیے اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا اور یہ واقعہ ہے کہ اس صورت میں ہدیہ نے جو گل کھلائے رشوت بھی اس سے زیادہ اثر نہیں دکھاتی۔ (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ۹ ص ۲۹۸)

قاضی اگر رشوت لے کر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کے فیصلہ پر جرم رشوت کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مصبِ قضاء پر کسی ایسے شخص کو فائز کیا جاتا ہے جس کے اندر عدل و انصاف کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔ اور اس کی امتیازی شان یہ ہو کہ وہ جذبات و احساسات سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے فیصلے کرے تاکہ مجلسِ قضاء میں فریقین کے درمیان حق و صداقت اور عدل و انصاف جاری و ساری ہو۔ اب اگر رشوت درمیان میں گھس آئے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں یہ عظیم صفت زائل ہو جائے گی اور اس کی جگہ فسق و فجور کا دور دورہ ہوگا۔ اور قاضی ذاتی اور شخصی مصلحت اور خواہشات کے تحت فیصلہ کرے گا۔ خود رشوت لے گا یا اس کا بیٹا، اس کی بیوی یا اس سے متعلق اس کا کوئی خویش و عزیز رشوت ستانی کا جرم کرے گا اور قاضی بھی اس سے فائدہ اٹھائے گا، اور اسے اس رشوت لینے کا علم ہوگا۔

رشوت ستانی کے اس وقوعہ کے بعد یا کسی اور جرم کے ارتکاب کے بعد کیا قاضی صحیح فیصلہ دے گا؟ یا اس کا فیصلہ نافذ ہونے کے لائق ہوگا؟ یا رشوت ستانی کا اس پر نمایاں اثر ہوگا؟ اس کے بارہ میں تین مسلک ہیں:

ا۔ پہلا مسلک یہ ہے کہ رشوت ستانی کا واقعہ جس مقدمہ میں رونما ہو، اس مقدمہ یا دوسرے کسی مقدمہ میں اس قاضی کا فیصلہ نفاذ کے لائق ہوگا بشرطیکہ فیصلہ کی شرائط سب

Marfat.com

ت ہوں۔ اس قول کو امام بزدوی نے اختیار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح القدیر جلد ۵ ص ۴۵۵، معین الحکام جلد ا ص ۴، حاشیہ ابن عابدین جلد ۵ ص ۲۶۲ وغیرہ)

۲۔ دوسرا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر کسی مقدمہ میں قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرے تو اس قضیہ میں اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا خواہ اس کا فیصلہ حق پر مبنی ہی کیوں نہ ہو، یا اس کا بیٹا یا اس کے کسی معاون نے رشوت لی ہو اور قاضی کو معلوم ہو۔ شمس الائمہ اور خصاف نے اس کو اختیار کیا ہے۔ (بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۸، الفتاویٰ الہندیہ جلد ۳ ص ۳۱۴، البنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ ص ۲۶۹، شرح الکنز للعینی جلد ۲ ص ۸۳، فتح القدیر جلد ۵ ص ۴۵۵)

۳۔ تیسرا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ جس مقدمہ میں اس نے رشوت لی اور اس کے علاوہ جس میں اس نے رشوت نہ لی، اس کے تمام فیصلے نافذ نہیں ہوں گے۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور اسی کو امام قرطبیؒ نے اختیار کیا ہے۔ مالکیہ کا صحیح مسلک بھی یہی ہے اور یہی حنابلہ کا مسلک ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ردّالمختار جلد ۵ ص ۳۶۳، فتح القدیر جلد ۵ ص ۴۵۵، معین الحکام جلد ا ص ۹، شرح الکنز جلد ۲ ص ۸۳، البنایہ شرح الہدایہ جلد ۳ ص ۲۶۹، الجامع الاحکام القرآن، قرطبیؒ جلد ۶ ص ۱۸۳)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قاضی نے ایک زمانے تک لوگوں کے فیصلے کئے اور بہت سے مقدمات فیصل کئے، وہ جب سے اس منصب پر فائز ہوا اس وقت سے فاسق اور رشوت خور ہے تو جس قاضی کی عدالت میں اس کے مقدمات پیش ہوں گے انہیں چاہیے کہ اس قاضی کے ایک ایک فیصلے کو توڑ کر باطل قرار دیں۔ (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۳ ص ۲۶۹، شرح الکنز للعینی جلد ۲ ص ۸۲)

امام ابو حنیفہؒ کے اس قول پر رائے زنی کرتے ہوئے امام قرطبیؒ نے کہا ہے: ”خدا نے چاہا تو اس قول سے کوئی شخص اختلاف نہیں کرے گا، کیونکہ اس کی رشوت ستانی کا فعل فسق تھا اور فاسق کا حکم جائز نہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن، قرطبی جلد ۶ ص ۱۸۳)

وجہ اس کی یہ ہے کہ قاضی عدل وانصاف کی بنیاد پر اس منصب پر فائز ہوتا ہے، لیکن جب وہ رشوت لیتا ہے تو شرط ٹوٹ جاتی ہے اور اس کا حکم باطل ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ حکم حق کے موافق ہو یا موافق نہ ہو۔ باطل اس لیے ہوتا ہے کہ فیصلہ ایسے فرد سے صادر ہوتا ہے جو اس ذمہ داری کا اہل نہیں، کیونکہ رشوت ستانی کی وجہ سے وہ معزول ہو چکا اور

یہ ایسا ہوا جیسے کوئی نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج وغیرہ کی ادائیگی پر اجرت وصول کرے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیۃ ص ۳۳۲، حاشیہ الرہونی جلد ۷ ص ۲۸۷، احکام القرآن، جصاص، جلد ۴ ص ۸۵)

اسی وجہ سے فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ رشوت کے ذریعہ کسی کو منصبِ قضا پر فائز کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اس منصب پر فائز ہونے کے لیے رشوت دی اور اس کی تقرری عمل میں آ گئی تو وہ شخص قاضی تسلیم نہیں کیا جائے گا یعنی اس کی تقرری باطل ہو گی۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ جلد ۳ ص ۲۱۴، البنایہ شرح الہدایۃ جلد ۳ ص ۲۶۸، معین الحکام ص ۸، جوہر العقود جلد ۲ ص ۳۵۸، ردّ المختار شرح درّ المختار جلد ۵ ص ۳۶۳، فتح القدیر جلد ۵ ص ۴۵۵ وغیرہ)

یہ تو رشوت دے کر قاضی بننے کا حکم ہے۔ اسلام میں تو رشوت کے بغیر بھی امارت طلب کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اور رشوت دے کر اس کو حاصل کرنا اور بھی قابلِ ممانعت ہے اور نہی کے بعد ممنوعہ شئے اگر لی گئی تو فاسد ہو گی۔ اسی لیے سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: انا لا نستعمل علیٰ عملنا هٰذا من اراده (التبصرہ لابنِ فرحون جلد ۱ ص ۱۱) فتح الباری میں یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری قوم کے دو آدمی سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: "یارسول اللہ! مجھے کسی جگہ کی امارت عطا فرمایئے"۔ دوسرے نے بھی یہی کہا۔ آپؐ نے فرمایا:

انا لا نؤتی هٰذا من سأله ولا من حرص علیه

ہم اس معاملہ کو کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا سوال کرے یا اس کے دل میں اس کی حرص ہو۔

(فتح الباری جلد ۱۶ ص ۲۴۴، عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۹ ص ۴۹۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت کے بغیر بھی جو کوئی منصب کو طلب کرتا ہے وہ اس کا والی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ابنِ فرحون نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے ایک نوجوان کو کسی وفد میں دیکھا تو اس کی ہیئت کذائی آپ کو بہت پسند آئی۔ پھر یک بیک اس نے قاضی بنائے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اس سے فرمایا:

ان هٰذاالامر لا یقوی علیه من یحبه

اس کام کو جو شخص از خود چاہتا ہے وہ اس پر دسترس نہیں رکھ سکتا۔

(التبصرہ لابنِ فرحون جلد اص ۱۱)

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ فقہائے احناف کی رائے ہے کہ فاسق منصبِ قضاء پر فائز ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رشوت لے کر اس منصب پر اس کی تقرری درست ہونی چاہیے۔ فقہائے احناف نے فاسق کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ فاسق جس نے رشوت لی۔ اور دوسرا وہ جس نے رشوت نہیں لی۔ رہا وہ جس نے رشوت نہیں لی، اس کی تقرری تو درست ہے اور جس نے رشوت لے لی وہ اپنے اس عمل سے فاسق ہوا اور اب اس کی تقرری باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ رشوت ستانی کی وجہ سے اس کی عدالت میں خلل واقع ہوا ہے اور لوگوں کو الگ مضرت واقع ہو گی۔ اس لئے جملہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ قاضی رشوت ستانی کے بعد بالاتفاق قاضی باقی نہیں رہتا۔ اس پر اجماع منعقد ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ رشوت کی چار صورتیں ہیں۔ ایک صورت وہ ہے جس مین لینے اور دینے والے دونوں کے لیے رشوت حرام ہے۔ یہ وہ رشوت ہے جو قاضی کی تقرری کے لیے دی جائے۔ اس بات پر اجماع ہے کہ رشوت دے کر کوئی قاضی نہیں بن سکتا خواہ قاضی بنتا اس کا حق ہو یا نہ ہو۔ (البنایہ شرح الہدایہ جلد ۲ ص ۲۶۹) اور جواہر العقود میں ہے کہ اگر رشوت دے کر کوئی قاضی بنناچاہے تو وہ بالاتفاق قاضی نہیں بن سکتا۔ (جواہر العقود جلد ۲ ص ۳۶۴)

یہ رشوت ستانی کی تفصیل جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئی۔ اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ جب قاضی کو سیدنا عمرؓ نے اتنے اختیارات دیئے اور عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا تو شدید خطرہ تھا کہ قاضیوں میں کہیں رشوت کا چلن نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اس کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل بند شیں (Restrictions) عائد کیں۔

۱۔ قضاۃ کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ انہیں بالائی آمدنی کی ضرورت محسوس نہ ہو کیونکہ جب آمدنی کم ہو اور گھر کے اخراجات زیادہ ہوں تو آدمی بالائی آمدنی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ چنانچہ سلمان ربیعہ الباہلیؒ اور قاضی شریحؒ کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تنخواہ اس زمانہ کے حالات کے مطابق ایک موٹی تنخواہ تھی۔ ایسے ہی دوسرے قاضیوں کی تنخواہیں تھیں۔

۲۔ اس سلسلہ میں دوسری بات آپ نے یہ کی کہ قاضی صرف ان لوگوں کو مقرر کیا جو دولت مند اور معاشرہ میں معزز تھے، کیونکہ دولت مند ہونے کی وجہ سے وہ رشوت نہیں لے گا اور معزز ہونے کی وجہ سے وہ کسی کے دباؤ میں آکر فیصلہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کو جو خط لکھا اس میں یہ وجہ آپ نے خود بھی بیان فرمائی کہ دولت مند قاضی رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز شخص کسی کے رعب و داب میں نہیں آئے گا۔

۳۔ تیسرا اقدام رشوت وغیرہ کو روکنے کا آپ نے یہ اختیار کیا کہ قاضی کے لیے تجارت اور خرید و فروخت کو ممنوع قرار دے دیا جو آج بھی پوری دنیا میں رائج ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط میں لکھا:

"فصل مقدمات کے وقت خرید و فروخت نہ کرو اور نہ خرید و فروخت کی بات طے کرو۔ نہ کسی کی جائیداد کی دلالی کرو۔ نہ رشوت لو اور نہ غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کا مقدمہ فیصل کرو"۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۲۶۸)

عدالتوں کی بلڈنگیں

آج کل کی طرح سیدنا عمرؓ نے عدالتوں کی بڑی بڑی بلڈنگیں تعمیر نہیں کی تھیں بلکہ قاضی حضرات مسجدوں میں بیٹھ کر لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ مسجد میں ہر شخص قاضی صاحب کے پاس آکر اپنا مقدمہ دائر کر سکتا تھا۔ مسجد کے دروازے ہر شخص پر کھلے ہوتے تھے اور اسلام میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام ہو اور سستا ہو، اور کسی غریب سے غریب شخص کو بھی انصاف کے حصول میں نہ تو مال خرچ کرنا پڑے اور نہ ہی اسے کوئی مزاحمت ہو۔ چنانچہ تمام قاضیوں کو یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ جب کوئی غریب اور نادار شخص فریق مقدمہ بن کر قاضی کے سامنے پیش ہو تو قاضی نرمی، کشادہ روئی اور نہایت اخلاق سے اس سے پیش آئیں تاکہ اس شخص کو اپنے دعویٰ کے اظہار میں کوئی خوف نہ ہو۔ اگر قاضی صاحب کشادہ روئی سے مدعی یا مدعا علیہ سے پیش نہ آئیں گے تو وہ کھل کر اپنی بات قاضی صاحب کے سامنے پیش نہ کر سکے گا۔ وکلاء کا داخلہ بھی ان عدالتوں میں بند تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ قاضی کے ہاں پیش ہوتے اور اپنا اپنا مؤقف پیش کرتے۔ ان دونوں کا مؤقف سن کر قاضی قرآن و سنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ

Marfat.com

کرتا۔ مدعی اپنے دعویٰ کی تائید میں شہادتیں پیش کرتا۔ بعض دفعہ ماہرین کو بھی طلب کیا جاتا اور شہادت اور دعویٰ کے بارہ میں عدالت ان سے ماہرانہ مشورہ حاصل کرتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے سیدنا عمرؓ کے ہاں استغاثہ دائر کر دیا چونکہ یہ شعروشاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرزِ ادا عام بول چال سے الگ ہیں، اس لیے سیدنا عمرؓ نے سیدنا حسان بن ثابتؓ کو جو سرکارِ دوعالم ﷺ کے شاعر تھے اور عام معاشرہ میں بھی ان کا شاعری میں بڑا نام تھا، ان کو بلایا اور اس بارہ میں ان سے رائے لی اور اس رائے کی روشنی میں فیصلہ کیا۔ بعض دفعہ تجرباتی اور واقعاتی شہادتوں سے کام لے کر بھی فیصلے کیے جاتے۔

محکمۂ افتاء

سیدنا عمرؓ نے ایک محکمۂ افتاء بھی قائم کیا تھا کیونکہ یہ بھی عدالتی نظام کے ساتھ ایک ضروری چیز ہوتی ہے تاکہ لوگ ان لوگوں سے مختلف مسائل پوچھتے رہیں، جو ان مسائل سے واقف ہیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں بھی ہے:

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل)

اگر تمہیں کوئی بات معلوم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔

اس آیت کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ علم نہ رکھنے والے اہل الذکر کی باتوں کو دلائل و براہین سے پرکھ اور جانچ نہیں سکتے۔ کسی بات کو دلائل و براہین سے جاننا صرف اہلِ علم کا کام ہے نہ کہ عوام کا۔ عوام کا کام صرف یہی ہے کہ وہ اہلِ ذکر پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے دلیل طلب کیے بغیر ان کے بتائے پر عمل کریں۔ خود اہلِ علم کو بھی یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ علم والوں سے وہ بات پوچھ لیا کریں جس کا انہیں علم نہ ہو۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے پوچھا: "یا رسول اللہ! اگر مجھے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کا صاف حکم مجھے کتاب و سنت میں نہ ملے تو میں کیا کروں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا:

تشاوروا الفقھاء والعابدین و لا تمضوا فیہ رای خاصۃ

فقہاء اور دوسرے نیک لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو۔ چند لوگوں کی رائے پر نہ رہا کرو۔
(رواہ الطبرانی فی الاوسط معارف السنن جلد ۳ ص ۲۶۵، مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۷۸)

Marfat.com

ان روایات سے پتہ چلا کہ علماء کا ایک گروہ ایسا ہو جو دین کا مکمل علم جانتا ہو اور ملکہ اجتہاد بھی ان کے اندر موجود ہو تاکہ نہ جاننے والے ان جاننے والوں سے پوچھ لیا کریں۔ اس سے یہ ہوگا کہ قانون نہ جاننے والے بھی قانون کو جان لیں گے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں بھی ان جاننے والوں یعنی فقہاء کا ایک گروہ تھا جن کی ڈیوٹی ریاست کی طرف سے یہ تھی کہ انہوں نے نہ جاننے والوں کو دین کے مسائل بتانے ہیں۔ یہ سب حضرات مفتی کہلاتے تھے۔ اس زمانہ میں مفتی اور قاضی قریباً ہم معنی الفاظ تھے، کیونکہ ان دونوں کے فرائض ایک جیسے تھے۔ چنانچہ یعقوبی کے بیان کے مطابق سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ کے پاس افتاء کا عہدہ تھا۔ ان صحابہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔	سیدنا علیؓ بن ابی طالب	۲۔	سیدنا معاذ بن جبلؓ
۳۔	سیدنا ابی بن کعبؓ	۴۔	سیدنا زید بن ثابتؓ
۵۔	سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ		

(یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۷)

خود سیدنا ابوبکرؓ بھی اہل الرائے اور فقہاء صحابہ کرامؓ سے ان امور پر مشورہ فرماتے جو امور انہیں پیش آتے۔ وہ فقہائے صحابہ حسب ذیل تھے :

۱۔	سیدنا عمر بن خطابؓ	۲۔	سیدنا عثمان بن عفانؓ
۳۔	سیدنا علی بن ابی طالبؓ	۴۔	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۵۔	سیدنا معاذ بن جبلؓ	۶۔	سیدنا ابی بن کعبؓ
۷۔	سیدنا زید بن ثابتؓ وغیرہ		

طبقات ابن سعد جلد ۲ رجب ۱۰۹)

خلافت فاروقی میں بھی افتاء کا یہ محکمہ قائم رہا۔ وہ صحابہ کرامؓ جو سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتویٰ دیتے تھے ان میں سے جو اس وقت زندہ تھے ان کو بھی اس عہدہ پر قائم رکھا اور کچھ اور صحابہ کرامؓ کو بھی عہدۂ افتاء سے نوازا۔ چنانچہ آپ کے دور خلافت میں جو صحابہ کرامؓ افتاء کے عہدہ پر فائز تھے ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔	سیدنا عثمان بن عفانؓ	۲۔	سیدنا علی بن ابی طالبؓ
۳۔	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۴۔	سیدنا معاذ بن جبلؓ
۵۔	سیدنا زید بن ثابتؓ	۶۔	سیدنا ابوہریرہؓ

Marfat.com

۷۔ سیدنا ابو الدرداءؓ وغیرہ :

اہلِ افتاء صحابہ کرامؓ سے فتویٰ لینے کی ایک مثال مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ میزبانِ رسول سیدنا ابو ایوب انصاریؓ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے، لیکن مکہ کے راستہ میں نازیہ کے مقام پر اپنی سواریاں گم کر بیٹھے۔ سواریوں کی تلاش اور پریشانی میں حج کا دن گزر گیا۔ قربانی کے روز یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو وہ پہنچے۔ اب کیا کیا جائے؟ یہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سیدنا عمرؓ کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا

"آپ وہ کریں جو عمرے والا کرتا ہے (کیونکہ حج کا دن تو گیا) آپ احرام سے نکل آئیں (یعنی عمرہ کر کے احرام کھول دیں) جب اگلے سال حج کا وقت آئے تو حج کریں اور جو قربانی میسر آئے وہ دے دیں"۔ (مؤطا امام مالک ص ۱۴۹)

ان فقہاء صحابہ کرامؓ کے علاوہ اور صحابہ کرامؓ کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی اور اگر کبھی انہوں نے فتویٰ دیا تو انہیں منع کر دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک مفتی مسئلہ کی تہ تک پہنچ کر پھر کتاب و سنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں اس کا جواب دیتا ہے اور جس زمانہ میں غیر فقیہہ حضرات مسائل کا جواب دیں گے، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانے کو فتنے کا زمانہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مسند دارمی میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں :

"تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب تمہیں فتنے آلیں گے۔ بڑے بوڑھے ہو جائیں گے اور چھوٹے بڑے ہو جائیں گے۔ قاری زیادہ ہوں گے اور فقہ جاننے والے کم ہوں گے"۔

(سنن دارمی جلد ا ص ۷۵)

یہ بھی فرمایا کہ

"تم پر کوئی سال نہ آئے گا مگر یہ کہ وہ پہلے سال سے بدتر ہو گا، ...... لیکن جب تمہارے علماء اور اچھے لوگ اور فقہا چلتے بنیں گے، پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے۔ پھر ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جو معاملہ کو اپنی عقل اور رائے سے طے کریں گے"۔

(سنن دارمی جلد ا ص ۷۲)

جن لوگوں کو سیدنا عمرؓ نے عہدہ افتاء پر مقرر فرمایا تھا آپ کبھی کبھی خود جا کر ان کا

Marfat.com

امتحان بھی لیتے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ کے پاس جاکر آپ نے کئی مرتبہ مسائل کے جوابات پوچھے۔ جب انہوں نے صحیح جوابات دیئے تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ دینے کے مجاز نہ ہوتے۔ (ازالۃ الخفاء) اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مفتی اگر غلط فتویٰ دے تو اسلامی ریاست اس سے فتویٰ دینے کا اختیار چھین سکتی ہے۔

جو حضرات اہلِ فتویٰ تھے اور انہیں عہدہ افتاء ملا ہوا تھا' حکومت کی طرف سے ان کے ناموں کو اعلان کر دیا جاتا کہ جس شخص نے کوئی فتویٰ لینا ہو تو وہ فلاں فلاں صحابی سے فتویٰ لے۔ چنانچہ شام کے سفر میں جابیہ کے مقام پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ایک انبوہ کثیر کے سامنے اعلان فرمایا:

"جو شخص قرأت قرانی کے بارہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہے۔ وہ ابی کعبؓ کے پاس جاکر دریافت کرے، اور جو حلال و حرام کے مسائل پوچھنا چاہتا ہے وہ معاذ بن جبلؓ سے پوچھ لے، اور جس کو میراث کا مسئلہ پوچھنا ہو وہ زید بن ثابتؓ سے دریافت کرے، اور جس کو مال کی ضرورت ہو وہ میرے پاس آئے۔ اللہ نے مجھے اموال کے لئے خزانچی بنایا ہے"۔

(سنن سعید بن منصور جلد ۲ ص ۱۳۲' السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۶ ص ۲۱' کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۲۳' کنز العمال روایت نمبر ۷۸ ۲۴)

اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض صحابہ کرامؓ بعض مسائل میں تخصص کا درجہ رکھتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

علی اقضانا و ابی اقرأنا

علیؓ ہمارے بہترین قاضی ہیں اور ابی ابن کعبؓ ہمارے بہترین قاری ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۲' بخاری جلد ۲ ص ۶۴۴)

پولیس

جب ملک میں عدالتی نظام قائم ہو تو اس کے لئے پولیس کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ وگرنہ قاضیوں کے فیصلوں پر عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تو پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں فرمایا تھا۔ آپ کے بعد جب سیدنا ابو بکرؓ سریر آرائے خلافت

ہوئے تو پولیس کا مستقل محکمہ تو انہوں نے بھی قائم نہ کیا اور قائم اس لئے نہ کیا کہ ضرورت نہیں تھی۔ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ صحابہ کرامؓ اوّل تو کوئی جرم کرتے ہی نہیں تھے لیکن اگر کوئی جرم بشری تقاضے کے تحت ان سے سرزد ہو جاتا تو وہ خود بخود حاضر ہو کر اس کا اقرار کر لیتے، جیسا کہ سیدنا ماعز اسلمیؓ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں اگر پولیس کی ضرورت پیش آجاتی تو فوری طور پر چند بہادروں کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا، چنانچہ جیش اسامہؓ کی مدینہ روانگی کے بعد بعض قبائل کی طرف سے مدینہ پر حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو سیدنا علیؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ سے یہ کام لیا گیا۔

سیدنا عمرؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں پولیس کا کوئی جداگانہ محکمہ تو قائم نہیں کیا لیکن زنا اور سرقہ وغیرہ کے بعض مقدمات قاضیوں کے ہاں فیصل ہوئے تو اس کی ابتدائی کارروائیوں کے لئے پولیس کی ضرورت پڑی، اس وجہ سے پولیس کا محکمہ خود بخود قائم ہو گیا۔ اس وقت اس کا نام ''احداث'' تھا۔ چنانچہ پولیس افسران کو ''صاحب الاحداث'' کہتے تھے۔ بحرین میں سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو ہریرہؓ کو پولیس کمشنر مقرر فرمایا اور پولیس کے تمام اختیارات انہیں دیئے۔ چنانچہ لوگوں کے احتساب کے بارہ میں جو کام تھا وہ اس کے انچارج تھے، جیسے کم تولنا، دھوکہ دینا، فراڈ کرنا، جانوروں پر ظلم کرنا، سڑکوں اور گلیوں میں تجاوزات کرنا، ان سب کی روک تھام اس محکمہ کے سپرد تھی۔ اس لئے ہر جگہ ''صاحب الاحداث'' مقرر کئے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے عبداللہ بن عقبہ کو بازار کی نگرانی کے لئے مقرر فرمایا تھا۔

جیل خانہ جات

جب پولیس کا محکمہ وجود میں آیا تو اس کے لئے پھر جیل خانے بھی بنانے پڑے۔ چنانچہ اسلام میں جیل خانوں کی ایجاد کا سہرا سیدنا عمرؓ کے سر ہے۔ ان سے قبل عرب میں کوئی جیل خانہ نہیں ہوتا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے مکہ میں صفوان بن امیہؓ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر اس کو جیل خانہ بنا دیا۔ (مقریزی جلد ۲ ص ۱۸۷ بحوالہ الفاروق) پھر جہاں جہاں بھی جیل خانوں کی ضرورت پڑی جیل خانے بنا دیئے گئے۔ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا ہوا تھا۔

(فتوح البلدان ص ۲۶۳)

جیل خانوں کے وجود میں آنے کے بعد اب بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی اور وہ یہ کہ اب قید کی سزا بھی ملنے لگی۔

Marfat.com

پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ

موجودہ زمانہ میں ہر حکومت میں یہ محکمہ موجود ہے جس کو پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ (P.W.D) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس محکمہ کا نام نیا ہے، لیکن یہ محکمہ اسلام میں سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظمؓ نے قائم کیا۔ اس محکمہ کے ذمہ سرکاری عمارات کی تعمیر و مرمت' سڑکیں بنانا' ہسپتال بنانا اور نہریں کھودنا وغیرہ وغیرہ۔ آج کل عرب دنیا میں اس کو "نظارت نافعہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ہسپتال قائم نہیں ہوئے تھے لیکن اور سب چیزیں اس محکمہ میں موجود تھیں۔ آپ نے مختلف سرکاری عمارتیں بھی بنوائیں۔ سڑکیں تعمیر بھی کروائیں اور نہریں بھی کھدوائیں۔ جیساکہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے جہاں ملک کے اور گوشوں کی ترقی کی طرف توجہ مبذول فرمائی وہاں زراعت کی ترقی کی طرف بھی خاصا دھیان دیا اور زراعت کی ترقی کے لئے پانی کا ہونا اشد ضروری ہے لہٰذا آپ نے ملک میں کئی نہریں کھدوائیں جس سے ملکی زراعت میں کافی اضافہ ہوا۔ اپنے عہد خلافت میں جو نہریں آپ نے کھدوائیں وہ حسب ذیں ہیں۔

(۱) نہر ابی موسیٰ

ایک مرتبہ بصرہ سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے وفد کے اراکین کو خوش آمدید کہا۔ آپ نے وفد سے ان کے مسائل سنے پھر ہر رکن سے الگ الگ بھی بصرہ کے حالات معلوم کئے۔ بصرہ چونکہ نو تعمیر شدہ شہر تھا اس لئے آپ بخوبی واقف تھے کہ وہاں کے لوگوں کے ضرور کچھ مسائل ہوں گے۔ اراکین وفد میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ ان سے جب وہاں کے مسائل کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے نہایت موثر انداز میں وہاں کے مسائل بیان کئے۔ ان میں سب سے بڑا گھمبیر مسئلہ پانی کی فراہمی تھی چنانچہ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! بصرہ بالکل شورستان ہے اور ہم لوگوں کو کافی دور سے پانی لانا پڑتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ چھ میل سے پانی لانا پڑتا ہے' لہٰذا ہمیں پانی کی فراہمی کا جلد از جلد بندوبست کر کے دیں۔ سیدنا عمرؓ حنیف بن قیس کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت گورنر بصرہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو حکم کے انداز میں ایک خط لکھا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے تاکہ انہیں وافر پانی ملے جو ان کے پینے کے کام بھی آئے اور ان کی زراعت کے کام بھی۔ خط ملتے ہی سیدنا ابو

Marfat.com

موسیٰ اشعریؓ کی زیرِ نگرانی دریائے دجلہ سے ایک نہر کاٹ کر بصرہ لائی گئی۔ یہ نہر نو میل لمبی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ میں پانی کی فراوانی سے لوگوں کی زندگی تبدیل ہو گئی اور ان کے رہن سہن کے طریقے بدل گئے۔ یہ نہر چونکہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے بنوائی تھی اس لئے "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۲) نہر سعد

انبار کے لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ انہوں نے کئی سالوں سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کو درخواست دی ہوئی تھی کہ ہم سخت تکلیف میں ہیں لہٰذا ہمارے پینے کے لئے پانی کا مناسب بندوبست کیا جائے لیکن کسریٰ ایران اور اس کے ماتحت دوسرے تمام عہدیدار تو اپنی عیاشیوں میں مگن تھے۔ لوگوں کی اس قسم کی درخواستوں کی طرف توجہ دینے کے لئے نہ تو ان کے پاس وقت تھا اور نہ ہی رحم۔ لہٰذا وہ لوگوں کو ٹالتے رہے۔ لوگوں کی خوش قسمتی سے جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا تو انہوں نے گورنر کوفہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور بتایا کہ ہم اتنے سالوں سے اس مشکل سے دوچار ہیں اور ایرانی حاکموں نے ہماری درخواست پر کوئی توجہ نہیں دی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے سعد بن عمر کو اس کام پر مامور کیا۔ انہوں نے کام تو بڑے اہتمام سے شروع کرایا لیکن اس کی مناسب تکمیل نہ کر سکے۔ دریا سے نہر نکالی لیکن درمیان میں کچھ فاصلے پر ایک پہاڑ آ گیا اس وجہ سے وہ نہر وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانہ گورنری میں پہاڑ کو کاٹ کر نہر کا باقی کام پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ چونکہ یہ نہر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی گورنری کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی اس وجہ سے "نہر سعد" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس نہر نے انبار اور اس کے اردگرد کی آبادی کو بہت فائدہ پہنچایا۔

(۳) نہر معقل

سیدنا معقل بن یسارؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ اس نہر کی کھدوائی کا کام سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں ان کے اہتمام سے شروع ہوا اور انہوں نے دریائے دجلہ سے کاٹ کر اس نہر کو تعمیر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مٹی بھرنے کی وجہ سے اس کا پانی کچھ کم ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں زیاد بن ابی سفیانؓ نے اس کو دوبارہ کھدوا کر صاف کرایا۔ (فتوح البلدان ص ۳۶۶)

(۴) نہر امیر المؤمنین

یہ نہر تمام نہروں سے زیادہ بڑی تھی اور سیدنا عمر بن خطابؓ کے خاص حکم کے تحت اس کو تعمیر کرایا گیا۔ اس وجہ سے اس کا نام ''نہر امیر المؤمنین'' مشہور ہوا۔ اس نہر کے ذریعہ دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ ہوا یہ کہ ۱۸ھ میں تمام عرب میں بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑا جو تاریخ میں ''عام الرمادہ'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ قحط کا سبب یہ ہوا کہ عرب میں پورے نو ماہ آسمان سے پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئیدگی جل کر سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ جب ہوا چلتی تو ساری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ اس لئے لوگوں میں اس سال کا نام ''عام الرمادہ'' یعنی خاک اور ریت والا سال پڑ گیا۔ بارش کے نہ ہونے، آندھیوں کے چلنے اور کھیتوں کے جلنے سے قحط کی صورت پیدا ہو گئی۔ جس نے نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ جو بچ رہے انہیں سوکھا لگ گیا۔

ملک کی یہ کیفیت دیکھ کر سیدنا عمرؓ نہایت پریشان تھے اور دن رات آپ کو لوگوں کا یہ غم کھائے جا رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے عراق و شام کے گورنروں کو خط لکھے۔ ان خطوط میں جو الفاظ لکھے گئے تھے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ سیدنا عمرؓ کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ رعایا کے ایک ایک فرد کے لئے وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ بلکہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی جواب دہ ہیں۔ انہوں نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو لکھا جو اس وقت فلسطین میں تھے کہ :

> ''السلام علیک! امابعد! کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھو گے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں۔ مدد! مدد!! مدد!!!''

یہ خط نہایت رقت انگیز تھا۔ اس کے جواب میں سیدنا عمر بن عاصؓ نے لکھا :

> ''امابعد! آپ بالکل اطمینان رکھیں، میں غلہ کا ایک ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا ایک سرا تو آپ کے پاس ہو گا اور دوسرا سرا میرے پاس''۔

اسی طرح کے خط آپ نے سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ

Marfat.com

کو شام ارسال فرمائے اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو عراق بھیجے اور ان سب نے اسی طرح کے جوابات دیئے جس طرح کا جواب سیدنا عمروؓ نے دیا تھا۔ چنانچہ ہر گورنر نے اپنی اپنی بساط کے مطابق غلہ بھیجا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے فلسطین سے اونٹوں اور ایلہ (موجودہ عقبہ) کی بندرگاہ سے جہازوں پر غذا کا سامان بھیجا۔ آٹے اور گھی سے بھرے ہوئے بیس جہاز سمندر کے راستے چلے اور آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ خشکی کے راستے روانہ ہوئے۔ اسی طرح دوسرے گورنروں نے بھی غلہ بھیجا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے تین ہزار اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ غلہ تو مدینہ پہنچ گیا لیکن شام اور مصر سے جو غلہ خشکی کے راستہ آیا، وہ بہت دیر سے آیا کیونکہ خشکی کا راستہ بہت دور دراز کا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ مصر کے دانشوروں کی ایک جماعت ساتھ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوں۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے گورنر مصر اور اس جماعت سے فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط سالی کا کبھی خطرہ نہیں ہو گا ورنہ خشکی کے راستے غلہ کا آنا ایک دشوار گزار معاملہ ہے۔ ان سب حضرات نے سیدنا عمرؓ کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا اور فسطاط (موجودہ قاہرہ) سے بحر قلزم تک ایک نہر تیار کروائی جس کی وجہ سے جہاز دریائے نیل سے سیدھے بحر قلزم میں آجاتے اور پھر وہاں سے جدہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو جاتے۔

یہ نہر قریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور نہایت گہری تھی جس سے جہازوں کی آمد و رفت آسانی سے ہو جاتی۔ اتنی لمبی نہر صرف چھ ماہ میں کھودی گئی اور پہلے ہی سال بیس (۲۰) بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ (۶۰) ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعہ جدہ کی بندرگاہ پر آئے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ لائے گئے۔ یہ نہر کافی عرصہ تک جاری رہی۔ اس سے ایک تو عرب میں قحط کا خطرہ ٹل گیا اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مصر کی تجارت میں نہایت ترقی ہوئی کیونکہ مال کی باربرداری میں آسانی پیدا ہو گئی۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ خلافت میں بعض گورنروں کی بے پروائی اور تساہل پسندی سے وہ بعض بعض جگہوں سے مٹی سے اٹ گئی یہاں تک کہ ''ذنب التمساح'' کے مقام پر آ کر بالکل ہی بند ہو گئی۔ پھر ۱۰۵ھ میں عباسی خلیفہ منصور عباسی نے اپنی ایک ذاتی مصلحت کی وجہ سے اس کو بالکل بند کر دیا لیکن بعد میں یہ پھر جاری کر دی گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقریزی جلد ۱ ص ۷۱، جلد ۲ ص ۱۳۹۔ ۱۴۴، حسن

Marfat.com

المحاضرہ للسیوطی ص ۹۳-۹۴' وفاء الوفاء جلد ا ص)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے بحر روم اور بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا' چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ "فرما" کے پاس سے جہاں سے بحر روم اور بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں سمندروں کو ملا دیا جائے۔ اپنے اس منصوبے کی انہوں نے سیدنا عمرؓ کو اطلاع دی تو آپ نے اس تجویز کو پسند نہ فرمایا اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے (تقویم البلدان' ابو الفداء ص ۱۰۶ بحوالہ الفاروق ص ۲۳۲) اگر سیدنا عمرو بن العاصؓ کو بارگاہ فاروقی سے اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کے قیام کا سہرا عربوں کے حصہ میں آتا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کام سیدنا عمرو بن عاصؓ نے سیدنا عمرؓ کے کہنے سے نہیں بلکہ خود اپنے خیال سے شروع کیا تھا۔ خلیج تراجان جو دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملاتی تھی اور جس کی وجہ سے مصر اور جزیرہ نمائے عرب کے ساحلی علاقوں کے درمیان آمد و رفت میں بڑی سہولتیں پیدا ہو سکتیں تھی۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اس نہر کو کھدوایا اور نہایت قلیل مدت میں اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ نہر بابلیون کے شمال سے شروع ہو کر شمال مشرقی جانب بلبیس تک جاتی تھی اور اس سے آگے بڑھ کر مشرقی سمت اختیار کر لیتی تھی۔ بحیرہ تمساح میں پہنچ کر اس کے جنوب سے نکلتی اور مرہ کی جھیلوں میں سے ہوتی ہوئی سویز کے قریب بحیرہ قلزم میں جا گرتی تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اتنے عظیم الشان کام کا ارادہ کرنے اور اتنی مختصر سی مدت میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سیدنا عمرو بن عاصؓ کی بے نظیر انتظامی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کام کے لئے سیدنا عمروؓ کو غالباً بیگار کا سہارا لینا پڑا' اور انہوں نے ہزاروں مصری مزدوروں کو نہر کھودنے پر لگا دیا۔ دورِ حاضر کے بعض متعصب قسم کے مورخین نے سیدنا عمروؓ کے اس فعل پر اعتراض کیا ہے کہ عمرو بن عاصؓ کا یہ ایک ظالمانہ فعل تھا۔ حالانکہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اگر بیگار ان مورخین کے ہاں ایک ظلم ہے تو یہ ظلم تو نہر سویز کی سرکاری کمپنی نے انیسویں صدی میں جب نہر کی کھدوائی کا کام شروع کیا تھا تو اسی بیگار کا سہارا لیا تھا۔ بیگار دراصل ایک قسم کی جبری بھرتی ہے جو کسی قومی کام کے لئے کی جاتی ہے۔ یہ بھرتی اگر کسی تعمیری مقصد کے لئے منصفانہ نظام کے تحت ہو جس کا ہر کام کرنے والے کو معقول معاوضہ ملے تو یہ کوئی قابلِ تنقید اور نکتہ چینی کا محل

Marfat.com

نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں دوسرا اعتراض سیدنا عمرو بن عاصؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ نہر مصر کی نہیں بلکہ بلاد عرب کی فلاح و بہبود کے لئے کھدوائی گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نہر کی کھدوائی سے بلاد عرب کو بہت فائدہ پہنچا لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس نہر سے مصر کا فائدہ بلاد عرب کے فائدہ سے بھی زیادہ تھا۔ اسے ہندوستان اور مشرق بعید سے تجارت کے لئے وہ راستہ دوبارہ مل گیا جو قافلوں کے راستے سے زیادہ آسان تھا اس طرح اپنے اس بلند تجارتی مقام کو از سر نو حاصل کرنے کا زریں موقع ان کے ہاتھ آ گیا جو اس عظمت و سیادت کے تابناک دور کی یادگار تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن عاصؓ کو بلاد عرب کی صلاح و فلاح کا جتنا خیال تھا مصر کی سود و بہبود کی فکر اس سے کہیں زیادہ تھی۔ اور جو یہ کہتا ہے غلط نہیں کہتا کہ اس سے ابن عاصؓ کا مدعا یہ تھا کہ مصر کے اضطراب کو اطمینان سے بدل دیں۔

سیدنا عمرؓ کا سیدنا عمرو بن عاصؓ کو بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ روم کو ملانے والی نہر (موجودہ نہر سویز) کے منصوبہ سے روکنا بھی مستشرقین کی تنقید کا ہدف بنا ہے کہ اس نہر سے مصر کی ترقی منحصر تھی لیکن اس کام سے امیر المؤمنین نے گورنر مصر کو روک دیا اور یہ عذر کر دیا کہ رومیوں کے لئے اس نہر کو عبور کر کے اپنے جہاز بحر قلزم میں لے جانا آسان ہو جائے جو کہ مصر میں بغاوت کا سبب بن سکتا ہے۔ امیر المؤمنین کا یہ اعتراض بالکل صحیح اور درست تھا کیونکہ اس وقت عربوں کے پاس کوئی تجارتی یا جنگی بیڑا نہیں تھا جو رومی جہازوں کا مقابلہ کر سکتا۔ اس لئے اگر اس نہر کی کھدوائی کا خیال ترک کیا گیا تو یہ بربنائے احتیاط کیا گیا نہ کہ کسی اور وجہ سے۔ اعتراض کرنے والوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انیسویں صدی عیسوی میں برطانیہ نے محض اس خوف سے کہ ہندوستان میں اس کے اقتدار پر کوئی آنچ نہ آ جائے۔ نہر سویز نکالنے کی کتنی مخالفت کی تھی' تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس نہر کے نکالنے پر جس خوف اور خطرے کا اظہار کیا تھا' اس پر انہیں الزام دینا کسی طرح درست اور جائز نہیں۔

مہمان خانے

سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ سے بہت سے مہمان

خانے بھی ملک کے مختلف حصوں میں تعمیر کروائے۔ ان مہمان خانوں کا مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والے لوگ جو دو چار روز کسی شہر میں کسی غرض سے آئیں وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جائیں۔ یہ مہمان خانے بڑے بڑے شہروں میں بنائے گئے کیونکہ وہیں لوگوں کی زیادہ آمدورفت ہوتی تھی۔ کوفہ میں بھی ایک مہمان خانہ بنایا گیا جس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ لوگ دور دراز سے آتے اور اس مہمان خانہ میں چند روز قیام کرتے (فتوح البلدان ص ۲۷۸) اور مدینہ منورہ کا جو مہمان خانہ تھا وہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا اور اس میں باہر سے جو لوگ آتے وہ قیام کرتے اور ان کی رہائش اور کھانا فری ہوتا تھا۔

ان مہمانوں سے قاری کے ذہن میں شائد یہ آتا ہوگا کہ سیدنا عمرؓ نے ملک کے مختلف حصوں میں جو مہمان خانے تعمیر کروائے تھے شائد وہ کوئی فائیو اسٹار ہوٹل تھے یا سیمنٹ اور سریے کے شاندار مہمان خانے تھے' لیکن معاملہ ایسا نہیں تھا۔ سیدنا عمرؓ کی حکومت اس قسم کی عمارتوں پر قوم کا روپیہ ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خود ایک کچے مکان میں رہتے تھے' وہ لوگوں کے ٹھہرانے کے لئے پکے مکان اور مہمان خانے کیسے بناتے؟ انہوں نے بڑے بڑے محلات اور عمارتیں چونہ اور پتھر کی تعمیر نہیں کیں بلکہ انہوں نے انسانیت کی تعمیر کی اور انسانیت کو اتنا مضبوط بنایا کہ ان کا ایک معمولی سپاہی بھی اتنا اچھا انسان تھا کہ اس وقت کے بڑے بڑے اس کی انسانیت کے سامنے شرماتے تھے۔ آپ نے جو مہمان خانے تعمیر کروائے وہ نہایت سادہ تھے یعنی اینٹ اور گارے کے مکانات۔ دوسرے اسلام نہایت سادگی پسند دین ہے جو قومیں ظاہری ٹیپ ٹاپ میں کھو جاتی ہیں ان کی معنوی قوت مر جاتی ہے۔ وہ پھر انسانیت اور اخلاق کی تعمیر کے بجائے عمارتوں کی تعمیر میں لگ جاتی ہیں۔ اور آخر کار فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ قادسیہ' مدائن' یرموک' جلولاء اور نہاوند کی جنگوں میں عراقی اور ایرانی فوجوں نے آخر کیوں شکست کھائی اور اتنی تعداد میں فوجیں اور اتنا اعلیٰ اسلحہ رکھنے کے باوجود وہ مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج کا کیوں مقابلہ نہ کر سکیں؟ مستقبل کے مورخ نے ان شکستوں کے رموز واسرار کے چہرے سے جو نقاب اٹھائی اور جو عبرتیں ان کے دامن میں پوشیدہ ہیں' اس کو انہوں نے ایک جملہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ان قوموں کی عیش و عشرت کی وجہ سے معنوی قوت اس حد تک کمزور ہو چکی تھی کہ کبھی بھی مسلمانوں کی افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ زندگی کو موت پر ترجیح دیتی تھیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود تقدیر کی قوتوں میں سے ایک قوت تھے۔ وہ انسانیت کو سیدھی راہ پر چلانے

Marfat.com

کے لئے آئے تھے اور وہ ایک ایسا پیغام لے کر ان ملکوں میں گئے جس کو سنے بغیر کائنات اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ایرانیوں کے دیو پیکر ہاتھی بھی ان کی قوت کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور اہلِ عجم اور اہلِ شام کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور ان کے خوف سے دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ سارے نتیجے اسلام کی اس سادگی کے تھے جو اس نے مسلمانوں کو سکھائی۔ اس بارہ میں امام شاطبیؒ نے کتنی اچھی بات کہی:

"شریعت کی وضع و ترتیب کا شرعی مقصود یہ ہے کہ مکلف کو اپنی خواہشات کی بندگی سے نکالا جائے تاکہ جس طرح وہ اضطراری طور پر اللہ کا بندہ ہے اسی طرح اختیاری طور پر بھی وہ اللہ کا بندہ بن جائے۔

(الموافقات فی اصول الشریعہ جلد ۲ ص ۱۶۸)

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اسراف اور تبذیر دونوں سے منع فرمایا اور سادگی کو اپنانے کی تلقین فرمائی۔ ایک انسان جب تنعم اور عیش کوشی کی زندگی بسر کرنے لگ جائے تو پھر کسبِ مال ہی اس کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے اور اس کے ہاں پھر با مقصد ذمہ دارانہ زندگی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایاك و التنعم، فان عباداللہ لیسوا بالمتنعمین (مشکوٰۃ باب فضل الفقراء)

خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

یہ نصیحت آپ نے سید معاذ بن جبلؓ کو فرمائی تھی جب انہیں آپ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور سیدنا عمر بن خطابؓ نے بھی آذربائیجان کے گورنر کو ایک خط میں یہ لکھا تھا:

"اے عتبہ بن فرقد! عیش کوشی سے اجتناب کرنا، اور اہلِ شرک کی پوشاک سے اور ریشم کا لباس پہننے سے بھی احتراز کرنا"۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب، جوزی، ص ۱۳۰)

سعد بن ہند سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا۔

"بعض مکان شیطانوں کے ہوتے ہیں"۔ (بیوت للشیاطین) سیدنا سعد فرماتے ہیں کہ شیطانوں کے گھر یہ ہودج ہیں جن پر لوگ دیباج

Marfat.com

کے غلاف چڑھاتے ہیں"۔

(ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الجنائب)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ رہائشی مکانوں کی زیب و زینت کے لئے قیمتی پردے استعمال کرنا اسراف میں داخل ہے۔ یہ مضمون ایک اور حدیث میں نہایت صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ ان کے کمرہ میں دیواروں پر پردے لٹکائے گئے ہیں۔ آپؐ نے ان کو اتار دیا اور فرمایا:

ان الله لم یا مرنا ان نکسوا الحجارة والطین

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا

(مسلم' کتاب اللباس والزینۃ' ابو داؤد کتاب اللباس)

یہ حدیث بھی ہمارے اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے استبرق کا ایک حلہ فروخت ہوتے دیکھا۔ آپ کو وہ اچھا لگا اور آپ نے اسے خرید لیا اور اسے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لے آئے۔ اور عرض کی:

"اے اللہ کے رسول! عید کے موقع پر اور باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کرتے وقت اسے پہن کر زینت حاصل کیا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان هذا لباس من لا خلاق له"

یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

(مسلم کتاب اللباس والزینۃ' ابو داؤد' ترمذی وغیرہ)

اسی وجہ سے ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

" آگاہ رہو! ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ثابت ہو گی سوائے اس کے جو نا گزیر ہو"۔

(ابو داؤد کتاب الادب' باب فی البناء' ابن ماجہ' کتاب الزہد)

ایک اور حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک لوگ ایسے مکان نہ بنانے لگیں جن کو منقش کپڑوں کی طرح آراستہ کریں گے (بخاری: الادب المفرد ص ۶۷)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ منقش اور رنگ و روغن والے مکانات بنانا قیامت

Marfat.com

کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور شائد اسی وجہ سے امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ بن خطابؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا تھا:

ان لاتطیبوا ابناء کم فانّہ‘ من شر ایامکم

بلند و بالا عمارتیں نہ تعمیر کرو کیونکہ یہ طرزِ عمل بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔

غرضیکہ جب اسلام کا مزاج سادگی ہو اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سادگی کی تاکید فرمائی ہو تو پھر سیدنا عمر بن خطابؓ وہ مہمان خانے یا اس قسم کی دوسری عمارتیں پکی اور منقش کیسے بنا سکتے تھے؟ خود تمام گورنر اور امیرؓ المؤمنین کچے گھروں میں جو گارے اور اینٹ کے بنے ہوئے تھے، رہائش پذیر تھے۔ اور بصرہ کے ایوانِ حکومت (گورنمنٹ ہاؤس) کے بارہ میں تو بلاذری نے لکھا بھی ہے کہ وہ کچا اور اینٹ گارے کا تھا (فتوح البلدان ص ۳۴۷)

البتہ بعض کتابوں میں منقول ہے کہ فوجی عمارتیں آپ نے نہایت مضبوط اور مستحکم تعمیر کروائیں۔ یہ دراصل فوج کی ضروریات میں سے تھیں۔

دیگر عمارتوں کی تعمیر

سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اور بھی کئی قسم کی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ان میں سے اکثر کچی تھی۔ آپ نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں وہ تین قسم کی تھیں۔

۱۔ مساجد وغیرہ جو کہ قریباً چار ہزار کے قریب تھیں

۲۔ فوجی عمارتیں جیسے قلعے اور چھاؤنیوں کی بارکیں

۳۔ حکومتی عمارتیں جیسے گورنمنٹ ہاؤسز، فوجی اور سول کے دفاتر اور خزانہ (بیت المال) کی عمارتیں

۴۔ قید خانوں کی عمارتیں

۵۔ مہمان خانے (جن کا ذکر گزر چکا ہے)

یہ ساری عمارتیں ایسی تھیں جن سے سادگی ٹپکتی تھی۔ قیصر و کسریٰ کی عمارتوں کی طرح بلند و بالا اور پتھروں کی نہ تھیں اور نہ ہی منقش تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کی تعمیر

سلطنت کی وسعت میں اضافہ کی وجہ سے آپ نے مفتوحہ علاقوں میں اور عرب

Marfat.com

میں بھی سڑکیں اور پل تعمیر کروائے، لیکن یہ زیادہ تر حکومت نے نہیں تعمیر کروائے تھے بلکہ مفتوحہ علاقوں میں ان قوموں سے معاہدے ہوتے تھے ان میں ایک شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر یہ لوگ خود اپنے خرچ اور اہتمام سے کرائیں گے۔ چنانچہ طبری اور دوسرے مورخین نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہؓ نے شام کی فتح میں صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی لکھوائی تھی۔

چوکیاں اور سرائیں

سیدنا عمرؓ نے ملک کے مختلف حصوں میں چوکیاں اور سرائیں بھی تعمیر کرائیں تاکہ راستہ طے کرنے میں مسافروں کو تکلیف نہ ہو، خصوصی طور پر مکہ مکرمہ جہاں ہر سال ملک کے کونے کونے سے حاجی صاحبان آتے تھے' اس کے راستے بالکل ویران تھے اور مسافروں کو راستہ میں سفر کے دوران سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ راستہ میں نہ کوئی چوکی تھی اور نہ سرائے اور نہ ہی پانی کا کوئی بندوبست تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ 17 ھ میں سیدنا عمرؓ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک ہر منزل پر چوکیاں' سرائیں اور پانی کا انتظام کیا جائے چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور مسافروں کو یہ سب اشیاء مہیا کی گئیں۔ ایسا ہی دوسرے راستوں پر بھی کیا گیا۔

Marfat.com

نئے شہروں کی تعمیر

سیدنا عمرؓ نے نہ صرف پل' سڑکیں' مہمان خانے اور دوسری عمارتیں ہی بنائیں بلکہ کچھ نئے شہر بھی آباد کئے جو اپنی ضرورتوں کے تقاضوں کے مطابق بنائے گئے اور پھر ان شہروں نے مستقبل میں وہ ترقی کی کہ کتابوں میں ان کے تذکرے آج بھی مرقوم ہیں۔ کوفہ وہ شہر ہے کہ فقہ حنفی جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے ماننے والے پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، اس کا سنگ بنیاد سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی نگرانی میں یہیں رکھا گیا۔ بصرہ وہ شہر کہ عربی نحو کی بنیاد اس شہر میں پڑی۔ ان دونوں شہروں میں مدتوں اسلامی آثار کے منظر قائم رہے۔

کوفہ کی تعمیر

تاریخ کے رپورٹ بتاتے ہیں کہ عراق کے شہروں کی آب و ہوا نے اسلامی فوجوں کی صحت پر نہایت برا اثر ڈالا۔ جلولاء' حلوان' مدائن' تکریت اور موصل سے فتح کی خبر اور مال غنیمت لے کر کچھ لوگ سیدنا عمرؓ کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ سیدنا عمرؓ نے پہلے تو ان کے مطالبات پر غور و فکر کیا اس کے بعد فرمایا: ''بخدا! تمہاری صورتیں اب وہ نہیں رہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھیں۔ قادسیہ اور مدائن سے جو لوگ آئے تھے' میں نے اپنی آنکھوں سے غور دیکھا کہ ان کی بھی یہی حالت تھی۔ آخر یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری صحت روز بروز گر رہی ہے''۔ انہوں نے جواب دیا: ''یہ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے''۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے دریافت کیا کہ عربوں کی رنگتیں کیوں جھلس گئی ہیں؟

انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہاں کی آب وہوا کا اثر ہے۔ سیدنا حذیفہ بن یمانؓ مدائن میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مقیم تھے۔ انہوں نے ان وفود کے پہنچنے سے قبل سیدنا عمرؓ کو لکھا تھا کہ "عربوں کے پیٹ پچک گئے ہیں' جسم سوکھ گئے ہیں اور رنگتیں جھلس گئیں ہیں"۔ اس سے سیدنا عمرؓ کو سخت تشویش لاحق ہوئی اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا:

"عربوں کو وہی آب وہوا راس آئے گی جو ان کے اونٹوں کو راس آئے گی۔ لہٰذا کوئی ایسا علاقہ تلاش کرو جس کو خشکی اور تری سے یکساں تعلق ہو اور میرے اور ان کے درمیان کوئی دریا یا پل حائل نہ ہو"۔ اس خط سے سیدنا عمرؓ کے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ ان عربوں کے قیام کے لئے جو مقام اور خطہ منتخب کیا جائے وہ صحرا کی طرح خشک ہو لیکن اس میں صاف ستھرے پانی کی نہریں اور چشمے بھی ہوں۔ دوسرا یہ کہ اگر کبھی ان لوگوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے تو راستہ میں کوئی دریا یا پل مزاحم نہ ہو اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عمرؓ بحری سفر کو نہایت خطرناک سمجھتے تھے۔ اور اس لئے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور ان کی فوج کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو جسے طے کرنے میں ان کی بھیجی ہوئی مدد خطرے یا ہلاکت سے دوچار ہو جائے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے موصل سے عبداللہ بن معتمؓ اور جلولاء سے قعقاع بن عمروؓ کو بھیجا کہ وہ امیر المؤمنینؓ کی پسند کے مطابق کوئی جگہ تلاش کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ ذمہ داری سیدنا سلمانؓ اور سیدنا حذیفہؓ کو سونپی گئی۔ دوسری طرف مدینہ طیبہ سے سیدنا عمرؓ نے بھی باخبر لوگوں سے ایسی جگہ کے بارہ میں مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ طور پر رائے دی کہ حیرہ کے قریب کوفہ کا مقام نہایت موزوں ہے۔ ایک تو وہ حیرہ کی طرح فرات کے قریب سرسبز و شاداب مقام پر واقع ہے۔ دوسرے صحرا سے بھی کچھ دور نہیں اور اس کی زمین ریتلی اور کنکریلی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے قبل نعمان بن منذر کا خاندان عراق عرب کا فرمانروا تھا' اس کا پایہ تخت یہی مقام تھا۔ اور اس کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اس کے آس پاس واقع تھیں۔ اس شہر کا منظر نہایت خوب صورت اور خوش نما تھا اور یہ مقام دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس وجہ سے پانی کی بہتات بھی تھی۔ اہلِ عرب اس مقام کو "خد العذراء" یعنی "عارض محبوب" کے نام سے پکارتے تھے۔ کیونکہ یہ زمین کی زرخیزی کی وجہ سے عمدہ قسم کے عرفی پھولوں اقحوان' قیصوم اور خزامی کا چمن زار تھا۔

Marfat.com

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جگہ کے انتخاب کے بعد مدائن سے کوفہ کے مقام پر پہنچے اور ایک اونچی جگہ منتخب کر کے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے چاروں طرف اتنی جگہ چھوڑ دی گئی کہ اگر مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر تیر پھینکا جائے تو اس میدان کے آخری سرے پر گرے۔ اور اس جگہ کو بازار بنادیا گیا۔ مسجد تعمیر ہوئی اور سنگ رخام کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبی چھت ڈالی گئی۔ یہ ستون کسریٰ کے محلات سے لائے گئے تھے۔ جن کی بلندی رومی کلسیاؤں کی بلندی کے برابر تھی۔ مسجد کے چاروں طرف خندق کھود دی گئی تاکہ لوگ اس کی چار دیواری پر چڑھ نہ سکیں۔ کسریٰ کے ایک ایرانی معمار نے مسجد کے قریب سیدنا سعدؓ کے لئے ایک مکان تعمیر کیا۔ جس میں بیت المال یعنی سرکاری خزانہ بھی تھا۔ اس عمارت کا نام "قصر سعدؓ" رکھا گیا۔ ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

یہاں عدل فاروقی کا ذکر کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا، وہ یہ کہ سنگ رخام مسجد جو ستون مسجد میں استعمال کئے گئے وہ نوشیروانی محلات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ ان محلات کا قانونی طور پر کوئی وارث نہیں تھا اور قوانین سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو وہ حکومت وقت تھی یا خلیفہ اسلام تھا' لیکن سیدنا عمرؓ نے مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی اور اس کی تخمینی قیمت لگا کر ان کے جزیہ میں سے منہا کی گئی۔

پہلے وہ گورنمنٹ ہاؤس جس کو قصر سعد کہتے تھے اور جس میں حکومتی خزانہ بھی تھا' مسجد سے دو سو ہاتھ پر تھا' لیکن اس کو تعمیر ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ اس میں چوری ہو گئی۔ سیدنا عمرؓ کو جب اس چوری کا علم ہوا تو آپ نے سیدنا سعدؓ کو لکھا کہ گورنمنٹ ہاؤس مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ ایک ایرانی انجینئر روزبہ نے یہ جو ان تعمیرات کے کام پر مامور تھا' اس نے نہایت ماہرانہ طریقے سے ایوانِ حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سیدنا سعدؓ اس ایرانی کی ماہرانہ صلاحیتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور انہیں بارگاہِ خلافت میں بھیجا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی بڑی قدر کی اور ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر فرما دیا۔

ایوانِ حکومت اور مسجد کوفہ کی تعمیر کے بعد شہر کی تعمیر شروع ہوئی۔ فوج نے مسجد کے چاروں طرف خیمے بنا لئے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے مطلب کی جگہ تلاش کر کے خیمے نصب کر دیئے۔ سیدنا عمرؓ کے حکم کے مطابق ۴۰ ہزار آدمیوں کے لئے یہاں رہائش کا

Marfat.com

بندوبست کیا گیا۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود سیدنا عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ بڑی سڑکیں ۳۰ سے ۴۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور اندرونِ شہر گلیوں کی چوڑائی سات سات ہاتھ ہو۔ مسجد کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی ایک وقت میں نماز ادا کر سکتے تھے۔ اس کے اردگرد چاروں طرف کھلی زمین کافی چھوڑ رکھی تھی تاکہ اگر نمازی زیادہ ہوں تو وہ بھی اپنی نماز ادا کر سکیں۔ جامع مسجد کے علاوہ ہر ہر قبیلے کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی گئیں اور قبائل اس میں آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور بھی مختلف قبائل آباد کئے گئے جن میں سلیم' ثقیف' ہمدان' بجیلہ' تغلب' بواسد' مذحج اور ہوازن وغیرہ شامل تھے۔

جب لوگ آباد ہو گئے تو سیدنا سعدؓ نے سیدنا عمرؓ کو خط لکھا کہ "میں نے حیرہ اور فرات کے درمیان کوفہ میں قیام کیا ہے۔ یہ مقام خشکی اور تری سے یکساں تعلق رکھتا ہے اور شاداب اور زرخیز بھی ہے۔ میں نے مسلمانوں کو اجازت دے دی ہے کہ چاہے مدائن میں رہیں چاہے یہاں آکر آباد ہو جائیں۔ جن لوگوں نے مدائن میں رہنا پسند کیا' میں انہیں وہاں مسلح پہرے داروں کی حیثیت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔"

کوفہ کا قیام سب کو اچھا لگا۔ ان سب کی صحتیں بحال ہو گئیں' چہروں کی رنگتیں بدل گئیں۔ مرجھائے ہوئے جسم توانا ہو گئے اور ان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اب سیدنا سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں درخواست بھیجی کہ بانسوں کے مکانات بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ وہ خیموں سے زیادہ پائیدار رہیں گے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے تحریر فرمایا: "چھاؤنی ایسی ہونی چاہئے جو تمہاری اچھی طرح حفاظت کر سکے اور تمہارے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔ میں تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا"۔ سیدنا عمرؓ کا یہ مکتوب جونہی پہنچا لوگوں نے بانس کے مکانات بنانے شروع کر دیئے۔ بانس کے مکانوں کو ایک روز اچانک آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اب لوگوں کے لئے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ رہی۔ خیموں سے وہ بانسوں کے مکانات میں منتقل ہوئے اور بانسوں کے مکانوں میں آگ لگ گئی' اب وہ اس سوچ اور فکر میں تھے کہ ہم خیمے نصب کر لیں یا پھر کھلے آسمان تلے رہیں؟ اب خیموں کی زندگی سے گزر کر وہ مکانوں کی زندگی کے عادی ہو چکے تھے' لہٰذا آتش زدگی کی خبر کے ساتھ یہ درخواست بارگاہ خلافت میں روانہ کی گئی کہ اینٹوں کے مکان بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی بھی اجازت دے دی

لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: "ہاں لو! لیکن کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے اور مکانوں کی دیواریں بہت اونچی نہ کرے۔ تم سنت کے پیچھے چلو' دولت تمہارے پیچھے چلے گی"۔ اس طرح کوفہ کے مکانوں کی تیاری کے بعد لوگ ان میں رہائش پذیر ہو گئے اور اس نو آباد شہر نے حیرہ کی تمام عظمت اور شوکت اس سے چھین لی اور لخمیین کا دارالسلطنت اس عظیم الشان شہر کے پہلو میں ایک معمولی سی بستی ہو کر رہ گیا۔ جو چند برسوں کے بعد اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ قرار پا کر تاریخ اسلامی میں ایک خاص مرتبے اور شان کا حامل ہو گیا۔

یہ شہر سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت ہی میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ سیدنا عمرؓ اسے خود بھی "دارالسلام" فرماتے تھے اور وہ عربوں کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ اس کی بہترین آب و ہوا اور خوب صورت مناظر کے باعث اس کی آبادی روز بروز ترقی کرتی گئی' لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے اکثر و بیشتر عربی النسل تھے۔ ۶۴ھ میں جب اس شہر کی مردم شماری ہوئی تو پچاس ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ اور مضر کے اور ۲۴ ہزار دوسرے قبائل کے تھے اور یمنی لوگوں کے چھ ہزار گھر اس کے علاوہ تھے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب یہ شہر تیار ہو گیا تو سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے مدائن کو چھوڑ کر کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ اپنی قیام گاہ میں ایک دروازہ بنوا کر اس پر چھت ڈلوادی' اس لئے کہ بازار کا شور و غل ان کے مشاغل اور گفتگو میں مخل ہوتا تھا' بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے معمار سے فرمایا: "مجھے اس ہنگامے سے نجات دلاؤ"۔ اس کی اطلاع سیدنا عمرؓ کو ملی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ اس مکان کو قصر سعدؓ کے نام سے پکارتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے محکمہ احتساب کے آفیسر سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا "محل کے دروازہ کو آگ لگا کر الٹے پاؤں واپس آجانا"۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے حکم کی تعمیل میں سیدنا محمد بن مسلمہؓ کوفہ پہنچے۔ سیدنا سعدؓ کو پتہ چلا تو انہیں بلایا لیکن انہوں نے محل میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سیدنا سعدؓ خود باہر آئے اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے کھانا بھی قبول نہ کیا اور سیدنا عمرؓ کا خط انہیں دے دیا۔ خط میں لکھا تھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے محل تعمیر کر دیا ہے جو قلعہ بن گیا ہے" اور "قصر سعد" کہلاتا ہے۔ تمہارے دروازے پر لوگوں کی روک ٹوک ہے۔ یہ قصر سعد نہیں بلکہ قصر فساد ہے۔ اس کا وہ حصہ جو بیت المال سے ملا ہوا ہے' نکال ڈالو اور اس کو بند کر دو۔ خبردار محل کے دروازہ پر کوئی پہرہ چوکی نہ رہے جس سے لوگوں کی روک ٹوک

Marfat.com

ہو۔ ایک روایت ہے کہ دروازہ کو آگ لگادی گئی' لیکن دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا سعدؓ نے خط پڑھ کر قسم کھائی کہ لوگوں نے بارگاہ خلافت میں غلط خبر پہنچائی ہے۔ سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو ان کی قسم کا اعتبار آگیا اور وہ واپس آگئے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے سیدنا عمرؓ کو پوری تفصیل سنائی۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے پوچھا: "پھر تم نے سعدؓ کا عذر قبول نہیں کیا؟" محمد بن مسلمہؓ نے کہا: "اگر آپ یہ چاہتے تھے تو مجھے لکھ دیا ہوتا یا اس کی اجازت دے دی ہوتی"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "صحیح معنی میں اہل الرائے وہ ہوتا ہے جس کے پاس اگر اپنے حاکم کا حکم نہ ہو تو وہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لے اور خاموش نہ رہے۔ یہ کہہ کر سیدنا عمرؓ نے سیدنا سعدؓ کا عذر قبول فرما لیا اور انہیں برقرار رہنے دیا۔

بعد کے زمانوں میں شہر ایک علمی گھوارہ بنا رہا۔ فن نحو میں ابوالاسود دئیلی نے شروع میں علم نحو کے قواعد اسی شہر میں منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد بھی یہیں پڑی۔ حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن اس شہر میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر نہ صرف تدوین فقہ کا مرکز بنا بلکہ حدیثِ رسول کا مرکز بھی یہی شہر تھا۔ چنانچہ امام بخاریؒ جیسا شخص اس شہر کے بارہ میں یوں فرماتا ہے:

"میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں کتنی دفعہ محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد حدیث لینے کے لئے گیا ہوں"۔

(مقدمہ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۷۹)

اسی طرح مشہور تابعی امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ

"میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طالب علم حدیثِ رسولؐ پڑھ رہے تھے"۔ (تدریب الراوی ص ۲۷۵)

صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ شہر "قبۃ الاسلام" کے نام سے مشہور تھا (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۹) مشہور تابعی قتادہؒ کہتے ہیں کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کا قیام تھا جن میں سے چوبیس بدری تھے (کتاب الاسماء والکنیٰ للدولابی جلد اص ۱۷۴) امام نوویؒ کوفہ کو "دارالفضل و محل الفضلاء" کہہ کر ذکر کرتے ہیں (شرح مسلم نووی جلد اص ۱۸۵) سیدنا علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسی شہر کو اپنا مرکز بنایا اور اس علاقے کو علمی جلاء بخشی۔ پھر امام اعظم ابو حنیفہؒ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی علمی مسند کے وارث تھے۔ امام ثوریؒ بھی اسی سرزمین کے فرزند تھے۔

اسی شہر میں حنفی فقہ کی تدوین ہوئی اور امام ابو حنیفہؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور فقہ اسلامی کو مدوّن کرنے کے لئے علماء کا ایک بورڈ بنایا جس میں حفاظ حدیث، ادب و عربیت کے امام، قیاس و استنباط کے ماہرین اور قرآن حکیم کے موارد نزول اور ناسخ و منسوخ کو سمجھنے والے بڑے ائمہ فن موجود تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کی قیادت میں یہ بورڈ کئی سالوں تک کام کرتا رہا یہاں تک کہ فقہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مدوّن ہوا۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

حضرت امام طحاویؒ نے بسند متصل اسد بن فراتؒ سے روایت کی ہے:

"امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے، جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسفؒ، داؤد طائیؒ، زفرؒ، اسید بن عمرؒ، یوسف بن خالد تمیمیؒ، یحیٰی بن زائدہؒ۔ امام طحاویؒ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحیٰی سے متعلق تھی اور وہ قریباً تیس برس تک اس خدمت کو سرانجام دیتے رہے"۔

(سیرۃ النعمان ص ۱۶۴، علامہ شبلیؒ)

بورڈ کے یہ چالیس اراکین کون تھے؟ ان کی پوری فہرست عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں دی ہے۔ اہل علم حضرات وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی اس تدوین سے جو فقہی ذخیرہ تیار ہوا وہ ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا اور بعد والے خلفاء، ائمہ اور حکام سب اس مدون فقہ کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور اس پر کام جم گیا۔ (موفق جلد ۲ ص ۴۱)

بصرہ کی تعمیر

جس زمانہ میں کوفہ کی بنیاد پڑی تھی اسی زمانہ میں بصرہ کی نیو بھی ڈالی گئی تھی۔ یہ شہر ۱۸ھ یعنی خلافت فاروقی کے چوتھے سال ابلہ کے قریب خلیج فارس سے متصل آباد ہوا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بصرہ کوفہ سے پہلے بسایا گیا لیکن اس کے مکانات اس وقت پختہ کئے گئے جب کوفہ کے مکانات پختہ ہو چکے تھے۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ عتبہ بن غزوانؓ نے ۱۴ھ میں ابلہ پر چڑھائی کی اور جب اسے فتح کر لیا تو سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ "مسلمانوں کے لئے ایک ایسی قرارگاہ کی ضرورت ہے جہاں وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں اور

جنگ سے واپس آئیں تو وہاں آرام کریں"۔ امیر المؤمنین نے انہیں جواب دیا: "اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ جمع کرلو۔ یہ جگہ پانی اور سبزہ زار سے قریب ہونی چاہیے۔ پھر مجھے اس کی مفصل کیفیت لکھو۔ چنانچہ سیدنا عتبہ بن غزوانؓ نے جگہ منتخب کر کے امیر المؤمنین کو اس کی تفصیلات لکھ بھیجیں تو سیدنا عمرؓ نے بصرہ کے محلِ وقوع کو پسند کر کے اس کی تعمیر کی منظوری دے دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوانؓ کو اس بات پر مامور کیا کہ بندر گاہ ابلہ کے قریب جہاں ہندوستان اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں، ایک شہر بسایا جائے۔ زمین کا موقع اور منظر خود امیر المؤمنین نے متعین فرمایا تھا۔ سیدنا عتبہ بن غزوانؓ آٹھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ کا شہر آباد ہے۔ یہ جگہ ایک چٹیل میدان تھا' زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی کا کوئی انتظام نہ تھا اور اس کا محل وقوع عرب کے مزاج کے بالکل موافق تھا۔ اس لئے یہاں شہر آباد کرنے کی منظوری سیدنا عمرؓ سے حاصل کی گئی۔ جب سیدنا عمرؓ نے منظوری دے دی تو لوگوں نے وہاں جا کر بانسوں کے مکانات بنالئے۔ اسی طرح سیدنا عتبہ بن غزوانؓ نے بانسوں کی مسجد تعمیر کروائی۔ مسلمان جب کہیں حملہ کرتے تو ان مکانوں کو گرا دیتے اور جب لڑائی سے واپس آتے تو پھر بنا لیتے۔

سیدنا عتبہؓ نے مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطے بنا کر ان کو جگہیں الاٹ کیں اور عاصم بن دلفؓ کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلہ کو اتارنا مناسب ہو، اتاریں۔ چنانچہ ان قبائل نے الاٹ کردہ جگہوں پر بانس کے مکانات بنا لئے۔ سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں' ان میں سے جامع مسجد' گورنمنٹ ہاؤس (ایوان حکومت) اور اس کے دفتر' قید خانے اور بیت المال کی عمارتیں زیادہ ممتاز تھیں۔ ۱۷ھ میں کوفہ کی طرح بصرہ میں بھی آگ لگ گئی اور سیدنا عمرؓ کی اجازت سے بصرہ والوں نے بھی کوفہ والوں کی طرح پختہ مکان بنا لئے۔ بعد میں جب بصرہ خلیج فارس کے کنارے عراق کی سرحدی چھاؤنی بن گیا تو پتھروں کے مکانات بنا لئے گئے اور ایک نہایت شاندار مسجد تعمیر کی گئی۔ مستقبل میں بصرہ کو بھی اسلامی تاریخ میں وہی اہمیت حاصل ہو گئی جو کوفہ کو حاصل تھی۔ جب بصرہ کو پختہ بنانے کی اجازت امیر المؤمنین سے حاصل کی گئی تو آپ نے کوفہ کی طرح یہاں بھی مکانوں کو پختہ کرنے کی اجازت اس شرط پر دی کہ کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ پر مشتمل مکان نہیں بنائے گا۔

بصرہ اور کوفہ دونوں نئے شہر بسائے گئے تھے 'لیکن مورخین کے بیان کے مطابق

Marfat.com

بصرہ والے کوفہ والوں سے رشک و حسد رکھتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اپنے محل وقوع اور سامان راحت و آسائش کی کثرت کے سبب کوفہ بصرہ سے ممتاز تھا۔ سیدنا عمرؓ نے بصرہ سے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہونے والے ایک وفد سے ان کی ضروریات کے بارہ میں پوچھا۔ احنف بن قیسؓ اور ان کے ساتھیوں نے جو اس وفد کے ارکان تھے' بارگاہِ خلافت میں عرض کیا:

"امیر المؤمنین! خیر و برکت کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمارے شہری بھائی ان خالی مکانوں میں اترے ہیں جو میٹھے پانی اور ہرے بھرے باغات کے درمیان واقع ہیں' لیکن ہم بنجر اور شور زمین میں آباد ہوئے ہیں۔ جس کے مشرق میں مواج اور متلاطم سمندر ہے اور مغرب میں صحرائے بے آب و گیاہ ہے۔ چنانچہ نہ ہمیں پیداوار نصیب ہے اور نہ دودھ والے جانور۔ ہم اپنی ضروریات زندگی بڑی مشکل سے حاصل کرتے ہیں۔ ایک بوڑھا میٹھے پانی کی تلاش میں چلتا ہے تو کہیں دو میل پر جا کر اس کو میٹھا پانی ملتا ہے اور جب کوئی عورت اس مقصد کے لئے نکلتی ہے تو بچے کو بکری کی طرح باندھ کر نکلتی ہے کہ دشمن اسے اٹھا کر نہ لے جائے اور درندہ اسے پھاڑ نہ کھائے۔ اگر ہماری یہ دشواریاں اور مشکلات دور نہ کی گئیں اور ہمیں راحت و آرام کے یہ سامان مہیا نہ کئے گئے' اور ہمارا ہاتھ نہ پکڑا گیا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے"

اس وفد کے اراکین نے اپنی ان مشکلات کو کچھ اس طرح بیان کیا کہ ایک تو سیدنا عمرؓ نے ان کے وظیفے بڑھا دیئے اور دوسرا سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے' یہ حکم دیا کہ ان کے لئے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر (اور ایک روایت کے مطابق نو میل کے فاصلہ پر) دجلہ سے نہر نکال دی جائے۔ چنانچہ امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل میں نہر نکال کر بصرہ لائی گئی جس سے گھر گھر میں پانی کی فراوانی ہو گئی۔ ریگستان زرخیز ہو گیا اور اہلِ بصرہ کی آبادی روز بروز ترقی کرنے لگی۔ چنانچہ آبادی میں اس قدر اضافہ ہوا کہ زیاد بن ابی سفیانؓ کی گورنری کے زمانہ میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد سمیت ایک لاکھ بیس ہزار تھی' جو اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی آبادی تھی۔

Marfat.com

یہاں کی آبادی کو بھی علم و فضل سے ایک خاص مناسبت تھی اور علوم عربیت کی بنیاد اسی شہر بصرہ میں پڑی۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام حسن بصریؒ کا خمیر اسی زمین سے تھا۔ دنیا میں عربی لغت کی سب سے پہلی کتاب "کتاب العین" جو خلیل بصری نے لکھی تھی' وہ یہیں لکھی گئی۔ اور بھی کئی دوسرے عربی علوم و فنون کی ابتداء بصرہ ہی سے ہوئی۔ علم النحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس شہر نے لغت' ادب' فقہ' حدیث اور اسلامی ثقافت کی تاریخ میں ایسی ایسی راہیں پیدا کیں کہ ان کے اثرات آج تک باقی ہیں۔

علوم و فنون کے باب میں کوفہ اور بصرہ دونوں شہر ایک دوسرے کے حریف رہے۔ جس طرح دولتِ اسلامیہ کی سیاست کا عموماً اور عراق کی سیاست کا خصوصاً رخ متعین کرنے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ ان میں ہر شہر نے عہد فاروقی ہی میں اپنا مقام بنانا شروع کر دیا تھا، اور یہ تھا بھی ایک فطری تقاضا' اس لئے کہ کوفہ عراق کا دار الخلافہ تھا جب کہ بصرہ عراق کی سب سے بڑی سرحدی چھاؤنی تھی۔ عرب کے باشندے ان دونوں شہروں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جنوبی یمن اور اس کے آس پاس کے لوگ کوفہ میں منتقل ہو گئے تھے اور مدینہ کے انصار اور شمالی عرب کے باشندے بصرہ میں نقل مکانی کر آئے تھے۔ اس نقل مکانی کے بعد ایران کی جنگوں پر نہایت اچھا اثر پڑا۔

فسطاط کی تعمیر

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے جب سارے مصر کو فتح کر لیا تو سوال پیدا ہوا کہ انہیں اپنی حکومت کا مستقر اور اپنی سیاست واقتدار کا مرکز کہاں بنانا چاہئے؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے اسکندریہ سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب سے اسکندر اعظم نے اسے آباد کیا تھا وہی مصر کا دار السلطنت چلا آ رہا تھا۔ پھر وہ ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا۔ جس کے جمال و عظمت اور خوب صورتی کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور شہر نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں وہ محلات بھی تھے جو بطلیموسی شہنشاہوں اور تاجداروں اور رومی حکام کی اقامت گاہ تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے سیدنا عمرؓ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اور اسکندریہ کو اپنا مستقل مستقر اور پایہ تخت بنانے کی اجازت طلب کی۔ سید عمرؓ نے قاصد سے پوچھا: "میرے اور مسلمانوں کے درمیان دریا تو حائل نہیں ہوگا؟" قاصد نے جواب دیا: "امیر

المؤمنین! طغیانی کے وقت دریائے نیل حائل ہو گا"۔ سیدنا عمرؓ جیسا کہ کوفہ اور بصرہ کے بارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، یہ کسی صورت گوارہ نہیں فرماتے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دریا حائل ہو۔ اس لئے انہوں نے سیدنا عمرو بن عاصؓ کو لکھا:

"میں مسلمانوں کا کسی ایسی جگہ قیام پسند نہیں کرتا جہاں گرمی یا سردی میں میرے اور ان کے درمیان دریا حائل ہو"۔

جب یہ مکتوب سیدنا عمرو بن عاصؓ کو پہنچا تو امیر المؤمنینؓ کی مرضی کے مطابق اس سے بہتر جگہ اور کوئی نظر نہ آئی جو قلعہ بابلیون کے جوار میں تھی۔ یہ مقام دریا کی اہم گزرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ دریائے نیل کی ان شاخوں کے سنگم پر واقع تھا جو ڈیلٹا (Delta) میں پھیلی ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ "منف" کے بھی قریب تھا جو فراعنہ کے عہد میں مصر کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ پھر اس کے اور سرزمین حجاز کے درمیان کوئی دریا اور پل حائل نہ تھا اور سیدنا عمرؓ جب چاہتے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر دریا عبور کئے بغیر اس تک پہنچ سکتے تھے۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے قلعہ بابلیون کے محاصرہ کے دوران میں اس کے قریب ایک خیمہ نصب کیا تھا۔ جس کو ان کے ساتھی "قبہء فسطاط" کے نام سے پکارتے تھے۔ جب سیدنا عمرو بن عاصؓ نے قلعہ فتح کر لیا اور اسکندریہ جانے کا ارادہ فرمایا تو اپنا یہ خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا، لیکن وہاں ایک کبوتر نے بچے دے رکھے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے فرمایا: "اس نے ہمارے ساتھ رہ کر حرمت قائم کر دی ہے"۔ اور حکم دیا کہ جب تک بچے نہ اڑ جائیں خیمہ نہ اکھاڑا جائے۔ اس کے بعد جب وہ اسکندریہ سے واپس ہوئے تو فوج کو خیمے کے قریب پڑاؤ ڈالنے اور اس کے گرد مکانات بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح اس شہر کی بنیاد پڑی۔ خیمہ کو چونکہ عربی میں "فسطاط" کہتے ہیں، اس وجہ سے اس شہر کا نام "فسطاط" رکھا گیا۔ لیکن لسان العرب میں ہے کہ فسطاط مختلف بستیوں کے اس مقامِ اجتماع کو کہتے ہیں جو مسجد جامع کے گرداگرد واقع ہو اور اس سلسلہ میں چھ لغت درج کئے ہیں۔ جن میں سے ایک "فساط" ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فسطاط ایک باز نطینی لفظ (Fossatum) سے ماخوذ ہے جس کے معنی لشکر یا قلعہ بند شہر کے ہیں۔ عربوں نے یہ لفظ شام و مصر میں سنا اور پھر اسے اپنے لغت میں شامل کر لیا۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو اس شہر کا نام "فسطاط" رکھا گیا۔

یہ شہر مختلف عربی محلوں میں تقسیم کر کے تعمیر کیا گیا، جن کی تعمیر قبطیوں نے

Marfat.com

کی۔ آپ نے سیدنا معاویہ بن خدیجؓ، شریک بن سمی، عمرو بن قحزمؓ اور جبریل بن ناشرہ کو اس کام پر مامور کیا کہ جس قبیلہ کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل اس میں آباد ہوئے ان کے نام مقریزی نے اپنی کتاب میں تفصیل سے لکھے ہیں۔
سیدنا عمرو بن عاصؓ نے خیمے کی جگہ اور اس کے چاروں طرف باغات اور انگور کی بیلوں کے درمیان ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اور جب تک سمت قبلہ کی تعین نہ کی گئی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہیں کھڑے رہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ ۸۰ صحابہ کرامؓ نے جمع ہو کر سمت قبلہ متعین کی۔ ان صحابہؓ میں سیدنا زبیر بن عوامؓ سیدنا مقداد بن اسودؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ شریک تھے (معجم البلدان جلد ۴ ص ۲۶۵) یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے۔ جن میں سے ایک ایوان حکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات سات گز کا فاصلہ تھا۔
سیدنا عمرو بن عاصؓ نے ایک خاص مکان سیدنا عمرؓ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن جب انہوں نے سیدنا عمرؓ کو اس مکان کے بارہ میں لکھا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ "یہ میرے کس کام کا ہے؟" تو وہاں ایک بازار بنا دیا گیا۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے سیدنا عمر بن خطابؓ کے لئے ایک مکان تعمیر کروایا اور سیدنا عمرؓ کو لکھا کہ "ہم نے جامع مسجد کے قریب آپ کے لئے ایک مکان بنایا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا۔ "حجاز میں رہنے والے ایک آدمی کا گھر مصر میں کیسے ہو سکتا ہے؟" اور حکم دیا کہ اسے مسلمانوں کے لئے مکان بنا دیا جائے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اس حکم کی فوراً تعمیل کر دی۔ سیدنا عمرؓ کے اس جملہ سے آپ کی دنیا سے بے نیازی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ اس شہر کی آبادی ایک خیمہ سے شروع ہوئی تھی اور خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں اس لئے اس کا نام "فسطاط" پڑ گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ فسطاط کو لغت عب میں چھ طرح پڑھا جاتا ہے۔ فسطاط (بضم فا) فِسطاط (بکسر الفاء) فساط (بضم فا و اسقاط الطاء اولیٰ) فِساط (فا کے کسرہ کے ساتھ)، فستاط (طا کے بدل میں تا اور فا کے ضمہ کے ساتھ) فستاط (فا کے کسرہ کے ساتھ)
(معجم البلدان جلد ۴ ص ۲۶۳)
بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے یہ کھلی جگہ پسند کر کے شہر آباد کر دیا تاکہ مسلمان اہلِ مصر کو ان کے گھروں سے نکال کر ان پر خود قبضہ نہ کر لیں اور اس طرح ہر اس زیادتی سے دامن بچا لیا جو مصری عوام کے لئے بے چینی اور ناراضی کا سبب بن

Marfat.com

سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ بھی ہو کہ ایک اسلامی شہر بسا کر مسلمانوں کے لشکر سے رابطہ پیدا کیا جائے اور مسلمانوں کے خاندان اس شہر میں آباد ہو کر ایک ایسا ماحول بنا لیں جس میں وہ اپنے ڈھب سے زندگی بسر کر سکیں، بالکل اسی طرح جیسے بصرے اور کوفے کو آباد کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے کیا تھا، لیکن سیدنا عمرو بن عاصؓ مصر کے والی تھے۔ انہوں نے جب اس شہر کو اپنا پایہ تخت حکومت بنایا تو رونق اور آبادی نے دوڑ کر ان کے قدم لئے۔ اہل مصر کے بہت سے گروہ مختلف گوشوں سے سمٹ سمٹ کر یہاں آئے اور جائدادیں بنا کر زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔ جب شہر کا دامن پھیلا تو مسلمانوں نے شہر پناہ کے باہر ایک بستی بسائی اور اس کا نام "عسکر" رکھ کر کاروبار حکومت وہاں منتقل کر دیا۔ اور اس طرح فسطاط کا شہر سارے ملک کا دار الخلافہ بن گیا۔ جس کی طرف صعید، زیریں مصر اور بحر روم اور بحر قلزم کے ساحلی شہروں کی نگاہیں اٹھتی تھیں۔ چنانچہ اس کی آبادی میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور آبادی کی کثرت نے اسے مرکز تجارت بنا کر وہاں کی زندگی کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ دیکھ کر اسکندریہ اور منف کے سربر آوردہ لوگوں نے بھی فسطاط کا رخ کیا اور یہ منف کی تباہی کا پیش خیمہ تھا جس کے بعد اس کی حیثیت ایک اثری قصبے سے زیادہ نہ رہی۔ اب اگر اس کا کبھی ذکر آتا بھی تو فراعنہ مصر کی عظمت کے ذیل میں آتا تھا جنہوں نے کئی ہزار برس پہلے اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ اسی طرح اس شہر کی وجہ سے اسکندریہ کی بھی ساری رونق خاک میں مل گئی اور اسے اپنے ساحلی محل وقوع اور عمرانی عظمت و جلال کی وجہ سے دنیا کے تمام شہروں پر جو فضیلت حاصل تھی، وہ بھی اس سے چھن گئی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ فسطاط نے سیدنا عمرو بن عاصؓ کی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کے باعث نہایت جلدی ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر پایہ تخت فسطاط بن گیا۔ اور سیدنا عثمانؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کے زمانوں میں چالیس ہزار اہل عرب کے نام رجسٹر میں قلم بند تھے اور یاقوت حموی نے قاضی ابو عبداللہ قضاعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں فسطاط میں ۳۶ ہزار مسجدیں، آٹھ ہزار سڑکیں اور ایک ہزار ایک سو ستر حمام تھے۔ (معجم البلدان جلد ۴ ص ۲۶۶) مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا دار السلطنت رہا اور دنیا کی تہذیب و تمدن اور ترقی کا ہراول دستہ رہا۔ علامہ بشاریؒ نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ "یہ شہر بغداد کا ناسخ، اسلام کا فخر، مغرب کا خزانہ اور تمام عالم اسلام میں اس سے زیادہ کہیں جامع مسجدیں نہ تھیں اور ان میں سب سے زیادہ علمی مجلسیں ہوتی تھیں اور نہ ہی یہاں سے

Marfat.com

زیادہ کسی شہر کے ساحل پر تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے"۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ شہر نہ صرف علم و فضل کا گہوارہ تھا بلکہ تجارت کا بھی سب سے بڑا مرکز تھا۔ جس سے اہلِ مصر کے روزگار وابستہ تھے۔ آج کل اس شہر کا نام قاہرہ ہے اور آج بھی یہ مصر کا پایہ تخت ہے۔

موصل کی تعمیر

اس شہر کا صحیح تلفظ جیسا کہ یاقوت حموی نے لکھا ہے میم کے فتح اور صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی "موصِل" یہ شہر اگرچہ بہت پرانا ہے اور اس کی تاریخ اسلام سے بہت پہلے کی ہے' لیکن یہ ایک برائے نام شہر تھا۔ کھنڈرات کے علاوہ یہاں ایک قلعہ اور عیسائیوں کے چند پرانے کلیسا تھے۔ سیدنا عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں سیدنا ہرثمہ بن عرفجہؓ نے اس شہر کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ پھر مختلف قبائل کے کچھ محلے آباد کئے (فتوح البلدان ص ۳۳۱۔۳۳۲) یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ میں نے کئی لوگوں سے یہ سنا ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور' جو مشرق کا دروازہ ہے' دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور تیسرا موصل جو مشرق اور مغرب کی گزر گاہ ہے اور ہر شخص کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے' خواہ اس نے کہیں جانا ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام موصل اس لئے ہے کہ یہ جزیرہ اور عراق کو آپس میں ملاتا ہے یعنی اس کے ذریعہ مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جس بادشاہ نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی اس کا نام "موصل" تھا اور یہ وہ پرانا شہر ہے جو نینویٰ کی مشرقی جانب دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے اور شہر کے درمیان میں سیدنا جرجیس نبی کی قبر ہے۔ (معجم البلدان جلد ۵ ص ۲۲۳)

ایرانی بادشاہوں کے زمانے میں بھی اس شہر نے بہت ترقی کی تھی اور انہوں نے اس کا نام "نوار دشیر" رکھا ہوا تھا۔ اس شہر کی تعمیرِ نو کے بعد اسلامی عہد میں اس کی ترقی کو چار چاند لگ گئے۔ یاقوت حموی ہی نے لکھا ہے کہ میں نے بہت سے علماء کو یہ کہتے سنا کہ جب کوئی مسافر موصل میں ایک سال ٹھہر جائے تو اس کے بدن میں بے شمار طاقت آجاتی ہے' اور اگر وہ بغداد میں ایک سال اقامت پذیر ہو جائے تو اس کی عقل میں اضافہ محسوس ہونے لگتا ہے اور اگر وہ اہواز میں ایک سال ٹھہرا رہے تو اس کے بدن اور اس کی عقل دونوں میں نقصان کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور اگر وہ تبت میں ایک سال رہ جائے تو اس کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کو ہم نہیں جانتے لیکن ایسا کتابوں میں پڑھا

Marfat.com

ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب موصل کی ہوا کی تازگی اور پانی کی مٹھاس ہو۔ موصل میں باغات بہت کم ہیں اور ندی نالوں میں پانی کی کمی ہے اور گرمیوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی اس کے موسم کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ شہر چونا اور پتھر سے بنایا گیا تھا۔

اس شہر میں دو جامع مسجدیں ہیں۔ ایک کو نورالدین محمود نے بنایا تھا۔ دوسری کی تعمیر کا سہرا مروان بن محمد کے سر ہے۔ بغداد سے اس کا فاصلہ ۴۲ کلو میٹر ہے۔ یہ شہر بھی علم و عمل کا گہوارہ تھا اور بڑے بڑے محدثین' حفاظِ حدیث اور علماء کو جنم دیا' ان میں ایک مشہور محدث ابو یعلی موصلی ہیں۔ جنہوں نے حدیث پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔

جیزہ کی تعمیر

جیزہ (جیم کے کسرہ کے ساتھ) ایک چھوٹا سا شہر تھا جو فسطاط کی مغربی جانب واقع تھا، اور یہ ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض ضلع تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ سے فسطاط آئے تو اس غرض کے لئے کہ رومی کہیں دریا کی طرف سے حملہ نہ کر دیں' تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین فرمادی جس میں حمیر' ہمدان' ازد اور کچھ حبشہ کے لوگ تھے۔ جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فسطاط کو اپنا مستقر اور مصر کا پایہ تخت بنا لیا تو ان لوگوں کو واپس بلانا چاہا لیکن انہیں دریائے نیل کا منظر کچھ ایسا پسند آیا کہ انہوں نے وہاں سے نقل مکانی کرنا پسند نہ کیا اور حجت یہ پیش کی کہ ہم یہاں جہاد کے لئے آئے تھے لہٰذا اس عظیم مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کے اس روّیہ کی اطلاع امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو دی۔ اگرچہ امیر المؤمنین دریا کے حائل ہونے کو ناپسند فرماتے تھے' لیکن ان لوگوں کو وہاں رہنے کی اجازت مرحمت فرمادی' لیکن ساتھ یہ بھی گورنر مصر کو لکھا کہ ان لوگوں کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کر دیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ھ کو قلعہ تعمیر ہونا شروع ہوا اور ۲۲ھ میں قلعہ مکمل ہو گیا۔ یہ لوگ قلعہ کی تعمیر کو ناپسند کرتے تھے اور انہوں نے گورنر مصر سے کہا "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے بلکہ ہمارا قلعہ ہماری تلواریں ہیں (حصوننا سیوفنا) چنانچہ ان لوگوں نے قلعہ کے بجائے کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ اب سارا مصر اسلامی فوجوں کے کنٹرول میں تھا۔ لہٰذا اب انہیں کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ لوگ بہادری میں اپنی مثال آپ تھے اور بہادر

Marfat.com

کبھی کسی سے نہیں ڈرتے۔

اسلام اور سیدنا عمرؓ کی خلافت کی برکت سے جیزہ علم کا گہوارہ رہا اور بڑے بڑے علماء اور محدثین یہاں پیدا ہوئے۔ چنانچہ ان میں ابو محمد ربیع بن سلیمان' اور ان کا صاحبزادہ ابو عبداللہ محمد بن ربیع اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق نہایت ممتاز ہیں۔

شعبہ بیت المال

حکومت کے محاصل کو جمع کرنے کے لئے ایک بیت المال (خزانہ) کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانہ میں بھی اسلامی ریاست کے محاصل اکٹھے ہوتے تھے لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے آپ نے اس کے لئے بیت المال نہیں بنایا تھا بلکہ جو کچھ وصول ہوتا آپ اس کو صحابہ کرامؓ اور دوسرے مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ سیدنا ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں اگرچہ بیت المال قائم ہو گیا تھا اور آپ نے اس کا اہتمام اور انتظام سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ کے سپرد کیا تھا جو بیت المال کی آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھتے تھے اور اس کی نگرانی بھی فرماتے تھے لیکن اس میں رقم کوئی جمع نہ تھی کیونکہ جو کچھ آتا وہ اسی وقت صحابہ اور ضرورت مندوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ سیدنا ابو بکرؓ کی عادت یہ تھی کہ وہ بیت المال کی رقم عورت، مرد، چھوٹا بڑا اور غلام و آزاد سب میں برابر تقسیم کر دیتے تھے کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا بھی یہی دستور تھا اور صدیق نبوت کے دستور کے خلاف کیسے جا سکتا تھا؟ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا تو وہ تمام لوگوں میں برابر تقسیم کر دیا گیا اور ہر فرد کو سوا سات درہم ملے۔ دوسرے سال مال پہلے سے زیادہ آیا تو حسب سابق برابر تقسیم کر دیا گیا اور ہر شخص کو بیس درہم حصہ میں آئے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض بھی کیا کہ بعض لوگوں کو دوسروں پر تفوق و تقدم حاصل ہے اور آپ ان کی سبقت فی الاسلام کی رعایت بھی ذہن میں رکھ کر اس مال کو تقسیم فرمائیں۔ آپ نے ان لوگوں کا یہ اعتراض سن کر جواب دیا کہ تم نے جن فضائل اور سوابق کا ذکر کیا ہے ان کو مجھ

Marfat.com

سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ لیکن یہ امور وہ ہیں جن کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یہ بہر حال معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ترجیح دینے سے بہتر ہے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۴۲)

سیدنا ابو بکرؓ نے اگرچہ اپنے زمانہ خلافت میں سرکاری خزانے (بیت المال) کے لئے ایک مکان خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ اس میں مال جمع ہوتا ہی نہیں تھا۔ اور اس بات کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ خزانہ میں کچھ داخل ہو۔ چنانچہ آپ کی وفات کے وقت جب بیت المال کو چیک کیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔ وہ بھی معلوم نہیں کہ کیسے بچ گیا۔ لیکن سیدنا ابو عبیدہؓ سے جب پوچھا گیا کہ شروع سال سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا؟ تو انہوں نے جواب دیا "دو لاکھ دینار"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۱)۔ لوگوں کو جب یہ پتہ چلا کہ کل دو لاکھ دینار آئے اور بیت المال سے صرف ایک درہم نکلا تو انہوں نے کہا "اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے"۔

سیدنا ابو بکرؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا عمر بن خطابؓ کا دورِ خلافت آیا اور کثرتِ فتوحات کی وجہ سے سلطنت کی پہنائیوں میں متعدبہ اضافہ ہوا تو آپ نے سیدنا ابو بکرؓ کی طرح تقسیم میں مساوات کا اصول نہ اپنایا بلکہ تقسیم میں ترجیحی سلوک کیا اور فرمایا:

> "ابو بکرؓ نے مال کی تقسیم کے سلسلہ میں ایک خاص رائے قائم کی تھی' لیکن میں اس بارہ میں ایک دوسری رائے رکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی انہیں میں ان لوگوں کے مساوی قرار نہیں دوں گا جنہوں نے آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے"۔

چنانچہ آپ نے جنگِ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین وانصار کو فی کس پانچ ہزار درہم سالانہ دیا۔ پھر جن لوگوں کا اسلام اہلِ بدر ہی کے اسلام کی طرح تھا مگر وہ جنگِ بدر میں شریک نہیں تھے' ان کو فی کس چار ہزار دیا۔ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے لئے بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ کا حصہ مقرر کیا' لیکن سیدہ صفیہؓ اور سیدہ جویریہؓ کا حصہ آپ نے چھ چھ ہزار مقرر کیا' لیکن ان دونوں نے اتنا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان سے کہا کہ "میں نے دوسری بیویوں کا حصہ مقرر کرنے میں ان کی ہجرت کا لحاظ کیا ہے"۔ ان دونوں نے جواب دیا "آپ نے تو اس مقام کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے حصے مقرر کئے ہیں جو

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک انہیں حاصل تھا اور بعینہٖ وہی مقام ہمیں بھی حاصل تھا"۔ سیدنا عمرؓ نے یہ بات تسلیم کرلی اور ان دونوں کے حصے بھی بارہ بارہ ہزار درہم کر دیے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے چچا سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب کو بھی آپ نے بارہ ہزار درہم سالانہ دیا۔ سیدنا اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:

"ابا جان! آپ نے اسامہؓ کو مجھ سے ایک ہزار درہم زیادہ کیوں دیا؟ ان کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت تو نہیں حاصل تھی جو میرے باپ کو نہ حاصل ہو' اور نہ خود ان کو کوئی ایسی فضیلت حاصل ہے جو مجھے نہ حاصل ہو؟"

آپ نے فرمایا: "اسامہؓ کا باپ رسول اللہ ﷺ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا اور خود اسامہؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب تھا"۔ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے لئے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر ہوئے۔ یہ وظیفہ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان دونوں کا جو مقام تھا اس کے پیشِ نظر آپ نے مقرر فرمایا۔ مہاجرین وانصار کے لڑکوں کو دو ہزار فی کس کے حساب سے دیا۔ ابو سلمہؓ کے بیٹے عمر آپ کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: "ان کے حصہ میں ایک ہزار درہم کا اضافہ کر دو"۔ اس پر محمد بن عبداللہ بن جحش نے آپ سے کہا "اس کے باپ کو کوئی ایسا شرف تو حاصل نہیں تھا جو ہمارے باپوں کو نہ حاصل نہ رہا ہو؟ نہ خود ان میں کوئی خوبی ہے جو ہم میں نہ موجود ہو؟" آپ نے جواب دیا: "میں نے ان کو ان کے باپ ابو سلمہؓ کے لحاظ سے صرف دو ہزار دیا ہے' لیکن ان کی ماں ام سلمہؓ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک ہزار کا اضافہ کر دیا ہے۔ اگر تیری ماں بھی ام سلمہؓ کے ہم پلہ ہوتی تو میں تجھے بھی ایک ہزار اور دلوا دیتا"۔

مکہ والوں اور عام لوگوں کا حصہ آپ نے فی کس آٹھ سو رکھا۔ سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ اپنے بھائی عثمانؓ کو آپ کے پاس لائے تو آپ نے اس کا وظیفہ آٹھ سو درہم مقرر فرما دیا۔ پھر سیدنا نضر بن انسؓ آئے تو سیدنا عمرؓ نے کہا کہ ان کا حصہ دو ہزار درہم رکھو۔ اس پر سیدنا طلحہؓ نے کہا: "میں بھی ان ہی کی طرح کے ایک آدمی (عثمان) کو آپ کے پاس لایا تو آپ نے اس کا وظیفہ آٹھ سو درہم مقرر فرمایا اور نضر بن انسؓ کے لئے آپ نے دو ہزار مقرر فرمائے؟" آپ نے یہ سن کر فرمایا:

Marfat.com

"ان کے باپ احد کے دن مجھے ملے تو انہوں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ میں نے بتایا کہ میرے خیال میں تو آپ شہید ہو گئے۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور نیام توڑ دی اور بولے: اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے تو اللہ تو زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا"۔

اس کے بعد وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور اس وقت عثمان کا باپ فلاں جگہ بکریاں چرا رہا تھا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ (کتاب الخراج ص ۴۳)

سیدنا عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں یہ پالیسی اپنائی۔ اب اتنے بڑے بڑے وظیفے دینے کے لئے ایک بیت المال کا ہونا نہایت ضروری تھا تاکہ پورا سال اس میں رقوم جمع ہوں اور سال کے بعد وہ لوگوں میں تقسیم ہوں۔ پھر سلطنت میں وسعت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ آمدنی میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ حکومت کی جانب سے ایک بیت المال (Exchequer) قائم کیا جائے۔ چنانچہ ۱۵ھ میں سیدنا ابو ہریرہؓ کو سیدنا عمرؓ نے بحرین کا گورنر مقرر فرمایا۔ وہ سال کے آخر میں پانچ لاکھ درہم کی ایک خطیر رقم اپنے ساتھ لائے۔ سیدنا عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرما کر ان کی رائے پوچھی کہ اس مال کو کیا کیا جائے؟ کیونکہ اس سے قبل اتنی بڑی رقم کبھی نہیں آئی تھی۔ سیدنا علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ ہر سال تقسیم کر دی جائے جیسے ابو بکرؓ کیا کرتے تھے۔ لیکن سیدنا عثمانؓ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ ولید بن ہشام نے کہا: "میں نے شام کے بادشاہوں کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں بیت المال کی بنیاد رکھی۔ یہ پورے ملک کا سب سے بڑا خزانہ (Main Treasury) تھا۔ اب اس کی نگرانی اور آمد و خرچ کے حساب کتاب کے لئے ایک افسر خزانہ (Treasury Officer) کی ضرورت تھی جو نہایت قابل بھی ہو اور دیانت دار بھی۔ آپ نے نہایت سوچ بچار کے بعد مشہور صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن ارقمؓ کو لکھنے پڑھنے کی اہلیت اور حساب کتاب کا نہایت ماہر ہونے کی بنا پر افسر خزانہ مقرر فرمایا۔ کام چونکہ زیادہ تھا اس وجہ سے آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عبیدؓ اور معقیبؓ کو ان کی ماتحتی میں دے دیا۔ یہ دونوں حضرات مدینہ طیبہ میں اکاؤنٹ میں بہت ماہر اور دیانت دار تھے۔ سیدنا معقیبؓ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے انگشتری بردار ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

Marfat.com

دارالخلافہ میں بیت المال قائم کرنے کے بعد آپ نے ہر صوبہ اور ڈویژن کے سربراہوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اپنے صوبوں میں بیت المال بنائیں اور ان کے حساب کتاب کے لئے ماہر اکاؤنٹنٹس اور دیانت دار لوگ رکھیں تاکہ حساب شفاف اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہو۔ چنانچہ اصفہان میں خالد بن حارثؓ کو اور کوفہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو خزانے کا افسر مقرر کیا گیا۔ اس طریقہ سے تمام صوبوں اور ڈویژنوں میں افسران خزانہ مقرر کر کے بیت المال کا الگ محکمہ قائم کر دیا گیا۔ کوفہ کے بیت المال کی عمارت طبری کے بیان کے مطابق نہایت وسیع وعریض تھی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ عمارتوں کی تعمیر کے بارہ میں سیدنا عمرؓ نہایت کفایت شعاری سے کام لیتے تھے۔ وہ چونے اور پتھر کی مستحکم، شاندار اور بڑی بڑی عمارتیں بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ وہ قومی آمدنی کو عمارتوں کے منجمد سرمایہ (Dead Capital) میں صرف نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن بیت المال میں چونکہ چوری کا امکان بھی تھا، لہٰذا ان کی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم بنائیں۔ مدینہ کے بیت المال کی عمارت بھی نہایت مضبوط بنائی گئی۔ کوفہ کا بیت المال "قصر سعد" میں تھا۔ جس کی عمارت کو جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، روزلبہ نامی ایک ایرانی انجینئر نے تعمیر کیا تھا اور اس کے لئے پتھر اور مسالہ ایرانی بادشاہوں کی عمارات سے آیا تھا۔ یہ عمارت چونکہ کوفہ کی جامع مسجد سے الگ تھلگ تھی لہٰذا اس میں چوری ہو گئی۔ سیدنا عمرؓ کو جب اس نقب زنی کا پتہ چلا تو آپ نے گورنر کوفہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ بیت المال کو مسجد کوفہ کی عمارت سے ملا دیا جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ پرہجوم رہتی ہے لہٰذا نقب زنی کا خطرہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے تعمیل حکم کی اور اس طرح چوری اور نقب زنی کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ بعد میں بیت المال کی عمارتوں پر پہرہ دار بھی بٹھائے گئے۔

بیت المال کے مداخل ومخارج کا طریقہ یہ تھا کہ ہر صوبہ کی آمدن صوبہ کے بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہاں کے مصارف میں استعمال ہوتی۔ مصارف کے بعد جو رقم بچتی وہ مرکزی خزانہ (Central Exchequer) میں منتقل ہو جاتی۔ سیدنا عمرؓ اس کے بارہ میں صوبوں کے گورنروں کے نام مختلف اوقات میں مختلف ہدایات اور احکام ارسال فرماتے رہتے تھے، چنانچہ کتابوں میں گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا

Marfat.com

ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو' ان میں سے مسلمانوں کے ضروری اخراجات اور وظائف دے کر جو رقم بچے وہ مرکزی بیت المال مدینہ طیبہ میں بھیج دو۔

بیت المال کے حساب وکتاب کے لئے مختلف رجسٹر تیار کئے گئے۔ اس وقت تک عرب میں مستقل سن کارواج نہ تھا' لہٰذا آپ نے ۱۶ھ میں سن ہجری ایجاد کر کے اس کمی کو پورا فرمادیا۔ بیت المال کی آمدنی کے ذرائع جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، حسب ذیل تھے۔ خراج' جزیہ' زکوٰۃ' عشر' صدقات' خمس' ضرائب' محصول' فے' غنیمت' کراء الارض، عشور (تجارتی ٹیکس) وغیرہ۔

مرکزی بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندوں کے وظائف اور ان کی تنخواہوں کا سالانہ خرچ تین کروڑ درہم تھا۔ اس سے حکومت کی آمدنی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یعقوبی نے سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں حکومت کی جو آمدنی بتائی ہے وہ قریباً ۱۱۴۵ ملین درہم اور ۸۹۴ ہزار دینار کے قریب ان علاقوں کی ہے جو سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے تھے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۷۔۲۷۸) ان میں سے بعض علاقوں کی آمدنی سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں زیادہ تھی۔ بہر حال آپ کے زمانہ کی کل آمدنی کتنی تھی' تاریخ کے صفحات سے اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

سیدنا عمرؓ نے نہ صرف بیت المال بنایا بلکہ بیت المال کی حفاظت کے اصول بھی سکھائے۔ آپ نے اس بیت المال کے ایک ایک حبہ کی حفاظت کی اور اس کو بے محل صرف نہ ہونے دیا۔ بیت المال کا ایک ایک اونٹ اور گھوڑا حلیہ کے ساتھ ان کے رجسٹر میں درج تھا اور اس کو اللہ اور قوم کی امانت سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت فرمائی۔ بیت المال میں قیصر و کسریٰ کی دولت اونٹوں پر لدی آرہی تھی' لیکن آپ کا اپنا اس دولت میں حصہ صرف اتنا تھا جس سے ان کا معمولی گھر چلتا تھا۔ اس مال سے ادنیٰ سا ذاتی فائدہ اٹھانا وہ اپنے لئے حرام سمجھتے تھے' چنانچہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق بیماری کی حالت میں بیت المال سے معمولی سا شہد لینا بھی گوارہ نہ کیا جب تک کہ مسجد میں جاکر تمام مسلمانوں سے اس کی اجازت نہ لے لی۔

ایک مرتبہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں سے صرف ایک درہم نکلا۔ انہوں نے وہ درہم سیدنا عمرؓ کے ایک بچے کو دے دیا۔ سیدنا عمرؓ کو پتہ چلا تو آپ نے وہ درہم واپس لے کر بیت المال میں جمع کروا دیا اور سیدنا ابو موسیٰؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ کو بلا کر فرمایا "تمہیں سارے مدینہ میں آل عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور

نظر نہ آیا۔ تم چاہتے ہو کہ روز قیامت تمام امتِ مسلمہ کا ہاتھ میری گردن پر ہو۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵)

ایک مرتبہ آپ نے ایک نہایت فربہ اور موٹا اونٹ مدینہ کی منڈی میں فروخت ہوتے دیکھا۔ پوچھا یہ کس کا اونٹ ہے؟ بتایا گیا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا۔ آپ نے عبداللہؓ سے پوچھا یہ اونٹ کہاں سے آیا اور اتنا موٹا تازہ کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کی "میں نے اسے خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا۔ یہ وہاں چر کر موٹا ہو گیا ہے' اس لئے اسے فروخت کر رہا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں چر کر فربہ ہوا ہے اس لئے تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا"۔ آپ نے اس کی زائد قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵)

آپ نے بیت المال کی اس قدر حفاظت فرمائی کہ ایک آدمی اس کے بارہ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ کو دیکھا کہ سواری کو دوڑائے جا رہے ہیں۔ پوچھا: "امیر المؤمنین! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟" فرمایا: "بیت المال کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اسے تلاش کرنے جا رہا ہوں"۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا:

اذللت انحلفاء بعدك

آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا۔

سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ابوالحسن! یہ کوئی قابلِ ملامت شے نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو رسالت و نبوت کے ساتھ بھیجا' اگر بکری کا بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو قیامت کے روز اس کی بھی عمر سے پرستش ہو گی"۔ (سیرۃ عمر بن خطاب ابن جوزی ص ۱۴۰' البدایہ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۳۶)

اسی طرح ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ سیدنا عمرؓ اس کو تلاش کرنے نکلے۔ عین اس وقت احنف بن قیسؓ آپ سے ملنے کے لئے آئے۔ دیکھا کہ سیدنا عمرؓ آستینیں چڑھائے ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ سیدنا احنفؓ کو دیکھ کر فرمایا: "آؤ تم بھی اس میں میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے اور تمہیں پتہ ہے کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے"۔ اتنے میں ایک شخص بولا۔ امیر المؤمنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں' کسی غلام سے فرمایئے وہ ڈھونڈھ لائے گا۔ فرمایا: مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔ (ای

Marfat.com

عبداعبد منی)(کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۴)

بیت المال کی حفاظت کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی کتابوں میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے جو ایک متمول آدمی تھے' قرض مانگا۔ انہوں نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں"۔ فرمایا "لے تو سکتا ہوں لیکن لوں گا نہیں کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے قبل مر گیا تو تم لوگ میرے وارثوں سے مطالبہ نہ کرو گے اور میں یہ بار اپنے اوپر لے کر جاؤں گا۔ لہٰذا ایک ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو"۔ (طبقات ابنِ سعد جلد ۳ ص ۹۹)

اس طرح کے بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

Marfat.com

اسلام کی نشر واشاعت اور سیدنا عمرؓ

ایک اسلامی حکومت کا مقصد وحید دنیا میں اسلام کی نشر واشاعت ہے۔ سیدنا عمرؓ کی حکومت کی خصوصیت بھی یہی تھی کہ انہوں نے دور دور تک اسلام لوگوں کے دلوں میں اتار دیا۔ آپ کا مقصد اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلانا نہیں تھا جیسا کہ بعض مستشرقین یہ الزام لگاتے ہیں۔ اسلام اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے پھیلا اور اس نے جس سرعت کے ساتھ لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا اس کی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

شریعت نے بزور اور تخویف کے ذریعہ سے کسی کو مسلمان بنانے کی سخت ممانعت کی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: "لا اکراہ فی الدین" یعنی دین میں کسی پر کوئی جبر نہیں۔ ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

أفانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین

یعنی اے محمد! کیا تم لوگوں پر جبر کرتے ہو کہ وہ ایمان لے آویں۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب نجران کے عیسائی آپؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپؐ سے مصالحت کر کے جزیہ دینا قبول کیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو عہد نامہ لکھ کر ان کو دیا اس میں مسلمانوں کی جانب سے یہ اقرار تھا کہ نجران کے عیسائیوں کو کسی صورت بھی مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے عشر لیا جائے گا (فتوح البلدان) یہ ہے شریعت اسلامیہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل۔ اس صورت میں کسی مسلمان کے لئے کسی غیر مسلم کو جبراً مسلمان بنانے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ مسلمانوں

نے اس حکم کی پوری پوری پابندی کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اسلام نے سرزمین عرب سے باہر قدم رکھتے ہی روم و شام اور عراق و مصر کی کایا پلٹ دی اور ان کو تہذیب و تمدن کے اصولوں کی تعلیم دے کر محاسن اسلام کا گرویدہ بنا دیا' لیکن کسی ایک جگہ بھی ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ وہاں کے باشندوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا ہو یا انہیں روپیہ پیسہ کا لالچ دے کر یہ کہا گیا ہو کہ وہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

اگر اسلام کی اشاعت کے لئے وہی ذرائع اختیار کئے جاتے جو دنیا میں عیسائیت کی اشاعت کے لئے ہوئے یا ہو رہے ہیں تو دنیا میں سوائے اسلام کے اور کسی مذہب کا وجود باقی نہ رہتا۔ اور جس طرح اندلس جیسا وسیع ملک میں جہاں لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان تھے اور آٹھ سو سال تک زمام حکومت ان کے قبضہ میں رہی اور پورے اندلس پر اسلامی پرچم لہراتا رہا' ایک دم اسلام کا نام لینے والوں سے خالی ہو گیا اسی طرح مصر و شام اور عراق و عجم عیسائیوں سے خالی ہو جاتے' لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا اور نہ ہی اسلام ایسا کرنے کی مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے۔ اسلام نے دوسرے مذاہب کے ساتھ مساوات اور آزادی کے وہ اصول قائم کئے جس کی وجہ سے سلطنت کے شباب اور عروج کے زمانہ میں بھی یہود' نصاریٰ' مجوسی اور دیگر مذاہب کے لوگ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو رہتے اور اسلامی حکومت میں بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں ابراہیم بن ہلال صابی بہت بڑا ادیب اور فاضل گزرا ہے۔ ابراہیم پہلے خلیفہ کا میر منشی تھا۔ اس کے بعد وہ عزالدولہ بن بویہ دیلمی کا میر منشی ہوا اور پھر ترقی کر کے وزارت کے مرتبہ تک پہنچ گیا۔ عزالدولہ کی جانب سے جو خطوط اس کے بھائی عضد الدولہ کے نام لکھا کرتا تھا ان میں عضد الدولہ کی نسبت رنجدہ الفاظ استعمال کرتا تھا۔ عزالدولہ دیلمی کے بعد جب عضد الدولہ تخت نشین ہوا تو اس نے ابراہیم کو قید کر کے اس کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہا' لیکن ابراہیم کے فضل و کمال کی قدر دانی اس حد تک تھی کہ عضد الدولہ جیسے زبردست بادشاہ کے دربار میں بڑے بڑے مسلمان سفارشی کھڑے ہو گئے اور جب وہ مرا تو شریف رضی جیسے شخص نے اس کا پرزور مرثیہ لکھا۔ ابراہیم قرآن حکم کا حافظ تھا اور مسلمانوں کے ساتھ رمضان کے تمام روزے رکھتا لیکن مرتے دم تک اپنے پرانے مذہب عیسائیت پر قائم رہا اور باوجود عزالدولہ کی رغبت اور خواہش کے اسلام نہ لایا۔

Marfat.com

اسی ابراہیم کا پوتا ہلال بن محسن بھی اپنے دادا کی طرح عالم و فاضل اور ادیب تھا۔ خطیب بغدادی جیسے محدث اور حافظ نے اس کی شاگردی کی تھی، لیکن وہ ساری زندگی اپنے پرانے مذہب پر قائم رہا۔ البتہ آخر عمر میں توفیق الٰہی سے خود بخود مسلمان ہو گیا۔

یہ تو صرف ایک مثال ہم نے پیش کی ہے۔ اسلامی تاریخ سے اس جیسی سینکڑوں ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ بلکہ جن لوگوں نے اسلام پر بزورِ شمشیر پھیلنے کا الزام لگایا' اللہ تعالیٰ نے انہی کے قبیلہ کے ایک آدمی سے ان کی تردید میں ایک ضخیم کتاب لکھوادی۔ میری مراد پر پروفیسر آرنلڈ (Arnold) ہے جس نے مستشرق ہونے کے باوجود ایک ضخیم کتاب (Preaching of Islam) کے نام سے لکھی اور اس میں مختلف واقعات سے ثابت کیا کہ اسلام تلوار سے نہیں تبلیغ سے پھیلا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام کی اشاعت جبر اور زبردستی سے نہیں ہوئی' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام دنیا میں اس سرعت کے ساتھ پھیلا اور بڑے بڑے منکرین اسلام کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوئے اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ اسلام کے اپنے محاسن کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ اس کے اصول فطرت اور عقل کے موافق' صداقت اور راست بازی سے مزین اور شرک فی العقیدہ اور شرک فی العمل سے بالکل پاک تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ذاتی اوصاف' اخلاق حمیدہ اور خالق و مخلوق کے ساتھ کمال ربط' خالق کی بارگاہ میں کمال عجز و نیاز کے ساتھ مخلوق کی بے انتہا ہمدردی' طریقہ تعلیم کی خوبی اور وحدانیت نہایت دل فریب اور موثر۔ یہ وہ امور تھے جنہوں نے اسلام کو لوگوں کے دلوں میں جاگزین کیا۔ اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوتا کہ زبانی تعلیم کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ آپ کے روئے اقدس کو دیکھتے ہی لوگوں کو اسلام کی حقانیت کا یقین ہو جاتا تھا۔ پھر مسلمانوں کا اسلامی اصولوں اور احکام پر مضبوطی سے قائم ہونا' صدق و یقین اور اخلاص کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونا' عبادات و معاملات میں بے انتہا صفائی کے ساتھ چست و چالاک ہونا' حق کے مقابلہ میں مخلوق کی قطعاً پروا نہ کرنا' یہ وہ باتیں تھیں جو بہ ہیئت مجموعی خود بخود ہدایت وارشاد کا کام دیتی تھیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے شب و روز کے اعمال اشاعت اسلام کے دوسرے تمام طریقوں سے مستغنی کرنے والے تھے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کی بعثت کے وقت آپ کے پاس کون سی تلوار تھی جس سے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، ابو عبیدہؓ، بلال بن رباحؓ، خبّاب بن الارتؓ اور

Marfat.com

دوسرے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ پھر ان لوگوں پر اسلام سے ہٹانے کے لئے کفار مکہ کی طرف سے جو جو سختیاں کی گئیں' ان کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی شخص نے اتنی سختیوں کے باوجود اسلام کو خیرباد کہا ہو۔

کفار کی ان سختیوں سے بچنے کے لئے مسلمانوں نے ترک وطن کیا اور حبشہ میں ایک عیسائی بادشاہ کے ہاں جا کر پناہ لی۔ کفار مکہ کی طرف سے ایک وفد سیدنا عمرو بن العاصؓ کی زیر قیادت وہاں گیا اور بادشاہ وقت اور دوسرے ارکانِ حکومت کو کچھ تحفے تحائف رشوت کے طور پر دیئے تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرے۔ مسلمانوں کے پاس وہاں کوئی تلوار نہ تھی۔ وہ تو وہاں مظلوم تھے۔ پناہ کے طالب تھے۔ تاکہ کفار کی سختیوں سے ان کی جان چھوٹے لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا جعفر طیارؓ کی ایک تقریر نے قریش مکہ کے سارے منصوبے کا تیاپانچہ کر دیا۔ تحائف واپس کر دیئے اور خود نجاشی شاہ حبشہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۶۔۷ ۲ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۰)

بیعت عقبہ اولیٰ میں چند اہلِ مدینہ حج کے لئے مکہ آئے اور آپؐ کی تبلیغ ہی سے مسلمان ہو گئے اور ان کے کہنے پر تعلیم قرآن اور اسلام کے احکام سکھانے کے لئے آپ نے سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ مصعبؓ مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہؓ کے یہاں ٹھہرے۔ مسلمان ان کے پاس قرآن اور دین سیکھنے کے لئے آئے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر دونوں انصار کے سردار تھے' ان کو اسلام کے اس مبلغ کے بارہ میں پتہ چلا تو سعد نے اسید سے کہا کہ تم جا کر ان لوگوں کو روکو۔ اسید گئے اور غصہ سے سیدنا مصعبؓ سے کہا کہ تم ہمارے نوجوانوں کو کیوں بہکانے آئے ہو؟ یہاں سے چلے جاؤ۔ سیدنا مصعبؓ نے فرمایا: آپ ذرا بیٹھ کر تھوڑی دیر میری بات سن لیں۔ اگر وہ باتیں پسند ہوں تو قبول کر لیں ناپسند ہوں تو رد کر دیں۔ اسید بیٹھ گئے اور مصعبؓ نے جو اسلام کی بات بتائی تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور کہا ایک شخص اور ہے (یعنی سعد بن معاذ) اگر وہ بھی مسلمان ہو گیا تو پھر کوئی باقی نہ رہے گا۔ اسیدؓ نے واپس آ کر سعد بن معاذ سے کہا کہ وہ تو بڑی اچھی باتیں کرتا ہے۔ سعد خود اٹھ کر سیدنا مصعبؓ کے پاس گئے لیکن جب واپس آئے تو دل سے کفر دھل چکا تھا اور اسلام قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں جم چکا تھا۔ سعدؓ مسلمان ہو کر لوٹے تو اسیدؓ کو اپنے ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس گئے اور کہا کہ مجھ پر اس وقت تک تمہارے مردوں اور

Marfat.com

عورتوں سے بات کرنا حرام ہے جب تک تم سب مسلمان نہ ہو جاؤ اور دیکھا گیا کہ شام تک بنو عبدالاشہل میں ایک شخص بھی باقی نہ رہا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ یہ سب لوگ تلوار سے نہیں بلکہ زبان سے مسلمان ہوئے تھے۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ یہ اہلِ مکہ کون تھے؟ یہ وہی تھے جنہوں نے رات دن آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر جبر و تشدد کیا اور مسلمان ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ آٹھ سال کے بعد حالات اپنا رخ بدل چکے تھے، جو پہلے زبردست تھے اب زیردست ہو گئے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ایک اشارہ ان کی زندگیوں کے چراغ کو ہمیشہ کے لئے گل کر سکتا تھا۔ وہ آپ کے سامنے سب پا بجولاں تھے۔ آپ کے حکم کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ البتہ آٹھ مرد اور چار عورتیں اس معافی سے مستثنیٰ تھیں (ابن اثیر جلد ۲ ص ۹۴) ان کے بارہ میں حکم تھا کہ جس جگہ مل جائیں قتل کر دیئے جائیں۔ لیکن ان میں سوائے چند ایک کے بالآخر سب کو معافی مل گئی اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔

مسلمان جس طرف بھی اسلام کی اشاعت کے لئے جاتے تائید ایزدی ان کے ساتھ ہوتی اور فتح نصرت ان کے قدم چومتی۔ بحرین کا حاکم منذر بن ساویٰ تھا۔ سیدنا عمرو بن امیر ضمریؓ سرکارِ دو عالم ﷺ کا نامہ مبارک لے کر ان کے پاس گئے۔ چنانچہ اس خط پر وہ اور بحرین کے سب عرب بلا تأمل مسلمان ہو گئے۔ جارود بن معلیٰ بحرین کے ایک مقتدر رئیس تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور احکام اسلام خوب سیکھ کر واپس ہوئے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ منذر بن ساویٰ بھی بیمار تھے ان کا انتقال بھی کچھ ہی روز بعد ہو گیا۔ قبیلہ بنی بکر نے مرتد ہو کر سب مسلمانوں کو جو بحرین میں تھے محصور کر لیا۔ ان محصور مسلمانوں میں سے عبداللہ بن حذف نے اشعار کے ذریعہ بارگاہ صدیقی میں فریاد بھیجی۔ سیدنا علاء بن حضرمیؓ کو سیدنا ابو بکرؓ نے اہلِ بحرین کے مقابلہ اور مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے مامور فرمایا۔ علاءؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک میدان میں اترے۔ قافلہ ابھی پوری طرح اترنے بھی نہ پایا تھا۔ اونٹوں سے اسباب اور پانی کے مشکیزے ابھی اتارے بھی نہیں تھے کہ دفعتاً اونٹوں میں ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ سب اونٹ معہ اسباب بھاگ گئے اور کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے۔ اونٹوں کے بھاگنے کی وجہ سے مسلمان سخت پریشان ہو گئے۔ پاس نہ پانی تھا اور نہ اسباب، اور یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر دشمن آ

Marfat.com

گیا تو اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ دور و نزدیک کہیں پانی نظر نہیں آتا تھا۔ سیدنا علاءؓ نے انہیں فکر نہ کرنے کے لئے کہا اور فرمایا کہ تم مسلمان ہو۔ اللہ کی راہ میں دین کی اشاعت کے لئے نکلے ہو۔ وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا۔ دوسرے روز نمازِ فجر پڑھ کر سیدنا علاءؓ نے اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ مل کر دعا کی۔ دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ کہ قریب ہی پانی چمکتا ہوا نظر آیا۔ سب نے خوشی اور تشکر کے جذبات کے ساتھ خوب پانی پیا اور جو برتن پاس تھے ان سب کو بھر لیا۔ ابھی دن چڑھنے نہ پایا تھا کہ بھاگے ہوئے اونٹ بھی خود بخود معہ اسباب اور پانی کے واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آسمانی تائید سے مسلمانوں کو یہ سمجھا دیا کہ اپنے دین کی اشاعت اور استحکام ہم خود کرتے ہیں' تمہاری تدابیر اور جفاکشی پر کوئی بات موقوف نہیں ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر تم خلوص دل کے ساتھ اسلام کی خدمت گزاری کرو گے تو تائید غیبی تمہارے ساتھ رہے گی۔ "ان تنصروا الله ینصرکم و یثبت اقدامکم". (اگر تم اللہ کی تائید میں کھڑے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری امداد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا)

اس لشکر نے اہلِ بحرین کو شکست فاش دی۔ ان میں سے اکثر تو مقتول ہوئے اور جو بچے ان میں سے اکثر خلیج دارین میں پناہ گزین ہو گئے۔ دارین ایک بستی تھی جو سمندر کے کنارے سے جہاز پر سفر کرنے والوں کے لئے ایک رات دن کی مسافت پر واقع تھی۔ وہاں پہلے سے بھی دشمنانِ اسلام کا اجتماع تھا اور اب شکست خوردہ مرتدین کی جماعت نے ان میں اضافہ کر دیا۔ سیدنا علاء بن حضرمیؓ دارین پر حملہ کر کے ان مرتدین اور منہزمین کو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے' لیکن ان پر حملہ کرنے کے لئے کشتیوں اور جہازوں کی ضرورت تھی، اور یہ دونوں چیزیں مسلمانوں کے پاس نہیں تھیں۔ آپ نے لشکر کو اکٹھا کر کے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ دشمنوں کی جماعتیں اور مفرورین کے گروہ اس خلیج دارین میں جمع ہو گئے ہیں۔ تم لوگ خشک زمین میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرتِ الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ تم کو سمندر میں بھی اسی قسم کی تائید غیبی کی توقع رکھنی چاہئے۔ اس خطبہ کے بعد آپ اپنی فوج کو لے کر سمندر کے کنارے پر پہنچ گئے اور لشکر سمیت یہ دعائیہ کلمات پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے:

یا ارحم الرحمین' یا کریم یا حلیم' یا احد یا صمد' یا حی' یا محی الموتی' یا حی یا قیوم لا اله الا انت ' یا ربنا

Marfat.com

مسلمان کوئی اونٹ پر سوار تھا تو کوئی گھوڑے اور خچر پر اور بہت سے لوگ پیادہ تھے۔ تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ سمندر کا پانی انہیں پایاب ہو گیا اور خشک ہو کر اس قدر رہ گیا کہ اونٹ اور گھوڑے کے صرف پاؤں بھیگتے تھے۔ اسلامی لشکر راحت و آرام کے ساتھ اس ہولناک سمندر کو طے کر کے دارین پہنچ گیا۔ یہ تائیدِ ایزدی تھی۔ اس لشکر کو جو مرتدین کی گوشمالی کے لئے دارین گیا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۴۲)

ان دو واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کی اشاعت نہ ظاہری تدابیر پر موقوف ہے اور نہ ہی کسی کے جبر و اکراہ کو اس میں دخل ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو کتنا ہی منحرف شخص جب دیکھے گا تو اسلام کی حقانیت اس کے قلب میں ضرور بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ ہجر کا ایک عیسائی جو اس لشکر کے ساتھ تھا اور جس نے بحر و بر دونوں جگہوں پر تائید ایزدی کی جلوہ گری دیکھی تھی' اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جب کسی نے اس کے مسلمان ہونے کی وجہ پوچھی تو کہا:

> "تین چیزیں میں نے ایسی دیکھیں کہ ان کے بعد بھی اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو مجھ کو مسخ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اول تو بے آب و گیاہ میدان میں پانی کا ظاہر ہو جانا' دوسرے سمندر میں راستہ ہو جانا' تیسرے ایک دعا جو میں نے مسلمانوں کے لشکر میں صبح کے وقت آسمان کی طرف سنی۔ میں ان تینوں چیزوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسلام صحیح اور سچا مذہب ہے"۔
>
> (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۴۳)

سیدنا ابوبکرؓ نے جب سیدنا خالد کو عراق بھیجا تو عراق میں داخل ہونے کے لئے حیرہ بطور دروازہ کے تھا۔ اہلِ حیرہ نے مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہی اور مصالحت کی گفتگو کے لئے ایاس بن قبیصہ اور عمرو بن عبدالمسیح (عیسائی) سیدنا خالد بن ولیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عمرو بن عبدالمسیح کے خادم کے پاس ایک تھیلی میں سم قاتل تھا۔ یہ وہ اس لئے ساتھ لایا تھا کہ اگر وہ اپنی قوم کے حالات ذرا خراب دیکھتا تو قوم کے لئے کسی مکروہ بات کا ذریعہ اور واسطہ بننے سے قبل زہر کھا کر ہلاک ہو جاتا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اس سے وہ زہر لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا کہ کوئی شخص وقت مقررہ سے پہلے نہیں مرتا اور کوئی شی اللہ کے حکم کے بغیر اثر نہیں کرتی۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ دعا پڑھی:

Marfat.com

باسم اللہ خیر الاسماء' و رب الارض والسماء' الذی لا یضرہ مع اسم داء' الرحمٰن الرحیم

یہ دعا پڑھ کر وہ سارا زہر نگل گئے۔ عبدالمسیح یہ حیرت انگیز شی دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اس نے سیدنا خالدؓ کو کہا: "خدا! تم میں ایک بھی جب تک ایسا رہے گا تم اپنی مراد کو پہنچتے رہو گے" چنانچہ اہلِ حیرہ نے سالانہ جزیہ معین کر کے مسلمانوں سے صلح کرلی۔

(ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۵۰)

اجنادین ملک شام کا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ یہاں رومیوں اور مسلمانوں میں بڑا معرکہ ہوا۔ ہرقل کا حقیقی بھائی لشکر روم کا سپہ سالار تھا۔ اس نے ایک عربی شخص کو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے ان کے لشکر میں بھیجا۔ اس شخص نے واپس آکر رومی لشکر کے سپہ سالار کو جو رپورٹ دی وہ تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر رکھی ہے۔ اس نے کہا:

بالليل رهبان وبالنهار فرسان' ولو سرق ابن ملکهم قطعوه و لو زنیٰ رجم لاقامة الحق فيهم

یہ لوگ رات کو زاہدانِ شب زندہ دار ہوتے ہیں اور دن میں بہادر شہسوار' اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو رجم کر دیں۔ حق کے جاری کرنے میں وہ کسی کی رعائت نہیں کرتے۔

رومی سپہ سالار نے یہ سن کر کہا: "اگر تو نے سچ کہا ہے تو زمین کے اندر اتر جانا اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے مقابلہ کیا جائے"۔

صحابہ کرامؓ کے یہی حالات تھے جن کو دیکھ کر ہر مخالف شخص بھی متاثر ہوئے بغیر اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکتا تھے۔ ہزار عقلی دلائل کا یہ اثر نہیں ہو سکتا تھا اور نہ معرکہ آرائیوں میں دادِ شجاعت دینے سے صداقت اسلام کا ایسا سکہ بیٹھ سکتا تھا۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھایا اس کی جاذبیت کی وجہ سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچ گئے۔ اسلامی افواج جس ملک اور شہر میں جاتیں لوگوں کے دلوں میں ان کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا اور وہ یہ سن کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے کہ چند صحرا نشین

Marfat.com

جنہیں دنیا اس سے قبل جانتی بھی نہیں تھی' دنیا کی تسخیر کا جذبہ لے کر اٹھے ہیں۔ وہ ان کے سامان حرب وضرب کی کمزوری اور ان کے جذبوں کی مضبوطی اور بلندی کو دیکھ کر اور بھی متاثر ہوتے۔ وہ جب ان سے آکر ملتے تو دیکھتے کہ ایک ایک مسلمان سچائی' دیانت' راست بازی' سادگی' اخلاص اور پاکیزگی کی زندہ تصویر ہے تو مسلمانوں کی یہ خوبیاں انہیں اپنی طرف کھینچتی اور چند ہی روز میں اسلام ان کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں جم جاتا اور پھر نکالے نہ نکلتا۔

جنگ یرموک میں عین معرکہ کے وقت رومی لشکر کے مقدمتہ الجیش کا سپہ سالار اپنی صف سے نکل کر میدان میں آیا اور مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار سیدنا خالد بن ولیدؓ کو آواز دی۔ سیدنا خالدؓ میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لئے تشریف لائے اور جارج (مقدمتہ الجیش کے سپہ سالار کا نام) کے متصل اس طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ جارج نے سیدنا خالدؓ سے کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں' مجھے بغیر کسی دھوکہ کے اس کا صحیح جواب دینا کیونکہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولتا۔ سیدنا خالدؓ نے فرمایا: "آپ جو پوچھیں گے میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا"۔ جارج نے کہا: "کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر کوئی تلوار نازل فرمائی ہے؟ اور نبی نے وہ تلوار تم کو دی ہے؟ اور جب تم کسی دشمن پر حملہ کرتے ہو تو اسے شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے؟" سیدنا خالدؓ نے جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ نے کوئی تلوار نازل نہیں فرمائی"۔ جارج نے پوچھا: "پھر آپ کا نام "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کیوں ہوا؟" سیدنا خالدؓ نے فرمایا: "اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ہماری طرف مبعوث فرمایا۔ بعض نے ان کے دعویٔ نبوت کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب کی۔ میں بھی ان کی تکذیب کرنے والوں میں سے تھا' لیکن بعد میں اللہ نے میرے دل کو پھیر دیا اور میں آپ پر ایمان لے آیا۔ آپ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب دیا اور میرے لئے نصرت اور کامیابی کی دعا فرمائی۔ اس روز سے میرا نام سیف اللہ ہو گیا"۔ جارج نے کہا یہ تو آپ نے درست فرمایا۔ اب یہ فرمایئے کہ تم لوگ ہمیں کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ سیدنا خالدؓ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے بیان فرمائی۔

آخر میں جارج نے کہا کہ اگر کوئی شخص تمہاری دعوت کو مان لے اور اسلام قبول کر لے تو؟ سیدنا خالدؓ نے فرمایا: ایسا شخص ہمارے برابر ہو جاتا ہے۔ اس کے حقوق ہمارے حقوق کے برابر ہیں اور ویسے بھی ہمارے دین میں مکمل مساوات ہے' ادنیٰ و اعلیٰ اور اشراف اور

غیر اشراف سب ایک جیسے ہیں۔ سیدنا خالدؓ کی اس گفتگو اور اسلام کے اصولوں کی اس جاذبیت نے جارج کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کسی شخص نے جارج پر اور اس کے ساتھیوں پر تلوار نہیں چلائی تھی اور وہ اسلام کی دعوتی خوبیوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۵۸)

سیدنا ابو عبیدہؓ نے حمص کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ اہلِ حمص نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو محاصرہ کئے پڑے رہنے دینا چاہئے۔ یہ لوگ سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ یہ موزے بھی نہیں پہنتے اور ان کے جوتے بھی کچھ اس قسم کے تھے کہ شدت سردی کے باعث ان کے پاؤں پھٹ جائیں گے اور بالآخر سردی اور برف کی وجہ سے ان کی انگلیاں گرنے لگیں گی اور یہ گھبرا کر لوٹ جائیں گے اور ان کی یہ بات درست بھی تھی کیونکہ اہلِ عرب سردی برداشت کرنے کے خوگر نہ تھے۔ مسلمانوں نے محاصرہ جاری رکھا لیکن تائید الٰہی سے ان کے پاؤں پر سردی نے کچھ اثر نہ کیا اور کسی کی کوئی انگلی نہ گری۔ جب سردی کا موسم گزر گیا اور مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچی تو ان کے ایک تجربہ کار بوڑھے نے اہلِ حمص سے کہا: "جاڑا تو گزر گیا اور تمہاری کوئی امید پوری نہ ہوئی۔ اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم مسلمانوں سے صلح کر لو کیونکہ

"یہ وہ قوم ہے جن کی غیب سے تائید اور نصرت ہوتی ہے۔ تمہارا ان کے پاس عہد و پیمان کے بعد جانا اس سے بہتر ہے کہ زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ۔ تم میری بات اِس وقت مانو گے تو قابل تعریف قرار پاؤ گے ورنہ بعد میں مجبور ہو کر مانو گے اور قابلِ مذمت ہو گے"

ان لوگوں نے کہا کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے اور اس کو لڑائی کا کوئی تجربہ نہیں۔ اس بوڑھے کے اس مشورہ کے بعد ایک روز مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کیا اور بآواز بلند تکبیر کہی تو حمص شہر کے اندر زلزلہ آ گیا۔ دیواریں گر پڑیں۔ اہلِ شہر نے جب یہ حالت دیکھی تو سخت گھبرائے اور اس تجربہ کار بوڑھے کے پاس گئے جس نے انہیں پہلے صلح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے پھر انہیں وہی مشورہ دیا۔ چنانچہ اہلِ حمص نے قلعہ کی دیواروں پر کھڑے ہو کر صلح کی خواہش ظاہر کی اور انہی شرائط پر صلح کر لی جن شرائط پر اہلِ دمشق نے صلح کی تھی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے کہ یزدگرد

Marfat.com

بادشاہ فارس نے مدائن کے فتح ہو جانے کے بعد اپنے سرداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور بالآخر فیصلہ کے مطابق یزدگرد نے بہت بڑے سپہ سالار کو جس کا نام "سیاہ" تھا ستر (۷۰) بڑے بڑے افسروں اور امیروں کے ساتھ سوس کی محافظت کے لئے بھیجا' لیکن اہلِ سوس ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی مصالحت کر چکے تھے' اس لئے سیاہ کو مجبوراً رامہرز اور تستر کے درمیان خیمہ زن ہونا پڑا۔ سیاہ جس عظیم الشان لشکر اور شان و شوکت کے ساتھ آیا تھا اس کی فکر مسلمانوں کو بھی تھی' کیونکہ ایران کے منتخب اور چیدہ چیدہ سردار اس کے ہم رکاب تھے۔ ایران کے افسر اعلیٰ سیاہ نے ان سرداروں کو جو اس کے ساتھ اور ماتحتی میں تھے' جمع کر کے کہا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم ہمیشہ سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ لوگ اس مملکت پر غالب آجاویں گے۔ اور اصطخر کے شاہی محلات میں ان کے گھوڑے بندھیں گے اور اس وقت ان کی فتوحات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ خیال کس قدر قیقن اور صحیح ہے۔ سب نے کہا کہ ہم لوگ آپ کی رائے پر عمل کریں گے۔ اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ ہم ان کے مذہب میں داخل ہو کر ان جیسے بن جائیں۔ اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور ایک بڑے سردار شیرویہ کو دس افسروں کے ساتھ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے گفتگو کرنے بھیجا۔

شیرویہ نے اپنی قوم کا پیغام پہنچایا کہ ہم برغبت مسلمان ہونا چاہتے ہیں' لیکن اس شرط پر کہ تمہارے ساتھ مل کر ہم اہلِ عجم کے ساتھ مقابلہ تو کریں گے مگر اہلِ عرب سے نہ لڑیں گے اور اگر کسی عربی نے ہم سے لڑائی کی تو تم پر ہماری محافظت لازمی ہو گی۔ نیز یہ کہ بیت المال میں سے ہم کو وہ حصہ دیا جائے جو تم میں کے اشراف اور سرداروں کو دیا جاتا ہے اور یہ کہ عہد نامہ امیر المؤمنین کی تصدیق سے مرتب کیا جاوے۔ سیدنا عمرؓ کو ان کے یہ مطالبات لکھ کر بھیجے گئے۔ آپ نے فوراً انہیں منظور کر لیا۔ چنانچہ سیاہ اپنے تمام افسروں اور فوج کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور یہ سب لوگ تستر کے محاصرہ میں سیدنا ابو موسیٰؓ کے ساتھ شریک ہوئے۔ پہلے تو سیاہ نے اپنی مردانگی' بہادری اور خوش تدبیری کے جوہر دکھائے اور پھر آخر میں اپنی ملکی وردی پہن کر اور اس پر خون کے چھینٹے ڈال کر قلعہ کی دیوار کے نیچے جا پڑا۔ کسی شخص نے اوپر سے دیکھا اور وردی سے یہ اندازہ لگایا کہ ہمارا کوئی زخمی آدمی پڑا ہے۔ چنانچہ چند آدمیوں نے دروازہ کھول کر اس کو اندر لے جانا چاہا۔ لیکن جب وہ لوگ قریب گئے تو سیاہ نے کھڑے ہو کر مقابلہ شروع کر دیا۔ وہ گھبرا کر بھاگے تو سیاہ نے اکیلے ہی قلعہ کے دروازے پر قبضہ کر لیا اور اس کے پیچھے مسلمانوں کا لشکر جلدی سے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اور اس

Marfat.com

طرح سیاہ کی جرأت وہمت سے قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ ایک خاص جگہ کا واقعہ ہے جس میں ہزاروں ایرانی اسلام میں داخل ہوئے۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے شام اور عراق پر قبضہ کرنے کا علم ہر دو ملکوں کے اہلِ علم کو مذہبی روایات کی رُو سے تھے۔ دوسرے یہ کہ لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے' کوئی لالچ اور طمع ان کے اسلام کا باعث نہیں تھا' تیسرے یہ کہ مسلمان جب کسی ملک یا شہر میں صلح کر کے داخل ہوئے یا فتح کر کے، اور اس جگہ کے لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے کا اتفاق ہوا' میل جول کا موقع ملا' ان کے معاملات کو دیکھا' ان کی راستبازی' خدا پرستی' دینداری اور تمام ان برگزیدہ اوصاف کا مشاہدہ کیا جو ایک ہادی قوم کے لئے ہونی چاہئیں تو خود بخود اسلام کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو گئی اور خوشی و رغبت سرکش گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکاتی گئی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اسلام کی اشاعت خود اس کی دعوت کی جاذبیت میں مضمر تھی۔ مسلمان تو اس دعوت کے علم بردار تھے۔ ایک غریب قوم جس کی معاشی حالت بھی ٹھیک نہ تھی۔ جن کے پاس سامان حرب وضرب بھی نہایت نکما اور دقیانوسی تھا' لیکن سینوں میں وہ پیغام تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ پر تمام دنیا کی فلاح اور اصلاح کے لئے اتارا تھا، وہ اس پیغام کے داعی تھے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی پیغام کی دعوت دینے کے لئے وہ دنیا میں گاؤں گاؤں' شہر شہر اور قریہ قریہ پھرے اور اپنی جان تک کی بھی پروا نہ کی۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایران کے ایک معرکہ میں جب مجوسیوں کا ایک مشہور سورما اور بہادر بھاگ نکلا اور فوج کے سپہ سالار نے اس کو گرفتار کر کے میدانِ جنگ سے بھاگنے کے جرم کی سزا دینا چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر سردار لشکر سے کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے' ان سے لڑنا بیکار ہے، کیونکہ خدا ان کے ساتھ ہے اور جن کے ساتھ خدا ہو وہ کبھی بھی شکست نہیں کھا سکتے۔ اسی طرح کا جواب ہرمزان نے بھی سیدنا عمرؓ کو دیا تھا جو گذشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ایک ایرانی اپنے دادا کا بیان نقل کرتا ہے کہ "قادسیہ کی جنگ میں مَیں بھی رستم کی فوج میں تھا اور مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار تھا۔ عربوں نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے ان کے باریک اور چھوٹے چھوٹے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ یہ تکلے ہیں' ان سے کیا ہو گا' لیکن ان تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر کے رکھ دی۔"

Marfat.com

بہر حال کہاں تک یہ واقعات نقل کیے جائیں۔ کیونکہ اسلام کی تاریخ اس طرح کے ہزاروں واقعات اپنے صفحات میں چھپائے ہوئے ہے۔ اسلام اللہ کا دین تھا اور مسلمان اس کے داعی۔ انہوں نے اس کی دعوت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر میدان میں نصرت اور تائید کی اور دنیا نے دیکھا کہ چند ہی سالوں میں اسلام دنیا کے ایک وسیع رقبے پر حکومتی دین ہو گیا اور لوگ اسلام کے اصولوں' مسلمانوں کے اخلاق' دیانت داری اور راست بازی کی وجہ سے خود بخود اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ پھر اسلام کو قبول کرنے والے کوئی چھوٹی سطح کے لوگ نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے رؤساء' سرداران لشکر' افسرانِ حکومت اور قائدین عیسائیت سب جوق در جوق اسلام میں اپنی خوشی سے اور اسلام کو دین حق سمجھتے ہوئے داخل ہونا شروع ہو گئے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔

خسرو پرویز شہنشاہ ایران کا شاہی رسالہ (Imperial Guard) سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔ تلوار سے نہیں بلکہ اسلام کی حقانیت کو دیکھ کر (فتوح البلدان ص ۲۸۰)۔

مسلمانوں نے جس زمانے میں قادسیہ کے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور رستم' وزیر دفاع فارس سے بات چیت جاری تھی تو سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے عاصم بن عمروؓ کو ملسیان کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ عاصمؓ جب ملسیان پہنچے تو دشمن قلعہ میں محصور ہو گیا۔ مسلمانوں کو رسد اور دودھ اور گوشت حاصل کرنے میں دشواری پیش آئی۔ عاصمؓ نے ہر چند کوشش کی کہ کہیں سے گائے' بیل اور بکریاں دستیاب ہو جائیں۔ اتفاقاً ایک جنگل کے کنارے پر ایک ایرانی چرواہا ملا۔ اس سے انہوں نے پوچھا کہ دودھ اور باربرداری کے مویشی کہاں ہیں؟ اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ مجھے علم نہیں' لیکن اسی وقت جنگل کے اندر سے ایک بیل نے باآواز بلند کہا: "كذب عدو الله" یعنی دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم تو یہاں موجود ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی عاصم اس بن میں داخل ہوئے اور سب گائے' بیلوں کو ہانک کر لے آئے اور لشکر میں تقسیم کر دیا اور دودھ اور گوشت کی کمی جاتی رہی۔

حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں ایک شخص نے اس کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو اس نے چند ایسے حضرات سے جن کے سامنے یہ واقعہ ہوا تھا طلب کر کے تصدیق کرنا چاہی' کئی لوگ اس کے پاس پیش ہوئے اور انہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے خود بیل کی آواز سنی اور خود اپنی آنکھوں سے ان بیلوں کو دیکھا جن کو مسلمان ہنکا کر لائے تھے۔

Marfat.com

حجاج بن یوسف نے کہا یہ تو جبھی ہو سکتا ہے کہ وہ سب متقی' نیک اور پرہیزگار ہوں۔ گواہی دینے والوں نے جواب دیا۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ اس لشکر کے لوگ روحانیت میں کس اونچے مقام پر تھے لیکن

"ظاہر میں تو جو ہم نے دیکھا وہ یہ بات تھی کہ کوئی شخص ان سے زیادہ زاہد' دنیا سے بے رغبت اور اس کو بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا۔ ان میں نہ کوئی بزدل تھا اور نہ ہی خائن اور عہد شکن تھا۔(لیس فیهم جبان و لیس خان ولاغدار)

جانوروں کا باتیں کرنا یا انسانی باتوں کو سمجھنا یہ کوئی ایک واقعہ نہیں بلکہ کتب تاریخ میں اس قسم کے کئی واقعات مرقوم ہیں۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں جب بربروں کی سرکوبی کے لئے قیروان کی چھاؤنی تعمیر کی جانے لگی تو جہاں چھاؤنی بنانا مقصود تھا وہ میلوں میں ایک گھنا جنگل تھا جس میں درندے اور دوسرے موذی قسم کے جانور تھے۔ ان درندوں اور سانپوں سے اس جنگل کو خالی کرانا انسانی فکر میں ممکن نہ تھا۔ لیکن ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ ایک روز سیدنا عقبہ بن نافعؓ نے جنگل کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر ان جنگلی جانوروں کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا:

ایها الحیات والسباع انحن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ارحلوا عنا فانا نازلون' و من وجد ناه بعد ذالك قتلناه (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۴۰)

اے سانپو اور درندو! ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں تم اس جنگل سے چلے جاؤ کیونکہ ہم اس جنگل کو اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد ہم جس جانور کو اس جنگل میں دیکھ لیں گے' اس کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

یہ آواز دینا تھا' اس انسانی آواز کو ان جانوروں نے سنا اور سمجھا اور ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ جنگل کے سانپ اور درندے اور دوسرے موذی جانور اپنے بچوں کو ساتھ لئے اس جنگل کو چھوڑ رہے تھے۔ اور اسی روز وہ جنگل ان جانوروں سے یک قلم خالی ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر بربروں کی ایک کثیر تعداد مسلمان ہو گئی۔ اس واقعہ کو نہ صرف ابن اثیر ہی نے لکھا ہے بلکہ دوسرے مؤرخین نے بھی اس کو اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد ۴ ص ۱۹۴' البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۵' ہسٹری آف دی سیرسنز ص ۷۹۔

اس قسم کے واقعات نے بھی اسلام کی اشاعت میں بہت اضافہ کیا۔

Marfat.com

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا۔ فسطاط میں ایک محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد تھے اور یہ محلہ انہی کے نام پر "پارسیوں کا محلہ" کہلاتا تھا۔ یہ لوگ ایرانی تھے اور باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور سیدنا عمرو بن عاصؓ کے ساتھ فتح مصر میں شریک تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے۔ اسی طرح فسطاط (موجودہ قاہرہ) میں تین بڑے بڑے محلے تھے۔ جہاں زیادہ تر وہ لوگ آباد کئے گئے جو نو مسلم تھے۔ ان میں ایک محلہ بنو نبہ کا تھا جو ایک یونانی خاندان تھا۔ دوسرا محلہ بنو الازرق کے نام پر تھا۔ یہ بھی یونانی تھے اور مصر کی جنگ میں ان کے چار سو جانباز سیدنا عمرو بن عاصؓ کے ساتھ شریک تھے۔ تیسرا محلہ روبیل کے نام سے موسوم تھا۔ یہ لوگ یرموک اور قیساریہ سے مسلمان ہو کر سیدنا عمرو بن عاصؓ کے ساتھ فتح مصر کے لئے چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ اس کے ایک ہزار آدمی فتح مصر میں سیدنا عمرو بن عاصؓ کے ساتھ شریک تھے۔ (مقریزی جلد ا ص ۲۹۸)

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے شروع میں مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی وجہ سے گرفتار کر کے لونڈی اور غلام بنایا اور پھر وہ فروخت ہو کر عرب میں پھیل گئے۔ سیدنا عمرؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے ان سب کو ہر جگہ سے واپس لے کر مصر واپس بھیج دیا اور گورنر مصر کو لکھا کہ ان کو اختیار ہے کہ وہ اسلام لائیں یا اپنے قدیم مذہب پر قائم رہیں۔ اس بات نے ان کے دلوں پر ایک خاص اثر کیا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر و بیشتر بلکہ ان کے دوسرے عزیز و اقارب بھی مسلمانوں کے اس حسن سلوک کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (مقریزی جلد ا ص ۱۶۶)

مختصر یہ کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں اسلام کثرت سے پھیلا اور ہندوستان سے لے کر براعظم یورپ تک لوگوں میں اسلام کی نہ صرف شناسائی ہوئی بلکہ قبولیت بھی ہو گئی اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں نے اسلام کی صداقت کے پیشِ نظر اس کو قبول کیا۔

قرآنِ حکیم کی تدوین میں سیدنا عمرؓ کی مساعی

قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ پر بیک وقت اور ایک بار اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا جس پر آج اس کی تلاوت کی جاتی ہے بلکہ متفرق اوقات میں تھوڑا تھوڑا تئیس (۲۳)

سال کی مدت میں نازل ہوا اور جس قدر حصہ نازل ہوتا آپ اس کے لکھنے کا حکم فرما دیتے۔ کاتبین اور حفاظ کی جماعت جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتی وہ ان آیات کی کتابت کر لیتی، لیکن کتابت مروجہ طریقہ سے بالترتیب کسی ایک مجموعہ یا صحیفہ میں نہیں ہوتی تھی بلکہ متفرق اوراق، کھجور کی چھالوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور بکری کے شانوں اور ہڈیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور حضرات صحابہؓ اسی ترتیب کے ساتھ یاد کر لیتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہوتی اور یاد کرایا ہوتا اور اپنے الواح قلوب پر کلام اللہ کو محفوظ اور نقش کر لیتے۔

حفظ قرآن کی یہ شان خود قرآن حکیم نے بیان کر دی ہے "بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم" یعنی وہ آیات بینات ہیں جو اہلِ علم یعنی حفاظ کلام اللہ کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں "حفظ کرنا اس امت کی خصوصیت ہے ورنہ اس سے پہلے کے لوگ اپنی کتابوں کو بن دیکھے نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ان کے انبیاء ہی اپنی کتابوں کے حافظ ہوتے تھے۔ اس آیت میں حضور علیہ السلام کے صحابہ اور اس امت کے مومنین مراد ہیں جو قرآن حکیم کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اسے یاد بھی کرتے ہیں۔"

(تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۳۵۴)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں بلکہ یہ وحی جوان پر آئی ہمیشہ کو بن دیکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ و قراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے، اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں، یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے لکھنا اس پر افزود ہے"۔ (فوائد عثمانی ص ۵۲۲)

پتہ چلا کہ قرآن کی حفاظت دو طریقوں سے کی گئی۔ ایک کتابت سے دوسرے حفظ سے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہوئی ہے۔ قرآن حکیم ہی میں ارشاد فرمایا:

انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون (الحجر: ۹)

بے شک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حافظ دراصل حق تعالیٰ شانہ خود ہیں اور ان کے ذمہ اس کی حفاظت ہے، لیکن عالم اسباب میں اس کی حفاظت کا من جملہ دوسرے طریقوں کے

Marfat.com

ایک کتابت کا طریقہ ہے اور دوسرا حفظ کا، کہ اللہ تعالیٰ نے کروڑہا انسانوں کے سینوں میں قرآن کریم کو محفوظ فرمادیا۔ اس سے قبل جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب ایک خاص قوم اور وقت معینہ تک لئے ہوتی تھیں، لیکن قرآن حکیم چونکہ سارے عالم کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے' اس لئے اس میں اہتمام کی ضرورت تھی کہ قیامت تک ایک نقطہ اور حرکت میں بھی تبدیلی نہ ہو سکے اور ایسی حفاظت قادر مطلق ہی کر سکتا ہے۔ اس قادرِ مطلق نے جہاں کتابت قرآن اور حفظ قرآن کے ذریعہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کی وہاں اس طریقہ سے بھی حفاظت کرائی کہ تواتر کے ساتھ قرآن حکیم کی روایت کی جاتی رہی اور کی جاتی رہے گی' اور ہر قرن اور زمانے میں لاکھوں سینوں کی امانت بنا رہا اور بنا رہے گا۔ ایسے ہی حفاظ کے ذریعے قرآن حکیم کی حفاظت کرائی گئی جن کو محیر العقول حافظے عنائت کئے گئے۔ اس طرح امت کے ہاتھوں کلام خداوندی کی حفاظت من جانب اللہ کرائی گئی۔ اسی طرح اس کی کتابت سے بھی مقصود خداوندی حفاظت ہی تھا۔

آیت میں "لحافظون" مطلق لایا گیا جس سے عربیت کے اصول کے مطابق حفاظت کا فرد کامل مراد لیا جانا ضروری ہے (المطلق اذا اطلق یراد بھا الفرد الکامل) اور حفاظتِ کاملہ وہی ہے جو لفظ و معنی دونوں کو شامل ہو۔ اس لئے آیت کا حاصل یہ نکلا کہ ہم ہی قرآن کے لفظوں کے بھی محافظ ہیں اور اس کے معانی اور بیان کے بھی ہم ہی محافظ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے ایک اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانہ میں قرآن حکیم کی کتابی شکل کو اتنا رواج کیوں نہ دیا گیا جتنا سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی خلافتوں میں دیا گیا کہ ان کے زمانوں میں حکومت کی طرف اس کی کتابت شدہ کاپیاں ریاست کے کونے کونے میں پہنچائی گئیں؟ حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں" کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسخ احکام ہوتا رہتا تھا۔ ایسی صورت میں اگر قرآن حکیم بالترتیب کسی ایک مجموعہ میں مرتب کر دیا جاتا جس کے بعد اس کا مختلف شہروں اور علاقوں میں پہنچنا لازمی امر تھا۔ پھر اگر کوئی آیت منسوخ ہوتی تو مصاحف قرآنیہ میں اس کے نکالنے میں بڑی دشواری ہوتی' اور ایسی صورت میں بہت اختلاف بھی رونما ہوتا۔ اس وجہ سے آیات قرآنیہ کی کتابت تو کرادی جاتی تھی لیکن منتشر اوراق، کھجور کی چھالوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور ہڈیوں وغیرہ پر اور حضرات صحابہؓ کو سرکارِ دو عالم ﷺ تلاوت کی تعلیم و تلقین اسی ترتیب کے ساتھ فرماتے جو ترتیبِ تلاوت ہے۔"

Marfat.com

اسی بارہ میں علامہ خطابیؒ نے لکھا ہے :

”رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کو ایک ہی مصحف میں یکجا اس لئے نہیں کیا کہ کسی حکم یا آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال تھا“۔

(الاتقان ص ۸۵)

علامہ خطابی کی اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام حافظ عینیؒ فرماتے ہیں :

”جب آپؐ کی وفات پر قرآن حکیم کا نزول ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے دل میں یہ بات ڈال دی تاکہ اس کا وہ سچا وعدہ جو اس امت محمدیہ کے لئے قرآن حکیم کو محفوظ رکھنے کا تھا، پورا ہو۔ حفاظت قرآن کے اس وعدہ کو پورا کرنے کی یہ ابتداء سیدنا ابو بکرؓ کے ہاتھوں سیدنا عمرؓ کے مشورہ سے ہوئی“۔ (عمدۃ القاری)

حافظ ذہبیؒ نے طبقات القراء میں فرمایا ہے کہ حضرات صحابہؓ کی ایک مخصوص جماعت قرآن حکیم کی کتابت پر مامور اور مقرر تھی۔ اسی جماعت کے رکن سیدنا زید بن ثابتؓ بھی تھے۔ حاکم بیان کرتے ہیں کہ قرآن حکیم تین مرتبہ جمع ہوا۔ ایک بار تو خود نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کہ جس وقت جو آیت نازل ہوئی۔ آپ اپنے حکم سے اس کو کتابت کرا دیتے اور فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں فلاں سورت اور فلاں آیت کے بعد لکھ لو جیسا کہ سیدنا زید بن ثابتؓ اور دیگر حضرات صحابہؓ کی روایات سے ظاہر ہے۔

قرآن حکیم کی کتابت کے لئے آپ نے خاص خاص صحابہ کرامؓ کو منتخب کر رکھا تھا۔ مکہ مکرمہ میں سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا علی بن ابی طالبؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمروؓ وغیرہم کاتبین وحی تھے۔ مدینہ منورہ میں سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا ابو الدرداءؓ، سیدنا تمیم الداریؓ، سیدنا ابو ایوب انصاریؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبادہ بن صامتؓ، سیدنا ابو زیدؓ، سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عقبہ بن عامر الجہنیؓ، سیدنا سعد بن عبیدؓ، سیدنا عبداللہ بن ارقمؓ، سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ اور دوسرے کئی حضرات صحابہؓ اس خدمت پر مامور تھے۔ مشہور محدث ابن سید الناسؒ نے ۳۸ صحابہ کرامؓ کی فہرست دی ہے جو کاتبانِ وحی تھے، اور سیرت حلبیہ میں بیس کاتبانِ وحی کے نام ہیں (عیون الاثر جلد ۲ ۳۱۵، سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۴۲۱) جن حضرات نے عہد نبوی میں پورا قرآن حکیم جمع کیا تھا ان میں سے دس

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کے نام طبقات ابن سعد میں ملتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۲)

کئی صحابہ کرامؓ نے عہد نبوی میں قرآن حکیم کے کئی نسخے مرتب کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ مہاجرین میں سے سیدنا عثمانؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے عہد نبوی میں قرآن حکیم کو جمع کر لیا ہوا تھا (الاستیعاب لابن عبدالبر جلد ۲ ص ۳۸۵' ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۲۷۳) اور انصار مدینہ میں سے جن حضرات نے پورا قرآن مرتب اور جمع کر لیا تھا وہ سیدنا ابی ابن کعبؓ' سیدنا معاذ بن جبلؓ' سیدنا زید بن ثابتؓ' سیدنا ابوزیدؓ اور سیدنا ابوالدرداءؓ تھے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸)

ابن ندیم نے الفہرست میں لکھا ہے کہ میں نے ابو یعلی حمزہ کے پاس ایک قرآن حکیم دیکھا تھا جو ان کے خاندان میں متوارث چلا آ رہا تھا۔ یہ نسخہ سیدنا علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ (الفہرست ص ۲۸)

سیدنا عبادہ بن صامتؓ' سیدنا ابو ایوب انصاریؓ' سیدنا تمیم الداریؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے لکھے ہوئے نسخوں کا ذکر بھی سیر کی کتابوں میں ملتا ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ تو اپنے قرآن حکیم کے جمع کرنے کا خود ذکر فرماتے ہیں:

جمعت القرآن و قرأت به كل ليلة' فبلغ النبی ﷺ فقال اقرأه فی الشهر

میں نے پورا قرآن حکیم جمع کر لیا ہوا تھا اور اسے ہر رات ختم کرتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپؐ نے مجھے فرمایا: "قرآن حکیم کو ایک ماہ میں ختم کیا کرو"۔

(نسائی بسند صحیح' الاتقان ص ۱۷۲' سنن ابی داؤد ص ۱۹۷' حواشی بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸ و ص ۷۵۶)

سیدنا معاویہؓ کے کاتب وحی ہونے کا ذکر بھی حدیث و سیر کی کتابوں میں کثرت سے آیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مسلم جلد ۲ ص ۳۰۴' مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۶۰' کشف الاستار ص ۱۰۲' تقریب التہذیب ص ۳۵۷' کنز العمال جلد ۳ ص ۲۴۹' البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸' النجوم الزاہرہ جلد ۱ ص ۱۵۴' الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۲۵)

ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے کہ:

Marfat.com

كان (معاويه) احد كتاب رسول الله ﷺ

معاویہؓ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔(ابن ابی الحدید جلد ا ص ۳۲۸)

علامہ ذہبیؒ اپنی کتاب تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۳۱۸ اور ابن حزمؒ نے جوامع السیرۃ ص ۲۷ اور ابن قیم نے زاد المعاد جلد ا ص ۳۰ پر بھی سیدنا معاویہؓ کا کاتب وحی ہونا لکھا ہے۔ ان کاتبانِ وحی میں سے ایک عبداللہ بن عمروؓ بھی تھے۔(مسند الدارمی ص ۶۸) سیدنا زید بن ثابتؓ سے قرآن حکیم لکھوانے کا یہاں تک اہتمام تھا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ان سے پھر لکھا ہوا سنتے بھی تھے اگر کہیں ان سے فروگذاشت ہو جاتی تو اسے درست کر دیتے۔ سیدنا زید بن ثابتؓ خود فرماتے ہیں :

فاذا فرغت قال اقراء فاقرأه' فان كان فيه سقط اقامه (مجمع الزوائد جلد ا ص ۶۰)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں قرآن صرف زبانی حفظ کی شکل ہی میں نہ ہوتا تھا بلکہ کتابی شکل میں بھی موجود تھا۔ اور جس طرح اس کے نزول اور حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے' اسی طرح اس کے جمع کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ جبریل امین آپ کے قلب مبارک پر نزول فرما کر یا انسانی شکل میں متجسد ہو کر اور سامنے حاضر ہو کر آپ کو آیات قرآنی سناتے اور سرکارِ دو عالم ﷺ سنتے جاتے اور خود آپ بھی جبریل کی قرأت کے ساتھ ساتھ آہستہ سے پڑھتے رہتے تاکہ اسے جلدی یاد کر سکیں مبادا جبریل امین چلے جائیں اور وحی قرآن اچھی طرح محفوظ نہ ہو سکے۔ اس میں سرکارِ دوعالم ﷺ کو دقت اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ قرأت قرآن کے آداب بھی اس بات کی تائید نہ کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

> "قرآن پاک پڑھے جانے پر آپ اپنی زبان (مبارک) کو بالکل حرکت نہ دیں کہ آپ اسے جلدی سے لے لیں۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جاری کرنا یہ بے شک ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم (فرشتہ کی زبان سے) قرآن پڑھ رہے ہوں تو آپ اسی قرأت کے تابع رہیں۔ پھر اس قرآن کو کھول کر بیان کرنا بھی یقیناً ہمارے ذمہ ہے"۔(القیامہ)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو تسلی دی کہ قرآن حکیم کا حرف حرف آپ کے قلب مبارک میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان مبارک سے پڑھوانا یہ

Marfat.com

سب ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔ اس حکم ایزدی نے آداب قرآن کے ایک نہایت اہم پہلو کی طرف ہمیں متوجہ کیا کہ جب قرآن حکیم پڑھا جا رہا ہو تو اس کی عظمت و رفعت کا تقاضا ہے کہ جنہیں سنایا جا رہا ہے وہ ہمہ تن گوش بنے رہیں۔ بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفہیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

فاستمع له و انصت (بخاری)

آپ قرآن کو سنتے رہیں اور خود بالکل خاموش رہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"آنحضرتؐ کا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے، اس وقت زبان سے ایک حرف بھی نہ دہرایا، لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زیر زبر کی تبدیلی کے فرفر سنا دی۔ (فوائد عثمانی ص ۷۵۰)

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن حکیم کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جسے اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ شانِ تکمیل بخشی۔ یہ جمع و تدوین صرف زبانی حفظ کی شکل ہی میں نہ تھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ میرا کلام کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تصریح مکی اور مدنی دونوں آیات میں ملتی ہے۔ ان میں سے ایک مکی آیت یہ ہے "كتاب انزل اليك". (الاعراف: ۱) یہ کتاب آپ پر اتاری گئی ہے اور مدنی آیات میں سے ایک یہ ہے:

رسول من الله، يتلو صحفاً مطهرة، فيها كتب قيمة (البینہ)

اللہ کا رسول ہے پڑھتا ہوا پاک اوراق، جس میں لکھی ہیں مضبوط تحریریں

قرآن حکیم اگر عہد نبوی میں صرف زبانی شکل ہی میں ہوتا تو قرآن اپنے آپ کو بار بار کتابی شکل میں پیش نہ کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے قرآنِ حکیم لکھوانے کا ابتداء ہی سے انتظام فرما لیا تھا۔ اسی وجہ سے مختلف احادیث میں بھی قرآن حکیم کے کتابی شکل میں ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

"مومن کو اپنی موت کے بعد جن نیک اعمال میں سے حصہ ملتا رہتا ہے، وہ یہ ہیں: (۱) علم جو اس نے سکھایا (۲) جو نیک اولاد

چھوڑی (۳) لکھا ہوا قرآن جو اس کی وراثت میں کسی کو ملا (۴) مسجد جو اس نے بنائی (۵) کوئی نہر جو اس نے جاری کی (۶) وہ صدقہ جاریہ جو اس نے اپنی صحت اور زندگی میں دیا"۔ (ابن ماجہ ص ۲۲)

ایک اور روایت میں قرآن حکیم کے کتابی شکل میں ہونے کا ثبوت ان لفظوں میں ملتا ہے:

"تمہارا قرآن حکیم دیکھ کر پڑھنا' زبانی پڑھنے سے اسی طرح فضیلت رکھتا ہے جیسے فرض نماز نفل نماز پر فضیلت رکھتی ہے"۔

(کنز العمال جلد ا ص ۱۳۴)

اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے منع فرمایا کہ قرآن حکیم لے کر دشمن کی سرزمین میں جاؤ۔ اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

(بخاری جلد ا ص ۴۲۰' ابن ماجہ ص ۲۱۲)

اگر سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانہ میں قرآن حکیم کتابی شکل میں مرتب نہ ہوا تھا تو دشمن کی سرزمین میں اس کو لے جانے سے منع کیوں کیا گیا۔ ایک حدیث میں بے وضو اس کو چھونے سے روکا گیا۔ فرمایا:

لا تمس القرآن الا وانت طاهر (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۸۵)

قرآن حکیم کو ہاتھ نہ لگانا مگر اس حال میں کہ تم باوضو ہو

یہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا حکیم بن حزامؓ کو اس وقت نصیحت فرمائی تھی جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تھا۔

جمع و تدوین قرآن عہد صدیقی میں

گذشتہ صفحات کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم عہد نبوی میں پورے کا پورا ضبطِ تحریر میں آچکا تھا اور اکثر صحابہ کرامؓ کے پاس متعدد نقلیں موجود تھیں۔ لیکن یہ متعدد مصاحف میں تھا جن کا مجموعی نام قرآن تھا۔ یہ قرآنی مصاحف عہد نبوی تک ایک شیرازے میں یک جانہ ہوئے تھے۔ گو پڑھنے کے اعتبار سے سارا قرآن مرتب تھا' لیکن ابھی تک اس نے یکجا ہونے کی کتابی صورت نہ پائی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کی تحریک پر اسے ایک شیرازے میں جمع کیا اور تمام قرآنی رسالے یک جا

Marfat.com

ہو کر ایک کتابی صورت میں آ گئے۔ اگرچہ مختلف تحریروں' منتشر رقعوں اور علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کو یکجا کرنے کی کوششیں خود عہد نبوت ہی سے شروع ہو گئی تھیں' تاہم کامل یک جائی سیدنا ابو بکرؓ کے عہد میں عمل میں آئی۔ امام حاکم نے سیدنا زید بن ثابتؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو بخاری اور مسلم کی شرطوں پر بتایا ہے کہ:

كنا عند رسول الله نولف القرآن من الرقاع

ہم لوگ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے ہی قرآن حکیم کو مختلف ٹکڑوں سے لے کر یکجا کیا کرتے تھے۔

(فتح الباری پ ۲۰ ص ۴۲۲' دہلی)

عہدِ صدیقی میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے کیوں تحریک کی؟ اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ جنگ یمامہ میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں انتالیس (۳۹) کبار صحابہؓ اور حفاظ قرآن تھے۔ یہ صرف ایک جنگ کا حال تھا۔ اس کا احساس یقیناً سیدنا ابو بکرؓ کو ہو گا' لیکن اپنے طبعی مذاق کی بناء پر وہ کسی ایسے کام کو کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ جس کو خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے نہ کیا ہو۔ ایک روز سیدنا عمرؓ نے جرأت کر کے سیدنا ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ جنگ یمامہ میں قراء اور حفاظ قرآن کی ایک بہت بڑی تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا ہے۔ اس لئے اگر آپ نے قرآن حکیم کی جمع و تدوین کا کوئی مناسب بندوبست نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ قرآن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کی یہ بات سن کر فرمایا "میں اس کام کو کیسے کر سکتا ہوں جس کو خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے نہیں کیا"۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ "یہ کام ہے تو خیر"۔ انہوں نے یہ بات بار بار کہی یہاں تک کہ سیدنا ابو بکرؓ کا شرح صدر ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا زید بن ثابتؓ کو بلا کر حکم دیا کہ "تم جوان آدمی ہو' سمجھ دار ہو' ہم تم کو متہم نہیں کر سکتے...... تم سرکارِ دو عالم ﷺ کے کاتب وحی تھے' اس لئے قرآن حکیم کا تتبع (ادھر ادھر سے فراہم) کرو اور اس کو یکجا کر دو۔ سیدنا زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ اگر ابو بکرؓ مجھ کو ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے کا حکم کرتے تو وہ اس حکم سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے وہی اشکال ظاہر کیں جو سیدنا ابو بکرؓ نے کیا تھا' لیکن اس کے جواب میں سیدنا ابو بکرؓ نے وہی بات کہی جو سیدنا عمرؓ نے ابو بکرؓ سے کہی تھی۔ یعنی یہ کام تو خیر ہی ہے۔ آخر کچھ ردّ و کد کے بعد سیدنا زید بن ثابتؓ کو بھی اطمینان اور شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے قرآن حکیم کے مختلف اجزاء جو کپڑے کے ٹکڑوں' درخت کی

چھالوں اور کھجور کے پتوں پر لکھے ہوئے یا سینوں میں محفوظ تھے' ان سب کو بہ کمال احتیاط یکجا کر دیا...... یہ تمام صحیفے جن میں قرآن یکجا کیا گیا تھا' سیدنا ابوبکرؓ کے پاس محفوظ تھے۔ آپ کے بعد سیدنا عمرؓ نے ان کی حفاظت کی۔ جب آپ کی بھی وفات ہو گئی تو یہ امانت سیدہ حفصہ ام المؤمنینؓ کے حصہ میں آئی (بخاری جلد ۲ ص ۷۴۶' ص ۷۴۵)۔

سیدنا ابوبکرؓ نے جب سیدنا زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لئے مامور فرمایا تو خود سیدنا زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

"میں نے قرآن حکیم کو کھجوروں کی شاخوں' پتھر کی تختیوں اور حفاظ کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا"۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۴۵)

سیدنا زیدؓ تدوین قرآن کے لئے اس کے اجزاء کا صرف لکھا ہوا مل جانا ہی کافی نہ سمجھتے تھے بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ہر تحریر پر دو گواہ شہادت پیش کریں کہ واقعی یہ تحریر سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے ہی لکھی گئی تھی۔ پھر اس حصہ قرآن کے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس سے سنے ہوئے ہونے پر شہادت لی جاتی تھی۔ اور یہ تمام کوششیں اس حقیقت پر مستزاد تھیں کہ سیدنا زید بن ثابتؓ خود حافظ قرآن تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ کے مقررہ کردہ کاتب وحی تھے اور خود عہدِ نبوت میں تدوین و تالیف قرآن کے لئے جدوجہد کرتے رہے تھے۔

سید محمود الوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے دو شاہدوں کی مراد یہ بیان کی ہے کہ ایک حافظ اور شاہد کتابت ہے کہ وہ آیت بالعموم حفاظ صحابہ کو یاد ہو اور کتابت کا ثبوت بھی اس کے واسطے موجود ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ جس نے قرآن حکیم کا کوئی حصہ رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہو وہ میرے پاس لے کر آئے اور اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا' اس پر دو حضرات کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے عہد میں قلم بند دیکھا تھا۔ اس طرح تمام سورتیں جمع ہو گئیں اور چند آدمیوں کی نگرانی میں پورا قرآن جمع ہوا۔ سیدنا سعید بن عاصؓ بتاتے جاتے تھے اور سیدنا زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے۔ مگر ان لوگوں کو بارگاہِ صدیقی سے یہ حکم تھا کہ اگر کسی لفظ کے تلفظ اور لہجہ میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق اس کو لکھا جائے کیونکہ قرآن حکیم قبیلہ مضر ہی کے خاص لہجہ اور اسی کی زبان میں اترا ہے"۔

Marfat.com

(کنز العمال جلد اص ۲۷۹)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب سب کچھ عہد نبوت میں ہی ہو چکا تھا تو پھر سیدنا ابو بکرؓ کے عہد میں جو قرآن کی تدوین و تالیف ہوئی اس کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی نوعیت ہم گذشتہ سطور میں بھی بتا چکے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اگرچہ عہدِ نبوت میں نفس قرآن مرتب تھا، لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ کسی کے پاس کوئی جزو تھا اور کسی کے پاس کوئی اور جزو۔ کسی کے پاس کوئی سورت کامل تھی اور کسی کے پاس ناقص، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس وقت تمام کاتبین وحی تو موجود ہوتے نہیں تھے۔ جو پاس ہوا آپؐ نے اسی کو وحی لکھوا دی۔ پھر کتنے ہی لوگ تھے جو قرآن کی آیات کو براہِ راست آپ سے نہیں سن سکتے تھے۔ اس لئے ان تک یہ سورتیں یا آیات بالواسطہ پہنچتی تھیں، اور وہ بھی کبھی پوری اور کبھی آدھی۔ غرض کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے انتقال تک قرآن حکیم ایک مصحف کی شکل میں بین الدفتین موجود نہ تھا۔ وہ خود مرتب تھا لیکن اس کے اجزاء یکجا نہیں تھے۔ متفرق حفاظ و قراء کے پاس متفرق اجزاء تھے۔ اسی وجہ سے جنگ یمامہ میں جب حفاظ کثرت سے شہید ہوئے تو سیدنا عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن حکیم ضائع نہ ہو جائے، یعنی یہ ممکن تھا جو حضرات جامِ شہادت نوش فرمالیں، قرآن حکیم کے بعض اجزاء صرف انہی کے پاس ہوں اور کسی دوسرے کے پاس نہ ہوں۔ اور دنیا ہمیشہ کے لئے قرآن کے اس حصہ سے محروم نہ ہو جائے۔ بہر حال عہد صدیقی میں جو کام انجام پایا وہ یہی تھا کہ قرآن کے متفرق اجزاء کو ایک مصحف کی شکل میں یکجا کر دیا گیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ صحیفوں میں جمع تھے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: "یتلو صحفاً مطھرۃ" اور قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا تھا، لیکن وہ صحیفے (مختلف اجزاء جو الگ الگ لکھے ہوئے تھے) منتشر تھے۔ پس ابو بکرؓ نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا"۔
>
> (فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰)

اب یہاں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے کہ جب جمع قرآن کی حقیقت اتنی ہی تھی تو پھر سیدنا ابو بکرؓ نے اس میں پس و پیش کیوں کیا؟ اور انہوں نے یہ کیوں فرمایا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا میں اس کو کیوں کر کر سکتا ہوں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ابو بکرؓ کے تامل کی وجہ یہ تھی کہ قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کی صفت یہ بیان

Marfat.com

فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے صحف (نہ کہ مصحف) کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن حکیم آپ کی وفات تک رہا بھی صحف ہی کی شکل میں نہ کہ مصحف کی صورت میں۔ اب ابو بکرؓ اس کو صحف سے مصحف میں جمع کرائیں گے تو وہ کہیں بدعت اور اسوہ رسولؐ سے تجاوز تو نہیں ہو جائے گا۔ بس اسی خیال کی وجہ سے سیدنا ابو بکرؓ کو تامل تھا۔ لیکن بعد میں سیدنا عمرؓ کے بار بار کہنے سے آپ کو اس بارہ میں اطمینان اور شرح صدر ہو گیا۔

سیدنا ابو بکرؓ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی اہمیت اور عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں :

> "یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جس پر ارشاد خداوندی "وانا له لحافظون" منطبق ہوتا ہے اور جس کی بشارت "ان علینا جمعه و قرآنه" میں موجود ہے"۔ (ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۵)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ "مصحف" اور "صحیفہ" یہ الفاظ جب مفسرین کے ہاں استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کا اصطلاحی مفہوم معتبر ہوتا ہے۔ لفظ مصحف کی جمع مصاحف ہے جب کہ صحیفہ کی جمع صحف اور صحائف آتی ہے۔ مصحف وہ کتاب یا مجموعہ کتاب ہے جس میں متعدد رسائل اور اوراق (صحیفے) جمع ہوں جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا : "فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة" اور ارشادِ خداوندی ہے : "ان هذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراهیم و موسی"۔ مفسرین کی اصطلاح میں لفظ "مصحف" کا اطلاق قرآن حکیم کے واسطے مخصوص ہے۔

امام سیوطیؒ نے کتاب المصاحف کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب قرآن حکیم جمع کیا گیا تو اس کے نام کی تجویز و تعیین میں اختلاف ہوا۔ کسی نے کہا سفر (بکسر سین) معنی کتاب مناسب نام ہے لیکن یہ نام چونکہ یہود کی کتاب تورات کے حصوں کے لئے مستعمل تھا، اس وجہ سے اسے پسند نہ کیا گیا۔ پھر سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ یا سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ نے کہا کہ میں نے حبشہ میں اہل حبشہ کو اس قسم کی کتاب کو "مصحف" کہتے ہوئے سنا ہے۔ حضرات صحابہؓ کو یہ عنوان پسند آیا اور اسی کو اتفاق رائے سے قرآن حکیم کا نام مقرر کیا گیا۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی وجہ تسمیہ کے لئے اصل لغت عرب ہی سے اس کا اشتقاق قرار دیتے ہوئے کیا جائے کہ یہ لفظ "صحاف" کا صیغہ اسم مفعول ہے جس کا مادہ "صحف" اور اسی سے صحیفہ ہے۔ اور صحیفہ کے معنی چونکہ ورق کے ہیں تو صحاف اوراق

Marfat.com

منتشرہ جمع کرنے کو کہا جائے گا۔ تو قرآن حکیم کا نام مصحف اسی لحاظ سے ہوا کہ وہ تمام سورتوں اور ان اوراق منتشرہ کو جامع ہے جن پر آیات قرانیہ کتابت کی گئی تھیں۔ چنانچہ لغویین کا مقولہ ہے اور صاحب لسان العرب کہتے ہیں: "المصحف الجامع للصحف المکتوبة"۔

خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں سیدنا زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں جمع ہو گیا لیکن اس کی جمع و تدوین کی تحریک سیدنا فاروق اعظمؓ نے کی تھی' لہٰذا اس کا کریڈٹ زیادہ تر آپ ہی کو پہنچتا ہے۔ قرآن حکیم جمع ہو گیا۔ سیدنا ابوبکرؓ اپنی حیات مستعار کے ایام گزار کر اللہ کے حضور پہنچ گئے اور اب زمام خلافت سیدنا فاروق اعظمؓ کے ہاتھ میں آئی۔ آپ نے اپنی بساط سے بڑھ کر قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کی اور اس کی تعلیم پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ سیدنا ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن حکیم کا جو نسخہ ترتیب دیا گیا تھا' عام تحریری نسخوں کو اس سے منطبق رکھنا ضروری تھا۔ سینہ بہ سینہ حفظ و اشاعت زیادہ دیر تک تحریری مصاحف کے لئے قوت حاکمہ نہ رہ سکتی تھی' لہٰذا سب سے پہلا کام سیدنا عمرؓ نے یہ کیا کہ قرآن حکیم کے عام تحریری نسخے جو ایک ہمہ گیر اصلاح کے محتاج تھے' انہیں عہد صدیقی کے مرکزی نسخوں پر منطبق کیا تاکہ امت میں کوئی خلفشار پیدا نہ ہو' دوسرا کام اس سلسلہ میں آپ نے یہ کیا کہ قرآن حکیم کی تعلیم کو عام کیا۔ سینکڑوں ہزاروں حافظ قرآن بنائے گئے تاکہ ایک تو تعلیم قرانی کی اشاعت عام ہو اور دوسرے قرآن حکیم میں کسی قسم کی تحریف اور تغیر کا احتمال نہ رہے۔ تمام مفتوحہ علاقوں میں قرآنی مکتب اور مدارس قائم کئے۔ مدینہ طیبہ میں بھی چھوٹے بچوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار مقرر فرمائیں۔ مفتوحہ علاقوں میں بھی جو مکتب قائم فرمائے ان میں بھی تنخواہ دار معلم اور مدرس مقرر فرمائے' ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ کتابوں میں منقول ہے کہ:

"ان عمر بن الخطاب و عثمان کانا یرزقان المؤذنین والائمة والمعلمین

سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ نے مؤذنوں' ائمہ مساجد اور مدارس کے معلمین کی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۶۵ لابن جوزی)

سیدنا عبادہ ابن صامتؓ' سیدنا معاذ بن جبلؓ' سیدنا ابو الدرداء' سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کو بلا کر حکم دیا کہ' شام کے علاقہ میں تعلیم قرآن کے لئے نکل جائیں۔ آخر الذکر دو بزرگوں نے اپنی کچھ مجبوریاں پیش کیں اور پہلے تین بزرگ اس عظیم القدر مہم پر نکلے۔ پہلے یہ حضرات حمص پہنچے' سیدنا عبادہ بن صامتؓ وہیں ٹھہر گئے اور قرآن حکیم کی تعلیم جاری کی۔ سیدنا ابو الدرداءؓ دمشق اور سیدنا معاذ بن جبلؓ بیت المقدس کی طرف نکل گئے۔ سیدنا ابو الدرداؓ کا طریق تعلیم یہ تھا کہ نماز صبح کے بعد جامع مسجد میں بیٹھ جاتے اور قرآن حکیم پڑھنے والے سب وہیں بیٹھ جاتے۔ انہیں دس دس کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور ہر ایک ٹکڑی پر سیدنا ابو الدرداءؓ کا کوئی ایک خاص شاگرد مقرر ہو جاتا تھا۔ ایک روز حلقہ درس میں شامل ہونے والوں کی تعداد معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ سولہ سو بچے اس حلقہ درس میں شامل ہیں۔ سیدنا معاذ بن جبلؓ نے طاعون عمواس میں وفات پائی' لیکن سیدنا ابو الدرداءؓ دمشق ہی میں مقیم رہے اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت کے اخیر میں انتقال فرمایا۔ (کنز العمال جلد ا ص ۲۸۱)

سیدنا فاروق اعظمؓ نے کچھ ایسے صحابہ کرامؓ اور دوسرے حضرات بھی مقرر کئے ہوئے تھے۔ جو خانہ بدوش بدوؤں میں پھر کر انہیں قرآن حکیم کی جبری تعلیم دیتے تھے۔ بدوؤں کو جہالت کی غفلت سے بیدار کرنے کے لئے یہ انداز ضروری تھا۔ ویسے بھی اسلام کی سب سے پہلی وحی "اقراء" ہی کے لفظ سے نازل ہوئی، جس میں حصولِ علم کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ پھر ان کے امتحان کے لئے کسی دوسرے استاذ کو بھیجا جاتا تھا۔ وہ امتحان لیتے اور جسے قرآن حکیم کی آیت یاد نہ ہوتی اسے حکومت کی طرف سے سزا ملتی تھی (کتاب الاغانی جلد ۱۶ ص ۵۸)۔ اس طریقہ سے قرآن اور قرآنی علوم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے فوجی افسروں کو لکھا کہ اپنے حلقہ کے حفاظ قرآن کو مدینہ بھیج دو تاکہ انہیں قرآن کی تعلیم کے لئے مختلف دیار وانصار میں بھیج دیا جائے تو صرف سیدنا سعد ابن وقاصؓ کی فوج میں سے تین سو حافظ قرآن نکلے تھے۔ (کنز العمال جلد ا ص ۲۱۷)

قرآن حکیم کو لوگوں کے سینوں میں محفوظ رکھنے اور ملک میں اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے اور بھی کئی وسائل اختیار کئے۔ مختلف قسم کے (Incentive) دیئے۔ قرآن حکیم کی ضروری سورتوں جیسے بقرہ' نساء' مائدہ' النور وغیرہ کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں اسلام کے بنیادی احکام اور مسائل بیان کئے

Marfat.com

گئے ہیں۔ گورنروں کو خاص حکم دیا ہوا تھا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں (کنز العمال جلد ا ص ۲۱۷) فوج کے لئے حکم دیا کہ وہ بھی فارغ وقت میں قران حکیم سیکھیں۔ ان تدابیر سے نہ صرف ناظرہ خوانوں کی بلکہ حفاظ کی تعداد بھی سینکڑوں ہزاروں میں پہنچ گئی۔

. قرآن حکیم کے بارہ میں تلفظ اور اعراب کی صحت کا خاص اہتمام فرمایا۔ قرآن حکیم جب مدون و مرتب ہوا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اور اہلِ عرب کو اعراب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ وہ خود اہلِ زبان تھے لیکن جب قرآن حکیم کی اشاعت غیر عربوں میں ہوئی تو ان کے لئے قرآن حکیم کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ صحت الفاظ اور صحت تلفظ کا خاص اہتمام کیا جائے۔ سیدنا عمرؓ نے ان دونوں چیزوں کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ وہ یہ کہ تمام گورنروں کو لکھا کر قرآن حکیم کی تعلیم صحت اعراب اور صحت تلفظ کے ساتھ دی جائے۔ دوسرا اہتمام یہ کیا کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربیت اور ادب عربی کی تعلیم بھی لازمی قرار دے دی تاکہ بغیر کسی کے بتائے لوگ خود صحت اعراب اور صحت تلفظ کے ساتھ قرآن حکیم کو پڑھ سکیں۔ اور تیسرا حکم یہ دیا کہ جو شخص لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن حکیم نہ پڑھائے۔

(تفصیل کے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ا ص ۲۸۸)

سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط لکھا جس میں لکھا: "سنت نبوی کی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔ عربی زبان سیکھو قرآن حکیم کو صاف اور صحیح لہجہ میں پڑھو۔ کیونکہ وہ صاف اور فصیح عربی میں ہے۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۲۴۱)

ایک اور خط میں سیدنا ابو موسیٰؓ کو لکھا:

"اہلِ بصرہ کو تاکید کرو کہ عربی سیکھیں۔ ایسا کرنے سے ان میں صحیح بول چال کا سلیقہ پیدا ہوگا۔ ان کو عربی اشعار پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کی بھی تلقین کرو۔ ایسا کرنے سے ان میں اخلاق عالیہ پیدا ہوں گے"۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۲۴۱)

ایک اور خط میں لکھا:

"میں تم کو ان کاموں کا حکم دیتا ہوں جن کا قرآن نے حکم دیا ہے اور ان کاموں سے روکتا ہوں جن سے محمد ﷺ نے روکا ہے اور تاکید کرتا

Marfat.com

ہوں کہ سنت' فقہ اور عربی زبان کی سمجھ بوجھ پیدا کرو"۔

(انساب الاشراف بلاذری جلد ۹ ص ۲۲۴' ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۳۹)

خود عرب میں مختلف قبائل آباد تھے' ان سب کی زبان اگرچہ عربی تھی' لیکن ان کے لہجے (Dialects) ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ سب سے زیادہ اختلافات حجازی' نجدی اور یمنی لہجوں میں تھا۔ پھر ہر علاقہ اور ہر قبیلہ کے اپنے اپنے محاورات تھے۔ الفاظ کے علاوہ مخارج حروف' اعراب' لہجات اوزان میں کافی اختلافات تھے۔ مثلاً ایک قبیلہ حتی کا تلفظ عتی کرتا تھے اور بنو تمیم میں علامت مضارع فتح کے بجائے کسرہ سے پڑھی جاتی تھی وہ "ایاك نعبد" کو "ایاك نِعبد" پڑھنے پر مجبور تھے۔

عربوں کا سب سے بڑا ادبی' تجارتی اور قومی اجتماع سوق عکاظ مکہ کے پاس ہی منعقد ہوتا تھا۔ یہاں تمام قرب وجوار کے اہلِ کمال' شعراء اور خطباء اپنے اپنے ادبی کمالات دکھاتے اور اس سالانہ مرکزی اجتماع کے باعث قریش کی زبان خوب منجھتی چلی جاتی۔ قریش خانہ کعبہ کے متولی تھے اور ان کی زبان ارتقائی منازل سے گزر کر نقطہ کمال پر پہنچ چکی تھی۔ یہ نزول قرآن کا زمانہ تھا اور یہ عرب کے نامور اور شہرہ آفاق فصحاء اور بلغاء ہی تھے جنہیں قرآن حکیم کی ایک سورت کی نظیر لانے کے لئے دعوت مبارزت دی گئی تھی' لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ قرآن حکیم کی مثل لانے سے سب کے سب عاجز رہے اور خدائی کلام اپنی پوری شان کے ساتھ انسانی کلام سے ممتاز رہا۔

قرآن حکیم لغت قریش میں نازل ہوا۔ لیکن دوسرے قبائل کو بھی اپنے اپنے لب د لہجہ اور اپنے اپنے اعراب میں پڑھنے کی اجازت تھی' اور یہ وسعت خود شارع علیہ السلام کی طرف سے واضح کردی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

ان هٰذا القرآن انزل علیٰ سبعة احرف (بخاری)

بے شک یہ قرآن سات مختلف حرفوں پر نازل ہوا ہے

سات سے مراد عدد معین نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ یہ محاورہ ہے۔ پھر حرف سبعہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر لفظ میں سات لغات یا اعراب ہیں' بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک لفظ میں زیادہ سے زیادہ سات کے قریب لغات یا اعراب ہیں۔

شارحینِ حدیث نے "سات حرفوں" والی حدیث پر بہت بحث کی ہے۔ ابنِ حبان نے بیان کیا کہ ائمہ اور شارحین علماء نے قریباً ۳۵ اقوال اس بارہ میں نقل کئے ہیں۔ جمہور

کے نزدیک "سبعہ احرف" سے قبائل مختلفہ کے وہ سات لغات مراد ہیں جو متقارب المعنی ہوں جیسے اقبل' تعال اورھلم وغیرہ۔

حافظ فضل اللہ تو ربشتی نے بیان کیا ہے کہ حرف کے معنی لغت میں طرف کے آتے ہیں تو سبعہ کا مفہوم اطراف اللغتہ العربیہ ہوا۔ تو آپ کے ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ لغات عرب میں سے سات لغات پر قرآن حکیم نازل کیا گیا۔ اور یہ سات لغات یہ ہیں۔ قریش' طے' ہوازن وبکر' تمیم' ازد و ربیعہ اور لغت اہل یمن کہ ان سات لغات پر قرآن حکیم کی اجازت دی گئی جب کہ الفاظ مترادفہ ہوں اور بلا کسی تفاوت ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہوں۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت صرف ابتداء میں بعض ایسے لوگوں کی وجہ سے دی گئی تھی جن کے لئے لغت قریش کا تلفظ ممکن نہ تھا۔ مثلاً ہذیل کو یمن کا لغت نہایت دشوار تھا' مگر الفاظ کی یہ وسعت اسی حد تک تھی کہ معنی متحد اور یکساں رہیں۔ اس رخصت واجازت کا سلسلہ جاری رہا تا آنکہ لوگوں کے باہمی میل جول اور تعلقات وروابط کے زائد ہو جانے کی وجہ سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے لغات پر قادر ہو گیا۔ حتیٰ کہ تمام لغات کا مرجع اور مدار نبی کریم ﷺ کا لغت بن گیا اور اسی پر اصل قرآن کا نزول ہوا تھا تو باقی لغات کو منسوخ کر دیا گیا کیونکہ اب ان کی حاجت نہ رہی تھی اور ابتداء میں جن عاجز افراد کو دوسرے لغات کی اجازت دی گئی تھی' عذر و مجبوری ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کے واسطے بھی گنجائش نہ رہی کہ وہ ان دیگر لغات پر تلاوت کر سکیں۔ (قرطبی جلد ا ص ۴۳)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البرؒ نے فرمایاہ: "بہر حال یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ سات حرفوں کی اجازت ایک مخصوص اور محدود وقت اور خاص ضرورت و مجبوری کے باعث تھی تو جب وہ ضرورت و مجبوری ختم ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اس وسعت و گنجائش کو بھی ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ سیدنا عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی پر عمل کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصاء کیا ہے۔ زیادہ تر اختلافات اعراب یا الفاظ میں ہیں۔ مترادف الفاظ کا اختلاف شاذ و نادر ہے۔ کسی کی عبارت میں دوسری قرأت زیادہ الفاظ پیش کرتی ہے۔ ان اختلافات سے نہ مفہوم کلام بدلتا ہے اور نہ ہی اسے انسانی زیادتی کہہ سکتے ہیں۔

بہر حال سیدنا عمرؓ نے اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کرنے اور لوگوں کو قرآن حکیم کے الفاظ و معانی کی تعلیم کے لئے تمام ملکی وسائل کو استعمال کیا' اور اس بات کی بھی ہر ممکن کوشش کی کہ اس کی قرأت میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو اور تمام لوگ اسے لغت قریش ہی میں پڑھیں۔ صحابہ کرامؓ میں بڑے بڑے حافظ اور قاری جو عامۃ الناس کے اختلافات درست کرتے اور ان مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا' یہ سات بزرگ تھے۔

سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا ابو الدرداءؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور سیدنا ابی بن کعبؓ۔ علاوہ ازیں سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ سے بھی اکتساب علم کیا تھا (اتقان جلد اص ۲۰۷) مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ اور دمشق پوری اسلامی دنیا میں جن لوگوں نے قرآن سکھایا اور پڑھایا وہ سب انہی دس بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد تھے اور آج قرآن کا سلسلہ اسناد انہی حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔

حدیث کی تعلیم

یہ تو قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کا تذکرہ تھا جو گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا۔ قرآن حکیم کے الفاظ و معانی کی اسی نشر و اشاعت اور اس کی تحریک تدوین سیدنا عمرؓ کی مرہونِ منت ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا یہ قول بالکل درست اور صحیح ہے کہ

"امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین' منت فاروق اعظمؓ در گردنِ اوست"

اس زمانہ میں جو مسلمان بھی قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتا ہے' سیدنا فاروق اعظمؓ کا احسان اس کی گردن پر ہے۔

قرآن حکیم کے بعد حدیث کا نمبر ہے۔ اس سلسلہ میں بھی آپ کے عہد میں بہت سا کام ہوا۔ سیدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں سنت رسول ﷺ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں تو پورے طور پر محفوظ تھی لیکن اس کی نشر و اشاعت اور حدیث رسول کا سلسلہ کچھ بہت زیادہ نہ

Marfat.com

تھا۔ صرف ضرورت کے وقت صحابہ کرامؓ حدیثیں بیان کرتے تھے۔ محل و روایت حدیث بذات خود مطلوب نہ تھا نہ ممالک اطراف میں تھا اس لئے کہ سیدنا عمرؓ نے انتظامی امور میں مشاورت کی غرض سے بیشتر صحابہ کرامؓ کو مدینہ چھوڑ کر دوسرے مفتوحہ علاقوں میں آباد ہونے سے منع کیا ہوا تھا۔ بجز بعض افراد کے جن کے باہر بھیجنے میں دینی مصالح مضمر تھیں، جیسے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو تعلیم قرآن و حدیث کے لئے عراق (کوفہ) میں اور سیدنا ابو الدرداءؓ کو شام میں بھیجا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کی دینی مصلحت قرآن کی تعلیم کو عام اور زیادہ سے زیادہ مرکز توجہ بنانے اور حدیثِ رسول ﷺ کو اس سے کم روایت کرنے کے اصول پر مبنی تھی تا کہ روائت حدیث میں وہم اور خطاء کی روک تھام ہو سکے۔

بہر حال بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کتنی ہی کثرت سے کیوں نہ بیان کی ہوں، یہ حقیقت ہے کہ شیخین (سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کے زمانہ میں روائت حدیث کا سلسلہ بہت کم تھا کیونکہ ایک طرف تو ان ہر دو حضرات کے طرزِ عمل نے صحابہ کرامؓ کو حدیثیں روائت کرنے میں انتہائی احتیاط اور چھان پھٹک پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسری طرف ہر دو حضرات پہلے قرآن حکیم کے حفظ و ضبط اور صحت ادا کو ان نئے نئے مسلمانوں کے اہتمام و توجہ کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ سیدنا عمرؓ کے عہد میں بھی ایسے ہی کثرت سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے جیسے آج کل بیان کرتے ہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''اگر میں سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ایسی ہی کثرت سے احادیث بیان کرتا تو وہ مجھے اپنے کوڑے سے پیٹتے۔''

(جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۱۲۱ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، جلد ۱ ص ۷)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے بارہ میں حدیث میں ہے کہ ''واشدھم فی امر اللہ'' جب آپ کی اشدیت دین کے دوسرے شعبوں میں جیسے نمایاں ہے، حدیث کا شعبہ بھی اس سے کیوں مستفید نہ ہوتا۔ عدل و انصاف، سیاست و حکومت اور ازیں قبیل دوسرے معاملات میں فاروق اعظمؓ کے بے لاگ فیصلوں کا جیسے لوگ اب تک ذکر کرتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی تاریخ میں بھی سیدنا عمرؓ کے رعب و داب کا وہی اثر ہے۔ ان کے بہت بعد یعنی دوسری صدی ہجری میں مشہور محدث سفیان بن عیینہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حدیث کے طلبہ جب ان کے حلقہ میں آتے تو آپ انہیں خطاب کر کے فرماتے کہ:۔

''اگر سیدنا عمرؓ تمہیں اور ہمیں پا لیتے تو مار کر دکھ پہنچاتے۔''

Marfat.com

(جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۲۰)

دراصل سیدنا سفیان بن عیینہؒ کا اشارہ سیدنا عمرؓ کی اشدیت کے ان کئی واقعات کی طرف ہے جن کا روایتِ حدیث کے سلسلہ میں سیدنا عمرؓ کی طرف انتساب کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے اس سلسلہ میں کچھ بے سرو پا باتیں کر کے سیدنا عمرؓ کو سخت تنقید کا نشانہ بنانا چاہا' لیکن ان کی تنقید سراسر غلط ہے۔ اور جو روایات انہوں نے سیدنا عمرؓ کی طرف منسوب کی ہیں ان کی بھی اسنادی حیثیت کچھ نہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں یہاں تک کہا گیا اور منکرین حدیث نے اس بات کو شہرت بھی خوب دی کہ "سیدنا عمرؓ نے تین بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کو کثرت سے احادیث روائت کرنے میں قید کر دیا تھا"۔ وہ تین صحابہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا ابو الدرداءؓ اور سیدنا ابوذر غفاریؓ تھے۔ یہ روائت علامہ ابن حزمؒ کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں ہے۔ لیکن خود علامہ ابن حزمؒ نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف جو سیدنا عمرؓ سے اس روائت کو نقل کرنے والے ہیں' ان کا سماع سیدنا عمرؓ سے ثابت نہیں۔ حافظ بیہقی نے بھی ابن حزمؒ کی تائید کی ہے کیونکہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کا انتقال ۹۹ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے جب کہ ان کی عمر ۷۵ برس کی تھی اور سیدنا عمر ۲۳ھ میں شہید ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے بالکل آخری زمانہ میں یہ پیدا ہوئے۔ اور سیدنا عمرؓ کی شہادت کے وقت ان کی عمر ۲ یا ۳ سال تھی۔ اس عمر میں سیدنا عمرؓ سے ان کا سماع باور نہیں کیا جا سکتا۔ اس وجہ سے یہ روائت قطعاً منقطع ہے۔ نہ یہ حجت بن سکتی ہے اور نہ ہی یہ قبول کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"یہ روائت تو (سند کے نقص کی طرف التفات کئے بغیر) بجائے خود کھلی ہوئی جھوٹی اور جعلی معلوم ہو رہی ہے۔ اسی لئے کہ اس روائت کو درست تسلیم کر لینے کی صورت میں سیدنا عمرؓ کا یہ اقدام دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ کہا جائے کہ خود سیدنا عمرؓ نے ان صحابہؓ کو جھوٹی حدیثیں بیان کرنے کا مجرم قرار دیا تھا (اس لئے قید کیا) یہ تو اتنی سنگین بات ہے کہ اس کی مضرت محتاجِ بیان نہیں، یا یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ نے ان صحابہؓ کو سرے سے حدیث بیان کرنے اور سنت کی تبلیغ و اشاعت کرنے سے روکا ہے' اور ان کو قید میں ڈال کر سنت کے چھپانے اور انکار کر دینے پر مجبور کیا ہے۔ تو یہ اقدام تو بالکل ہی

Marfat.com

اسلام کے منافی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسولؐ کے خلیفہ امیر المؤمنین عمرؓ کو ان دونوں (دین و دیانت کے خلاف) اقداموں سے یقیناً محفوظ رکھا ہے۔ بہر حال یہ تو ایسی بات ہے کہ کسی مسلمان کی زبان و قلم سے تو نہیں نکل سکتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا عمرؓ نے بغیر کسی جرم کے ان حضرات کو قید میں ڈال دیا تھا تو اس کے معنی تو یہ ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے ان صحابہؓ پر صریح ظلم کیا۔ اب فریق مخالف کو اختیار ہے کہ وہ ان جیسی ملعون روایات کو قبول کر کے سیدنا عمرؓ کے حق میں ان دونوں خبیث راستوں میں سے جس راستہ کو چاہیں اختیار کر لیں"۔

(الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۳ ص ۱۹۳)

دوسرے یہ ہے کہ روائت میں لفظ "حبس" آیا ہے جس کا اردو میں ترجمہ کرنے والے نے "قید کرنا" کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ "روک دینا" ہے یعنی ان تینوں کو حدیث روائت کرنے سے روک دیا تھا (ایک روائت میں ابو ذر غفاریؓ کے بجائے ابو مسعود انصاری کا نام ہے)۔

حافظ ابو عمرو بن عبدالبرؒ نے اسی قسم کی بعض روایات کو نقل کر کے لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

> "جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہیں تھا اور بدعات کے پیدا کرنے کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا' سنت سے جن کے دلوں میں گرانیاں پائی جاتی تھیں' انہوں نے مذکورہ روایتوں سے جو سیدنا عمرؓ کی طرف منسوب ہیں' یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ سیدنا عمرؓ مسلمانوں کے دین سے حدیثوں کو بالکلیہ خارج کر دینا چاہتے تھے"۔

(جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۲۱)

پھر ان غلط نتیجہ کی تردید میں حافظ ابن عبدالبرؒ نے ایک طویل بحث کی ہے اور پھر آخر میں ان روایات کی اسنادی حیثیت پر بھی بحث کر کے ان کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔

لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا کہ سیدنا عمرؓ مسلمانوں کے دل سے حدیثوں کو خارج کر دینا چاہتے تھے' بالکل غلط ہے بلکہ روائت حدیث کی کثرت اور زیادتی کو روکنا چاہتے تھے۔ اور کثرت سے

کیوں روکنا چاہتے تھے؟ وہ اس لئے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف کسی بات کے منسوب کرنے میں منسوب کرنے والوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان ذمہ داریوں کے عہدہ برآ ہونے کی توقع احتیاط کے اسی طریقہ سے ممکن ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی اس کی توجیہ کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> "کثرت روایت سے ممانعت اور قلت روائت کا حکم سیدنا عمرؓ نے اسی لئے دیا تھا کہ کثرت کی صورت میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف بات منسوب ہو جانے کا زیادہ اندیشہ تھا۔ نیز اس چیز کا بھی خوف تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کو اچھی طرح محفوظ نہ ہوں اور پورا بھروسہ اپنی یادداشت پر نہ ہو اس قسم کی حدیثوں کے بیان کرنے پر لوگ جری ہو جائیں گے...... روائت میں کمی اور قلت کی راہ اختیار کرنے والوں کے لئے ضبط و احتیاط کی توقع روایتوں میں کثرت کی راہ اختیار کرنے والوں سے بھی زیادہ ہے۔ نیز بھول چوک اور غلطی سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا جو روایت میں کثرت کی راہ اختیار کرے گا"۔
>
> (جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۲۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا عمرؓ کا مقصد یہ قطعاً نہ تھا کہ کلیتہً لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روایت کرنے سے روک دیا جائے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ان ہی حدیثوں کی حد تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں جن کے متعلق انہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہے وہی وہ بیان کر رہے ہیں، کیونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف اگر کوئی غلط بات منسوب ہو گئی تو اس کی سزا جہنم کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابی جب بوڑھے ہو گئے تو لوگ ان سے عرض کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کی کچھ حدیثیں بیان کریں تو وہ فرماتے:

> "اب ہم عمر رسیدہ ہو گئے اور بھول چوک کی صفت ہمارے اندر پیدا ہو گئی ہے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی کسی حدیث کو بیان کرنا بڑا سخت معاملہ ہے"۔ (ابن ماجہ)

بات دراصل یہ ہے کہ حدیثوں کی روایت میں احتیاط کی ان نزاکتوں کا احساس خود پیغمبر ﷺ کا پیدا کردہ تھا۔ چنانچہ کسی مجلس میں ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی طرف

Marfat.com

منسوب کر کے ایک حدیث بیان کی۔ اس مجلس میں سیدنا مالک بن عبادہؓ صحابی رسول بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ہم لوگوں کو اس عہد کا پابند بنایا۔ فرمایا کہ قرآن حکیم کو پکڑے رہو۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کے پاس واپس کئے جاؤ گے جو چاہیں گے کہ میری حدیثیں ان سے بیان کرو۔ پس اس سلسلہ میں جس کسی نے کسی بات کو سمجھ لیا ہے اور یاد کر لیا ہے' اسے چاہئے کہ اس حدیث کو بیان کر دے۔ (اور یاد رکھو) کہ قصداً میری طرف جو جھوٹ کو منسوب کرے گا اسے اپنا ٹھکانہ یا فرمایا کہ اپنا گھر جہنم میں بنا لینا چاہئے"۔

(مشکل الآثار جلد ا ص ۱۵۱)

غرض کہ حدیث کا نمبر دوسرا ہے' اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے بھی قرآن حکیم کے بعد اس کی اشاعت کی اور خود بھی آپ نے احادیث روایت کیں۔ چنانچہ ابن جوزی نے تلقیح میں ان حدیثوں کی تعداد جو آپ سے مروی ہیں ۵۳۷ بتائی ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کہا ہے کہ سیدنا عمرؓ کا شمار مکثرین صحابہ میں ہونا چاہئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تلقیح ص ۱۸۴' ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۲۱۴)

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی بہت زیادہ اشاعت کی۔ وجہ یہ ہے کہ فقہی مسائل سے ہر شخص کو ہر روز واسطہ پڑتا ہے۔ اور آپ کے عہدِ خلافت میں اسلامی ریاست کی پہنائیوں میں بے شمار اضافہ ہوا' اور نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے ان مسائل کے حل کے لئے آپ نے مختلف تدابیر قرآن و حدیث کی روشنی میں کیں۔ سیدنا عمرؓ خود بھی بہت بڑے فقیہ تھے اور سیدنا ابوبکرؓ کے زمانہ میں مفتی اعظم رہ چکے تھے' لہٰذا قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کو بخوبی سمجھتے تھے۔ آپ نے خود اور صحابہ کرامؓ کے مشورے سے ان مسائل کا حل پیش کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ علی الاطلاق امت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (ازالۃ الخفا جلد ۳ ص ۳۹۶) چنانچہ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہؒ نے "فقہ عمرؓ" پر ایک رسالہ بھی لکھا ہوا ہے جو ازالۃ الخفا میں شامل ہے۔

Marfat.com

فقہ کیا ہے؟

فقہ ہے کیا؟ فقہ کے معنی "شق" اور "فتح" کے ہیں۔ جیسا کہ علامہ زمخشری نے کہا ہے:

الفقه' حقيقته' الشق والفتح

یعنی فقہ کی حقیقت تحقیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے۔

امام غزالیؒ نے فقہ کے معنی فہم و تدبر اور دین میں بصیرت بیان کئے ہیں (احیاء العلوم جلد ا ص ۲۴) نتیجہ کے لحاظ سے ان دونوں کا مفہوم قریباً ایک جیسا ہے اور اسی مفہوم کا لحاظ کر کے فقیہ کی تعریف محققین نے یہ بیان کی ہے:

الفقيه العالم الذی يشق الاحكام و يفتش عن حقائقها و يفتح مااستغلق منها

یعنی فقیہ وہ عالم ہے جو تفکر و تدبر کر کے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل اور مغلق امور کو واضح کرے (حقیقۃ الفقہ جلد ا ص ۱۸)

قوانین کے حقائق کا پتہ لگانے کے لیے ظاہری علوم و فنون کے ساتھ قلب و ذہن کی صفائی اور نفس و روح کی طہارت بھی درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر فقیہ میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فقیہ وہ ہے:

۱۔ جو دنیا سے دل نہ لگائے یعنی دنیا کو مقصود بالذات نہ سمجھے
۲۔ آخرت کے کاموں سے رغبت رکھے
۳۔ جسے دین میں کامل بصیرت حاصل ہو
۴۔ طاعات پر مداومت کرنے والا اور پرہیزگار ہو
۵۔ مسلمانوں کی بے آبروئی اور ان کی حق تلفی سے بچنے والا ہو
۶۔ اجتماعی مفادات اس کے پیش نظر ہوں یعنی شخصی مفاد پر قومی اور جماعتی مفاد کو ترجیح دیتا ہو
۷۔ مال کی طمع اور حرص اس میں موجود نہ ہو

امام غزالیؒ نے اس پر ایک نہایت اعلیٰ جملہ لکھا کہ "وہ دُنیوی امور میں خلق خدا کی

Marfat.com

مصلحتوں کا ماہر اور رمز شناس ہو۔"

اسی سے فقیہ اور محدث کے درمیان فرق بھی واضح ہو گیا۔ امام اعمشؒ نے ایک مرتبہ اس فرق کو ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

یا معشر الفقهاء! انتم الاطباء و نحن الصیادلة

اے فقیہو! تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں

اسی وجہ سے قرآن و حدیث میں فقہ کی بہت تعریف کی گئی ہے اور حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ:

"جن کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین میں تفقہ عطا فرماتے ہیں"۔

(مسلم جلد ا ص ۱۴۴ ترمذی جلد ۲ ص ۸۹ سنن دارمی جلد ا ص ۸۵ وغیرہ)

ایک اور حدیث سرکارِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگ تمہارے پاس دین میں تفقہ حاصل کرنے آئیں گے، جب وہ آئیں تو تم انہیں خیر کی وصیت کرنا یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا"۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۸۹ ابنِ ماجہ ص ۲۲)

اسلام میں فقہ کی بنیاد سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانہ ہی سے پڑی ہوئی ہے اور احادیث نبویہ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو عدم نص کی صورت میں اجتہاد کی اجازت دے رکھی تھی اور انہیں خطاء اور صواب دونوں صورتوں میں اجر کا یقین دلایا تھا۔ چنانچہ بخاری میں روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر چند صحابہ کرامؓ کو بنو قریظہ کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں ارشاد فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنا۔ حدیث کے الفاظ میں تاکید ہے:

لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة

تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں

اتفاق ایسا ہوا کہ نماز عصر کا وقت راستہ میں آ گیا۔ اب صحابہ کرامؓ میں دو رائیں ہو گئیں کہ عصر کہاں پڑھیں، راستہ میں یا بنو قریظہ میں۔ بعض کہتے تھے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے الفاظ کی پابندی کی جائے اور بعض کا خیال تھا کہ علت حکم پر نظر رکھیں۔ آپ کا منشاء تھا کہ اتنی تیز رفتاری سے جاؤ کہ عصر تمہیں بنو قریظہ میں آئے۔ یہ نہ تھا کہ راستہ میں عصر کا

Marfat.com

وقت ہو جائے تو وہاں نہ پڑھنا۔ کچھ صحابہؓ نے راستہ میں نماز عصر پڑھ لی اور دوسروں نے الفاظ کی پابندی کرتے ہوئے نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھی۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے کسی کو بھی سرزنش نہ کی کیونکہ ظاہر الفاظ سے تمسک اور علت حکم پر نظر ہر دو طرف مجتہد تھے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں:

فلم یعنف واحداً منهم (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱)

آپ نے ان دو رائے رکھنے والوں میں سے کسی کو نہ جھڑکا

اسی طرح ایک اور حدیث مسلم میں ہے جس میں علت پا لینے سے ظاہر حدیث پر عمل نہیں کیا گیا۔ حدیث یہ ہے کہ ایک شخص ایک ام ولد لونڈی سے متہم تھا۔ بتلانے والے اس قدر تھے کہ انکار نہ ہو سکتا تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے سیدنا علیؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ سیدنا علیؓ تلوار لے کر گئے۔ دیکھا کہ وہ پانی کے ایک چوبچے میں ٹھنڈک لے رہا ہے۔ آپ نے اسے اس چوبچے سے باہر نکلنے کا کہا اور اس کا ہاتھ پکڑا تا کہ اسے باہر نکالیں۔ سیدنا علیؓ نے دیکھا کہ وہ عنین اور نامرد ہے۔ آپ نے اسے قتل نہ کیا اور علت حکم پر نظر رکھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ آپؐ نے سیدنا علیؓ کے اس اجتہاد کو پسند فرمایا اور فرمایا جو سامنے والا دیکھ سکتا ہے وہ غائب نہیں دیکھ سکتا۔

(مسلم جلد ۲ ص ۳۶۸ البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۰۴)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرؓ کو فقہ واجتہاد سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے بعض اجتہادات کی تائید قرآن حکیم نے بھی کی اور بعض کو سرکارِ دوعالم ﷺ نے صحیح قرار دیا۔ یہاں تک کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل کو حق سے نوازا ہے"۔ (علل الحدیث جلد ۲ ص ۳۸۶) اور یہ بھی آپ کا اجتہاد ہی تھا جو آپ نے سیدنا ابو بکرؓ کی رائے کے خلاف اپنے عہد خلافت کا آغاز مرتدین کے لونڈی اور غلام اور ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دینے سے کیا اور فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ عرب میں غلامی کا دوزخ قائم ہو۔ پھر انہوں نے سب سے پہلا لشکر جو عراق بھیجا اس کا سپہ سالار مہاجرین و انصار کے سابقون اولون میں سے کسی کو نہ بنایا جو سیدنا ابو بکرؓ کا شعار تھا بلکہ ان کے طریقہ کے خلاف ابو عبید ثقفی کو یہ عزت بخشی۔ پھر انہوں نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو شام کی سپہ سالاری سے معزول فرما دیا، حالانکہ لسانِ نبوت نے انہیں "سیف اللہ" کے لقب سے

Marfat.com

نوازا تھا' اور سیدنا ابوبکرؓ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ "میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ نے کافروں پر کھینچی ہے"۔ اس طرح کے اور بھی کئی اجتہادات آپ نے کیے مثلاً انہوں نے شراب نوشی کی سزا مقرر فرمائی۔ وہ وبازدہ شہر میں داخل نہیں ہوئے۔ جن شہروں میں جانا خلاف مصلحت سمجھا وہاں نہیں گئے اور وظائف کی تقسیم میں سبقت اسلام یا رسول اللہ کی قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان امتیاز قائم کیا۔

یہ تو آپ کے اجتہادات کی طرف ایک اشارہ کیا ہے، وگرنہ آپ کے اجتہادات اس قدر ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ان اجتہادات کے علاوہ آپ فقہی مسائل کو لوگوں کے سامنے عام بیان کرتے۔ جمعہ کے خطبہ میں روزمرہ کے مسائل بتاتے اور حج کے خطبہ میں مناسک حج بیان فرماتے، جیسا کہ مؤطا امام محمد میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے میدانِ عرفات میں حج کا خطبہ پڑھا اور اس میں لوگوں کو حج کے مسائل سے آگاہ کیا۔ اسی طرح بیت المقدس اور شام کے سفروں میں جگہ جگہ اپنے خطبات میں مہمات' اصول اور ارکانِ اسلام اور ملکی پیش آمدہ مسائل کو بیان کیا۔ (دمشق میں جابیہ کے مقام پر آپ نے جو خطبہ دیا' ہمارے فقہاء نے اس سے بہت سے مسائل کے حل میں مدد لی ہے اور اس کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔

۱۴ھ میں آپ نے باجماعت نماز تراویح کا اہتمام فرمایا۔ اگرچہ تراویح اس سے قبل بھی پڑھی جاتی تھیں 'لیکن جماعت کا اہتمام اس میں نہیں ہوتا تھا بلکہ صحابہ کرامؓ اکیلے اکیلے تراویح پڑھتے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ماہ رمضان میں لوگ مسجد نبوی میں الگ الگ نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد میں چٹائی بچھا دیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس چٹائی پر کھڑے ہو کر نماز تراویح پڑھی۔ لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھی۔ پھر دوسری رات آپ نماز تراویح پڑھنے لگے تو لوگوں نے کثیر تعداد میں آکر آپ کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کی۔ پھر تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھنے کے لئے جمع ہو گئے 'لیکن آپ نماز تراویح کی جماعت کے لئے اعتکاف گاہ سے باہر تشریف نہ لائے اور وہیں اعتکاف گاہ ہی میں تنہا نماز تراویح ادا فرماتے رہے اور جب صبح ہوئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آج تم نے جو کچھ کیا ہے' مجھے سب معلوم ہے۔ لیکن میں اس لئے باہر نہ نکلا کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ یہ نماز تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے (کیونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا)

Marfat.com

اگر نماز تراویح فرض ہو گئی تو بہت سے کم ہمت لوگ پڑھ نہیں سکیں گے۔ تو ترک فرض کا گناہ ہو گا اس لئے یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو۔

بعض روایات میں تین رات تراویح کے باجماعت پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور کئی صحابہ کرامؓ نے نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جیسے

سیدنا ابوذر غفاریؓ　　سیدنا انس بن مالکؓ

سیدنا نعمان بن بشیرؓ　　سیدنا حذیفہؓ

سیدنا جابر بن عبداللہؓ

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد جلد ا ص ۲۰۱، ۲۰۲، بخاری جلد ا ص ۲۶۹، مسلم جلد ا ص ۲۵۹، قیام اللیل ص ۱۵۳۔ ۱۵۵ وغیرہ)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک رات سیدنا عمرؓ مسجد کی طرف تشریف لے گئے دیکھا کہ وہاں کئی لوگ الگ نماز تراویح پڑھنے میں مصروف تھے۔ کوئی تو بالکل اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک ٹولی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنینؓ نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہو کہ میں ان تمام نمازیوں کو کہوں کہ تم سب ایک قاری کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھا کرو۔ پھر آپ نے پختہ ارادہ فرما کر سب کو سیدنا ابی بن کعب کی اقتداء میں نماز تراویح باجماعت پڑھنے کے لئے اکٹھا فرمایا۔ اس کے بعد پھر ایک رات میں (عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ) سیدنا عمرؓ کے ساتھ نکلا اور دیکھا کہ لوگ اپنے قاری یعنی سیدنا ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھ رہے ہیں۔ تب امیر المؤمنینؓ نے فرمایا "نعمة البدعة هذه". (بخاری جلد ا ص ۲۶۹)

جب آپ نے مسجد نبوی میں جماعت تراویح قائم کی تو اس کے ساتھ ہی آپ نے تمام صوبوں کے گورنروں اور اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ تراویح کی یہ جماعت قائم کی جائے۔ اس وقت سے لے کر آج تک تراویح کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں یہ دعا سیدنا عمرؓ کے حق میں فرمایا کرتے تھے:

نور الله قبر عمر كما نور مساجدنا

اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو منور کرے جس طرح انہوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا۔

(قیام اللیل مروزی ص ۱۵۶، سیرۃ عمرؓ جوزی ص ۵۵، ابن ابی الحدید جلد ۱۲ ص ۹۸)

آپ کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے کئی

Marfat.com

ایک افسروں کو زکوٰۃ کے مسائل وغیرہ لکھ کر بھیجتے۔

سیدنا عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جو مسائل بھی انہیں پیش آئے ان کو قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں حل فرمایا۔ اگر کسی مسئلہ میں کبھی اختلاف ہو جاتا تو اس کو صحابہؓ کے اجتماع میں پیش کرتے اور اجتماعی حل تلاش کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا تو آپ نے تمام انصار اور مہاجرین کو اکٹھا کر کے اور وہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کر کے ان کی رائے طلب کی۔ ان حضرات نے بھی مختلف رائیں دیں۔ آپ نے ان کی رائیں سن کر فرمایا:

"جب آپ لوگ اصحاب بدر میں سے ہو کر آپس میں اس قدر مختلف ہیں تو آئندہ آنے والی نسلیں اور زیادہ اختلاف کرنے والی ہوں گی"۔

(ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۸۸)

تمام گورنروں کو یہ تاکید کی تھی کہ لوگوں کو دین کی فقہ کی تعلیم دیا کریں۔ آپ لشکروں پر افسر بھی انہی لوگوں کو مقرر کرتے تھے جو اہلِ علم اور فقیہ ہوتے تھے۔

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۷)

مختلف علاقوں میں آپ نے مختلف صحابہ کرامؓ کو بھیجا تاکہ وہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیا کریں۔ سیدنا عبداللہ بن معقلؓ اور سیدنا عمران بن حصینؓ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو سیدنا عمرؓ نے فقہ کی تعلیم کے لئے بصرہ بھیجا تھا۔ اسی طرح سیدنا معاذ بن جبلؓ سیدنا ابو الدرداءؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہ شام اور دوسرے علاقوں میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے۔ آپ نے یہ بھی حکم کیا ہوا تھا کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہ لوگ تجارت کے لئے بیٹھیں جو علم فقہ سے آشنا ہوں (تاکہ انہیں بیع و شراء کے مسائل کا علم ہو) وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک فقیہ قرآن کی آیات اور حدیث کی روایات کی گہرائی میں اترتا ہے اور ان میں لپٹے ہوئے معانی کا استنباط کرتا ہے جو ایک نہایت مشکل کام ہے اور فقیہ وہی ہوتا ہے جو قرآن و حدیث کے علم کو بھی بخوبی جانتا ہو اور اس میں کامل مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے:

"رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دین کو آگے لے جانا دو طرح سے ہے ایک الفاظ نبوت کی تبلیغ اور دوسرے معانی کی تبلیغ...... دوسری قسم فقہائے اسلام کی ہے جو مسائل نکالنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ان حضرات

Marfat.com

نے پہلے حلال و حرام کے ضابطے منضبط کئے۔ اصول فقہ مرتب کئے۔ فقہاء کا مقام زمین پر ایسا ہے جیسے آسمان میں ستارے۔ ان کے ذریعہ ہی تاریکیوں میں بھٹکے ہوئے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کھانے پینے سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان کی اطاعت قرآن کی رو سے والدین کی اطاعت سے بھی زیادہ ہے"۔

(اعلام الموقعین جلد ا ص ۴ مختصراً)

فقیہ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے سیدنا عمرؓ فقہ کی تعلیم پر بہت زور دیتے تھے۔ قرآن حکیم میں چور کی سزا وہ مرد ہو یا عورت، قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ:

"چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا میں۔ یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے جو انہوں نے کمایا"۔

(المائدہ: ۳۸)

اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں کوئی قید اور شرط نہیں ہے لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے جنگ کے موقع پر اس سزا کے نفاذ سے روک دیا اس لئے کہ کہیں چور اس پریشانی اور تکلیف میں اپنا ذہنی توازن نہ کھو دے اور کافروں سے نہ جا ملے۔ ایک مسلمان کے ایمان کی حفاظت کے لئے آپ نے اس موقع پر حد جاری کرنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ سیدنا بسر بن ارطاۃؓ فرماتے ہیں کہ:

نهى ان تقطع الايدى فى الغزو

(سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۴۹)

حضور علیہ السلام نے جنگ کے موقع پر ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا۔

سیدنا عمرؓ نے حالات کی اس رعایت میں قحط سالی کو بھی داخل کیا۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

ان عمر بن الخطاب اسقط القطع عن السارق عام المجاعة

(الجنہ ص ۶۴)

بے شک سیدنا عمرؓ نے قحط سالی کے سال میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط فرمادی تھی بلکہ آپ نے اس موقع پر اس پر مال کی دگنی قیمت ادا کرنے کی تعزیر جاری کی۔

Marfat.com

(اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۶۴)

جن فقہاء کے سپرد لوگوں کو تعلیم دینے کا کام سپرد کیا آپ نے ان کی تنخواہیں بھی مقرر فرمائیں تاکہ وہ گھریلو ضروریات سے فارغ ہو کر نہایت دل جمعی سے یہ کام کریں۔ آپ نے اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں بھی بیت المال سے مقرر کیں۔ مؤطا امام محمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مسجد نبوی میں لوگوں کی صفیں درست کرنے کے لئے بھی کچھ لوگ مقرر کئے ہوئے تھے۔ اسی طرح حج کے موقع پر بھی کچھ حضرات مقرر کئے گئے تھے جن کا فریضہ لوگوں کو عقبہ کے پاس پہنچانا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مؤطا امام محمد ص ۳۸۶، مؤطا امام مالک ص ۱۴۰)

مساجد کی تعمیر

اسلام میں مسجد کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے زمانہ میں اس کو کئی کاموں میں لائے۔ آپ نے مقدمات کا فیصلہ بھی مسجد میں کیا۔ استفتاء کا جواب بھی آپ نے مسجد میں دیا حتیٰ کہ دینی یا وہ دنیوی امور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہے ان کے لئے مسجد میں مجلس شوریٰ بھی بلائی۔ انہی امور کو سامنے رکھ کر فقہاء نے لکھا ہے:

القضاء عبادة فیجوز اقامتها فی المسجد کالصلوٰة (ہدایہ)

قضاۃ ایک عبادت ہے لہٰذا یہ مسجد میں جائز ہے جیسے نماز۔

چنانچہ سیدنا عمرؓ نے منبر رسولؐ کے پاس لعان کرایا۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد میں مقدمات فیصل کئے۔ قاضی شریحؒ بھی مسجد میں فیصلہ کرتے تھے۔ ہاں فریقین میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہ ہو جیسے حائضہ عورت وغیرہ تو اس کا مقدمہ مسجد سے باہر سنا جائے گا۔ فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۵۵، ۲۵۶)

مسجد میں مجاہدین اسلام کا شمشیر و سناں کی مشق کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ چیزیں خدمت اسلام میں داخل ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ مسجد میں چند حبشی مسلمان نیزہ بازی کی مشق کر رہے تھے۔ میں نے ان کی یہ مشق رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے سہارے دیکھی۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۵۵)

بوقت ضرورت مسجد میں کھانا تناول کرنا بھی جائز ہے۔ مسافر اور معتکف کو تو کھلی اجازت ہے باقی دوسروں کے لئے بعض ائمہ نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ

Marfat.com

میں حدیث ہے کہ حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں:

كنا ناكل علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد الخبز واللحم (ابن ماجہ)

ہم لوگ عہد نبوی میں مسجد میں گوشت روٹی کھاتے تھے۔

اسی طرح مسجد میں لیٹنا اور سونا بھی جائز ہے (ملاحظہ ہو ردالمختار شامی جلد ۱ ص ۶۱۹ عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۵) اور بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا مسجد میں سونا ثابت ہے۔ (بخاری باب نوم الرجال فی المسجد)

ایسی شے جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو بلکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو، مسجد میں رکھی جا سکتی ہے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی جا سکتی ہے۔ مالِ غنیمت' زکوٰۃ' فطرہ' قربانی کی کھالیں اور اسی طرح کی دوسری اشیاء کا مسجد میں جمع کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ مقاصد نماز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ بحرین کے مالِ غنیمت کے بارہ میں بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "انثروا فی المسجد" یعنی اسے مسجد میں ڈال دو۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کو تقسیم فرمایا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۶۰)

سرکارِ دوعالم ﷺ کے زمانہ میں مسجد سے قید خانہ کا کام بھی لیا گیا، کیونکہ اس زمانہ میں اور کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ چنانچہ ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو انہیں مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۴۹)۔ مسجد میں جیل خانے کا کام سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت تک لیا گیا۔ بعد میں سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں چار ہزار درہم سے جیل خانے کے لئے ایک مکان خرید اگیا۔ (فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۶۰)

جہاں مسجد سے اور بہت سے کام لئے جاتے ہیں وہاں مسجد میں دینی تعلیم بھی جائز ہے بلکہ یہ وہ سلسلہ ہے جو عہد نبوت سے مسجدوں میں قائم ہے۔ مساجد میں تعلیم کا یہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا۔ چنانچہ مولانا حکیم سید عبدالحی اپنی کتاب یادِ ایام میں لکھتے ہیں:

"ہمارے پیرو مرشد روحی فداہ نے خاک پاک مدینہ میں جو پہلی مسجد بنائی تھی اور جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں' وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا۔ اس کے بعد جتنی مسجدیں دنیا میں تیار ہوئیں' انہی کو آپ مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا۔ اساتذہ خالصاً

Marfat.com

لوجہ اللہ تعلیم دیتے اور ان کے شاگرد چٹائیوں پر سو کر اور دودِ چراغ کھا کر تحصیلِ علم کرتے تھے۔ بڑے بڑے شاہزادوں کو بھی اگر علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ بھی مسجدوں میں جا کر اور اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھتے تھے۔ یہی طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا۔ اس کے بعد سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ کے لئے شاندار عمارت بنائی گئی اور اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف مقرر ہوئے"۔ (یادِ ایام ص ۳۴)

جب اسلام میں مسجد کی یہ اہمیت ہے اور مسلمان اس سے اتنے کام لے سکتا ہے تو ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ میں اس کو خاص اہمیت دی جائے۔ مسجد کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر سرکارِ دوعالم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی نگرانی میں جو مسجد تیار کی وہ سارے تکلفات اور آرائش سے پاک تھی۔ نہ اس میں کوئی نقش و نگار تھے' نہ جھاڑ اور فانوس' نہ چمکتے دمکتے پتھر تھے اور نہ ہی آنکھیں خیرہ کرنے والا رنگ و روپ' بلکہ یہ مسجد نبوی سادگی کی آپ اپنی مثال تھی۔ کچھ اینٹوں کی دیواریں' کھجور کے پتوں کی چھت اور کھجور ہی کے ستون۔

مدینہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کرنا' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کو جہاں کہیں اقتدار حاصل ہو تو سب سے پہلے بلکہ اپنے گھر سے بھی پہلے عبادت گاہ (مسجد) تیار کریں اور ان کو اپنے اجتماعی نظام کی روح اور اپنی دینی مرکزیت کی جان سمجھیں اور وہ ایسی سادہ ہوں کہ ہر امیر و غریب اپنی آبادی میں بآسانی اس مقدس گھر کو قائم کر سکے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے مساجد کی تعمیر کا عام حکم دیا اس طرح کوئی آبادی جہاں آپؐ کے ماننے والے ہوں ان گھروں (مساجد) کے وجود سے خالی نہ ہو۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ببناء المسجد فی الدور

سرکارِ دوعالم ﷺ نے حکم دیا کہ تمام محلوں میں مساجد بنائی جائیں۔

(سنن ابی داود' باب اتخاذ المسجد فی الدور)

چنانچہ آپ نے خود بھی مساجد کو ہر مسلم آبادی میں قائم کیا اور آپ کے جانثار

Marfat.com

خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ نے بھی مختلف علاقوں میں مساجد کی تعمیر کی۔ اور آپ کے انتقال کے بعد جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کے اس حکم کو ہر جگہ بجالایا گیا کوئی ایسی جگہ تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزری جسے مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں فتح کیا ہو اور اس میں مسجد نہ بنائی ہو۔ فتوح البلدان 'بلاذری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ہر ہر آبادی میں مسجدوں کی تعمیر کی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا یہ فرمان کتابوں میں موجود ہے جس کو عطاء روایت کرتے ہیں :

لما فتح الله الامصار علیٰ عمر' امر المسلمین ان یبنوا المساجد

اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب مسجدیں بنائیں۔

(کشاف جلد ا ص ۴۰۸' تفسیرات احمدی ص ۲۸۳)

یہ حکم صرف حکم ہی نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوا اور ملک کے ہر گوشہ میں مسجدوں کی تعمیر عمل میں آئی جو اجتماع کے مرکزی گھر کہے جاتے تھے اور جہاں قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم ہوتی تھی کیونکہ علم کے سب سے بڑے مرکز مساجد ہی تھیں اور درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں فقہاء بیٹھ جاتے تھے اور شائقین اور طالبان علم نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے یا قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور استاد انہیں پڑھاتا اور ان کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کے تذکرہ میں سیدنا ابو مسلم خولانیؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ تیس بڑے بڑے صحابہؓ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مختلف مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا کہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔ ایسے ہی سیدنا ابو الدرداءؓ کے بارہ میں ہے کہ وہ جب تعلیم دینے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مختلف مسائل دریافت کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبلؓ و ابو الدرداءؓ)

انہی سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جنہوں نے یہ حکم دیا تھا، بہت سی مساجد بنائی گئیں۔ جس کا اشارہ امام محمد نے بھی اپنے موطاء ص ۲۲۹ میں کیا ہے کہ تمام مفتوحہ علاقوں میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ جو اس زمانہ میں گورنر کوفہ تھے

Marfat.com

آپ نے حکم لکھ کر بھیجا کہ بصرہ میں ایک مسجد جامع اور باقی ہر ہر قبیلہ میں الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ ایسا ہی حکم سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو دیا اور شام اور مصر کے تمام گورنروں کو اسی قسم کے خطوط لکھے کہ کثرت سے مساجد تعمیر کی جائیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان مساجد کی تعداد چھ ہزار کے قریب تھی۔ یہ وہ تعداد ہے جو ان کو فراہم ہو سکی ہے' ورنہ امید یہی ہے کہ اس سے زیادہ مسجدیں بنی ہوں گی۔ اس تعداد میں یہ بھی تفصیل ہے کہ ان میں سے دو ہزار کے قریب جامع مسجد تھیں۔ (جامع التواریخ ص ۱۳۲)

سیدنا عمرؓ سادہ مزاج آدمی تھے اور سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دور خلافت میں مساجد میں بھی سادگی کو اپنایا۔ بخاری میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے مساجد کے بنانے کا حکم دیا' لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ :

اكن الناس من المطر و اياك ان تحمر او تصفر فتفتن الناس

میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں' خبردار مسجدیں سرخ و زرد نہ بنائی جائیں جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

(بخاری جلد ا ص ۶۴)

ویسے بھی ذخیرہ حدیث کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی زینت اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد سنن ابی داؤد میں ہے کہ "مجھے مسجدوں کو مشید بنانے کا حکم نہیں ہے۔ سیدنا ابن عباسؓ نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تم ان مسجدوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح زینت دو گے"۔ (سنن ابی داؤد' باب بناء المسجد)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا اشارہ اس طرف ہے کہ مسجد کو ایسی زینت نہ دی جائے جو حد اعتدال سے بڑھی ہوئی ہو جیسے یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کو آراستہ کرتے اور سنوارتے ہیں، حالانکہ معبد کے ساتھ یہ برتاؤ پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں عقیدت سے زیادہ ڈھینگ کو دخل ہے۔

یہ درست ہے کہ ہماری مسجدوں میں یہ تزخرف اور یہ حد سے بڑھی ہوئی گل کاری دوسری ہی قوموں کی عبادت گاہوں سے آئیں اور یہاں آ کر اس قدر بڑھ گئیں کہ اب وہ قومیں جن سے یہ شی لی گئی تھی' بہت پیچھے رہ گئیں۔ آج بھی روئے زمین پر جو مسجدیں

Marfat.com

مسلمانوں کی رہ گئی ہیں وہ بے نظیر ہیں۔

میرے خیال میں مسجدوں کی اس قسم کی تزئین و آرائش کو شریعت نے شاید اس لئے ناپسند کیا ہے کہ ایسے مرکز پر پہنچ کر اخلاص و للّٰہیت ختم ہو جاتی ہے اور فخر و مباہات اس کی جگہ لے لیتی ہے جس کو حدیث میں علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعة حتیٰ یتباھا الناس فی المساجد (ابوداؤد باب بناء المسجد)

قیامت اس وقت آئے گی جب لوگ مسجدوں میں تفاخر کرنے لگیں گے۔

تجربہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر وہ قوم جان دیتی ہے جس پر محروم القسمتی اور شقاوت کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برسنے لگتی ہیں۔ چنانچہ پیغمبر صادق ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما ساء عمل قوم لوط الا زخرفوا مساجدھم

(ابن ماجہ باب تشئید المساجد)

جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدوں کو مزین کرتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تزئین و آرائش مساجد قوم کی بد اعمالی کی علامت ہے جس چیز کو مسلمانوں نے سمجھا تھا کہ بڑائی اسی میں ہے نگاہِ شریعت میں وہ بد ترین نکلی۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں دیکھتا ہوں کہ تم عنقریب مسجدوں کو بلند و بالا بنانا شروع کر دو گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کنیسے اور گرجے بلند و بالا بناتے ہیں"۔

(ابن ماجہ باب تشئید المساجد)

موجودہ زمانہ میں مساجد کی بلندی اور تزئین و آرائش کی طرف تو بہت دھیان پایا جاتا ہے لیکن اس کی آبادکاری کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا انس بن مالکؓ نے فرمایا تھا:

یتباھون بھا ثم لا یعمرونھا الا قلیلاً (بخاری جلد ا ص ۶۴)

مسجدوں میں لوگ تفاخر کریں گے پھر ان کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہو گا۔

جوں جوں مسجدوں کی تزئین و آرائش ہو رہی ہے اور ان پر گل کاری اور پچکاری کا کام ہو رہا ہے دوں دوں خشوع و خضوع کا فقدان اور قلب و ذہن میں انتشار پیدا ہو رہا ہے۔

Marfat.com

کیونکہ ان چیزوں سے توجہ منقسم ہوتی ہے۔ چنانچہ نوویؒ نے ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں فرمایا:

"مسجد کی محراب کی تزئین و آرائش اور اس کی دیواروں کو منقش کرنا ایسی چیزیں ہیں جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف جذب کر لیتی ہیں' لہٰذا محراب اور درودیوار کی تزئین نیز نقش و نگار بنانا مکروہ ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی منقش چادر کو دور کرتے ہوئے یہی علت بیان فرمائی تھی"۔ (نووی شرح مسلم جلد ا ص ۲۰۸)

یہ درست ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بعض علماء نے مساجد کو خوب صورت اور مزین بنانے کی اجازت دی ہے جیسا کہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ جب ترقی کا ایسا زمانہ آ جائے کہ لوگ اپنے رہنے سہنے کے لئے عالی شان محل اور رنگین کوٹھیاں تعمیر کرنے لگیں تو ایسے زمانے میں استخفاف اور استہانت سے بچنے کے لئے مسجدوں کی بھی تزئین و آرائش ہونی چاہئے، لیکن دوسرے بہت سے علماء نے اس تزئین کے خلاف کہا ہے۔

(فتح الباری جلد ا ص ۲۶۴)

یہ سب کچھ مسجد کے اندرونی حصہ سے متعلق ہے۔ جہاں تک مسجد کے بیرونی حصے کا تعلق ہے اس حصہ کے بارہ میں فقہ حنفی میں بالکل اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق باہر سے ہے جس سے اہلِ مسجد کو کوئی لگاؤ نہیں۔

(تفصیل کے ملاحظہ ہو ردالمختار جلد ا ص ۶۱۶)

مختصر یہ کہ مسجد کی دیواریں مضبوط' پائیدار اور بقدر ضرورت خوب صورت اور سادہ ہوں۔ بے فائدہ پھول پتیاں نہ ہوں کیونکہ یہ فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہے اور دیواروں پر کچھ لکھا ہوا بھی نہ ہو۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

"اچھا یہ ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید اور نقش و نگار سے پاک ہوں۔ ان پر لکھا ہوا بھی کچھ نہ ہو۔ ان کو صور و کتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے"۔ (بحر الرائق جلد ۵ ص ۲۵۱)

بہر حال یہ تو جملہ معترضہ ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں چھ ہزار سے زائد مسجدیں بنوائیں جو سادہ تھیں کیونکہ آپ تزئین و آرائش والی مسجدوں کے حق میں نہیں تھے اور نہ ہی شریعت اسلامیہ کا یہ مزاج ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ

Marfat.com

صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ :

"امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے مسجد نبوی کی تجدید عمارت کے وقت تاکید کر دی تھی کہ مسجد ایسی ہو جو لوگوں کی بارش وغیرہ سے حفاظت کرے۔ خبردار : سرخ و زرد رنگوں سے رنگین مت بنانا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں"۔

(تفسیر عزیزی پارہ اول ص ۲۴۲)

مسجد نبوی کی توسیع

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں سلطنت کی پہنائیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا اور باہر کے کئی لوگ اسلام قبول کر کے مدینہ طیبہ میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے ارد گرد کے تمام علاقے بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور مدینہ طیبہ میں ان کی آمد و رفت ہو گئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے زمانہ میں جو مسجد تعمیر کی تھی' وہ اس وقت کے لحاظ سے تو کافی وسیع تھی۔ آپ نے دروازے کے بازو کے دونوں پائے پتھر کے بنائے۔ دیواریں کچی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوا دیئے گئے اور کھجور کے تنوں کے ستون بنائے گئے زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں بچھا دی گئیں۔ تین دروازے لگائے گئے۔ قبلے کی دیوار سے پچھلی دیوار تک ایک سو ہاتھ لمبائی تھی۔ چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کم تھی۔ بنیاد قریباً تین ہاتھ گہری تھی۔ اب مدینہ کی آبادی روز بروز بڑھ رہی تھی اور نمازیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷ھ میں سیدنا عمرؓ نے اس کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ارد گرد کے تمام مکانات خرید لئے گئے لیکن سیدنا عباسؓ نے اپنا مقام دینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں کافی معاوضہ کی بھی پیش کش کی مگر سیدنا عباسؓ مکان دینے پر راضی نہ ہوئے۔ سیدنا عمرؓ سیدنا عباسؓ کی نہایت عزت و تکریم کرتے تھے کیونکہ آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے عم محترم تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کا یہ معمول تھا کہ اگر سواری پر جا رہے ہوں اور سامنے سے سیدنا عباسؓ تشریف لا رہے ہوں تو ان کی بزرگی کا احترام کرتے ہوئے خود سواری سے اتر جاتے اور کہتے کہ ہمارے نبی ﷺ کے عم محترم تشریف لا رہے ہیں (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۶۸' استیعاب ابن عبد البرؒ جلد ۳ ص ۹۸' تذکرہ سیدنا عباسؓ)

Marfat.com

یہ بھی سرکارِ دوعالم ﷺ کے اس عمِ محترم کی تعظیم و تکریم تھی کہ طلب باران اور قحط کے زمانہ میں ان کے توسل سے بارش کی دعا کرتے تھے۔ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کے اس طرح کرنے سے بارش برستی تھی اور لوگوں کو پانی مل جاتا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۳۷، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۴، کنز العمال جلد ۷ ص ۶۵، تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۰۹ وغیرہ)

اتنی محترم شخصیت سیدنا عمرؓ کے ہاتھ اپنا مکان فروخت کرنے سے انکار کر رہی تھی۔ اس محترم شخصیت پر آپ کوئی جبر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نہایت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے؟ آخر یہ مقدمہ سیدنا ابی بن کعبؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ یہ کیا کہ سیدنا عمرؓ (یعنی اسلامی ریاست) کو یہ جبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

سیدنا ابی بن کعبؓ کے اس فیصلہ سے سیدنا عمرؓ خاموش ہو گئے اور اس فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اب سیدنا عباسؓ نے فرمایا: "اب میں اس مکان کو بلا قیمت تمام مسلمانوں کے مفاد کی خاطر دیتا ہوں"۔ غرض ازواجِ مطہراتؓ کے حجرات کو چھوڑ کر باقی اردگرد کی تمام عمارتیں اور مکانات گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے اس کا طول ۱۰۰ ہاتھ تھا اب ایک سو چالیس (۱۴۰) ہاتھ کر دیا گیا۔ اسی طرح اس کے عرض میں بھی توسیع کی گئی لیکن لکڑی کے جو ستون وغیرہ تھے وہ اسی طرح رہے۔

آدابِ مسجد میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اس میں دنیا کی باتیں نہ کی جائیں۔ آج کل تو لوگ سارے دن کی سیاست نماز کے وقت مسجدوں میں Discuss کرتے ہیں۔ دنیا کی باتیں جائز ہوں یا ناجائز مسجد میں کرنے سے احتراز کیا جائے۔ آج کل اس گناہ میں عوام و خواص دونوں ہی مبتلا ہیں۔ خود قرآن حکیم میں اس بات سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا (الجن: ۲۰)

بلاشبہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مت پکارو

مفسرین نے اس ضمن میں مساجد میں دنیا کی گفتگو کا مسئلہ بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ ملا جیونؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

الا انها علیٰ ظاهرها مما یستدل به علی انه لایجوز فی المسجد التکلم بکلام الدنیا (تفسیرات احمدی ص ۵۹۸)

اس آیت کے ظاہر سے استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں

Marfat.com

کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح تفسیر جمل جلد ۴ ص ۲۲۴ میں بھی لکھا ہے

حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے پیش گوئی کے طور پر فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی۔ پھر آپ نے تاکیداً ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو

فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۷۱)

ان لوگوں میں (جو مساجد میں دنیا کی باتیں کریں) مت بیٹھنا کیونکہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں۔

اس زمانے میں تو مسجدوں میں خالص سیاسی تقریروں کا رواج ہوتا جا رہا ہے اور وہ بھی آداب مسجد کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے۔ آج کل مسجدوں میں جو سیاسی جلسے ہوتے ہیں ان میں اسلام نہیں بلکہ جمہوریت کا پرچار ہوتا ہے اور اس کو مسلمانوں کے تمام دکھوں کا علاج بتایا جاتا ہے نمازی نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں تو سیاسی باتیں کرتے ہیں۔ جن کا دین سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔

مسجد کے انہی آداب کی وجہ سے کسی گم شدہ شے کی تلاش بھی مسجد میں جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شوروغل ناگزیر ہے۔ چنانچہ مسلم میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گم شدہ شے کو تلاش کرتا ہے تو چاہئے کہ کہے اللہ تعالیٰ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے"۔ (مسلم جلد ۱ ص ۲۱۰)

مسجد میں نا سمجھ، بے عقل اور چھوٹے بچوں کو بھی آنے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ بھی احترام مسجد کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جو آداب مسجد کے خلاف ہو۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اپنی مسجدوں کی حفاظت کرو اپنے بچوں سے، پاگلوں سے، خرید و فروخت سے، جھگڑوں سے، شوروغل وغیرہ سے"۔

(ابنِ ماجہ، باب ما یکرہ فی المساجد)

سیدنا عمرؓ اس معاملہ میں نہایت سخت تھے۔ سیدنا سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں کہ

Marfat.com

ایک دن میں مسجد میں سویا ہوا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری مار کر جگا دیا۔ میں نے جو اٹھ کر دیکھا تو وہ فاروق اعظمؓ تھے۔ آپ نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے جو مسجد میں اونچی اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے' فرمایا کہ ان کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ فرماتے ہیں: حسب الحکم میں ان دونوں کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے ان سے پوچھا: تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا اس لئے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے ہو۔ جاؤ آج تمہیں صرف اس وجہ سے معاف کیا جاتا ہے کہ تم باہر کے رہنے والے ہو۔

(بخاری جلد ا ص ۶۷)

سیدنا عمرؓ مسجد کی معمولی بے حرمتی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب بچوں کو بھی مسجد میں کھیلتے کودتے دیکھتے تو دُرّہ سے انؓ خبر لیتے۔ اور عشاء کے بعد بھی مسجد کی پوری خبر گیری رکھتے۔ نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کسی کی بلند آواز سن لی اس پر آپ نے غصہ سے فرمایا "تم کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟" (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ۲۹۳)

سیدنا فاروق اعظمؓ نے انہی وجوہ کی بناء پر مسجد کے ایک کنارے ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام حدیث میں "بطیحا" آتا ہے۔ اس کے بنوانے کے بعد اعلان فرمایا کہ جس نے کوئی شعر پڑھنا ہو یا اور کوئی ایسی بات کرنی ہو تو وہ مسجد سے نکل کر وہاں چلا جائے۔

(مشکوٰۃ عن المؤطا باب المساجد' خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص ۱۳۲)

سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے مسجد نبوی میں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس روشنی کا انتظام بھی سیدنا عمر بن خطابؓ نے کیا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا تمیم الداریؓ کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ مسجد نبوی میں رات کو روشنی کا انتظام کریں۔ آپ نے مسجد میں فرش کا انتظام بھی کیا۔ سیدنا عمرؓ سے قبل مسجد نبوی کی کچی زمین پر صحابہ کرامؓ نماز پڑھتے تھے جس سے ان کے کپڑے خاک آلود ہو جاتے تھے۔ آپ نے لوگوں کے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لئے مسجد میں چٹائی کا فرش بچھوایا۔ آپ کے بیت المال میں نہایت قیمتی قالین بھی آتے رہتے تھے' لیکن آپ نے سادگی کو اپناتے ہوئے قالین اور شطرنجی کے بجائے سادہ چٹائی کا فرش ڈالا۔

ایک مرتبہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ سیدنا عمر بن خطابؓ نے اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا' لیکن عود اتنا کم تھا کہ کس کو دیتے اور کس کو نہ دیتے۔ آپ نے

Marfat.com

حکم دیا کہ اس کو مسجد میں استعمال کیا جائے تاکہ سب مسلمانوں کے کام آئے۔ موذن مسجد کی یہ ڈیوٹی لگائی۔ چنانچہ وہ جمعہ کے روز مسجد میں انگیٹھی میں سلگا کر نمازیوں کے سامنے سے گزرتے اور ان کے کپڑوں کو خوشبو میں بساتے۔

(خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، مصر، ص ۱۷۴)

سیدنا عمرؓ کی اہم مجالس مسجد ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ مسجد ہی میں ارباب سیاست اور صاحبانِ نظم مملکت اکٹھے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سیدنا عمرؓ کے پاس مسجد میں آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا جس میں انہوں نے اپنے کام کے متعلق کچھ حساب درج کیا ہوا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "اسے بلاؤ جس نے یہ لکھا ہے تاکہ اسے پڑھے"۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے کہا وہ مسجد میں نہیں آسکتا۔ پوچھا کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ وہ نصرانی ہے۔

(سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۲۷، ۳۲ جلد ۱۰ ص ۱۲۷، جلد ۹ ص ۲۰۴، المغنی جلد ۸ ص ۵۳۲، جلد ۶ ص ۴۲۵)

بعض لوگ مسجد میں افکار دنیا سے تھک کر آتے اور آرام کرتے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے کام لے آتے تھے۔ لٰن سعدؓ نے خولہ بنت سعد سے نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ ہم بعض عورتیں عہدِ نبوت اور خلافت ابو بکرؓ اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی سالوں میں مسجد میں مردوں کی موجودگی کے باوجود ان کے درمیان رہتے ہوئے کبھی سوت کاتا کرتیں اور کبھی کھجور کی رسی بٹتیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا میں تمہیں آزاد عورتوں کی طرح لوٹانا چاہتا ہوں (یعنی باپردہ) چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ہمیں مسجد سے نکال دیا البتہ ہم نماز کے وقت آیا کرتی تھیں۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۲۲۱۱۸)

مسجد میں سونے پر بھی سیدنا عمرؓ اعتراض نہیں کرتے تھے چنانچہ ایک روز انہوں نے سائب بن یزیدؓ کو مسجد میں سویا دیکھا تو کچھ نہیں کہا۔

(بیہقی جلد ا ص ۱۰۳، بخاری باب رفع الصوت فی المسجد)

سیدنا عمرؓ مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی بڑی سعی کرتے تھے تاکہ مسجد لوگوں کے لئے مرغوب جگہ رہے، اسی لئے آپ ہر جمعہ کو مسجد میں خوشبو کا اہتمام فرماتے تھے۔

(مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱ کنز العمال روایت نمبر ۲۲۰۸۱)

سیدنا عمرؓ مسجد میں فضول گوئی کو ناپسند فرماتے۔ چنانچہ جب نماز کے لئے نکلتے تو

Marfat.com

مسجد میں آواز دیتے کہ فضول گوئی سے احتراز کرو (ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۱۰) ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ کے گھروں میں فضول گوئی نہ کرو۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱ ص ۴۲۷ جلد ۴ ص ۲۶۴)

اس طرح کے اور بھی کئی کام آپ نے اس مذہبی صیغہ میں مسلمانوں کے لئے جاری فرمائے جس کا کچھ ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

نظمِ مملکت

سیدنا عمرؓ نے قریباً ساڑھے دس سال حکومت کی۔ آپ کے دورِ حکومت میں لاکھوں مربع میل علاقہ فتح ہوا اور ان کی حکومت مشرق میں افغانستان او چین' مغرب میں تیونس اور اس سے آگے بڑھ کر شمالی افریقہ' شمال میں اناطولیہ اور قزوین اور جنوب میں بلاد نوبہ سے جا ملی تھی۔ یہ اس زمانے کی سب سے بڑی حکومت تھی جس نے اس زمانے کی دو سپر پاورز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کی خواہش اتنا وسیع علاقہ فتح کرنے کی نہ تھی لیکن واقعات اور حالات انسانی ارادوں سے اکثر و بیشتر قوی ہوتے ہیں اور ان واقعات ہی نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنی فتوحات میں اور وسعت پیدا کریں۔ آپ کی ان فتوحات نے اس زمانے کے بڑے بڑے سیاست دانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا کہ جزیرہ نما عرب کے معمولی سے لوگوں نے قیصر و کسریٰ کو ان کے وطن سے نکال باہر کیا۔

سیدنا عمرؓ کی خواہش ملک گیری کی نہ تھی بلکہ وہ اسلام کے پیغام کو ساری دنیا میں پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے' یہی وجہ تھی کہ کوئی قوم ان کی راہ کا بھاری پتھر بنی اور نہ کوئی طاقت انہیں اس پیغام کی اشاعت سے روک سکی۔ اسی پیغام کی بدولت یہ نوزائیدہ مملکت بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے شباب تک کے ارتقائی مراحل نہایت تیزی سے طے کر رہی تھی۔

اسلام کی آمد سے قبل عرب کسی منظم حکومت سے آشنا نہ تھے۔ ان کی زندگی قبائلی زندگی تھی' ہر قبیلہ کا الگ الگ رئیس ہوتا تھا جو ان کے برے بھلے کا سوچتا تھا۔ سیدنا عمرؓ

نے انہیں ایک مرکزی قوت میں منظم کیا۔ مملکت کے مختلف حصوں کو ایک مضبوط لڑی میں پرو کر انہیں ناقابل شکست بنا دیا۔ جن ملکوں کو انہوں نے فتح کیا ان کے اپنے اپنے مستقل نظام قائم تھے' لیکن عربوں نے ان دونوں نظاموں میں سے کسی نظام کا چربہ اتارنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اور اگر کوئی اس قسم کی کوشش کرتا بھی تو اس کی تحریر اور اصلاح و ترمیم میں کئی سال لگ جاتے۔ جب کہیں مملکت کے مختلف حصوں میں ایک متحدہ دستور وجود میں آتا لیکن برق رفتار فتوحات کے زمانہ میں تدوین دستور کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ویسے بھی فتوحات کا زمانہ بالطبع اجتہاد کا زمانہ ہوتا ہے۔ جس میں ہنگامی حالات اور ان کے متقضیات کو دیکھ کر ہی کوئی حکم دیا جاتا ہے۔ پھر جب فتوحات کی وسعت اور برق رفتاری ہو تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ دستور مملکت منطقی اصولوں سے زیادہ والیِ سلطنت کے بدیہی فیصلوں پر موقوف ہو اور والی سلطنت فتوحات کے ساتھ چلتا رہے۔ یہ ایک قدم آگے بڑھے اور نہ ایک قدم پیچھے رہے۔ سیدنا ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد جب زمام خلافت سیدنا عمرؓ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ وحدت کی اسی تنظیم پر صرف کر دی اور دنیا میں ایک عظیم معنوی انقلاب برپا کر دیا۔

سیدنا عمرؓ کی شخصیت ضعف کا شکار ہونے والی شخصیت نہ تھی بلکہ بڑی قد آور اور توانا شخصیت تھی۔ ان کی شخصیت کی توانائی کی وجہ سے سرکارِ دوعالم ﷺ کے ہاں ان کا درجہ وزیر اور مشیر کا تھا۔ آپ اکثر مواقع پر سرکارِ دوعالم ﷺ کو مشورہ بھی دیتے۔ مشورہ میں کبھی کبھی اختلاف بھی کرتے۔ چنانچہ اپنی اسی طاقت ور شخصیت کی وجہ سے آپ نے سیاست کے کچھ اصول مرتب فرمائے اور انہی اصولوں پر اسلامی ریاست نے جو نشو و ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں تھی' عراق و شام اور ایران و مصر کی لڑائیاں اس ہوش مندی سے لڑیں کہ پوری دنیا ششدر رہ گئی۔ ان ساری جنگوں کے سپریم کمانڈر آپ خود تھے اور فوجوں کے تمام تر اختیارات آپ ہی کے ہاتھ میں تھے۔ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر آپ نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو اس طرح قائم کیا کہ انہیں گراں قیمت آزادی سے مالا مال کیا۔ آپ ہر چھوٹی بڑی بات کا خیال رکھنے میں انتہائی دور بینی اور بیدار مغزی کے حامل تھے۔

سیدنا عمرؓ نے جو نظام سلطنت قائم کیا اس کے نتائج بڑے خوشگوار ثابت ہوئے۔ آپ نے غلاموں کو واپس کرنے اور مرتدین پر سے پابندیاں اٹھانے کا جو حکم دیا تھا اس نے لوگوں میں تعاون کا جذبہ پیدا کیا اور وہ بہ طیب خاطر اسلامی فوجوں کی دعوت جنگ پر لبیک

Marfat.com

کہ کر اس میں شامل ہو گئے جس سے فوج کو بہت فائدہ ہوا۔

سیدنا عمرؓ کا ذہن وسیع، ظرف اعلیٰ و بلند اور نگاہ نہایت دور رس تھی۔ آپ نے اپنے عہدِ حکومت میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ رعایا اور حکمران دونوں قانون کا احترام کریں۔ جو حکم نافذ ہو اس کی تنفیذ اور اطاعت میں کسی قسم کا تساہل و تکاسل نہ ہو۔ آپ جس طرح اپنے گرد و نواح میں بسنے والے اہلِ مدینہ پر نظر رکھتے تھے اسی طرح اسلامی ریاست کے بعید ترین کونوں میں رہنے والوں پر بھی آپ کی نگاہ رہتی تھی۔ قوانین کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ، اصل شے قوانین کا نفاذ، ان کا احترام اور ان کی پابندی ہوتی ہے۔ حیلے بہانوں سے قوانین کو غیر مؤثر بنانے اور ان کی پابندی نہ کرنے والوں اور غرض کے بندوں کے ہتھکنڈوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو حکم عدولی اور غیر قانونی حرکتوں کا خاتمہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ آپ کے دور میں ایک فوجی شریک بن سمی نے آپ سے زراعت کی اجازت مانگی۔ آپ نے اسے اجازت نہ دی۔ اس کے باوجود اس نے مصر میں کاشت کاری شروع کر دی۔ آپ نے گورنر مصر کو لکھا کہ شریک کو فوری طور پر مدینہ بھیج دو۔ انہوں نے تعمیل حکم کر کے شریک کو مدینہ بھیج دیا۔ وہ سخت خوفزدہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کر سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: "تم کس لشکر سے تعلق رکھتے ہو؟" جواب دیا "جنودِ مصر سے"۔ آپ نے فرمایا "تو شاید تم شریک بن سمی ہو؟" عرض کی "جی ہاں"۔ فرمایا "تم نے حکم عدولی کی ہے، میں تمہیں سزا دوں گا"۔ شریک نے کہا "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غلطیوں پر ان کی توبہ قبول فرماتا ہے، آپ بھی میری خطا معاف فرمادیں"۔ فرمایا "تم واقعی تائب ہو گئے ہو؟" عرض کیا "یقیناً"۔ فرمایا: "ٹھیک ہے جاؤ اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرو"۔ پھر آپ نے گورنر کے نام یہ پیغام لکھا "شریک نے میرے پاس آکر اعتراف کر لیا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے اور آئندہ اس نے ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا میں نے اس کو معاف کر دیا ہے"۔

فرد اور جماعت کا چولی دامن کا تعلق ہوتا ہے۔ جماعت فرد کے لئے نعمت اور فرد جماعت کی بنیاد و اساس۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تو جماعت کے ساتھ رہے گا تو تجھے خیر و بھلائی ملے گی"۔ اسی طرح ایک اور ارشاد ہے کہ "جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب" اسی اصول کی بناء پر مخلص مسلمانوں نے ذاتی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر جماعتی مفاد کی حفاظت کی۔ بسا اوقات بڑی مشکلات بھی برداشت کیں لیکن جماعت کا التزام رکھا۔

Marfat.com

سیدنا ابوذر غفاریؓ کو سیدنا عثمانؓ بن عفانؓ نے مدینہ سے ربذہ منتقل ہونے کا حکم دیا تھا۔ ربذہ میں اہلِ عراق کی ایک جماعت ان کے پاس آئی اور ان سے کہا "عثمانؓ نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اگر آپ علم بغاوت بلند کر دیں تو جتنی فوج آپ حکم دیں ہم جمع کر دیں گے"۔ سیدنا ابوذرؓ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا: "ایسی باتیں مت کرو' اور شیطان کے اشاروں پر مت چلو' بے شک جو حاکم عادل کو نیچا دکھانا چاہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ خدا کی قسم! اگر عثمانؓ مجھے تختہ دار پر بھی لٹکا دے یا مجھے سلطنت کے ایک دور دراز کونے سے دوسرے دور دراز کونے کی طرف مسلسل سفر کا حکم دے دے تو بھی میں اس کی اطاعت کروں گا اور صبر کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں میرے لئے اجر و ثواب اور بہتری ہے' سر تسلیم خم کر دوں گا"۔ یوں آپ نے ان سبائی فتنہ پردازوں کا منہ بند کر دیا۔

سیدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اسلامی ریاست کی حدود میں جو وسعت ہوئی' سیدنا عمرؓ کو اپنی راہ سے بھٹکا نہ سکی اور ان کی زندگی میں وہی سادگی رہی جو پہلے تھی۔ انہوں نے انتظام حکومت کے لئے مسجد نبوی کو چھوڑ کر کوئی الگ ایوان نہیں بنایا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں مسجد نبوی بالکل ویسی ہی تھی جیسی سرکارِ دو عالم ﷺ کے دور میں تھی۔ کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے پتوں کی چھت۔ آپ اس کو ڈھا کر اچھی بھی بنوا سکتے تھے تاکہ ان کی نشست گاہ ان کے وقار سلطنت کے شایانِ شان ہو جاتی۔ آخر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی تو ایوان کسریٰ میں قیام کیا تھا اور اس کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ پھر جب وہ مدائن سے کوفہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی انہوں نے اپنا الگ ایوان بنایا جس کو لوگ "قصرِ سعد" کہتے تھے۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی چار سال مسجد نبوی کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ جیسی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی ویسی ہی رہی۔ بعد میں بھی اپنے لئے نہیں بلکہ جب مدینہ کی آبادی میں اضافہ ہوا اور مسجد نمازیوں پر تنگ ہو گئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاد کو سند بنا کر کہ ہمیں مسجد کی توسیع کرنی چاہئے، اس کی توسیع کا حکم دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنتا کہ ہمیں مسجد کی توسیع کرنا چاہئے تو ہرگز اس کی توسیع نہ کراتا۔ مسجد کی توسیع کا حکم دیتے وقت سیدنا عمرؓ نے اسے نماز اور معاملاتِ حکومت کے لئے مخصوص کرنا چاہا کیونکہ اہلِ مدینہ نے اسے دار الندوہ بنا رکھا تھا۔ وہاں بیٹھ کر مختلف امور پر گفتگو کرتے۔ بعض اوقات تو یہاں تک ہوتا کہ امیر المؤمنین وہاں بیٹھے مہمات کے امور پر غور فرما رہے ہوتے اور لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ

Marfat.com

دیتی۔اس لئے آپ نے مسجد کی توسیع کے بعد لوگوں کے باتیں کرنے کے لئے "بطیحا" کے نام سے ایک گوشے میں ایک جگہ مخصوص کردی۔اس ترمیم کے علاوہ اور کوئی ترمیم نہ کی گئی صرف صحن وسیع کرادیا۔وہی پتھروں کی بنیادیں' وہی کچی اینٹوں کی دیواریں' وہی لکڑی کے ستون اور کھجور کے پتوں کی چھت۔اسی سادہ وضع کی مسجد سے سیدنا عمرؓ اپنے سپہ سالاروں کو مختلف احکام صادر فرماتے تھے اور اسی مسجد میں بیٹھ کروہ یہ خوشخبریاں سن رہے تھے کہ کسریٰ کا ایوان ان کے سرپر گررہا ہے۔قیصر شام سے قسطنطنیہ کی طرف بھاگ رہا ہے اور یہ عظیم اسکندریہ' یہ اس دور کی عالمی تہذیب کا پایہ تخت اور مختلف تہذیبوں کا سنگم اپنی کنجیاں مسلمانوں کے حوالے کررہا ہے۔

جب دنیا کی پرانی تہذیبیں دم توڑ رہی تھیں اور اس کرۂ اغبر پر ایک نئی تہذیب وجود میں آرہی تھی' اس تہذیب کو وجود میں لانے والا درویش سیدنا عمرؓ نہایت سادگی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کررہا تھا اور اس کے ایمان نے دنیا کو اس کی نگاہوں میں بے اصل بنایا ہوا تھا۔فتوحات کی وسعت اور مالِ غنیمت کی فراوانی نے اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔مدینہ میں جس وقت دولت کے انبار لگے تھے اور قیصرو کسریٰ کے خزانے مالِ غنیمت میں مدینہ میں آئے تھے' اس وقت بھی سیدنا عمرؓ نے اس میں سے اتنا ہی حصہ لیا جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا تھا، کیونکہ خلافت کی بناء پر وہ اپنا حق دوسروں کے حق سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ کا مال میرے لئے ایسا ہے جیسا کسی یتیم کا مال۔ضرورت نہیں ہوتی تو ہاتھ نہیں لگاتا' اور حاجت ہوتی ہے تو بقدرِ احتیاج لے لیتا ہوں"۔مسلمانوں نے جو انہیں اپنی جان پر یہ سختیاں جھیلتے دیکھا تو نہایت پریشان ہوئے۔ایک روز ان کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی : "ام المؤمنین! عمرؓ اپنی جان پر سختیاں جھیلتے جاتے ہیں۔اب فتوحات کی وسعت سے اللہ تعالیٰ نے رزق کشادہ کردیا ہے' انہیں جو کچھ چاہئے' مالِ غنیمت میں سے لے لیں۔مسلمانوں کی طرف سے انہیں اجازت ہے"۔سیدہ حفصہؓ نے ان کی یہ بات سنی تو بہت متاثر ہوئیں اور بات تھی بھی درست، چنانچہ جب سیدنا عمرؓ تشریف لائے تو سیدہؓ نے ان لوگوں کی کہن دہرائی۔سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "بیٹی! تونے اپنی قوم کے ساتھ بھلائی کی اور اپنے باپ کو دھوکہ دیا۔میرے اہل وعیال کا حق میری ذات اور مال میں ہے' میری دیانت اور امانت میں نہیں"

خود احتسابی ایک عظیم صفت اور اخلاقی خوبی ہے۔آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ محاسبہ

کے وقت سے پہلے اپنا محاسبہ کر لو اور اعمال کا ترازو لگنے سے قبل خود اپنے اعمال کا وزن کر لو۔ ایسا طرز عمل اختیار کر لو گے تو کل حساب میں آسانی ہو گی اور بڑی پیشی کے لئے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کر لو۔ بے شک وہ شخص خوش قسمت ہے جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو احساسِ ندامت سے وہ رو پڑے اور نیکی کا کام سر انجام دے تو خوشی اور شکر کے جذبات سے مالا مال ہو جائے۔ ایسا انسان اپنے لئے، اپنے معاشرے اور امت کے لئے اور سب سے بڑھ کر حاکم وقت کے لئے باعث سعادت ہوتا ہے۔

آپ جس بات کا اپنی رعایا کو حکم دیتے تھے سب سے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ لوگوں کو سادگی اور زہد کی تلقین کرنے سے پہلے خود اس کا عملی نمونہ بن جاتے۔ آپ کی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آپ کی بیٹی سیدہ حفصہؓ نے آپ کو توجہ دلائی کہ اپنے آپ کو اتنی مشقت میں نہ ڈالا کریں جس سے صحت بھی تباہ ہو جائے۔ یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے سیدہ حفصہؓ کو یاد دلایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے یارِ غار سیدنا ابو بکرؓ کتنی سخت اور پر مشقت زندگی گزارا کرتے تھے۔ جب آپ نے یہ واقعات کی یاد دلائی تو سیدہ حفصہؓ رونے لگیں۔ پھر سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

"بخدا! اگر مجھے توفیق ملے تو میں بھی انہی کی طرح پر مشقت زندگی گزاروں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اخروی زندگی میں ان کا ساتھ عطا فرمائے"

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اسی سادگی اور زہد کے سائے میں اپنی خلافت کے زمانے میں آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی خیمہ نہیں تھا۔ راستہ میں آپ نے کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا کبھی اس کا سایہ کر لیتے۔ عرب کے تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لئے کوئی ایسا سایہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لئے ممکن نہ ہو۔ ان کے پیش نظر سورج کی گرمی سے بچنا نہیں تھا بلکہ وہ اس گرمی سے بچنا چاہتے تھے جو سورج سے کہیں زیادہ گرم ہے، جس کے مقابلہ میں سورج کی تپتی ہوئی شعاعیں ٹھنڈی اور آرام دہ ہیں۔

سیدنا عمرؓ لوگوں پر از حد مہربان تھے اور دینی اور دنیوی ہر معاملہ میں ان کے لئے اسی طرح آسانیاں تلاش کرتے تھے جیسے ایک مہربان اور شفیق باپ اپنی اولاد کے لئے کرتا

Marfat.com

ہے۔ اگرچہ خود سخت کوش اور جفاکش تھے لیکن لوگوں کے لئے آسانی چاہتے تھے۔ اپنی سخت کوشی کا ڈھنڈورا کبھی نہ پیٹتے۔

انہی خوبیوں کی وجہ سے آپ کی خلافت ہر پہلو سے مثالی تھی۔ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو مسئول اور ذمہ دار گردانتے تھے اور اپنی رعایا کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ آپ کا نظم حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ تمام حکومتی ادارے منظم تھے۔ مواصلات کا نظام بہترین تھا۔ راستے محفوظ اور بہترین انداز میں بنائے گئے تھے۔ آج کے دور میں سڑکیں بنتی ہیں تو دوسرے دن ٹوٹ جاتی ہیں جب کہ اُس دور میں سڑکیں بنائی جاتی تھیں تو مدتوں ان میں کوئی خرابی نہیں ہوتی تھی۔ مصر اور مدینہ منورہ کا فاصلہ کس قدر زیادہ تھا۔ لیکن سیدنا عمرؓ کے ذہن رسا نے یہ فاصلہ پاٹ دیا۔ وہ یوں کہ مصر سے غلہ لانے کے لئے بحری جہاز استعمال کئے۔ جہازوں کے ذریعے غلہ جار کی بندرگاہ تک لایا جاتا تھا۔ وہاں سے پھر اونٹوں پر لاد کر محفوظ سڑک کے ذریعہ ایک دن اور ایک رات میں کارواں مدینہ پہنچ جاتا تھا۔ جار بحر احمر (Red Sea) پر بندرگاہ تھی۔ سیدنا عمرؓ سے قبل مصر سے حجاز تک سارا سفر صحرا اور خشکی کے ذریعہ ہوتا تھا جو نہایت طویل بھی تھا اور پر صعوبت بھی۔

آپ کے گھر کا دروازہ ہر شخص کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ بھلا جو گورنر کوفہ کے گھر کے آگے ڈیوڑھی برداشت نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ اگر یہ ڈیوڑھی قائم رہی تو یہ "قصر سعد" نہیں بلکہ "قصر فساد" ہے، وہ اپنے گھر کے دروازے لوگوں پر کیسے بند کر سکتا ہے؟ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کی دادرسی بھی ہوتی اور ہر قسم کی خاطر تواضع بھی۔ آپ کے ہاں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ تھی۔ ہاں ایک اصول تھا جس سے ہر خاص و عام آشنا تھا کہ جو زیادہ نیک اور متقی تھا۔ وہ آپ کے ہاں زیادہ محترم اور معزز تھا۔ جس نے اعمال خیر اور جہاد اسلامی میں زیادہ خدمات سر انجام دی تھیں وہ دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسروں کا مرتبہ معین کرنے کے لئے آپ کے ہاں اور کوئی معیار نہ تھا۔

فساد کی اصل وجہ دنیا میں یہی ہے کہ حق داروں کو ان کا حق نہیں ملتا اور صاحب استحقاق کے مقابلہ میں معاشرہ میں بااثر لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حکمران اگر یہ اصول پیش نظر رکھیں کہ جس شخص نے امت کے لئے زیادہ قابلِ قدر خدمات سر انجام دی ہیں اس کی عزت افزائی اور قدر کی جائے، اس سے معاشرہ میں صحت مند رجحان پروان چڑھتا ہے۔ لوگ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نیکیاں برائیوں پر

Marfat.com

غالب آجاتی ہیں۔

جریر بن حازم بن حسن فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر آئے۔ ان میں اصحاب بدر بھی تھے اور قریش کے شیوخ بھی، ان لوگوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اصحاب بدر میں سے سیدنا صہیب رومیؓ، سیدنا خباب بن الارتؓ، سیدنا عمار بن یاسرؓ اور سیدنا بلال بن رباحؓ کو اندر آنے کی اجازت فوری طور پر مل گئی جب کہ ابو سفیانؓ، حارث بن ہشام اور سہیل بن عمروؓ کو باہر انتظار کرنا پڑا۔ اس صورت حال کو دیکھ رئیسان قریش میں سے کچھ حضرات نے کہا "آج کے دن سے زیادہ ہم نے اپنی بے قدری کبھی نہ دیکھی تھی کہ رؤسائے قریش باہر بیٹھے ہیں اور غلاموں کو اندر بلا لیا گیا ہے"۔ انہی رؤسائے قریش میں سے سیدنا سہیل بن عمروؓ نہایت عقل مند اور متقی اور معاملہ فہم بزرگ تھے' وہ یہ الفاظ سن کر بولے: "اے سرداران قریش! میں نے تمہارے چہروں پر ناراضی کے آثار دیکھ لئے ہیں۔ اگر غصہ کرنا ہے تو سیدنا عمرؓ پر نہ کرو بلکہ اپنے آپ پر کرو۔ نبی کریم ﷺ نے سارے لوگوں پر اسلام کی دعوت پیش کی۔ تمہیں بھی کہا گیا۔ وہ لوگ جلدی سے آگے بڑھے اور تم پیچھے رہ گئے۔ تمہیں اس دروازے سے ان کا پہلے داخل ہونا ناگوار گزر رہا تھا۔ خدا کی قسم! یہ تو کوئی بات نہیں۔ وہ اپنے درجات کی بلندی میں تم سے اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ اگر تم اس کا احساس کرو تو اپنی محرومی پر کف افسوس ملتے رہ جاؤ"۔ پھر مزید کہا: "اے لوگو! یہ راہِ خدا میں جہاد اور سبقت اسلام کی وجہ سے تم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ تلافی مافات کر سکو۔ اور وہ جہاد کا راستہ ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت کا رتبہ عطا کر کے تمہارے درجات بلند فرمادے"۔ سیدنا سہیل بن عمروؓ اس کے بعد اسلامی لشکروں کے ساتھ شام چلے گئے اور میدانِ جہاد میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کہیں سے مالِ غنیمت آیا۔ جس میں بہت سے قیمتی پارچہ جات تھے۔ آپ نے سب صحابہ کرامؓ کو ان میں حصہ دیا۔ ایک قیمتی حلہ بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: "کسی ایسے نوجوان کی نشاندہی کرو جس نے ہجرت کی ہو اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہو تاکہ میں یہ حصہ اسے دے دوں۔ لوگوں نے بلا توقف کہا: "عبداللہ بن عمرؓ"۔ آپ نے فرمایا نہیں! وہ تو اس کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر آپ نے وہ حلہ سلیط بن سلیطؓ کو مرحمت فرمادیا۔ عبداللہ بن عمرؓ کا نام بالکل صحیح تجویز کیا گیا تھا' کیونکہ انہوں نے خود بھی

Marfat.com

ہجرت کی تھی اور سیدنا عمرؓ بھی مہاجر تھے۔ اس کے علاوہ سیدنا عبداللہ میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھی لیکن سیدنا عمرؓ نے دوسرے مسلمانوں کو اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر ہمیشہ ترجیح دی جیسا کہ وظائف کے معاملہ میں قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ایک دفعہ مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرمارہے تھے کہ ایک بہت عمدہ چادر بچ گئی۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ چادر آپ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب کو دے دیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ام سلیطؓ اس چادر کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ وہ جنگِ احد کے دن پانی کی مشکیں اٹھا اٹھا کر ہمارے لئے لاتی تھیں"۔ (بخاری جلد ا ص ۴۰۳، جلد ۲ ص ۵۸۲، کتاب الاموال ص ۲۴۲)

سیدنا عمرؓ مسلمان نوجوانوں میں قوت و مردانگی کے آثار دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم نوجوان ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے اسلام کی شوکت و قوت کا مظہر بن جائیں۔ ایک نوجوان کو مریل چال چلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا "کیا تم بیمار ہو؟" اس نے کہا نہیں امیر المؤمنین! میں بلکل تندرست ہوں۔ اس پر آپ نے دُرّہ لہرایا اور فرمایا: "یہ مُردنی تم پر کیوں چھائی ہوئی ہے۔ جوانمردوں کی طرح چلو۔ یہ مریل چال نوجوانوں کو اچھی نہیں لگتی۔

یہ نصیحت آپ عوام کو ہی نہ کرتے بلکہ خواص کو بھی تذکیر و نصیحت کرتے رہتے تھے۔ امہات المؤمنین کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا ہے کہ تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ ان سے بہت بلند و بالا ہو۔ سیدنا عمرؓ نے ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہوئے سورۃ النساء کی تلاوت کی۔ جب ان آیات پر پہنچے جن میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو "یانساء النبی" کہہ کر خطاب کیا ہے تو آواز بلند ہو گئی۔ نماز کے بعد لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا: "امہات المؤمنین کو وہ عہد یاد دلانا مقصود تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خصوصی طور پر نازل فرمایا تھا"۔

سیدنا عمرؓ اللہ کے دین کے بارہ میں کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آپ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ "و اشدھم فی امر اللہ" کہ آپ اللہ کے دین کے بارہ میں سب سے زیادہ سخت اور شدید ہیں۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ سیدنا عمرؓ کے رشتہ میں نہایت قریبی عزیز، لیکن ان میں ذرا بھی غلطی دیکھی تو فوراً معزول کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ معرکہ یرموک میں اور عین اس وقت معزول کیا جب سپہ سالاری کا علم انؓ کے سر پر تھا۔ دشمن کی بے جگرانہ مدافعت کرتے ہوئے ان کو خندق کے مقبرہ میں دفن کر رہے تھے۔

Marfat.com

مدینہ منورہ سے قاصد نے آ کر سیدنا ابو بکرؓ کی وفات اور سیدنا فاروق اعظمؓ کی خلافت اور اس کے ساتھ ہی انقلابِ عظیم کی خبر سنائی کہ سیدنا خالدؓ کو معزول کر کے ان کے بجائے امین الامت ابو عبیدہ بن الجراحؓ سپہ سالار لشکر بنائے گئے ہیں۔ بارگاہِ خلافت کا حکم نامہ سب سے پہلے امین الامت کے ہاتھ میں دیا گیا لیکن انہوں نے اس کو مصلحت کے پیش نظر سیدنا خالدؓ سے پوشیدہ رکھا اور دوسرے روز اس کی اطلاع دی۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یرموک کے بعد محاصرہ دمشق کے وقت معزول کیے گئے۔ دمشق کے محاصرہ میں سیدنا خالدؓ سے فوق العادت بہادری اور جرأت اور اول درجہ کی حسن تدبیر کا ظہور ہوا تھا۔ جس کی تفصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہے۔

سیدنا خالدؓ پر اس معزولی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جس طرح سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ماتحت افسر کے لباس میں جان بازی اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا میں ایسے واقعات چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے کہ عین معرکہ دمشق کے دوران معزولی ہوئی اور پھر بھی خالدؓ ہی کے ہاتھوں دمشق فتح ہوا۔ انہوں نے اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں کیا کہ مجھے معزول کیا گیا ہے۔ وہ اپنی اس معزولی کے بعد امین الامت سیدنا ابو عبیدہؓ کے ہمراہ بعلبک، حمص، حماۃ اور لاذقیہ وغیرہ میں دشمن پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے اور ان شہروں کو فتح کیا۔ سیدنا عمرؓ کو جب ان معرکوں میں سیدنا خالدؓ کے نمایاں کارناموں کی حالت معلوم ہوئی تو فرمایا:

> "خالدؓ نے اپنے آپ کو خود سپہ سالار بنا لیا (امر خالد نفسه) اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے وہ کام کے آدمیوں کو مجھ سے زیادہ پہچانتے تھے"۔

سیدنا عمرؓ نے شام میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے سیدنا ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار اعظم بنایا تھا اور فتوحات عراق کے مدار اعظم مثنیٰؓ بن حارثہؓ کو جو سیدنا خالدؓ کے بعد عراقی فوجوں کے قائد عام تھے، معزول کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔

اس موقعہ پر سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ کی تعریف فرماتے ہوئے ان دونوں سپہ سالاروں کی معزولی کی وجہ (جس پر عقلاء ظاہر بین 'ناعاقبت اندیشی یا عدم قدردانی یا خوفِ فتنہ و اختلاف کا الزام لگا سکتے تھے) بیان فرمائی اور فرمایا:

Marfat.com

"میں نے ان دونوں کو تہمت یا بد ظنی کی وجہ سے معزول نہیں کیا،
لوگوں کو ان کی تدابیر شجاعت پر اس قدر اعتماد ہو گیا تھا جس سے
اندیشہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے نظر اٹھا کر فتوحات کا انحصار انہی کی ذات پر
نہ سمجھ لیں"۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۹۱)

یہ سیدنا عمرؓ کی شخصیت کے اثرات تھے کہ اتنے بڑے دو جرنیل اتنا اچھا کام کرنے کے باوجود معزول کر دیئے گئے اور ان کی کارکردگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ وہ جیسا کام کر رہے تھے ویسا ہی کرتے رہے۔ بلکہ ان دونوں نے معزولی کے بعد وہ نمایاں خدمات سر انجام دیں کہ سیدنا عمرؓ کا خیال ان دونوں کی طرف سے بدل گیا اور آپ نے ان کی خوبیوں کا علی رؤس الاشھاد اقرار کیا۔

سیدنا عمرؓ نے جب بیت المقدس کا سفر کیا اور فوج کے سپہ سالاروں کو آپ نے مطلع فرمایا کہ مجھے جابیہ کے مقام پر آ کر ملیں تو سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا شرجیل بن حسنہؓ کے سوا باقی تمام سپہ سالاران لشکر آپ کے استقبال اور آپ کی ملاقات کے لئے جابیہ پہنچ گئے۔ سب سے پہلے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور ان کے بعد سیدنا خالد بن ولیدؓ گھوڑوں پر سوار آپ کے سامنے اس شان سے آئے کہ حریر و دیبا کا لباس زیبِ تن تھا۔ سیدنا عمرؓ نے مواخذہ کیا۔ ان حضرات نے جو جواب دیا اس سے سیدنا عمرؓ مطمئن ہو گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ اسلام کے بڑے نامور سپہ سالار تک سیدنا عمرؓ کی شخصیت کے سامنے لرزہ براندام رہتے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی اور فرماں روا کے ہاں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

یہ تو سیدنا خالدؓ کی پہلی معزولی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا خالدؓ کو دو مرتبہ معزول کیا گیا۔ سیدنا عمرؓ ایک طرف تو سیدنا خالدؓ کی صفات جلیلہ کے اس قدر معترف تھے کہ ایک مرتبہ فرمایا:

عجزت النساء ان یلدن مثل خالد

عورتیں خالدؓ جیسے جانباز شخص کے جننے سے عاجز ہیں۔

لیکن حمص کے معرکہ کے بعد سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا عیاض بن غنمؓ نے روم کی سرحد کی جانب حملہ کیا اور وہاں سے ان دونوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس خبر کا

Marfat.com

چرچا ہوا تو بہت سے حاجت مند لوگ سیدنا خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد کے خواہاں ہوئے۔ اشعث بن قیس بھی ان لوگوں میں سے تھے۔ سیدنا خالدؓ نے ان کو دس ہزار درہم عطا فرمائے۔

اس واقعہ کی اطلاع سیدنا عمرؓ کو ہو گئی۔ آپ نے سیدنا ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ خالدؓ کی مشکیں ان کے عمامہ سے باندھ کر اور کلاہ سر پر سے اتار کر مجمع عام میں کھڑا کریں اور ان سے دریافت کریں کہ یہ انعامات کہاں سے دیئے ہیں؟ مالِ غنیمت میں سے یا اپنے مال میں سے؟ اگر وہ جواب دیں کہ مالِ غنیمت میں سے دیئے ہیں تو یہ خیانت ہے اور اگر یہ کہیں کہ اپنے مال میں سے دیئے ہیں تو یہ اسراف اور مال کا ضیاع ہے، اور ہر حال میں ان کو سپہ سالاری سے معزول کر کے ان کے متعلقہ کام کو اپنی نگرانی میں لے لیں۔

خالدؓ جیسے سپہ سالار کے بارہ میں اس طرح جواب طلبی کرنا صرف سیدنا عمرؓ کا کام تھا۔ اور شائد کوئی دوسرا ان کو نہ تو معزول کر سکتا اور نہ ہی ان سے جواب طلبی کر سکتا تھا لیکن سیدنا عمرؓ نے بغیر کسی عہدہ اور رشتہ کا لحاظ کئے سیدنا خالدؓ سے پرزور طریقہ سے جواب طلبی کی۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے جب یہ خط پڑھا تو پریشان ہو گئے لیکن سیدنا عمرؓ کے احکام کو ٹالا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا خالدؓ کو قنسرین سے طلب کیا اور ایک جلسہ عام کیا۔ خود منبر پر بیٹھے اور جو صاحب اس خط کو لے کر بارگاہِ خلافت سے آئے تھے وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سیدنا خالدؓ سے سوال کیا کہ اشعث بن قیس کو انعام کہاں سے دیا؟ سیدنا خالدؓ نے کچھ جواب نہ دیا۔ سیدنا ابو عبیدہ ساکت و صامت منبر پر بیٹھے تھے۔ آخر سیدنا بلالؓ نے کھڑے ہو کر سیدنا خالدؓ سے فرمایا: "امیر المؤمنین کا حکم آپ کے بارہ میں یہ ہے اور کلاہ اتار کر نیچے رکھی اور اس کے بعد کھڑے ہو کر ان کی مشکیں عمامہ سے باندھیں۔

یہ سب کچھ کیا گیا لیکن سیدنا خالدؓ نے احکام خلافت کی حرمت اور اطاعت کے لحاظ سے کسی بات سے ان کو نہیں روکا۔ جب کلاہ اتار چکے اور عمامہ سے ان کو کس دیا گیا تو کہا: اب بتلاؤ کہ اشعث کو انعام کہاں سے دیا؟ اپنے مال سے یا مالِ غنیمت سے؟ سیدنا خالدؓ نے جواب دیا "اپنے مال سے" یہ جواب سن کر سیدنا ابو عبیدہؓ نے ان کو کھول دیا اور اپنے ہاتھ سے کلاہ سر پر رکھی اور اپنے ہاتھ سے ان کا عمامہ باندھا اور فرمایا:

"ہم اپنے والی اور خلفاء کے احکام کو سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اور اپنے ہم جد لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں"۔

Marfat.com

یہ سب کچھ ہو گیا لیکن امین الامت سیدنا ابو عبیدہؓ نے انہیں معزولی کی اطلاع دینا مناسب نہ سمجھا۔ سیدنا عمرؓ نے اپنی فراست اور بصیرت سے سمجھ لیا کہ سیدنا خالدؓ کو معزولی کی اطلاع نہیں دی گئی۔ تب آپ نے براہِ راست انہیں مدینہ چلے آنے کے لئے لکھا۔ سیدنا خالدؓ کو اپنی معزولی اور مدینہ پہنچنے کا حکم ملا۔ آپ پہلے تو قنسرین تشریف لے گئے۔ وہاں جلسہ عام میں ایک خطبہ دیا اور سب کو الوداع کہا۔ اس کے بعد حمص تشریف لائے اور وہاں بھی جلسہ عام میں خطبہ پڑھ کر سب کو رخصت کیا اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"میں نے آپ کا شکوہ مسلمانوں سے کیا۔ خدا! آپ میرے معاملہ میں اچھا سلوک کرنے والے نہیں ہیں"

سیدنا عمرؓ نے کہا:

"یا خالد! واللہ انك علی الکرامۃ و انك الی الحبیب"

اے خالد! خدا تم مجھے بہت ہی عزیز اور محبوب ہو

اور تمام امصار و بلاد کے مسلمانوں اور گورنروں کو ایک سرکلر بھیجا جس میں لکھا:

"میں نے خالد کو ناراضی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا لیکن لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت زیادہ ہو گئی تھی اور وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے (یعنی یہ کہ ساری فتوحات خالدؓ کی وجہ سے ہیں) مجھے اندیشہ ہو گیا تھا کہ انہی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اس لئے میں نے پسند کیا کہ وہ جان لیں کہ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں" (ان یعلموا ان اللہ هو الصانع ولا یکونوا لعرض فتنة)

اس کے بعد بیس ہزار کی رقم جو سیدنا خالدؓ سے لے کر بیت المال میں داخل کی تھی وہ ان کو واپس کر دی۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ نے اگرچہ بار بار اصرار فرمایا کہ وہ کوئی عہدہ ولایت یا افواج کی سپہ سالاری قبول فرمالیں لیکن وہ انکار کرتے رہے اور کسی عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔ اور عزلت و یکسوئی کی حالت میں بقیہ عمر گزاری اور ۲۱ھ میں بمقام حمص یا مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

ملاحظہ فرمائیں کہ سیدنا عمرؓ نے جہاں سیدنا خالدؓ کی عظیم الشان فتوحات اور نمایاں کارنامے ملاحظہ فرمائے۔ ان کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی احساس ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں ان کی عظمت و عزت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ ان تمام فتوحات اور اسلام کی بُرعت تمام

Marfat.com

ترقیات کو سیدنا خالدؓ کی جد وجہد ان کی تدبیر و فراست شجاعت وبسالت کا نتیجہ سمجھنے لگے ہیں۔ جس سے آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ عوام اور بالخصوص نو مسلم افراد اور اسی طرح قرونِ مابعد میں کہیں عقیدوں میں خلجان واقع نہ ہو جائے۔ سیدنا عمرؓ کی شانِ فاروقی نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ امت مسلمہ اعتماد علیٰ غیر اللہ اور ترک توکل میں مبتلا ہو کر تدبیر ہی کو مایہ اعتماد بنالے، یا سیدنا خالدؓ ہی میں کسی قسم کا حظِ نفس اور حبِ جاہ پیدا ہو جائے اس لئے معالجہ کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی۔ جہاں سیدنا خالدؓ کو بر سر عام مجرمانہ حیثیت سے جواب طلب کرنے میں شوکت نفس کو توڑنا تھا ایسے ہی ان کے عزل کو ظاہر کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کی روک تھام تھی جن کے دلوں میں سیدنا خالدؓ کی عظمت اس قدر تھی کہ کہیں ان کے مقابلہ پر احکامِ فاروقی میں کلام نہ ہونے لگتا۔

سیدنا عمرؓ خلیفہ راشد تھے۔ اور خلیفہ راشد میں سلطنت و حکومت کی جہت غالب ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ مشکوٰۃ نبوت سے بھی مقتبس اور مستنیر ہوتا ہے اس لئے احکام و اختیارات ایک حیثیت سے اگر بالکل سلاطین کے احکام واختیارات جیسے ہوتے ہیں تو دوسری حیثیت سے وہ اپنے اندر احکام نبوت کی جھلک بھی لئے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے خلفاء راشدین کا اتباع گو اس درجہ کا فرض و لازمی نہیں ہے جیسا کہ احکام انبیاء کا، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی سنت و طریقہ کو سنت انبیاء کے مماثل اور مشابہ بنا دیا گیا ہے اور ان کے اتباع کو ایک درجہ میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔ خلفائے راشدین کے حالات میں آپ کو کئی مثالیں ایسی ملیں گی کہ خلیفہ کا حکم یا طرزِ عمل سیاسی پہلو سے علیحدہ ہو کر اصلاح مفاد اور تہذیب اخلاق وملکات تصفیہ باطن اور تزکیہ خواطر پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل انصاریؓ نوجوان، خوش رو، خوش خو، خوش لباس، کشادہ دل اور نہایت سخی تھے۔ وہ اپنی قوم کے بہترین نوجوانوں میں سے تھے۔ سخاوت اور کشادہ دلی کا یہ حال تھا کہ کسی شے کو رکھنا اور جمع کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ ایسے سخی اور کریم النفس کی آمدنی اگرچہ فی حد ذاتہ زیادہ بھی ہو پھر بھی کہاں تک خرچ کا ساتھ نبھا سکتی ہے۔ آخر قرض لے کر خرچ کرنا شروع کیا اور اس قدر قرض میں دب گئے کہ تمام اموال منقولہ وغیر منقولہ قرض کے احاطہ میں آگئے۔

جب آمدنی کی کوئی صورت نہ رہی اور قرض خواہوں نے مطالبہ شروع کر دیا تو سیدنا معاذ بن جبلؓ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بدیں غرض حاضر ہوئے کہ

Marfat.com

آپ کے ایماء پر قرض خواہ کچھ نہ کچھ مسامحت کریں گے' لیکن قرض خواہوں نے کچھ بھی چھوڑنا گوارا نہ کیا تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ کا تمام مال فروخت کر کے قرض ادا فرمادیا۔ قرض تو ادا ہو گیا لیکن سیدنا معاذؓ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے اور کوئی شے ان کے پاس باقی نہ رہی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس ناداری اور قلاشی کی فکر تھی۔

فتح مکہ کے سال آپ نے یمن کے کسی حصہ پر انہیں گورنر اور قاضی مقرر فرما کر بھیجا تا کہ ان کی حالت کسی قدر درست ہو جائے اور انہیں جو مالی نقصان پہنچا ہے اس کی کچھ تلافی اس آمدنی سے ہو جائے۔ سیدنا معاذ بن جبلؓ ادھر تو امیر یمن تھے ادھر وہاں کچھ تجارت کی سلسلہ جنبانی کر دی اور اس طرح مال کی کچھ مقدار اس کے پاس جمع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ یہ سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ آپ معاذؓ کے پاس اتنا چھوڑ کر جس سے وہ اپنی زندگی بسر کر سکیں' باقی سب مال اور سامان بیت المال میں داخل فرمادیں۔ سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے ان کو یمن بھیجا تھا تا کہ ان کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ ایسی حالت میں میں ان سے خود یہ مال نہ لوں گا۔ ہاں اگر وہ خود داخل کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

سیدنا عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ سیدنا ابو بکرؓ ان کی بات کو قبول نہیں کر رہے ہے تو وہ خود سیدنا معاذ بن جبلؓ کے پاس پہنچے اور یہ درخواست کی کہ تم اپنے اس مال کو بیت المال میں داخل کر دو۔ سیدنا معاذؓ نے جواب دیا کہ میں یمن بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ اپنے نقصان کی تلافی کروں' لہٰذا میں اپنے مال میں سے کچھ بھی نہیں دوں گا۔ سیدنا عمرؓ، سیدنا معاذؓ کا یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے' لیکن کچھ عرصہ کے سیدنا معاذؓ آپ سے ملے اور کہا کہ بھائی میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی کے گرداب میں غوطے کھا رہا ہوں۔ ڈوبنے کے بالکل قریب ہوں اور تمہاری وجہ سے مجھے نجات ملی ہے۔ اس کے بعد سیدنا معاذؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا مال ان کے سامنے پیش کر دیا اور کہا کہ میں نے اس میں سے کچھ بھی چھپا کر نہیں رکھا۔ سیدنا ابو بکرؓ نے حلفاً فرمایا کہ میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا۔ میں یہ سارا مال اپنی طرف سے تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ سیدنا عمرؓ وہاں موجود تھے فرمایا: "معاذ! اب اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔"

سیدنا معاذ بن جبلؓ نہایت ہی جلیل القدر اصحاب رسول ﷺ میں سے ہیں۔ ان کی

Marfat.com

فضیلت ومنقبت کااندازہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے اس ارشاد "یاتی امام العلماء بربوۃ" سے کیا جا سکتا ہے یعنی معاذ بن جبلؓ قیامت کے دن علماء کے آگے ہوں گے۔ اور اونچے مقام پر ہوں گے۔ ایسے جلیل القدر صحابی سے یہ ممکن تھا کہ وہ بیت المال میں سے کسی قسم کی خیانت اور بے احتیاطی کرتے یا رعایا کو ستا کر اپنا خزانہ پر کرتے۔ بطور روزینہ کے جو کچھ بیت المال سے لیا وہ جائز تھا۔ بیت المال کے مال میں سے تجارت کر کے نفع حاصل کیا تو وہ بھی سرکارِ دوعالم ﷺ کی اجازت سے تھا۔ آپ نے ان کو یمن بھیجا بھی اسی لیے تھا کہ وہاں اس نقصان کی تلافی ہو جائے جو تمام اموال منقولہ وغیر منقولہ کی فروخت سے پہنچ چکا تھا۔ ایسی حالت میں سیدنا عمرؓ کا پہلے سیدنا ابو بکرؓ سے اور پھر خود سیدنا معاذ بن جبلؓ سے اموال مکسوبہ یمن کو واپس کر دینے کے لئے اصرار کرنا اس بناء پر تو ہو نہیں سکتا کہ ان کی طرف کسی قسم کی سوءِ ظنی تھی یا اس طریقہ کسب کو جائز اور مال مکسوبہ کو حرام و مشتبہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اصل بات یہ تھی کہ سیدنا معاذؓ جیسے پاک باز، بے لوث اور زاہد عن الدنیا کے لئے آپ اس کو پسند نہ فرماتے تھے کہ دنیا یا متاعِ دنیا کی طرف کچھ بھی توجہ کریں یا ان کے دل میں دولت و ثروت کی کچھ قدر و منزلت ہو۔ غرض ان کے دل کو حب دنیا سے پاک رکھنا اور اس تلوث سے دور کرنا تھا۔ جو ممکن ہے کہ صوبہ یمن کی گورنری کے جلیل القدر منصب یا تحصیل مال سے ہو گیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب تک سیدنا معاذؓ کی طبیعت میں اس مال کی طرف کچھ بھی میلان رہا، آپ کی طرف سے اس کی واپسی پر اصرار رہا اور جس وقت وہ میلان یا تعلق ختم ہو کر مال واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے اور سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں سب کچھ حاضر کر دیا اور آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، تب سیدنا عمرؓ نے بھی یہی فرمایا کہ اب اس کے رکھنے میں کچھ حرج نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ پہلے ان کو رکھنا حرام و ناجائز تھا اور اب حلال ہو گیا۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو کسی سخت ضرورت کے بغیر مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ دنیا کے سرسبز و شاداب ممالک وہاں کے سامان عیش و طرب، آسائش و راحت و تلذذ و تنعم کو دیکھنے اور ان سے حد جواز میں استمتاع اور انتفاع کو پسند نہ فرماتے تھے۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں "لا یرون الدنیا ولا تراھم" یعنی نہ یہ دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا اِن کو دیکھے۔ سیدنا عمرؓ کا یہ تشدد جس کو غالباً ایک سطحی نظر والا جابرانہ حکم سے تعبیر کر سکتا ہے، بظاہر قواعد شرعیہ اور

Marfat.com

اصول اسلامیہ میں داخل نہ تھا۔ نہ سیاحت کے لئے سفر کی ممانعت ہے اور نہ تجارت اور طلب رزق کے لئے لیکن اس کا مقصد اور مبنیٰ بھی وہی تزکیہ اور تطہیر تعلقاتِ دنیا اور متاعِ دنیا تھا۔ آپ کو اس کی فکر لگی ہوئی تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی برکت سے قلب و نظر کا تزکیہ تام ہو چکا ہے اور دنیا کی حقیقت ان کے قلب میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں رہی وہ اس دنیا سے اسی حالت میں تشریف لے جائیں کہ اس دنیا کی سرسبزی اور شادابی انہیں اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔

یہ اور اس قسم کے احکام انبیاء علیھم السلام کی بعثت کا اصل مقصود ہیں، اور یہ ان کے خاص فرائض منصبی میں داخل ہیں۔ انبیاء علیھم السلام جہاں ایک طرف اوامر و نواہی کی تعلیم دیتے ہیں دوسری جانب وہ دنیا و ما فیھا کی نفرت ذہن نشین کر کے قلوب کا تزکیہ اور تصفیہ فرماتے ہیں۔ خلفائے راشدین کو بھی انبیاء علیھم السلام کے دونوں قسم کے احکام و اختیارات سے حصہ ملا ہے اور اختیارات سلطنت کے ساتھ آثار نبوت بھی اپنے اندر لئے ہوتے ہیں تو

"سیدنا عمرؓ جو خلفاء میں ایک خاص درجہ رکھتے تھے بلکہ یوں کہہ دیا جائے کہ خلافتِ راشدہ اپنی دونوں جانبوں کے اختیارات اور لوازمِ سلطنت اور آثار و برکاتِ نبوت سے پوری قوت کے ساتھ آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہوئی۔ اگرچہ درجہ اور مرتبہ سیدنا ابو بکرؓ کا آپ سے ہر معاملہ میں بڑھا ہوا ہے اور خلافت کے اصول اور امصار و بلاد کی فتوحات کے قواعد ترتیب جیوش، تنظیم عساکر سب کی بنیاد آپ ہی کے ہاتھوں پڑی۔ ملک عرب کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک اور صاف کرنا آپ ہی کے ہاتھوں ہوا۔ اس مشکل وقت میں آپ نے انبیاء علیھم السلام کی سی استقامت و صبر، سلاطین و قاہرین کی سی قوت و شوکت کا ثبوت دیا۔ اور وہ سب کچھ کیا جس کے کرنے بلکہ سمجھنے سے بھی جلیل القدر صحابہ کرامؓ قاصر تھے، لیکن بایں ہمہ آپ کے دورِ خلافت کو شاہراہِ نبوت کا تتمہ سمجھنا چاہئے۔ آپ میں آثار نبوت کا غلبہ تھا۔ تنظیم بلاد و امصار وغیرہ امور سے آپ کو فطرتاً زیادہ مناسبت نہ تھی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ اس داعیہ خیر کی وجہ سے کیا جو

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے روشن اور پاکیزہ قلب میں پیدا کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے تمام اہم اور عظیم الشان امور سر انجام دیئے۔ اور اسی زُہد اور عدم رغبت فی الدنیا کی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی خلافت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا "و فی نزعه ضعف"۔اور سیدنا عمرؓ میں ایک جانب شان محدثیت کا امتیازی درجہ موجود تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مشکوۃ نبوت اور انوار و کمالات کے اقتباسات حاصل تھے اور دوسری جانب انتظامی شان ایسے اعلیٰ پیمانے پر حاصل تھی کہ بارگاہِ نبوت سے "واشدهم فی امر الله" کا گراں مایہ خطاب آپ کو ملا۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ میں خلافت خلفائے راشدین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرمایا کہ "میں نے کسی قوی جوان کو عمرؓ کی طرح اپنا کام اس قوت سے کرتے نہیں دیکھا"۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا خالدؓ کو ایک ایسے وقت میں سپہ سالاری کے منصب جلیلہ سے معزول کیا جب مسلمان فوجیں دنیا کی ایک بہت بڑی سلطنت سے برسرپیکار تھیں، اور معزولی کی وجہ یہ تھی کہ کہیں نو مسلم حضرات یا آنے والی نسلیں یہ نہ سمجھ لیں کہ اسلام کی ساری فتوحات خالدؓ کی وجہ سے ہیں۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے ظاہر بین لوگوں کو یہ بتایا کہ انہوں نے اشعث بن قیس کو گراں قدر رقم دی ہے۔ سیدنا عمرؓ یہ بھی سمجھتے تھے کہ خالدؓ کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ اس کا فعل قابلِ اقتداء اور تقلید ہے۔ انہوں نے آج اگر اپنی گرہ سے ایک شاعر کو ہزاروں دے دیئے تو آنے والے امراء و سلاطین لاکھوں کروڑوں دیں گے اور خالدؓ کے اس فعل کو حجت گردانیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے سیدنا خالدؓ کے عزل میں کوئی پس و پیش نہ کیا اور اس کے ردّ عمل کی کچھ پروانہ کی کہ عساکر اسلامیہ کو ان کی علیحدگی سے کسی قسم کا نقصان پہنچے۔ یہ تھی سیدنا عمرؓ کی صلابت دینی 'سیاسی بصیرت اور توکل علی اللہ کا جذبہ کہ ایک قابلِ تاویل امر میں بھی مسالمت اور رواداری کو جائز نہ رکھا جس کی وجہ سے خیالات میں تغیر اور افعال و اعمال کو نقصان پہنچے اور امت کسی گمراہی میں مبتلا ہو۔

یہ وقت سب سے زیادہ سیدنا خالدؓ کے لئے پر خطر تھا۔ کیسا ہی کوئی مخلص و ہمدرد ہو

Marfat.com

اور کتنا ہی کوئی دانش مند اور ہوش مند ہو، اپنی عزت نفس کے لئے وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرتا ہے اور عزت کے بعد ذلت اور بلندی کے بعد تنزل کو وہ کبھی پسند نہیں کرتا، خصوصاً جب کہ ایک شخص اپنے آپ کو بالکل بے لوث سمجھتا ہوں اور وہ اور تمام دنیا جانتی ہو کہ اس نے اسلام کی تائید اور مسلمانوں کی نصرت کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہو، اور پھر اس کو مسلمانوں کے خلوص واعتماد سے یہ بھی خیال ہو کہ اگر میں نے زبان سے ایک حرف بھی نکالا یا کوئی ایسی حرکت کی تو سینکڑوں کیا ہزاروں زبانیں میری تائید میں جنبش کرنے لگیں گی۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی۔ جب سیدنا عمرؓ نے شام کے سفر میں مجمع عام کے سامنے سیدنا خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی تو ایک شخص نے مجمع عام میں سے اٹھ کر یہ کہا:

والله ما عدلت يا عمر! لقد نزعت عاملاً استعمله رسول الله صلى الله عليه وسلم و غمدت سيفاً سله رسول الله صلى الله عليه وسلم' ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن العم

(اسد الغابہ ترجمہ احمد بن حفص المخزومی)

خدا کی قسم، اے عمرؓ تو نے عدل وانصاف سے کام نہیں لیا' تو نے رسول اللہ ﷺ کے عامل کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔ تو نے رسول اللہ ﷺ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطعِ رحمی کی اور اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

سیدنا عمرؓ نے یہ سن کر صرف یہ کہا ''تمہیں اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا''۔

یہ تو سیدنا خالد بن ولیدؓ کا معاملہ ہے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ جاہلیت میں ان کا باپ ریشم و کمخواب کی قبا زیب تن کیا کرتا تھا۔ سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ قریش کے لوگوں نے آپ کے گھر کو گھیرا ہوا تھا کہ اتنے میں عاص بن وائل آ گئے اور ان کے ایک جملہ نے ان سب کو ٹھنڈا کر دیا کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ اتنے جاہ و جلال والے باپ کا بیٹا لیکن صولت فاروقی کے سامنے لرزہ آتا تھا۔ چنانچہ آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو بے وجہ مارا۔ سیدنا عمرؓ نے عمرو بن عاصؓ کی موجودگی میں ان کے بیٹے کو کوڑے لگوائے اور باپ بیٹا دونوں خاموش یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ عیاض بن غنمؓ، سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران اور دوسرے بڑے بڑے مشاہیر آپ کی صورت اور دبدبہ سے دم بخود تھے۔

Marfat.com

سیدنا عمرو بن العاصؓ کے بارہ میں بعض کتابوں میں ایک روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ سے خراج مصر کے بارہ میں باز پُرس کی۔ اس کے جواب میں سیدنا عمرو بن العاصؓ نے امیر المؤمنینؓ کو خط لکھا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے امیر المؤمنینؓ کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا:

"اما بعد! خراج کی تاخیر کے سلسلے میں امیر المؤمنینؓ کا مکتوب گرامی نظر نواز ہوا۔ آپ کا خیال ہے کہ میں حق کی راہ سے ہٹ گیا ہوں' لیکن بخدا! وہ بات نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں نے نیکی کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ زمینداروں نے مجھ سے کٹائی تک کی مہلت چاہی ہے۔ میں نے سوچا تو لطف و مہربانی کو ظلم و زیادتی سے بہتر پایا۔ اگر میں ان کی یہ درخواست منظور نہ کرتا تو انہیں اپنی ضرورت کی اشیاء فروخت کر کے خراج ادا کرنا پڑتا"۔

(فتوح مصر ابن عبد الحکم ص ۱۶۰۔۱۶۱' مقریزی جلد ص ۳۳۰ حسن المحاضرۃ جلد ا ص ۸۹)

یہ خط اور اس قسم کے دوسرے کئی خطوط کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ یہ خط جعلی ہیں' کیونکہ سیدنا عمرؓ جیسے باجبروت حاکم اور ان کے ایک عامل کے درمیان' جو اپنے فتح کیے ہوئے ملک کی حکومت چلا رہا ہو' اس قسم کی خط و کتابت کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک طرف سیدنا عمرو بن عاصؓ کو یہ اصرار تھا کہ وہ فصل کی کٹائی سے پہلے خراج وصول کر کے اہل مصر کو تنگ نہیں کریں گے۔ ان پر خراج کا اتنا بوجھ نہیں ڈالیں گے جس سے انہیں تکلیف ہو اور جس کی ادائیگی کے لیے انہیں اپنی ضرورت کی چیزیں اور اوزار فروخت کرنے پڑیں۔ ان کی رائے یہ تھی کہ اگر مصر کے باشندوں سے لطف و مہربانی کا سلوک کیا جائے تو وہ حکومت کے ہر مطالبے کو بغیر کسی شکایت اور ناراضی کے خوشی خوشی پورا کریں گے۔ اور دوسری طرف سیدنا عمرؓ کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مصر سے جو خراج وصول کیا جا رہا ہے۔ وہ رومیوں اور فرعونوں کے زمانے سے بہت کم ہے۔ اس لیے وہ ابن عاصؓ کی دلیلوں کو ٹال مٹول اور حیلوں بہانوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

آخر کار سیدنا عمرؓ اس مراسلت سے تنگ آ گئے اور آپ نے محسوس کیا کہ اگر انہوں نے اس سلسلے میں اپنی مشہور سخت گیر پالیسی سے کام نہ لیا اور ان کے اور سیدنا عمرو بن عاصؓ

Marfat.com

کے درمیان معاملہ اس قدر نازک ہو جائے گا کہ بہت ممکن ہے کہ اس کے نتائج و ثمرات ناخوشگوار ثابت ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمرو بن عاصؓ پر صریح الزام لگا کر اس دولت کے بارہ میں تحقیقات کا حکم دے دیا جو سیدنا عمرو بن عاصؓ نے مصر کی ولایت کے دوران کمائی تھی۔ اور سیدنا عمرو بن عاصؓ کو خط لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اب ایسے سامان' غلام' ظروف' اور جانور ہیں جو اس وقت نہ تھے جب میں نے تمہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا"۔ سیدنا عمرو بن عاص نے اس کا یہ جواب دیا: "کہ ہماری زمین' زراعت' اور تجارت کی زمین ہے اور اس سے ہمیں اتنی آمدنی ہوتی ہے جو ہمارے مصارف سے زائدہ ہوتی ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے جواب میں انہیں لکھا کہ "مجھے برے عمال کا کافی تجربہ ہو چکا ہے' اور تمہارا جو خط آیا ہے وہ ایسے شخص کا خط معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بے چین کر دیا ہو۔ میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں' اور محمد بن مسلمہؓ کو مال کی تقسیم کرنے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں' تم اس سے اپنا راز کہہ دو۔ جو کچھ وہ مانگیں' انہیں دے دو۔ اور انہیں اپنے اوپر سختی کرنے سے معاف رکھو کیونکہ بات کھل چکی ہے"۔

(فتوح البلدان ص ۲۲۱' انساب الاشراف جلد ۹ ص ۶۱۴)

ابن ابی الحدید وغیرہ میں یہ خط ان الفاظ میں منقول ہے:

"مجھے اپنے افسانوں اور بے تکی باتوں سے معاف رکھو۔ تمہارا خود کو دیانت دار ظاہر کرنا بے سود ہے۔ میں محمد بن مسلمہؓ کو بھیج رہا ہوں۔ ان کو اپنی آدھی دولت دے دو۔ گورنرو! تم دولت کے چشموں پر بیٹھ گئے ہو اور (جب گرفت کی جاتی ہے تو) بہانے بناتے ہو۔ اپنی اولاد کے لئے دولت جمع کرتے ہو' بلاشبہ تم سامان رسوائی جمع کر رہے ہو۔ اور آتش جنہم کا لقمہ بنو گے۔ والسلام"۔

(العقد الفرید جلد ۲ ص ۷۴' شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۱۰۴)

محمد بن مسلمہؓ مصر پہنچے اور عمرو بن عاصؓ کا مال تقسیم کیا۔ عمرو بن عاصؓ نے ان سے کہا: ابن حنتمہ (فاروق اعظمؓ) نے ہم سے جس زمانے میں یہ برتاؤ کیا ہے وہ یقیناً برا زمانہ ہے۔ عاص (سیدنا عمروؓ کے والد) ریشم پہنتے تھے جس کے حاشیے دیبا اور حریر کے ہوتے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا خاموش! اگر یہ ابن حنتمہؓ کا زمانہ نہ ہوتا جس سے تم نفرت اور کراہت کرتے ہو تو تم اپنے گھر کی انگنائی میں اس حال میں پائے جاتے کہ بکری کی ٹانگیں

Marfat.com

تمہاری ٹانگوں میں ہوتیں۔ اس کے دودھ کی کثرت تمہیں خوش اور قلت تمہیں ناخوش کرتی۔ عمرو بن عاصؓ نے کہا "خدا کے لئے یہ بات عمرؓ سے ہرگز نہ کہنا۔ مجالس کی گفتگو کے لئے امانت ضروری ہے"۔ سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا: "جو باتیں مجھ میں اور تم میں ہوئی ہیں، عمرؓ سے جیتے جی نہیں کہوں گا"۔ (بلاذری)

فاروق اعظمؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کی یہ مراسلت سیدنا عمرؓ اور سیدنا خالدؓ کے واقعہ کی طرح اس بات کا ثبوت ہے کہ صدر اول کے ان مسلمانوں کو کتنی آزادی حاصل تھی اور وہ خودداری اور عزت نفس کا جس میں، جھوٹے پندار کا مطلق دخل نہ تھا، کس قدر لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے دلوں میں تنظیم کا احترام تھا، اور اللہ تعالیٰ اور اسلام نے خلیفہ وقت کو جو حقوق عطا فرمائے تھے انہیں وہ کسی حال میں نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، لیکن نظم کا احترام کرنے اور خلیفۃ المسلمین کا حق پہچاننے کے ساتھ ہی ساتھ انہیں اپنی عزت و آزادی کا بھی پاس تھا۔ اور وہ اس حقیقت کو فراموش نہ کرتے تھے کہ ان کے اور خلیفۃ المسلمین کے درمیان برابر کا رشتہ تھا۔ گو سیدنا فاروق اعظمؓ انتہائی خلوص نیت سے اس نظم کا احترام فرماتے تھے، لیکن انہوں نے کسی ایسے گورنر کو معزول کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہ لیا جو ان کے دل سے شبہات دور نہ کر سکا۔ جب کسی شخص کے خلاف خلیفہ کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا تھا تو اسکے خلاف انکوائری اور احتساب کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ اور یہ محسوس ہونے پر کہ اس نے زیادتی کی گئی ہے، صرف اس سے معذرت طلب ہونا ہی نہیں بلکہ بر سر عام اس کی بریت کرنا بھی اس کا ایک جائز حق سمجھتا تھا۔ اور اگر کسی شبہ کے بغیر کسی گورنر کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جاتا تو خلیفہ اس کی معزولی کے سبب کا باقاعدہ اعلان کرتا تھا تاکہ اس کے خلاف عوام کے دلوں میں شبہات کی آبیاری نہ ہوتی رہے۔ یہی وہ خوبی تھی جس نے مسلمانوں کے لئے دنیا میں ایک ایسی تہذیب کی داغ بیل ڈالنے کے مواقع فراہم کئے جو مدتوں انسانیت کی راہنمائی کرتی رہی۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ کو سیدنا عمرؓ نے اپنی زندگی میں معزول تو نہ کیا۔ بعض معزول نہ کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چند ہی روز کے بعد سیدنا عمرؓ شہید ہو گئے تھے، لیکن سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سیدنا عمروؓ کو معزول کر کے سیدنا سعد بن ابی سرحؓ کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا دیا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ جن وجوہات کی بناء پر معزول ہوئے وہ مؤرخین کے نزدیک مختلف فیہ ہیں۔ لیکن اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسلامی حکومت مصر کی فتح کے لئے سیدنا

عمرو بن عاصؓ کی احسان مند ہے۔ اور صرف فتح مصر ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے بھی کہ انہوں نے بڑی خوبی سے مصر کی سیاست مرتب کی اور نہایت دانش مندی سے اس کے باشندوں کا دل اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ ایسا احسان ہے کہ اگر لوگوں کی یہ بات درست مان بھی لی جائے کہ انہوں نے مصر کو ذاتی مفاد کے لئے استعمال کیا تو بھی یہ اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ جو باتیں مؤرخین نے سیدنا عمرو بن عاصؓ سے منسوب کی ہیں، ہم ان میں کوئی پہلو ایسا نہیں پاتے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ انہوں نے ذاتی اغراض کے لئے کوئی ایسا قدم اٹھایا جو ان کے حق اور ان کے جلیل القدر کارناموں کی اہمیت سے انکار کو جائز قرار دے۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ کوئی معمولی انسان نہ تھے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زیرک اور جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ وہ ایسی باتیں نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی سیدنا عمر بن خطابؓ کے بارہ میں ایسے الفاظ کہہ سکتے تھے۔ یہ درست ہے کہ ان کے والد عاصؓ جاہلیت میں ایک بڑے آدمی تھے اور دیباو حریر کا لباس پہنتے تھے جو ان کے بڑے ہونے کی علامت تھی، لیکن سیدنا عمرو بن عاصؓ اپنے باپ کی جاہلیت کی ان باتوں پر فخر نہیں کر سکتے تھے؟ کتابوں میں ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ قبولِ اسلام سے قبل اگرچہ انہوں نے اسلام کے خلاف بہت کچھ کہا اور کیا، لیکن جب ان کا دل اسلام کے لئے کھلا تو اپنے دورِ جہالت کو یاد کر کے افسوس کرتے تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے حاضر ہوئے، لیکن بیعت کرنے سے پہلے یہ عرض کیا کہ ان کے ماضی کے گناہ معاف کروا دیئے جائیں۔ یہ فکر آخرت کی ایک بہترین مثال ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس موقع پر آپ سے ارشاد فرمایا: "قبولِ اسلام اور اللہ کی راہ میں ہجرت پچھلے تمام گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتے ہیں"۔ آپ عرب کے بہادر ترین اور زیرک ترین لوگوں میں سے تھے۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو اللہ سے دعا مانگی:

"اے اللہ تو نے حکم دیئے جن پر پورا نہ اتر سکا۔ تو نے منع کیا جس سے میں پوری طرح نہ رک سکا، یا اللہ! کوئی قوت نہیں ہے محض تیری مدد درکار ہے میں گناہوں سے پاک نہیں ہوں، لیکن تیرے سامنے معذرت پیش کرتا ہوں۔ میں تیری مغفرت کا طلب گار ہوں، کوئی بڑائی اور تکبر میرے دل میں نہیں ہے"۔ یہی الفاظ دہراتے رہے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ انکساری اور خشیت اور اپنی غلطیوں کا اعتراف وہی شخص اللہ کے سامنے پیش کر سکتا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قریبی اور گہرا ہو۔

Marfat.com

بعض روایات میں ہے کہ وہ خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ کے سامنے اسلام لانے کے لئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے خوش ہو کر صحابہ اکرامؓ سے فرمایا "لو مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے پھینک دیئے"۔ حضور علیہ السلام کا یہ جملہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کی طرح ان کی بھی بڑی قدر کی۔ آپ نے انہیں عمان میں معلم اور محصل زکوٰۃ مقرر فرمایا۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے میدانِ جہاد میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ بعض اوقات بڑے دور رس فیصلے صادر کیے۔ جنگِ اجنادین میں رومی فوجیں شکست کھا کر بھاگیں تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ ایک پل پر سے رومی فوجیں دریا کے پار اتر گئیں۔ پل اتنا تنگ تھا کہ اس پر سے صرف ایک شخص گزر سکتا تھا۔ رومیوں نے بڑھتی ہوئی مسلمان فوجوں کو پل کے کنارے روک لیا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کے بھائی ہشام بن عاصؓ سب سے آگے تھے وہ رومیوں کے ہاتھوں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان کی شہادت کے بعد پل پر سے گزرنا ممکن نہ رہا۔ مسلمان رک گئے۔ اس نازک موقع پر سیدنا عمرو بن عاصؓ نے فرمایا "اے لوگو! ہشام کو اللہ تعالیٰ نے شہادت عطا فرما دی اور اس کی روح اللہ تعالیٰ کے ہاں جا چکی ہے۔ یہ جسم گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچلا جائے، لیکن اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے خود اپنے گھوڑے پر سوار اس راستہ سے گزرے اور ان کے پیچھے مسلمان افواج سیدنا ہشام بن عاصؓ کی لاش کے اوپر سے گزرتی رہیں، رومی فوجوں کو شکست دینے کے بعد جب وہ واپس پلٹے تو اپنے بھائی ہشام بن عاصؓ کے جسم کے ٹکڑے اور ہڈیاں اکٹھی کیں۔ پھر انہیں ایک بساط میں لپیٹا اور دفن کر دیا۔ اتنا بڑا کام کوئی معمولی شخص نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، سیدنا عمرو بن عاصؓ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ "وہ صالحین قریش میں سے تھے"

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا کہ "بہترین گھرانہ ابو عبد اللہ کا گھرانہ ہے، جس میں ابو عبد اللہ، ام عبد اللہ اور عبد اللہ رہتے ہیں"۔ ان کے علاوہ ان کے اور بھی کئی فضائل احادیث میں منقول ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ فتح مصر کا منصوبہ انہوں نے خود بنایا تھا مصر فتح کر کے

Marfat.com

۲۲ھ میں انہوں نے شمالی افریقہ کے بحر روم سے متصل علاقہ پر دو مشہور بندر گاہ برقہ اور طرابلس فتح کیں۔ (کتاب الولاۃ والقضاۃ کندی ص ۱۰) مصر کے لوگوں میں وہ بہت مقبول تھے۔ زمینداروں اور کاشتکاروں سے ان کا معاملہ بڑا نرم تھا۔ زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کی بہبودی ان کے پیشِ نظر تھی۔ ان کی رواداری کی ایک مثال یہ ہے کہ جب بابلیون اور اسکندریہ کے عظیم اور متمول شہر کئی ماہ کے پُر مشقت اور خون ریز محاصرہ کے بعد فتح ہوئے تو انہوں نے نہ تو کسی کو قتل کیا نہ غلام بنایا بلکہ معاف کر دیا (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۸) اسکندریہ کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے اس زمانہ کا ایک مصری پادری لکھتا ہے "عمرو بن عاصؓ نے معاہدہ کے مطابق جزیہ وصول کیا' گرجا گھروں کی کسی شے کو ہاتھ نہیں لگایا' نہ لوٹ مار کی نہ کسی کا مال و دولت غصب کیا بلکہ انہوں نے اپنی گورنری کے تمام ایام میں مقامی باشندوں کی حفاظت کی اور ان کو ظلم و تشدد سے اپنی امان میں رکھا"۔

(تاریخ مصر' اسٹینلے لین پول ۱۹۲۴ء ص ۱۲)

سیدنا عمرو بن عاصؓ کے بارہ میں جو ہم نے یہ طویل واقعات لکھے ہیں' ان سے ہمارا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کی بھی مفتوحہ علاقوں کے بارہ میں یہی پالیسی تھی۔ پھر مؤرخین نے ان خطوط کا یہ جو تبادلہ درج کیا ہے' ایک جعلی کام معلوم ہوتا ہے۔ نہ سیدنا عمرؓ انہیں اس طرح لکھ سکتے تھے اور نہ ہی سیدنا عمرو بن عاصؓ ان کے خطوط کا اس طرح جواب دے سکتے تھے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا خالدؓ، سیدنا عمرو بن عاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر بڑے جرنیلوں اور گورنروں کو صولت فاروقی کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

ہرقل روم کی شکست کے اسباب

اس کارگاہ آب و گل میں کوئی کام ایسا نہیں جو کائنات ہستی کے قوانین کا محکوم نہ ہو۔ لیکن ان میں کئی قوانین ایسے ہیں جن کا علم آج تک ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور کائنات کے بہت سے واقعات اور حوادث ایسے ہیں جن کی معرفت ہمیں حاصل نہیں۔ اجتماعی حوادث کے متعلق دو اور دو چار کی طرح کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس سے یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی دور کے مصنفین اور دانشوروں نے اسباب کی تلاش اور ان سے نتائج اخذ کرنے میں تکلف سے کام لیا ہو۔ دقائق کی تلاش میں بحث و نظر کا یہ سلسلہ مسلسل

کئی صدیوں سے یونہی جاری ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ اس انقلاب کا راز کیا ہے جو ہرقل اور اس کی فوجوں میں رونما ہوا، حالانکہ ابھی دس برس بھی نہیں گزرے تھے جب ہرقل نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی تھی اور انہیں مصر و شام کے علاقوں سے مار نکالا تھا۔ کیا ایرانیوں سے چھ سالہ جنگوں نے انہیں تھکا دیا تھا؟ اگرچہ عربوں کی طاقت اپنے نظم اور اپنی تعداد کے لحاظ سے ایران یا روم کی طاقتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یرموک، دمشق، فحل اور دوسرے تمام معرکوں میں رومی تعداد میں عربوں سے دوگنے اور چوگنے تھے، مگر ان کی کثرت تعداد نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور وہ کسی میدان میں بھی مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ بلکہ یرموک کی جنگ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کا یہ قول بالکل سچا ثابت ہوا کہ "فوجیں فتح و نصرت کے لحاظ سے زیادہ اور شکست و ہزیمت کے لحاظ سے کم ہوتی ہیں نہ کہ سپاہیوں کی تعداد کے اعتبار سے"۔

ابھی چند سال پہلے رومیوں اور ایرانیوں کی آپس میں جنگیں ہوئیں جس کی تفصیل مؤرخین نے کچھ یوں بیان کی ہے کہ اس زمانہ میں دنیا میں آج کل کی طرح دو سپر پاورز تھیں۔ ایک ساسانی اور دوسری بازنطینی یا رومی۔ ان دونوں حکومتوں کی سرحدیں عرب کے شمال میں عراق کے دو مشہور دریاؤں دجلہ اور فرات پر آ کر ملتی تھیں۔ یہ دونوں اپنے زمانے کی طاقتور ترین حکومتیں تھیں۔ مشہور مغربی مؤرخ اور دانشور ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) نے اپنی مشہور کتاب (The History of the Decline and Fall of the Roman Empire) کی پانچویں جلد میں اس دور کے واقعات قلم بند کئے ہیں جس کے بارہ میں قرآن حکیم نے پیشن گوئی بھی فرمائی تھی۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کی بعثت سے قبل روم پر جس بادشاہ کی حکومت تھی اس کا نام ماریس (Maurice) تھا۔ ماریس کی نااہلی اور بدانتظامی کی وجہ سے سرکارِ دوعالم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے قبل ۶۰۲ء میں اس کی فوج نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس بغاوت کی قیادت ایک فوجی کمانڈر فوکاس (Phocas) نے کی تھی۔ بغاوت کامیاب ہو گئی اور فوکاس روم کے تخت پر قابض ہو گیا۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے بادشاہ روم ماریس اور اس کے خاندان کو نہایت بےدردی سے قتل کر دیا۔

ماریس نے اپنی ہمسایہ سلطنت ایران کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ اس وقت

Marfat.com

ایران کے تخت پر نوشیرواں کا بیٹا خسرو پرویز بیٹھا ہوا تھا۔ خسرو پرویز کو ۵۹۰۔۵۹۱ء میں اندرونی سازش اور بغاوت کی وجہ سے اپنے ملک سے فرار ہونا پڑا تھا۔ اس زمانہ میں مقتول رومی شہنشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی تھی۔ اور ایران پر دوبارہ قبضہ کرنے کے سلسلہ میں اس کی بہت مدد کی تھی۔ چنانچہ جب خسرو پرویز کو رومی انقلاب کی خبر ملی تو وہ بہت خفا ہوا اور جس سفیر نے اس کو یہ خبر پہنچائی تھی اس کو قید کر دیا اور نئی رومی سلطنت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فوجوں کے ساتھ رومی سلطنت پر حملہ کر دیا اور ۶۰۳ء میں اس کی فوجیں دریائے فرات پار کر کے مختلف شہروں میں داخل ہو گئیں۔ فوکاس ان ایرانی فوجوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ چنانچہ ایرانی فوجوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور انطاکیہ کو فتح کرتے ہوئے یروشلم میں داخل ہو کر اس پر قابض ہو گئیں۔

فوکاس کی ناکامی اور شکست دیکھ کر اعیانِ سلطنت نے افریقی مقبوضات کے رومی گورنر کو خاموش پیغام بھیجا کہ وہ ملک کو بچانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے لڑکے ہرقل کو اس مہم پر روانہ کیا۔ ہرقل سمندر کے راستے فوج کو لے کر افریقہ سے روانہ ہوا اور ساری کارروائی اس قدر خاموشی اور رازداری سے انجام پائی کہ فوکاس کو اس وقت تک خبر نہ ہوئی جب تک اس نے اپنے محل پر سے سمندر میں آتے ہوئے جہازوں کے نشانات نہ دیکھ لئے۔ ہرقل معمولی لڑائی کے بعد دارالسلطنت پر قابض ہو گیا اور فوکاس کو قتل کر دیا گیا۔ ہرقل نے فوکاس کو تو قتل کر دیا لیکن ایرانی فوجوں کے سیلاب کو نہ روک سکا۔ چنانچہ ۶۱۶ء تک رومی دارالسلطنت سے باہر اپنی سلطنت کا تمام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے۔

ایرانی آتش پرست حکومت نے رومی شہروں پر قبضہ کرنے کے بعد عیسائیت کو مٹانے کے لئے شدید ترین مظالم شروع کر دیئے۔ گرجا گھر مسمار کر دیئے گئے اور ایک لاکھ سے زائد عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا۔ ہر جگہ آتش کدے تعمیر کر دیئے گئے اور آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ مقدس صلیب کی اصل لکڑی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیح علیہ السلام نے جان دی تھی، چھین کر مدائن پہنچا دی گئی۔

رومی مقبوضات اور علاقوں کی فتح نے خسرو پرویز شہنشاہ ایران کا دماغ خراب کر دیا اور وہ اپنے آپ کو اب خدا سمجھنے لگا۔ اس بات کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا:

Marfat.com

"سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام۔ تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا"۔

ان حالات نے قیصر روم کو مایوس کر دیا اور اس نے طے کر لیا کہ اب وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر بحری راستہ سے جنوبی افریقہ کی ساحلی قیام گاہ میں چلا جائے جو موجودہ تیونس میں واقع تھی۔ اب اس کے سامنے ملک بچانے کے بجائے اپنی ذات کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ وہ واپس افریقہ جانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ شاہی کشتیاں محل کے خزانوں سے لادی جا چکی تھیں، لیکن عین موقع پر رومی کلیسا کے لاٹ پادری نے اس کو مذہب کا واسطہ دے کر روکنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ وہ اس کو سینٹ صوفیہ کی قربان گاہ پر لے گیا اور اس کو آمادہ کیا کہ وہاں وہ اس بات کا عہد کرے کہ وہ اپنی اس رعایا کے ساتھ جئے گا یا مرے گا جس کے ساتھ خدا نے اسے وابستہ کیا ہے۔ (ایڈورڈ گبن 'زوال سلطنت رومہ جلد ۵ ص ۷۵)

اسی دوران ایرانی جرنیل سین (Sain) نے تجویز کیا کہ ہرقل ایک صلح کا قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کرے۔ اس کو ہرقل اور اس کے مشیروں نے بڑی خوشی کے ساتھ قبول کر لیا، لیکن جب شاہ ایران خسرو پرویز کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا:

"مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔ میں رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے"۔

(The Decline and Fall of the Roman Empire, Vol V P 76)

بہر حال نہایت مجبوری کے ساتھ ہرقل نے ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کے ساتھ شرمناک شرائط (IgnominiousTerms) پر صلح کر لی۔

ہرقل جس کی ہمت پست ہو چکی تھی اور جس کا دماغ اس سے قبل کچھ کام نہیں کرتا تھا، اب اس نے ایک نہایت کامیاب منصوبہ بنایا اور اس نے بڑے عزم و انہماک کے ساتھ جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ بہر حال ۶۲۲ء میں جب ہرقل اپنی فوجیں لے کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ وہ رومن امپائر کا آخری لشکر دیکھ رہے ہیں۔

Marfat.com

ہر قل نے آواریوں (Avars) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور اس کے ساتھ اس نے ایرانیوں پر زبردست حملہ کیا۔ پھر ۶۲۳ء، ۶۲۴ اور ۶۲۵ء میں بحر اسود کے جنوبی ساحل سے تین حملے کیے جن کے نتیجہ میں رومی فوجیں ایرانی قلمرو میں گھس گئیں اور میسوپوٹامیا تک پہنچ گئیں۔ ان حملوں نے ایرانی جارحیت کا زور توڑ دیا اور تمام رومی علاقے ایرانی فوجوں سے خالی ہو گئے۔ اب ہر قل خود ایرانی شہنشاہیت کے قلب پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ چنانچہ آخری فیصلہ کن جنگ دریائے دجلہ کے کنارے نینوا کے مقام پر دسمبر ۶۲۷ء میں لڑی گئی جس میں ایرانی فوجوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ اب خسرو پرویز جو کہ سب سے بڑا خدا بنا ہوا تھا' اور ہر قل کو زنجیروں میں جکڑا ہوا اپنے سامنے کھڑا دیکھنے کا خواہش مند تھا' اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ اپنے محبوب محل "دسگرد" سے بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔ اب اس کے محل میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی اور اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کو گرفتار کر کے ایک تہ خانے میں ڈال دیا جہاں وہ پانچویں دن بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں مر گیا' لیکن شیرویہ بھی صرف آٹھ ماہ تخت شاہی پر رہ سکا۔ پھر شاہی خاندان میں آپس میں تلواریں چلنے لگیں اور چار سال میں نو بادشاہ بدلے گئے۔ آخر خسرو پرویز کے ایک بیٹے قباد ثانی نے رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر ذلت آمیز طریقہ سے صلح کی۔ مقدس صلیب کی لکڑی واپس کر دی گئی اور مارچ ۶۲۸ء میں ہر قل اس شان سے قسطنطنیہ میں واپس آیا۔ کہ اس کے رتھ کو چار ہاتھی کھینچ رہے تھے۔ اور لوگوں کا ایک جم غفیر دارالسلطنت میں اس کے استقبال کے لئے جمع تھا۔ (تاریخ زوال رومہ گبن ص ۹۴ جلد ۵)

ہر قل کی یہ مختصر سی تاریخ ہم نے اس لئے بیان کی تا کہ پتہ چل جائے کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ قیصر روم نے کسریٰ ایران کو شکست فاش دی۔ اس کی فوجوں میں مقابلے کا ایک جذبہ تھا، لیکن دنیا نے دیکھا کہ چند ہی سالوں کے بعد وہ ہر قل جو کسریٰ کو پے در پے شکستیں دے رہا تھا، مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج سے خود شکستیں کھانے لگا اور آخر کار وہ شام کی سرزمین کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آسکا۔ ان دونوں حکومتوں کی شکست کا اصل سبب تو مسلمانوں کی روحانی طاقت تھی' مسلمانوں کے اخلاق' اپنی رعایا سے ان کا حسنِ سلوک، میدان جنگ میں ان کی ثابت قدمی، آخرت پر ایمان، توحید و رسالت پر پختہ یقین' یہ وہ سب اوصاف تھے جو مسلمانوں کی فتح اور قیصر و کسریٰ کی شکست کا باعث ہوئیں۔ قیصر اگرچہ چند سال قبل ایرانی حکومت کو شکست دے چکا تھا، لیکن شکست

Marfat.com

دینے کے بعد اس کا اپنی رعایا سے سلوک اچھا نہیں رہا تھا۔ ملکی سیاست نے رومی عوام کو بدگمانی اور حکومت کے خلاف برہمی تک پہنچادیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ حکومت کی حمایت سے دست بردار ہو گئے تھے۔ ان دنوں میں ان کے تحفظ کے لئے کوئی جوش اور کوئی ولولہ باقی نہیں رہا تھا اور فتح و کامرانی کا حصول ایسی ذہنی فضا میں بہت دشوار بلکہ ناممکن تھا۔ اس لئے کہ فتوحات کے لئے صرف فوجی قوت بڑھا لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عوام کی جرأت واخلاق کی اقدار کو قائم رکھنا بھی ضروری اور ناگزیر ہوتا ہے۔

ہرقل کے تخت نشین ہونے اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے فوجی قوت کی اساس شہریوں کی مسلسل ایجابی قربانیاں جو فوج کی فتح یابی کے لئے ان کے ذہنوں میں ایک ولولہ پیدا کرتی ہیں اور جو فوج کی فتح و شکست میں تمام امدادوں اور سامانوں سے زیادہ قوی الاثر ہوتی ہیں، موجود تھیں، جنہوں نے ہرقل کی فوجوں کو قوت بخشی۔ اور اسی وجہ سے وہ ایرانیوں پر فتح یاب ہوا۔ رومی سلطنت کے وجود میں تنزل و فساد کے عوامل و حرکات رینگ رہے تھے، اسی لئے ایرانی انہیں شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو گئے تھے، لیکن ہرقل نے فوکاس کی ظالمانہ حکومت کے خلاف بغاوت کی اور اس سے تخت و تاج چھین لئے تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ایک نئے دور کی صبح نمودار ہونے والی ہے اور ریاست جلد اپنا کھویا ہوا وقار اور اقتدار حاصل کرلے گی۔ چنانچہ انہوں نے مخلصانہ طور پر ہرقل کے ساتھ تعاون کیا اور ہر ممکن قربانی پیش کر دی اور ہرقل اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنا وہ سب کچھ شاہ ایران سے واپس لے لیا جو فوکاس کھو چکا تھا، لیکن جب خود ہرقل کے قدم مصر و شام میں جم گئے تو اس نے ایسی سیاست اختیار کی جس سے عوام کے دل اس سے بدظن ہو گئے کسریٰ ایران کے ساتھ لڑائیوں میں خزانے خالی ہو چکے تھے۔ ان خزانوں کا بھرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ لاد دیا جس سے عوام کے دلوں میں نفرت جڑ پکڑ گئی۔ لیکن صرف ٹیکسوں کی بھرمار ہی نفرت کا وہ تنہا سبب نہ تھی جس نے ان کے دل عظیم بادشاہ سے پھیر دیئے تھے بلکہ بادشاہ نے اور بھی کئی پابندیاں ان پر عائد کر دیں۔ لوگوں میں عقیدے کی آزادی سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی شے ہوتی ہے۔ اگر آپ انہیں ان عقائد سے پھیرنے کی کوشش کریں گے جنہیں ان کے آبا و اجداد نے قبول کیا تھا تو وہ اسے برداشت نہ کر سکیں گے۔ ہرقل نے مصر و شام اور سلطنت کے دوسرے حصوں میں لوگوں کو ان کے آبائی عقائد سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی اس لئے بھی عوام اس سے

Marfat.com

برگشتہ ہو گئے تھے اور وہ شہریوں کی طاقت اور معنوی قوت سے کام لے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اپنی فوجوں کا بوجھ ہلکا نہ کر سکا۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب قیصر روم نے ایرانیوں پر فتح پالی اور صلیب اعظم لے کر وہ بیت المقدس پہنچا تو یہودیوں کے مطالبہ کے مطابق انہیں جان و مال کی امان دی اور ان کے عبادت کدوں کی حفاظت کا پورا پورا ذمہ لیا' لیکن جشن اعلائے صلیب کے بعد عیسائیوں اور ان کے پادریوں نے یہودیوں کو سب و شتم کرنا شروع کر دیا' اور ان پر الزام لگایا کہ وہ عیسائیوں پر ظلم و ستم توڑنے اور ان کے کلیساؤں کو نذر آتش کرنے میں ایرانیوں سے بھی دو قدم آگے تھے۔ اب انہوں نے ہرقل کو مجبور کیا کہ وہ اس عہد کو توڑ دے جو یہودیوں کو امان دیئے کے بارہ میں ان سے کیا تھا۔ اوّل اوّل تو ہرقل نے یہودیوں سے نقض عہد کرنے میں تامل کیا لیکن جب اس کے حاشیہ نشینوں کا اصرار بڑھا تو اس نے بیت القدس سے یہودیوں کو نکال باہر کرنے بلکہ ان کا خون تک بہانے کی اجازت دے دی۔ پھر یہ ہوا کہ رومی سلطنت اور مصر و شام میں ایک ایک یہودی کو چن چن کر مارا گیا۔ صرف وہی یہودی بچے جو بھاگ گئے یا کہیں چھپ گئے۔ چنانچہ ان کے دلوں میں ہرقل کی اس ذلیل حرکت کے خلاف عداوت اور نفرت کی آگ بھڑکنے لگی اور وہ ہرقل سے انتقام لینے کے موقع کی تاک میں رہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے رومی سلطنت پر حملہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور انہیں ملک کے بھید اور اسرار کا پتہ دیا۔ صرف یہودیوں ہی کے دل میں ہرقل کی طرف سے نفرت و غضب کی آگ بھری ہوئی نہ تھی بلکہ خود عیسائیوں کو بھی ان سے تلخ و تند شکائتیں تھیں کیونکہ وہ تمام عیسائی فرقوں کو ایک کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے کوشش بھی بہت کی۔ وہ ان کو ایک تو نہ کر سکا لیکن خود اس نے اپنی رعایا میں اپنا اعتماد کھو دیا اور لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت نے اپنا گھر بنا لیا۔ یہ درست ہے کہ مذہبی اتحاد میں ہرقل کی یہ کوشش نیک نیتی پر مبنی تھی' لیکن وہ اس حقیقت کو بھول گیا کہ عقیدے کے معاملہ میں ضمیر کی آزادی کو قانون محدود کر سکتا ہے اور نہ منظم' اس لئے کہ جس طرح خواہش ہماری مادی زندگی کی اصل ہے' اسی طرح یہ آزادی ہماری انسانی زندگی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ لوگ اسے کسی عنوان سے برداشت نہیں کرتے اور جو کوئی اسے فنا کرنا چاہتا ہے اس کے خلاف اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بغاوت کر دیتے ہیں۔ ہرقل کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔

غرض کہ ٹیکسوں کی بھرمار' یہودیوں کی نفرت اور مذہبی تشدد۔ یہ تین اسباب و

Marfat.com

عوامل تھے جن کی بناء پر اہلِ شام رومیوں کو لڑتے دیکھتے رہے اور ان کی مدد کا کوئی جوش اور ان کی اعانت کا کوئی جذبہ ان کے دلوں میں پیدا نہ ہوا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجوں نے شام پر حملہ کیا تو اہلِ شام کے دلوں میں اپنے ملک میں مدافعت کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہوا بلکہ ان میں سے اکثر تو اپنے دل ہی دل میں اللہ سے قیصر کی حکومت کے زوال کی دعائیں مانگنے لگے۔

انہی وجوہات کی بناء پر وہ (ہرقل) فوج کی قیادت دوسروں کے سپرد کر دیا کرتا تھا چنانچہ جنگ یرموک میں جو رومیوں اور عربوں کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ تھی اس کی قیادت بھی اس نے ایک فوجی جرنیل تذارق کے سپرد کی۔ لیکن جب تذارق کے لشکر کو میدانِ جنگ میں شکست فاش ہوئی اور وہ میدان میں مارا گیا تو ہرقل نے اس خوف سے خود جنگ میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا کہ کہیں اسے بھی شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑے اور اس کا مجد و شرف کہیں میدانِ کارزار ہی میں دفن نہ ہو جائے۔

بہت ممکن تھا کہ اب اس نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کو یاد کیا ہو جو سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ نے بیت المقدس کے راستہ میں اسے پہنچایا تھا۔ جب وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قبر پر صلیب اعظم واپس لے کر جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ضرور اس مقدس مکتوب کا خیال آیا ہوگا۔ اور یہ خیال بھی اسے تکلیف دے رہا ہوگا کہ اس نے اس مکتوب کی کس طرح توہین کی تھی اور اس سے کس قدر بے پروائی سے پیش آیا تھا۔ اب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ صاحب مکتوب پیغمبر کے نام لیوا عرب فاتح حملہ آوروں کی صورت میں اس کے ملک پر یلغار کر رہے ہیں۔ اور ان غازیانِ اسلام کے سامنے اس کی فوجیں ان کی طاقت کا تھپڑ برداشت نہ کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ اسلام میں عبرت اندوزوں کے لیے سامان عبرت بن گیا۔

سیدنا عمرؓ ہرقل کی ان تمام کمزوریوں سے بخوبی آشنا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں لیکن اس کی باگ دوڑ مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے عمر بن خطابؓ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ تمام محاذوں پر فوج پتلی کی طرح آپؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا تمام نظم و نسق ان کی سیاست و تدبیر پر تھا۔ سیدنا عمر نے مدینہ میں بیٹھ کر فوج کی ترتیب، فوج کی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، سردی اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعیین، فوجی افسروں کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے

Marfat.com

دوسرے امور کے متعلق ہر ہر انتظام آپ نے خود اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مدینہ کی مسجد نبوی میں بیٹھ کر جنگ کے محاذوں کے نقشہ جات آپ کے سامنے ہوتے اور ہر ہر محاذ پر ہر روز ہدایات بھیجتے رہتے۔ عراق کے محاذ پر دراصل خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ اسلامی فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے مطابق مدینہ سے احکام بھیجتے رہتے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو میدانِ قادسیہ کا نقشہ منگوا بھیجا۔ پھر اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیت اور صف آرائی کے متعلق ہدایات ارسال کیں۔ جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی مدد سے حمص پر چڑھائی کی تھی تو اس معرکہ میں سیدنا عمرؓ کی سیاست اور حسنِ تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک سپر پاور (Super Power) کے پرخچے اڑا دیئے۔ جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

کسریٰ کی ذلت

یہی حال آپ کے زمانے میں کسریٰ کا ہوا۔ جنگ قادسیہ میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے ایران کے وزیر دفاع رستم کو جو شکست فاش دی اس نے ایرانی سلطنت کی کمر ہمیشہ کے لئے توڑ دی اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد کسریٰ کا دارالسلطنت مدائن بھی فتح ہو گیا اگرچہ اس نے اپنے اس دارالسلطنت کے دفاع کے لئے تمام ملک سے اعلیٰ قسم کی افواج جمع کر لیں' لیکن مسلمان فوجوں کے مقابلہ میں وہ نہ ٹھہر سکیں۔ یزدگرد کو اس کے سپاہیوں نے ایک ٹوکری میں لٹکا کر مدائن کے قصر ابیض سے نیچے اتارا اور وہ حلوان فرار ہو گیا (فتوح البلدان ص ۲۷۱) کسریٰ ایران جونہی اپنے دارالسلطنت سے بھاگا تو پھر اسے کہیں بھی چین نہیں ملا۔ جہاں بھی جاتا مسلمان فوجیں اس کا تعاقب کرتیں جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمانؓ۔ شخصیت اور کردار" میں دی ہے۔ آخر کار وہ یکا و تنہا رہ گیا اور نہایت خستہ حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے پاپیادہ دریائے مرغاب کی طرف بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے شام ہو گئی۔ رات کی تاریکی میں وہ ایک آسیابان (چکی والے) کے ہاں پناہ گزین ہو گیا اور اس کے گھر میں بغیر کچھ کھائے پیئے تین روز تک ٹھہرا رہا۔ آخر ایک روز چکی والے نے اس سے کہا "ارے بدبخت! باہر نکل' کچھ کھا تو لو۔ تم تین روز سے بھوکے ہو۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۰' طبری جلد ۳ ص ۳۴۶)

Marfat.com

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ جب یزدگرد رات کو سو گیا تو چکی والے نے اسے قتل کر کے سارا سامان لے لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رات سوتے میں ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا اور بعد میں اس کا سر کاٹ کر سپاہیوں کے حوالے کر دیا اور جسم نہر میں پھینک دیا۔(طبری جلد ۳ ص ۲۴۲'۳ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۸)۔ طبری کی ایک اور روایت میں ہے کہ یزدگرد کسریٰ ایران چودہ میل کا پیدل سفر کر کے چکی والے کے گھر میں داخل ہوا درماندگی، تھکن اور بھوک اور پیاس کی شدت نے اس کے تمام جسمانی قویٰ کو مضمحل کر دیا ہوا تھا۔ اس کی ظاہری ہیئت اور شکل و صورت دیکھ کر چکی والا سمجھا کہ کوئی کھاتا پیتا شخص ہے' لیکن مصائب کے تھپیڑوں نے اسے خستہ حال بنا دیا ہے۔ اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی۔ فرش بچھایا۔ کھانا حاضر کیا۔ یزدگرد رات وہاں ٹھہرا۔ جب جانے لگا تو اپنا زریں کمر بند جس میں قیمتی ہیرے اور جواہرات لگے ہوئے تھے' حق خدمت کے طور پر آسیابان کو دیا۔ اس نے وہ کمر بند لینے سے انکار کر دیا اور کہا "مجھے حقِ خدمت کے طور پر صرف چار درہم دے دیں' وہی میرے لئے کافی ہیں"۔ لیکن حالات کے نشیب و فراز ملاحظہ فرمائیں کہ وہ یزدگرد کسریٰ ایران جس کے پاس کسی زمانے کھربوں دینار تھے' کہنے لگا کہ "اس کے پاس کوئی نقدی نہیں"۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۴۷'۳ ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۱)

طبری اور ابنِ اثیر نے اس بارہ میں ایک اور روائت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے چکی والے کے گھر میں یزدگرد کو دیکھ لیا۔ یزدگرد نے اس خیال سے کہ یہ شخص کہیں میرا تعاقب کرنے والوں کو اطلاع نہ دے دے' اسے اپنی انگوٹھی' کمر بند اور ایک طلائی کنگن دیا۔ لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے اس کو لینے سے انکار کر دیا کہ مجھے صرف چار درہم چاہئیں۔ یزدگرد نے کہا "میں جو انگوٹھی تمہیں دے رہا ہوں اس کی قیمت کا کوئی حد و شمار نہیں ہے" لیکن اس نے صرف چار درہم پر اصرار کیا۔ یزدگرد نے کہا کہ مجھے نجومیوں نے بتایا تھا کہ میں کبھی چار درہم کا بھی محتاج ہوں گا اور اضطرار کی اس حالت کو پہنچ جاؤں گا کہ میری خوراک بلی کی خوراک ہو گی، لہذا میں نے اپنی اس حالت کو دیکھ لیا ہے کہ آج میرے پاس تمہیں دینے کے لئے چار درہم بھی نہیں۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۴۶'۳ ابنِ اثیر جلد ۳ ص ۶۱)

مختصر یہ کہ کسریٰ ایران یزدگرد نہایت کسمپرسی کی حالت میں مرا اور وہ شخص جو صبح و شام دولت میں کھیلتا تھا جس کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے خزانوں میں کتنی دولت ہے، مرتے وقت اس کے پاس چار درہم بھی نہیں تھے۔ یہ سیدنا عمر بن خطابؓ کی سیاسی بصیرت،

Marfat.com

خلوص، للّٰہیت اور دین اسلام سے محبت کا نتیجہ تھا کہ ان دونوں سپر پاورز پر وہ ضرب کاری لگائی کہ پھر وہ کبھی نہ اٹھ سکیں۔

جبلہ بن ایہم غسانی کا انجام

جبلہ بن ایہم کا تعلق قبیلہ غسان سے تھا۔ اس نے ہرقل کا انجام دیکھا کہ اتنی بڑی سلطنت کا حاکم ہونے کے باوجود اسلامی افواج سے بھاگتا پھر رہا ہے اور یہ بھی اس نے دیکھا کہ شام کے اکثر قبائل دوڑ دوڑ کر اسلام قبول کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی عزت و وقار اسی میں ہے کہ وہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے اور بنو غسان کے قبول اسلام کی اطلاع امین الامت سیدنا ابو عبیدہؓ کو دی۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کو اس کے اسلام قبول کرنے سے انتہائی خوشی ہوئی۔ انہوں نے یہ خبر سیدنا عمر بن خطابؓ کو بھی پہنچائی۔ آپ بھی اس خبر سے انتہائی مسرور ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد جبلہ نے امیر المؤمنینؓ کو مدینہ منورہ حاضر ہونے کی درخواست کی۔

سیدنا عمرؓ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور مدینہ آنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ جبلہ اپنے پانچ سو رشتہ داروں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے استقبال کا حکم دیا اور مدینہ کا ہر چھوٹا بڑا شہر سے باہر نکل کر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جبلہ نے اپنے دو سو ساتھیوں کو ہتھیاروں سے آراستہ ہونے اور ریشمی لباس پہننے کا حکم دیا۔ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے جن کی دموں کو گرہیں لگی ہوئی تھیں اور گلوں میں سونے چاندی کے قلادے پڑے تھے۔ جبلہ نے اپنا تاج پہنا جس میں اس کی دادی ماریہ کے کانوں کی بالیاں لگی ہوئی تھیں۔ اہل مدینہ نے اس سے قبل اس آن بان کا آدمی نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ خود سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے امیر المؤمنینؓ جن کے رعب و داب سے قیصر و کسریٰ لرزتے تھے، نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ لہٰذا جبلہ کی آن بان اور شان و شوکت کو دیکھ کر وہ حیرت میں رہ گئے۔ جبلہ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر المؤمنین نے اسے خوش آمدید کہا اور ازراہ لطف و مہربانی اس کو اپنے پہلو میں جگہ دی۔ جبلہ امیر المؤمنینؓ کی سادگی کو دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ یہ اتنی بڑی مملکت کے حکمران ہو کر اتنے سادہ ہیں۔ وہ ان کی سادگی سے بڑا متاثر ہوا۔

جبلہ کو مدینہ طیبہ آئے ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ حج کا موسم آ گیا۔ سیدنا عمرؓ حج

Marfat.com

کو تشریف لے گئے۔ جبلہ بھی آپ کے ساتھ حج کے لئے گیا۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اس کا تہ بند بنو فزارہ کے ایک شخص کے پاؤں تلے آکر اتر گیا۔ جبلہ نے غصہ میں اس کی ناک پر مکا مار دیا۔ وہ شکایت لے کر سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے جبلہ کو بلا کر پوچھا۔ اس نے اس واقعہ کی تصدیق کی کہ ہاں میں نے مکا مارا ہے۔ آپ نے فرمایا "چونکہ تم نے اقرار کر لیا ہے اس لئے یا تو اس شخص سے اپنا یہ قصور معاف کراؤ ورنہ تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہو گی۔ اور وہ سزا یہ ہے کہ یہ بھی تمہاری ناک پر اتنے ہی زور سے مکا مارے گا۔

جبلہ یہ سن کر پریشان ہو گیا اس نے ناگواری کے لہجے میں کہا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک معمولی آدمی ہے اور میں بادشاہ ہوں"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "اسلام میں قانون کی نگاہ میں تم دونوں برابر ہو۔ سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے تم کسی شے میں اس پر فضیلت نہیں پا سکتے"۔ جبلہ نے کہا: "امیر المؤمنین! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ مجھے اسلام میں جاہلیت سے زیادہ عزت دی جائے گی لیکن یہاں تو وہ چیز مجھے نظر نہیں آ رہی"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "جبلہ! یہ خیال دل سے نکال دو۔ اگر تم اس فزاری سے اپنا قصور معاف نہیں کراؤ گے تو میں تمہیں ضرور سزا دوں گا"۔ جبلہ نے کہا کہ "میں پھر اپنا پہلا دین عیسائیت اختیار کر لیتا ہوں"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "اگر اب تم نے عیسائیت اختیار کی تو میں تمہاری گردن مار دوں گا کیونکہ اسلام قبول کر چکے ہو اور اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ جبلہ سیدنا عمرؓ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اور پریشان ہو گیا۔ اس نے امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے ایک رات کی مہلت دے دی جائے تاکہ میں اس مسئلے پر غور و فکر کر لوں۔ سیدنا عمرؓ نے جبلہ کو اپنی قیام گاہ پر جانے کی اجازت دے دی تاکہ رات کو اس معاملہ میں غور و فکر کر لے۔

جبلہ اپنی قیام گاہ پر گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو چپکے سے چل نکلنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ راتوں رات شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح ہوئی تو نہ جبلہ تھا اور نہ اس کے ساتھی۔ وہ مکہ سے کافی دور جا چکے تھے اور مکہ ان کے ناپاک وجود سے خالی ہو گیا تھا۔ جبلہ نے سیدھا قسطنطنیہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر ہرقل کے پاس اپنے ساتھیوں سمیت عیسائی ہو گیا۔ ہرقل جبلہ کے واپس آ جانے پر بہت خوش ہوا اور اسے اپنے حق میں ایک بہت بڑی فتح تصور کرنے لگا اور اس کو جاگیر سے نوازا اور بہت سی مراعات بھی دیں۔

(الاغانی جلد ۱۴ ص ۴۴)

بعض روایات میں ہے کہ جبلہ قسطنطنیہ میں ہرقل کے پاس بڑے عیش و آرام سے

Marfat.com

رہتا تھا‘لیکن اس کے باوجود وہ اپنی دمشق کے آس پاس والی قیام گاہ کو اکثر یاد کرتا رہتا۔ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے ایک قاصد کو خط دے کر ہرقل کے پاس بھیجا۔ جب وہ ہرقل کے پاس سے واپس آ رہا تھا تو جبلہ اسے وہاں مل گیا۔ دیکھا کہ اس کی شان و شوکت ہرقل سے بھی زیادہ ہے۔ کنیزیں اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور سیدنا حسان بن ثابتؓ کے اشعار گا رہی ہیں۔ جبلہ نے قاصد سے سیدنا حسانؓ کی خیر و عافیت پوچھی۔ قاصد نے کہا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور وہ نہایت ضعیف العمری میں زندگی کی باقی ماندہ منزلیں طے کر رہے ہیں۔ جبلہ کو سیدنا حسانؓ کی یاد بہت ستانے لگی اور اس نے ایک کنیز کو پانچ سو دینار اور پانچ ریشمی پوشاکیں لانے کا حکم دیا۔ جب وہ یہ لے آئی تو جبلہ نے قاصد سے کہا کہ حسانؓ کو میری یہ چیزیں پہنچا دینا۔ اس کے بعد قاصد کو بھی اتنا ہی انعام دینا چاہا‘لیکن قاصد نے وہ انعام لینے سے انکار کر دیا۔ جبلہ زار و قطار رو پڑا اور کنیزوں سے کہا کہ مجھے اور رلاؤ۔ کنیزوں نے اپنے عود اور بربط اٹھائے اور جبلہ کے ان اشعار کو نغمے میں ڈھالنے لگیں‘ جن کا ترجمہ یہ ہے:

”میں نے ایک طمانچہ کھا کر قبیلے کے سرداروں سے مدد طلب کی۔ اگر میں اس پر چپ ہو جاتا تو کوئی بڑی بات نہ ہوتی۔

لیکن مجھے غصے اور غرور نے گھیر لیا اور میں نے صحیح آنکھ کانی آنکھ کے بدلے فروخت کر ڈالی۔

کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا اور کاش میں وہی بات مان لیتا جو عمرؓ نے مجھے کہی تھی۔

کاش میں ترائی ہی میں اپنا گلہ چرایا کرتا یا ربیع یا مضر کے ہاں قید کاٹ رہا ہوتا۔

اور کاش! میں شام میں ادنیٰ اوقات بسر کرتا اور اپنے ہم وطن اور ہم قوم لوگوں میں بہرا اور اندھا ہو کر رہتا۔“

قاصد مدینہ طیبہ واپس آیا اور امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو جبلہ کا تمام حال سنایا اور اس انعام کا بھی ذکر کیا جو اس نے سیدنا حسان بن ثابتؓ کو بھیجا تھا۔ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ اتنی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود وہاں خوش نہیں تھا اور اسے

Marfat.com

اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہونے پر نہایت افسوس تھا، لیکن اب دنیا کی عیش و عشرت اس کو اسلام کی طرف دوبارہ آنے سے روکے ہوئے تھی اور اپنے وطن شام کی محبت بھی اس کے دل ودماغ میں کروٹیں لے رہی تھی اور وہ قسطنطنیہ میں سب کچھ ہونے کے باوجود بے سکونی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ قسطنطنیہ میں جبلہ کے عزیز واقارب بھی مقیم تھے جو ہرقل کے درباریوں میں شامل تھے۔ لیکن جبلہ اور ہرقل دونوں کو شام کی یاد ستاتی تھی اور دونوں کے دل میں یہ خواہش رہ رہ کر چٹکیاں لیتی تھی کہ کاش انہیں پھر کبھی شام جانا نصیب ہو۔ جہاں وہ کشادہ باغوں، برف سے چمکتے پہاڑوں اور سرسبز وادیوں کو پھر سے دیکھ سکیں، لیکن یہ خواہش ان کے دلوں ہی میں انگڑائیاں لیتی رہی اور انہیں پھر ساری زندگی شام اور بیت المقدس آنا نصیب نہ ہوا۔ اور وہ دونوں وہیں غریب الوطنی میں مر گئے۔

جبلہ کے بارہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سیدنا عمرؓ نے جبلہ اور اس کے ساتھیوں کا اسلام سے پھر جانا قبول کر لیا لیکن اسلام کے قانون عدل وانصاف کو داغ دار نہ ہونے دیا۔ اور شاید اسی شے نے جبلہ کو پوری زندگی پریشان رکھا اور اپنے کیے پر افسوس کرتا رہا۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوش نمائی کی بلندی کی جگہ سختی اور خشونت کی لکیریں ہیں لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے کیونکہ اس کارگاہِ آب و گل کا تمام نظام ہی عدل و توازن پر ہے۔ اس دنیا میں عدل وانصاف کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ نظام شمسی کا ہر کرہ اپنی جگہ معلق ہے۔ اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان میں ذرا بھی انحراف اور میلان واقع ہو۔ یہی عدل کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم میں جکڑ کر رکھا ہے۔ اسی عدل وانصاف ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ ایک قوم صحرائے عرب سے اٹھی۔ سیلاب کی طرح بڑھی اور تمام کرۂ ارض پر پھیل گئی۔ دنیا نے اس سیلاب کی زد میں ظلم و درندگی کی انہی لہروں کو دیکھنا چاہا جو ہمیشہ فوجوں کے طوفان میں اٹھتی رہی ہیں لیکن دنیا نے دیکھا اور تاریخ کے صفحات اس کی چشم دید گواہی دیتے ہیں کہ وہ مختلف مادی طاقتوں سے ٹکرائی، عظیم الشان پہاڑوں کو ٹھوکر ماری اور بالآخر تمام کرہ ارضی کو اچھال کر رکھ دیا۔ تاہم نہ کسی جھونپڑی کو اجاڑا، نہ کسی گھر میں آگ لگائی، نہ کسی عظیم الشان محل کو برباد کیا نہ تمدن کی یادگاریں مٹائیں اور نہ ہی تہذیب کے آثار قدیمہ مسمار کیے، نہ کسی ظالم کی مدد کی اور نہ کسی مظلوم کی امداد سے منہ پھیرا۔ وہ فاتحانہ جوش میں سیلاب کی طرح بڑھی لیکن جب ممالکِ مفتوحہ میں داخل ہوئی تو گرداب کی طرح سمٹ گئی۔

Marfat.com

اسلام کا یہی قانون عدل وانصاف تھا جو بادشاہ وقت کو ایک معمولی فرد رعایا کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیتا تھا۔ یہ بات نہ صرف مدینہ کی اس سادہ مسجد کی عدالت ہی میں تھی بلکہ دمشق اور بغداد کی پرشوکت عدالتوں میں بھی ایسا ہی تھا کہ ہارون الرشید جیسا باجبروت خلیفہ قاضی ابو یوسف کی عدالت میں مدعی کے ساتھ کٹہرے میں کھڑا ہونے میں کوئی عار نہ سمجھتا تھا۔

اسی قانون مساوات اور قانون عدل و انصاف کا چراغ چھٹی صدی عیسوی کی تاریک فضاؤں میں عرب کے اس امی نبی ﷺ نے روشن کیا تھا اور جس کی شعاعیں آج بھی دنیا میں اپنی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ آج یورپ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ قانون عدل ومساوات کا معلم ہے اگر یہ درست اور سچ ہے تو پھر یہ کیا ہے جو اب تک بادشاہوں کے سروں پر نظر آتا ہے؟ یہ کس کی دولت ہے جو بادشاہوں کے تاج پر ہیروں اور ان کی انگلی کی انگوٹھیوں میں دفن کی جاتی ہے۔ وہ بڑے بڑے ایوان ہائے صدور، وہ سر بفلک عمارتیں اور وہ عظیم الشان محل اور وہ انسانی بہترین وسائل تعیش اور ذرائع آرام و راحت جو آج بھی یورپ کے بادشاہوں اور وزیراعظموں کے لئے لازمی سمجھے جاتے ہیں' کہاں سے آتے ہیں؟ اور کس کا خون ہے جن کے قطروں سے عظمت و کبریائی کی یہ چادر رنگی جاتی ہے؟ مدینے کا وہ قدوس شہنشاہ چٹائی پر سوتا ہے اور اس کے مبارک اور نازک جسم پر کھجور کی چٹائی کے نشان پڑ جاتے ہیں اور اس کے جانشین عین اس وقت جب کہ وہ روم و عجم اور عراق و شام کے تخت الٹنے کے لئے حکم دینے والے تھے' پھٹے پرانے کمبلوں کو جسم پر رکھتے تھے' ان کے پیراہنوں کو سترہ سترہ پیوند لگے ہوتے تھے اور پتوں کی جھونپڑی کے نیچے سوتے تھے اور کھجور کے پتوں سے بنی چھت والی کچی مسجد کا صحن ان کا ایوان اور محل ہوتا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے قاصد اور سفیر مسجد نبوی میں آ کر ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ اسلام کا شہنشاہ کہاں ہے، حالانکہ شہنشاہ وہیں پیوند لگے لباس میں ملبوس کسی گوشہ میں بیٹھا ہوتا تھا۔ اس کے گورنر اسی برابری کے القاب سے اسے خط لکھتے تھے جس طرح وہ گورنروں کو خط لکھا کرتے تھے۔

اسلام کے اسی قانون عدل وانصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمیوں جیسے جبلہ بن ایہم جن کی ادعائی شان مجروح ہوتی تھی' کے دل مکدر ہوتے تھے، لیکن چونکہ ہر زمانہ میں عوام کا اصلی مذاق یہ تھا، اس لئے عوام پر اس کا نہایت اچھا اثر پڑتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں میں عوام عادل و منصف بادشاہ کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ انسانی نفسیات کا بنیادی اصول ہے۔

Marfat.com

انصاف کے لئے ایک اصول یہ ہے کہ وہ بے لاگ ہو۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کا عدل و انصاف بے لاگ تھا، جس کی وجہ سے ان کی حکومت لوگوں میں بڑی مقبول ہوئی اور اسی وجہ سے اہلِ عرب ان کے سخت احکام بھی برداشت کر لیتے تھے۔ ان کے نزدیک قانون کے لحاظ سے کوئی چھوٹا بڑا نہ تھا اور نہ ہی کوئی قریبی اور دور کا تھا۔ جو بھی قانون اسلامی کے خلاف عمل کرتا، فوراً قانون حرکت میں آجاتا اس لئے کہ وہ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا تنہا وجود ان ساری نظری اور عملی قوتوں اور تمام منصوبوں کا جامع ہوتا ہے۔ وہ ایک وجود کے اندر صاحب امانت و خلافت بھی تھے اور صاحب اجتہاد و قضاۃ بھی اور صاحب سیاست و نظم احکام بلاد بھی، کیونکہ اصلاً امامت کبریٰ کا مقام اجتہاد دینی اور سیاست ملکی دونوں سے مرکب ہوتا ہے۔ وہ منصب اجتہاد و قضاء و شرع کے ساتھ قوت ارشاد و تزکیہ و تربیت بھی رکھتے تھے۔ وہ ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشتے اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت و سنت سے امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے، گویا وہ ایک ہی وجود میں ابو حنیفہؒ و شافعی بھی تھے اور جنیدؒ و شبلیؒ بھی، نخعیؒ و حمادؒ بھی اور ابن معینؒ اور ابن راہویہؒ بھی اور عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ بھی، مولانا جلال الدین رومی اور شیخ فرید الدین عطارؒ بھی۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ کے ہاں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے اور ہوئے بھی جیسے جبلہ بن ایہم وغیرہ کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا لحاظ نہیں رکھتے، لیکن جب وہ یہ دیکھتے کہ وہ اپنی اولاد اور اعزاء و اقرباء کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتے ہیں تو ان کے احتجاج کی زبانیں خاموش ہو جاتیں اور انہیں صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کا عدل آج تک ضرب المثل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے، اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس دُور اندیشی، بے لاگ سوجھ بوجھ اور محاسبہ نفس کی ضرورت ہوتی ہے اس سے بخوبی آشنا تھے۔ ایک مرتبہ دو جھگڑنے والے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ روایت میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور بارگاہِ رب العزت میں فریاد کی: "اے اللہ! ان کے بارہ میں مجھے روشنی عطا فرما، ان میں سے ہر ایک میرا دین چاہتا ہے"۔ گویا عدل و انصاف کرنے میں اپنے اللہ سے راہ نمائی طلب کر رہے ہیں۔

عدل و انصاف قائم کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی کوئی نرمی نہ برتتے

Marfat.com

تھے بلکہ ایک بار جب انہوں نے لوگوں کو کسی بات سے روکنا چاہا تو اپنے اہل و عیال کے پاس گئے اور فرمایا: "میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جسے میں نے کسی کام سے روکا اور پھر اس نے وہی کام کیا ہو' سوائے اس شخص کے جسے سزا دینے میں مجھ سے کمزوری ظاہر ہوئی ہو"۔ ان کے ایک صاحبزادے ابو شحمہ عبدالرحمٰن مصر میں تھے۔ ایک روز انہوں نے ابو سروعہ کے ساتھ نبیذ پی اور ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ وہ دونوں گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے کہ وہ ان پر حد جاری کریں۔ ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں جھڑک کر نکال دیا۔ اس پر عبدالرحمٰن نے کہا: اگر آپ نے حد جاری نہ کی تو جب میں اپنے والد سیدنا عمرؓ کے پاس جاؤں گا تو یہ بات ان سے کہوں گا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ان دونوں پر حد نہ لگائی تو عمرؓ ناراض ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ مجھے معزول کر دیں۔ اس لئے میں انہیں گھر کے صحن میں لایا اور ان پر حد لگائی۔ عبدالرحمٰن بن عمرؓ گھر کی کوٹھڑی میں گھس گئے اور اپنا سر مونڈا۔ بخدا! اس واقعہ کے متعلق میں نے عمرؓ کو ایک حرف نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ ان کا یہ خط مجھے موصول ہوا۔

"اللہ کے بندے، امیر المؤمنین عمرؓ کی طرف سے عاصی بن عاصی کے نام! ابن عاص! تمہاری جرأت اور بدعہدی پر مجھے حیرت ہے کہ تم نے میری ہدایت کی خلاف ورزی کی (ہدایت یہ تھی کہ میرے کنبے کا کوئی فرد اگر تمہارے پاس آئے تو تم نہ تو اس کو کوئی تحفہ دینا اور نہ اس کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرنا ورنہ تمہارے خلاف مناسب کارروائی کی جائے گی) میں نے اصحابِ بدر اور تم سے بہتر لوگوں کو نظر انداز کر کے تمہیں منتخب کیا، حالانکہ تم ایک گمنام شخص تھے اور تم کو پچھلی صف سے نکال کر اگلی صف میں کھڑا کیا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم جرأت اور مخالفت سے کام لو گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور میں تم کو معزول کر کے چھوڑوں گا۔ تمہارا برا ہو، تم نے عبدالرحمٰن کو اپنے گھر میں تازیانے لگائے اور وہیں اس کا سر مونڈا، حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ کام تم میری مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔ عبدالرحمٰن تمہاری رعایا کا ایک فرد تھا، تمہیں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہئے تھا جو تم دوسرے

Marfat.com

مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو، لیکن تم نے کہا وہ امیر المؤمنین کا بیٹا ہے (اس کے ساتھ رعایت کریں) حالانکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نزدیک کسی شخص سے حق وصول کرنے میں رعایت اور نرمی برتنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس وقت تمہیں میرا یہ خط پہنچے اسی وقت اسے عباء (موٹے بالوں کی لمبی ڈھیلی قمیض) پہنا کر قتب (چھوٹے تکلیف دہ کجاوے) پر بٹھا کر روانہ کر دو تاکہ وہ اپنی بدکاری کا مزہ چکھے"

خط کا لب ولہجہ ہی بتا رہا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص ؓ کے اس فعل کی وجہ سے سیدنا عمرؓ کو کتنی تکلیف پہنچی کیونکہ ان کا یہ فعل عدل فاروقی کے مزاج کے خلاف تھا۔ سیدنا عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین ؓ کے فرمان کے مطابق عبدالرحمان کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ اور سیدنا عمر بن خطاب ؓ کو ایک معذرت نامہ لکھا کہ یہ درست ہے کہ میں نے انہیں اپنے گھر کے صحن میں حد لگائی تھی اور خدا کی قسم جس سے بڑی کوئی قسم نہیں، میں ہر ذمی اور ہر مسلمان کو اپنے گھر ہی میں حد لگاتا ہوں۔ یہ خط میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ بارگاہِ خلافت میں روانہ کر دیا۔ جب وہ مدینہ امیر المؤمنین کے سامنے پہنچے تو اونی عبا ان کے جسم پر تھی اور بے گدے کی سواری نے ان کا جسم ایسا چور چور کر دیا تھا کہ ان کے لئے چلنا مشکل تھا۔ امیر المؤمنین نے پوچھا: "عبدالرحمٰنؓ! تم نے یہ حرکت کی ہے؟" اور آپ نے اس پر حد جاری کرنے کے لئے کوڑا منگوایا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے سفارشاً کہا: "امیر المؤمنین! اس پر حد لگائی جا چکی ہے"۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے ان کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا بلکہ انہیں اس سفارش پر ڈانٹا۔ عبدالرحمٰن پر کوڑے پڑنے لگے۔ وہ چیختے اور چلاتے رہے کہ میں بیمار ہوں۔ آپ مجھے قتل کر رہے ہیں لیکن ان کی چیخ وپکار بے کار ثابت ہوئی اور سیدنا عمرؓ نے دوبارہ اس پر حد جاری کی۔ پھر انہیں قید کر دیا۔ جہاں ایک ماہ بیمار رہ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ انساب الاشراف، بلاذری کے راوی بتاتے ہیں کہ وہ چھ ماہ قید میں رہے اور اچھے ہو گئے پھر بیمار پڑے اور وفات پائی۔ (النساب الاشراف جلد ۹ ص ۳۱۹)

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۲۳ 'عمر بن خطاب لابن جوزی ص ۱۷۱، اور تھوڑے فرق کے ساتھ کنز العمال جلد ۲ ص ۱۵۲ 'بیہقی نے بھی کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۳۱۲)

ابو شحمہ عبدالرحمٰن کا یہ واقعہ لوگوں نے کئی طرح سے نقل کیا ہے لیکن حکیم الامت تھانویؒ نے اس کو موضوع اور باطل کہا ہے۔ (بوادر النوادر جلد ا ص ۳۲۸)

اسی طرح اپنے سالے قدامہ بن مظعونؓ کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے، ایک جرم میں سزا دی۔ یہ حبشہ اور مدینہ طیبہ کے مہاجر تھے اور بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں بھی شریک ہوئے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۹۸ ' مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۷۹)

سیدنا عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں بحرین کا گورنر مقرر فرمایا۔ اسی زمانہ میں ان پر شراب نوشی کی حد جاری ہوئی۔ گو انہوں نے سیدنا عمرؓ کے سامنے اس جرم کا اقرار نہ کیا اور بدری صحابی ہونے کی وجہ سے ان کا بیان قابلِ اعتماد تھا' تاہم چونکہ سیدنا عمرؓ کے نزدیک شہادت سے جرم ثابت ہو گیا تھا، اسی لئے حد جاری فرمادی۔ قدامہ بن مظعونؓ پر اگرچہ شہادت بھی صحیح نہیں تھی، لیکن آپ نے پھر بھی حد جاری کرنے کا حکم دیا۔ اور بیماری کی حالت میں ان پر حد جاری کی اور ان سے تعلقات بھی منقطع کر لئے۔ کچھ دنوں کے بعد دونوں نے ساتھ حج کیا۔ واپس آتے وقت ایک مقام پر سیدنا عمرؓ کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں آپ کو سیدنا قدامہؓ سے صلح صفائی کرنے کی ہدایت ہوئی۔ آپ نے بیدار ہوتے ہی قدامہؓ کو بلایا، لیکن انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ دوسری مرتبہ آپ نے پھر آدمی بھیجا اور کہا کہ اگر آسانی سے نہ آئیں تو زبردستی لاؤ۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ نے خود گفتگو کی ابتداء کی اور اس روز سے پھر تعلقات استوار ہو گئے۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۵۴۸)

سیدنا عمرؓ اپنے گورنروں کو بھی اکثر یہی ہدایات جاری فرماتے رہتے تھے کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی حدود قائم کرتے رہیں۔ گورنروں کو حکم تھا کہ "سب کو ایک نظر سے دیکھو۔ قریب و بعید میں کوئی امتیاز روا نہ رکھو۔ اگر تم نے رشوت لی اور حکومت میں کوئی اپنی ذاتی غرض شامل کی یا غصے میں لوگوں کو ستایا تو اس کی سزا تمہی کو بھگتنا پڑے گی حق اگر دن کی روشنی میں بھی قائم کرنا پڑے تو اسے قائم کرو"۔ وہ مملکت کے ایک ایک گوشے میں عدل و انصاف قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے آپ کو' اپنے ضمیر کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے۔ یعنی اگر ان کے کسی عامل نے کوسوں دور بھی کسی شخص پر ظلم کیا تو گویا خود انہوں نے اس شخص پر ظلم کیا۔ ایک روز حاضرین مجلس سے فرمایا "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین آدمی کو تم پر گورنر مقرر کر کے اسے عدل کا حکم دے دیا تو میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو گیا؟" لوگوں نے کہا کہ "جی

ہاں"۔ فرمایا: "نہیں! یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا، اس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں"۔ اسی لئے وہ اپنے گورنروں اور اعمال کا محاسبہ اتنی شدت سے کرتے تھے کہ شاید کوئی نہ کر سکتا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ، سیدنا عمرو بن عاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عیاض بن غنمؓ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

انٹر سروسز انٹیلی جنس I.S.I

اسی عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے سیدنا عمرؓ نے ایک انٹیلی جنس کا محکمہ قائم کیا ہوا تھا جس کے اراکین ہر محکمہ میں موجود تھے اور شعبہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی امیر المؤمنین کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ طبری اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ

کان عمر لا یخفیٰ علیه شی فی علمه

یعنی سیدنا عمرؓ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی تھی

حتیٰ کہ ملک کے دور دراز علاقوں کی خبریں بھی آپ کو ہر روز پہنچتی رہتی تھیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ امیر المؤمنینؓ کے لڑکے عبدالرحمٰن کی حد قائم کرنے کی اطلاع بھی مصر سے آپ کو مدینہ منورہ میں پہنچ گئی اور آپ نے اطلاع ملتے ہی گورنر مصر کا محاسبہ کر لیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت اور نعمت کی فراوانی کے باعث انہوں نے اپنی اہلیہ کو خط میں ایک شعر لکھا جس کا مطلب تھا کہ

"غالباً امیر المؤمنینؓ کو یہ اطلاع ملے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں"۔

سیدنا عمرؓ کو اس خط کے بارہ میں بھی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ آپ نے نعمان بن عدی کو فوری طور پر اس عہدہ سے معزول کر دیا اور یہ لکھا کہ مجھے تمہاری یہ حرکت نہایت ناگوار گزری ہے۔ (اسد الغابہ ترجمہ نعمان بن عدی)

اسی طرح عراق کے ایک معرکہ میں عمرو بن معدی کرب کو جو کہ ایک بہترین جرنیل تھے مالِ غنیمت میں سے دوسرا حصہ امیر لشکر نے نہ دیا۔ عمرو بن معدی کرب نے اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دوغلا ہے (دوغلا کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ماں عربی نسل کی نہیں۔ سیدنا عمرؓ نے عمدہ نسل کے گھوڑوں کو بہت ترقی دی جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی وہ دوغلا کہلاتا تھا اور دوغلا گھوڑا اپنے سوار کو غنیمت کے دوسرے

Marfat.com

حصہ سے محروم کر دیتا تھا) اس لئے اس کا حصہ کم ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن معدی کرب کو اپنی بہادری اور زور پر بہت ناز تھا، بولے کہ ہاں، دوغلا ہی دوغلے کو پہچان سکتا ہے۔ یہ جملہ امیر لشکر کے بارہ میں بڑا سخت تھا۔ اس کی بھی سیدنا عمرؓ کو اطلاع مل گئی۔ آپ نے خط کے ذریعہ عمرو بن معدی کرب کو اتنی سخت تنبیہ کی کہ پھر انہیں ایسی بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس خبر رسانی کے محکمہ کے فعال ہونے کی وجہ سے ہر عامل، گورنر اور حاکم ہر وقت احتساب کے ڈر سے خوف زدہ اور ہراساں رہتا اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرتا جو قانون کے خلاف ہوتا یا اس سے اسلامی اقدار مجروح ہوتیں۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کے گورنر اور عمال کوئی کام آپ کے مشورہ کے بغیر نہ کرتے تھے۔

سیدنا حذیفہ بن یمانؓ نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کو منافقین کے نام بتائے ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی تھی کہ ان کے ناموں کو کسی پر ظاہر نہیں کرنا۔ اس وجہ سے وہ صحابہ کرامؓ میں "صاحب السر" کے لقب سے موسوم تھے۔ ایک دن سیدنا عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ جن منافقین کے نام سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ کو بتائے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی شخص میرے عہدیداران میں بھی ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں ایک شخص ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے نام پوچھا مگر انہوں نے اس کا نام نہ بتایا۔ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے اپنی بصیرت سے اس شخص کو معلوم کر لیا اور اس کو اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ (اسد الغابہ ترجمہ حذیفہ بن یمانؓ) اس سے سیدنا عمرؓ کی بصیرت اور بیدار مغزی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے سیدنا عمرؓ ہر سال اپنے تمام گورنروں کو مکہ میں جمع کرتے تھے اور ان سے ان کے کاموں اور عوام سے ان کے رویہ کی بابت پوچھتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ معلوم کرنا ہوتا تھا کہ اپنے فرائض کے احساس میں ان کے گورنر کتنی ہوش مندی اور احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ادائے فرض کے وقت اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے مفاد کا لحاظ تو نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے کہ ایک گورنر اور عامل کے لئے خلوص اور بے غرضی سیدنا عمرؓ کے نزدیک سب سے اہم تھی۔ چنانچہ جس وقت گورنر کا تقرر ہوتا تھا اس کے مال و متاع اور تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کا ایک تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا بلکہ وہ اپنے تمام اثاثہ جات حکومت کو لکھ کر دیتا جس کی فہرست امیر المؤمنین کے پاس موجود رہتی۔ جب وہ اپنے اس منصب سے واپس لوٹتا تو پھر اس کے اثاثوں کا جائزہ لیا جاتا۔ اگر ان میں اضافہ ہو جاتا تو اس کی

امانت ودیانت مشکوک سمجھی جاتی۔ آپ ان سے حساب لیتے اور زائد سامان ضبط کر لیتے۔ پھر اسے فرماتے: "ہم تجھے والی بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں"۔

آپ کے گورنر بھی ان باتوں سے ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حمص کے گورنر سیدنا عمرو بن سعدؓ نے حمص کے منبر پر فرمایا تھا "جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے وہ ناقابلِ شکست رہے گا۔ لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور کوڑے مارنا نہیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مواخذہ کرنا ہے"۔

اس شدید محاسبے اور مواخذے سے یہ مقصد نہ تھا کہ گورنر یا حاکم کی حاکمانہ شان مجروح ہو اور عوام میں اس کے وقار کو نقصان پہنچے۔ کیونکہ جب تک حاکم کا وقار اور اس کا رعب وداب رعایا کے دلوں میں نہ ہو گا وہ حکومت کیسے کر سکے گا۔ چنانچہ ان کا اقتدار سیدنا عمرؓ کے اقتدار کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی خیرہ سر ان کی توہین کرتا یا ان کے بارہ میں دریدہ دہنی سے کام لیتا تو آپ اسے عبرتناک سزا دیتے۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا: "میں آپ کا گورنر ہوں۔ آپ مجھے گھٹائیں گے تو گھٹ جاؤں گا بڑھائیں گے تو بڑھ جاؤں گا اور روک دیں گے تو رک جاؤں گا"۔ آپؓ نے اس کے جواب میں فرمایا: "یہ ایک عقل مند رائے ہے"۔

شکایات کی واقفیت کے دوسرے ذرائع

اس انٹیلی جنس (Intelligence) کے محکمہ کے علاوہ لوگوں کی شکایات سے آشنائی حاصل کرنے کے لئے اور بھی بہت سے وسائل اور ذرائع آپ نے اختیار کئے ہوئے تھے تاکہ رعایا میں سے کسی شخص کی کوئی شکایت آپ تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ چنانچہ آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے بعد آپ صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس شخص کو آپ سے کچھ کہنا ہوتا وہ بلا جھجک آپ سے آ کر اپنی شکایت بیان کرتا اور آپ نہایت توجہ سے اس کی بات سنتے اور اس کے ازالہ کی پوری پوری کوشش کرتے۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۶۳۰)

رات کو مختلف علاقوں میں گشت کرتے جس سے لوگوں کے حالات معلوم ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اور مختلف قسم کی باتیں کرنے لگے اور اس

کے ارد گرد کے لوگوں کے بارہ میں بھی پوچھنے لگے۔ وہ بدو آپ کی شخصیت سے واقف نہ تھا لہٰذا نہایت بے تکلف آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ اچانک آپ نے خیمہ کے اندر سے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا یہ کون روتا ہے؟ اور کیوں روتا ہے؟۔ اس شخص نے کہا کہ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور یہاں دایہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں۔ اس وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ سیدنا عمرؓ فوری طور پر وہاں سے اٹھے اور سیدھے گھر آئے اور اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ کو ساتھ لیا اور اس بدو کے خیمہ پر آئے۔ بدو سے اجازت لے کر سیدہ ام کلثومؓ کو اس خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس عورت کے گھر بچہ پیدا ہوا۔ سیدنا عمرؓ اس بدو کے ساتھ خیمہ کے باہر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سیدہ ام کلثومؓ نے آواز دی: "امیر المؤمنین! اپنے ساتھی کو مبارک دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بچہ سے نوازا ہے"۔ وہ بدو امیر المؤمنین کا لفظ سن کر چونک پڑا اور مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اور معذرت خواہانہ انداز میں باتیں کرنے لگا۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "گھبراؤ نہیں۔ یہ میرا فرض تھا کہ میں تمہاری مدد کروں۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔" اور تھوڑی دیر کے بعد آپ سیدہ ام کلثومؓ کو ساتھ لے کر واپس گھر آ گئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانے میں بیٹھی کچھ اشعار گا رہی تھی جن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

تطاول هذا الليل و ازور جانبه

وليس الیٰ جنبي خليل الاعبه

رات سیاہ کالی ہے اور زلف یار کی طرح طویل اور لمبی ہوتی چلی جا رہی ہے اور میرا دوست بھی میرے پہلو میں نہیں ہے جس سے میں خوش فعلی کر سکوں۔

سیدنا عمرؓ کو پہلے تو اس شعر سے اس عورت کے خلاف بڑی بد گمانی ہوئی، لیکن جب تحقیق حال کی تو پتہ چلا کہ اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا ہوا ہے اور وہ اس کی جدائی میں یہ اشعار گا رہی ہے۔ سیدنا عمرؓ کو بہت دکھ ہوا اور فرمایا کہ میں نے عرب کی عورتوں پر بڑا ظلم کیا۔ صبح اپنی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ ایک عورت کتنے روز اپنے خاوند کے بغیر صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا "چار ماہ" چنانچہ اس روز سے پوری مملکت میں یہ سرکلر (Circular) بھیج

Marfat.com

دیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

اور یہ واقعہ بھی آپ کی رات کی گشت میں پیش آیا کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے اور مدینہ سے دو تین میل پر "صرار" نامی مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہنڈیا میں کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے اس کے قریب رو رہے ہیں اور وہ انہیں تسلی دے کر سلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے پاس جا کر حقیقت حال معلوم کی تو پتہ چلا کہ اس کے بچوں کو کئی وقت سے کھانا نہیں ملا اور ان کو بہلانے کے لئے اس نے ہنڈیا میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ سیدنا عمرؓ اسی وقت بیت المال میں گئے اور آٹا، گوشت، گھی، کھجوریں اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں لیں اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ انہیں میری پیٹھ پر لاد دو۔ اسلم نے عرض کی "امیر المؤمنین! میں ان چیزوں کو اٹھا کر لے جاتا ہوں"۔ فرمایا: "کیا قیامت کو بھی میرا بار اٹھاؤ گے؟" مختصر یہ کہ تمام اشیاء خود اٹھا کر لائے اور اس عورت کے سامنے لا کر رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا، ہنڈیا چڑھائی۔ سیدنا عمرؓ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ غرض کہ کھانا تیار ہوا اور بچوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ جب بچے کھانا کھا رہے تھے تو سیدنا عمرؓ ان کو کھاتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ جب عورت اور بچے کھانا کھا چکے تو اس نے دعا کے انداز میں کہا: "اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ"۔

سیدنا عمرؓ کے اپنے اس قسم کے اعمال کا نتیجہ تھا کہ دوسرے صحابہ کرامؓ بھی گورنر اور امیر شہر ہونے کے باوجود پبلک کے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ عوام کی خدمت کرنا ان کا قانونی اور شرعی فریضہ ہے۔ چنانچہ سیدنا سلمان الفارسیؓ جس زمانہ میں مدائن کے گورنر تھے تو شام کا ایک شخص کچھ مال لے کر آیا۔ سیدنا سلمان فارسیؓ بازار سے عباء پہنے گزر رہے تھے۔ اس شخص نے آواز دی "بڑے میاں! ادھر آئیں اور میرا یہ سامان اٹھالیں"۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آپ سلمان فارسیؓ گورنر مدائن ہیں۔ سیدنا سلمانؓ نے اس کا وہ سامان سر پر اٹھالیا اور بازار میں اس کے ساتھ چلنے لگے۔ راستہ میں لوگوں نے اس شامی سے کہا کہ یہ تو یہاں کے امیر ہیں۔ اس نے کہا "میں نے پہچانا نہیں"۔ چنانچہ اس نے سامان وہیں رکھ دینے کی درخواست کی لیکن آپ نے فرمایا "نہیں، میں اب یہ سامان آپ کے گھر تک پہنچاؤں گا"۔ چنانچہ وہ سامان آپ نے اس کے گھر تک پہنچایا۔

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی جلد ۱ ص ۵۴۲۔۵۴۳)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کے بارہ میں ان کا غلام اسلم روایت کرتا ہے کہ ایک رات آپ مدینہ منورہ میں گشت فرما رہے تھے۔ گشت فرماتے ہوئے آپ تھک گئے اور آدھی رات کے قریب ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ آپ نے سنا کہ ایک بڑھیا اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ "اے بیٹی !اٹھ اور اس دودھ میں پانی ملا دے" بیٹی نے کہا "اماں! کیا تو نے امیر المؤمنین کا حکم نہیں سنا کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے"۔ ماں نے کہا "بیٹی !امیر المؤمنین یا ان کا کوئی نمائندہ ہمیں اس وقت نہیں دیکھ رہا، لہٰذا تو پانی ملا دے"۔ بیٹی نے کہا: "اماں! میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی کہ امیر المؤمنین کے سامنے تو اس کی اطاعت کروں اور اس کی غیبت میں نافرمانی"۔

سیدنا عمرؓ یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ آپ نے اپنے غلام اسلم سے فرمایا کہ اس گھر کو ذہن میں رکھو۔ اور سیدنا عمرؓ نے اس نیک بخت لڑکی سے اپنے بیٹے عاصم کی شادی کر دی۔ اور وہ لڑکی سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی نانی تھی۔ (صفۃ الصفوۃ جلد ۲ ص ۲۰۳)

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا اور شہر کے باہر اترا۔ آپ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے ایک شیر خوار بچے کے رونے کی آواز سنی۔ آپ اس طرف متوجہ ہوئے دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کی گود میں زار و قطار رو رہا ہے۔ اس کی ماں سے بولے: "اللہ سے ڈر اور بچے کو نہ رلا"۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ بچہ پھر رو رہا ہے۔ آپ نے پھر اس کی ماں سے کہا: "بچے کو نہ رلا"۔ رات کا آخری حصہ تھا کہ بچے کے رونے کی پھر آواز آئی۔ سیدنا عمرؓ نے غصہ میں آکر اس کی ماں سے کہا "خدا تجھے سمجھے، تو کتنی بے رحم ماں ہے"۔ اس نے کہا: "تمہیں اصل حقیقت معلوم نہیں تم خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "آخر بات کیا ہے؟ تیرا بچہ خاموش کیوں نہیں ہوتا؟" ماں نے جواب دیا "اللہ کے بندے! میں اسے دودھ نہیں پلاتی اور یہ ضد کر رہا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا "کیوں دودھ نہیں پلاتی؟" عورت نے جواب دیا "عمرؓ کا حکم ہے کہ شیر خوار بچہ کو وظیفہ نہ دیا جائے"۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا "اس کی کیا عمر ہے؟" اس نے کہا "اتنے مہینے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "تجھے خدا سمجھے' دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر"۔ صبح کی نماز کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوئے اور نمناک آنکھوں سے فرمایا: "افسوس ہے عمرؓ پر! نہ جانے کتنے مسلمان بچوں کا خون اس کی گردن پر ہے"۔ اس کے بعد اعلان کرا دیا: "اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو' میں ہر مسلمان بچے کا

Marfat.com

جس روز وہ پیدا ہو اسی روز سے وظیفہ مقرر کرتا ہوں" اور یہ حکم ہمیشہ کے لئے دے دیا گیا۔ (صفۃ الصفوۃ جلد ا ص ۲۸۲)

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ اترا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ رات کو میرے مکان پر تشریف لائے۔ میں اس وقت آپ کی تشریف آوری دیکھ کر حیران رہ گیا اور عرض کی: "امیر المؤمنین! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ مجھ کو پیغام بھیج کر بلا لیا ہوتا"۔ فرمایا: "تھوڑی دیر قبل مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ سے باہر ایک قافلہ اترا ہے۔ لوگ سفر کی وجہ سے تھکے ماندے ہوں گے۔ آؤ ہم تم چل کر اس کا پہرہ دیں۔ چنانچہ ہم دونوں گئے اور رات بھر اس قافلے کا پہرہ دیتے رہے"۔

سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ ایک رات گھر سے نکلے۔ دیکھا کہ سیدنا عمرؓ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک اور گھر میں داخل ہوئے۔ سیدنا طلحہؓ صبح کے وقت ان میں سے ایک گھر میں گئے۔ دیکھا کہ وہاں ایک آنکھ سے معذور بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ سیدنا طلحہؓ نے اس بڑھیا سے پوچھا: "رات جو شخص آپ کے ہاں آیا تھا وہ کب سے آ رہا ہے؟ اور کیوں آتا ہے؟" اس بڑھیا نے جواب دیا: "وہ کافی عرصہ سے آ رہا ہے اور وہ میری خدمت کرتا ہے اور میرے گھر کی صفائی بھی اس کے ذمہ ہے۔ سیدنا طلحہؓ نے فرمایا "وہ تو امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ ہیں"

سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے۔ ان کی قوت بینائی جاتی رہی تھی' اس وجہ سے جمعہ کے لئے مسجد میں آنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ ایک روز سیدنا عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے کہا "میری آنکھیں نہیں ہیں اور میرے پاس کوئی آدمی نہیں جو مجھ کو مسجد کا راستہ بتائے، اس وجہ سے میں جمعہ کے لئے مسجد میں آنے سے معذور ہوں۔ سیدنا عمرؓ نے انہیں ایک خادم مرحمت فرما دیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا اور ان کو جمعہ کے لئے مسجد میں بھی لاتا۔ (اسد الغابہ، تذکرہ سعید بن یربوعؓ)

سیدنا عمرؓ نہایت مصروف آدمی تھے۔ اتنی بڑی سلطنت چلانا' راتوں کو گشت کرنا' مختلف محاذوں کی نگرانی کرنا' وہاں جرنیلوں کو مختلف قسم کی ہدایات بھیجنا' دینی امور انجام دینا' ان سب باتوں نے آپ کو بڑا مصروف رکھا ہوا تھا' لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور ان کی عورتوں سے کہتے کہ تم لوگوں کو بازار سے کوئی سودا سلف منگوانا ہے

Marfat.com

تو مجھے بتاؤ تاکہ میں تمہیں لادوں۔ وہ اپنی روزمرہ کی ضروریات آپ کو بتاتیں۔ آپ چیزیں خرید کر ان کے گھروں میں پہنچاتے۔ مختلف محاذوں سے قاصد مجاہدین کے گھر والوں کے نام خطوط لاتا تو آپ خود ان کے گھروں میں خطوط پہنچاتے اور انہیں کہتے کہ فلاں تاریخ کو قاصد واپس جائے گا۔ تم ان خطوں کے جواب لکھ رکھو تاکہ اس قاصد کے ہاتھ وہ جواب واپس چلا جائے۔ خطوط کے جواب لکھنے کے لئے کاغذ اور قلم دوات ان کے گھروں میں خود مہیا فرماتے۔ جن کے گھروں میں خط لکھنے والا کوئی نہ ہوتا تو خود چوکھٹ کے پاس جاکر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے وہ لکھتے جاتے اور پھر وہ خطوط اس قاصد کو دیتے جو محاذ سے آیا ہوتا۔ یہ کام اگرچہ آپ کا نہیں تھا لیکن آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ مجاہدین کے گھروں کی ضروریات مہیا کروں اور ان کو ہر قسم کا آرام پہنچانے کا بندوبست کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمام خلفاء میں سے جس قدر ان ذمہ داریوں کو آپ نے پورا کیا ہے اور کسی خلیفہ کی زندگی میں یہ تفصیل ہمیں نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے سیدنا علیؓ نے آپ کے بارہ فرمایا تھا:

اذللت الخلفاء بعدك

آپ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو مذلت اور مشقت میں ڈال دیا۔

یہ ریمارکس سیدنا علیؓ کے منہ سے سن کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "ابوالحسن! یہ شے قابل ملامت نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو نبوت و رسالت عطا کی اگر بکری کا ایک بچہ بھی فرات کے کنارے جاکر گم ہو جائے تو قیامت کے روز عمرؓ سے اس کے بارہ میں باز پرس ہو گی۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۶)

وظائف کے معاملہ میں آپ کی خواہش تھی کہ ہر وظیفہ خوار کو اس کا حق پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ تقسیم وظائف کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے لیتے تھے۔ چنانچہ حزم بن ہشام کعبی اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ خزانہ کا رجسٹر لئے چلے جا رہے ہیں۔ قدید پہنچ کر انہوں نے ہر شادی شدہ عورت اور غیر شادی شدہ لڑکی کو بلایا اور اس کا وظیفہ اپنے ہاتھ سے اسے دیا۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا حذیفہؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کے وظیفے اور روزینے انہیں دے دیئے جائیں۔ سیدنا حذیفہؓ نے لکھا کہ ہم نے سب لوگوں کے وظیفے اور روزینے تقسیم کر دیئے ہیں، پھر بھی کچھ بچ گیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا "یہ ان کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا ہے۔

Marfat.com

عمرؓ اور اس کی اولاد کا اس پر کوئی اجارہ نہیں۔ جو کچھ بچا ہے وہ بھی انہی میں تقسیم کر دو"۔

یہ لوگوں کے حالات سے واقفیت کا ایک ذریعہ تھا جس کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا لیکن ایک اور ذریعہ بھی لوگوں کے حالات معلوم کرنے اور ان کی تکالیف وغیرہ سے آشنا ہونے کا یہ تھا جس کو سفارت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ حالات کی دریافت کا بڑا عمدہ طریقہ تھا۔ مملکت کے تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ اپنے اپنے اضلاع کے بارہ میں ضروری مسائل اور لوگوں کی مشکلات پیش کرتے۔ ان سفارتوں کو وفد کا نام دیا جاتا تھا اور یہ عرب کا قدیم دستور چلا آرہا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے اس نظام کو وسعت دی اور اپنے زمانہ میں اس سے وہ کام لیا جو اس سے قبل کوئی نہ لے سکا۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں مختلف اضلاع سے وفود آئے اور انہوں نے اپنے مقامی مسائل اور ضرورتیں بارگاہِ خلافت میں پیش کیں اور آپ نے ان کے مسائل کو اپنے وسائل سے حل فرمایا۔ کبھی کبھی آپ خود بھی مختلف علاقوں سے سفارتیں اور وفود منگوا لیا کرتے تھے۔

مختلف اسفار

ان تمام ذرائع اطلاعات پر سیدنا عمرؓ کی تسلی نہ تھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ گورنر رعایا کی پروا نہیں کرتے اور عام آدمی کا میرے پاس آنا مشکل ہے کیونکہ سلطنت کی حدود وسیع ہو گئی ہیں اور ایک عام آدمی اتنا لمبا سفر کر کے میرے پاس مدینہ منورہ نہیں آ سکتا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے کئی سفر کئے۔ جب آپ نے شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع اور قریہ میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایات اور تکالیف سنیں اور ان کے ازالہ کی پوری پوری کوشش کی۔ شام کے اس سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے آپ کے دل میں بڑی رقت پیدا ہوئی۔ آپ شام کے سفر سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں ایک خیمہ نظر آیا۔ آپ حسب عادت سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے تو ایک بڑی بی نظر آئی۔ پوچھا "عمرؓ کے بارہ میں کچھ پتہ ہے؟" اس بڑھیا نے کہا "شام سے روانہ ہو چکا ہے لیکن اللہ اس کو غارت کرے، آج تک مجھے اس سے ایک پائی بھی وظیفہ نہیں ملا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "بڑی بی! اتنی دور کا حال اس کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" بڑھیا نے جواب دیا "اگر اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟" سیدنا عمرؓ کو اس بڑھیا کے منہ سے یہ کلمات سن کر سخت خفت ہوئی اور رقت بھی۔ چنانچہ آپ بے اختیار رونے لگے۔

Marfat.com

اسی وجہ سے اپنی خلافت کے آخری دور میں آپ نے چاہا کہ لوگوں کے حالات اور معاملات کا خود مطالعہ کریں اور سلطنت کے ہر حصہ میں جا کر دیکھیں کہ وہاں کے عوام کی کیا حالت ہے، اور گورنر اپنے فرائض کس طرح ادا کر رہے ہیں؟ چنانچہ فتح مصر کے بعد آپ نے فرمایا کہ "اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ پوری مملکت اسلامیہ کا دورہ کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بعض ضرورتیں بالا ہی بالا ختم کر دی جاتی ہیں۔ نہ گورنر انہیں میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور نہ حاجت مند مجھ تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ میں شام جاؤں گا اور دو ماہ وہاں ٹھہروں گا۔ پھر جزیرہ جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر مصر جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر بحرین جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر بصرہ جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ اور خدا کی قسم! میرا یہ دورہ نہایت مفید اور پبلک کے لئے نہایت بہتر ہو گا۔ لیکن افسوس کہ موت کے آہنی ہاتھوں نے انہیں اس دورہ کی مہلت نہ دی۔ اگر سیدنا عمرؓ یہ دورہ کر لیتے تو عام پبلک کے لئے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین میں بہت سی شقوں کا اضافہ ہوتا۔ کئی نئے مسائل کا حل نکلتا اور اجتہاد کی نئی راہیں کھلتیں۔

امیر المؤمنین کا لقب

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر سیدنا عمرؓ واقعی عوام کے بہی خواہ اور خیر اندیش تھے۔ تو انہوں نے اپنے لئے "امیر المؤمنین" کا لقب کیوں اختیار کیا کیونکہ یہ لفظ اسلام کے اصول مساوات کے منافی ہے۔ یہ اعتراض دراصل جہالت پر مبنی ہے۔ سیدنا عمرؓ کی خلافت سے قبل جب سیدنا ابوبکرؓ خلیفہ تھے تو وہ اپنے کو خلیفۃ الرسول کہتے تھے۔ سیدنا عمرؓ سیدنا ابوبکرؓ کے خلیفہ تھے لہٰذا وہ اپنے کو کافی عرصہ تک خلیفۃ الرسول کہتے رہے۔ لیکن یہ لفظ اس لحاظ سے کوئی اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق آپ اپنے آپ کو "اجیر المؤمنین" کہتے تھے۔ امیر کا لفظ عربی معاشرہ میں کوئی فخر کی بات نہ سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ فوج کے افسر اور دوسرے لوگ اپنے منتظمین کو "امیر" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ کفار عرب سرکارِ دو عالم ﷺ کو "امیر مکہ" کہتے تھے۔ علامہ ابن خلدونؒ نے لکھا ہے کہ عراق کے لوگوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو "امیر المؤمنین" کہنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی الملقب امیر المؤمنین ص ۱۴۶)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ کے دل میں اس بات کی کبھی خواہش پیدا نہ ہوئی کہ انہیں "امیر" کہا جائے۔ وہ تو خود کو "اجیر" سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ سواری پر سوار ہو کر سواری کو دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ سیدنا علیؓ نے پوچھا کہ امیر المؤمنین کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا کہ بیت المال کے اموال میں سے صدقہ کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اس کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۶)

اسی طرح کی ایک اور روایت طبری وغیرہ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے جس میں ابو بکر عبسی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سیدنا عمر بن خطابؓ اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے ہمراہ صدقہ کے اونٹوں کے باڑہ میں داخل ہوا۔ سیدنا عثمانؓ بھی آ گئے۔ سیدنا عثمانؓ تو سایہ میں بیٹھ گئے اور اونٹوں کے کوائف اور تعداد لکھنی شروع کی جب کہ سیدنا عمرؓ خود اونٹوں کے پاس جا کر سخت گرمی اور دھوپ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اوپر سیاہی مائل دو چادریں لی ہوئی تھیں۔ ایک تہمد کے طور باندھ رکھی تھی اور دوسری چادر سے سر ڈھانپے ہوئے تھے۔ صدقہ کے اونٹوں کا شمار کر کے ان کے رنگ اور ان کی عمریں بتاتے چلے جاتے تھے اور سیدنا علیؓ اور سیدنا عثمانؓ کو لکھواتے جاتے تھے۔ اس دوران میں نے سنا کہ سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ سے کہہ رہے تھے کہ قرآن حکیم میں سیدنا شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے اپنے باپ سے کہا تھا "اے ابا! اس شخص کو اجرت پر رکھ لیں، جن کو آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سے بہترین یہ شخص قوی اور امین ہے"۔ یہ بات کرنے کے بعد سیدنا علیؓ نے اپنے ہاتھ سے سیدنا عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہ شخص قوی بھی ہے اور امین بھی"۔
(طبری جلد ۵ ص ۱۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۹)

جو شخص انتظام حکومت اور لوگوں کی فلاح و بہبود اور بیت المال کی حفاظت و نگرانی میں اس قدر دلچسپی لیتا ہو کہ اسے اپنی جان اور جسم کے آرام و راحت کا بھی خیال نہ ہو، اس کو اگر امیر المؤمنین کہہ بھی دیا جائے تو اسے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے امیر المؤمنین کا لقب استعمال کرنا کوئی فخر و مباہات کی بات نہیں تھی۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلافت اتنا ہی مشکل تھا، جیسا کہ بتایا جاتا ہے تو پھر سیدنا عمرؓ خلیفہ کیوں بنے؟ جواب یہ ہے کہ وہ بنے نہیں بلکہ بنا دیئے گئے اور جب وہ سیدنا ابو بکرؓ کی طرف سے نامزد کر دیئے گئے تو پھر اس ذمہ داری کے بار گراں کو آپ نے جس طرح نبھایا وہ نہ صرف اپنوں کی نگاہ میں قابل

Marfat.com

تحسین ہے بلکہ بیگانوں نے بھی اس کی داد دی ہے۔ اسی بار گراں کے پیشِ نظر انہوں نے وصیت کی تھی کہ میرے بیٹے کو ہرگز خلیفہ نہ بنانا۔ بلکہ جن چھ افراد کا پینل انہوں نے بنایا تھا وہ سارے کے سارے وہ صحابہ کرامؓ تھے جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ ان عشرہ مبشرہ میں ایک ان کے بہنوئی سیدنا سعید بن زیدؓ بھی تھے۔ آپ نے ان کو اس پینل میں شامل نہیں کیا۔ یہ صرف اس لئے کہ وہ ان کے رشتہ دار تھے۔ جب وہ خلیفہ تھے تو کئی دفعہ اس بات کا اظہار کیا کہ یہ امر خلافت مجھ پر بہت گراں ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ارشاد فرمایا :

> "اگر میں جانتا کہ کوئی اور شخص خلافت کے اس کام کے لئے مجھ سے زیادہ قوت اور طاقت رکھتا ہے تو خلافت کا یہ منصب قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ بات زیادہ آسان تھی کہ میری گردن ماردی جاتی"۔ (فیضرب عنقی اھون علیّ)

(مؤطا امام محمد ص ۱۲۴)

بات لفظ امیر کی ہو رہی تھی۔ اس لفظ کی ابتداء دراصل یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ لبید بن ربیعہؓ اور عدی بن حاتمؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اطلاع کروائی۔ اور چونکہ کوفہ میں عراق کے لوگوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو امیر المؤمنین کہنا شروع کر دیا ہوا تھا' کوفہ میں رہتے ہوئے ان کی زبان پر بھی یہ لفظ چڑھا ہوا تھا۔ لہٰذا امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو اپنے آنے کی اطلاع کرتے وقت انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنینؓ کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا عمرؓ کو اطلاع کر دی اور اطلاع کرتے وقت یہ خطاب استعمال کیا۔ سیدنا عمرؓ سیدنا ابن عاصؓ کے منہ سے یہ لفظ سن کر کچھ حیران سے رہ گئے' لہٰذا انہوں نے سیدنا عمروؓ سے اس خطاب کے استعمال کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے وجہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا گیا۔ چنانچہ اسی روز سے یہ لفظ خلیفہ اسلام کے لئے شہرت پا گیا۔

فلاحی مملکت

اسلام ایک اجتماعی دین ہے۔ زندگی کا اجتماعی مزاج اور نوع انسانی کی آزمائش کا اجتماعی پہلو یہ چاہتا ہے کہ مسلمان ایک خاندان کی طرح ہیں اور کائنات کی جن اشیاء اور قوتوں کو اس پورے خاندان کی تحویل میں دیا گیا ہے، ان سے استفادہ میں سارے مسلمانوں

Marfat.com

بلکہ انسانوں کو ایک خاندان کے افراد کی طرح کا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

کونوا عباداللہ اخواناً (مسلم باب النہی عن التحاسد والتباغض)

اللہ کے بندے اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔

چنانچہ آپؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی ارشاد فرمایا:

ان کل مسلم اخ للمسلم و ان المسلمین اخوۃ

(ابن ہشام جلد ۳ ص ۷۶)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

صحیح اور صالح اجتماعیت اس وقت وجود میں آتی ہے جب ہر فرد دوسرے افراد کا، پورے اجتماع کا اور اس طرز زندگی کا وفادار اور بھی خواہ بن کر زندگی گزارے جس میں فرد اور اجتماع دونوں کی فلاح مضمر ہو۔ چنانچہ ایک روایت میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔ بے شک دین خیر خواہی کا نام ہے' سن لو دین خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا، یارسول اللہؐ! کس طرح کی خیر خواہی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی اس کی کتاب کی' اس کے رسول کی اور مومنین کے ائمہ (یعنی اصحاب امر) کی اور عام مومنین کی۔ (ابوداؤد باب النصیحۃ)

اس اجتماعیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اجتماعی امور باہمی مشورے کے ذریعے طے پایا کریں۔

و امر ھم شوریٰ بینھم (شوریٰ: ۳۸)

لیکن اجتماع اپنے بہت سے امور اس وقت تک انجام نہیں دے سکتا جب تک وہ با اختیار منظم اور صاحب قوت و اقتدار نہ ہو۔ جب اجتماع کو یہ وسیع اختیارات حاصل ہوں تو اپنے اوامر و نواہی کو نافذ کرنے کے لیے اجتماع' طاقت رکھنے اور بوقت ضرورت اس طاقت کا استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ اس طور پر ایک اجتماعی ادارے کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ جس کی قوت سب پر بالا ہو اور جو تمام وسائل و ذرائع رکھتا ہو جو ناگزیر اجتماعی ذمہ داریوں دفاع، قیام عدل' امن و امان قائم رکھنے اور افراد معاشرہ کی فلاح و بہبود کے اہتمام کے لیے ضروری

ہے۔ اسی انسانی ضرورت نے ریاست کے ادارے کو جنم دیا۔ یہ ادارہ نظم 'اقتدار' قوت اور مرکزیت کی امتیازی صفات کا حامل ہے جو کسی دوسرے اجتماعی ادارہ کو اس درجہ میسر نہیں۔

اسلامی شعور اور زندگی کا اسلامی مزاج ریاست کی ضرورت اور اہمیت کو اور زیادہ مستحکم کردیتا ہے۔ اسلامی ریاست مسلمانوں کے مشترکہ مقاصد کی ضامن اور ان کے جذبہ اخوت و تعاون کی اعلیٰ ترین مظہر بن کر ابھرتی ہے۔ اسلام نے اجتماع کو قیام دین' دعوت الخیر' شہادت النّاس اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داریاں سونپی ہیں، ریاست اس کی اولین ذمہ دار قرار پائی ہے۔ ریاست دوسرے اجتماعی اداروں کی نگرانی کرتی ہے۔ فرد کی جان و مال' عزت و آبرو' عقل' فہم' اور دین و اخلاق کی محافظ بن کر رہتی ہے۔ افراد کے تزکیہ اور زندگی کے حصول میں مدد دیتی ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا براہِ راست تقاضہ بلکہ اس کے ہم معنی ہے کیونکہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے:

> "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی"۔ (بخاری' کتاب الاحکام)

بلا اسلامی ریاست کے اسلامی اجتماع کا تصور دشوار ہے۔ اس حیثیت کو نہایت احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

> لااسلام الاّ بجماعة' ولاجماعةالابامارة' ولا امارة الا باطاعة (مسند دارمی باب فی ذہاب العلم)
>
> اسلام بغیر جماعت کے نہیں۔ جماعت بغیر نظم امارت کے نہیں اور امارت بے معنی ہے اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے۔

اگرچہ ہر فرد کو اسلامی ریاست کی اطاعت کرنا ضروری قرار دیا گیا' لیکن اطاعت غیر مشروط نہیں بلکہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ خود ریاست دستور الٰہی کی پابند ہو اور کوئی ایسا حکم نہ دے جو احکام الٰہی کے خلاف ہو۔ ریاست کے اپنے الٰہی دستور سے انحراف کی شکل میں فرد کو احکام الٰہی سے ٹکرانے والے احکام کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

Marfat.com

لاطاعة فی معصیة اللہ (مسلم باب وجوب اطاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ اللہ)
اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

لیکن جب ریاست اللہ کی فرمانبردار ہو تو پھر امیر ریاست کوئی ہو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو امیر مقرر کر دیا جائے"۔ (بخاری باب السمع والطاعۃ للامام)

جب اللہ کی کتاب اور حکومت دونوں مختلف راہوں پر نظر آئیں اس وقت فرد کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیے جس کی طرف اللہ کی کتاب راہنمائی کر رہی ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں طبرانی میں یہ روایت قابل غور ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"سرکاری وظیفے جب تک وہ صرف وظیفے ہیں تب تک انہیں قبول کرتے رہو۔ جب ان کی حیثیت دین کی خلاف ورزی کے لیے دی جانے والی رشوت کی ہو جائے تو ہرگز قبول نہ کرنا...... سُن لو! اسلام پر مختلف دور گزریں گے۔ ہر دور میں کتاب اللہ کے ساتھ اس کا تقاضا پورا کرنا۔ سُن لو! ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ کی کتاب اور حکومت ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں تم کتاب اللہ سے جدا نہ ہونا۔ یہ بھی سُن لو! عنقریب تمہارے امور کا فیصلہ کرنے والے صاحبان امر ایسے ہوں گے کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تمہیں گمراہ کر دیں گے اور اگر نافرمانی کرو گے تو تمہیں قتل کر دیں گے۔ راوی نے پوچھا: "یارسول اللہ! پھر ہم کیا طرز عمل اختیار کریں"؟ فرمایا وہی جو عیسیٰ ابن مریمؑ کے ساتھیوں نے کیا تھا۔ ان کو آروں سے چیرا گیا۔ تختہ دار پر چڑھایا گیا۔ اللہ کی فرماں برداری میں موت آجائے یہ اس کی نافرمانی کر کے زندہ رہنے سے بہتر ہے"۔

(المعجم الصغیر طبرانی ص ۱۵۴۔۱۵۵ دہلی)

جب ریاست کا سربراہ شریعت کے خلاف کام کرے اور حکومت کی پالیسی اسلامی ہدایت سے منحرف ہو تو اس وقت حق بات کہنی چاہئے اور کسی کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن حکومت پر تنقید اس وقت سخت مشکل ہو جاتی ہے جب ملامت سے آگے بڑھ کر تنقید کی

Marfat.com

وجہ سے حکام کے ظلم و جور کا نشانہ بننے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں بھی عوام کو تنقید کی تاکید کی گئی اور اسے سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا۔ چنانچہ ایک شخص نے اس وقت آپؐ سے پوچھا جب آپؐ اپنے پاؤں رکاب میں ڈال چکے تھے کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا"۔ (سنن نسائی، باب فضل من تکلم بالحق عند امام جائر) خلفائے راشدین صدر ریاست کی حیثیت سے اپنی رعایا کو اس کا یہ فریضہ خود یاد دلاتے تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی پہلی تقریر میں لوگوں سے یہ فرمایا:

"لوگو! میں تم پر حکمران بنادیا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سب سے اچھا فرد نہیں ہوں۔ لہٰذا اگر میں اچھے کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر برے کام کروں تو میری اصلاح کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت...... جب تک میں خود اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرنا اور جب میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کی ذمہ داری نہیں"۔
(سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ ص ۱۰۲)

اسی طرح سیدنا عمر بن خطابؓ نے اعلان فرمایا:

"لوگو! تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ آدمی ہے جو مجھے میرے عیوب بتلائے"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹۲)

خلیفہ ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں آپ نے عوام سے یہ درخواست کی کہ "...... میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو، مجھے معروف کا حکم دے کر اور منکر سے روک کر، اور اللہ نے مجھے تمہارے امر کا جو نگہبان بنادیا ہے اس کے سلسلہ میں میرے ساتھ خیر خواہی برتو"۔ (کنزالعمال جلد ۳ ص ۱۴۷)

شریعت اسلامی ان ہدایات و ضوابط کا مجموعہ ہے جو اسلام کے کلی فکر اور اس کے مجموعی مزاج سے ابھرتے ہیں۔ "شریعت کی وضع و ترتیب کا شرعی مقصود یہ ہے کہ مکلف کو اپنی خواہشات کی بندگی سے نکالا جائے تاکہ جس طرح وہ اضطراری طور پر اللہ کا بندہ ہے اسی طرح اختیاری طور پر بھی اس کا بندہ بن جائے"۔ (الموافقات، شاطبی جلد ۲ ص ۱۶۸)

Marfat.com

شریعت کا مقصد اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی قائم رہے اور اس کو خوش اسلوبی اور سہولت کے ساتھ گزارا جا سکے۔ دنیا میں اس کی ایسی فلاح نصیب ہو جو فلاح آخرت کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ مفکرین اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کا مقصد انسانی مفادات کا تحفظ اور اس کے مصالح کا حصول ہے۔ کیونکہ احکام شریعت کی بنیاد حکمتوں اور مصالح پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے:

"شریعت کی بنیاد حکمتوں پر رکھی گئی ہے۔ اس میں اصل توجہ معاش اور معاد میں انسانی مصالح کی طرف ہے۔ شریعت سراپا عدل، مجسم رحمت اور سراسر حکمت و مصلحت ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح و سعادت اس سے وابستہ ہے"۔ (اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۱)

اسی وجہ سے شریعت اسلامی کا گہرا مطالعہ کرنے والوں نے شریعت کے جملہ احکام کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "وہ بندگان خدا کے مصالح کی خاطر وضع کی گئی ہے"۔ (الموافقات' جلد ۲ ص ۶) وہ بنیادی انسانی مصالح کیا ہیں جن کا تحفظ انسان کی اولین ضرورت ہے۔ وہ بنیادی ضروریات پانچ ہیں۔ دین، جان، نسل، مال اور عقل۔

(الموافقات، جلد ۱ ص ۳۸، الاحکام فی اصول الاحکام سیف الدین آمدی جلد ۳ ص ۲۹۴)

انسان کی ان بنیادی ضروریات کے تحفظ کے لئے اقتدار کا ہونا ضروری ہے جو مفاد عامہ کے لئے کام کر کے ان ضروریات کا سختی کے ساتھ تحفظ کروائے۔ اور اس کے لئے قانون وضع کرے۔ اسراف و تبذیر سے پرہیز، اپنے زائد از ضرورت مال سے اہلِ حاجت کی مدد کرنا یا سامان تجارت کو منصفانہ قیمتوں پر فروخت کرنا عام حالات میں افراد کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر ملک کی معیشت کو تنگ حالی کا سامنا ہو' ارباب دولت سے اہلِ حاجت کی ضرورتیں نہ پوری ہو رہی ہوں اور اشیاء ضرورت کی قلت کے بغیر صرف نفع اندوزی کی خاطر عوام سے زیادہ قیمتیں وصول کی جا رہی ہوں' تو بنیادی انسانی مصالح کے تحفظ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ قانون اور قوت نافذہ کو حرکت میں لایا جائے اور ان ہدایات کی حکماً تعمیل کرائی جائے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ انسان کو مال کے ضائع کرنے کا اختیار نہ دیا جائے، کیونکہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور امین کے امانت کو ضائع کرنے کا اخلاقی اور شرعی طور پر کوئی حق نہیں۔ وہ مال کو مقاصد حیات کے حصول کا ذریعہ بنائے اور جو کچھ اس منشاء کے خلاف ہو گا وہ اضاعت مال ہے جس کو قرآن حکیم نے "فساد" کے لفظ سے

Marfat.com

تعبیر کیا ہے (البقرہ : ۲۰۵)۔ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی احادیث میں اضاعت مال سے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ

"قیل و قال کرنے، بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ در گور کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے"۔

(بخاری، کتاب الرقاق' الادب المفرد ص ۴۵)

"کثرۃ السوال" کا ایک معنی یہ بھی ہے "زیادہ مال مانگنا"۔

(فتح الباری جلد ۱۱ ص ۲۶۲)

بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہ روائت مؤطا امام مالکؒ اور مسند دارمی میں بھی آئی ہے۔ صحیح مسلم میں یہی مضمون ایک مفصل روایت میں بھی آیا ہے۔ اس کی شرح فرماتے ہوئے امام نوویؒ نے لکھا ہے :

"اضاعت مال سے مراد غیر شرعی طور پر مال کو صرف کرنا ہے اور بے جا تلف کرنا ہے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے ہم معنی ہے اور اللہ تعالیٰ فساد پیدا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کر دے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا"۔

(نووی شرح مسلم 'کتاب الاقضیہ) ۔

امام نوویؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں فساد پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے اس میں تلف مال کی ممانعت خود بخود شامل ہے۔ کیونکہ تلف مال فساد پیدا کرنے کی ایک شکل ہے۔

مال ضائع کرنے کی بعض شکلیں غیر کاروباری اور انفرادی بھی ہیں، ان میں سے بعض اسراف کے تحت آتی ہیں اور بعض غیر شرعی مصارف کے تحت آتی ہیں۔ ان میں سے ایک "تبذیر" ہے اور دوسری "اسراف" ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ "اسراف" کا اطلاق عموماً ایسے صرف مال پر ہوتا ہے جو جائز مقصد کے لئے ہو لیکن حد اعتدال سے متجاوز ہو اور "تبذیر" غیر شرعی اغراض سے متعلق صرف مال اور اس طرح خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ہم معنی ہے۔ ائمہ اشتقاق نے بھی لکھا ہے کہ "تبذیر" بذر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں

Marfat.com

"زمین میں بیج پھینکنا" اور "تبذیر" کے معنی مال کو ایسے مصرف میں لانا ہے جو درست نہ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تبذیر" اس بارہ میں تجاوز کا نام ہے کہ کون سا مصرف درست ہے۔ گویا یہ کیفیت سے جہل ہوا اور "اسراف" کمیت کے معاملہ میں تجاوز کا نام ہے جو مقدار مناسب سے جہل کا ہم معنی ہے۔ اسی وجہ سے "تبذیر" کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے (الاسراء: ۲۵۔۲۶) اور امام بخاریؒ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ان سے پوچھا کہ "مبذرین" کون ہیں؟ فرمایا:

"الذین ینفقون فی غیر حق". (الادب المفرد ۶۵)

جو ناحق مصارف میں مال خرچ کریں۔

باطل نظریات و خیالات کی اشاعت یا فحش باتوں کی اشاعت حرام ہے۔ ایسے کاموں کے لئے مال خرچ کرنا "تبذیر" کہلاتا ہے۔ یہی حال دوسرے حرام کاموں کا ہے۔

اضاعت مال کی دوسری قسم "اسراف" ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس غرض کی تکمیل مال کی ایک مخصوص مقدار صرف کر کے کی جا سکتی ہے اس پر دانستہ اور بلا مزید فائدہ کے زائد مقدار میں مال صرف کرنا "اسراف" کہلاتا ہے (Lane: Arabic English Lexicon, p 1351)

جو بات مال کے سلسلہ میں کہی گئی ہے وہی اگر اشیائے استعمال کے وصفی معیار کے بارہ میں بھی سامنے رکھی جائے تو اسراف کا ایک دوسرا پہلو واضح ہوتا ہے۔ ایک حاجت کی تشفی اگر ایک مخصوص معیار کے سامان سے اتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی کہ اس سے برتر معیار سے تو اس حاجت کی تشفی کے لئے برتر معیار کے سامان کی طلب کرنا ایک مسرفانہ طلب قرار دی جا سکتی ہے۔ للذا اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "اسراف" نام ہے ضروریات کی تکمیل کے لئے مقدار یا معیار کے اعتبار سے زائد از ضرورت مال صرف کرنے کا۔

اسراف کے بارہ میں قرآن حکیم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اعراف: ۳۱) اور اللہ کے بندوں کی قرآن حکیم میں جو تعریف کی گئی تو فرمایا:

(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی روش اختیار کرتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۷)

Marfat.com

ایک حدیث میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو لیکن اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔"

(بخاری ابواب اللباس)

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"ان من السرف ان تاکل کل ا اشتھیت".

(ابن ماجہ باب من الاسراف ان تاکل کل من اشتھیت)

یہ بات بھی اسراف میں شامل ہے کہ جس شے کی بھی خواہش ہو اسے کھا ہی لیا جائے۔ امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک لوگ ایسے مکان نہ بنانے لگیں جن کو وہ منقش کپڑوں کے مثل آراستہ کریں گے"۔

حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں۔ "حتی یبنی الناس بیوتاً یشبھونھا بالمراجل" "مراجل" کے معنی راوی حدیث ابراہیم ابن المنذر یہ بیان کرتے ہیں "منقش کپڑے"۔ (الادب المفرد ص ٦٧)

اسی اسراف سے امت کو بچانے کے لیے سیدنا عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں کو لکھا:

"بلند بالا عمارتیں نہ تعمیر کرو کیونکہ یہ طرز عمل بدترین زمانے کی نشانی ہے"۔ (الادب المفرد ص ٦٧)

ظاہری نگاہ میں اگرچہ ایک فرد آزاد ہے کہ وہ اپنے وسائل وذرائع کو مباح اور جائز ضرورتوں اور کاموں پر جس طرح چاہے صرف کرے' مثال کے طور پر اگرچہ علاج اور علم بنیادی ضرورتیں ہیں لیکن ایک شخص انہیں نظر انداز کر کے اپنا مال اپنے گھر کی زینت اور آرائش پر صرف کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے لیکن یہ طرز عمل اسلامی طریقہ زندگی سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام انسانی زندگی کو ایک بامقصد کام سمجھتا ہے اور مقصدی زندگی کا تقاضہ ہے کہ ضرورتوں کو زیب و زینت پر ترجیح دی جائے۔ اسلامی فقہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ بنیادی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے زینت کے امور پر مال صرف کرنا اسراف میں داخل ہے۔ اسلام نے بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کو ضروری قرار دیا ہے۔ (الموافقات جلد ٢ ص ١٧٦ تا ١٨١)

اس کے علاوہ اسلام نے لذت دنیا میں انہماک' مبالغہ کی حد تک آرام وسہولت کی

Marfat.com

طلب اور عیش و عشرت میں غرق ہو جانے والی زندگی کو ازحد ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور اس سے اجتناب کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ سیدنا معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا:

"خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے عیش کوش نہیں ہوتے"۔ (مشکوٰۃ، باب فضل الفقراء)

سیدنا عمرؓ نے اس بارہ میں سخت تاکید فرمائی تھی۔ ابو عثمانؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں تھے کہ وہاں کے گورنر کے نام سیدنا عمرؓ کا خط آیا۔ اس میں آپؓ نے عتبہ بن فرقد کو لکھا کہ "خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا اور اہل شرک کے لباس سے اور ریشم کے لباس سے"۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۳۰)

اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں میں انہماک انسان کو آخرت سے غافل اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ذمہ داریوں سے بے پروا کر دیتا ہے اور اپنی زندگی کے صالح مقاصد کے لئے اپنا مال اور وقت صرف کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ان تمام چیزوں پر پابندی لگا کر سماج کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے جن سے مملکت اسلامیہ میں عوام الناس کی فلاح و بہبود نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایک اسلامی ریاست اجتماع کے مصالح کو فرد کے مصالح پر ترجیح دے اور اجتماع کو انفرادی اعمال کے مضرت رساں اثرات سے بچانے کے لئے انفرادی اعمال کو مناسب حدود کا پابند بنائے۔ کاروبار میں نفع کمانا جائز اور نگاہِ شریعت میں مستحسن ہے اور کاروبار کیا ہی نفع کے لئے جاتا ہے، لیکن جس وقت کوئی تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے یا خریدار کی سخت احتیاج کی وجہ سے فائدہ اٹھا کر زیادہ دام وصول کرے تو ہر ایسا معاہدہ بیع فاسد ہے اور جو شخص نرخ گراں کرنے کے غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک غلط کار ہے اور اللہ اس سے بری الذمہ ہے (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۲) اور "جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لئے دخل دے کہ اسے گراں کر دے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے روز اسے زبردست آگ میں جھونک دے (مسند ابی داؤد طیالسی ص ۲۵، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۲۔ ۱۳) اور فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ:

"مضطر کی خرید و فروخت فاسد ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص کو کھانے پینے یا لباس وغیرہ (ضروریات سے متعلق) اشیاء کی شدید

Marfat.com

ضرورت ہو اور فروخت کرنے والا بازار کے بھاؤ سے زیادہ قیمت وصول کرنے پر اصرار کرے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ (فروخت کرنے والا فروخت کرنے پر مجبور ہو اور) خریدنے والا بازار کے بھاؤ سے بہت کم دام پر سودا چکانا چاہے"۔ (ابن عابدین شامی جلد ۴ ص ۴۴)

اشیائے صرف کی قیمتیں مقرر کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے روکا ہے۔ ہاں اگر ضرر عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو تو قیمتیں مقرر کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ "اگر غلہ کے تاجر من مانی قیمتیں وصول کرتے ہوں اور معقول قیمت سے زائد دام وصول کرتے ہوں (ویتعدون عن القیمة تعدیا فاحشاً) اور قاضی یا سربراہ مملکت نرخ مقرر کرنے کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اہل الرائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ قیمتیں مقرر کردینے میں کوئی حرج نہیں"۔ (ہدایہ جلد ۴ ص)

سیدنا عمرؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اسلامی ریاست کو ایک فلاحی مملکت اس وقت بنایا جب کہ پوری دنیا میں کوئی فلاحی مملکت نہ تھی' بلکہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں ٹیکسوں کے ذریعہ لوگوں کے خون کو چوس کر اپنے حکام اور سربراہوں کے عیش و آرام کے لئے اس کو صرف کرتی تھیں' اور خود ان کے عوام فقر و مسکنت کی چکی میں پس رہے ہوتے تھے۔ اسلامی ریاست کی سب سے پہلی ذمہ داری کفالت عامہ' معاشی ترقی کا اہتمام اور تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا ہے۔

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں رہنے والے ہر شخص کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج شامل ہیں۔ اس تکمیل کی کئی صورتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایک ریاست کے ذمہ ضروری ہے کہ محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے۔ چنانچہ ابو مریم ازدیؓ فرماتے ہیں کہ "میں سیدنا معاویہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے پوچھا: "ابو فلاں! کیسے تشریف لائے؟" میں نے کہا میں آپ کو ایک فرمانِ رسولؐ کے بارے میں باخبر کرنے آیا ہوں جسے میں نے سنا ہے میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو خود یہ فرماتے سنا ہے کہ:

"جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان

Marfat.com

کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا"۔

سیدنا معاویہؓ نے یہ سن کر ایک شخص کو عوام کی ضروریات پوری کرنے پر مامور کر دیا۔

(ابو داؤد: باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ)

اسی سلسلہ میں امام ترمذیؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن مرہؓ نے سیدنا معاویہؓ سے یہ کہا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو امام (سربراہ مملکت) ضرورت مند، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات، فقر اور مسکنت پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔ یہ سن کر سیدنا معاویہؓ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات زندگی پوری کرنے پر مامور کر دیا"۔

(ترمذی: باب ماجاء فی امام الرعیۃ)

رعایا کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام دراصل اس جذبہ خیر خواہی میں مضمر ہے جو ایک اسلامی ریاست کے والی پر لازم قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جس بندہ کو حق تعالیٰ لوگوں کا حکمران بناتا ہے اور وہ ان کے ساتھ پوری طرح خیر خواہی نہ برتے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (لم یجد رائحۃ الجنۃ) (بخاری باب من استرعی رعیۃ لم ینصح) اسی مضمون کی ایک اور روایت مسند ابی عوانہ جلد ا ص ۳۲ پر مروی ہے۔

ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا ایک خط نقل کیا ہے جو آپ نے ایک نو مسلم قبیلہ کے سردار زرعہ بن ذی یزن کے نام لکھا تھا۔ آپ نے اس خط میں یہ بتایا کہ مال کا جو حصہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا وہ صدر ریاست کے ذاتی مصرف میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اہلِ حاجت اور ضرورت مند لوگوں کو دیا جائے گا اور یہ اطمینان دلایا گیا کہ جو فرد بھی ضرورت یا مصیبت سے پریشان ہو گا خواہ وہ مال دار ہو یا مفلس و قلاش' اللہ کا رسول (اسلامی ریاست کے صدر کی حیثیت سے) سہارا دینے کے لئے موجود ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب الاموال ص ۲۰۲)

یہ اللہ کے رسول کا سہارا اور رئیس مملکت ہونے کے ناطے ان کی سرپرستی ہی کا تقاضا ہے کہ فتوحات کی وسعت کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پا جائیں ان کے قرضے اسلامی

Marfat.com

ریاست کے بیت المال سے ادا کئے جائیں گے۔ (کتاب الاموال ص ۲۰۲) امام بخاریؒ نے بھی اس بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم ﷺ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپؐ نے فرمایا:

"جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پا جائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہو گی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہو گا"۔

(بخاری: باب قول النبی ﷺ من ترک کلا او ضیاعاً فالیّ)

امام ترمذی اور ابو داؤد نے بھی اسی مضمون کی روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں نیز امام ابو عبیدہ کی کتاب الاموال ص ۲۲۷ پر بھی حدیث ملاحظہ ہو

یہ وہ اصول تھا جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے صدر مملکت ہونے کی حیثیت سے بنایا اور اس پر عمل بھی کیا' لہٰذا جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر آپ کے بعد فائز ہوئے 'انہیں اس بارہ میں اپنی ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ بلکہ اسلامی ریاست کے خلیفہ کا مطلب ہی سیدنا سلمان فارسیؓ نے یہ بیان کیا ہے کہ:

الذی یقضی بکتاب و یشفق علیٰ الرعیة شفقة الرجل علیٰ اھله

یعنی خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور اپنی رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے۔ (کتاب الاموال ص ٦)

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا سیدنا عمر بن خطابؓ کو کتنا خیال تھا' اس کا اندازہ اس خطبہ سے کیا جا سکتا ہے جو قادسیہ کی فتح کی خوش خبری سنانے کے بعد آپ نے عوام کے سامنے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:

"مجھے اس بات کی انتہائی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی تمہاری کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں۔ جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے پاس اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعہ گزر اوقات کریں گے۔ یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کس قدر خیال ہے' لیکن میں یہ بات تمہیں اپنے عمل

کے ذریعہ ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم: میں بادشاہ نہیں ہوں کہ
تم لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ
سمجھوں بلکہ تمہاری شے سمجھ کر تمہاری طرف واپس کر دوں اور
تمہاری خدمت کے لئے تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم
اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو تمہارے ذریعہ فلاح پاؤں گا۔
اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے حقوق
کے مطالبہ کے لئے اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعے
میرا انجام خراب ہو گا۔ دنیا میں کچھ عرصہ میں خوشی منا لوں گا' لیکن
آخرت میں عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہو گا کہ نہ
کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہو گا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا
کہ میں اپنا کوئی عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں"۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۴۶)

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ جب بھی مسلمان حکمرانوں نے اسلامی ہدایات کو اپنا راہنما بنایا تو انہوں نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ جب عمر بن خطابؓ کے ہم نام اور عزیز سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو آپ کفالت عامہ کی ذمہ داری کی گراں باری محسوس کر کے رونے لگے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میں ایک بار رات کو آپ کے پاس گئی۔ آپ اپنے مصلیٰ پر تھے اور زارو قطار رو رہے تھے۔ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ میں نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے؟ آپ نے روتے ہوئے فرمایا:

"امتِ محمدیہ کی پوری ذمہ داری میرے کاندھوں پر ہے، لہٰذا
میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم
رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بوڑھے اور نحیف و ناتواں افراد
اور ان لوگوں کے بارہ میں سوچ رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے
ہیں۔ لیکن مالدار نہیں ہیں۔ اور مختلف علاقوں میں بسنے والے اسی قسم
کے دوسرے افراد کے بارہ میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب
قیامت کے روز مجھ سے ان کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ اور اللہ کے

Marfat.com

حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد ﷺ ہوں گے (فعلمت ان ربی سیسئا لنی عنهم یوم القیامة و ان خصمنی دونهم محمد صلی الله علیه وسلم) مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات ثابت نہ ہو سکے گی۔ تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا"۔

(ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۴' کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۰' سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' لابن جوزی' ص ۱۸۹' سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالحکم ص ۱۷۸)

نہ صرف یہ کہ آپ کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا بلکہ آپ نے واضح طور پر اعلان کر رکھا تھا کہ

"تم میں سے جس کسی کی بھی کسی ضرورت کا مجھے علم ہو گا اس کی وہ ضرورت پوری کرنے کی میں حتی الامکان پوری پوری کوشش کروں گا"۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم ص ۴۱)

اور تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ انہوں نے ان کی وہ سب ضرورتیں پوری کیں' لیکن اپنی ضرورتیں نہ پوری کر سکے۔ خود ان کے اپنے بچے بھوکے رہتے لیکن دوسروں کے بچوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ عید کے روز ان کے بچے پرانے کپڑے پہنتے تھے' لیکن دوسرے بچوں کو انہوں نے نئے کپڑے پہنائے۔

آپ کے زمانے میں ایک دفعہ زبردست قحط پڑا تو عرب کے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک شخص کو منتخب کیا۔ اس نے آپ سے کہا:

"اے امیر المؤمنین! ہم ایک شدید ضرورت کی وجہ سے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے جسم کی چمڑی سوکھ گئی ہے کیونکہ اب ہڈیاں بھی میسر نہیں آتیں۔ اور ہماری مشکل کا حل صرف بیت المال کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس مال کی حیثیت تین میں سے ایک ہو سکتی ہے۔ یا تو یہ خدا کے لیے ہے یا بندوں کے لیے یا پھر آپؒ کے لیے۔ خدا کو اس کی ضرورت نہیں۔ اگر بندگانِ خدا کے لیے ہے تو اسے انہیں دے

Marfat.com

دیجئے۔ اگر آپ کا ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا"۔

یہ سُن کر سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اور حکم دیا کہ ان کی تمام ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں۔ (التبر المسبوک فی نصائح الملوک ص ۶۱)

آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ جب بھی کوئی ضرورت مند آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کی ضرورت پوری کرنے کا اہتمام فرمایا۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی ص ۵۶ وص ۷۴)

آپ کو اس کی بڑی فکر رہتی تھی کہ رعایا فقر وفاقہ سے نجات پا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص مدینہ طیبہ سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ فلاں مقام پر جو فقیر بیٹھا کرتے تھے ان کا کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ لوگ اب وہاں نہیں بیٹھتے۔ اللہ نے ان کو وہاں بیٹھنے سے بے نیاز کر دیا ہے"۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی ص ۷۶)

مملکت اسلامیہ کی ان گراں بار ذمہ داریوں کے بار دوش سے سبکدوش ہونے کے لیے وہ دن رات متفکر رہتے۔ اسی فکر میں ان کا انتقال ہوا اور ان کی اہلیہ محترمہ اور دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ ان جسم پر گوشت کے بجائے صرف ہڈیاں نظر آتی تھیں۔

یہ تو چھوٹے عمرؒ کا حال تھا۔ بڑے عمرؓ نے تو کفالت عامہ کے بارہ میں وہ وہ کام کیے کہ آج تک دنیا انگشت بدنداں ہے کہ اس زمانہ میں ایسے کام کیسے ممکن تھے؟ سیدنا عمر بن خطاب نے تمام مملکت اسلامیہ میں اعلان کر رکھا تھا کہ

"جو شخص مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے مال کا خازن اور تقسیم کنندہ بنا رکھا ہے"۔

(سیرۃ عمر بن خطاب لابن جوزی ص ۱۰۱)

کفالت عامہ کے فریضہ کی عملاً انجام دہی کی متعدد مثالیں سیدنا عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں ملتی ہیں۔ جب آپ شام تشریف لائے تو سیدنا بلالؓ نے بڑے مؤثر انداز میں آپ کو یہ بتایا کہ عوام بھوک سے پریشان ہیں۔ آپ نے فوراً مقامی حکام کو حکم دیا کہ ہر مسلمان کے لیے بقدر کفالت غذائی اجناس فراہم کریں۔ چنانچہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ:

Marfat.com

"ایک بار سیدنا عمرؓ اپنی چادر میں کنکریاں بھر کر اسے سر کے نیچے رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے کہ ایک پکارنے والے نے "یا عمر! یا عمر!" پکارنا شروع کیا۔ آپ چونک کر اٹھے اور اس سمت دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ کی نکیل تھامے کھڑا ہے اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جب اس شخص نے سیدنا عمر بن خطابؓ کو دیکھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہی امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے دریافت کیا کہ تجھے کس نے ستایا؟ آپ نے سمجھا کہ وہ کوئی ستم رسیدہ ہے۔ وہ اٹھ کر اپنا حال بیان کرنے لگا۔ اس نے چند اشعار پیش کیے جن میں قحط کی شکایت کی۔ سیدنا عمرؓ ہاتھ سر پر رکھ کر چیخے! ہائے عمر! ہائے عمر! اور فرمایا! لوگو تم سمجھتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے۔ عمر سیر شکم ہو کر کھاتا اور پیتا ہے اور مسلمان قحط اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔ کون ہے جو ان لوگوں کو رسد اور کھجوریں اور ان کی ضرورت کی دوسری اشیاء پہنچائے؟

'چنانچہ آپ نے دو انصاری حضرات کو بہت سے اونٹوں کے ساتھ جن پر کھجوریں اور اجناس لدی ہوئی تھیں روانہ کیا۔ وہ یمن گئے اور اپنے ساتھ جو کچھ لے گئے اسے وہاں تقسیم کر دیا"۔

(سیرۃ عمر بن خطابؓ لابن جوزیؒ ص ۴۳ ۷' نیز کتاب الاموال ص ۲۶۴' ص ۷ ۲۴۔ ۲۴۸)

۱۸ھ میں سیدنا عمرؓ ہی کے دورِ خلافت میں مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف میں قحط پڑا جس کو اسلامی تاریخ میں "عام الرمادہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ قرن اول کی اسلامی ریاست میں ایک آزمائشی موقع تھا۔ اس موقع پر صدرِ ریاست سیدنا فاروق اعظمؓ نے جس احساس ذمہ داری اور چستی' تندہی اور حسن انتظام کیساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کیں۔ وہ ہمیشہ آنے والے حکمرانوں کے لیے ایک نمونہ رہے گا۔ اس قحط کا کچھ تذکرہ ہم نے گذشتہ اوراق میں بھی کیا ہے۔ یہاں اتنا بتانا کافی ہو گا کہ قحط اتنا شدید تھا۔ کہ نو ماہ تک پورے حجاز میں فقر و فاقہ کا دور دورہ تھا۔ خشک سالی کی وجہ سے کوئی پیداوار نہیں ہوئی تھی دیہات کی آبادی کا بڑا حصہ شہروں اور بالخصوص مدینہ میں منتقل ہو گیا تھا کہ شاید وہاں سدِ رمق کا اہتمام ہو سکے اور فاقہ کشی کی موت سے محفوظ ہو سکیں۔ لوگ نہایت پریشان حال تھے۔ سیدنا عمرؓ نے مدینہ میں

Marfat.com

غذائی اجناس کی عام تقسیم اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد کے لئے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ مصر و شام اور دوسرے دور دراز کے علاقوں سے غلہ، چربی اور تیل وغیرہ اشیاء ضرورت کو اونٹوں کے لمبے لمبے قافلوں پر بار کرا کر منگوایا۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کرائے۔ اور تمام قحط زدہ علاقوں میں لوگوں کو اذن عام دے دیا کہ باہر سے آنے والے ان سرکاری قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ نے قحط اور فاقہ کی بلا کا مقابلہ اسی اہتمام کے ساتھ کیا جس طرح بڑی بڑی جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ آپ شخصی طور پر ان انتظامات کی نگرانی کرتے تھے اور کام کرتے کرتے آپ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بعد میں لوگ یہ کہہ اٹھے کہ:

"اگر اللہ تعالیٰ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کر دیتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ عمرؓ مسلمانوں کے اس مسئلہ کی فکر کرتے کرتے مر جائیں گے"

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ دن بھر ان کاموں میں مصروف اور پریشان رہتے پھر راتوں میں رزاق مطلق اور خداوند ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہو کر روتے اور دعائیں کرتے۔ آپ نے عام لوگوں کی مصیبت پر پوری طرح شریک ہونے کی خاطر گھی اور گوشت کا استعمال ترک کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی صحت انتہائی خراب ہو گئی اور رنگ سیاہ پڑ گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ چالیس پچاس ہزار آدمی روزانہ سیدنا عمرؓ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ دیہات میں اگر ایک گھر بھی ہوتا تو کھانا وہاں بھی بھیجا جاتا۔ بہت لمبا چوڑا انتظام کیا لیکن قحط بجائے کم ہونے کے بڑھ رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک صاحب نے ایک بکری ذبح کی تو اس میں سوائے ہڈی، خون اور کھال کے کچھ نہ نکلا۔ اس کے بعد اس آدمی کی چیخ نکلی اور کہا: "وامحمداہ" (ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہا اور آنکھوں میں سے آنسو نکل پڑے۔ اور پڑ کر سو گئے۔ خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ عمرؓ کو میرا سلام کہہ کر کہو کہ تو تو عقل مند تھا کیا ہوا؟ آنکھ کھلی تو سیدنا عمرؓ کے دروازے پر جا کر کہا کہ "یا امیر المؤمنین اجب رسول اللہ ﷺ"۔ یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ کے پیغام لانے والے کو جواب دو۔ سیدنا عمرؓ بھول میں آپ گا زمانہ جان کر دوڑے۔ دروازے پر پہنچ کر یاد آیا کہ یہ حضور علیہ السلام کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمرؓ لرز گئے اور فرمایا کہ میری زندگی میں فرق آ گیا۔ سارے مدینہ کے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا "میں آپؐ کی زندگی سے

Marfat.com

بدلا تو نہیں ؟" لوگوں نے کہا "نہیں"۔ فرمایا "یہ شخص کیا کہتا ہے ؟" خواب سنا تو سب نے جانا' صرف سیدنا عمرؓ نے نہ سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری نماز اور دعا قبول ہے تو انتظام کے چکر میں کیوں پھنسے ہو' دعا کیوں نہیں مانگتے ؟" سیدنا عمرؓ نے بارش کی دعا مانگی' قحط دور ہونے کی دعا مانگی۔ مختصر سی دعا تھی "اللهم انا نستغفرك و نستسقيك"۔ دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیرنے سے قبل بارش شروع ہوئی۔ جانوروں میں جان پڑنی شروع ہوئی' کھیتیاں سرسبز و شاداب ہونی شروع ہوئیں۔ دیہاتیوں نے کہا کہ چاروں طرف سے بادلوں میں سے یہ آواز آرہی ہے "اتاك الغوث! ایاحفص" اے عمرؓ! تو نے بارش مانگی آ گئی بادل آ گیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۱۰۔ ۳۲۴۔ تاریخ طبری حوادث ۱۸ھ' البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۹۰۔ ۹۲ وغیرہ)

کفالت عامہ کی ذمہ داری کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے اگر دارالاسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مر جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا آپؓ کے مشہور اقوال ہیں کہ :

لو مات جمل ضیاعاً علیٰ شط الفرات و فخشیت ان یسئلنی الله عنه

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۰۵)

اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارہ میں جواب طلب کرے گا۔

ایک اور موقع پر فرمایا :

لوماتت شاة علی شط الفرات ضائعة فظننت ان الله سائلنی عنها یوم القیامة

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارہ میں جواب طلب کرے گا۔

(سیرۃ عمر بن خطابؓ' لابن جوزی ص ۱۶۱)

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اگر کسی نہر کے کنارے کوئی خارشتی بکری اس حال میں چھوڑ دی

Marfat.com

جائے کہ اسے علاج کے طور پر تیل کی مالش نہ کی جا سکے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے اس کے بارہ میں جواب طلب کیا جائے گا"۔ (التبر المسبوک' امام غزالیؒ ص ۱۷)

سیدنا عمرؓ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کفالت عامہ کی ذمہ داری میں دوا علاج کو بھی داخل سمجھتے تھے۔ جو حکمران جانوروں کے علاج کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو وہ انسانوں کے علاج کو بدرجہ اولیٰ اپنی ذمہ داری میں داخل سمجھے گا۔

آپ اپنے ماتحت حکام کو بھی اس ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ بصرہ کے والی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ جب ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لئے آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ:

"لوگوں کے گھروں میں ان کے لئے فراخی کا سامان فراہم کرو اور ان کے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو"۔ (سراج الملوک' طرطوشی ص ۱۰۹)

کفالتِ عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ غیر مسلموں کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ سیدنا عمرؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت فرمائی تھی کہ ضرورت مند غیر مسلموں کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کا گزر ایک گلی میں سے ہوا۔ دیکھا کہ ایک سائل کسی کے دروازہ پر بھیک مانگ رہا ہے۔ وہ سائل ایک بوڑھا شخص تھا جس کی بینائی بالکل زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو ٹھونکا اور پوچھا "تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟" اس نے کہا "میں یہودی ہوں"۔ پوچھا "تمہیں کس شے نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا؟" اس نے جواب دیا کہ "میں بڑھاپے' ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں"۔ راوی کہتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے آئے اور گھر میں سے اسے کچھ عطا فرمایا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو بلایا اور اس سے کہا "اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو' کیونکہ خدا کی قسم! یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کر کے کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۵۰۔۱۵۱)

بلاذری نے لکھا ہے کہ شام کے سفر میں آپ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو مرض

Marfat.com

جذام میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیشِ نظر ان کے لئے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۵)

غیر مسلم رعایا کے ساتھ یہ سلوک اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے کیونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو عیسائی تھے' معاہدہ کیا' اس معاہدے میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی کہ

> "میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے' یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آن پڑے' یا جو آدمی پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں' اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے اور جب تک وہ دار ہجرت اور دارالاسلام میں مقیم رہے گا اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی"۔
>
> (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۷۲)

دوسری بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت "عام تعلیم" کی ہے اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانے کا بھی پورا پورا اہتمام کرتی تھی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس میں پہلا لفظ ہی "اقراء" کا تھا۔ کیونکہ لکھنا پڑھنا اسلام میں نہایت ضروری ہے۔ چونکہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ہی تعلیم اور جہالت ہیں اسی وجہ سے سرکارِ دوعالم ﷺ اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ لوگ پڑھنا لکھنا سیکھیں۔ آپ ہی کے حکم سے سیدنا زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان سریانی لکھنا اور پڑھنا سیکھی تھی۔ (ابوداؤد' باب روایت حدیث اہل کتاب) بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۳۲) بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے سیدنا سعید بن عاصؓ کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں (استیعاب جلد ا ص ۲۹۳) ایک مرتبہ آپ نے انصار میں سے ستر (۷۰) آدمیوں کو جو اپنے زمانہ میں "قراء"۔ (عالم قرآن) کہلاتے تھے اور جو دن میں لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو لکھتے تھے' عرب کے بعض قبائل کی طرف دین سکھانے کے لئے بھیجا۔ (بخاری کتاب المغازی)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے اس طریقہ کو جاری رکھا۔ چنانچہ آپ نے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے بیت المال سے معلم مقرر فرمائے تھے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ ان کی تنخواہ دس درہم ماہانہ تھی (کنزالعمال بحوالہ مسند ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۷۶) آپ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں سے ان لوگوں کی فہرست آپ کو بھیجیں جنہیں قرآن حکیم حفظ ہے تاکہ ان کو اونچے وظیفے دے کر مختلف علاقوں میں قرآن حکیم کی تعلیم دینے پر مامور کر دیا جائے۔ (کنزالعمال جلد ا ص ۲۱۷)

ایک فلاحی مملکت کا یہ فریضہ بھی ہے کہ وہ معذور افراد کو خادم فراہم کرے تاکہ انہیں اپنا کام کاج کرنے میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ سیدنا عمرؓ نے معذور افراد کو خادم فراہم کئے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ۱۸ ھ میں جو شدید قحط پڑا تھا' اس میں سیدنا عمرؓ نے مدینہ طیبہ میں سرکاری طور پر کھانا پکوا کر تمام ضرورت مند لوگوں کو کھلانے کا اہتمام کیا تھا اور اس انتظام کی نگرانی آپ خود فرماتے تھے۔ انہی دنوں میں آپ مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپ ہاتھ میں لاٹھی (عصا) لئے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران آپ کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا "بندہ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا"۔ اس نے جواب دیا "بندۂ خدا' وہ مشغول ہے" آپ آگے بڑھ گئے۔ جب دوبارہ وہاں سے گزرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پھر کہا "بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا" اس نے کہا: "بندۂ خدا! وہ مشغول ہے"۔ اس نے تین بار آپ کو وہی جواب دیا۔ آپ نے پوچھا "کس کام میں مشغول ہے؟" اس نے جواب دیا کہ داہنا ہاتھ موتہ کی جنگ میں کام آ گیا"۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ اس کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لئے ایک خادم منگوایا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامانِ ضرورت بھی دلوائے' یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ نے انتہائی مشفقانہ سلوک کیا اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے سیدنا عمرؓ کا یہ اہتمام دیکھ کر محمد ﷺ کے اصحاب بلند آواز سے سیدنا عمرؓ کے لئے دعائیں کرنے لگے (حتیٰ رفع اصحاب محمد ﷺ اصواتهم يدعون الله عمر)

(امام محمد بن الحسن شیبانی' کتاب الآثار' باب فضائل الصحابہ' حدیث نمبر ۸۵۲)

Marfat.com

سواری کی شدید ضرورت ان مسافروں کو بھی پیش آتی ہے جو منزل سے پہلے تھک کر رہ جائیں۔ عالم مسافرت میں ان کو عارضی قیام کے لئے جگہ کی اور اکثر اوقات سامانِ غذا کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمر بن خطابؓ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ پر اس کا انتظام کر دیا تھا کہ ایسے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸۳ بلاذری فتوح البلدان ص ۵۴)

سیدنا عمر بن خطابؓ اور دوسرے خلفاء کے اس طریقہ سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ محروم اہلِ حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے "منہاج الطالبین" میں لکھا ہے کہ:

"یہ باتیں فرض کفایہ میں شامل ہیں...... مسلمانوں کی تکالیف دور کرنا مثلاً ننگے کو کپڑا پہنانا اور بھوکے کو کھانا کھلانا، جبکہ یہ ضروریات زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ نہ پوری ہو رہی ہوں"۔

(منہاج الطالبین ص ۱۲۵)

اس کی شرح میں علامہ شہاب الدین رملیؒ نے لکھا ہے کہ

"ایسا لباس فراہم کرنا ضروری ہے جس سے پورا بدن ڈھک جائے اور جو جاڑے اور گرمی کے حالات کے لئے موزوں ہو۔ نیز کھانے اور کپڑے کے ساتھ وہ چیزیں شامل ہیں جو اتنی ہی ضروری ہوں، مثلاً طبیب کا معاوضہ ادویات کی قیمت اور معذوروں کے لئے خادم"۔

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج جلد ۶ ص ۱۹۴)

علامہ ابن حزمؒ نے بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں یہ لکھا ہے کہ:

"ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں۔ اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فے اس کے لیے کافی نہ ہو تو حاکم وقت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان اہل حاجت کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں۔ اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے"۔ (المحلی لابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۶)

مختصر یہ کہ غذا' لباس اور سر چھپانے کے لئے مکان ایسی ضروریات ہیں جن کی تکمیل نہ ہونے سے آدمی کی جان چلی جانے کا اندیشہ ہے۔ لباس میں اوڑھنے اور بچھانے کے اس سامان کو بھی شامل سمجھنا چاہئے جو سردی سے بچاؤ کے لئے ناگزیر ہو۔ یہی حیثیت مریض کے علاج کی ہے۔ چونکہ قیام حیات شریعت کے اولین مقاصد میں سے ہے' لہٰذا ان چار ضروریات کی تکمیل کو لازماً کفالتِ عامہ کے اصول میں شامل سمجھنا چاہئے۔ ان اہم ترین ضروریات کے علاوہ بعض اور ضروریات بھی ہیں جن کو اس فہرست میں شامل کرنے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ بعض احادیث میں معذور افراد کے لئے خادم فراہم کرنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ ضرورت ایسی ہے کہ اگر معذور فرد اپنے خاندان والوں کے تعاون سے یا خود اپنے مال کے ذریعہ خادم رکھ کر گزارانہ کر سکتا ہو تو حکومت یا معاشرہ کو اس کی یہ ضرورت پوری کرنی چاہئے کیونکہ اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو اس کے لئے زندگی گزارنا ممکن نہیں رہے گا۔ بہر حال یہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ ہر معذور فرد کو کوئی مناسب سہارا مل جائے۔

اسلامی ریاست جو جہاد بھی کرتی ہے وہ دُنیوی اغراض کے لئے جنگ نہیں ہوتی' لیکن اگر دین کی راہ میں جہاد کرنا پڑے تو اس سے مسلمانوں کو معاشی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے جو دعا کی تھی وہ یہاں یہ واضح کرنے کے لئے نقل کی جارہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مسلمانوں کی معاشی فلاح مطلوب تھی اور اس کے لئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے موقع پر تین سو پندرہ مجاہدین کے ساتھ (جنگ کے لئے) نکلے تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا کی :

اللھم انھم حفاۃ فاحملھم اللھم انھم عراۃ فاکسھم' اللھم انھم جیاع فاشبعھم

اے اللہ یہ لوگ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا فرما' اے اللہ! یہ لوگ ننگے ہیں ان کو کپڑے پہنا' اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں ان کے پیٹ بھر دے۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر کی جنگ میں فتح عطا فرمائی اور جب یہ لوگ واپس لوٹے تو ہر آدمی اپنے ساتھ ایک یا دو اونٹ لے کر لوٹا' اور ان کو پہننے کے لئے کپڑے مل گئے اور یہ شکم سیر ہو گئے (ابوداؤد' باب فی النفل فی السریۃ)

اسی طرح سیدنا عمرؓ نے عراق میں جہاد کے لئے جانے والے مسلمانوں سے یہ فرمایا تھا :

"ایک ایسی قوم کے ساتھ جہاد کے لئے جاؤ جو امور معاش پر حاوی اور ترقی یافتہ ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں سے تمہارا حصہ عطا کرے گا اور تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اس ترقی اور خوش حالی سے فیض یاب ہوتے ہوئے زندگی گزار سکو گے"۔

(طبری حوادث ۱۳ھ ص ۲۱۸۸)

سیدنا عمرؓ کی بھی یہ دلی خواہش تھی کہ ملک اور مسلمان خوش حالی اور ترقی کی منازل طے کرتے رہیں۔ چنانچہ آپ نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ شاہ مقوقش سے دریافت کریں کہ مصر کی خوش حالی اور ترقی کا انحصار کن عوامل پر ہے۔ (فتوح مصر' عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم ص ۱۶۱) آپ نے انہیں ایسی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید فرمائی تھی جن سے مصر کی خوش حالی میں اضافہ ہو۔ ایک زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آب پاشی کے لئے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے۔ تجارت کے فروغ کے لئے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فی الجملہ بہتر ذرائع نقل و حمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ مصر میں نہروں کی کھدائی' سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور دوسرے تعمیری کاموں میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور لگائے گئے تھے جو کدال اور پھاوڑے وغیرہ آلات کی مدد سے کام کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی میں ہر موسم میں یہ کام جاری رہتا تھا (فتوح مصر ص ۱۵۱) مزدوروں کی اس تعداد سے تعمیری سرگرمیوں کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مصر اس وقت کی وسیع اسلامی سلطنت کا صرف ایک صوبہ تھا۔

قدیم زمانہ میں دریائے نیل سے فسطاط کے قریب ایک نہر نکال کر بحر قلزم سے ملائی گئی تھی جو بعد میں اٹ گئی۔ اور بند ہو گئی۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے سیدنا عمر بن خطابؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر یہ نہر دوبارہ تعمیر کر دی جائے تو مصر اور حجاز کے درمیان نقل و حمل میں بہت سہولت ہو جائے گی۔ اور اس کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کی جانب اشیاء کی نقل و حمل تیز ہو کر گرانی ختم ہو جائے گی۔ سیدنا عمرؓ نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور آپ نے یہ تاکید فرمائی کہ اس کام پر جلد از جلد عمل کیا جائے۔ آپ کو چونکہ عام الرمادۃ میں مدینہ میں غذائی قلت کا زبردست سامنا ہو چکا تھا اور آپ کا خیال تھا کہ اس نہر کی تکمیل سے دوبارہ یہ صورتِ حال رونما نہ ہو گی۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے مسلسل چھ ماہ کام کروا کر نہر کی تعمیر مکمل کروا دی۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ اس

Marfat.com

نہر کی وجہ سے پانی کے راستہ سے مصر کے زرخیز علاقوں اور حجاز کے درمیان آمدورفت شروع ہو گئی۔ چونکہ یہ نہر سیدنا عمرؓ کے حکم سے تعمیر کی گئی تھی للہذا اس نہر کا نام "نہر امیر المؤمنین" پڑ گیا (فتوح مصر لابن عبدالحکم ص ۱۶۳۔۱۶۶ مقریزی ص ۳۰۲) اس نہر کے علاوہ اور بھی کئی نہریں نکلوائی گئیں جیسے نہر ابلہ' نہر معقل وغیرہ۔

(ملاحظہ ہو فتوح البلدان بلاذری ص ۳۵۱ ص ۳۷۲ ص ۳۵۲)

ان نہروں کے علاوہ بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ بڑے بڑے بند تعمیر کروائے گئے اور پانی کو ذخیرہ کر کے اس کو زراعت اور پینے کے لئے استعمال کیا گیا۔ قرن اول کی معیشت زراعت اور تجارت پر مبنی تھی۔ اور ایک زرعی اور تجارتی معیشت کے لئے نہروں کی تعمیر' سیلاب کی روک تھام' سڑکوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرکزی شہروں کی آباد کاری معاشی تعمیر و ترقی کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے اور یہ سب چیزیں ایک فلاحی مملکت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

نافع بن حارث نے بصرہ کے قریب شط العرب کے ایک میدان میں گھوڑے پالنے اور ان کی نسل کشی کا کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے ان گھوڑوں کے لئے چارے کی کاشت شروع کی' لیکن وہ زمین چونکہ اسلامی ریاست کی ملکیت تھی' للہذا انہوں نے اس بارہ میں سیدنا عمر بن خطابؓ سے درخواست کہ وہ قطعہ زمین انہیں عطا کر دیا جائے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرماتے ہوئے بصرہ کے گورنر سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو لکھا:

"واضح ہو کہ ابو عبداللہ (نافع بن حارث کی کنیت) نے بتایا کہ اس نے ابن غزوان (عتبہ بن غزوان جو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سے پہلے بصرہ کے گورنر تھے) کی گورنری کے دور میں بصرہ کے علاقہ میں کاشت کی اور نسل کشی کے لیے گھوڑے پالے۔ جبکہ بصرہ کے کسی دوسرے شخص نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس نے بہت اچھا کام سوچا' للہذا تم اس کی کاشت اور گھوڑے پالنے میں مدد کرو' کیونکہ میں نے اس کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اسے اس کی وہ زمین دے دو جس پر اس نے کاشت کی ہے مگر یہ کہ وہ عجمی باشندوں کی زمینوں میں سے کوئی زمین ہو۔ اس کے ساتھ اچھا سلوک ہی کرنا۔ والسلام علیک و رحمتہ اللہ"۔ (فتوح البلدان ص ۳۴۶)

Marfat.com

آپ چونکہ مملکت کو ایک فلاحی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ لہذا آپ ریاست کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ مال دینا چاہتے تھے۔ اور انہیں مشورہ دیتے تھے کہ جو مال فوری ضروریات سے فاضل ہو اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ وہ آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے۔ آپ لوگوں کو محنت و مشقت کرنے اور زیادہ سے زیادہ روزی کمانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ اور ان لوگوں کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جو نمائشی زہد و عبادت کے زیر اثر دنیا سے بے تعلقی ظاہر کرتے تھے۔ وہ لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس زمین ہے اسے زمین کو آباد کرنا چاہیے کیونکہ عنقریب ایسا شخص آنے والا ہے جو اسی کو دے گا جسے چاہے گا۔ ان کا اس پر ایمان تھا کہ ”انسان اپنی دنیا کے لیے اس طرح کام کرے گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، اور اپنی آخرت کے لئے اسی طرح کام کرے گویا کل ہی مر جائے گا“۔

سیدنا عمرؓ عوام سے کہتے کہ وظیفے کی رقم کو منفعت بخش کاموں پر لگاؤ۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ کم سواد عربوں میں سے جس کسی کو وظیفہ ملے اسے چاہیے کہ بکریاں خرید کر اپنے سرمایہ میں شامل کر لے اور جب دوبارہ وظیفہ ملے تو مویشی خرید لے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد ایسے لوگ تمہارے والی اور حاکم بنیں گے جو تمہارے وظیفے جاری نہیں کریں گے۔ اگر تم میں سے کوئی اس وقت تک زندہ رہا تو اس کے پاس اتنی جمع جکڑی ہوگی کہ وہ اس کے سہارے زندگی بسر کر لے۔ اور اکثر لوگ سیدنا عمرؓ کی اس نصیحت پر عمل کرتے تھے اور اپنی پونجی کو Invest کر کے اپنے مال میں مزید اضافہ کرتے۔

ایک دفعہ خالد بن عرفطہ عذری سیدنا عمرؓ کے پاس آئے۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ جہاں سے آرہے ہو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے تھے کہ ان کی عمروں میں سے کچھ مدت کم کر کے آپ کی عمر میں اضافہ کر دے۔ جس نے بھی قادسیہ کے میدان میں قدم رکھا تھا اس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو درہم سالانہ ہے۔ ہر بچہ کے لئے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، پیدا ہوتے ہی سو درہم اور دو جریب غلہ ماہانہ مقرر ہو جاتا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

> ”یہ ان کا حق ہے میں اسے انہیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں۔ اگر یہ میرے باپ خطاب کا مال ہوتا تو تمہیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مال ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ

ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں سے کچھ بکریاں خرید کر اپنے زرخیز زرعی علاقہ میں چھوڑ دے۔ پھر جب دوسرے سال کا وظیفہ ملے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی علاقہ میں لگا دے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا تو اس طرح اس کے لیے ایک قابل اعتماد سہارا فراہم ہو جائے گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہو گا؟ میں تو ان لوگوں کے ساتھ پوری خیر خواہی برتتا ہوں جن کے امور کا اللہ تعالیٰ نے مجھے نگران بنا دیا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی رعیت کے ساتھ بد خواہی اور خیانت کرتا ہوا مرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا"۔

(فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۹)

سیدنا عمرؓ کے نظام حکومت کی تمام پالیسیوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر معاشی ترقی مطلوب تھی۔ اسلامی ریاست کو ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور ایسے کاموں میں وسائل کی فراہمی کے ذریعہ عملی تعاون بھی کرنا چاہیے۔ سیدنا عمرؓ کے نزدیک اگر کوئی صاحب امر رعایا کی مادی فلاح و بہبود کے اہتمام میں کوئی کسر اٹھا رکھے تو یہ بھی خیانت (غش) ہو گی اور ایسا کرنے والا حکمران آخرت میں جنت سے محرومی کا خطرہ مول لے گا۔

اپنی رعایا کے لیے وسائل زندگی میں فراوانی چاہنا سیدنا عمرؓ کی مالی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ اس کا اعلان آپ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں فرما دیا تھا کہ مناصب حکومت پر تقرر کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ متعلقہ افراد کو رعایا کی معاشی خوش حالی کی فکر ہو۔ آپ نے فرمایا تھا:

"میں اپنی امانت (یعنی حکومت کے عہدے) ایسے افراد کے سپرد نہیں کروں گا جو اس کے اہل نہ ہوں بلکہ ایسے افراد کے سپرد کروں گا جو مسلمانوں کے لیے فراوانی بہم پہنچانا چاہتے ہوں دوسروں کی بہ نسبت ایسے افراد مسلمانوں کی حکمرانی کے زیادہ حق دار ہیں"۔

(مؤطاء امام مالک)

سیدنا عمرؓ کو اس بات کی بھی بڑی فکر رہتی تھی کہ اشیائے ضروریات کے نرخ

Marfat.com

ارزاں رہیں کیونکہ ایک فلاحی ریاست کے لیے اشیاء صرف کی ارزانی ضروری ہے۔ چنانچہ آپ مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے' اور انہیں یہ بتایا جاتا کہ نرخ ارزاں ہیں تو آپ اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ سلمہ بن قیس اشجعی کا قاصد سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اشیاء کے نرخ کیسے ہیں؟ قاصد نے جواب دیا کہ بہت ارزاں ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ گوشت کا نرخ کیا ہے؟ کیونکہ یہی اہل عرب کا اصل سہارا ہے۔ قاصد نے آپ کو گائے اور بکری کے گوشت کے نرخ الگ الگ بتائے۔

(طبری حوادث ۲۲ھ ص ۲۷۱۹)

مختصر یہ کہ ایک فلاحی ریاست کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے' سیدنا عمرؓ نے اس زمانہ میں وہ سب کچھ کیا جب کہ دنیا میں فلاحی ریاست کا کوئی تصور نہیں تھا۔ زراعت کو ترقی دی' بنجر اور افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنایا' زیر آب زمینوں کی بازیافت کی' سیلاب کی روک تھام کی۔ آبپاشی کے نظام کو ترقی دی اور اس کے لیے نہریں تعمیر کروائیں' ذرائع نقل و حمل کی توسیع کی تاکہ تجارت کو فروغ حاصل ہو۔ اشیاء ضرورت کے نرخ ارزاں کیے۔ لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات فراہم کیں اور ملکی معیشت کو بہت زیادہ ترقی دی۔

فلاحی ریاست اور تقسیم دولت کی ناہمواری

فلاحی مملکت کے قیام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی فلاحی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک راہ نما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں تقسیم دولت کے اندر جو تفاوت پایا جاتا ہے۔ وہ کم سے کم ہو اور دولت کسی ایک طبقہ کے اندر مرتکز ہو کر نہ رہ جائے بلکہ پورے سماج میں اس کی گردش ہو جیسے خون پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔ انہی اصولوں کو قرآن حکیم کے اس جملہ نے واضح فرما دیا:

کے لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (الحشر: ۷)

تاکہ ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں کے درمیان ہی چکر کھاتی رہ جائے۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ دولت مند افراد کے مال میں محروم افراد اور ضرورت سے مجبور ہو کر دست سوال دراز کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔

Marfat.com

و فی اموالهم حق للسائل والمحروم (ذاریات: ۱۹)

اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔

دولت کی اغنیاء اور صاحب ثروت لوگوں کے درمیان گردش کو روکنے کے لیے اسلام نے نظام زکوٰۃ نافذ کیا۔ اس سے بھی یہ تفاوت کم ہوتا ہے۔ اور دولت مندوں کے مال کا ایک حصہ غرباء اور فقراء کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں جب غنیمت کا مال آیا تو آپ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا اور ہر شخص کو خواہ وہ غلام ہو یا آزاد' عورت ہو' یا مرد' چھوٹا ہو یا بڑا' سب کو برابر حصہ دیا۔ جب بعض حضرات نے یہ کہا کہ اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں اور خدمتِ اسلام کرنے والوں کو بعض دوسرے حضرات سے زیادہ حصہ دینا چاہیے تو آپ نے اسے جو جواب دیا ہے' تاریخ نے اس کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"تم لوگوں نے جو سابقیت' اولیت' اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بخوبی آشنا ہوں' لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' لیکن یہ معاملہ معاش کا ہے' اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے"۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۵۰)

ابو عبیدؒ نے ان کی اس بات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"ابو بکر سے کہا گیا کہ وہ فئے کی تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپ نے فرمایا: "ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہو گا۔ جہاں تک ان کی معاشی زندگی کا سوال ہے' اس میں برابر کا سلوک کرنا بہتر ہے"۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۶۳)

سیدنا ابو بکرؓ کے جواب کے آخری جملہ سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا عام رجحان اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وسائل معاش کی تقسیم میں تفاوت کے بجائے مساوات کو پیش نظر رکھا جائے۔ سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں اس اصول کے مطابق عمل کی اہم ترین وہ پالیسی ہے جو عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کا باعث بنی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ پہلے بعض صحابہ کرامؓ کے اس مشورہ کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں۔ لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے برے نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی تو آپ نے پہلی تجویز کو مسترد

Marfat.com

کر دیا اور زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ آپ کو اس فیصلہ پر سیدنا معاذ بن جبلؓ نے مائل کیا تھا۔ اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الاموال ص ۵۹' فتوح البلدان بلاذری ص ۱۵۶)

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کی زمینوں اور عمارتوں کے بارہ میں بھی سیدنا عمرؓ نے وہی پالیسی اختیار کی۔ (کتاب الاموال ص ۵۸' فتوح مصر عبدالحکم ص ۸۲' ص ۸۸)

فئے کے مال کی تقسیم کے بارہ میں شروع میں سیدنا عمرؓ نے وہی پالیسی اختیار کی جو سیدنا ابو بکرؓ نے اختیار کی تھی یعنی مساوی تقسیم کی پالیسی۔ لیکن ۱۶ھ میں جب عراق اور شام فتح ہوئے اور بہت سا مالِ فئے اور خمس حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں' اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے قرابت رکھنے والوں کو عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ گویا تقسیم مال میں مساوی سلوک کے بجائے ترجیح سلوک کا اسلوب اپنایا۔ اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو کسی صورت یہ بات گوارہ نہ تھی کہ:

"جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں ان کے برابر نہیں کر سکتا جنہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی"۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۵۰)

آپ نے آٹھ سال تک اس پالیسی پر عمل کیا لیکن پھر آپ نے اپنے دور خلافت کے آخری سال اپنی رائے تبدیل کی اور آئندہ سیدنا ابو بکرؓ کی طرح تقسیم مال میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ چنانچہ آپ کے غلام اسلم فرماتے ہیں کہ:

"میں نے سیدنا عمرؓ کو فرماتے سنا ہے کہ اگر میں آئندہ سال اس موقع تک زندہ رہا تو تقسیم مال میں آخر کے لوگوں کو سر فہرست لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب برابر ہو جائیں"۔ (کتاب الاموال' ص ۲۶۳)

اسی روایت کو طبقات میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا:

"میں نے سیدنا عمر بن خطابؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا کی قسم اگر میں اگلے سال اس موقع پر زندہ رہا تو لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا اور ان سب کو حصے کے اعتبار سے ایک جیسا کر دوں گا"۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۰۱)

Marfat.com

امام ابو یوسف کی روایت اس بارہ میں زیادہ واضح ہے کہ آپ نے فرمایا:

"(راوی کہتا ہے) جب آپ نے یہ دیکھا کہ فئے کا مال بہت زیادہ آنے لگا ہے تو فرمایا! "اگر میں آئندہ سال اس شب زندہ رہا تو فئے کے رجسڑ میں درج آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملادوں گا تاکہ سب کو برابر وظیفے ملنے لگیں (حتی یکونوا فی العطاء سواء) لیکن آپ اس سے قبل انتقال فرماگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ"۔

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۵۵)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ نے اپنے عہد خلافت کے آخری سال تقسیم مال میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ فیصلہ کیوں کیا؟ اس کی وجوہات کا پتہ نہیں چل سکا۔ لیکن آپ کی شہادت نے آپ کو اس فیصلہ پر عمل کرنے کا موقع نہ دیا۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کا یہ بھی ارادہ تھا کہ دولت مندوں اور مالدار لوگوں کی فاضل دولت لے کر غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ ابو وائل روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

"جو امور میں پہلے کر چکا اگر انہیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملتا تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اسے فقراء و مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیتا"۔

(ابن حزم: المحلی جلد ۶ ص ۱۵۸، طبری حوادث ۲۳ھ، ص ۲۷۷۴)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے (ابن حزمؒ نے اس کی سند کو صحیح اور جید کہا ہے) کہ سیدنا فاروق اعظمؓ سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے سخت پریشان تھے۔ لہٰذا آپ اپنے گذشتہ فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

تاریخ اسلام کی روایات اور احادیث نبویہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اجتماعی مقاصد کے حصول کے لیے جہاں تک ممکن ہو تعلیم و ترغیب اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ حاصل کیا جائے اور قانون اور جبر کا استعمال صرف وہاں کیا جائے جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔

تمام اسلامی حکومتوں میں ایک شعبہ "حسبہ" کا ہوتا تھا۔ اس شعبہ کا کام یہ تھا کہ اگر کسی معروف کو عملاً ترک کیا جا رہا ہو یا کسی منکر کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ خرابیاں

Marfat.com

اعلانیہ نمودار ہو جائیں تو ان کو دور کیا جائے۔ (الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۲۰۸' الاحکام السلطانیہ 'ابویعلی' ص ۲۶۸) چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے بھی اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے معاشرہ کی ضرورت کے پیش نظر بعض کاروباری سرگرمیوں پر پابندی عائد فرمادی تھی۔ اور کاروباری معاملات کو چند آداب و ضوابط کا پابند بنایا تھا۔ کیونکہ شریعت کی نگاہ میں اجتماع کے مصالح چند افراد کے مصالح سے زیادہ اہم ہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی اور کاروباری افراد کو اسلامی حدود کا پابند رکھنے کے لئے ایک خصوصی افسر مقرر کیا تھا سیدنا عمرؓ اس کام کی نگرانی خود بھی فرماتے اور آپ نے بازار کی نگرانی کے لیے سیدنا عبداللہ بن عتبہؓ کو خاص طور پر مامور کیا ہوا تھا۔

(کنزالعمال جلد ۳ روایت نمبر ۲۶۵۲' ۲۶۵۸ 'موطا امام مالک 'باب عشور اہل الذمہ)

چنانچہ ایک بار آپ نے پانی ملے دودھ کو زمین پر بہا دیا تھا تاکہ ملاوٹ کرنے والوں کو عبرت ہو اور سماج دشمن سرگرمیوں اور خلاف اسلام حرکات سے باز آجائیں۔

(الحسبہ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۳۴ 'نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۸۱)

"حسبہ" کے موضوع پر علماء نے کتابیں بھی لکھی ہیں اور اپنی ضخیم کتابوں میں کچھ فصول بھی اس کے لیے مختص کی ہیں جن میں احتساب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چنانچہ شافعی فقیہ محمد بن محمد بن احمد القرشی نے "معالم القربة فی احكام الحسبة" کے نام پر نہایت شاندار کتاب لکھی۔ علاوہ ازیں "الحسبہ فی الاسلام" لابن تیمیہ 'الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ لابن قیم الجوزیہ 'الاحکام السلطانیہ لابی یعلی' فصل فی احکام الحسبہ 'الاحکام السلطانیہ لماوردی 'باب ۲۰ مطالعہ کے قابل ہیں۔ معالم القربہ کتاب مصنف نے آٹھویں صدی میں لکھی، اس میں اس نے وہ سب اشیاء صنعت و حرفت کے بارہ میں بیان کی ہیں جن کا پابند بنانا آج بھی ایک اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے۔ مثال کے طور پر وہ بیکری بنانے والوں کے بارہ میں لکھتا ہے کہ

> محتسب کو چاہیے کہ بیکری کی چھتیں اونچی بنوائیں اور اس میں سے دھواں نکلنے کے لیے وسیع چمنیاں بنوائیں۔ محتسب بیکری والوں کو حکم دے کہ وہ ہر بار استعمال سے قبل تنور کو صاف کر لیا کریں...... آٹا گوندھنے کا برتن صاف کر لیا جائے اور اس کے ڈھکن بنائے جائیں۔ آٹا گوندھنے والا اپنے پاؤں گھٹنوں اور کہنیوں سے آٹا نہ

Marfat.com

گوندھے کیونکہ یہ حفظان صحت کے اصولوں کے خلاف ہے اور کھانے کی توہین ہوتی ہے۔ آٹا اس طرح گوندھے کہ اس میں پسینہ نہ ٹپکے۔ آٹا گوندھتے وقت ایک چست آستینوں کا لباس پہننا چاہیے اور منہ پر کپڑا باندھ لینا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ اسے چھینک آجائے یا بولنے کے دوران منہ سے تھوک وغیرہ گر جائے۔ دن میں آٹا گوندھتے وقت ضروری ہے کہ ایک دوسرا آدمی پاس بیٹھ کر کسی شے سے مکھیاں بھگائے...... روٹی لگانے والے روٹی کو تنور سے اس وقت تک نہ نکالیں جب تک وہ پوری طرح پک نہ جائے' البتہ جلنے نہ پائے۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دکان کے لیے یہ مقرر کر دیا جائے کہ وہ روزانہ فلاں مقدار میں روٹیاں تیار کرے تا کہ روٹی کی کمی سے شہر کا نظام معطل نہ ہو"۔ (معالم القربہ ص ۹۱۔ ۹۲)

آج سے چھ سو سال قبل کی لکھی ہوئی اس کتاب میں ہر وہ شے قریباً قریباً درست درج ہے جو صنعت و حرفت' زراعت اور کاروبار کے مختلف شعبوں کے بارہ میں اس دور جدید میں لوگوں کو در پیش ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج کو فلاح کا نمونہ بنا کر رکھنا اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

مملکت اسلامیہ کو ایک فلاحی مملکت بنانے کے باوجود آپ نے لوگوں کو کام کاج کے معاملہ میں بڑا چوکس رکھا۔ کیونکہ امراء و سلاطین کی فیاضیوں اور بخششوں کی وجہ سے جہاں ایک رئیس مملکت کی مدح اور تعریف کا پہلو نکلتا ہے وہاں دریوزہ گر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ اس بات سے بھی باخبر تھے۔ چنانچہ وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کے جراثیم نہ پیدا ہونے پائیں۔ ابن جوزیؒ نے سیرۃ العمر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے اس سے وہ آٹا چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا اور فرمایا! :"اب جو مانگنا ہے مانگ"۔ مقصد یہ تھا کہ پاس ہوتے ہوئے مانگنا نہایت بری بات ہے۔

علامہ ماوردیؒ نے لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ اور تادیب کرے

Marfat.com

کیونکہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے ایسا کیا تھا۔(الاحکام السلطانیہ ص ۲۳۵)

مفت خوری کا پیشہ زیادہ تر علماء اور صوفیاء کا ہوتا ہے۔ پیر اور صوفیاء تو اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے تھے، البتہ علماء تھے۔آپ علماء کو علی الاعلان فرماتے تھے۔"لا تکونوا عیا لاً علی المسلمین"۔لوگوں پر اپنا بوجھ نہ ڈالو۔(سیرۃ العمرین) آپ اس شخص کو ناپسند فرماتے تھے جو کوئی کام نہ کرتا اور بیکار رہ کر لوگوں سے مانگ مانگ کر زندگی گزارتا۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

مکسبة فیها دنا ءة خیر من مساء لة الناس

یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کی نسبت اچھا ہے۔

لیکن اگر کوئی واقعی مستحق ہوتا تو اس کی پوری پوری مدد کرتے۔ایک مرتبہ ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"اے عمرؓ! لطف اگر ہے تو جنت کا ہے۔ میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا
بخدا تجھے یہ کرنا ہوگا"۔

سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "اگر میں تیری بات نہ مانوں تو کیا ہوگا؟" اس دیہاتی نے کہا: "تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا اور تو ہکابکا رہ جائے گا۔ پھر یا جہنم کی طرف یا جنت کی طرف جانا ہوگا"۔

یہ سن کر سیدنا عمرؓ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہو گئی۔ پھر غلام سے فرمایا: "میرا یہ کرتا ہے اس کو دے دو۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی شے میرے پاس نہیں ہے"۔

مختصر یہ کہ آپ نے پوری مملکت اسلامیہ کو ایک فلاحی مملکت اس زمانہ میں بنایا جب لوگ "فلاحی مملکت" کے تصور ہی سے ناآشنا تھے۔ یہ فلاحی مملکت صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہ تھی بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لیے بھی تھی جو اس اسلامی ریاست میں رہائش پذیر تھے۔

غیر مسلموں سے برتاؤ

اسلام کی اصطلاح میں وہ غیر مسلم جو ایک اسلامی ریاست میں سکونت رکھتے ہوں "ذمی" کہلاتے ہیں۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ کسی ذمی کا قتل اسلام میں گناہِ کبیرہ ہے۔ اور قتل تو بڑی شے ہے اس کی غیبت بھی

Marfat.com

اسلام میں حرام ہے۔ اور اس پر کسی قسم کا ظلم کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

"جس شخص نے کسی مسلمان کے ذمہ کو جو اس نے کسی ذمی سے کیا تھا' توڑ دیا اور برقرار نہ رکھا' اس پر اللہ' اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نفلی عبادت اور فرضی عبادت قبول نہیں کرتا"۔

اور جو لوگ غیر اسلامی ممالک میں سکونت پذیر ہیں لیکن ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ ان کو خلاف عہد تکلیف پہنچانا اور قتل وغارت کرنا معصیت اور گناہِ کبیرہ میں داخل ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ میں یہ شرط کی تھی کہ جو مسلمان دین اسلام کو قبول کر کے مسلمانوں کے پاس آجائے گا' مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ان کی ہزار منت و سماجت کے باوجود آپ نے ان دونوں کو بے تامل واپس کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس حکم کی پابندی اس حد تک کی کہ اس سے بڑھ کر پابندی ناممکن تھی۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے ایک دفعہ دشمن کے ساتھ ایک مدت کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اس عرصہ میں وہ چپکے چپکے سرحد پر جنگ کی تیاریاں مکمل کرتے رہے تاکہ مدت التواء ختم ہوتے ہی اچانک حملہ کر دیں۔ ان کی رائے میں یہ بات تدابیر جنگ کے اقتضاء کی وجہ سے ناجائز نہ تھی۔ دوسرے ان کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ دشمن بھی اسی فکر میں ہو گا کہ مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دے۔ چنانچہ جونہی مدت التواء ختم ہوئی' سیدنا معاویہؓ نے اس فوج کو جو پہلے ہی سرحد پر متعین تھی حملہ کا حکم دے دیا۔ فوج حملہ کے لئے جا رہی تھی کہ ایک صحابیِ رسولؐ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور یہ چلاتے ہوئے چلے آرہے تھے "الله اكبر' الله اكبر' وفاء لاغدر" یعنی اللہ اکبر وفا کی جائے بد عہدی نہ کی جائے"۔ لوگوں نے جب نظر اٹھا کر دیکھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو پتہ چلا کہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے صحابی سیدنا عمرو بن عبسہؓ ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے ان سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی حدیث سنائی کہ "میں نے حضور علیہ السلام سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جس شخص اور قوم کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہو تو اس کی مدت کے اختتام سے قبل معاہدہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے حتیٰ کہ مدت معاہدہ پوری ہو جائے یا ان کی طرف سے اس عہد کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپس بلا لیا۔

Marfat.com

(ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۳۔ ۲۴' المصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۱۰۱' صحیح ابن حبان جلد ۸ ص ۱۸۲' مشکوٰۃ ص ۳۴۷ وغیرہ)

ایک اسلامی ریاست میں جیسا ایک مسلمان کے خون کا قصاص ہے یا اس کے اعضائے بدن کے عوض اعضائے بدن کا قصاص ہے' ویسا ہی ایک ذمی کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور ایک "مستامن" کے قاتل سے بھی وہی قصاص لیا جائے گا (مستامن وہ ہے جو غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے لیکن امن لے کر اسلامی ریاست میں آ کر آباد ہوا اور ذمی بن گیا) بلکہ بعض لحاظ سے ایک ذمی کے حقوق ایک مسلمان سے بھی اسلامی ریاست میں زیادہ ہیں۔ جو اموال یا اشیاء مسلمانوں کو رکھنا یا استعمال کرنا حرام ہے بلکہ تلف کرنا ضروری ہے اگر وہ اشیاء تلف کر دی گئیں تو اس پر کوئی ضمان نہیں۔ لیکن اگر وہ اشیاء ایک ذمی کی ملکیت میں ہوں اور کوئی مسلمان اسے تلف اور ضائع کر دے تو اس مسلمان کے ذمہ ضمان واجب ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی شراب یا خنزیر کو تلف کر دے تو اس پر ضمان واجب ہے (کما فی در المختار)

یہ تو ایک ذمی کی جان اور مال کا حال ہے۔ اسلام نے اس کی ننگ و ناموس کا بھی اسی طرح تحفظ کیا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے۔ چنانچہ کسی ذمی کی آبرو ریزی' اہانت و تذلیل خواہ قول سے ہو یا اشارہ و کنایہ سے ہو' سامنے ہو یا اس کی غیبت میں' قطعاً حرام ہے یہاں تک کہ ذمی کی غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ گویا کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان اور ذمی کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کو بھی وہ تمام تحفظات حاصل ہیں۔

جو اس مسلمان کو حاصل ہیں چنانچہ شرح شرعۃ الاسلام (جلد ۲) میں ہے کہ:

"رعیت کے تمام انواع واصناف میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے۔ کسی کو کسی پر اس کے مرتبہ یا حال کی وجہ سے تقدیم و ترجیح نہ دے۔ قاضی کو چاہیے مدعی اور مدعا علیہ میں کسی بات کا فرق نہ کرے۔ نہ ان کی مجلس میں' نہ ان کی طرف دیکھنے میں اور نہ ہی گفتگو میں"۔

حقوق و معاملات کی مساوات کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم' ذمی اور مستامن کو بھی شامل کرتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک فریق مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ یہودی سچا تھا۔ لہٰذا آپ نے ڈگری اس کے حق میں دی۔

Marfat.com

ہاں مسلم اور ذمی (غیر مسلم) کا امتیاز کن امور میں ہے اس کی چند ایک مثالیں یہ ہیں کہ کسی مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد سے نکاح درست نہیں ہے۔ کیونکہ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے اور مسلمان عورت جب غیر مسلم مرد کے تابع ہو گی تو اس کا اسلام اور ایمان معرض خطر میں ہو گا۔ البتہ مسلمان مرد غیر مسلم عورت سے اس صورت میں نکاح کر سکتا ہے کہ غیر مسلم عورت اہلِ کتاب میں سے ہو مشرکہ نہ ہو۔ یا مثلاً غیر مسلم جو مسلمان حکومت کے تحت رہتا ہے' اس سے اور مسلمان دونوں سے محصول لیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان کے ہر قول و فعل میں عبادت کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے' اس لئے جو محصول اس سے لیا جاتا ہے اس کا نام زکوٰۃ یا عشر رکھا گیا ہے۔ اگر وہ ٹیکس اموال تجارت سے لیا گیا تو زکوٰۃ ہے اور اگر محاصل زمین سے لیا گیا تو عشر ہے۔ اور پھر ان کا مصرف بھی الگ الگ مقرر کر دیا گیا۔ غیر مسلم سے جو محصول لیا جاتا ہے اس کا نام جزیہ اور خراج رکھا گیا اور یہ اس کے حفظ جان و مال کا معاوضہ ہے۔ تاکہ وہ معاملات اور معاشرت میں مسلمان کے برابر ہو کر رہیں۔ غیر مسلم کے مال سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ جزیہ کہلاتا ہے اور محاصل زمین سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ خراج کہلاتا ہے۔ زکوٰۃ و عشر میں چونکہ ایک قسم کی عبادت کو دخل ہے لہٰذا اس کا مصروف اور ہے۔ اور غیر مسلموں سے ان کے جان و مال کے تحفظ کے لئے لیا جاتا ہے لہٰذا اس کا مصرف اور ہے۔ البتہ بعض صورتوں مسلمان سے بھی خراج لیا جاتا ہے۔ یعنی جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو گئی وہ مسلمان کے قبضہ میں جانے کے بعد بھی خراجی ہی رہتی ہے۔

اسلام کی انہی تعلیمات کی روشنی میں سیدنا عمرؓ نے اپنی ذمی رعایا کو وہ سب حقوق دیئے جو اسلام نے انہیں دیئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اس زمانہ میں روم و فارس کی حکومتوں میں نہ تو آتش پرستوں کو وہ حقوق دیئے گئے تھے اور نہ ہی سلطنت روم میں عیسائیوں کے وہ حقوق تھے۔ حالانکہ وہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مصر کی فتح کے وقت، قبطی باوجود عیسائی ہونے کے مسلمانوں کے بھی خواہ تھے کیونکہ جو حقوق انہیں مسلمانوں نے دیئے تھے وہ قیصر روم نے نہیں دیئے تھے۔ یہودیوں کا حال عیسائیوں سے بھی بد تر تھا۔ وہ ہر قسم کے انسانی حق سے محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی قابلِ رحم تھی۔ چنانچہ اسلامی حکومت نے غیر مسلموں کے ساتھ جو معاہدات کئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کو کیا کیا حقوق دیئے۔ بیت المقدس کا جو معاہدہ سیدنا عمرؓ کی موجودگی میں ہوا جس پر بطور گواہان سیدنا خالد بن ولیدؓ، سیدنا

Marfat.com

عمرو بن العاصؓ، سیدنا عبدالرحمان بن عوفؓ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کے دستخط تھے، اس معاہدہ میں صاف طور پر لکھا گیا کہ عیسائیوں کے جان و مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے گرجے نہ تو توڑے جائیں گے اور نہ ان کی عمارتوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور دراصل مسلمانوں کے حقیقی دشمن وہی تھے' ان کے جان و مال کو بھی پورا پورا تحفظ دیا گیا اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر وطن سے نکل کر رومیوں سے جاملیں تو اس پر بھی ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ کیا کوئی حکومت مفتوحہ ملک کے باشندوں کو اس طرح کا انصاف مہیا کر سکتی ہے؟۔ (طبری جلد ۳ ص ۱۰۵)

سیدنا عمرؓ نے ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔ چنانچہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تو سیدنا عمرؓ نے اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ سیدنا عمرؓ کو جب پتہ چلا تو آپ نے لکھ بھیجا کہ قاتل قصاص کے لئے مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث حنین نامی کو دے دیا گیا اور اس نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا (الدرایہ فی تخریج الہدایہ ص ۳۶۰)۔ مال اور جائیداد کو بھی پورا تحفظ دیا اور جس قدر زمینیں غیر مسلموں کے قبضہ میں تھیں' ان کو اسی حیثیت سے بحال رکھا گیا۔ جس حیثیت سے وہ فتح سے پہلے تھیں' یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی خلاف قانون قرار دے گیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔

سیدنا عمرؓ نے شام کی فتح کے بعد سیدنا ابو عبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس میں فرمایا:

"مسلمانوں کو منع کرنا کہ وہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو کوئی نقصان پہنچائیں اور نہ ان کا مال بے وجہ کھائیں اور جس قدر شرائط آپ نے ان سے طے کی ہیں ان سب کو پورا کیا جائے"۔ (کتاب الخراج ص ۸۲)

ایک مرتبہ شام کے ایک کاشتکار نے یہ شکایت بارگاہِ خلافت میں کی کہ مسلمان فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار درہم

بطور معاوضہ دلوائے اور تمام اضلاع کے حکام کو ایک گشتی مراسلہ (Circular) بھیجا کہ ذمیوں پر کسی طرح کی کوئی زیادتی نہ ہونے پائے (ملاحظہ ہو کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۸) اسی طرح امام ابو یوسفؒ ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ جب شام سے واپس تشریف لا رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ جواب دیا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا' اس لئے ان کو سزا کے طور پر دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا کہ جزیہ نہ دینے میں ان کا عذر کیا ہے؟ جواب دیا گیا "مفلسی اور ناداری"۔ آپ نے حکم دیا کہ ان سب کو چھوڑ دو اور ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دو۔ کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے سنا ہے کہ "لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو عذاب دے گا"۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۲۵)

سیدنا عمرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ان سے کئے گئے عہد کی پابندی کی جائے اور ان کا دفاع کیا جائے اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ (کتاب الخراج ص ۱۲۶)

امام بخاریؒ نے آپ کی اس وصیت کو جو آپ نے بعد میں آنے والے خلیفہ کو کی تھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ:

> "میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول ﷺ کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے اس کو پورا کیا جائے' اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ (بخاری جلد ا ص ۱۸۷)

غیر مسلموں سے خراج وغیرہ لینے کے لئے مال گزاری کا جو بندوبست سیدنا عمر بن خطابؓ نے کروایا' اس میں نہایت نرمی اختیار کی گئی تا کہ کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو یہ خیال ہر وقت پریشان کرتا تھا کہ کہیں ان پر زیادتی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اس وقت بھی ذمیوں کا یہ خیال آپ کے ذہن میں اضطراب پیدا کر رہا تھا' حالانکہ آپ کا ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تو ۱۰ اشخاص کوفہ سے اور ۱۰ البصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور سیدنا عمرؓ ان سے چار دفعہ تاکید کے ساتھ قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کے وصول کرنے میں تمہارے ساتھ کچھ سختی تو نہیں کی

Marfat.com

گئی (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۵)۔ شہادت سے دو تین روز قبل کا واقعہ ہے کہ تمام افسران بندوبست کو بلایا اور مال گزاری کی تشخیص کے بارہ میں ان سے گفتگو کی گئی۔ دورانِ گفتگو آپ ان سے بار بار پوچھتے رہے کہ آپ لوگوں نے ان سے بندوبست مال گزاری میں سختی تو نہیں کی۔ (کتاب الخراج ص ۲۱)

امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ ملکی انتظامات میں بھی ذمیوں اور غیر مسلم رعایا سے مشورہ لیتے رہتے تھے گویا ملکی انتظامات میں آپ نے انہیں اپنے ساتھ شریک کیا ہوا تھا۔ خصوصی طور پر ان معاملات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا آپ ان کو اکثر و بیشتر ذمیوں ہی کے مشورے اور استصواب سے طے فرماتے۔ چنانچہ مصر کی فتح کے بعد وہاں جو انتظام کیا اس میں اکثر مقوقش سے رائے لی اور عراق کا بندوبست مال گزاری کرتے وقت عجمی رئیسوں کو مدینہ منورہ بلا کر ان سے مال گزاری کے حالات دریافت فرمائے اور مال گزاری کرنے والے کے رویہ کی بابت بھی پوچھا۔ (مقریزی جلد ا ص ۷۴)

فاتح قوم کا رویہ مفتوح قوم سے اکثر درست نہیں ہوتا۔ مفتوح قوم کی عزت و ناموس کو اکثر مجروح کیا جاتا ہے اور اپنی برتری اور تحکم کا اظہار کیا جاتا ہے اور قرآن حکیم کے بقول "وجعلو اعزة اهلها اذلة" عزت داروں کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی طرح خیال رکھا جس طرح ایک مسلمان کی عزت و آبرو کا آپ کو خیال تھا۔ کسی ذمی اور غیر مسلم کے بارہ میں کسی قسم کی تحقیر و تذلیل کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ ان کے بڑوں کی تکریم اور چھوٹوں پر اسی طرح شفقت کی جاتی تھی جس طرح مسلمانوں کی کی جاتی تھی۔ سیدنا عمیر بن سعدؓ جو حمص کے گورنر تھے نہایت نیک و پارسا اور زہد و تقدس میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی ذِمی کے بارہ میں یہ لفظ نکل گیا "اخزک اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کرے۔ لفظ تو یہ غیر شعوری طور پر ان کے منہ سے نکل گیا لیکن اس کے بعد ان کو اس قدر ندامت ہوئی کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حمص کی گورنری سے استعفا دے دیا اور بارگاہِ خلافت میں کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے لہٰذا میں اس کو چھوڑتا ہوں۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد ۲ ص ۲۰۳)

سیدنا عمرؓ نے مملکت اسلامیہ کے تمام ذمیوں کو مذہبی معاملات میں پوری پوری آزادی دی ہوئی تھی اور اپنی تمام مذہبی رسوم ادا کرنے میں انہیں نہ تو کوئی خوف تھا اور نہ

Marfat.com

جھجک۔ اعلانیہ ناقوس بجاتے' صلیب نکالتے اور ہر قسم کے میلوں میں شرکت کی جن کا تعلق ان کے مذہب سے ہوتا تھا' ان کو پوری پوری آزادی تھی۔ ان کے مذہبی پیشوایان کو بھی اپنے اختیارات مذہبی میں ہر قسم کی آزادی تھی۔ اسی وجہ سے تو غیر مسلم ہمیشہ مسلمانوں کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ چنانچہ جنگ اجنادین جو رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ تھی اور ہرقل کا حقیقی بھائی رومی لشکر کی قیادت کر رہا تھا رومیوں کے سپہ سالاروں نے ایک عربی شخص کو مسلمانوں کے لشکر میں اس غرض سے بھیجا تاکہ وہ ان کی اصلی حالت کی خبر لائے۔ وہ عربی جب لشکر اسلام میں جاسوسی کی غرض سے آیا تو اس نے یہاں عجیب صورت حالت دیکھی۔ ان کے شب و روز کا بغور مطالعہ کیا کہ مسلمان راتوں کو تہجد گزاری اور تلاوتِ قرآن حکیم میں گزارتے ہیں۔ اس نے ہر شخص کو دیکھا اور بلا تصنع اور تکلف کے عبادت خداوندی میں مصروف پایا۔ دیکھا کہ باہمی معاملات میں نہایت صفائی سے ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں۔ ہر شخص امیر کے حکم کا دل و جان سے مطیع اور فرماں بردار ہے۔ جب وہ عربی مسلمانوں کے یہ حالاتِ دیکھ کر واپس آیا تو رومی سپہ سالار نے پوچھا: کہو کیا دیکھا؟ اس نے کہا:

"باللیل رھبان و بالنھار فرسان' ولو سرق ابن ملکھم قطعوہ' ولو زنیٰ رجم لا قامۃ الحق فیھم"

یہ لوگ راتوں کو راہب اور عابد ہیں اور دن میں بہادر اور شہ سوار۔ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں۔ اور اگر زنا کرے تو رجم کر دیں۔ حق کے جاری کرنے میں ان کے ہاں کسی کی رعایت نہیں۔

سپہ سالار نے مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کی یہ کیفیت سن کر کہا:

ان کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء ھولاء

اگر تو نے سچ کہا تو زمین میں اتر جانا (یعنی مر جانا) اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے مقابلہ کیا جائے۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۶۰)

یہ عام صحابہ کرامؓ کی زندگی کا حال تھا کہ ہر مخالف شخص بھی ان سے متاثر ہوتا تھا۔ سیدنا عمر بن خطابؓ تو ان کے امیر تھے۔ ان میں یہ سب خوبیاں ان سے زیادہ تھیں۔ لٰہذا غیر مسلموں کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی نہ انہوں نے زیادتی کی اور نہ کسی کو کرنے دی۔ چنانچہ

Marfat.com

آپ نے تمام ذِمیوں کے مذہبی لیڈروں کے تمام اختیارات کو جو انہیں حاصل تھے' باقی رکھا۔ چنانچہ مصر میں اسکندریہ کا پیٹر یارک بنیامین جو تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا' سیدنا عمرو بن عاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو اس کو اسکندریہ بلا لیا۔ مؤرخین نے اس کے بارہ میں یوں لکھا ہے کہ مصر اور اسکندریہ کی فتح کے بعد سیدنا عمر بن عاصؓ نے فسطاط میں قیام فرمایا تو انہوں نے عقیدے کی آزادی کو اپنی پالیسی کا سنگ بنیاد بنایا۔ چنانچہ جب قبطی راہبوں کو آپ کی پالیسی کا علم ہوا اور اس کی صحت و صداقت میں انہیں کوئی شک و شبہ نہ رہا تو ان کی ایک بہت بڑی تعداد کلیساؤں سے نکل کر جہاں مذہبی استبداد کے زمانے میں انہوں نے پناہ لے رکھی تھی' اطاعت کا اعلان کرتی ہوئی سیدنا عمرو بن عاصؓ کی طرف دوڑی۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ بخوبی جانتے تھے کہ قبطیوں کو اسقف پیٹر یارک بنیامین سے غیر معمولی محبت اور تعلق ہے اور جب سے اس نے صعید کے دور دراز علاقے کی طرف بھاگ کر صحرا میں پناہ لے رکھی ہے' قبطیوں کی اس محبت اور اس تعلق میں اور بھی شدت پیدا ہو گئی ہے۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ بنیامین اپنے مذہبی منصب پر واپس آ جائے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے تمام قبطیوں کو امان دے دی اور اسقف بنیامین کے بارہ میں خاص طور پر فرمایا "بوڑھے بطریق کو اپنی اور ان قبطیوں کی جان محفوظ سمجھتے ہوئے واپس آ جانا رچاہئے جو مصر یا غیر مصر میں آباد ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ان سے عہد شکنی کی جائے گی"۔ بنیامین کو عرب فاتح کے اس عہد کی اطلاع ملی تو وہ صحرائی مامن سے نکل کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسکندریہ میں قبطیوں نے ایک ظفر مند کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور یہ خوشی ہر خوف اور ہر تکدر سے پاک تھی۔

جب پیٹر یارک بنیامین اپنے پیروؤں میں اطمینان سے رہنے لگا تو سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اسے بلایا اور اس کے ساتھ نہایت عزت و تکریم کے ساتھ پیش آئے کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ "اذا جاء کریم قوم فاکرموہ"۔ (یعنی جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص آئے تو اس کی تکریم کرو) بنیامین نے ان سے گفتگو کی۔ وقار اور تحمل کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے میں بڑی نرمی اور شیرینی تھی۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ کے دل پر اس کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور انہوں نے قبطیوں کی مذہبی سیادت پیٹر یارک بنیامین کے سپرد کر دی کہ وہ جس طرح چاہے ان کی مذہبی راہنمائی کرے۔ قبطی بطریق بنیامین بھی مسلمان فاتح کے حضور سے انتہائی مسرور اور مطمئن واپس ہوا اور اسکندریہ پہنچ کر اس نے سیدنا عمرو بن عاصؓ کے گن

Marfat.com

گانے شروع کر دیئے۔ وہ اپنے عقیدت مندوں سے کہتا تھا: "میں اپنے شہر اسکندریہ واپس ہوا اور دیکھا کہ یہاں ہر طرح کا امن وامان ہے۔ اللہ نے کافروں کے جبر واستبداد کی لعنت ہمارے سروں سے دور کر دی ہے"۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا' پیٹریارک بنیامین کے جذبات تشکر وامتنان میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر کار تمام قبطی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اپنی مذہبی رسومات بے کھٹکے ادا کرنے لگے۔ بنیامین نے ان کے کلیساؤں کی اصلاح اور ان کی عبادت گاہوں کا دورہ کیا۔ وہ جہاں کہیں جاتا عقیدت مندوں کا ہجوم کھجور کی چھڑیاں اور عود دان ہاتھ میں لئے ایک جلوس کی صورت میں اس کے ساتھ ہوتا۔ حنا نقیوسی مسلمانوں سے بغض رکھنے کے باوجود بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ "رومی سرزمین مصر سے اس لئے نکالے گئے اور مسلمان ان پر اس لئے فتح یاب ہوئے کہ ہرقل نے انسانیت سوز گناہوں کا ارتکاب کیا اور قبطیوں اور ان کے مذہب پر بے انتہا ظلم ڈھائے تھے۔ مصر میں رومیوں کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامرانی کا یہی سبب ہے"۔

جب سیدنا عمر بن خطابؓ کو پتہ چلا کہ اسقف بنیامین اپنی قوم میں بڑی حیثیت و منزلت رکھتا ہے تو انہوں نے سیدنا عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ وہ مصر کی حکومت اور اس کے باشندوں کی آسائش کے لئے قبطیوں کے اس بطریق کی رائے سے فائدہ اٹھائیں۔ بنیامین نے بھی مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اس کا کھویا ہوا سارا اثر و نفوذ اسے بخش دیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقریزی جلد ا ص ۴۹۲)

سیدنا عمرو بن عاصؓ گورنر مصر نے غیر فوجی مناصب اکثر و بیشتر رومیوں ہی کے پاس رہنے دیئے جو فتح مصر سے قبل اپنی حکومت کی طرف سے ان عہدوں پر مامور کئے گئے تھے اور جنہوں نے اسلامی اقتدار کے بعد بھی اپنے ملک واپس جانے کے بجائے مصر ہی میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔ ان میں سے کئی رومیوں نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح سیدنا عمرو بن عاصؓ نے بنیاس کو زیریں مصر کا حاکم مقرر کیا جہاں وہ ہرقل کے زمانے میں حکمران تھا۔ اور اس کے دوسرے ابنائے جنس کو بعض اور علاقوں کی حکومت تفویض کی، جو عہدے ذرا کم حیثیت کے تھے۔ البتہ جن رومی عہدداروں نے اجنبی حکومت کی رعایا بننا گوارا نہ کیا اور سرزمین مصر کو چھوڑ کر چلے گئے' ان کی جگہ قبطیوں کو دے دی گئی۔ اور یہ سب عہدے ذمیوں کو دیئے گئے۔

مختصر یہ کہ تمام غیر مسلموں کو سیدنا عمر بن خطابؓ کی حکومت میں مذہبی

معاملات میں پوری پوری آزادی تھی اور پیٹریارک بنیامین کو اسکندریہ کی جو کرسی دوبارہ نصیب ہوئی وہ بھی سیدنا عمرؓ کی غیر مسلموں کے لئے پالیسی کا نتیجہ تھی۔

یہ تو صرف مصر کا معاملہ ہے۔ آپ ان تمام معاہدات کو ایک نظر دیکھ لیں جو سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ کئے گئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہر معاہدہ میں یہ فقرہ موجود تھا کہ "نہ تو ان کا مذہب بدلا جائے گا اور نہ ہی ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت کی جائے گی" چنانچہ بیت المقدس کا معاہدہ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے' اس میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں۔ ایسے ہی جرجان، آذربائیجان، موقان اور دوسرے معاہدہ میں صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ "ان کی جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے"۔ (الامان علیٰ اموالھم و انفسھم و ملتھم و شرائعھم) اگرچہ سیدنا عمرؓ اشاعت اسلام کے لئے نہایت کوشاں تھے' لیکن وعظ و پند کے ذریعے نہ کہ جبر واستبداد کے ذریعے کیونکہ اسلام کا حکم ہے "لا اکراہ فی الدین" اور اسلام کے حکم کے سامنے سیدنا عمرؓ کی گردن فوری طور پر خم ہو جاتی تھی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کرتا تو مسلمان بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔ مسلمان والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی' ذمی بھی اس میں برابر کے شریک ہوتے۔ بیت المال سے مسلمانوں کو جو رعایت ملتی وہی رعایت ایک ذمی کو بھی ملتی تھی۔ سیدنا ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں سیدنا خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کی فتح میں اہلِ شہر کے ساتھ جو معاہدہ لکھا' اس میں یہ الفاظ تھے:

> "اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت آئے' یا وہ پہلے دولت مند تھا پھر غریب اور قلاش ہو گیا' اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کو اور اس کے اہل و عیال کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ دارالاسلام میں رہے' لیکن اگر وہ مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک چلا گیا تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا"۔

(کتاب الخراج لامام یوسف ص ۸۵)

سیدنا عمر بن خطابؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اس اصول کو اپنائے رکھا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے اور ہم نے گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا اور جب آپ کو پتہ چلا کہ وہ جزیہ ادا کرنے کے لئے بھیک مانگ رہا ہے تو آپ نے نہ صرف اس کا بلکہ اس جیسے تمام معذوروں کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا اور یہ بھی فرمایا: "بخدا! یہ بات عدل وانصاف کے منافی ہے کہ ان لوگوں کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔"

(کتاب الخراج ص ۱۵۰۔۱۵۱)

غیر مسلم حضرات سے جزیہ وغیرہ کو معاف کرنا یا معذور ذمیوں کے نفقہ کا انتظام کرنا بھی کفالتِ عامہ کے زمرہ میں آتا ہے

تاریخ کے اوراق اس بات کی بھرپور شہادت دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے ذمیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کیا اور ان کو وہی مراعات دیں جو وہ مسلمانوں کو دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ذمیوں نے بھی ہر موقع پر خود اپنی ہم مذہب حکومتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کی' یہاں تک کہ جاسوسی بھی کی۔ مسلمان لشکروں کی خوراک، رسد مہیا کرنے اور دوسرے کئی طریقوں سے مدد کی۔ ہر قسم کے راز مسلمانوں تک پہنچائے اور تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جنگ یرموک میں شرکت کے لئے جب مسلمانوں کو انطاکیہ جانا تھا تو تمام مفتوحہ علاقوں کے امراء اور رؤساء مسلمانوں کے عدل وانصاف سے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالفِ مذہب کے انہوں نے عیسائیوں کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہؓ کو انہی جاسوسوں کی وجہ سے تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے اس بارہ میں اپنے افسروں سے مشورہ طلب کیا۔ مختلف افسروں نے مختلف مشورے دیئے۔ ایک تجویز کے جواب میں سیدنا ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ "ہم عیسائیوں کو شہر سے باہر نکال دیں"۔ اس پر شرحبیل بن حسنہؓ نے اٹھ کر کہا "اے امیر! آپ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں' اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟" سیدنا ابو عبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ بالآخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد بن ولیدؓ موجود ہیں' اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ جب یہ بات متفقہ طور پر طے ہو چکی تو سپہ سالار لشکر اسلامی سیدنا ابو

Marfat.com

عبیدہؓ نے افسر خزانہ سیدنا حبیب بن مسلمؓ سے فرمایا کہ "عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے وہ ان کی حفاظت کا ٹیکس ہوتا ہے۔ اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے' للذا جو کچھ ان سے ہم نے لیا ہے' سب ان کو واپس کر دو اور ان سے کہہ دو کہ "ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا وہ اب بھی ہے' لیکن چونکہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے' اس لئے جزیہ یا' خراج جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم لوگوں کو واپس کیا جاتا ہے"۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی' ساری کی ساری واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں کے حاشیہ خیال میں بھی ایسا ممکن نہیں تھا۔ انہیں قیصر روم کا جور و ستم اور جبر و استبداد جو ٹیکس کی فراہمی کے بارہ میں تھا' یاد تھا' للذا ان پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش و جذبہ کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم لوگوں کو جلد واپس لائے" یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا "تورات کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا" یہ کہہ کر انہوں نے شہر پناہ کے دروازے بند دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے صرف حمص والوں کے ساتھ ہی یہ برتاؤ نہیں کیا تھا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے اور انہیں فوجی (Strategy) کے تحت خالی کرنا پڑا' ان سب کی جزیہ کی رقم جس قدر وصول ہوئی تھی ساری کی ساری واپس کر دی۔

(فتوح البلدان ص ۱۳۷' کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۸۱' فتوح الشام ص ۱۳۸)

یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمانوں کا ذمیوں سے برتاؤ اور سلوک نہایت اچھا تھا اور وہ مسلمانوں کے گرویدہ ہو گئے تھے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتے تھے۔ ان کے لئے سڑکیں اور پل تیار کرتے تھے' ان کو خوراک اور رسد فراہم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی حکومتوں کی ان کے لئے جاسوسی بھی کرتے تھے اور ان کی فوجوں کے راز لے کر مسلمانوں کو فراہم کرتے تھے۔

بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

بعض حضرات اس سلسلہ میں کچھ اعتراضات کرتے ہیں جو کہ جہالت پر مبنی ہیں۔ بہر حال اعتراضات تو ہیں، للذا اس کے جوابات دینے ضروری ہیں۔ اعتراضات یہ کئے جاتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ غیر مسلم شراب اور سور نہ فروخت کریں' ناقوس نہ

بجائیں، صلیب نہ نکالیں اور بنو تغلب کو یہ حکم دیا کہ بپتسمہ (اصطباغ) نہ دیں۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے تمام اعتراضات غلط ہیں اور عرصہ دراز سے تعصب کی وجہ سے واقعیت کے چہرے پر گردو غبار ڈال دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اصل حقیقت لوگوں کے سامنے نہیں آئی۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ ساری باتیں سیدنا عمرؓ کا عام قانون نہ تھا بلکہ آپ نے یہ احکام خاص مواقع کے لئے جاری فرمائے تھے جس کو امام ابو یوسفؒ اور دیگر حضرات نے بیان فرمایا ہے پھر یہ احکام خاص قیدوں کے ساتھ تھے۔ مثال کے طور پر سیدنا عمرؓ نے عیسائیوں کو صلیب نکالنے سے نہیں روکا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ ''مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ لگائیں''۔ (کتاب الخراج ص ۸۰) ناقوس کی بابت یہ فرمایا کہ ''ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں لیکن نماز کے اوقات میں وہ ناقوس نہیں بجا سکتے''۔ (کتاب الخراج۸۶) ایسا ہی خنزیر کی بابت ہے کہ ذمی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں اور جہاں تک بنو تغلب کی عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دینے کا تعلق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ '' اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مر جائے تو اس کی اولاد کی پرورش اور تربیت کس مذہب کے مطابق کی جائے گی؟'' یعنی وہ اولاد مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے عیسائی خاندان والوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے اصطباغ دے کر عیسائی بنالیں۔ اس کے لئے سیدنا عمرؓ نے مختلف معاہدات میں یہ شرط عائد کی کہ جس اولاد کا باپ مسلمان ہو کر مرے اس کی اولاد کو اس کے خاندان کے عیسائی لوگ اصطباغ نہ کریں۔ چنانچہ طبری نے مختلف مقامات پر ان معاہدات کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ

ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم آباؤھم

یعنی وہ ان کی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں جن کے والدین مسلمان تھے۔

چنانچہ سیدنا عمرؓ یا ان کی حکومت کے گورنروں پر جس قدر بھی اعتراضات ذمیوں کے بارہ میں کئے جاتے ہیں وہ سب غلط ہیں اور حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ اصل بات قابلِ اعتراض ہے ہی نہیں۔

اہلِ بیت نبوت سے تعلقات

بعض حضرات سیدنا عمرؓ کے بارہ میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ان کے اہلِ

Marfat.com

بیت نبوت سے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ یہ ایک اتہام ہے جو ان کی ذات پر لگایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے اہلِ بیت نبوت سے نہایت اچھے تعلقات تھے۔ اور آپ ان کی نبوت سے نسبت کی وجہ سے نہایت عزت و تکریم کرتے تھے۔ اسی عزت و تکریم ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ان حضرات کو جو رسول اللہ ﷺ سے رشتے میں سب سے زیادہ قریب تھے' انہیں سب سے زیادہ وظیفہ دیا۔ چنانچہ آپ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ کا بارہ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا اور ان کی ہمشیرہ سیدہ صفیہؓ کا چھ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا (کتاب الاموال ص ۲۲۴' طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۱۳' السنن بیہقی جلد ۶ ص ۳۶۴' طبری جلد ۳ ص ۱۰۹' کتاب الخراج ص ۴۳۔ ۴۴ فتوح البلدان ص ۴۵۴۔ ۴۵۵) اور امہات المؤمنینؓ کو دس دس ہزار درہم اور سیدہ عائشہؓ کو دو ہزار درہم زیادہ دیئے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے زیادہ محبت فرماتے تھے' حالانکہ ان کے مقابلہ میں اصحابِ بدر کا پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا۔ ابن سعدؒ نے طبقات میں جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ امہات المؤمنینؓ کا وظیفہ بارہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا گیا۔ ابن سعد نے اس روایت کو متفق علیہ کہا ہے۔ وظائف کی یہ زیادتی صرف اس نسبت کی وجہ سے تھی جو ان حضرات کو سرکارِ دو عالم ﷺ سے تھی۔ یہ تو امہات المؤمنینؓ کا معاملہ تھا۔ سیدنا عمرؓ نے تو سیدہ ام سلمہؓ کے صاحبزادے عمر بن ابی سلمہؓ کا وظیفہ بھی چار ہزار درہم مقرر فرمایا۔ جب محمد بن عبداللہ بن جحش نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ لاؤ اگر کوئی ایسی ماں ہو جس پر ام سلمہؓ کی طرح عنائت و مہربانی کی گئی ہو۔ اسی طرح سیدنا اسامہؓ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر فرمایا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اعتراض کیا، کیونکہ امیر المؤمنینؓ کا بیٹا ہونے کے باوجود ان کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر ہوا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹے کے جواب میں فرمایا: "میں نے اسے اس لئے زیادہ وظیفہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے تم سے اور اس کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ چاہتے تھے"۔ یہ جوابات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ سے قربت اور نسبی تعلق رکھنے والے ہر شخص سے محبت کرتے تھے اور اس کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھتے تھے۔

ابن ابی الحدید نے بھی اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے کہ وظائف مقرر کرتے وقت وظائف مقرر کرنے والوں نے ان وظائف کو بنو ہاشم سے شروع کیا' پھر ابو بکرؓ

Marfat.com

اور اس کے خاندان اور پھر عمرؓ اور اس کا خاندان یعنی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے لکھا۔ جب اس کو سیدنا عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا: "دل تو میرا اسی ترتیب کو چاہتا تھا، لیکن اس کو قرابت رسولؐ سے شروع کیا جائے اور عمرؓ کو وہاں رکھا جائے جہاں اللہ نے اس کو رکھا ہے"۔ (یعنی آپ اپنے کو اور اپنے خاندان کو تیسرے نمبر پر بھی نہیں رکھنا چاہتے تھے)

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۷۴)

اسی کتاب میں تین چار صفحات قبل لکھا ہے کہ ان وظائف کی فہرست کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہل بیت سے شروع کیا جائے پھر بنو عبد المطلب، پھر بنو عبد شمس، پھر بنو نوفل اور دوسرے قریش کے خاندان اور بطون۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۶۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے خاندان، اولاد، ازواجِ مطہراتؓ اور رشتہ داروں سے کس قدر محبت تھی اور اپنی ذات کے بارہ میں فرمایا "تصغوا عمر حیث وضعه الله"۔

تقسیم اموال کے وقت سیدنا عمرؓ نے ایک اور بات بھی فرمائی جس کے ایک ایک حرف سے محبت رسولؐ ٹپکتی ہے۔ فرمایا:

> "خدا کی قسم! جو کچھ فضیلت بھی ہمیں اس دنیا میں حاصل ہے اور آخرت میں جس قدر ثواب ہمیں ملنے کی امید ہے یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اور برکت سے ہے۔ آپ ہمارے لئے سراسر شرافت اور عزت کا باعث ہیں اور آپ کی قوم تمام قبائل عرب سے اعلیٰ واشرف ہے"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۱۲)

سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ نے سب سے آخر میں ہجرت فرمائی۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ لیکن سیدنا عمرؓ اس وجہ سے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم ہیں۔ ان کی از حد عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر سواری پر سوار ہو کر جا رہے ہوں اور سامنے سے سیدنا عباسؓ آجائیں تو احتراماً سواری سے اتر جاتے تھے اور فرماتے یہ ہمارے یہ ہمارے نبی محترم کے چچا ہیں۔ (استیعاب لابن عبد البر جلد ۳ ص ۹۸ 'سیر اعلام النبلاء ذہبی جلد ۲ ص ۶۸) سیدنا ابو بکرؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۶۹)

سیدنا عمرؓ سیدنا عباسؓ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے: "اگر تم لوگوں نے

Marfat.com

سیدنا عباسؓ کو کھو دیا تو تم پر شر ٹوٹ پڑے گی جیسے رسی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے"۔ (طبری جلد ۳ ص ۱۰۳، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۵۸ کنز العمال ص ۶۹) علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ کی یہ بات بالکل سچی اور درست ثابت ہوئی کیونکہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔ اللہ کی قسم اس وقت سے لوگوں پر شر ٹوٹ پڑا اور چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ آپ کا انتقال ۳۲ یا ۳۳ ہجری میں ہوا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ سے سیدنا عباسؓ کی اسی نسبت کی وجہ سے طلب باران میں ان کو وسیلہ بنایا اور اللہ کے حضور میں کہا:

> "اے اللہ! ہم تیرے نبی کے ذریعہ سے تیری طرف توسل پکڑتے تھے اور تو ہمیں بارش عنایت فرما دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے عم محترم کے توسل سے تجھ سے دعا کرتے ہیں، تو ہم پر بارانِ رحمت نازل فرما۔ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اسی طرح کرنے سے بارش برستی تھی اور لوگ سیراب ہو جاتے تھے"۔
>
> (بخاری جلد ۱ ص ۱۳۷، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۳۴، تاریخ

خلیفہ بن خیاط ص ۱۰۹)

اور میزاب (پرنالہ) کے اکھاڑے کا واقعہ بھی کئی کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ جس راستہ سے گزر کر مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے، اس راستہ میں سیدنا عباسؓ کے مکان کو ایک پرنالہ لگا ہوا تھا۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن سیدنا عمرؓ کپڑے پہن کر مسجد تشریف لا رہے تھے۔ سیدنا عباسؓ کے مکان کی چھت پر دو چوزے ذبح کئے گئے۔ اس پرنالے سے ان کا خون اور پانی ٹپک کر سیدنا عمرؓ کے کپڑوں پر گرا۔ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا کہ (اس میزاب سے چونکہ راہ چلتے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا) اس میزاب کو یہاں سے اکھیڑ دیا جائے۔ چنانچہ وہ میزاب اکھیڑ دیا گیا۔

اس کے بعد سیدنا عباسؓ سیدنا عمر بن خطابؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "خدا! یہ میزاب تو خود سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس مقام پر نصب کر دیا تھا اور آپ نے اسے اکھاڑ دیا"۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا عباسؓ سے کہا:

> "اے عباس! میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری پشت پر سوار ہو کر اس میزاب کو وہیں نصب کر دیں جہاں سرکارِ دوعالم ﷺ

Marfat.com

نے اسے نصب فرمایا تھا"۔

پس سیدنا عباسؓ نے اسی طرح کیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۱۰، مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۰۶، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۷۰، المصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۲۹۲)

سیدنا عمرؓ کے سیدنا علیؓ سے روابط اور تعلقات

سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور داماد بھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت بلکہ پرورش بھی رسول اللہ ﷺ ہی نے کی تھی۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ کو بھی ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی عملی اور فکری خوبیوں کے معترف تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

علی اقضانا　　　علیؓ ہم میں بہترین قاضی ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۲، بخاری جلد ۲ ص ۶۴۴)

اسی وجہ سے آپ نے انہیں مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرمادیا تھا (سیرۃ عمر بن خطاب جوزی ص ۶۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷)

اکثر مسائل اور معاملات سلطنت میں سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ کے مشوروں سے فائدہ اٹھاتے۔ خلافت فاروقی میں آپ نے کئی امور کا فیصلہ سیدنا علیؓ کے مشورہ سے کیا۔ چنانچہ امام بیہقیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے پاس ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا۔ جو شدت پیاس کی وجہ سے ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس سے پانی مانگا۔ اس چرواہے نے اس صورت میں پانی دینے کا وعدہ کیا اگر وہ عورت اسے اپنے نفس پر اختیار دے۔ عورت نے مجبور ہو کر اس کو اپنے ساتھ منہ کالا کرنے کی اجازت دے دی۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کے لئے سیدنا عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ "یہ عورت مجبور تھی لہٰذا میرے خیال میں اس کو چھوڑ دیا جائے"۔ سیدنا عمرؓ نے آپ کا مشورہ قبول کرتے ہوئے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۳۶، سنن سعید بن منصور جلد ۲ ص ۷۲، مصنف عبدالرزاق جلد ۴ ص ۱۰۸)

اسی طرح شرابی کی سزا بھی سیدنا عمرؓ نے سیدنا علیؓ کے مشورہ سے جاری فرمائی۔ روایت یہ ہے کہ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے ابن وبرہ کو سیدنا عمرؓ کے پاس شرابی کی سزا کے بارہ میں بھیجا۔ اس وقت سیدنا عثمانؓ، سیدنا علی، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ مسجد نبوی میں آپ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان سب صحابہ کرامؓ سے اس

Marfat.com

بارہ میں مشورہ کیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "ہماری رائے یہ ہے کہ انسان جس وقت شراب پی کر بد مست ہو جاتا ہے تو بکواس بکتا ہے اور اس حالت میں پھر لوگوں پر بہتان تراشی کرتا ہے اور بہتان باندھنے (قذف) کی سزا اسی کوڑے ہے' لہٰذا شرابی کی سزا بھی اسی (۸۰) کوڑے مقرر کرنی چاہئے"۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے شرابی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمادی۔ اور پھر یہی شراب خوری کی حد مقرر ہو گئی۔

(سنن دارقطنی مع تعلیق المغنی جلد ۲ ص ۳۵۴' مؤطا امام مالک ص ۳۵۷' مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۷۵' المصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۷۸' طحاوی جلد ۲ ص ۸۸ وغیرہ)

فروع کافی جلد ۲ ص ۱۱۷ میں بھی ہے کہ شراب نوشی کی حد ۸۰ کوڑے سیدنا عمرؓ نے سیدنا علیؓ کے مشورہ سے مقرر فرمائی۔

حکومت کے انتظامی امور کے بارہ میں بھی آپ نے علیؓ سے کئی بار مشورے کئے۔ چنانچہ اسلامی سن کے شروع کرنے کے بارہ میں بھی سیدنا علیؓ نے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سیدنا عمرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ اسلامی سن ہجرت نبوی کے روز سے شروع کیا جائے۔ سیدنا عمرؓ نے آپ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور ہجرت نبوی سے اسلامی سال شروع کرنے کا حکم دیا۔

(تاریخ صغیر' بخاری ص ۹' تاریخ کبیر' بخاری جلد ۱ ص ۹' مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴' سیرۃ عمر بن خطاب' لابن جوزی ص ۵۱' البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۴)

عراق کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے بارہ میں اگرچہ سیدنا معاذ بن جبلؓ نے آپ کو روکا تھا کہ ان کو تقسیم نہ کیا جائے۔ سیدنا علیؓ نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ان زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی آمدنی پر ٹیکس لگا کر حکومت کو مستقل آمدنی فراہم کی جائے۔

(کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۱۴۶۔ سنن الکبری جلد ۹ ص ۱۳۴' کتاب الاموال ص ۵۹ وغیرہ)

کتابوں میں ایک اور مشورے کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک عورت کو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے بلا بھیجا۔ وہ عورت حاملہ تھی۔ ہیبت فاروقی کی وجہ سے راستہ میں اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور وہ بچہ مر گیا۔ سیدنا عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ کیا اس بچہ کا ضمان مجھ پر لازم ہے؟ صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ پر کوئی ضمان اور تاوان لازم نہیں ہے۔

سیدنا علیؓ خاموش بیٹھے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "میری رائے یہ ہے کہ اس بچہ کا تاوان آپ پر لازم ہے"۔ (اصول فخر الاسلام بزودی ص ۲۳۹' کنز العمال جلد ۷ ص ۳۰۰' المصنف عبد الرزاق جلد ۹ ص ۴۵۸)

سیدنا عمر بن خطابؓ نے سیدنا علیؓ سے مختلف مواقع پر نہ صرف دینی اور انتظامی معاملات میں مشورے لئے بلکہ اپنے عہدِ خلافت میں آپ جتنی بار بھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے آپ نے مدینہ میں اکثر وبیشتر اپنا نائب سیدنا علیؓ کو بنایا۔

(ملاحظہ ہو طبری تحت ۱۴ھ' البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵' ص ۵۵)

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ کے تعلقات اور روابط سیدنا علیؓ کے ساتھ نہایت اچھے تھے اور ان دونوں کے مابین بھائیوں کی سی محبت تھی۔

سیدنا علیؓ کے علاوہ سیدنا عمرؓ کے آپ کے دونوں صاحبزادوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ سے بھی اچھے روابط تھے۔ آپ ان دونوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے زہریؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ مال غنیمت میں باہر سے کچھ کپڑا آیا۔ سیدنا عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی اولاد کو ان میں سے پوشاکیں عنائت فرمائیں۔ اس کپڑے میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے لائق اور مناسب کوئی لباس نہ تھا۔ سیدنا عمرؓ نے یمن کی طرف ایک آدمی بھیجا جو ان کے لائق کپڑے لایا۔ جب یہ لباس ان دونوں صاحبزادوں نے پہنا تو سیدنا عمرؓ نے دیکھ کر فرمایا "اب میرا دل خوش ہوا" (**الان طابت نفسی**)۔

(سیرۃ عمر بن خطاب ص ۹۷ لابن الجوزی' البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۷' کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۶' سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۱۹۱)

وظائف میں بھی ان کے وظائف پانچ پانچ ہزار مقرر فرمائے۔ وظائف کی رقم بدری صحابہ کرامؓ کے برابر تھی۔ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۱۸۱' السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۶ ص ۳۵۰)

علاوہ ازیں سیدنا حسینؓ کی ایک اہلیہ شہر بانو تھیں۔ روایات کے مطابق یہ عجم کی فتوحات کے وقت مال غنیمت میں آئیں۔ اور سیدنا حسینؓ کو دی گئیں۔ انہی کے بطن سے سیدنا زین العابدین تھے۔ جن کی نسل سے تمام حسینی سید پیدا ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اصول کافی مولد علی بن الحسین ص ۲۹۶' عمدۃ الطالب ص ۱۹۲ وغیرہ) یہ خاتون مدائن کی فتح میں آئیں اور سیدنا عمرؓ نے سیدنا حسین بن علیؓ کو مرحمت کیں۔ سیدنا علیؓ نے اس لڑکی کا نام دریافت

Marfat.com

کیا۔ اس نے کہا: "شاہ جہان"۔ آپ نے فرمایا! "نہیں تیرا نام "شہر بانویہ" تجویز ہوا ہے جو بعد میں کتابوں میں "شہر بانو" مشہور ہو گیا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے۔ لیکن انکار کے لئے جو دلائل دیئے ہیں وہ نہایت بے زبان ہیں۔ تاریخ کی ہر کتاب میں سیدنا زین العابدین علی ابن الحسینؓ کی والدہ کا نام شہر بانو ہے۔ اور وہ یہی شہر بانو تھیں جو جنگ مدائن میں مالِ غنیمت میں آئی تھیں۔ ملا خلیل قزوینی نے بھی اصول کافی کی شرح "الصافی" حصہ دوم ص ۲۰۴۔۲۰۵ پر اس کی تفصیل بیان کی ہے اور فاضل ابنِ عنبہ نے اپنی کتاب "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب میں بھی یہ مسئلہ درج فرمایا ہے۔

سیدہ ام کلثومؓ سے نکاح

سرکارِ دوعالم ﷺ کے خاندان سے محبت و قربت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ سیدنا علیؓ نے امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کو اپنی دامادی میں قبول فرمالیا اور اپنی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ جو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں ان کے حبالہ عقد میں دے دیں۔ دو شخصوں کی اس قسم کی رشتہ داری کا قائم ہونا' باہمی اعتماد' وثوق اور قربت اور روابط کی مضبوطی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے جب کہ میاں بیوی کی عمروں میں بھی کافی فرق ہو۔ اس نکاح کے کچھ تشریعی اسباب تھے اور کچھ تکوینی اسرار کیونکہ اس کارگاہِ آب و گل میں ہر واقعہ کے اظہار میں یہ دونوں چیزیں مضمر ہوتی ہیں یعنی تشریعی اسباب بھی اور تکوینی اسرار بھی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کو بعض کم فہم اور عقل سے عاری حضرات اشکال کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ نے یہ نکاح کیوں کیا جب کہ آپ کی اولاد بھی تھی اور آپ کی عمر اس وقت پچپن چھپن سال تھی۔ اور سیدہ صغیر السن تھیں۔ اس نکاح کی وجہ سیدنا عمرؓ نے جو بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کو سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپؐ کے خاندان سے ایک خصوصی وابستگی اور والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ اس وجہ سے وہ خاندان نبوت سے اپنے تعلقات کے اضافہ کے انتہائی خواہش مند تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ میں نے خود سرکارِ دوعالم ﷺ سے سنا ہے کہ

کل نسب و سبب و صهر ينقطع يوم القيامة الا نسبي و سببي و صهري فكان لي به عليه السلام النسب والسبب فاردت ان اجمع اليه الصهر

یعنی "قیامت کے روز تمام نسبی، سببی اور صهری رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ سوائے میرے نسب، سبب اور صهر کے"۔ سیدنا عمر نے فرمایا کہ مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ سے نسب (قرشیت) اور سبب (سیدہ حفصہ سلام اللہ علیھا کے نکاح کا تعلق) تو پہلے ہی حاصل ہے۔ میں نے چاہا کہ یہ تعلق صهر بھی مجھے حاصل ہو جائے۔ (استیعاب لابن عبد البر جلد ۲ ص ۷۷۳ تذکرہ سیدہ ام کلثومؓ)

مختلف کتابوں میں روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے ان کی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ کا رشتہ طلب کیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے برادر زادہ عبداللہ بن جعفرؓ کے لئے یہ رشتہ محفوظ رکھا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا: آپ مجھے نکاح کر دیں، بخدا! میں اس کی ایسی نگہداشت کروں گا اور اس رشتہ کی حسن معاشرت کو اس طرح نگاہ میں رکھوں گا کہ کوئی اور شخص ملحوظ نہیں رکھ سکے گا۔ اس پر سیدنا علیؓ نے ام کلثومؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ مہاجرین کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ مجھے مبارکباد دو۔ انہوں نے کہا: کس چیز کی؟ فرمایا کہ علیؓ اور فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کی خوشی اور مسرت میں۔ کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ تمام نسب و سبب قیامت کے روز منقطع ہو جائیں گے لیکن میرا نسب اور میرا سبب منقطع نہیں ہو گا۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ سے نسب اور سبب دونوں حاصل ہو جائیں"۔

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴۲، سنن سعید بن منصور جلد ۳ ص ۱۴۰، کنز العمال جلد ۷ ص ۹۸)۔

امام بیہقیؒ نے جو الفاظ اس سلسلہ میں نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ قیامت کے روز ہر تعلق خواہ وہ صہر کا ہو یا سبب کا یا نسب کا یک قلم منقطع ہو جائے گا۔ سوائے میرے صہری، سببی اور نسبی تعلق کے پھر فرمایا:

كان لي صحبته، فاحببت ان يكون لي معها سبب

صحبت اور ہم نشینی کا شرف تو مجھے حاصل تھا، میں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سے مجھے سببی تعلق بھی قائم ہو جائے۔

(السنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۶۴، ص ۱۱۴، کنز العمال جلد ۷ ص ۹۸ طبقات ابن سعد ترجمہ ام کلثوم بنت علیؓ)

Marfat.com

علی بن عیسیٰ اردبیلی نے اہل بیت نبوت کی فضیلت اور شرف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ولو کانو کثیرھم لما قال عمرؓ حین طلب مصاھرۃ علی انی سمعت رسول اللہ ﷺ کل سبب و نسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔

اگر یہ اہلِ بیت نبوت اور لوگوں جیسے ہوتے تو سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کی دامادی طلب کرتے وقت یہ دلیل ہرگز پیش نہ کرتے کہ میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے روز ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا۔ سوائے میرے سبب اور نسب کے۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ ص ۱۰)

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی اس نکاح سے غرض و غایت سرکارِ دوعالم ﷺ اور آپ کے سبب اور نسب سے اپنا ناطہ جوڑنا تھا۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ آپ کی غرض اور خواہش رسول اللہ ﷺ کا امتثال بھی ہو۔ کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیھا سے صغر سنی میں نکاح فرمایا جب کہ آپ کی عمر پچاس سے اوپر تھی اور زوجین کی عمروں میں بہت بڑا فرق تھا، آپ نے چاہا کہ ایک نکاح اس تفاوت عمری کے ساتھ بھی کیا جائے تاکہ اس بارہ میں بھی مجھے سرکارِ دوعالم ﷺ کے طریقہ کی اتباع کا موقع مل جائے۔ دوسرے آپؓ کی اپنی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ آپؐ نے سیدنا زید بن حارثہؓ کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ پھر آپؐ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام رقیہؓ تھا جو سیدنا عثمانؓ کے نکاح میں آئی تھیں۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے جب آپؐ کے طریق پر اس تفاوت عمری کے ساتھ نکاح فرمایا تو اس سے جو اولاد پیدا ہوئی ان کے نام بھی آپ نے زیدؓ اور رقیہ رکھے۔ یہ بھی ایک طرح کا امتثالِ امر نبوت تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جناب ختمی مرتبت ﷺ سے کس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ آپ ہر کلی اور جزئی امور میں آپؐ کی اتباع کا جذبہ اپنے سینہ میں رکھتے تھے۔

دوسرا تکوینی راز اس سلسلہ میں شاید یہ ہو کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے علم میں تھا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب بعض ناہنجار لوگ سیدنا عمرؓ کے ایمان کا بھی انکار کر دیں گے۔ ایسے فتنے کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوحِ تقدیر میں یوں سدِباب کیا۔ سیدنا علیؓ

اپنی صاجزادی سیدہ ام کلثومؓ جو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا کے بطن سے تھیں، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب کے نکاح میں دے دیں، تاکہ اہلِ بیت نبوت کی طرف سے سیدنا فاروق اعظمؓ کے ایمان اور کمالات ایمانی پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے۔ اگر سیدنا عمرؓ کا ایمان کسی لحاظ سے مشتبہ ہوتا تو سیدنا علیؓ کبھی بھی اپنی صاجزادی سیدنا عمرؓ کے نکاح میں نہ دیتے۔

بعض حضرات اس نکاح کا انکار تو نہیں کرتے لیکن یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ ام کلثومؓ سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے نہ تھیں بلکہ سیدنا علیؓ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھیں۔ ان کی یہ تاویل روایت اور درایت دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے نکاح کی جو مصلحت بیان فرمائی اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو ام کلثومؓ سیدنا عمرؓ کے حبالہ عقد میں آئیں وہ سیدہ فاطمہؓ ہی کے بطن سے تھیں۔ اگر وہ سیدنا علیؓ کی کسی اور بیوی کے بطن سے ہوتیں یا ان کی ربیبہ ہوتیں تو پھر اس نکاح کی غرض وغایت پوری نہ ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں سیدنا علیؓ سے تو رشتہ قائم ہو جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ سے رشتہ قائم نہ ہوتا۔

کتابوں سے اس نکاح کے دلائل

اس نکاح کا انکار کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ تاریخ اور حدیث کی قریباً ہر کتاب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ علمائے انساب وتراجم نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ علم انساب میں خاندانوں کے تذکرے اور ان کی آپس میں رشتہ داریوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور یہ کتابیں مذہبی رجحانات کے تحت تحریر نہیں کی جاتیں۔ بلکہ صرف خاندانوں کے احوال کو ان میں پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اس لئے قریباً تمام علمائے انساب نے اس نکاح کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو جعفر محمد بن حبیب ہاشمیؒ نے اپنی کتاب المحبر میں اس نکاح کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ نے جہاں سیدنا علیؓ کے دامادوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں دوسرے پر سیدنا عمر بن خطابؓ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے کہ:

و عمر بن الخطاب رحم الله كانت عنده ام كلثوم بنت علی ثم خلف عليها عون ثم محمد ثم عبدالله بنو جعفر بن ابی طالب

اور عمر بن خطابؓ کے نکاح میں ام کلثوم بنت علیؓ تھیں۔ اس کے بعد وہ

عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں۔ اور اس کے بعد محمد بن جعفرؓ اور پھر عبداللہ بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں۔

(کتاب المجبر ص ۵۶ تحت اصہار علی)

ایسا ہی مصعب بن عبداللہ الزبیری نے کتاب نسب قریش تحت ولد علی بن ابی طالبؓ میں لکھا ہے۔ ابن قتیبہ نے المعارف ص ۹۲ پر اور ص ۷۹۔۸۰ پر اس دامادی عمرؓ کا ذکر کیا ہے۔ علامہ بلاذری نے ''انساب الاشراف'' جلد ۱ ص ۴۲۸ پر لکھا ہے کہ ''سیدنا عمرؓ کی صاحبزادی رقیہ ابراہیم بن نعیم کے نکاح میں تھیں جن کی والدہ ام کلثوم بنت علیؓ تھیں۔

۲۔ امام بخاریؒ نے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ ایک دفعہ مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عمدہ چادر بچ گئی۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا:

اعط هذا بنت رسول الله ﷺ التی عندك یریدون ام كلثوم بنت علیؓ

یہ چادر آپ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو جو آپ کے نکاح میں ہے دے دیں۔ اس سے ان کی مراد سیدنا علیؓ کی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ تھیں۔

سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ ام سلیطؓ اس چادر کی زیادہ حق دار ہیں۔ وہ جنگِ احد کے روز پانی کی مشکیں اٹھا اٹھا کر ہمارے لئے لاتی تھیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۰۳' جلد ۲ ص ۵۸۲)

۳۔ ابو داؤد میں عمار مولیٰ حارث بن نوفل سے روایت ہے کہ وہ سیدہ ام کلثومؓ اور ان کے صاحبزادے زیدؓ کے جنازہ میں موجود تھے۔ اس میں لڑکے کے جنازے کو اس جہت میں رکھا گیا جو امام کی طرف تھی۔ (ابو داؤد جلد ۲ ص ۴۵۵)

۴۔ امام نسائی اپنی سنن میں سیدنا نافعؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے نو اکٹھے جنازے پڑھائے۔ انہی میں سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ کا جنازہ بھی تھا۔ یہ سعید بن عاصؓ کی حکومت کا دور تھا۔ اس نماز جنازہ میں سیدنا زید بن عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا ابو قتادہ سب حضرات شامل تھے۔ نماز جنازہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے پڑھائی۔ (نسائی جلد ۱ ص ۲۱۷)

امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ اس نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں میں سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا محمد بن الحنفیہؒ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ بھی تھے۔ (تاریخ الصغیر ص

Marfat.com

(۵۴

۵۔ سنن دارقطنی میں ہے کہ ام کلثوم بنت علیؓ جو سیدنا عمرؓ کی اہلیہ تھیں ان کا اور ان کے لڑکے زید بن عمرؓ کا جنازہ اکٹھا رکھا گیا۔ ان دنوں مدینہ کے حاکم سعید بن عاصؓ تھے۔

(سنن دارقطنی جلد ا ص ۱۹۴)

۶۔ حافظ محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ "ام کلثوم بنت علیؓ جن کی والدہ فاطمہؓ تھیں' ان سے عمرؓ نے نکاح کیا اور وہ صغیر السن (چھوٹی لڑکی) تھیں۔ ان کے ہاں سیدنا عمرؓ سے دو اولادیں زیدؓ اور رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ جب ۳۳۹)

۷۔ سیدنا محمد بن حنفیہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ اپنے گھر تشریف لائے اور میں اپنی ہمشیرہ سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے ازراہِ شفقت مجھے گلے لگالیا اور ام کلثومؓ سے فرمایا: اس عزیز کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا۔

(کنز العمال جلد ۷ ص ۸۸)

۸۔ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ام کلثوم بنت علیؓ سے نکاح کیا۔ ان کی والدہ سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ ان کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا۔ ان کے ہاں ام کلثومؓ کے دو بچے پیدا ہوئے' زیدؓ اور رقیہؓ۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۷۰)

۹۔ ملا محمد بن یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؒ سے اس عورت کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جس کا خاوند فوت ہو جائے' وہ اپنی عدت کہاں گزارے؟ اپنے گھر میں یا جہاں چاہے؟ سیدنا جعفر صادقؒ نے فرمایا! جب سیدنا عمرؓ فوت ہوئے تو سیدنا علیؓ سیدہ ام کلثومؓ کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے (فروع کافی جلد ۲ ص ۳۱۱) فروع کافی کی یہ روایت تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۲۳۸ اور الاستبصار فیما اختلف من الاخبار جلد ۳ ص ۳۵۲ میں بھی منقول ہے۔

۱۰۔ محمد بن طوسی سیدنا باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"ام کلثوم بنت علیؓ اور ان کے بیٹے زید بن عمرؓ کی وفات ایک ہی ساعت میں واقع ہوئی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون فوت ہوا' لہٰذا ان میں سے کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوا' اور دونوں پر نماز جنازہ اکٹھی پڑھی گئی"۔ (تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۳۸۰)

ان حوالوں کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ ام

Marfat.com

کلثوم بنت علیؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ کے نکاح میں تھیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین جلد ا ص ۳۰۴ کتاب الشافی مجمع تلخیص الشافی ص ۶۶ ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۵۷۵، مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام کتاب النکاح باب لواحق العقد، مجالس المؤمنین ص ۷۲، تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ، منتہی الآمال، شیخ عباس قمی ص ۱۸۶، کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۶ ابن ابی الحدید جلد ۱۹ ص ۴۵۰ وغیرہ)

مختصر یہ کہ سیدہ ام کلثومؓ کا یہ نکاح بھی اسی محبت و مؤدت کا نتیجہ تھا جو سیدنا فاروق اعظمؓ کو سرکارِ دوعالم ﷺ اور آپ کے خاندان سے تھی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

سیدنا عمر بن خطابؓ پر ایک نہایت گھناؤنا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر سیدنا عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان سے واقعی اس قدر محبت اور عقیدت تھی جس کا اظہار گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے تو سیدنا عمرؓ نے سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ درشت کلامی کیوں کی اور ان کو یہ دھمکی کیوں دی کہ اگر تم لوگوں نے ابو بکرؓ کی بیعت نہ کی تو میں تمہارا گھر جلادوں گا۔

سیدنا عمرؓ پر یہ ایک بہت بڑا اتہام تھا اور یہ واقعہ روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے غلط ہے۔ اس کو روایت کرنے والے ابن قتیبہ الدینوری اور طبریؒ جیسے لوگ ہیں اور ابن عبد ربہ نے بھی اس کو اپنی کتاب العقد الفرید میں نقل کیا ہے۔ لیکن یہ تمام روایات منقطع ہیں اور دوسرے ان کے راوی کذاب اور غیر ثقہ ہیں۔ جن کی روایات پر بالکل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جن کتابوں میں یہ واقعات ہیں وہ کتابیں ایسی ہیں جن میں کذب و صدق اور غلط و صحیح کی ملاوٹ پائی جاتی ہے اور ان کے راوی صحابہ کرامؓ اور خصوصی طور پر سیدنا عمرؓ سے بغض اور عناد رکھنے والے لوگ ہیں۔ مثال کے طور پر طبری کی سند میں ایک راوی "ابن حمید" ہے جو طبری کا مروی عنہ ہے اس کو "احذق بالکذب"۔ (دروغ گوئی میں بہت ماہر) کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "مقلب المتون ولاسانید" تھا۔ یعنی سند اور متن روایت میں تبدیلیاں کر دینے والا تھا۔ مختصر یہ کہ یہ روایات اس قابل نہیں کہ ان پر اعتماد کر کے سیدنا عمر بن خطابؓ جیسے محب رسولؐ و خاندان رسول کو مطعون کیا جاسکے۔ اسی وجہ سے محقق علماء امت نے اس واقعہ کو سراسر غلط قرار دیا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں

ایں قصہ سراسر واہی وبہتان و افتراست

یہ قصہ سراسر واہیات اور سیدنا عمرؓ پر بہتان اور افتراء ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ مطاعن فاروقی، طعن دوم)

اور عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ فرماتے ہیں:

قلنا کذب محض (نبراس ص ۵۲۹)

ہم کہتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں اس واقعہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ "سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا کے گھر پر ہجوم کرنا اور ان کے گھر کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرنے کی روایات خبر واحد ہیں اور غیر معتمد (غیر موثوق) ہیں۔ یہ نہ صحابہ کرامؓ کے حق میں قابلِ عمل ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے عادل مسلمان کے حق میں"۔ (ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۶۳۱)

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کو یہ دھمکی دینے کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ سیدنا علیؓ نے تو اول روز ہی سے سیدنا ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹، کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۱، السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۱۴۳، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۷۶، ص ۶۶، البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۰۲)

طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ اپنے گھر تشریف رکھتے تھے انہیں اطلاع ملی کہ ابو بکرؓ بیعت خلافت کے لئے مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی سیدنا علیؓ بلا تاخیر فوری طور پر ضروری لباس میں گھر سے باہر تشریف لائے اور بیعت کی مجلس میں پہنچ کر ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس جگہ ان کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ وہاں سے آدمی بھیج کر گھر سے اوپر اوڑھنے والی چادر منگوائی اور اس مجلس میں آخر تک شامل رہے (طبری جلد ۲ ص ۳۰۴)

اور جن روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے چھ ماہ کے بعد سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کی وہ ابن شہاب زہری کا ادراج فی الروایۃ ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۹، ارشاد الساری جلد ۸ ص ۵۸ وغیرہ) حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ سیدنا علیؓ نے وفات نبوی کے پہلے روز یا دوسرے روز ہی سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کرلی تھی اور وہ سیدنا ابو بکرؓ سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوئے اور تمام مشوروں میں ان کے ساتھ شریک رہے۔

Marfat.com

ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۸)

اس سلسلہ میں ایک اور روایت بھی کتابوں میں مرقوم ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس کو روایت کرتی ہیں کہ میرے والد ابو بکرؓ اپنی سواری پر سوار ہو کر اور ننگی تلوار لے کر نکلے۔ سیدنا علیؓ تشریف لائے اور ابو بکرؓ کی سواری کی لگام پکڑ کر فرمانے لگے! "اے خلیفہ رسولؐ! آپ کہاں جارہے ہیں؟ آپ کو میں وہی بات کہنا چاہتا ہوں جو احد کے روز رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فرمائی تھی۔ اللہ کی قسم! اگر ہم آپ کی ذات کے بارہ میں کسی مصیبت میں ڈالے گئے تو آپ کے بعد اسلام کا یہ نظام درست نہ رہ سکے گا۔ سیدنا علیؓ کا یہ مشورہ قبول فرماتے ہوئے سیدنا ابو بکرؓ واپس تشریف لے آئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۱۵' کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۲)

ان سب روایتوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت سے سیدنا علیؓ نہایت خوش تھے اور آپ نے پہلے روز ہی برضا و رغبت سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ لہٰذا سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو سیدنا عمرؓ کا دھمکیاں دینا اور ان کے گھر کو جلانے کے لئے ڈرانا نہ روایت کے لحاظ سے درست ہے اور نہ ہی درایت کے لحاظ سے صحیح۔ بلکہ یہ دشمنانِ صحابہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں سیدنا عمرؓ کی شخصیت کو مجروح کیا جاسکے۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ کے قلب و ذہن میں اہلِ بیت نبوت اور بنو ہاشم کا نہایت احترام تھا۔ رجسٹروں کی ترتیب اور وظائف کی تقسیم میں یہ منزلت اور فضیلت واضح اور نمایاں ہو کر آئی۔ اور اس سے پتہ چلا کہ سیدنا عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کی کتنی عزت و تکریم کرتے تھے۔ قحط کے زمانہ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عم محترم سیدنا عباسؓ کو خدا کے حضور وسیلہ بنایا۔ وہ اکثر فضل بن عباسؓ اور ان کی علمی وادبی قابلیت کی تعریف کیا کرتے تھے۔ پھر اپنی وفات کے وقت خلافت کے لئے جن چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ کی وصیت فرمائی اس میں سیدنا علی بن ابی طالبؓ کا نام بھی شامل کیا۔ جس شخص کے دل میں بنو ہاشم کی طرف سے کوئی ملال ہو بھلا وہ ان کے ساتھ اس لطف و اکرام سے پیش آسکتا ہے؟

Marfat.com

ذاتی حالات

جس زمانہ میں سیدنا عمرؓ پیدا ہوئے اس زمانہ میں ایک شخص کے اوصاف میں فصاحت وبلاغت، قوت تقریر، شاعری، علم الانساب میں مہارت، سپہ گری، بہادری، آزادی وحریت فکر اور ریاست وافسری کی خوبیاں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرؓ کو ان اوصاف میں حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ تقریر میں اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیت دی تھی۔ پھر جیسا کہ کتاب کے شروع میں بتایا گیا ہے، سوق عکاظ کے معرکوں نے اس میں خاص جلاء پیدا کی۔ اسی وجہ سے قریش میں سفارت کا عہدہ آپ کو دیا گیا تھا، اور اس عہدہ میں زبان آور ہونا نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ مختلف اوقات میں جو خطبے آپ نے دیئے وہ آج بھی کتابوں کے اوراق میں محفوظ ہیں اور ان سے آپ کے کلام کی فصاحت وبلاغت کا پتہ چلتا ہے۔

۲۳ھ میں حج کے موقع پر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ عمرؓ کی وفات کے بعد میں طلحہ بن عبید اللہؓ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ سیدنا عمرؓ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ بر افروختہ ہوئے اور فرمایا کہ آج رات میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ مانع ہوئے کہ حج کا موقع ہے، مختلف مذاق کے لوگ جمع ہیں، آپ کی تقریر اس موقع پر کچھ زیادہ موثر نہ رہے گی۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا عبدالرحمٰن کی رائے کو تسلیم کر لیا۔ چنانچہ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ میں جمعہ کے روز آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسا شخص اس خطبہ کے سننے کا بہت مشتاق تھا۔ لوگ اس خطبہ کو سننے کے لئے مسجد میں جوق در جوق جمع ہو گئے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا سعید بن زیدؓ سے کہا

Marfat.com

کہ عمرؓ آج ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ انہوں نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی۔ مختصر یہ کہ آپ نے خطبہ دیا جو بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۹ میں مذکور ہے اس میں آپ نے انصار کی تحریک خلافت، سیدنا ابو بکرؓ کا جواب، بیعت کی کیفیت اور خلافت کی حقیقت کو اس عمدگی سے بیان کیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔ آپ کی تقاریر چونکہ خود فصاحت و بلاغت سے بھری ہوتی تھیں لہٰذا آپ فصیح و بلیغ لوگوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ زیاد بن ابی سفیانؓ کو اس فن میں خاص مہارت تھی لہٰذا سیدنا عمرؓ ان کے کم عمر ہونے کے باوجود ان کے قدر شناس تھے۔

شاعری

شعر و شاعری میں بھی آپ کا مذاق بڑا ستھرا تھا۔ خود آپ بہت کم شعر کہتے تھے عرب کے مشہور شعراء کا کلام آپ کو کثرت سے یاد تھا اور ہر بڑے شاعر کے بارہ میں آپ اپنی ایک مستقل رائے رکھتے تھے۔ فن شعر پر تنقید کا آپ کو ایک خاص مذاق حاصل تھا۔ اسی وجہ سے جاحظ نے لکھا ہے

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر (کتاب البیان والتبیین ص ۹۷)

یعنی سیدنا عمر بن خطابؓ اپنے زمانہ میں علم شعر کے سب سے بڑے عالم تھے

زہیر کو آپ تمام شاعروں سے بڑا شاعر سمجھتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات امراء القیس اور نابغہ کو بڑا شاعر سمجھتے تھے لیکن سیدنا عمرؓ کے نزدیک زہیر سب سے بڑا شاعر تھا کیونکہ وہ نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا۔ اس کے کلام میں اغلاق نہیں اور اسی مضمون کو شعر میں سموتا ہے جس سے وہ آشنا ہوتا ہے۔ جب کسی کی تعریف اور مدح کرتا ہے تو اس کے انہی اوصاف کو بیان کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔

زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں موجود تھی۔ ایک دفعہ ہرم بن سنان کا لڑکا بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنے باپ کی تعریف میں زہیر کا کلام سناؤ۔ اس نے کچھ شعر سنائے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی تعریف میں زہیر نے خوب کہا ہے۔ اس نے کہا "ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے"۔ سیدنا عمرؓ نے فوراً جواب دیا "تم نے جو کچھ دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس نے جو کچھ دیا وہ آج بھی باقی ہے"۔ زہیر کا بیٹا بھی اس وقت

Marfat.com

وہاں موجود تھا۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے پوچھا "پھر ہرم بن سنان نے تمہارے باپ زہیر کو جو خلعت دیئے تھے وہ کیا ہوئے؟" اس نے جواب دیا "وہ سب بوسیدہ ہو گئے"۔ آپ نے فرمایا "لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت دیئے زمانہ انہیں بوسیدہ نہ کر سکا"۔

زہیر کے بعد آپ نابغہ کے فضل و کمال کے معترف تھے اور اس کے بھی اکثر اشعار آپ کو ازبر تھے۔ آپ اسے اشعر العرب کہا کرتے تھے اور زہیر کو اشعر الشعراء فرماتے تھے۔

ان دونوں شاعروں کے علاوہ آپ امراء القیس کے بھی بڑے معترف تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے سیدنا عمرؓ نے امراء القیس کے بارہ میں فرمایا کہ

"وہ سب سے آگے ہے اور اسی نے شعر کے چشمہ سے پانی نکالا' اس نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا"

سیدنا عمرؓ اچھا شعر سنتے تو اس کو بار بار پڑھتے اور صحیح مزہ لیتے۔ یہ بات بھی ان کے ذوق شعر کی پختگی پر دلالت کرتی ہے۔ آپ کو سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے۔ اگرچہ آپ امورِ خلافت میں دن رات مصروف رہتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کو بہت سے اشعار حفظ تھے اور جب بھی کسی معاملہ کا فیصلہ فرماتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔ آپ کو چونکہ شعری ذوق بہت زیادہ تھا اس وجہ سے چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی اشعار کو یاد کریں۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ:

"لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو۔ کیونکہ وہ بلند اخلاق، صحیح رائے اور انساب کی معرفت کی طرف راہ دکھاتے ہیں۔"

ایک اور خط میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ

"دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔ سنت نبوی سے آشنائی حاصل کرو' عربی زبان سیکھو اور سمجھو۔ اور ابو الاسود الدوئلی سے کہو کہ اہلِ بصرہ کو عربی قواعد سکھائیں"۔

(انباہ الرواۃ علیٰ انباء النحاۃ' قفطی جلد ا ص ۱۶)

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ ہی کے نام ایک اور خط میں لکھا:

"اہل بصرہ کو تاکید کرو کہ عربی سیکھیں۔ ایسا کرنے سے ان میں صحیح بول چال کا سلیقہ پیدا ہو گا۔ ان کو عربی اشعار پڑھنے اور دوسروں کو

Marfat.com

سنانے کی بھی تلقین کروایسا کرنے سے ان میں اخلاق عالیہ پیدا ہوں گے"۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۲۴۱)

ایک اور خط میں لکھا:

"لوگوں کو عربی سیکھنے کی تاکید کرو کیونکہ عربی سیکھنے سے عقل بڑھتی ہے اور انسانیت پیدا ہوتی ہے"۔ (لسان العرب جلد ا ص ۱۵۵)

آپ نے تمام اضلاع میں سرکلر بھیجے اور ان میں لوگوں سے کہا:

"اپنی اولاد کو تیرنا اور شہ سواری سکھاؤ اور ضرب الامثال اور اچھے اشعار یاد کراؤ"۔ (ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۱۹۳)

جاہلیت میں شاعری میں بہت سے عیوب پائے جاتے تھے' خصوصی طور پر شعراء تشبیب میں اور نظموں میں شریف عورتوں کا نام اعلانیہ لاکر ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے۔ سیدنا عمرؓ اس بات کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اس وجہ سے آپ نے اسے حکماً بند فرمایا دیا کیونکہ اس سے ایک شریف عورت خواہ مخواہ بدنام ہوتی تھی۔ اسی طرح آپ نے ہجو گوئی کو بھی جرم قرار دیا۔ جو چیزیں نفس میں کمزوری کے فتنوں کو جگاتی اور شیطانی وسوسوں کے تار ہلاتی ہیں' سیدنا عمرؓ نے انہیں اس لئے ممنوع قرار دیا کہ وہ انفرادی اور جماعتی زندگی پر ان کے برے اثرات کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ ہجو اور مدح عہدِ جاہلیت میں عربی شاعری کا موضوع تھے۔ زمانہ اسلام میں بھی موضوع رہے اور آج تک ہیں۔ بعض شعراء اپنی ہجو و مدح میں اتنا غلو برتتے تھے کہ دلوں میں سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ ان مبالغہ پسند شعراء سے بہ شدت باز پرس فرماتے تھے اور ان کی اس شدید باز پرس نے گمراہیوں کی اشاعت کا سدباب کر دیا تھا۔

اس سلسلہ میں کتابوں میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے حطیئہ کو جو لوگوں کی ہجو و مدح میں مبالغہ آمیز اور غلط باتیں نظم کرتا تھا' بے ہودہ گوئی کے جرم میں قید کر دیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس نے اپنی یاوہ گوئی سے توبہ نہ کر لی۔ روایات میں ہے کہ حطیئہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کی جس کا ایک شعر یہ تھا؂

دع المكارم لا ترحل لبغيتها
واقعد فانك انت الطاعم الكاسي

Marfat.com

یعنی فضائل اخلاق کو چھوڑ اور ان کے درپے نہ ہو۔ اطمینان سے بیٹھ کہ تیرے کھلانے پلانے والے بہت ہیں۔

سیدنا عمرؓ کے پاس زبرقان نے حطیئہ کی شکایت کی۔ آپ نے شبہ کی بناء پر حطیئہ کو سزا دینے میں تکلف کیا اور یہ شعر سن کر فرمایا "ہجو تو اس شعر میں نظر نہیں آتی البتہ خفگی پائی جاتی ہے"۔ اس کے بعد سیدنا حسان بن ثابتؓ سے رائے لی جو فن شاعری میں ایک مقام رکھتے تھے۔ اور جب انہوں نے شہادت دی کہ اس شعر میں واقعی ہجو کا پہلو ہے تو آپ نے حطیئہ کو قید کر دیا اور دھمکی دی کہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ حطیئہ نے سیدنا عثمانؓ کی خلافت سے پہلے کسی کی ہجو کرنے کی جرأت نہیں کی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رہائی کے بعد جب وہ چلنے لگا تو آپ نے اسے آواز دی اور از راہ تاکید اس سے فرمایا "دیکھو، حطیئہ! اگر کوئی قرشی نوجوان تمہارے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آیا اور تم سے شعر سنانے کی فرمائش کی اور تم لوگوں کی آبروؤں سے کھیلنے لگے تو یوں سمجھنا جیسے میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ حطیئہ نے قسم کھائی کہ وہ ایسا کبھی نہ کرے گا۔ زید بن اسلمؒ کہتے ہیں "اس کے بعد میں نے حطیئہ کو ایک روز عبید اللہ بن عمرؓ کے پاس دیکھا۔ انہوں نے حطیئہ کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا "حطیئہ کچھ سناؤ" حطیئہ نے اپنا کلام سنانا شروع کیا۔ میں نے کہا "حطیئہ! تمہیں سیدنا عمرؓ کا قول یاد نہیں رہا؟" حطیئہ سہم گیا اور کہنے لگا: "اللہ عمرؓ پر رحم فرمائے اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ایسا کبھی نہ کرتے"۔

سیدنا عمرؓ نے اس شاعر کو بھی پس دیوارِ زنداں کر دیا جس نے بنو عجلان کی ہجو کی تھی۔ اس کا ایک شعر ہے:

اولئك اولاد الهجين و اسرة لا
ملئيم درهط العاجز المتذلل

یہ لوگ کمینوں کی اولاد، لعنتیوں کا خاندان اور عاجزوں اور ذلیلوں کی ٹولی ہے۔

سیدنا عمرؓ نے اس کو قید میں ڈال دیا اور تہدید کی کہ اگر اس نے پھر ایسا کیا تو دگنی سزا دی جائے گی۔

سیدنا عمر بن خطاب نے ہجو اور ہجو گویوں کے خلاف جنگ کرنے میں جس سیاست کو اپنایا اس نے کینہ اور انتقام اور اختلاف و اشتعال کی آگ بجھا دی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت آپ حطیئہ کی اس بات میں دیکھ سکتے ہیں جو سیدنا عمرؓ کے بعد اس نے اپنے ہجویہ اشعار

پڑھتے وقت کہی تھی کہ "اللہ عمرؓ پر رحم فرمائے' اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ایسا کبھی نہ کرتے" لیکن سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد ہجو گوئی کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور وہ اسلامی معاشرے کی اجتماعی زندگی کا معمول بن گئی' مگر اب وہ جتنا کھانے کمانے اور خواہشات کا پیٹ بھرنے کا ذریعہ تھے' اتنا قبائل کی جنگ و پیکار میں پروپیگنڈے کا وسیلہ نہ تھی۔

اس زمانہ میں جتنے اہلِ کمال شاعر اور خطباء وغیرہ تھے سب آپ کی بارگاہِ خلافت میں آئے اور ان کی قدر دانی سے مشکور ہوئے۔ اس زمانے میں سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں سیدنا خالدؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ بھائی کے اس قتل سے اسے اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے وغیرہ کہا کرتا۔ گلی کوچوں میں نکل جاتا۔ مرد و زن اس کے گرد جمع ہو کر اس سے مرثیے سنتے رہتے۔ مرثیہ پڑھتے وقت خود بھی روتا جاتا اور سننے والوں کو بھی رُلاتا۔ ایک دفعہ وہ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ آپ نے اسے مرثیہ پڑھنے کے لئے کہا۔ اس نے چند اشعار پڑھے جس سے سیدنا عمرؓ بہت محظوظ ہوئے۔ سیدنا عمرؓ نے متمم سے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید بن خطابؓ کا مرثیہ کہتا۔ متمم بن نویرہ نے جواب دیا:

> "امیر المؤمنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی زیدؓ کی طرح شہید ہو کر مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا مرثیہ نہ کہتا اور نہ ہی اس کا ماتم کرتا۔ سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "متمم بن نویرہ نے جیسی میری تعزیت کی، کسی اور نے ایسی تعزیت نہیں کی"۔

اس زمانے میں خنسا نامی ایک بڑی مرثیہ گو شاعرہ تھی۔ سیدنا عمرؓ نے اس کو بیت اللہ میں روتے اور چیختے دیکھا۔ پاس جا کر آپ نے اسے تسلی اور تشفی دی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو آپ نے چاروں کے وظیفے اس کے نام جاری کر دیئے۔ اصفہانی نے اس شاعرہ کے حالات کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں یہ عورت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ سوق عکاظ میں اس کے خیمہ کے دروازے پر ایک علم نصب ہوتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا "ارثی العرب" یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ (اس کا ذکر ہم نے جنگِ قادسیہ کے ضمن میں بھی کیا ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اچھے شعراء اور ماہرینِ فن کی بڑی قدر فرماتے تھے۔

Marfat.com

عبرانی زبان سے آشنائی

مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں آپ نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ تورات اس زمانہ میں عربی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی۔ یہودی عبرانی ہی میں اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ بھی کبھی کبھی تورات کا مطالعہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ کی موجودگی میں بھی آپ نے تورات پڑھی جس سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ (مسند دارمی ص ۶۲) یہودی تورات کا درس دیا کرتے تھے۔ جس روز ان کا درس تورات ہوتا سیدنا عمرؓ اس میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ اس وجہ سے یہودی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ (کنزالعمال جلد ۱ ص ۲۳۲)

علم الانساب میں مہارت

علم الانساب یعنی نسب دانی کا علم عربوں کا خاصہ تھا۔ وہ انسانوں کے نسب کے علاوہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب جانتے تھے۔ لیکن کچھ لوگ اس فن میں نہایت ماہر تھے۔ جن میں سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا جبیر بن مطعمؓ اور سیدنا عمر بن خطابؓ خاص مہارت رکھتے تھے۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص ۲۷۵)۔ انساب کا یہ علم سیدنا عمرؓ کا موروثی علم تھا جو کئی پشتوں سے آپ کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ آپ کے باپ خطاب بھی اس علم میں خاصے مشہور تھے۔ سیدنا عمرؓ قبائل کے نام و نسب میں اکثر اپنے باپ کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں خاصی شہرت رکھتے تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں علم الانساب میں ماہر تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۷) اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ سفارت اور مناظرت یہ دونوں عہدے موروثی چلے آرہے تھے اور ان دونوں منصبوں کو انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا نہایت ضروری ہوتا تھا۔ آپ نے یہ فن اپنے باپ سے سیکھا تھا۔

اس سلسلہ میں مصنف عبدالرزاق کی یہ روایت بھی ہماری اس بات کی تائید کرتی ہے کہ سیدنا عمرؓ انساب سے بخوبی آشنا اور انساب عرب کے ماہر بلکہ حافظ تھے۔ چنانچہ محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ تم کس قبیلے سے ہو؟ اس نے کہا کہ میں فلاں قبیلے سے ہوں۔ آپ سے فرمایا: "کیا تمہارے نسب کا نجران سے بھی تعلق ہے؟" اس نے کہا "نہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "ہے"۔ اس نے پھر کہا "بالکل نہیں"۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص اس کے نجران کے سلسلہ نسب

Marfat.com

سے واقف ہو تو میں اسے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ ضرور ہمیں اس کی خبر دے"۔ اس پر ایک شخص نے کہا: "امیر المؤمنین! میں جانتا ہوں اس کو اہل نجران کی ایک عورت نے جنا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ٹھیک ہے' ہم آثار دیکھ کر قیافہ لگاتے ہیں"۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۴۴۹)

اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نسب کے معاملہ میں بڑے متشدد تھے اور ایسے شخص پر سخت سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے جو اپنا سلسلہ نسب کسی دوسرے شخص سے وابستہ کرتا۔ چنانچہ زید بن اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عمرؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صہیبؓ سے کہہ رہے تھے "اے صہیب! تمہارے اندر کوئی عیب نہیں ہے۔ سوائے تین باتوں کے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو میں آپ پر کسی کو مقدم نہ سمجھتا۔ سیدنا صہیبؓ نے دریافت کہ وہ کیا ہیں؟ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ فضول خرچی کرتے ہیں۔ ایک نبی کے نام پر اپنی کنیت رکھتے ہیں اور اپنا نسب عربی بتاتے ہیں حالانکہ آپ کی زبان عجمی ہے" سیدنا صہیبؓ نے کہا: جہاں تک فضول خرچی کا تعلق ہے تو میں جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں خرچ کرتا ہوں۔ جہاں تک میری کنیت کا تعلق ہے تو میری یہ کیفیت ابو یحییٰ خود رسول اللہ ﷺ نے رکھی تھی اور جہاں تک میرے اہلِ عرب سے انتساب کا تعلق ہے تو دراصل مجھے رومی بچپن میں قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ مجھے اپنے گھر کے لوگ اب تک یاد ہیں۔ اگر میں لید میں سے پھوٹا ہوں تو اسی کی طرف منسوب ہوں گا"۔ (المحلی جلد ۸ ص ۲۹۷)

المحلی میں ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے' لیکن یہ الفاظ درست نہیں ہیں کیونکہ سیدنا صہیبؓ کا نسب اہلِ عرب میں متعارف ہے۔

غنا سے لطف اندوزی

غنا اور سماع سے عربوں کو خاصی دلچسپی تھی بلکہ گانا ان کی ضروریاتِ زندگی میں شامل تھا۔ کیونکہ حُدی خوانی انہیں اور ان کے اونٹوں کو مسافت کی دشواری بھلا دیتی اور سفر کی مشقت ان پر آسان کر دیتی تھی۔ دن بھر یا رات بھر کے سفر کے بعد جب وہ سستانے کے لئے کہیں پڑاؤ ڈالتے تو گانا ہی ان کی تسلی اور استراحت کا سامان ہوتا تھا، خاص طور پر جب کوئی ایسا خوش گلو نغمہ کار شریک سفر ہوتا جس کے نغمے ان کے دلوں میں اپنے اہل و

Marfat.com

عیال کا شوق یا انتقام کی خواہش یا حصول شرف کی لگن تیز کر دیتے تھے۔ خود سیدنا عمرؓ اپنی معروف سختی اور درشتی کے باوجود غنا سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی کبھی ترنم سے خود بھی شعر پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے۔ جب صبح ہونے لگی تو فرمایا: ”اب قرآن پڑھو“۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک طرف سے گانے کی آواز سنی۔ آپ وہاں دیر تک کھڑے گانا سنتے رہے۔

ایک مرتبہ ایک قافلے کے ساتھ جس میں سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ شامل تھے۔ چراہوں کی ایک ٹولی بھی روانہ ہوئی۔ رباح فہری جو نغمہ گری اور حدی خوانی میں بڑی مہارت رکھتا تھا اس قافلے کے ہمراہ تھا۔ شام ہوئی تو چرواہوں نے رباح سے حدی خوانی کی فرمائش کی۔ رباح نے انکار کے لہجے میں کہا کہ سیدنا عمرؓ کے ہوتے ہوئے؟ وہ بولے تم شروع تو کرو۔

اہلِ علم کی قدردانی

سیدنا فاروقِ اعظمؓ اہل علم و فضل صحابہ کرامؓ کے بڑی قدر فرماتے تھے اور ہر اہم کام میں ان سے مشورہ فرماتے۔ چنانچہ بخاری میں ہے

كان مجلس عمر منقا في القراء (بخاری جلد ۲ ص ٦٦٩)

ایک اور روایت میں ہے کہ

”سیدنا عمرؓ کے اہلِ مجلس اور اہل مشاورت علماء تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان“۔ (بخاری جلد ۲ ص ٦٦٩)

فقہ اسلامی کا بہت بڑا حصہ انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہے۔ ان صحابہ کرامؓ میں سے سیدنا ابی بن کعبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ خاص اہمیت رکھتے تھے۔ سیدنا عمرؓ ان کی علمی فضیلت کی وجہ سے ہر معاملہ میں ان کو شریک مشورہ رکھتے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نوجوان ہونے کے باوجود قدمائے صحابہؓ کے ساتھ شامل کر دیئے گئے تھے اور بعض روایات کے مطابق سیدنا عمرؓ نے انہیں اپنی مشاورتی کونسل کا رکن بنایا ہوا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ خود فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ

Marfat.com

بٹھایا کرتے تھے۔اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہم سر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا" یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔(بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵)

اسی وجہ سے حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں :

كان عمر يحب ابن عباس و يقربه

(استیعاب تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ)

سیدنا عمرؓ سیدنا ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو اپنے ہاں تقرب دیتے تھے۔

بعض اوقات سیدنا عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے۔سیدنا عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے۔تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۵۱)

سیدنا عمرؓ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن حکیم کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے بازی لے جاتے تھے۔کیونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ :

اللهم فقهه فی الدين و علمه التاويل

(مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۸'مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴)

اے اللہ اس کو دین کی تفقہ عطا فرما اور اس کو تاویل کا طریقہ سکھا۔

ایک روز سیدنا فاروق اعظمؓ کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہ کرامؓ کا اجتماع تھا۔سیدنا ابن عباسؓ بھی موجود تھے۔سیدنا عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا

"کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں جاری ہوں۔اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں اور اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں۔اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولہ آیا جس میں آگ بھری تھی۔اس نے باغ کو جلا کر رکھ دیا۔اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے۔تاکہ تم سمجھو"۔

(البقرہ:۲۶۶)

لوگوں نے جواب دیا: واللہ اعلم۔ سیدنا عمرؓ کو اس جواب پر غصہ آگیا۔ فرمایا: "اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم"۔ سیدنا ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے "میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔ فرمایا "تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو' جو دل میں ہے بیان کرو"۔ کہا: "اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے"۔ جواب گو صحیح تھا تاہم ناکافی تھا۔ سیدنا عمرؓ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے' لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ (بخاری جلد ۱ کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ)

سیدنا عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہیں؟ ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں۔ فرمایا "تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو۔ اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک روز ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ:

اذا جاء نصر اللہ والفتح ... الخ (نصر)

"جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرو"، کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ نصرت اور فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے۔ کوئی خاموش رہا۔ پھر آپ نے سیدنا ابن عباسؓ سے پوچھا "ابن عباس! تمہارا بھی یہی خیال ہے؟" انہوں نے کہا: "نہیں"۔ پوچھا: "پھر کیا ہے؟" عرض کی: "اس میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے"۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۴۳ باب فسبح بحمد ربك)

دراصل سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کرامؓ میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ سیدنا عمرؓ ان کی بھی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ ۲۰ھ کو انہیں کوفہ کا قاضی اور افسر خزانہ بنا کر بھیجا۔ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والیِ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے ذمہ تھے۔ ان کے بارہ میں اہلِ کوفہ کو لکھا:

"میں نے تم پر عمار بن یاسرؓ کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ ابن مسعودؓ کو بیت المال کی افسری دی ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو معرکہ بدر میں شریک ہوئے' اس لئے ان کی بات سنو اور اطاعت کرو اور ان کی اتباع کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے ابن ام عبدؓ (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

(اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۸)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے پورے دس سال نہایت مستعدی اور خوش اسلوبی کے ساتھ وہاں اپنے فرائض انجام دیئے۔ اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گوناگوں تبدیلیاں ہوئیں لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے' اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت نہ ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ابتداء ہی سے ایک علمی شخصیت کے حامل تھے۔ قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی "یارسول اللہ ﷺ مجھے تعلیم دیجئے" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

انك غلام معلم یعنی تم ایک تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔

(مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹' مسند ابی داؤد طیالسی، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶ وغیرہ)

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے تھے۔ خلوت و جلوت، سفر و حضر غرض کہ ہر موقع پر ساقی کوثر اور معلم انسانیت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے سیدنا عمرؓ فرماتے تھے۔

كنيف ملى علماً یعنی (عبداللہ) ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔

خود سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بھی سیدنا عمر بن خطابؓ کے علم کے معترف تھے۔ فرماتے تھے: "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا علم بھاری رہے گا"۔ یہ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں"۔ (استیعاب تذکرہ عمرؓ بن خطاب)

اسی طرح سیدنا ابی بن کعبؓ کی ان کے فضل و کمال کی وجہ سے نہایت عزت و تکریم فرماتے تھے۔ اور ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جیسے خورد بزرگ کے ساتھ

پیش آتا ہے۔ ایک روز آپ نے خطبہ میں فرمایا:

علی اقضانا و ابی اقراء نا

علیؓ ہم میں سے بہترین قاضی ہیں اور ابی بن کعب بہترین قاری ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۲' بخاری جلد ۲ ص ۶۴۴' استیعاب تذکرہ علیؓ)

علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "سیدنا عمرؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے" آپ خلافت فاروقی میں مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ زیادہ تر درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ جب مجلس شوریٰ منعقد ہوتی یا کوئی مہم آن پڑتی تو سیدنا عمرؓ ان سے استصواب فرماتے تھے۔

سیدنا ابی بن کعبؓ اگرچہ سیدنا عمرؓ کے تمام عہد خلافت میں مسندِ افتاء پر متمکن رہے لیکن اس کے سوا حکومت کا اور کوئی منصب آپ کو نہیں ملا۔ ایک مرتبہ انہوں نے سیدنا عمرؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے کسی جگہ کا عامل اور والی کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ آپ نے فرمایا "میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا"۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۶۳) سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو سیدنا ابی بن کعبؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا (بخاری و موطا امام مالک) جب سیدنا ابی بن کعبؓ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا"۔

سیدنا زید بن ثابتؓ بھی صحابہ کرامؓ میں ایک نہایت علمی شخصیت تھے۔ ۱۱ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور مسلمان ہوتے ہی قرآن پڑھنا شروع کیا۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔ لوگ انہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی یہ بنی نجار سے ہیں اور ۱۷ سورتوں کے حافظ ہیں۔ آپ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ سیدنا زیدؓ نے آپ کو قرآن سنایا تو آپ کو بڑا تعجب ہوا۔ سیدنا عمرؓ ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ان کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرمایا (طبقات ابن سعد تذکرۃ زید بن ثابتؓ و اخبار القضاۃ) اس وقت تک قاضی کے لئے عدالت کی کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے سیدنا زید بن ثابتؓ کا گھر ہی دار القضاۃ کا کام دیتا تھا۔ مکان فرش سے آراستہ تھا جس کے صدر میں سیدنا زیدؓ فیصلہ کے وقت متمکن ہوتے تھے اور دار الخلافت اور قرب و جوار کے مقدمات آپ کے پاس آتے تھے۔ یہاں تک کہ خلیفہ وقت (سیدنا عمرؓ) پر

Marfat.com

بھی یہاں دعویٰ داخل کیے جاتے تھے۔ خلافت فاروقی میں سیدنا زید بن ثابتؓ کو تین مرتبہ سیدنا عمرؓ کی غیر حاضری میں ان کی جانشینی کا فخر حاصل ہوا۔ ۱۶ھ میں سیدنا عمرؓ حج کرنے گئے تو مدینہ میں سیدنا زیدؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ۲۱ھ میں حج کا ارادہ فرمایا' اس وقت بھی انہیں اپنا جانشین بنایا۔ شام روانہ ہوئے تو سیدنا زیدؓ کے ذمہ پورے مدینہ کا انتظام سپرد کیا۔ شام پہنچ کر ایک خط لکھا جس میں اپنے اور زیدؓ کے القاب میں بالکل مساوات رکھی اور زیدؓ کا نام اپنے نام سے پہلے تحریر کیا یعنی "الیٰ زید بن ثابت من عمر بن الخطاب"۔ سیدنا زیدؓ خلافت کی ذمہ داریوں کو نہایت ہوشیاری اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا عمرؓ ان کے انتظام سے بہت خوش ہوئے۔ اور واپس آ کر انہیں جاگیر کے طور پر کچھ نہ کچھ دے دیتے تھے (سیرۃ العمرین لابن جوزی) سیدنا عمرؓ کے عہد میں یرموک کا مال غنیمت تقسیم کرنے کی ذمہ داری ان کو تفویض ہوئی۔ اور سیدنا عمرؓ نے جب صحابہ کرامؓ کے وظائف مقرر فرمائے تو انصار کے وظائف سیدنا زیدؓ کے سپرد کیے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے سیدنا عمرؓ انہیں مدینہ طیبہ سے باہر کہیں نہ جانے دیتے تھے۔ ممالک اسلامیہ کے ممتاز عہدے خالی ہوتے، امور مہمہ کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی' لوگوں کے نام پیش کیے جاتے، سیدنا عمرؓ ان میں سے کسی کا انتخاب فرما دیتے۔ لوگ زیدؓ کا نام پیش کرتے۔ سیدنا عمرؓ ارشاد فرماتے کہ زیدؓ میری نظروں سے گر نہیں گئے' لیکن کیا کروں' شہر والے ان کے محتاج ہیں کیونکہ جو شے ان کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۶)

ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کرامؓ کی آپ کے ہاں نہایت عزت و تکریم تھی۔

صرف اہل علم ہی کی آپ کے ہاں قدر و قیمت نہ تھی بلکہ ہر صاحب کمال شخص کی آپ قدر فرماتے تھے۔ پہلوانی اور بہادری میں اس زمانہ میں دو شخص نہایت ممتاز تھے۔ ایک طلیحہ بن خالدؓ اور دوسرے عمرو بن معدی کربؓ۔ یہ دونوں ایک ایک ہزار سوار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ عمر بن معدی کربؓ پہلوانی کے علاوہ خطیب اور شاعر بھی تھے۔ سیدنا عمرؓ ان دونوں حضرات کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ قادسیہ کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا تو آپ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیج رہا ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی بہادر یا فیاض ہوتا یا اس میں کوئی ایسی خوبی ہوتی جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تو سیدنا عمرؓ اس کی قدردانی میں بھی بخل سے کام نہ لیتے۔

Marfat.com

مزاج میں سختی

حق تعالیٰ شانہ نے مزاج میں کچھ سختی رکھی تھی۔ جاہلیت میں توزود مشتعل اور نہایت تند و تیز تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد مزاج کی سختی میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی تھی۔ دینِ اسلام اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارہ میں کوئی رو رعایت گوارا نہ تھی۔ جونہی کوئی شخص دینِ اسلام کے بارہ میں یا سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارہ میں کوئی نازیبا بات کہتا سیدنا عمرؓ کی رگ فاروقی فوراً پھڑک اٹھتی۔ تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں شمشیر فاروقی فوراً گستاخ رسولؐ کو مزہ چکھانے کے لئے برہنہ ہو جاتی۔ غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ انہیں مجبور کر کے لایا گیا ہے۔ اس لئے اگر کسی کو ابو البختری یا عباس بن عبد المطلب وغیرہ کہیں نظر آئیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے۔ ابو حذیفہؓ قریش کے سپہ سالار لشکر عتبہ کے فرزند ار جمند تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں لڑنے کے لئے آئے تھے۔ آپ اولین مسلمانوں میں سے تھے اور سرزمین حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے بنو ہاشم کے بارہ میں یہ جملہ سن کر بول اٹھے: "جب ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی اور کسی عزیز رشتہ دار سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ بخدا! اگر عباسؓ میرے ہاتھ آئیں گے تو انہیں اپنی تلوار کے جوہر ضرور دکھاؤں گا"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو ابو حذیفہؓ کا یہ جملہ ناگوار گزرا۔ آپؐ نے سیدنا عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "ابو حفص! دیکھتے ہو! عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟" یہ سن کر سیدنا عمرؓ کی رگِ فاروقی پھڑک اٹھی۔ عرض کی: "یا رسول اللہ! اجازت فرمایئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے روک دیا، کیونکہ یہ جملہ ان کے منہ سے اتفاقیہ نکل گیا تھا۔ پھر یہ اصحاب بدر میں سے بھی تھے، اس وجہ سے کوئی مواخذہ نہ کیا گیا۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ نہایت جلیل القدر صحابی رسولؐ تھے۔ ہجرت سے قبل دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور پھر ہجرت کے بعد بدر، احد، خندق وغیرہ تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ ۶ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں مقوقش شاہ مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ آپ نے مقوقش کے دربار میں رسول اللہ ﷺ کا ایک نامہ مبارک پیش فرمایا اور اسے اسلام کی تبلیغ بھی کی۔ لیکن ۸ ھ میں جب فتح مکہ کی تیاریاں

Marfat.com

ہوئیں اور دشمن کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدابیر عمل میں لائی گئیں۔
سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ مکہ کے رہنے والے نہ تھے' تاہم ایام جاہلیت میں قریش سے تعلقات جو پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو اصحاب قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا۔ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ان جنگی تیاریوں کے متعلق لکھ کر ایک خط کی صورت میں ایک عورت کے ہاتھ مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی ان جنگی تیاریوں کے اخفا کی اہمیت سے آشنا نہ تھے' لیکن کشاف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا علیؓ، سیدنا زبیر بن عوامؓ اور سیدنا مقداد بن اسودؓ کو حکم دیا کہ روضہ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے وہ خط چھین لائیں۔ ان تینوں حضرات نے روضہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے قریباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) پہنچ کر اس عورت کو پالیا۔ عورت سے پوچھا گیا کہ "تمہارے پاس کوئی خط ہے؟" اس نے جواب دیا کہ "میرے پاس کوئی خط نہیں ہے" سیدنا علیؓ اور سیدنا زبیرؓ نے اس کے کجاوہ کو کھول کر اس کی تلاشی لی لیکن اس میں سے کوئی خط نہ نکلا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ نے کبھی غلط بات کی اور نہ ہی ہم کوئی غلط بات کہتے ہیں۔ لہٰذا تمہیں وہ خط نکالنا پڑے گا ورنہ ہم تجھے برہنہ کر کے تلاشی لیں گے"۔ جب اس عورت نے ان حضرات کو اس قدر سنجیدہ دیکھا تو وہ خط دینے پر رضا مند ہو گئی۔ چنانچہ اس نے ان حضرات سے کہا کہ تم لوگ منہ پھیر لو۔ انہوں نے منہ پھیر لیا اور اس نے خط اپنے سر کے بالوں کے جوڑے سے نکالا اور ان حضرات کو دے دیا۔ اس خط کو لے کر یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے خط کو کھول کر پڑھا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو حاطبؓ کے اس افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطبؓ کو بلا کر پوچھا "حاطب! تمہیں اس بات پر کس شے نے آمادہ کیا؟" سیدنا حاطبؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! میرے معاملہ میں آپ عجلت نہ فرمائیں، میں نے نہ تو اسلام سے ارتداد اختیار کیا ہے اور نہ ہی کفر پر رضامند ہوں۔ میں قریشی نہیں ہوں تاہم ایام جاہلیت میں قریش مکہ سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ چونکہ تمام مہاجرین اپنے ملی اعزاء و اقارب کی حمایت و مساعدت کرتے رہتے ہیں اس لئے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حاضرین صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی اس نے ظاہر کر دی' اس لئے اس کو کوئی شخص برا نہ کہے۔ سیدنا عمرؓ کی رگ فاروقی فوراً پھڑکی اور عرض کی: "یارسول اللہؐ! یہ خدا اور رسولؐ اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، لہٰذا اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں"۔ ارشاد فرمایا "کیا وہ معرکہ بدر میں شریک نہ تھا؟ عمرؓ! تمہیں پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر سے کہہ دیا تھا:

اعملو ماشئتم فقد غفرت لکم

تم جو چاہو کرو' اللہ تعالیٰ نے تمہارے سارے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۱۲' البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۸۳' سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۸۷' زاد المعاد جلد ۱ ص ۴۲۱' ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸ وغیرہ)

اس طرح کے اور کئی واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں کہ جو نہی کوئی شخص سرکارِ دو عالم ﷺ کے حکم سے سرتابی کرتا سیدنا عمرؓ کی غیرت ایمانی فوراً مشتعل ہو جاتی تھی۔ آپ کے مزاج کی اسی سختی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اس وقت ان کی مخالفت کی جب سیدنا ابو بکرؓ ان کو اپنا جانشین نامزد فرما رہے تھے، خصوصی طور پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ نے تو بہت ہی مخالفت کی اور رائے ظاہر کی کہ ان کو خلیفہ نامزد نہ کیا جائے، بلکہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا طلحہؓ نے کہا: "اے ابو بکرؓ! آپ کو معلوم ہے کہ عمرؓ کے مزاج میں کس قدر شدت اور سختی ہے، اس کے باوجود آپ ان کو اپنا جانشین نامزد فرما رہے ہیں؟ تو کل اپنے پروردگار کو جب وہ آپ سے باز پرس کرے گا کیا جواب دیں گے؟" سیدنا طلحہؓ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سیدنا ابو بکرؓ کو غصہ آ گیا اور فرمایا: "مجھ کو بٹھا دو"۔ لوگوں نے بٹھا دیا تو فرمایا: "کیا تم مجھ کو میرے پروردگار سے ڈراتے ہو؟" "میں جب اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا "اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے بہترین بندہ کو مقرر کیا ہے"۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۲) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سیدنا عمرؓ کے مزاج کی سختی بتانے والوں کو یہ جواب دیا:

"یہ سختی اسی وقت تک ہے جب تک ان پر خلافت کا بار نہیں پڑتا۔
جب خلافت کی ذمہ داری ان پر عائد کی جائے گی تو اس کے بار کی وجہ سے وہ خود نرم ہو جائیں گے"

Marfat.com

چنانچہ بعد میں آنے والے واقعات نے سیدنا ابو بکرؓ کی اس پیشین گوئی کو حرف بحرف سچا کر دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ دینی امور اور اسلامی مقتضیات کی تعمیل و تکمیل میں خود بھی انتہا پسند تھے اور دوسروں سے بھی اس کا مطالبہ سختی سے کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ محاسبہ کی صورت اختیار کر جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے بارہ میں جس قدر واقعات بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں ان سب میں یہی دینی روح کار فرما ہے۔ بایں ہمہ یہ دعویٰ کرنا کہ آپ میں رفق اور نرمی کا جذبہ موجود نہیں تھا۔ ایک افتراء سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معزولی بھی آپ کے مزاج کی سختی کا ایک ثبوت ہے لیکن دوسری طرف آپ اتنے نرم دل بھی تھے کہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ سیدنا عمرؓ کی بے قراری دیدنی تھی۔ قحط کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور خود تمام مرغوب غذائیں ترک کر دیں اور ہر قسم کی عیش و طرب سے اجتناب برتا اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر بارگاہِ خداوندی میں روتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۳)

عراق عجم کے معرکہ میں سیدنا نعمان بن مقرنؓ اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ ان حضرات کی شہادت کا سیدنا عمرؓ پر اس قدر اثر ہوا کہ زار و قطار روتے تھے۔ اس قسم کے ترحم کے کئی واقعات آپ کی کتابِ زندگی میں ملتے ہیں۔

زہد و قناعت

آپ کی کتابِ زندگی میں زہد و قناعت کا باب بھی نہایت روشن ہے۔ سیدنا طلحہؓ فرمایا کرتے تھے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو سیدنا فاروق اعظمؓ پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی فوجیں ہر محاذ پر شکست کھا رہی ہیں۔ مختلف محاذوں پر جرنیلوں اور کمانڈروں کو خطوط لکھے جا رہے ہیں۔ پوری دنیا کے بادشاہوں پر آپ کی شخصیت کی ہیبت طاری ہے' لیکن اپنی حالت یہ ہے کہ کئی کئی پیوند لگا کپڑا زیب تن ہے۔ عمامہ پھٹا ہوا' چپل بوسیدہ' بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لئے مشک کاندھے پر' سونے کے لئے خاک کا بستر' چشم فلک نے ایسا سربراہ مملکت کم ہی دیکھا ہو گا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو اپنا موٹا کرتہ پیوند لگانے کے لئے دیا۔ اس نے بجائے اس پرانے کرتہ کے ایک نرم و ملائم کپڑے کا کرتہ پیش کیا۔ سیدنا عمرؓ نے وہ نرم و ملائم کرتہ اس کو واپس کر دیا اور اپنا وہی پرانا کرتہ لے کر فرمایا: ''یہی اچھا ہے

Marfat.com

کیونکہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے"۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۰)

بارہا دیکھا گیا کہ مدینہ سے مکہ مکرمہ حج کے لئے جا رہے ہیں۔ دوران سفر خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رکھا۔ جہاں ٹھہرے وہیں کسی درخت پر چادر ڈال کر سو رہے۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کا روزانہ خانگی خرچ صرف دو درہم تھا۔ آج کل کے حساب سے اس کا حساب لگالیں۔ (منتخب الکنز جلد ۴ ص ۴۱۱)

غذا نہایت سادہ اور معمولی تھی۔ عموماً روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی بغیر چھنے آٹے کی ہوتی جسے مہمانوں اور سفراء کو کھانے میں تکلیف ہوتی' کیونکہ وہ ایسی معمولی غذا کھانے کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیوی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا"۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۶)

ایک مرتبہ عتبہ بن فرقدؓ شریک طعام تھے۔ دستر خوان پر سوکھی روٹی اور ابلا ہوا گوشت تھا۔ عتبہ زبردستی حلق سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نیچے کر رہے تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے دیکھا تو فرمایا "عتبہ! اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ" عتبہؓ نے جواب دیا "امیر المؤمنین! اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ خرچ کریں گے تو مسلمانوں کا مال اس سے کم نہیں ہو جائے گا"۔ آپ نے فرمایا "افسوس! تم مجھے دنیوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو"۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۸) سیدنا حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے میں نے شمار کیا تو آپ کے تہبند کو بارہ پیوند لگے ہوئے تھے (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۷) بعض کپڑوں پر چمڑے کے پیوند بھی ہوتے۔

سیدنا عمرؓ جب ایلہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں کے اسقف (پادری) کو اپنا کرتہ دیا جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور جو نیچے سے لمبے سفر کی وجہ سے پھٹ گیا تھا۔ آپ نے پادری سے فرمایا کہ اسے دھو دو اور پیوند لگا دو۔ پادری کرتے کو لے کر گیا اور اس میں پیوند لگایا اور اس جیسا ایک اور کرتہ سیا اور اسے لے کر سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پادری نے کہا "یہ آپ کا کرتہ ہے جس کو دھویا ہے اور پیوند بھی لگایا ہے اور یہ دوسرا کرتہ میری طرف سے ہے۔ آپ نے اس کرتے کی طرف دیکھا' اسے ٹٹولا اور پھر اپنا کرتہ پہن لیا اور دوسرا کرتہ پادری کو لوٹا دیا۔ فرمایا: میرا کرتہ تمہارے کرتے سے اچھا ہے کیونکہ یہ پسینہ خوب جذب کرتا ہے۔ (منتخب الکنز جلد ۴ ص ۴۰۲)

Marfat.com

سیدنا قتادہؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں اون کا ایسا جبہ پہنتے تھے جس میں بعض پیوند چمڑے کے بھی ہوتے تھے اور اسی طرح بازاروں میں پھرتے۔ دُرّہ آپ کے کندھوں پر ہوتا اور لوگوں کو آداب سکھاتے۔

آپ لوگوں کے درمیان خطبہ دیتے جبکہ آپ خلیفہ تھے اور آپ ایک تہ بند باندھے ہوتے تھے جس میں بارہ پیوند لگے ہوتے۔ (منتخب الکنز جلد ۴ ص ۴۰۵)

سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے "خدا کی قسم! میں زندگی کی لذتوں کی پروا نہیں کرتا کہ میں اس بات کا حکم کروں کہ ایک چھوٹی بکری کی کھال نکالی جائے اور وہ بھونی جائے اور یہ حکم دوں کہ اعلیٰ درجہ کے گیہوں سے ہمارے لئے روٹیاں بنائی جائیں اور ہمارے لئے کٹے ہوئے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے اور اس کا رنگ اس طرح ہو جائے جیسے چکور کی آنکھ ہوتی ہے۔ ہم اسے کھائیں اور پئیں' لیکن ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہمارا مال آخرت کے لئے باقی رہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

"تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے' سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی' اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے"۔ (الاحقاف)

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۱ ص ۴۹)

آپ ایک مرتبہ اپنی بیٹی حفصہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے باسی سالن اور روٹی پیش کی اور سالن میں تھوڑا سا روغن زیتون بھی ڈال دیا۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "ایک برتن میں دو سالن؟ میں کبھی نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے مل جاؤں"۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۳۰)

ایک مرتبہ اپنے عہد خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے۔ ایک غلام کو دیکھا کہ گدھے پر سوار جا رہا ہے۔ تھکے ہوئے تھے' لہٰذا اس سے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لے۔ اس نے آپ کی درخواست کے جواب میں فوراً گدھے سے اتر کر وہ گدھا سواری کے لئے آپ کو پیش کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا: "میں اپنے آرام کے لئے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم جس طرح سوار تھے اسی طرح سوار رہو' میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ اس غلام کے پیچھے اس گدھے پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی گلیوں میں داخل ہوئے

Marfat.com

اور لوگوں کو ایک غلام کے پیچھے امیر المؤمنینؓ کو بیٹھا دیکھ کر نہایت تعجب ہوا۔

(کنزالعمال جلد ۶ ص ۳۵۴)

ایک مرتبہ سیدنا احنف بن قیسؓ رؤسائے عرب کے ساتھ آپ کو ملنے کے لئے گئے دیکھا کہ آپ آستینیں چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ احنفؓ کو دیکھ کر فرمایا: "تم بھی میرا ساتھ دو' کیونکہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے"۔ تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے؟ ایک شخص نے آپ کی اس تگ ودو اور جدوجہد کو دیکھ کر کہا: "امیر المؤمنین! آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ کسی غلام کو حکم فرمایئے وہ اس اونٹ کو ڈھونڈ لائے گا"۔ آپ نے فرمایا:

ایّ عبد عبد منی؟

یعنی مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہو سکتا ہے؟

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اہلِ بصرہ کے وفد کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کے لئے روزانہ فقط چپڑی ہوئی روٹی ہوتی تھی' اور بسا اوقات ہم نے آپ کے پاس پکا ہوا سالن بھی دیکھا' کبھی گھی کا' کبھی زیتون کا اور کبھی دودھ کا اور کبھی آپ کے پاس روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہوتے جو کسی قدر کوٹ لئے جاتے اور پھر انہیں پانی میں جوش دیا جاتا تھا اور کبھی ہم نے آپ کے پاس موٹا گوشت پایا لیکن یہ کبھی کبھی ہوتا۔ ایک دن آپ نے مجھ سے فرمایا: "بخدا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ میرے کھانے کو نکما سمجھتے ہو' اور میرے کھانے سے کراہت کا اظہار کرتے ہو، اور میں خدا کی قسم! اگر چاہوں تو تم سب سے اچھا اور عمدہ کھا سکتا ہوں اور تم سب سے زیادہ نرم معیشت حاصل کر سکتا ہوں' لیکن بخدا! میں شیر مال' پراٹھے' بھنا ہوا گوشت اور پتلی چپاتیوں سے غافل اور آشنا نہیں ہوں' لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ایک کام پر جو اس نے کیا تھا عار دلائی اور فرمایا:

"تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی........"

سیدنا ابو موسیٰؓ نے یہ سن کر اہلِ بصرہ کے وفد سے فرمایا "اگر تم لوگ امیر المؤمنین سے کھانے کے بارہ میں بات کر لو تو وہ تمہارے لئے بیت المال سے کھانا مقرر کر دیں گے"۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے بات کی۔ آپ نے فرمایا "اے جماعت امراء! کیا تم

Marfat.com

اپنے لئے وہ پسند نہیں کرتے ہو جسے میں نے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "امیر المؤمنین مدینہ کی سرزمین ایسی ہے جہاں رفاہیت کی زندگی مشکل ہے۔ آپ کا کھانا اس قابل نہیں کہ کھایا جا سکے۔ ہم لوگ ایسی سرزمین کے ہیں جو بڑی زرخیز ہے۔ ہمارے ہاں امیرانہ کھانا کھایا جاتا ہے اور لوگ رغبت سے جمع ہو کر کھاتے ہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے ان کے لئے دو بکریاں اور دو جریب غلے کے مقرر فرما دیئے، لیکن فرمایا: "سن لو کہ ان لوگوں کو ان کے گھروں میں کھلانا۔ اگر میں تمہاری اس میزبانی کو لوگوں کے حوالے کر دوں تو ان کے اخلاق بگڑ جائیں گے۔ اور بخدا! میرا یہ گمان ہے کہ جس دیہات سے ہر دن دو بکریاں اور دو جریب غلہ کی لی جائیں گی وہاں بہت جلد خرابی آجائے گی"۔ (منتخب الکنز جلد ۴ ص ۴۰۲)

ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ خطبہ کے دوران فرمایا: "لوگو! ایک زمانہ میں میں اس قدر نادار اور قلاش تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر دیا کرتا تھا اور وہ اس کے بدلہ میں مجھے چھوہارے دے دیتے تھے۔ انہی چھوہاروں پر میری گزر بسر تھی"۔ یہ بیان کر کے منبر سے اتر آئے۔ لوگوں کو آپ کی اس بات سے نہایت تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی۔ فرمایا میری طبیعت میں ذرا سا عجب اور غرور آ گیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔

۲۳ھ میں سفر حج پر تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کی سطوت و عظمت کا سورج نصف النہار پر تھا۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں آپ کے زیر نگین ہو چکی تھیں۔ جب آپ مقام ابطح میں پہنچے تو ادھر ادھر سے سنگ ریزے سمیٹ کر ان پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

> "اے اللہ! میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں لہٰذا اب مجھ کو اس دنیا سے اٹھا لے"۔ (مؤطا امام محمد ص ۴۰۴)

غیرت

سیدنا فاروق اعظمؓ کی طبیعت میں غیرت کا مادہ بہت تھا گویا کہ آپ بالطبع غیور تھے۔ اس بات کا اعتراف خود سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھی تھا۔ آپ کی زندگی کے مختلف واقعات سے آپ کے اس طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ آیت حجاب نازل ہونے سے قبل مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کی غیرت اس بے حجابی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ آپ نے بارگاہِ نبوت میں بار بار عرض داشت پیش کی کہ مسلمان

Marfat.com

عورتیں بالخصوص ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ آیت حجاب آپ کی خواہش کے بعد ہی نازل ہوئی۔

آپ کی اس غیرت کا لحاظ بلکہ اقرار خود لسان نبوت نے بھی فرمایا۔ صحاح کی قریباً تمام کتابوں میں باختلاف الفاظ یہ روایت منقول ہے کہ شب معراج میں حق تعالیٰ شانہ‘ نے آپ کو جہاں اور آیات دکھائیں وہاں جنت کا مشاہدہ بھی کروایا۔ آپ نے فرمایا: ”عمر! جنت میں میں نے ایک نہایت عالی شان محل دیکھا جو تمہارے لئے مخصوص تھا۔ میں نے اس کے اندر جانا چاہا‘ لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی۔ سیدنا عمرؓ نے لسان نبوت سے یہ سنا تو رو کر عرض کیا:

”بابی وامی یا رسول الله! علیك اغار“

میرے ماں باپ آپ پر قربان‘ کیا میں آپ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا۔

(بخاری جلد ا ص ۵۲۰)

اپنے عہد خلافت میں ایک دفعہ آپ کو پتہ چلا کہ بعض علاقوں میں مسلمان عورتیں عیسائی عورتوں کے ساتھ حماموں میں بے پردہ نہاتی ہیں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے سخت غیرت آئی‘ لہٰذا آپ نے ایک گشتی مراسلہ بھیجا کہ ”مسلمان عورت کا غیر مسلم عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے“، اور مسلمان عورتوں کو حماموں میں جانے سے منع فرما دیا۔

حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ ﷺ کی محبت جسم وروح کے رگ وریشہ میں رچی بسی تھی‘ اور آپ کی محبت میں وہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار تھے‘ چنانچہ واقعہ ایلاء میں جب کاشانہ نبوی پر بار بار اذن طلب کرنے پر بھی باریابی کی اجازت نہ ملی تو اونچی آواز سے کہا: ”یارسول اللہ! بخدا! میں حفصہؓ کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں۔ اگر آپ حکم دیں تو اس کا سر قلم کردوں“۔

(فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵۱)

یہ بھی محبت رسولؐ ہی کا اثر تھا کہ وصال نبوی کے وقت وارفتگی کے عالم میں قسمیں کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا اس کا سر اڑا دوں گا۔

محبت کا تقاضا اتباع ہے' لہٰذا والہانہ محبت کی بناء پر آپ کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بھی والہانہ محبت تھی' بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ آپ کی کتاب زندگی کا سب سے زریں باب اتباع سنت تھا۔ خورد و نوش' نشست و برخاست اور لباس و وضع غرض کہ زندگی کے سب شعبوں میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ آپ کے پیشِ نظر تھا۔ ایک دفعہ سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ کھانے لائے گئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "واللہ! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو حق تعالیٰ تمہیں صراط مستقیم سے ہٹا دے گا"۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۵)

ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ ام المؤمنینؓ نے کہا کہ "ابا جان! اب اللہ تعالیٰ نے خوش حالی عطا فرمائی ہے' اس وجہ سے اب آپ کو اچھی اور نرم و نفیس غذا سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔ سیدنا عمرؓ نے سیدہ حفصہؓ کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا: "جانِ پدر! تو رسول اللہ ﷺ کی تنگی اور عسرت کی زندگی کو بھول گئی ہے؟ بخدا! میں جناب رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلوں گا تاکہ آخرت کی خوش حالی نصیب ہو۔ پھر کافی دیر تک رسول اللہ ﷺ کی عسرت کا تذکرہ فرماتے رہے یہاں تک کہ سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا رونے لگیں"۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۶۵)

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ اب سیدنا عمرؓ کا معمول ہو گیا کہ جب بھی اس طرف سے گزرتے تو اتباع سنت کی خاطر اس جگہ دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ایک شخص نے اس نماز کے بارہ میں پوچھا۔ فرمایا "میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا"۔ (مسلم باب الصلوٰۃ بذی الحلیفہ)

آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ ہر شخص سنت نبوی کی اتباع کرے کیونکہ ایک مسلمان کا یہی سرمایہ حیات ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا ہے۔ آپ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: "یہ آنے کا وقت ہے؟" اس نے کہا "بازار سے آرہا تھا' اذان کی آواز سنی اور فوراً وضو کر کے مسجد میں آیا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "وضو کیوں؟ رسول اللہ ﷺ تو جمعہ کو غسل کا حکم دیا کرتے تھے"۔
(بخاری باب فضل غسل یوم الجمعہ)

متعلقینِ رسالت کا احترام

جب سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ آپ کو اس قدر محبت تھی تو متعلقین رسالت

Marfat.com

کے ساتھ بھی آپ کو شدید محبت تھی۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ جب رسول کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان تمام لوگوں کے ساتھ محبت واحترام سے پیش آیا جائے جن کا رسالت سے تعلق ہو۔ چنانچہ آپ نے وظائف اور دوسرے تمام امور میں اس بات کا بخوبی لحاظ رکھا۔ سیدہ فاطمہؓ سرکارِ دوعالم ﷺ کو نہایت محبوب تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے سیدہؓ کو فرمایا:

"آپ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور اللہ کی قسم مجھے بھی آپ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں"۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۵۵، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۱)

چنانچہ سیدہ فاطمہؓ کی نماز جنازہ سیدنا ابوبکرؓ نے پڑھائی اور سیدنا عمرؓ اس جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۸)

سیدنا عمرؓ کے سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ سے نہایت گہرے روابط اور تعلقات تھے۔ بلکہ بقول ملا باقر مجلسی اور شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کے سیدنا علیؓ کو سیدنا فاطمہؓ کے ساتھ نکاح کے لئے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ ہی نے آمادہ کیا تھا۔

(جلاء العیون ص ۱۲۱۔ ۱۲۲ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۷۔ ۳۸ کتاب الامالی جلد ا ص ۳۸)

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ ہی صرف سیدنا علیؓ کے مدح خوان اور ثنا خوان نہ تھے بلکہ سیدنا علیؓ بھی ان دونوں حضرات کے فضائل و مناقب کو بخوبی بیان فرماتے رہتے تھے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں ان کی شخصیت سے آشنائی رہے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا معاویہؓ کو ایک خط لکھا جس میں سیدنا ابوبکرؓ کے بارہ میں فرمایا:

> "اسلام میں سب لوگوں سے افضل جیسا کہ تم نے کہا ہے 'اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ صدیقؓ تھے۔ اور خلیفہ فاروقؓ تھے۔ اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! یقیناً اسلام میں ان دونوں کا مقام بہت عظیم ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے عظیم صدمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان دونوں کو ان کے بہترین اعمال کے موافق جزائے خیر عطا فرمائے"۔

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم بحرانی جلد ۴ ص ۳۶۲، مطبع حیدریہ طہران)

اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ لوگوں کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا' اس میں سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ کا مقام لوگوں کے سامنے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

Marfat.com

"جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم میں سے انتقال میں سبقت فرمائی۔ پھر دوسرے نمبر پر ابو بکرؓ تشریف لائے' پھر تیسرے نمبر پر عمر بن خطابؓ تشریف لائے پھر ہم کو کئی فتنوں نے پریشان کیا یا دوسرے لفظوں میں ہم پر فتنے آپہنچے۔ پس جو اللہ تعالیٰ نے چاہا سو ہوا"۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۱۴۷' طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۸۹' تذکرہ قیس' التاریخ الکبیر' بخاری جلد ۴ ص ۱۷۳' حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۵ ص ۴۷)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کا جب انتقال ہوا اور آپ کو چارپائی پر رکھا گیا۔ لوگ اظہارِ تاسف کے لئے اردگرد جمع تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا جو چارپائی کے گرد جمع تھے۔ اس وقت میری پشت کی طرف سے آکر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر سیدنا علیؓ نے فرمایا:

"اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ آپ کے دونوں ساتھیوں (سرکارِ دو عالم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبرؓ) کی معیت میں کردے گا اور ان سے ملا دے گا۔ کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اس طرح کام کیا اور میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے اور میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ خارج ہوئے' میں اور ابو بکرؓ و عمر چل پڑے۔

(بخاری جلد ص ۵۱۹' مسلم جلد ۲ ص ۲۷۴' مسند احمد جلد ا ص ۱۱۲ ابن ماجہ ص ۱۰)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے آپ کے جنازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"اس کفن پوش سے بہتر شخص میرے نزدیک اور کوئی نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں جیسا کہ اس کا اعمال نامہ ہے، میرا بھی اعمال نامہ ایسا ہی ہو"۔ (کتاب لآ ثار' امام محمد ص ۱۴۶' کتاب الآثار لابی یوسف ص ۲۱۵) شاید یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کے نکاح میں بطور گواہ شامل ہوئے جیسا کہ المناقب خوارزمی ص ۲۵۱' کشف الغمہ جلد ا ص ۴۸۳' بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۸ پر مرقوم ہے۔

Marfat.com

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ کے ان تمام حضرات سے محبت و مودت کے گہرے تعلقات تھے جن کا تعلق سرکارِ دوعالم ﷺ سے تھا۔

عدلِ فاروقی

سیدنا فاروق اعظمؓ نے دنیا میں عدل و انصاف کی وہ مثالیں قائم کیں جن کی نظیر ان کے بعد دنیاوالوں کو نہیں مل سکتی اور سیدنا علیؓ کا وہ قول بالکل صحیح ثابت ہوا جس میں آپ نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا تھا "آپ نے اپنے بعد کے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۶، سیرۃ عمر بن خطاب لابن جوزی ص ۱۴۰) سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں نہ صرف حکومت کا ڈھانچہ بہتر بنایا بلکہ رعایا کے ساتھ بھی ایسا عدل و مساوات کا سلوک کیا کہ وہ آپ پر اپنی جان چھڑکنے لگے۔

آپ کی رعایا میں مسلمان بھی تھے اور دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ بھی تھے۔ عموماً سربراہانِ مملکت دوسری قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، لیکن آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ان کی گرویدہ ہوگئیں۔ ان کے عہد کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ، خویش و بیگانہ، شریف و رذیل اور مسلم و غیر مسلم قانون کی نگاہ میں سب برابر تھے۔

آپ نے غیر مسلموں کے دینی، معاشرتی اور بنیادی حقوق کی پورے طور پر حفاظت کی۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے معاہدہ کیا۔ ان میں انہیں وہ تمام حقوق دیئے جو ایک مسلمان رعایا کو دیئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہلِ جرجان کے ساتھ ایک معاہدہ میں یہ لکھا گیا کہ "ان کی جان و مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے ان میں سے کسی شے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی"۔ یہ بات صرف الفاظ ہی تک محدود نہ تھی بلکہ عملی طور پر بھی ان شرائط کو پورا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے گورنروں کو ان معاہدات کی پابندی کرنے کی وقتاً فوقتاً تاکید فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابوعبیدہؓ کو لکھا:

> "مسلمانوں کو غیر مسلم رعایا پر ظلم کرنے، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو اور جو شرائط ان سے کی گئی ہیں ان کو پورا کرو"۔ (کتاب الخراج ص ۸۲)

کسی ذمی کو قتل کرنا تو بڑی بات ہے اگر کوئی شخص ان کی املاک کو نقصان پہنچاتا تو

سیدنا عمرؓ اس کا معاوضہ دلاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت تباہ کر دی۔ آپ کو پتہ چلا تو سرکاری بیت المال سے دس ہزار درہم معاوضہ دلایا۔

(کتاب الخراج ص ۶۸)

جزیہ جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے یہ دراصل ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ ہوتا ہے لیکن اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمات کے لئے آمادہ ہوں اور ریاست ان پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔ (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ ص ۱۱۱)

اہلِ جرجان کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ الفاظ قابلِ غور ہیں :

"ہمارے ذمہ تمہاری حفاظت اس شرط پر ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا اور اگر ہم تم سے کوئی خدمت لیں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا"۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۴۳)

چنانچہ جب بھی کسی ذمی سے کوئی فوجی خدمت لی گئی تو اس کا جزیہ اسے چھوڑ دیا گیا۔ یرموک کی جنگ میں جب بعض مفتوحہ علاقوں کے ذمیوں کی حفاظت سے مسلمان معذور ہو گئے تو ان کے جزیہ کی وصول شدہ رقم انہیں واپس کر دی گئی۔

(فتوح البلدان ص ۱۳۷ کتاب الخراج ص ۸۱)

جزیہ کی اس وصولی میں ان پر کسی قسم کی کوئی سختی نہ کی جاتی۔ شام کے سفر میں ایک دفعہ کچھ لوگوں کو سختی کرتے دیکھا تو فرمایا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جو دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت میں انہیں عذاب دے گا"۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک عیسائی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کیوں بھیک مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ پر حکومت نے جزیہ لگایا ہے اور اس کو ادا کرنے کے لئے میرے پاس رقم نہیں ہے۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے کچھ رقم دے کر بیت المال کے انچارج کو کہلا بھیجا کہ ایسے لوگوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ خدا! یہ بات انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ ان لوگوں کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں تاکہ وہ بھیک مانگتے پھریں"

آپ کو غیر مسلم رعایا کا اتنا خیال تھا کہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت

Marfat.com

کی کہ :

"میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ دیا گیا ہے' یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے"۔

یہ تو غیر مسلم رعایا کے ساتھ عدل و انصاف تھا' لیکن آپ نے خود مسلمانوں میں چھوٹے بڑے امتیاز کو ختم کیا اور بتا دیا کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ جبلہ بن ایہم غسانی کا واقعہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ نیا نیا مسلمان ہو کر آیا۔ طواف کعبہ میں اس کی چادر کا ایک کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے غصے میں اسے تھپڑ مار دیا۔ سیدنا عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ وہ بدو بھی اتنے ہی زور سے جبلہ کو تھپڑ مارے گا جتنے زور سے جبلہ نے اسے مارا ہے۔ جبلہ کو اس فیصلے پر تعجب ہوا کیونکہ ایسا فیصلہ اس سے قبل نہ دیکھا نہ سنا۔ جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا دین ہے جس میں شریف و رذیل کا امتیاز نہیں تو میں اس اسلام سے باز آتا ہوں۔ چنانچہ وہ مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے کوئی پروا نہ کی اور عدل و انصاف کے صاف اور شفاف جامہ پر کوئی داغ نہ آنے دیا۔

بے جا امتیازات ویسے بھی آپ کی طبع نازک پر گراں گزرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاصؓ کے صاحبزادے نے ایک دفعہ ایک شخص کو بے وجہ مارا۔ بارگاہِ خلافت میں جب اس کی شکایت ہوئی تو آپ نے اس مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے اور یہ کوڑے سیدنا عمرو بن عاصؓ گورنر مصر کی موجودگی میں لگے لیکن وہ کچھ بول نہ سکے۔

آپ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے تھے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے تھے "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنہیں غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں شرم آتی ہے"۔

شعبی کا بیان ہے کہ کھجوروں کے کاٹنے پر سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا عمر بن خطابؓ کے درمیان کچھ نزاع ہو گئی۔ سیدنا ابیؓ رو دیئے اور کہا "عمر! تمہاری خلافت میں ایسا ہوا؟" سیدنا عمرؓ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان مسلمانوں میں سے کسی کو فیصل بنا لو۔ سیدنا ابی بن کعبؓ نے کہا: "میں زید بن ثابتؓ کو فیصل بناتا ہوں"۔ یہ دونوں حضرات سیدنا زید بن ثابتؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "ہم دونوں تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ تم ہمارے درمیان فیصلہ کرو"۔ سیدنا زیدؓ اپنے گھر میں بیٹھ کر فیصلہ دیا

Marfat.com

کرتے تھے۔ سیدنا زیدؓ نے سیدنا عمرؓ کو اپنے پاس بٹھانا چاہا اور کہا: "امیر المؤمنین یہاں تشریف رکھئے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں جاری ہوا۔ میں مدعی کے ساتھ بیٹھوں گا"۔ یہ دونوں حضرات سیدنا زیدؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ سیدنا ابیؓ نے دعویٰ پیش کیا۔ سیدنا عمرؓ نے ان کے دعویٰ سے انکار کیا۔ سیدنا زیدؓ نے سیدنا ابیؓ سے کہا "امیر المؤمنین کو قسم کھانے سے معذور رکھو (شرعی قاعدہ کی بناء پر اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے) اور میں قسم کی معافی کا کسی کے لئے سوائے ان کے سوال نہیں کرتا ہوں۔ سیدنا عمرؓ نے قسم کھائی اور پھر قسم کھا کر فرمایا "زیدؓ صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ عمرؓ اور مسلمان رعایا ان کے نزدیک برابر نہ ہوں"۔

(کنز العمال جلد ۳ ص ۳۷ اص ۱۸۱)

یہ واقعہ بھی سیدنا عمرؓ کی عدل گستری کی ایک روشن مثال ہے جس کو سیدنا انسؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک مصری سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "امیر المؤمنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ پکڑنے آیا ہوں" سیدنا عمرؓ نے فرمایا "میں نے تجھے پناہ دی"۔ اس شخص نے کہا "میں نے گورنر مصر عمرو بن عاصؓ کے بیٹے کے ساتھ دوڑ میں بازی لگائی اور میں اس سے آگے نکل گیا۔ اس نے غصہ میں آکر مجھے کوڑے سے مارنا شروع کیا اور کہتا تھا: "میں بڑے آدمی (گورنر مصر) کا بیٹا ہوں"۔ یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ اپنے بیٹے کو لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوں۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "وہ مصر کا رہنے والا کہاں ہے؟" جب وہ حاضر ہوا تو فرمایا "یہ لے کوڑا اور اس بڑے آدمی کے بیٹے کو اسی طرح مار جس طرح اس نے تجھے مارا تھا"۔ اس مصری نے کوڑا لے کر اس کو مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ نے فرمایا "اب عمرو بن عاصؓ کی چندیا پر بھی کوڑے مار"۔ مصری نے کہا "امیر المؤمنین! اس کے بیٹے نے مجھے مارا ہے' انہوں نے نہیں مارا۔ اور میں اپنا بدلہ لے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا "مار اس کو بھی کیونکہ اسی کی شہ پر تو اس نے تجھے مارا۔ پھر سیدنا عمرو بن عاصؓ سے فرمایا:

"کب سے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے"۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا "مجھے اس واقعہ کا کچھ علم نہیں اور نہ یہ آدمی

Marfat.com

شکایت لے کر میرے پاس آیا"۔ (کنزالعمال جلد ۴ ص ۴۲۰)

ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ اس طرح باہر نکلے کہ آپ کی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں کانوں میں تھیں (جس طرح موذن کی ہوتی ہیں) اور وہ اونچی آواز سے کہہ رہے تھے "اے مجھے پکارنے والے! میں حاضر ہوں 'میں حاضر ہوں"۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ آپ کو ڈاک میں ایک خط موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک نہر لشکر کے عبور کرنے میں حائل ہو گئی اور وہاں کوئی کشتی بھی نہ تھی جس کے ذریعہ لشکر نہر عبور کر لیتا۔ امیر لشکر نے حکم دیا کہ کسی ایسے آدمی کو تلاش کرو جو نہر کی گہرائی سے واقف ہو۔ وہ ایک بوڑھے کو لے آئے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ مجھے ٹھنڈ کا اندیشہ ہے اور موسم بھی سخت سردی کا ہے 'لہٰذا میں نہر میں داخل ہو کر نہر کی گہرائی نہیں بتا سکتا۔ امیر لشکر نے اس پر جبر کر کے اس کو نہر میں داخل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جونہی وہ بوڑھا نہر میں داخل ہوا اس نے ہائے عمرؓ، ہائے عمرؓ پکارنا شروع کر دیا اور وہ ڈوب کر مر گیا۔ سیدنا عمرؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے خط لکھ کر امیر لشکر کو بارگاہِ خلافت میں بلایا۔ وہ امیر آیا اور کئی دنوں تک ٹھہرا رہا۔ سیدنا عمرؓ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی گورنر یا عامل سے ناراض ہوتے تو اس سے بات کرنے سے اعراض برتتے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے اس امیر سے کہا "وہ آدمی جس کو تم نے قتل کیا ہے کیا ہوا؟" امیر لشکر نے کہا "امیر المؤمنین! میں نے اسے قصداً قتل نہیں کیا۔ ہم نے وہاں کوئی ایسی چیز نہ پائی جس پر سوار ہو کر ہم اس نہر کو عبور کر سکتے۔ آپ دیکھ لیں کہ ہم نے ایسے ایسے شہر فتح کیے"۔ یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "ایک مسلمان مجھے ہر اس شے سے زیادہ محبوب ہے جس کو تو لایا (یعنی شہروں کی فتح) اگر رسم نہ پڑ جاتی تو میں تیری گردن مار دیتا، لہٰذا تو اس کے گھر والوں کو دیت ادا کر اور یہاں سے چلا جا۔ میں تجھے پھر نہ دیکھوں"۔ (کنزالعمال جلد ۷ ص ۲۹۹)

ایک جنگ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے ایک سپاہی نے مالِ غنیمت جمع کیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا لیکن پورا نہ دیا۔ اس شخص نے وہ مال لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو پورا حصہ لوں گا۔ اس پر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کو بیس کوڑے مارے اور اس کا سر منڈا دیا۔ اس شخص نے اپنے منڈے ہوئے بال جمع کیے اور ان کو لے کر سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان بالوں کو جیب سے نکال کر سیدنا عمرؓ کے سینے پر پھینک دیا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا "تجھے کیا ہوا؟" اس نے اپنا سارا قصہ سنایا۔ سیدنا

Marfat.com

عمرؓ نے اسی وقت سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا :

"اسلام علیکم ! فلاں بن فلاں نے مجھے ایسا بتایا ہے اور میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اگر تم نے ایسا کیا ہے اگر تم نے لوگوں کے مجمع میں ایسا کیا ہے تو اس کے لئے لوگوں کے مجمع میں بیٹھو اور وہ تم سے بدلہ لے۔ اور اگر تم نے وہ بات خلوت میں کی ہے تو تم خلوت میں اس کے لئے بیٹھو تاکہ وہ تم سے بدلہ لے' جب اس شخص نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہ خط دیا وہ اسی وقت بدلہ دینے کے لئے بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے کہا "میں نے اللہ کے لئے معاف کیا"۔

(المحلی ابن حزم جلد ۹ ص ۲۰ ۷ بیہقی جلد ۹ ص، کنز العمال جلد ۷ ص ۲۹۹)

ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے ایک گورنر نے کسی شخص کو مارا۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے قصاص دلوایا۔ اس پر سیدنا عمرو بن عاصؓ نے کہا "امیر المؤمنین ! آپ اپنے گورنروں سے بھی قصاص لیں گے ؟" فرمایا "ہاں"۔ عمرو بن عاصؓ نے کہا "پھر ہم آپ کے گورنر نہیں بنیں گے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "چاہے تم میرے عامل نہ بنو"۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۹ ص ۴۶۴' جلد ۲ ص ۳۹' مسند احمد جلد ا ص ۴۱' المغنی لابن قدامہ جلد ۷ ص ۶۶۳)

سیدنا عمرؓ اپنے امراء سے لوگوں کا بدلہ کس طرح نہ لیتے جب کہ وہ اپنی ذات سے بھی ان کا قصاص لیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے خود کو سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے سامنے قصاص کے لئے پیش کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۹ ص ۴۶۹)

حبیب بن صہبان سے روایت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی پشت اللہ کی حفاظت میں ہے۔ کسی کے لئے اس پر مارنا جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ حد کا معاملہ نہ ہو۔ اور حبیب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود سیدنا عمرؓ کو کھڑے ہو کر اپنی پشت پر کوڑے مارتے اور اپنے آپ سے کسی شخص کا قصاص لیتے دیکھا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۰ ص ۴۶۹)

ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے فیروز دیلمی کو خط لکھا کہ :

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہیں شہد میں نلی کا گودا ملا کر کھانے نے کاموں سے روک دیا ہے۔ جونہی میرا یہ خط تمہیں ملے تم یہاں میرے پاس آجاؤ اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ اللہ تمہیں برکت

دے"

چنانچہ فیروز دیلمی سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عمرؓ نے اسے اجازت دے دی۔ قریش کا ایک نوجوان بھی اسی وقت اندر داخل ہونے لگا۔ اس کی اس سے ٹکر ہو گئی۔ فیروز نے اس نوجوان کی ناک پر ایک مکا مارا جس سے اس کی ناک خون بہنے لگا۔ وہ خون میں تر بتر سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا "یہ کس نے کیا؟" قریشی نوجوان نے کہا "فیروز دیلمی نے"۔ چنانچہ فیروز بھی اندر داخل ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "فیروز! یہ کیا ہے؟" فیروز نے کہا "امیر المؤمنین! آپ نے مجھے خط لکھ کر بلایا جب کہ اس نوجوان کو آپ نے خط لکھ کر نہیں بلایا۔ مجھے آپ نے اندر آنے کی اجازت دی' اسے داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ اس نے یہ چاہا کہ میری اجازت میں مجھ سے پہلے داخل ہو جائے۔ اس لئے میں نے غصہ میں ایسا کیا"۔ سیدنا عمر نے فرمایا: "قصاص دو"۔ فیروز نے کہا "قصاص ضروری ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں"۔ یہ سن کر فیروز گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور وہ نوجوان بدلہ لینے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے کہا "اتنی دیر قصاص سے رک جا کہ میں تجھے اس بات کی خبر دے دوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ ایک روز صبح کے وقت آپؐ نے فرمایا تھا کہ اسود عنسی جس نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا تھا' آج رات قتل کر دیا گیا ہے اور اس کو ایک نیک اور بھلے بندے دیلمی نے قتل کیا ہے"۔ اے نوجوان! کیا تو اپنے آپ کو اس کے بعد بھی قصاص لینے والا خیال کرتا ہے؟ جبکہ تو نے یہ بات سن لی۔ نوجوان نے عرض کی "میں اسے معاف کرتا ہوں"۔ فیروز نے سیدنا عمرؓ سے عرض کی "کیا آپ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بات مجھے اس شے سے نجات دینے والی ہے جو میں نے کی۔ اور میں نے اس بات کا اس لئے اقرار کیا کہ اس نے بغیر کسی جبر کے مجھے معاف کر دیا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "ہاں"۔ فیروز نے کہا "میں آپ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میری تلوار' میرا گھوڑا اور تیس ہزار کی رقم میں نے اپنے مال سے اس کے لئے ہبہ کی۔ سیدنا عمرؓ نے اس قریشی نوجوان سے فرمایا "اے نوجوان! تو نے معاف کیا' تجھے اجر بھی ملا اور تو نے مال بھی لیا"۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۸۳)

کسی مسلمان نے شام میں ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ اس کا مقدمہ سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لایا گیا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ نے اس بارہ میں سیدنا عمر بن خطابؓ کو لکھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا "اگر اس مسلمان میں ذمیوں کو قتل کرنے کی عادت پڑ چکی ہے تو اس کی گردن

Marfat.com

ماردو' اور اگر طیش میں آکر جلد بازی کی ہے تو اس کی دیت ادا کرواؤ"۔

(کنز العمال جلد ۷ ص ۲۹۸)

یزید بن ابی مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان جابیہ میں تھے اور ان میں سیدنا عمرؓ بھی تھے ایک ذمی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ کچھ لوگوں نے میرے انگور کے باغ میں آکر چھاپہ مارا ہے۔ سیدنا عمرؓ تحقیق حال کے لئے باہر نکلے۔ آپ کی اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی جو ڈھال اٹھائے ہوئے تھا جس میں انگور تھے سیدنا عمرؓ نے فرمایا "کیا تم نے باغ میں چھاپہ مارا ہے؟" اس نے عرض کی "امیر المؤمنین! ہم بھوکے تھے' اس لئے ہم نے ایسا کیا"۔ سیدنا عمرؓ وہاں سے واپس آئے اور اس باغ کے مالک کو ان انگوروں کی قیمت دینے کا حکم فرمایا۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۲۹۹)

ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا ایک تنازعہ سیدنا عمرؓ کے پاس لائے۔ سیدنا عمرؓ نے دونوں کی بات سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہودی نے کہا "بخدا! آپ نے صحیح فیصلہ کیا"۔ سیدنا عمرؓ نے اسے اپنے درے سے ٹھوکا دیا اور فرمایا "تجھے کیسے پتہ چلا کہ یہ فیصلہ درست ہے؟" اس نے کہا "بخدا! ہمیں تورات میں یہ لکھا ہوا ملا ہے کہ جو قاضی حق کے ساتھ فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں اور بائیں جانب دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ اور اس کے لئے توفیق ایزدی کی دعا کرتے ہیں اور جب وہ قاضی حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ فرشتے اسے چھوڑ کر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں۔

(ترغیب و ترہیب جلد ۳ ص ۴۵۵)

سیدنا ایاس بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ بازار میں سے گزر رہے تھے' آپ کے پاس آپ کا کوڑا (دُرّہ) تھا۔ آپ نے مجھے کوڑے سے حرکت دی۔ وہ کوڑا میرے کپڑے کے کنارے پر لگا اور فرمایا "راستہ سے کوڑا کرکٹ صاف کر دے"۔ جب اگلا سال آیا' سیدنا عمرؓ مجھ سے ملے اور پوچھا "کیا تو حج کا ارادہ کر رہا ہے؟" میں نے کہا "جی ہاں"۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی قیام گاہ پر لے گئے اور مجھے چھ سو درہم مرحمت فرمائے اور فرمایا "اس رقم سے حج کرنا اور تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ رقم اس کوڑے کی وجہ سے ہے جس سے میں نے تجھے گزشتہ سال ٹھوکا دیا تھا"۔ میں نے عرض کی "امیر المؤمنین! مجھے تو یہ بات یاد نہیں"۔ آپ نے فرمایا "میں تو اسے نہیں بھولا"۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۴)

یہ تو صرف چند واقعات ہیں ورنہ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سیدنا عمرؓ کی

Marfat.com

کتاب زندگی میں موجود ہیں جن سے عدل فاروقی کا پتہ چلتا ہے۔

فضائل و مناقب

احادیث نبویہ میں سیدنا عمر بن خطابؓ کے مناقب و فضائل بے شمار آئے ہیں۔ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ تمام انبیاء علیھم السلام کے بعد سب سے افضل اور بلند مرتبت سیدنا صدیق اکبرؓ ہیں اور پھر ان کے بعد سیدنا عمر بن خطابؓ کا مقام ہے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہؒ نے اپنے والد سیدنا علیؓ سے ایک دفعہ پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں سے بہترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا:

ابو بکرؓ، قال ثم من؟ قال عمرؓ، و خشیت ان یقول عثمان، قلت ثم انت؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین

ابو بکرؓ، پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمرؓ، مجھے خیال گزرا کہ عمرؓ کے بعد عثمانؓ کا نام لیں گے، لہٰذا میں نے از خود کہہ دیا کہ پھر آپ سب سے بہترین ہیں۔ فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷ ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۸۸)

ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ:

"نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہترین آدمی ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ ان کے بعد ہم سے کئی نئی چیزیں صادر ہوئیں۔ ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا فرمائے گا"۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۱۵ ص ۱۰۶)

امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ سیدنا علیؓ نے اس سے پوچھا "تو نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے؟" اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا: "تو نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کو دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "نہیں"۔ آپ نے فرمایا: "اگر تو کہتا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا ہے تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ اور اگر تو کہتا کہ میں نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کو دیکھا ہے تو میں تجھے المناک سزا دیتا۔"

(کتاب الآثار لابی یوسف ص ۲۰۷ فضائل ابی بکر لابی طالب عشاری ص ۸ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۰۷)

پھر صحاح میں ان دونوں حضرات کو پختہ عمر کے جنتیوں کا سردار فرمایا گیا۔
(ملاحظہ ہو ترمذی باب مناقب ابی بکر، سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکرؓ، کنز العمال جلد ۶ ص ۱۴۲، ص ۳۶۶ وغیرہ)

لیکن ان فضائل و مناقب کے علاوہ بھی اور بہت سے فضائل احادیث نبویہ میں آئے ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں

امت محمدیہ کے پہلے محدث

سیدنا عمرؓ اس امت کے سب سے پہلے محدث ہیں جس کی شہادت خود لسانِ نبوت نے دی ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بے شک تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا، لیکن وہ نبی نہ تھے۔

فان يك من امتي احد فعمر
میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ (بخاری جلد ا ص ۵۲۱)

دوسری روایت میں ان کے لئے "محدث" کا لفظ استعمال کیا ہے (مسلم جلد ۲ ص ۲۷۶) محدث کون ہوتا ہے؟ اس کے بارہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ "محدث" کا لفظ دال کی زبر سے ہے اور اس سے وہ صادق الظن شخص مراد ہے جس کے قلب میں ملاءِ اعلیٰ سے کوئی شے القاء کی جاتی ہے۔ پھر اسی طرح ہوتا ہے جیسے اس نے کسی کو اس کی خبر دی تھی۔ ابو احمد عسکری نے یہ بات بڑے جزم و یقین سے کہی ہے۔ (فتح الباری)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ محدث سے مراد وہ ملہم لوگ ہیں جو صادق الظن ہوتے ہیں۔ ان کا گمان بھی درست ہوتا ہے، گویا انہیں کوئی شے القاء کی جاتی ہے اور وہ اس پر اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں۔ بعض روایات میں ان کے لئے "مکلمون" کا لفظ بھی آیا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: حق اور صواب ان کی زبانوں پر گردش کرتا ہے۔ اس حدیث سے

Marfat.com

اولیاء کرام کے لئے کرامات کا ثبوت بھی ملتا ہے"۔

(نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۶)

علامہ ابن اثیر جزریؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ

"پہلی امتوں میں بھی محدث گزرے ہیں اور میری امت میں بھی اگر کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے......... حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ وہ صاحب الہام ہوتے ہیں اور ملہم وہ ہوتا ہے جس کے قلب میں کوئی شئے القاء کی جائے اور وہ اس کو اپنی فراست اور فہم سے خبر دے سکے۔ اور محدث ہونا اس کی ایک خاص نوع ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں میں سے جس کو چاہیں سرفراز فرما دیتے ہیں۔ جیسے سیدنا عمرؓ تھے۔ گویا انہیں کچھ بتایا جاتا ہے اور وہ اسے آگے کہہ دیتے ہیں"۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے وہ منتخب بندے ہیں جن کی حفاظت حق تعالیٰ خود شیطان سے فرماتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں واضح ہے:

ان عبادی لیس علیك علیهم سلطان (بنی اسرائیل: ۶۵)

حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صرف محدث ہیں جو اس کامل حفاظت سے نوازے جاتے ہیں۔ اور اگر کبھی شیطان ان پاک لوگوں کی بات میں اپنی بات داخل کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر عثمانی ص ۴۳۸)

راہِ نبوت کے کمالات ان ارباب کمال (محدث حضرات) کو کحل قدسی سے سرمگیں کر دیتے ہیں اور اس کحل قدسی کی وجہ سے ان کی بصیرتوں کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے یہاں تک کہ وہ جس شے کی طرف التفات فرماتے ہیں اس شے کے حقوق و دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ دریافت کر لیتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جو سیدنا عمرؓ کے "محدث" ہونے کی خبر دی تھی وہ بلاوجہ نہ تھی بلکہ آپ نے ان کی قدسی آنکھ کے ادراک کو پوری طرح بھانپ لیا تھا۔ پھر اسی قدسی آنکھ کے کمالات صحابہ کرامؓ نے خطبہ جمعہ میں بھی دیکھے کہ ہزاروں میل کے فاصلہ سے "یاساریۃ الجبل" کی آواز دے رہے ہیں اور ساریہ ان کی آواز کو سن کر پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۵) اور اسی قدسی کحل سے سرمگیں آنکھ ہی کی وجہ سے نماز میں

Marfat.com

حقائق آپ پر بلا التفات اس طرح کھلتے ہیں کہ اسلامی لشکر کی پوری تیاری آپ پر اتار دی جاتی اور پھر اس قدسی آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہوتا وہ اس عالم میں وجود کا لباس پہن لیتا۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نہایت صائب الرائے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ عمرؓ جب کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا خیال ہوتا تھا (بخاری باب اسلام عمرؓ) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں دینی احکام کا درجہ اختیار کر گئیں ہیں اور آج تک قائم ہیں۔

مدینہ منورہ میں نماز کے اعلان کے لئے مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا کسی نے کوئی اور تجویز پیش کی۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ کیوں نہ ایک آدمی مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور سیدنا بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کی رائے کے مطابق اذان کا طریقہ قائم ہوا۔

اسی طرح اسیرانِ بدر کے لئے سیدنا عمرؓ نے جو رائے دی، حق تعالیٰ شانہ نے اسی کے موافق وحی نازل فرمائی جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

اسی طرح سرکارِ دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ سیدنا عمرؓ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس کا ذکر بھی کیا۔ اللہ نے ان کی اس خواہش کے مطابق آیت حجاب نازل فرمائی۔

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا۔ جب مرا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہی۔ سیدنا عمرؓ مانع ہوئے کہ آپ منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ اس پر سیدنا عمرؓ کی رائے کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تصل علیٰ احد منهم

یعنی آپ ان منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں

یہ تو صرف چند واقعات ہیں ورنہ تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں جہاں بھی صحابہ کرامؓ اور سیدنا عمرؓ کی رائیں مختلف ہوئیں اکثر و بیشتر سیدنا عمرؓ کی رائے ہی صائب نکلی۔ قرآن حکیم انہی کی رائے سے مرتب ہوا اور ان کی یہ رائے بھی واقعات نے بتایا کہ صائب تھی۔ رائے کے اس طرح صائب ہونے کی ایک ہی وجہ تھی کہ آپ "محدث" تھے اور محدث کی بات عالم علوی کے ربط کی راہ سے دوسروں کے مقابلہ میں صائب ہوتی۔

ملاء اعلیٰ کے اس ربط کے اعتبار سے سیدنا عمرؓ کے بارہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ ربط رسالت میں کوئی شخص سیدنا صدیق اکبرؓ سے نہیں بڑھ سکا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اگر رحمۃ العالمین تھے تو سیدنا ابو بکرؓ "ارحم امتی بامتی" تھے اور جس پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا پرتو پڑا ہو وہ "اشدھم فی امر اللہ" کا مصداق ہوتا ہے۔ ویسے تو یہ دونوں بزرگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرب تھے، لیکن ابو بکرؓ ربط رسالت سے زیادہ ممتاز ہوئے اور سیدنا عمرؓ ربط خداوندی سے کچھ ایسے مربوط تھے کہ حضور علیہ السلام نے ان دونوں کو ترتیب سے ذکر کیا "ارحم امتی بامتی ابوبکر، واشدھم فی امر اللہ عمر" لیکن اللہ تعالیٰ نے اشد ہونا سرکارِ دو عالم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی پہلی صفت بیان فرمائی۔ "اشداء علی الکفار" اور پھر دوسری صفت "رحماء بینھم" ذکر کی۔ گویا حضور علیہ السلام نے اپنے سے ربط رکھنے والے کو پہلے بیان کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے سے ربط رکھنے والے کو پہلے بیان فرمایا۔ اسی طرح زمین و آسمان کو مخاطب کرنا شانِ خداوندی ہے کیونکہ یہ عالم تکوین کے دائرے میں ہیں اور اسی کے حکم سے گھوم رہے ہیں۔ اسی طرح ہواؤں اور دریاؤں کو حکم دینا بھی عالم تکوین کی بات ہے۔ سیدنا عمرؓ روحانیت کے اس مقام پر تھے کہ ہوا کو حکم دے تو وہ آپ کا پیام ساریہؓ تک پہنچادے اور دریائے نیل کے پانی کو خط لکھیں تو وہ اس طرح جاری ہو جائے کہ پھر آج تک خشک نہ ہو۔ اسی طرح عزت و ذلت عالم تکوین کے فیصلے ہیں۔ خود قرآن حکیم میں ہے:

> "اے اللہ! تو مالک الملک ہے تو جس کو چاہے ملک اور سلطنت دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے اور بے شک تو ہر شے پر قادر ہے"۔ (آل عمران : ۲۵)

سیدنا عمرؓ اسلام لائے تو اسلام کو عزت ملی اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے مانگا ہی انہیں اسلام کی عزت کے لئے تھا "اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب"۔

اسی لیے سیدنا حذیفہؓ نے فرمایا:

> "جب سے عمرؓ اسلام لائے تب سے اسلام کی حالت ایک ایسے اقبال مند شخص کی سی ہو گئی جس کا ہر قدم ترقی کی جانب گامزن ہوتا ہے اور جب آپ شہید ہوئے تو اسلام کے عروج اور ترقی میں کمی آتی گئی اور

اس کا ہر قدم پیچھے کی طرف پڑنے لگا"۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳' تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۱۵)

اسلام بھی انوکھے طریقے سے لائے اور ان کی ہجرت بھی عجیب اور دوسرے مسلمانوں سے الگ نوعیت کی تھی۔ آپ اکیلے نہیں بیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ اس عزت وشان کے ساتھ جانب مدینہ روانہ ہوئے کہ اسلحہ سے لیس ہو کر بیت اللہ میں تشریف لائے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا' نماز پڑھی اور پھر وہاں موجود مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تمہاری صورتیں بگڑیں' تمہارا ناس ہو' ہے کوئی تم میں جو اپنی ماں کو بے پوت' اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرانے کا ارادہ رکھتا ہو' آئے اور اس وادی سے اس طرف آ کر میرا مقابلہ کرے"۔

(زرقانی جلد ۱ ص ۱۷ ۳' تاریخ الخلفاء ص ۱۱۵)

چنانچہ آپ کے اسلام سے سرکار دو عالم ﷺ کا فرمودہ مقصد "عزة الاسلام" پورا ہو گیا اور اسلام کو بھرپور عزت ملی۔ حدیبیہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو سفیر بنا کر قریش مکہ کے ہاں بھیجنا چاہا' لیکن علم خداوندی میں یہ طے تھا کہ کفار اس سال مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیں گے اور سیدنا عمرؓ کا قریش مکہ سے بات چیت کے بعد اس فیصلے کو لے کر لوٹنا اسلام کی اس عزت کے خلاف تھا جس کے آپ مجسم پیکر تھے اور یہی آپ کے اسلام میں آنے کا نبوی مقصد تھا' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی اور انہوں نے اس بارہ میں سفیر بننے سے معذرت کر لی۔ اور ان کے بجائے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو سفیر بنا دیا گیا۔

عالم علوی سے اس ربط کے باعث آپ کو "شہید" کی سند ملی کیونکہ قرآن حکیم نے الٰہی انعام پانے والے صرف چار طبقوں کا ذکر کیا ہے (۱) انبیاء (۲) صدیق (۳) شہداء اور (۴) صالحین۔ نبوت تو ویسے ہی آپؐ کے بعد اختتام پذیر تھی اور صدیق ابوبکرؓ تھے، لہٰذا انہیں ابوبکرؓ کے بعد کا درجہ لسان نبوت سے ملا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک روز احد پہاڑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اثبت احد' فانما علیك نبی و صدیق و شهیدان

اے احد! ساکن ہو جا، اس وقت تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۹)

Marfat.com

مختصر یہ کہ آپ اس امت کے محدث تھے اور یہ محدث ہونا آپ کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز اور آپ کی کتاب مناقب کا ایک اہم باب تھا۔

حق گوئی کی آسمانی تصدیق

حق گوئی ویسے تو ہر صحابی رسول کا وصف تھا۔ اسی وجہ سے تمام امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "تمام صحابہ کرام عادل ہیں" لیکن سیدنا عمرؓ کی حق گوئی اور صداقت کی تصدیق اور گواہی خود لسان نبوت نے دی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ جعل الحق علیٰ لسان عمر و قلبہ (ترمذی)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری فرمادیا ہوا ہے

سیدنا عبداللہؓ نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

"جب بھی لوگوں پر کوئی واقعہ رونما ہوتا اور انہوں نے اس بارہ میں کچھ کہا اور سیدنا عمرؓ نے بھی اس بارہ میں کچھ کہا تو قرآن حکیم نے سیدنا عمرؓ کے قول کی تائید فرمائی۔

جنت میں محل کی بشارت

سیدنا جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ وہاں میں نے اپنی رضاعی خالہ رمیصاء زوجہ ابی طلحہؓ کو دیکھا' اور میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا "یہ کون ہے؟" بتایا گیا "یہ بلالؓ ہیں"۔ پھر میں نے ایک محل دیکھا جس کے سامنے ایک لونڈی کھڑی تھی، میں نے پوچھا "یہ کس کا محل ہے؟" جواب ملا "عمر بن خطابؓ کا"۔ میں نے چاہا کہ اس محل کو اندر جا کر دیکھوں' لیکن اے عمرؓ مجھے تیری غیرت یاد آ گئی۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کی:

بابی و امی یا رسول اللہ! أ علیك اغار (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۰)

میرے ماں باپ آپ پر قربان' کیا میں آپ پر غیرت کھاؤں گا۔

علمی شان

سیدنا ابو حمزہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"میں سویا ہوا تھا' کیا دیکھتا ہوں کہ میں نے دودھ پیا ہے یہاں تک کہ اس کی سیرابی میرے ناخنوں سے باہر نکلنے لگی' پھر میں نے وہ عمرؓ کو دے دیا"۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اس روایت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

رأیت کانی اتیت بقدح لبن فشربت فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب

میں نے (خواب میں) دیکھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا جسے میں نے پیا اور جو باقی بچا وہ میں نے عمر بن خطابؓ کو دے دیا۔

(ترمذی جلد ۴ ص ۵۶۴)

سرکارِ دوعالم ﷺ سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو آپ نے اس کی تعبیر میں فرمایا: "العلم" یعنی وہ دودھ علم تھا۔ اس روایت میں شانِ فاروقی یہ بتائی کہ آپ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے پیالے سے بچے ہوئے دودھ سے جو دیا گیا وہ علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ جیسے علم میں سرشار صحابی بھی فرمایا کرتے تھے "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔

(استیعاب تذکرہ عمر بن خطابؓ)

جس شخص کی علمی حیثیت اتنی وزنی ہو پھر اس کی زبان سے ہمیشہ سچ ہی نکلتا ہے گو اسے خود اس کے بواعث پر اطلاع نہ ہو۔ وہ ایسا صدق آشنا ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے صداقت و حقانیت کے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس کے آگے صرف نبوت ہے۔ اور اگر آپ نبی نہ ہوئے تو اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ باب نبوت بند تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ "خاتم النبین" تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں فرمایا گیا "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا"۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۶۳) معلوم ہوا کہ سیدنا عمرؓ ولایت الٰہی کے جملہ مراتب طے کر چکے ہوئے تھے۔

قبائے دین کی عطاء

سرکارِ دوعالم ﷺ کے مشہور صحابی سیدنا ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"میں سویا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ مجھ پر پیش کیے جا رہے ہیں اور وہ قمیضیں پہنے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں کی قمیض سینہ تک ہے اور بعض کی اس سے بھی کم اور سیدنا عمرؓ بن خطاب بھی گزرے اور ان پر جو قمیض تھی وہ ایسی تھی جو زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی"۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: "یا رسول اللہؐ اس سے کیا مراد ہے"۔ فرمایا: "اس سے مراد دین ہے جو قمیض کی شکل میں مجھے دکھایا گیا ہے۔"

(صحیح مسلم جلد ۲)

حدیث سے معلوم ہوا کہ قبائے دین آپ کے جسد کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ وہ قمیض زمین پر گھسٹتی کیوں جا رہی تھی؟ وہ اس لئے کہ آپ کے عمل کی پیروی اس امت میں جاری و ساری ہو گی۔ گویا عمل کے پیرائے میں آپ امت میں مقتدیٰ ہوں گے۔ اسی لئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر

میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ اٹھنے کی سعادت

جامع ترمذی میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا

انا اول من تنشق عنه الارض ثم ابو بکر ثم عمر ثم اتی اهل البقیع

یعنی میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی پھر ابو بکر کی پھر عمرؓ کی۔ پھر میں بقیع آؤں گا اور وہاں کے مدفون لوگ میرے ساتھ جمع کیے جائیں گے۔

یہ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے فضائل و مناقب میں ایک ایسا اضافہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ میں کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا کہ ان کا دو انبیاء کرام علیھم السلام (جناب رسول اللہ ﷺ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان حشر ہو گا۔ پھر ان تینوں حضرات کا اس ترتیب سے اٹھنا جس ترتیب کے ساتھ حدیث میں مرقوم ہے ان دونوں حضرات کے لئے ایک طرہ امتیاز ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک روز مسجد میں اس حال میں داخل ہوئے کہ ابو بکرؓ آپؐ کی دائیں جانب تھے اور عمرؓ بائیں جانب۔

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

هكذا نبعث يوم القيامة

قیامت کے روز بھی ہم اسی طرح اٹھیں گے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ص ۱۷)

سیدنا عمرؓ کا مقامِ خلافت

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر پانی کا ڈول کھینچ رہا ہوں۔ اتنے میں ابو بکرؓ آگئے۔ آپ نے ایک دو ڈول نکالے ہوں گے کہ عمر بن خطابؓ آگئے۔ ابو بکرؓ کے ڈول کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی۔ حق تعالیٰ آپ کو معاف فرمادیں گے۔ عمرؓ کے ڈول کھینچنے کے وقت ڈول بڑا ہو گیا۔ میں نے کسی عبقری (سردار) کو اس طاقت اور توانائی کے ساتھ پانی نکالتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور انہوں نے اپنے اونٹ تک سیراب کر کے اپنے مناخ میں بٹھا دیئے"۔ (بخاری جلد ۱ص ۵۲۰)

اس حدیث میں آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی خلافت میں خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے گا اور آپ کی خلافت کے فیوض و برکات سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں گے۔

شیطان آپ سے بھاگتا ہے

ایک مرتبہ قریش کی کچھ عورتیں اونچی آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اتنے میں سیدنا عمر بن خطابؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ سیدنا عمرؓ کا نام سنتے ہی یہ سب پردے میں چلی گئیں۔ سیدنا عمرؓ کو اندر آنے کی اجازت ملی تو آپ نے اندر آکر دیکھا سرکارِ دو عالم ﷺ کا چہرہ مبارک مسکرا رہا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کی "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے لیکن اس وقت مسکرانے کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا "مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو تمہاری آواز سنتے ہی پردے میں چلی گئیں"۔ آپ نے ان بیبیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "تم مجھ سے ڈرتی ہو اور حضور علیہ السلام سے نہیں

Marfat.com

ڈرتیں؟" انہوں نے کہا: "ہاں ایسا ہی ہے کیونکہ آپ بہت سخت مزاج ہیں"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا:

"اے خطاب کے بیٹے، ! سن لو' تجھے چلتے ہوئے شیطان کسی راستے میں نہیں ملتا، لیکن یہ کہ وہ تیری راہ چھوڑ کر دوسری راہ لے لیتا ہے"۔ (بخاری جلد ا ص ۵۲۰)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین خواہ وہ انسانوں کے ہوں یا جنات کے عمرؓ سے بھاگتے ہیں"۔

کسی انسان سے شیطان کا بھاگنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدائی حفاظت میں ہے اور یہ گناہوں سے حفاظت کی ایک بہت بڑی خبر ہے۔

حضور علیہ السلام کے وزیر

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہر نبی کے دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں۔ میرے آسمان والوں میں سے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے دو وزیر ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۱۵)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ اور ان کے اجتہادات

سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت کا مقصد لوگوں کو وحی الٰہی کی اتباع کی دعوت دینا تھا۔ لیکن جب آپ کے حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو وہ اپنی زندگی میں پیش آنے والے معاملات اور مسائل کے بارہ میں آپ سے ہدایت طلب کرنے لگے جن کے بارہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ان سوالوں کو دہرایا گیا اور پھر ان کے جوابات دیئے گئے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ)

اِن آیات کا نزول جن واقعات و سوالات کے نتیجہ میں ہوا' مفسرین نے ان کا نام "اسباب نزول" رکھا ہے۔ چنانچہ محمد بکر الخضری نے اپنی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" میں لکھا ہے کہ "وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے بہت کم ہیں۔ ہمیں شائد ہی کوئی ایسا حکم نظر آئے جس کے سلسلہ میں مفسرین نے کوئی واقعہ درج نہ کیا ہو۔ جو اس کے نزول کا سبب ہوا۔ امام سیوطیؒ اور دوسرے مفسرین نے اسباب نزول پر کتابیں لکھیں ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ مرثد غنویؓ ایک صحابی تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں مکہ بھیجا تاکہ بے سہارا مسلمانوں کو وہاں سے نکال لائیں۔ جب وہ وہاں گئے تو ایک حسین و جمیل اور مال دار مشرکہ عورت نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کیا۔ مدینہ پہنچ کر مرثدؓ نے آپ سے اس نکاح کے بارہ میں اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

Marfat.com

ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یومن

مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے شراب کے بارہ میں پوچھا۔ اس وقت تک اس بارہ میں کوئی وحی نہ آئی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے بارگاہِ رب العزت میں التجاء کی: "اے اللہ! شراب کے بارہ میں ہمیں کوئی واضح ہدایت فرما"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یسئلونك عن الخمر و المیسر' قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس' واثمھما اکبر من نفعھما

آپ سے شراب اور جوئے کے بارہ میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں' لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ ہے۔

بعض مسلمان آپ کو ایسی چیزوں کے بارہ میں سوال کرتے جن کے بارہ میں کوئی وحی نہ نازل ہوئی ہوتی۔ ایسی صورت میں آپ اپنی رائے سے فیصلہ فرماتے۔ اس کے بعد اگر وحی آپ کی رائے کے خلاف آتی تو آپ فوراً اپنے فیصلہ سے رجوع فرما کر وحی کے حکم کی تعمیل فرماتے (الاحکام' آمدی جلد ۴ ص ۴۲۔ ۴۳) لیکن بعض فقہاء اور اصولیین اسے تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کے سوا رسول اللہ ﷺ کا جو بھی حکم ہوتا تھا' وہ اجتہاد تھا (بلکہ وہ احادیث و سنن کو اجتہاد نہیں وحی بتاتے ہیں) چنانچہ اسیرانِ بدر کے بارہ میں وحی نے آپ کے فیصلے سے اختلاف کیا، لیکن ایسا بہت ہی کم ہوا کہ وحی نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے اجتہاد کی مخالفت کی۔ اسی لئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی وہ سنت جس سے وحی نے اختلاف نہیں کیا' آپ کے طریق اجتہاد کی طرح ایک حجت ہے۔ جس پر ہمیشہ سے عمل کیا جا رہا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب سے مسلم معاشرہ قائم ہوا ہے اسی وقت سے تشریع کا سلسلہ بھی قائم ہے۔ مسلم معاشرہ کا آغاز سیدنا صدیق اکبرؓ سے ہوا اور وحی کا آغاز سرکارِ دو عالم ﷺ سے ہوا۔ گویا وحی اور معاشرہ ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ معاشرہ وحی کے سائے میں پلتا رہا اور معاشرے کا ہر فرد وحی کی روشنی میں پھیلتا رہا اور آگے بڑھتا رہا۔ مدینہ منورہ میں اس معاشرہ نے اپنی پوری توانائی اختیار کی اور انسانی زندگی کے ہر دائرہ کو محیط ہوا۔ اب اس کا اپنا ایک تمدن تھا' اپنی سیاست تھی' اپنی تہذیب تھی اور اب اسلام مسلمانوں

Marfat.com

کی زندگی کا ایک جامع ضابطہ حیات تھا۔ اس تئیس (۲۳) سال کے عرصہ کے دوران قرآن حکیم مختلف ضرورتوں اور تقاضوں پر اترتا رہا اور اس کے اس تدریجی نزول اور حالات کی مناسبت سے صحابہ کرامؓ کے لئے اس کا سمجھنا آسان رہا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی تو :

۱۔ یا تو اس موقع پر کوئی آیت نازل ہو جاتی

۲۔ یا سرکارِ دو عالم ﷺ اجتہاد فرماتے

۳۔ یا پھر آپ وحی باطنی سے جو قرآن حکیم کے علاوہ معانی کی صورت میں آپ کے قلب مبارک پر القاء کی جاتی، رہنمائی فرماتے

جب آپ اجتہاد فرماتے تو وہ اجتہاد دوسرے مجتہدین کی طرح نہ ہوتا، بلکہ آپ کے اجتہاد پر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی حفاظت کا سایہ ہوتا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا قرآن حکیم کی روشنی میں اجتہاد کرنا بتلاتا ہے کہ آپ نے قرآن کو ہمیشہ اولیت دی ہے۔ جس کی مثالیں حدیث میں ملتی ہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم کا حکم ہے "واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ : ۵) یعنی مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ حکم عام ہے اس سے کوئی مشرک مستثنیٰ نہیں، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے علت حکم پر نظر فرماتے ہوئے بوڑھے بچوں اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ فرمادیا کہ صرف وہی مشرک قتل کے لائق ہیں جو مسلمانوں کو ضرر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا :

"کسی بوڑھے فانی کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ ہی کسی عورت کو"۔ (رواہ ابو داؤد)

آپ کا یہ حکم کوئی علیحدہ حکم نہیں ہے بلکہ جو حکم قرآن حکیم میں مذکور ہے اس سے صرف استثناء ہے۔

اسی طرح قبیلہ جہینہ کی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ اسے پورا کرنے سے پہلے اس دنیا سے انتقال کر گئی۔ اب کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا :

"تو اس کی طرف سے حج کر لے اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرو۔ فرمایا خدا کا قرض

پہلے ادا ہونا چاہئے"۔ (بخاری جلد ا ص ۲۵۰)

اللہ تعالیٰ کے قرض کی ادائیگی اور نفع میں انسان کے قرض سے ملا کر دیکھنا، اصل شرعی پر دوسرے مسئلہ کو قیاس کرنے کی مثال ہے۔

بعض مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ سے مشورہ بھی لیتے۔ اس سلسلہ میں آپ کا عمل قرآن حکیم کے اس حکم پر تھا۔

وشاورهم فی الامر' فاذا عزمت فتوكل على الله

معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کرو اور جب کوئی ارادہ کر لو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مسائل میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ چاہا، جیسے اعلان نماز کے لئے، اور غزوہ احد میں آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے رائے طلب کی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مواقع پر آپ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ اسی وجہ سے سیدنا ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا"

سرکارِ دو عالم ﷺ مختلف معاملات میں خود بھی اجتہاد فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی اجتہاد کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ میں نے عرض کی:

> "یا رسول اللہ! آپ مجھ سے بہتر فیصلہ فرما سکتے ہیں"۔ فرمایا "نہیں، تمہی کو یہ فیصلہ کرنا ہو گا"۔ میں نے عرض کی "کس شے پر فیصلہ کروں؟" فرمایا "اگر تم نے ان کا فیصلہ صحیح کیا تو دس نیکیوں کے مستحق ٹھہرو گے اور اگر اجتہاد کیا اور اس سے تجھ سے غلطی ہو گئی تو پھر بھی ایک نیکی کا ثواب ملے گا"۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو ان سے پوچھا: "کس شے کے مطابق فیصلہ کرو گے؟" عرض کی کتاب اللہ کے مطابق"۔ فرمایا "اگر اس میں نہ ملا تو؟" عرض کی "سنت رسولؐ کے مطابق"۔ فرمایا "اگر اس میں بھی نہ ملا؟" عرض کی "پھر میں اجتہاد کروں گا"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تائیدی لہجے میں فرمایا "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسولؐ کے نمائندے کو وہ توفیق عطا فرمائی جسے اللہ اور اس کا رسولؐ دونوں پسند

Marfat.com

کرتے ہیں"۔

اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرائی فی القضاء میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث پر اگرچہ بعض لوگوں نے سند کے لحاظ سے تنقید کی ہے جس کا جواب حافظ ابن قیمؒ اور ابن عربیؒ وغیرہ نے دیا ہے (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین جلد ا حدیث معاذ بن جبل فی الاجتہاد' احکام القرآن لابی بکر ابن عربی جلد ا تفسیر آیت یا ایھاالذین آمنو اطیعو الله) اگر روایتی معیار سے اس کو ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو درایت کے اعتبار سے اس کا ضعف نہیں باقی رہتا۔ کیونکہ بخاری اور مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں کی کئی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا:

"حاکم نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اس کو دو اجر ملتے ہیں' اور اگر غلط فیصلہ کیا تو ایک اجر ملتا ہے"۔

(بخاری جلد ۲ کتاب الاعتصام باب اجر الحاکم اذا اجتہد)

ایک اور روایت میں ہے کہ

"قاضی نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اس کو دس گنا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کیا تو اکہرا یا دوگنا اجر ملتا ہے"۔

(مسلم جلد ۲ کتاب الاقضیہ باب اجر الحاکم)

اجتہاد قرآن و حدیث کے بعد اسلامی قانون کا سرچشمہ ہے۔ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرے کی راہ نمائی کا واحد ذریعہ اور ہدایت الٰہی کی تکمیل کا اہم باب ہے۔ اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم نے خود بنفس نفیس اس کا دروازہ کھولا اور بے شمار مواقع پر اجتہاد کر کے اس کے نشیب و فراز سے واقف کر دیا تاکہ بعد کے لوگوں کے لئے اور باتوں کی طرح اس میں بھی آپ کی زندگی نمونہ ثابت ہو' لیکن وحی الٰہی سے آپ کا تعلق قائم ہونے اور براہ راست اس سے راہنمائی حاصل کرتے رہنے کی وجہ سے آپ کے اجتہاد میں خطاء و غلطی کا احتمال نہیں باقی رہتا بلکہ دین و شریعت کے متعلق جو کچھ آپ نے اجتہاد کے ذریعہ فرمایا' وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے اجتہاد کو سمجھنے کے لئے طبیب حاذق کے کام میں غور کرنے کی ضرورت ہے جس کی نظر مرض کی قوت' اس کی نوعیت' مریض کی عمر' جائے رہائش اور موسم نیز دوا اور غذا کی قوت اس کی خاصیت واثر و پرہیز و علاج سے متعلق تمام

باتوں پر ہوتی ہے' اور پھر ان کے لحاظ سے وہ بہت سی باتوں کی خبر دیتا ہے جن کو لوگ نہیں جانتے۔ ان باریکیوں کا احاطہ کرتا ہے جن سے وہ لاعلم ہوتے ہیں۔ کبھی وہ امور محسوسہ کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے۔ مثلاً چہرے کی سرخی اور مسوڑھے سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے۔ کبھی علامت کو بجائے سبب مرض اور دوا کی مخصوص مقدار کو بجائے ازالہ مرض قرار دے کر قاعدہ کلیہ وضع کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کاموں کے لئے مجرد علم طب کافی نہیں ہے بلکہ فنی حذاقت و مہارت بھی درکار ہے کہ وہ مریض و مرض کے پیشِ نظر اخذ و استنباط اور ریسرچ و تحقیق کر سکے۔

انسان کی روحانی اور نفسی زندگی کا معاملہ جسمانی سے کہیں زیادہ باریک اور جذب وانجذاب کو قبول کرنے والا ہے۔ اس بناء پر لازمی طور سے اس کے مرض و مریض' دوا و غذا اور پرہیز و علاج کی نزاکتوں کو سمجھنے کے لئے فنی حذاقت و مہارت کافی نہیں ہے۔ بلکہ نورانی شعاعوں کی بھی ضرورت ہے جن کے ذریعہ ان مخفی تاروں کا عکس لیا جا سکے، جن کو چھیڑے بغیر زندگی کے ساز میں سوز نہیں پیدا ہوتا اور بہت سے نغمے خاموش رہتے ہیں۔ پھر زندگی خود زندگی سے گریزاں بنتی اور تمدن خود تمدن کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ یہ نورانی شعائیں صرف شعور نبوت کو حاصل ہیں۔ جن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اجتہاد فرماتے تھے۔ شعور نبوت سے مراد علم و حکمت کا نور اور فہم و ادراک کا وہ کمال ہے جو نبوت کے خلقی وجدان و داخلی شعور کا نتیجہ اور اس کے لئے لازم ہے۔ یہ شعور علم وادراک کا نہایت اونچا اور محفوظ اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں شعور نبوت کے ذریعہ اخذ و استنباط یا اجتہاد دوسروں کے اجتہاد سے بلند و محفوظ ہوتا ہے کیونکہ برتر شعور یا نور سے متعلق قائم ہونے کی وجہ سے اصلاح و اضافہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو دوسروں کے اجتہاد کو میسر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

"اے لوگو! رسول اللہ ﷺ کی رائے صائب و درست ہوتی تھی کہ اللہ آپ کو دکھاتا تھا' ہماری رائے ظن اور تکلف ہے"۔

(ابو داؤد' باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء)

یہ بات سرکارِ دو عالم ﷺ کی ایک اور حدیث سے بھی اتفاق کرتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تھا "اگر کتاب و سنت میں کوئی شے مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان دونوں میں کوئی حکم نہ ہو تو پھر اجتہاد کرو"۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان اجتہاد کے اور بھی زیادہ ضرورت مند ہو گئے کیونکہ عہد رسالت میں جو مسئلہ انہیں پیش آتا وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیتے۔ بعض امور میں صحابہ کرامؓ اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے اور ان کی رائیں سمعِ رسالت تک پہنچتیں تو جس کی رائے صحیح ہوتی اسے صحیح اور جس کی رائے غلط ہوتی اسے غلط فرماتے۔ لیکن آپؐ کے انتقال کے بعد جن واقعات میں کوئی حکم موجود نہ تھا ان میں قیاس واجتہاد سے کام لینا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس بارہ میں اجتہاد کیا اور کسی نے ان کے اس فعل پر نکتہ چینی نہ کی۔ اور آخر وہ اجتہاد اور قیاس کیوں نہ کرتے جب کہ نئے نئے قضیے ان کے سامنے پیش کئے جارہے تھے اور جن اقوام وقبائل سے انہیں سابقہ پڑا تھا ان کی زندگی کے حالات اور طرز زندگی ان سے نہایت مختلف تھی۔ اور یہ حالات اور قضیے سب ایک ایسی رائے کے محتاج تھے جس کے بغیر راحت واطمینان کی زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

جب صحابہ کرامؓ کو کوئی ایسی صورت پیش آجاتی جس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی فعل یا آپ کی کوئی ہدایت نہ ملتی تو جن کے پاس زیادہ علم نہ تھا وہ اہلِ ذِکر سے پوچھ کر (فسئلو اھل الذکر) عمل کرتے اور جن کے پاس علم ہوتا وہ اس نئی صورت کو قرآن و حدیث کی تصریحات میں دیکھتے اور تصریحی حکم کی غرض اور علت تلاش کر کے اشتراک کی حالت میں نئی صورت پر وہی حکم جاری کر دیتے تھے جیسا کہ حکیم الامت حضرۃ شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا:

> ”یہ حضرات اپنی رائے سے اجتہاد کرتے اور اس علت کو معلوم کرتے جس کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے منصوصات پر حکم کو چلایا ہے۔ پھر جہاں وہ علت پائی جاتی یہ حضرات اس حکم کو نافذ کر دیتے' البتہ حکم سے رسول اللہ ﷺ کی غرض معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے اور اسی کی موافقت میں ایک حکم دوسرے پر لگاتے“۔

(حجۃ اللہ البالغہ 'باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چار صحابہ کرامؓ کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا۔ اور وہ چار صحابہؓ یہ تھے

(۱) سیدنا عمرؓ (۲) سیدنا علیؓ

(۳) سیدنا معاذ بن جبلؓ اور (۴) سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ

Marfat.com

گویا یہ چاروں صحابہ قرآن و سنت سے بخوبی واقف اور ان کی علتوں سے بخوبی آشنا تھے۔ یہ درست ہے کہ خود قرآن حکیم اپنی ذات میں نہایت جامع کتاب ہے 'لیکن وہ اصول و کلیات کی کتاب ہے جس میں الٰہی حکمت عملی اور دستور (Constitution) سے بحث ہے۔ جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ :

"قرآن حکیم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس میں کلیات بیان ہوئے ہوں کیونکہ شریعت اس کے نزول کے بعد کامل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا"۔ یہ معلوم ہے کہ نماز، زکوٰۃ، جہاد اور اس طرح کے سارے احکام قرآن میں نہیں بیان کیے گئے۔ ان کو سنت نے بیان کیا ہے، اسی طرح نکاح، معاملات، قصاص، حدود اور دوسرے معاملات کے تفصیلی احکام قرآن نے نہیں بیان کئے وہ احادیث میں ہیں"۔

(الموافقات جلد ۳ ص ۲۶۷ 'المسالۃ الخامسہ)

ایک اور مقام پر علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں :

"قرآن حکیم میں احکام شرعیہ اکثر کلی طور پر بیان ہوئے ہیں' جہاں جزئی طور پر تفصیل ہے۔ وہ کسی حکم کلی کے تحت ہے"۔

(الموافقات جلد ۳ ص ۲۶۶)

اس لئے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کے ساتھ سنت نبوی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ وگرنہ قرآن حکیم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ امام شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ :

"سنت اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ سنت قرآن حکیم کے اجمال کی تفصیل ہے 'یا مشکل کا بیان ہے یا مختصر کی تشریح ہے۔ ثبوت کے دلائل یہ ہیں کہ (۱) بحیثیت مجموعی سنت قرآن حکیم کا بیان ہے جیسا کہ اللہ کے قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے "و انزلنا الیك الذكر لتبین للناس ما نزل الیهم "پس سنت میں کوئی بات نہ ملے گی جس کی قرآن حکیم میں

Marfat.com

اجمالی یا تفصیلی دلالت نہ موجود ہو (۲) تمام وہ چیزیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن حکیم ہی کلیات شریعت کی کتاب اور اس کا سرچشمہ ہے، وہ سب اس امر کی دلیل ہیں کہ سنت اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے قرآن حکیم کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ (۳) قرآن حکیم میں ہے "و انك لعلى خلق عظيم" سیدہ عائشہؓ نے خلق کی تفسیر میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہے۔ اس سے یہی ثابت ہے کہ آپ کے اقوال و افعال اور اقرار سب قرآن حکیم کی طرف رجوع ہونے والے ہیں کیونکہ خلق میں یہی چیزیں شمار ہوتی ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو "تبیاناً لکل شی" فرمایا ہے۔ اس سے بھی یہ بات لازم آتی ہے کہ سنت کافی الجملہ قرآن میں ہونا ضروری ہے"۔ (الموافقات جلد ۴ ص ۲۶ ۱۱ المسألۃ الثالثہ)

کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ شریعت میں اجتہاد و قیاس کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔ یہ بھی دراصل دین میں ایک ضروری امر ہے کیونکہ:

"جو احکام صریح وحی سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے مقابلہ میں نہایت کم ہیں۔ اگر ان کا حکم وحی صریح سے بذریعہ استنباط نہ معلوم کیا جائے تو یہ مہمل پڑے رہ جائیں گے اور دین کے کمال کا دعویٰ بیکار ہو جائے گا۔ اس بناء پر ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے"۔

(تلویح ص ۵۰)

غرض کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اور بھی زیادہ ضرورت لاحق ہو گئی' چنانچہ انہوں نے آپؐ کے انتقال کے بعد اجتہاد کیا۔ سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت کا مسئلہ پیش آیا۔ خلافت کے بارہ میں اختلاف واقع ہو گیا اور اختلاف نے شدت اختیار کر لی۔ لیکن جب یہ دلیل پیش کی گئی کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کی امامت کے لئے پسند فرمایا اس کو ہم اپنی دنیا کی امامت کے لئے پسند کر لیں۔ تو یہ اختلاف سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت پر ختم ہو گیا۔

سیدنا ابو بکرؓ خلیفہ منتخب ہو گئے اور انہوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی تو

Marfat.com

مسلمانوں میں ایک نئے اختلاف نے سر اٹھایا۔ وہ اختلاف جیش اسامہ کے سلسلہ میں تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں نے مدینہ کے اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی تھی، اس لئے مسلمانوں کے ممتاز اور سر بر آوردہ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ لشکر اسامہ مدینہ واپس بلوالیں تاکہ یہ طاقت مشرکین اور مرتدین کے خلاف استعمال کی جا سکے۔ لیکن سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا:

> "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابو بکرؓ کی جان ہے اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ درندے مجھ پر جھپٹ پڑیں گے تو بھی میں لشکر اسامہؓ کو ضرور بھیجوں گا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا لشکر ہے اور اگر آبادیوں میں میرے سوا اور کوئی متنفس باقی نہ بچے تو بھی یہ لشکر ضرور جائے گا"۔

پھر یہ بھی اجتہاد ہی تھا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظِ قرآن نے جام شہادت نوش کیا۔ سیدنا عمر بن خطابؓ، سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "یمامہ کی جنگ میں بہت سے حفاظ کام آگئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر دوسری جنگوں میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا تو قرآن حکیم کا بہت سا حصہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا' اس لئے میری رائے ہے کہ قرآن حکیم کو جمع کرا دیجئے۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکرؓ حیرت میں رہ گئے اور فرمایا کہ "میں یہ کام کیسے کروں گا جو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ دونوں بزرگوں میں اس بارہ میں طویل گفتگو ہوئی۔ بالآخر سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ کی رائے سے متفق ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "عمرؓ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا اور میں عمرؓ کا ہم خیال ہو گیا" اور پھر سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں قرآن حکیم کو جمع کروایا۔

سیدنا عمرؓ کو اجتہاد سے ایک وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے بعض اجتہادات کی تائید تو خود قرآن حکیم نے بھی کی اور بعض کو خود ذات نبوت نے بھی صحیح قرار دیا اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل کو حق سے نوازا ہے"۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۵۶۳) سیدنا عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے سیدنا ابو بکرؓ کی رائے کے خلاف اپنے عہد خلافت کا آغاز ہی اس حکم سے کیا کہ "مرتدین کے لونڈی اور غلام ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیئے جائیں" اور فرمایا "مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ عرب میں غلامی کا رواج قائم ہو"۔ انہوں نے سب سے پہلا لشکر جو عراق بھیجا اس کا سپہ سالار

Marfat.com

مہاجرین وانصار کے سابقون الاوّلون میں سے کسی کو نہ بنایا جو سیدنا ابو بکرؓ کا طریقہ تھا بلکہ ابو عبید ثقفی کو بنایا کیونکہ وہی سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے تین روز کی ہچکچاہٹ کے بعد اپنے آپ کو عراق جانے کے لئے پیش کیا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ، سیف اللہ کو ان کی بہترین کارکردگی کے باوجود سپہ سالاری کے عہدے سے معزول فرمادیا۔ حالانکہ ابو بکرؓ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کروں گا جو اللہ نے کافروں پر کھینچی ہے۔ اور بھی کئی مواقع پر سیدنا عمرؓ نے مختلف معاملات کے بارہ میں اپنا اجتہاد فرمایا، مثال کے طور پر انہوں نے شراب نوشی کی سزا مقرر فرمائی۔ جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ جس کے بارہ میں ابن وبرہ کلبی فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیجا۔ جس وقت میں مدینہ پہنچا سیدنا عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس اس وقت سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبدالرحمان بن عوفؓ، سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ اور سیدنا زبیر بن عوامؓ تشریف فرما تھے۔ ابن وبرہ کلبیؓ نے سیدنا عمرؓ سے عرض کیا کہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کہتے ہیں کہ لوگ کثرت سے شراب نوشی اختیار کرتے جارہے ہیں اور مجوزہ سزا کو کم سمجھ رہے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا یہ سب حضرات موجود ہیں آپ ان سے دریافت کریں۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ شراب نوشی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمائیں کیونکہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہوتا ہے اور نشہ میں ہذیان بکتا ہے اور ہذیان بکنے میں دوسروں پر تہمت لگاتا ہے لہٰذا آپ شراب نوشی کی سزا وہی مقرر کریں جو قذف کی ہے (سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۲۵۴۔ ۲۵۸ مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۷۵، مؤطا امام مالک جلد ۲ ص ۸۴۱ مصری 'المصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۷۸' طحاوی جلد ۲ ص ۸۸ 'کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱' المغنی جلد ۷ ص ۱۱۰ جلد ۸ ص ۳۰۷ وغیرہ) سیدنا عبدالرحمانؓ نے کہا کہ اسے حدود کی کم تر سزا کے مطابق اسی کوڑے بنادیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے شراب نوشی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمادی اور اس بارہ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ کو فرمان روانہ کردیا (المغنی لابن قدامہ جلد ۸ ص ۳۰۸) سیدنا عمرؓ کے نزدیک اسی کوڑوں کی سزا کو ۴۰ کوڑوں پر ترجیح دینے کی وجہ وہ روایت ہے جو سیدنا ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے شراب نوشی پر جوتوں کے چالیس جوڑے مارے اور سیدنا عمرؓ نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر فرمایا۔

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۲۸)

اسی وجہ سے مسلم میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابوبکر اربعین و عمرؓ ثمانین و کل سنۃ

سرکارِ دوعالم ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ نے شرابی کو چالیس چالیس کوڑے سزا دی اور سیدنا عمرؓ نے اسی (۸۰) کوڑے سزا دی اور یہ دونوں باتیں سنت ہیں۔ (مسلم جلد ۲ ص ۷۲ 'ابو داوٗد جلد ۲ ص ۲۶۰)

امام حاکمؒ نے سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی اسی (۸۰) کوڑے پورے کئے اور یہ سب سنت ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۸۱)

اگر شراب نوشی یا نشہ میں بد مستی کے ساتھ کوئی اور بات بھی موجود ہوتی تو سیدنا عمرؓ حد کے ساتھ تعزیر بھی جمع کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایک دفعہ حد کے ساتھ تعزیر بھی نافذ کی کیونکہ شراب نوشی کے جرم کا مرتکب خود سیدنا عمرؓ کا ایک بیٹا تھا تاکہ امیر المؤمنین کے اقرباء احکام شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں لوگوں کے لئے مثال بنیں۔ اور آپ اپنے اعزاء واقرباء کو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نے کوئی قابلِ سزا جرم کیا تو وہ ان کو دوسروں سے دگنی سزا دیں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "سیدنا عمرؓ جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو بھی اس بارہ میں فہمائش کرتے کہ میں نے فلاں کام کی ممانعت کی ہے اور لوگ تمہاری جانب اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے پرندہ گوشت کی طرف دیکھ رہا ہو۔ اگر تم لوگ اس کام کا ارتکاب کرو گے تو دوسرے بھی کریں گے۔ اور اگر تم لوگ محتاط رہو گے تو وہ بھی محتاط رہیں گے اور بخدا! اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑا گیا جس سے میں نے لوگوں کو منع کیا ہے تو میں اس کو اس وجہ سے کہ اس کا مجھ سے تعلق ہے' دگنی سزا دوں گا۔ اب جس کا جی چاہے وہ اس فعل کا ارتکاب کرے اور جو چاہے محتاط ہو جائے"۔

(المصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۴۳)

اپنے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے آپ نے اپنے صاحب زادے سیدنا عبدالرحمٰن پر حد شراب جاری کرنے کے بعد اس کو تعزیری سزا بھی دی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمان بن عمرؓ نے شراب نوشی کی اور ان کے ساتھ ابو سروعہ عقیبہ بن حارث نے بھی شراب پی۔ یہ دونوں ان دنوں مصر میں تھے۔ دوسرے

روز یہ دونوں گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"ہم نے شراب پی اور ہمیں نشہ ہو گیا۔ اب آپ ہمیں (حد شرعی نافذ کر کے) پاک کر دیجئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی نے مجھ سے بھی کہا کہ مجھے نشہ ہو گیا تھا۔ میں نے کہا گھر چلو تاکہ میں تمہیں پاک کر دوں۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ دونوں گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاصؓ کے پاس بھی جا چکے ہیں۔ اس پر میرے بھائی نے بتایا کہ وہ گورنر مصر کو بھی بتا چکے ہیں۔ عبداللہؓ نے کہا کہ اس قوم کے افراد کا سر لوگوں کے سامنے نہیں مونڈا جاتا۔ اندر آجاؤ کہ میں تمہارا سر مونڈ دوں اور اس زمانہ میں حدود کے نفاذ پر سر مونڈ دیا جاتا تھا۔ عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمان گھر کے اندر آ گئے اور میں نے ان کا سر مونڈ دیا۔ بعد ازاں سیدنا عمرو بن عاصؓ نے ان پر حد نافذ کی اور کوڑے لگائے۔ جب سیدنا عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے عمرو بن عاصؓ کو تحریر کیا کہ "عبدالرحمان کو فوراً میرے پاس بھیج دو۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ نے انہیں مدینہ سیدنا عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ سیدنا عمرؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کو کوڑے لگائے۔ اور چونکہ ان کا سیدنا عمرؓ سے قریبی تعلق تھا اس وجہ سے انہیں مزید سزا دی۔ پھر انہیں واپس بھیج دیا۔ وہ ایک ماہ ٹھیک رہے۔ ایک ماہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ جس وجہ سے عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کا انتقال سیدنا عمرؓ کے کوڑوں سے ہوا تھا حالانکہ یہ بات غلط ہے"۔ (المصنف عبدالرزاق جلد ۹ ص ۲۳۲)

اسی طرح سیدنا عمرؓ نے ایک شراب نوش کو اس بات پر تعزیری سزا دی کہ اس نے رمضان المبارک میں شراب پی اور اس طرح حرمت رمضان کو پامال کیا۔ آپ نے اسے اسی (۸۰) کوڑے حد میں لگائے اور بیس (۲۰) کوڑے تعزیراً لگائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲۱ ص ۱۳۲ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۹۷)

ایک مرتبہ ایک بوڑھا آپ کے سامنے پیش کیا گیا جس نے رمضان میں شراب

Marfat.com

پی تھی۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ اسے ناک کے بل گرائے (یعنی اسے ذلیل و خوار کرے) یہ بوڑھا رمضان میں شراب پی رہا ہے اور ہمارے جوان روزے رکھ رہے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے اسے کوڑے لگائے اور اسے شام جلاوطن کر دیا۔

(المصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۸۲ ' جلد ۹ ص ۲۳۲ ' المحلی لابن حزم جلد ۶ ص ۱۸۴)

جلاوطنی کی یہ تعزیری سزا دینا کچھ عرصہ کے بعد آپ نے ترک کر دیا کیونکہ آپ نے ربیعہ بن امیہ کو شراب نوشی پر جلاوطنی کی سزا دی اور اسے خیبر بھیج دیا۔ وہ وہاں سے ہرقل کے پاس چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "اب میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا"۔ (المصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۱۴ ' جلد ۹ ص ۲۳۰)

حد کے کوڑے لگانے کے بعد تعزیری سزا میں آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو کھڑا کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲۱ ص ۱۳۶)

پھر آپ نے یہ بھی عمل جاری کیا کہ اگر کوئی شخص بار بار شراب پیئے گا تو اس پر بار بار حد کی سزا جاری ہو گی اور وہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

(المحلی لابن حزم جلد ۱۱ ص ۳۶۶)

چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ابو محجن ثقفی کو آٹھ مرتبہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات مرتبہ شراب نوشی کی حد کے کوڑے مارے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۸۱ ' جلد ۹ ص ۲۲۱)

شراب نوشی کے جرم کا اثبات کئی طریقوں سے ہوتا تھا۔ جس شخص کے منہ سے شراب کی بدبو آتی اور وہ شراب کا عادی ہوتا تو اس پر حد شراب جاری کی جاتی (مصنف عبدالرزاق جلد ۹ ص ۲۲۸)۔ بحرین سے عبد قیس کے سردار جارود سیدنا عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی تھی اور انہیں نشہ ہو گیا تھا۔ اور میں یہ سمجھ کر کہ یہ حدود اللہ میں سے ایک حد ہے 'آپ کے پاس یہ مقدمہ لے کر آیا ہوں۔ سیدنا عمرؓ نے استفسار کیا کہ تمہارے پاس اور کون گواہ ہے؟ اس نے کہا: ابوہریرہ۔ آپ نے سیدنا ابوہریرہؓ کو بلایا اور ان سے اس بارہ میں پوچھا کہ: "کیا آپ گواہی دیتے ہیں؟" انہوں نے کہا کہ "میں نے قدامہ کو شراب پیتے نہیں دیکھا۔ البتہ میں نے انہیں نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "آپ نے شہادت میں شبہ پیدا کر دیا ہے"۔ پھر آپ نے قدامہ بن مظعون کو لکھا کہ وہ بحرین سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ جب قدامہ آ

Marfat.com

گئے تو جارود کھڑے ہوئے اور کہا کہ ان پر اللہ کا حکم جاری کیجئے۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا "تم مدعی ہو یا گواہ؟" جارود نے کہا "میں گواہ ہوں"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "تم گواہی دے چکے ہو"۔ اس پر جارود خاموش ہو گئے۔ اگلے روز جارود پھر امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "اس پر اللہ کا حکم جاری کیجئے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "میں سمجھتا ہوں کہ تم تو مدعی ہو اور تمہارے دعویٰ کے حق میں گواہی صرف ایک شخص نے دی ہے"۔ جارود نے کہا "میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں"۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "آپ اپنی زبان بند رکھیں ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔ اس پر سیدنا ابو ہریرہؓ نے کہا کہ اگر آپ کو ہماری گواہی میں شک ہے تو آپ ولید کی بیٹی یعنی قدامہ کی بیوی کو بلا لیجئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے قدامہ کی بیوی ہند بنت ولید کو بلوالیا اور انہوں نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ اب سیدنا عمرؓ نے قدامہ سے کہا: "میں تم پر حد جاری کروں گا"۔ چنانچہ آپ نے اس کو کوڑے مارے حالانکہ وہ بیمار تھے"۔ (المصنف عبدالرزاق جلد ۹ ص ۲۴۰، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۳۱۵)

ابن قدامہ نے اپنی کتاب المغنی میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے، لیکن اس میں دوسرا گواہ ابو ہریرہؓ کے بجائے علقمہ ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو المغنی جلد ۱۱ ص ۱۴۸، جلد ۸ ص ۳۱۰)

مسئلہ قضا و قدر

قضا و قدر کا مسئلہ دین اسلام میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے ائمہ سے اس میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ طاعون کے موقع پر آپ نے شام کا سفر کیا۔ جب آپ "سرغ" کے مقام پر پہنچے تو پتہ چلا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے۔ سیدنا عمرؓ نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کو سیدنا عمرؓ کی اس بات پر غصہ آیا کیونکہ ان کے خیال میں جو کچھ ہوتا ہے وہ قضائے الٰہی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے کہا:

أفرار من قدر الله؟ کیا آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں؟

سیدنا عمرؓ نے جواب دیا

نعم نفر من قدر الله الیٰ قدر الله

ہاں، ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں

چنانچہ آپ وبا زدہ شہر میں داخل نہیں ہوئے۔ اسی طرح جن شہروں میں جانا

Marfat.com

خلاف مصلحت سمجھا وہاں آپ نہیں گئے۔

وظائف کی تقسیم میں عدم مساوات

اسی طرح آپ نے وظائف کی تقسیم میں سبقت اسلام یا رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان امتیاز قائم کیا جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں۔ آپ نے جزیرۃ العرب اور مفتوحہ علاقوں کے بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر اجتہاد فرمایا، لیکن آپ کے کچھ اجتہادات ایسے تھے جن سے عہد فاروقی خاص طور پر متاثر ہوا اور آپ کے بعد بھی انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی زندگی پر مثبت اور منفی' موافق اور مخالف اثرات چھوڑے۔ آپ نے نئے تہذیبی اور ارتقائی حالات کا مقابلہ اپنے ارتقائی اصولوں سے کیا جو اسلامی شریعت کے عمومی اصولوں سے ماخوذ تھے۔ سیدنا عمرؓ نے زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی' معاشرتی ہوں یا قانونی ایسی ترقی پذیر تبدیلیاں کر دیں جو ایک طرف امت مسلمہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو بروئے کار لے آئیں اور دوسری طرف مسلم معاشرے کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے دور بھی نہ ہونے دیا۔ قاضیوں کے نام جو فرامین اور احکام آپ نے جاری کئے وہ آج کل بھی قاضیوں، قانون دانوں اور حکومت کے مالی امور کے ماہرین کے لئے مشعل راہ اور راہنما اصولوں کا کام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے اجتہادات کی اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک خاص اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اسلامی حکومت کی تعمیر میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی تعلیمات کی روح کو کمال درجہ کی مہارت کے ساتھ سمویا جس سے ان کی عظمت اور استحکام میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔

طلاق کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا فیصلہ

شریعت اسلامیہ میں طلاق سے مراد نکاح کے بندھن کو کھول دینا ہے۔ طلاق اگرچہ اسلام میں دینا جائز ہے لیکن بلا ضرورت اور بلا جواز طلاق دینا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگرچہ طلاق دینا حلال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک مبغوض شے ہے اس لئے ہنسی مذاق میں بھی اگر کوئی طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک انتہائی اہمیت کا حامل معاملہ ہے' اگر اس میں مذاق کی گنجائش رہنے دی جاتی تو آوارہ اور بے ہودہ لوگ

Marfat.com

ازدواجی تعلقات کو کھیل تماشہ بنا دیتے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "تین امور ایسے ہیں جن میں سنجیدہ آدمی اور ہنسی مذاق کرنے والے برابر ہیں۔ (۱) طلاق (۲) صدقہ اور (۳) عتاق (غلام کا آزاد کرنا)۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۱۳۴) اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "چار امور ہر حال میں نافذ ہو جاتے ہیں' (۱) عتاق (۲) طلاق (۳) نکاح اور (۴) نذر (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۴۴' مغنی ابن قدامہ جلد ۶ ص ۵۳۵' جلد ۷ ص ۱۳۵) چنانچہ ایک شخص نے ہنسی مذاق میں اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ جب یہ مقدمہ سیدنا عمرؓ کے پاس گیا تو اس شخص نے کہا کہ "میں تو مذاق کر رہا تھا"۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے سر پر مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا اور ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی (مصنف ابن لی شیبہ جلد ا ص ۲۴۴ السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۴۳) لیکن اگر کوئی شخص دھوکہ کھا کر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہیں ہو گی۔ چنانچہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا کوئی نام تجویز کرو۔ شوہر نے کہا تو تو ہرنی ہے۔ اس نے کہا یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔ شوہر نے کہا اچھا تم ہی بتاؤ کہ میں تمہارا کیا نام رکھوں؟ وہ بولی "تم میرا نام "خلیہ طالق"۔ (بے مہار آزاد) رکھ دو۔ شوہر نے اس کا تجویز کردہ نام رکھ دیا۔ بعد ازاں اس عورت نے سیدنا عمرؓ کے پاس آکر کہا "میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلایا' اس نے تمام واقعہ سیدنا عمرؓ کو سنا دیا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے سر پر کوڑا مارا اور اس کے شوہر سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اسے مارو۔ (المحلی لابن حزم جلد ا ص ۲۰۰)

ایک شخص نے کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اسے تین طلاق۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "جس طرح تم نے کہا اسی طرح ہو گا" یعنی تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۴۲۱) اگر کسی شوہر نے طلاق کا اختیار اپنی بیوی کو تفویض کر دیا تو عورت کو یہ اختیار اس وقت تک رہے گا جب تک وہ اسی مجلس میں ہے جس میں اسے وہ اختیار تفویض کیا گیا تھا۔ اگر وہ مجلس سے اٹھ جائے تو اس کا یہ اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اور پھر سے طلاق کا حق شوہر کو لوٹ جائے گا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اس کو فیصلے کا اختیار دے دیا تو پھر اگر اس مجلس سے وہ دونوں جدا ہو جائیں اور اس مجلس میں کوئی بات وقوع پذیر نہ ہو تو طلاق کا حق شوہر کو لوٹ جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۲۲۹' مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۵۲۵)۔

طلاق کی دو قسمیں ہیں

Marfat.com

۱۔ طلاق سنت : طلاق سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو۔ اس طلاق کے علاوہ ہر طلاق بدعی ہے سیدنا عبداللہ بن عمر نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا "اسے چاہئے کہ طلاق سے رجوع کرے اور اسے اپنے پاس رکھے تا کہ وہ پاک ہو جائے اور اسے پھر حیض آئے اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں ہو۔ اب اگر وہ پھر بھی اسے طلاق دینا چاہئے تو اس طہر میں طلاق دے اس سے قبل کہ اس سے جماع کرے۔ پھر وہ اللہ کے حکم کے مطابق عدت گزارے۔

(بخاری 'باب اذا طلقت الحائض' مسلم حدیث نمبر ۱۴۷۱ 'ابو داؤد حدیث نمبر ۲۱۷۹)

۲۔ طلاق بدعت : ہر وہ طلاق جو طلاق سنت کے خلاف دی جائے' طلاق بدعت ہے۔ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاقیں دینا بھی طلاق بدعت ہے (المغنی جلد ۷ ص ۱۰۲) جو شخص ایک طہر میں تین طلاق دیتا تھا سیدنا عمرؓ اس کے لئے تین طلاق واقع ہو جانے کا فیصلہ دینے کے ساتھ ساتھ اسے سزا بھی دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۳۴ مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۳۹۶ 'معانی الآثار جلد ۲ ص ۵۹)

اگر کسی شخص نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں تو سیدنا عمرؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک اسے ایک طلاق بائن قرار دیتے تھے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے معاملہ میں غیر محتاط روش اختیار کرنے لگے ہیں اور کثرت سے ایسی طلاق دینے لگے ہیں تو آپ کی رائے یہ ہوئی کہ ان کو اس سے باز رکھنے کے لئے ان پر سختی کریں تو آپ نے ایسی تین طلاقوں کو حقیقی طلاقیں قرار دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ ابو الصباء نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور سیدنا ابو بکرؓ کے عہد میں اور سیدنا عمرؓ کے ابتدائی عہد میں اگر کوئی شخص قبل دخول بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو اسے ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا "ہاں یہ درست ہے۔ لیکن جب سیدنا عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بکثرت تین طلاق دینے لگے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ طلاقیں ان پر نافذ کر دو۔

(مسلم حدیث نمبر ۱۴۷۲ ' ابو داؤد حدیث نمبر ۲۱۹۹ 'النسائی جلد ۶ ص ۱۴۵)

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنی باکرہ بیوی کو قبل دخول تین طلاقیں دے دیتا تو سیدنا عمرؓ ان دونوں کے درمیان تفریق کرادیتے تھے اور اسے مارا بھی کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۳۳۲) ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۴)

سیدنا عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ اجماع صحابہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں :

من طلق ثلاثاً فی لفظ واحد فقد جهل و حرمت علیه زوجته ولا تحل له ابداً حتی تنكح زوجاً غیره (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۷)

جس شخص نے ایک کلمہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس نے جہالت کا ارتکاب کیا' لیکن اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس کے لئے وہ کبھی حلال نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

یہ فیصلہ سیدنا عمرؓ کا تنہا نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کا تھا۔ روایتوں میں ہے کہ "سیدنا عمرؓ نے سب لوگوں سے اس بارہ میں خطاب فرمایا اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی تھے جو بخوبی جانتے تھے کہ اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے متعلق کیا ہو تارہا؟ لیکن ان میں سے کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی نے سیدنا عمرؓ کے اس حکم کو ٹالا۔ تو یہ ایک بہت بڑی حجت ہے کہ اس کے خلاف جو پہلے ہو تارہا وہ منسوخ ہے کیونکہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ ایک عمل پر متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے۔ اور جس طرح نقل پر ان کا اجماع وہم و خطا سے پاک ہے' اسی طرح رائے پر بھی ان کا اجماع وہم اور خطا سے بری ہے"۔

(شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۲۹)

اس بارہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا فیصلہ بھی سن لیں کہ :

"تحریم متعہ اور اسی طرح تین طلاقوں کے تین ہونے پر سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں اتفاق و اجماع واقع ہو چکا ہے۔ اور ان کا اجماع اس امر پر دال ہے کہ ان کو ناسخ کا علم ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس سے قبل

Marfat.com

بعض کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔ اب جو شخص اس اجماع کے بعد اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اجماع کا منکر اور اس کا تارک ہے۔ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ اجماع کے بعد اتفاق کرنا مردود ہے"۔

(فتح الباری جلد ۹ ص ۲۹۳)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے قائد سیدنا عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ میں تین طلاقیں یک وقت دے کر حماقت اور جہالت کا ثبوت پیش کرنا شروع کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشد اور ان کے دوسرے رفقاء کی زبان پر شریعت اور تقدیر کی رو سے یہ حکم جاری اور ساری کر دیا کہ جو شے لوگوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے اس کا اجراء اور نفاذ کر دیا جائے۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۷)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جمہور نے یہی مذہب سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمروؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عمران بن حصینؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور سیدنا حسن بن علیؓ کا نقل کیا ہے اور تابعین کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ (اغاثۃ اللھفان جلد ۱ ص ۳۲۲)

اس بات پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں

ان اھل السنۃ والجماعۃ متفقون علیٰ ان اجماع الصحابۃ حجۃ

اہل السنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کو تین شمار کرنا، یہ سیدنا عمرؓ کا فعل خاص مصلحت وقت کے تحت تھا' کیونکہ عہد فاروقی میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد ان سے شفقت و نرمی کا برتاؤ نہ کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ عراق اور شام کی کنیزیں بکثرت آ گئی تھیں اور مدینہ اور جزیرۃ العرب کے لوگ ان کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ان خوب صورت اور دل پسند کنیزوں کو خوش کرنے کے لئے بیویوں کو بہ عجلت و شدت اور بہ یک لفظ تین طلاقیں دینی شروع کر دیں' تاکہ ان کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ اپنے چاہنے والے کے دل پر تنہا قابض ہے۔ شاید اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کی بناء پر صدر اول کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو از راہ بے پروائی اور ایذا رسانی ایک ہنسی کھیل بنا لیا

Marfat.com

تھا۔ان میں ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے تاکہ دوسرے شخص سے نکاح کئے بغیر وہ اس کے لئے حلال نہ ہو سکے۔اس کے باوجود جب شوہر اپنی پہلی بیوی سے رجوع کرتا تھا تو یہ مراجعت گھر میں ایک ایسے جھگڑے کی بنیاد ڈال دیتی تھی کہ زندگی کا سارا اطمینان وسکون غارت ہو کر رہ جاتا تھا۔

اسی قسم کے اسباب تھے۔ جنہوں نے سیدنا عمرؓ کو یہ حکم جاری کرنے پر مجبور کیا کہ بیک وقت تین طلاقیں بھی وہی تین طلاقیں شمار ہوں جو بہ دفعات دی جاتی ہیں۔انہوں نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دیتا ہے وہ بے حس اور یاوہ گو انسان ہے۔اسے اپنی یاوہ گوئی اور بے حسی کا بوجھ اٹھانا چاہئے۔

یہ خیال جن لوگوں کا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ سیدنا عمرؓ کے بارہ میں یہ تصور دلانا کہ انہوں نے معاذ اللہ وقتی مصلحت کے تحت رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تبدیل کر دیا' بہت بڑی جرأت ہے۔اس کے بارہ میں ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔ابھی یہی بات اپنے قارئین کو بتانا چاہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا اور اس میں تین شمار کرنا سیدنا عمرؓ نے اس کو حکماً جاری نہیں کیا تھا۔بلکہ سیدنا عمرؓ کا یہ حکم قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ سیدنا عائشہؓ سے روایت ہے کہ :

> "ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی اور دفعۃً) دے دیں۔اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور اس شخص نے (ہم بستری سے قبل) اسے طلاق دے دی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ سے اس بارہ میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہے ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے ہم بستری نہ کر لے اور لطف اندوز نہ ہو جائے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۷۹۱ ،مسلم جلد ا ص ۴۶۳ 'سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۴)

ایک اور حدیث میں محمود بن لبیدؓ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ یہ سن کر آپ غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ کیا میری موجودگی میں بھی کتاب اللہ سے کھیلا جا رہا ہے ؟ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر

دوں؟ (نسائی جلد ۲ص ۸۲)

اس حدیث میں اگرچہ یہ مذکور ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اس طلاق سے سخت ناراض ہوئے لیکن یہ ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ آپ نے دفعتاً تین طلاقیں دینے کو ناپسند فرمایا۔ لیکن اس ناراضی کے باوجود آپ نے ان تینوں کو نافذ فرمادیا۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"پس رسول اللہ ﷺ نے دفعتۃً دی جانے والی تین طلاقوں کو رد نہیں فرمایا' بلکہ ان کو نافذ کردیا"۔ (تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۳ص ۱۲۹)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دے دی پھر ارادہ کیا کہ باقی دو طلاقیں بھی دو حیض (یا طہر) میں دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا: "تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم تو نہیں دیا۔ تو نے سنت کے خلاف ورزی کی ہے"۔ وہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تو رجوع کرلے۔ چنانچہ میں نے رجوع کرلیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جب وہ طہر کے زمانہ میں داخل ہو تو اس کو طلاق دے دینا اور اگر مرضی ہوئی تو بیوی بنا کر رکھ لینا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی: "یا رسول اللہ! یہ تو بتلائیں کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا پھر اس کی طرف رجوع کرلینا میرے لئے حلال ہوتا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں بلکہ وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور تمہارا ایسا کرنا معصیت ہوتا"۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۴' مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۳۶' نصب الرایہ جلد ۳ ص ۲۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق بھی تین طلاقیں دے دینے کے بعد پھر رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

ایک دفعہ ایک شخص سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو حالت حیض بتۃ (قطع تعلق کرنے والی اور یہاں مراد تین طلاقیں ہیں) طلاق دے دی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا تو نے اپنے رب کی معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کے ساتھ بھی تو ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے تو اس کو رجوع کا حق دیا تھا۔ اس پر سیدنا عمرؓ

Marfat.com

نے فرمایا: ”بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ اس لئے کہ اس کی طلاق باقی تھی (یعنی اس نے صرف ایک طلاق دی تھی) اور (تیری چونکہ کوئی طلاق باقی نہیں رہی یعنی تو نے تینوں طلاقیں دفعۃً دے دی ہیں) تیرے لئے تو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق نہیں رہا“۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۴، مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۳۵)

جو حضرات دفعۃً دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں، ان کی سب سے بڑی دلیل وہ روایت ہے جس کے بارہ میں طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے حالانکہ ان کو سوچنے سمجھنے کا وقت مہیا تھا۔ ہم کیوں نہ ان کو ان پر نافذ کر دیں تو سیدنا عمرؓ نے ان پر تین طلاق ہی نافذ کر دیں۔

(مسلم جلد ۱ ص ۴۷۷، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۶، مستدرک جلد ۲ ص ۱۹۶)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت جس پر رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت اور سیدنا عمرؓ کے ابتدائی دو سالوں (اور ایک روایت کے مطابق تین سالوں تک ملاحظہ ہو مسلم جلد ۱ ص ۴۷۸) عمل ہوتا رہا وہ یہی تھا کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ جمہور علماء کی طرف سے اس روایت کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ روایت سیدنا ابن عباسؓ کی جملہ صحیح روایات کے خلاف ہے، (سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۷)۔ ابن رُشد نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس کے تمام جلیل القدر شاگرد جیسے سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، عطاؒ، عمرو بن دینارؒ اور ان کے علاوہ ان کے شاگردوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس کے خلاف روایت کرتی ہے۔ صرف طاؤسؒ اس پوری جماعت کے خلاف روایت کرتے ہیں۔

(بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۶۱)

دوسرا جواب اس روایت کا یہ دیا گیا ہے کہ اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلافت صدیقی اور سیدنا عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ بلکہ اس روایت کا یہ مطلب ہے کہ ان زمانوں میں عموماً ایک وقت میں بجائے تین طلاقوں کے صرف ایک طلاق دی جاتی تھی۔ اس کے بعد اگر خاوند مناسب سمجھتا

Marfat.com

تو دوسرے اور تیسرے طہر میں مزید طلاق دے دیتا۔ ورنہ ایک طلاق ہی پر اکتفا کر لیتا اور عدت گزرنے کے بعد عورت اس کے نکاح سے آزاد ہو جاتی۔ اگرچہ تین کا ثبوت بھی اس مبارک عہد میں ہے جیسا کہ محمود بن لبیدؓ کی روایت میں ہے لیکن بہت کم ایسا ہوتا تھا۔ بعد میں سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں (آج کل کی طرح) اس کارواج بکثرت ہو گیا' تو آپ نے تین ہی کو لوگوں پر نافذ کر دیا۔ چنانچہ امام ابو زرعہ رازیؒ اور امام عبید اللہ بن عبد الکریم اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں (ملاحظہ ہو سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۸) امام نوویؒ، علامہ زرقانی، امام خطابی وغیرہ بھی اس حدیث کا یہ معنی بیان فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو نووی جلد ۱ ص ۴۷۸' زرقانی مؤطا جلد ۲ ص ۱۶۷' معالم السنن جلد ۳ ص ۱۲۷)

تیسرا جواب اس روایت کا یہ دیا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ کی یہ روایت منسوخ ہو کیونکہ ان کا اپنا فتویٰ اس روایت کے خلاف ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک حکم انہیں معلوم ہو اور وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۸)

چوتھا جواب اس روایت کا یہ دیا جاتا ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ کی یہ روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بہا کے بارہ میں یعنی یہ اس عورت کے بارہ میں ہے جس کے ساتھ ابھی تک شوہر نے ہم بستری نہ کی ہو۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۳۵۵) مسلم کی اس روایت میں "قبل ان یدخل بھا" کا لفظ رہ گیا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں بلا کسی اختلاف کے اس حدیث کے ظاہر کے خلاف اجماع منعقد ہوا اور ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین اس کے خلاف پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری سے قبل تین طلاقیں دے دیتا تو وہ رسول اللہ ﷺ اور خلافت ابو بکرؓ اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دور میں ان کو ایک قرار دیتے تھے"۔ (زاد المعاد جلد ۴ ص ۶۱)

خود سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں بھی اگر کوئی شخص دخول سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو پہلی طلاق سے وہ بائن ہو جاتی اور باقی طلاقیں رائیگاں قرار پاتیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو جس سے دخول نہیں کیا کہا کہ: "انت طالق' انت طالق' انت طالق" تو پہلی طلاق سے بیوی بائن ہو جائے گی اور باقی دو کچھ نہیں ہیں۔

Marfat.com

(سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۳۵۵)

معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت غیر مدخول بہا کے بارہ میں ہے ہر مطلقہ کے بارہ میں نہیں ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ متفرق طور پر انت طالق' انت طالق' انت طالق سے اس کو طلاق دی گئی ہو۔

بعض حضرات نے سیدنا عمرؓ کے اس فعل کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ شرعی نہ تھا بلکہ سیاسی تھا۔ یہ بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے معاذ اللہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت کو بدل ڈالا۔ اور یہ کہنا کہ ان کی خلافت کے بعد اس کے بحال رہنے یا نہ رہنے میں اختلاف ہوا۔ سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ اگر ان کا یہ فعل سیاسی ہوتا، شرعی نہ ہوتا تو تمام ائمہ حدیث و فقہ اسے من و عن قبول نہ کرتے اور آج تک کسی امام حدیث نے یہ نہیں لکھا کہ سیدنا عمرؓ کا یہ حکم محض ایک سیاسی حکم تھا۔ بلکہ تمام محدثین نے سیدنا عمرؓ کے اس حکم کی موافقت دلائل شرعیہ سے کی ہے۔

مسلم کی اس روایت میں جس کو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے اور جتنے دلائل دیئے جاتے ہیں اور جو احادیث اس بارہ میں پیش کی جاتی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیک وقت تین طلاقوں کو ایک قرار دیا' سب ضعیف ہیں' لہٰذا ان کے بارہ میں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

متعہ کی حرمت کا اعلان

نکاح متعہ وہ نکاح ہے جو ایک مقررہ مدت کے لئے کیا جاتا ہے اور جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو تفریق واقع ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ابتدائی زمانے میں متعہ حلال تھا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبان سے اس کو قیامت تک کے لئے قطعی طور پر حرام قرار دے دیا اور ابتداء میں جو اجازت تھی وہ منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ سبرۃ الجہنی کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا:

> "اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔

Marfat.com

اب جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو وہ اس کو آزاد کر دے اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہو وہ ان سے واپس لے لو"۔

(مسلم 'باب نکاح المتعہ حدیث نمبر ۱۴۰۹)

ایک مرتبہ آپ نے اعلان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو قسم کے متعہ تھے۔ ان میں سے متعہ نساء سے میں منع کرتا ہوں اور اس پر سزا دوں گا اور مجھے اگر ایسے کسی شخص پر قدرت حاصل ہو گئی جس نے مقررہ مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کیا ہو تو میں اسے پتھروں سے ڈھانپ دوں گا (یعنی سنگ سار کر دوں گا) دوسرا متعہ 'متعہ حج ہے۔ تم اپنے حج اور عمرہ میں فصل کرو کہ اس طرح تمہارا حج بھی مکمل ہو گا اور عمرہ بھی مکمل ہو گا"۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۶ 'المحلی جلد ۷ ص ۱۰۷)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ متعہ کرتے تھے پھر آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ بعد ازاں وقتی طور پر اس کی رخصت دی گئی اور پھر قیامت تک کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔ بعض لوگوں کو اس آخری تحریم کا علم ہوا تو انہوں نے اسے تا قیامت تحریم کا حکم سمجھا۔ اور بعض لوگوں کو جب اس حرمت کا حکم پہنچا تو وہ سمجھے کہ یہ وہی حکم ہے جو رخصت سے پہلے تھا اور بعد میں اجازت مل گئی تھی 'لہٰذا وہ رخصت پر عمل پیرا رہے۔ (نووی جلد ۹ ص ۱۷۹ 'مصر' فتح الباری جلد ۱۱ ص ۱۷۰)

متعہ کے بارہ میں بعض لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہے 'لہٰذا ہم اس کو یہاں ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ متعہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے نازل ہونے سے قبل جاہلیت کی عادت اور رسم ورواج کے مطابق لوگ متعہ کیا کرتے تھے اور اب تک اس کے بارہ میں کوئی واضح اور صریح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے ۷ ھ میں جنگِ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ پھر ۸ ھ میں جنگ اوطاس میں صرف تین روز کے لئے متعہ کی اجازت ہوئی اور اباحت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں نے حسبِ سابق متعہ کر لیا تھا اور جنگِ خیبر کے موقع پر جو متعہ کی ممانعت کی گئی تھی 'اس کا ان کو علم نہ تھا۔ اس لاعلمی میں جن لوگوں نے متعہ کر لیا تھا ان پر مواخذہ نہ کیا گیا لیکن اس کے بعد جب سرکارِ دو عالم ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا: "متعہ قیامت تک کے لئے حرام کیا گیا ہے"۔ فتح مکہ کے بعد ہزاروں لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کو متعہ کی حرمت کا علم

Marfat.com

نہیں تھا۔ انہوں نے ناواقفیت کی بناء پر مقام اوطاس میں لاعلمی کی بناء پر متعہ کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر متعہ کی دائمی حرمت کا اعلان فرمایا۔ پھر غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ عورتوں کو مسلمانوں کے خیموں کے قریب گھومتے پھرتے دیکھا۔ پوچھا: "یہ کون عورتیں ہیں؟" بتایا گیا کہ ان عورتوں سے کچھ لوگوں نے متعہ کیا ہے۔ یہ سن کر آپ سخت ناراض ہوئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں اس کی ممانعت کا اعلان دہرایا۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ہم نے کبھی متعہ نہیں کیا۔

بعض لوگوں کو تحریم متعہ کے اس بار بار اعلان سے یہ گمان ہو گیا کہ متعہ دو یا تین مرتبہ حلال کیا گیا اور دو تین مرتبہ حرام کیا گیا حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ دو تین بار اس کی حرمت کے اعلان کو دہرایا گیا۔ حرام یہ ایک ہی مرتبہ جنگِ خیبر میں ہو گیا تھا۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ آج کل جس شے کو متعہ کہا جاتا ہے' یہ اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں رہا۔ متعہ کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ متعہ سے مراد نکاح موقت ہو یعنی ایک وقت معین کے لئے گواہوں کی موجودگی میں کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کیا جائے اور مدت معینہ گزرنے کے بعد بلا طلاق مفارقت واقع ہو جائے۔ لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لئے ایک مرتبہ ایام حیض کا انتظار کرے۔ یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی جو بعد میں ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی متعہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک روز کے لئے متمتع ہوں گا اور ایک روز کے انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا۔ یہ چیز عین زنا ہے۔ متعہ کی یہ صورت اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں رہی۔ بلکہ متعہ کی یہ صورت کسی بھی دین میں کبھی بھی حلال نہیں ہوئی۔ یہ پہلی صورت بھی اسلام میں بایں معنی جائز تھی کہ شریعت میں اس خاص صورت کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ شراب اور سود ابتداء اسلام میں مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا جن لوگوں نے ممانعت سے قبل شراب پی یا سود لیا، شریعت کی طرف سے ان کو کوئی مواخذہ نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی سزا دی گئی۔ یہاں تک کہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی قولاً کوئی اجازت نہیں دی تھی۔ جاہلیت سے یہ نکاح موقت چلا آیا رہا، اس کی

Marfat.com

حرمت کا اعلان غزوہ خیبر میں ہوا۔ اور بعد میں دو تین مواقع پر اس اعلان کو دہرایا گیا تاکہ جن کو اس کی حرمت کا علم نہیں ہے انہیں علم ہو جائے۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی جلد ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاعتبار حازمی ص ۱۸۰)

سیدنا عمرؓ اور حرمت متعہ

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے متعہ کی حرمت جنگ خیبر میں ہوئی اس کے بعد جنگ اوطاس' میں پھر فتح مکہ کے روز' پھر جنگ تبوک وغیرہ میں اس حرمت متعہ کے اعلان کو دہرایا گیا۔ سیدنا عمرؓ روایات کے اس الجھاؤ کو "حد" ساقط کر دینے والا شبہ خیال کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حد صرف اسی صورت میں جاری کی جا سکتی ہے جب مجرم کو معلوم ہو کہ اس کا جرم قابلِ حد ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف پر نکاح متعہ کرنے کے باوجود حد زنا جاری نہیں کی۔ یہ واقعہ روایات میں اس طرح ہے کہ سیدہ خولہ بنت حکیمؓ سیدنا عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے نکاح متعہ کیا تھا اور وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ سیدنا عمرؓ گھبراہٹ سے اپنی چادر کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا کہ اگر میں متعہ کی حرمت کے بارہ میں پہلے اعلان کر چکا ہوتا تو میں اسے ضرور سنگسار کر دیتا۔
(مؤطا امام مالک جلد جلد ۲ ص ۵۴۲ مصر' مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۵۰۱' سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۶)

سیدنا عمرؓ نے جب دیکھا کہ یہ معاملہ پھیل رہا ہے اور ایک قطعی تدبیر کی ضرورت ہے تو آپ نے نکاح متعہ کے بارہ میں سخت موقف اختیار کیا اور اس معاملہ میں نہایت سختی کی اور قطعی طور پر اس کی ممانعت فرما دی اور منبر پر بھی اس ممانعت کا اعلان فرمایا اور متعہ کرنے والوں پر بھی اس طرح کڑی نظر رکھی کہ سیدنا سعید بن المسیبؒ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سیدنا عمرؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اگر وہ متعہ سے اس طرح نہ روکتے تو لوگ کھلم کھلا زنا کرتے"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۲۲)

متعہ کے بارہ میں سختی کرنے اور قطعیت اختیار کرنے کا مرحلہ اس وقت پیش آیا جب عمرو بن حریث نے بنی عامر بن لوئی کی نوجوان لڑکی سے نکاح کر لیا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ سیدنا عمرؓ کو یہ بات بتائی گئی تو سیدنا عمرؓ نے اس لڑکی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ مجھ سے عمرو بن حریث نے متعہ کیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے عمرو بن حریث سے پوچھا تو انہوں نے

Marfat.com

اعتراف کر لیا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا "تم نے کسی کو گواہ بنایا تھا؟" انہوں نے کہا "مجھے نہیں معلوم" یا انہوں نے کہا "اس کی ماں اور بہن کو" یا یہ کہا کہ "اس کی ماں اور بھائی کو" یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمرؓ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا "لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ متعہ کرتے ہیں اور عادل لوگوں کو گواہ نہیں بناتے؟ اب میں کسی مسلمان کو متعہ کرتے پاؤں گا تو اس پر حد جاری کروں گا"۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۵۰۰)

سیدنا عمرؓ مسلسل اپنے خطبوں میں لوگوں کو متعہ کی ممانعت یاد دلاتے اور انہیں تنبیہ فرماتے کہ اگر کسی نے اس ممانعت کے بعد متعہ کیا تو آپ اس پر حد جاری کریں گے۔ ایک مرتبہ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا "جب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمادیا ہے تو پھر لوگ کس طرح ایسا کر رہے ہیں؟ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا تو میں اسے رجم کردوں گا۔" (سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۲۰۶)

ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ جس امر کو چاہتا تھا اپنے نبی کے لئے حلال کر دیتا تھا۔ اب قرآن پورا نازل ہو چکا ہے۔ اب تم اپنے حج اور عمرہ میں تو فصل کرو لیکن عورتوں سے نکاح پختہ اور مستقل کرو (وقتی اور غیر مستقل نکاح یعنی متعہ نہ کرو) میرے پاس اگر کوئی شخص لایا گیا جس نے ایک مدت تک کے لئے نکاح کیا ہو گا تو میں اسے رجم کردوں گا"۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ ص ۲۱)

ایک دفعہ آپ نے فرمایا: "اگر میرے پاس کوئی شخص لایا گیا جس نے محصن ہونے کے باوجود متعہ کیا ہو گا تو میں اسے رجم (سنگسار) کروں گا اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) متعہ کرے گا تو میں اسے کوڑے ماروں گا"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۲۲۰)

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ سیدنا عمرؓ نے متعہ سے صرف اس صورت میں منع کیا تھا جب اس میں دو عادل گواہ نہ ہوں۔ اور اگر عادل گواہ موجود ہوں تو سیدنا عمرؓ نے اسے جائز قرار دیا ہے (المحلی لابن حزم جلد ۹ ص ۵۲۰) یہ مغالطہ انہیں اس روایت سے ہوا ہے جو مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۵۰۱ میں ربیعہ بن امیہ بن خلف کے بارہ میں گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اس میں انہوں نے دو عورتوں کو گواہ بنالیا' ان میں ایک خولہ بنت حکیمؓ تھیں۔ انہیں اچانک معلوم ہوا کہ لڑکی حاملہ ہو گئی ہے 'لہٰذا خولہؓ نے سیدنا عمرؓ سے اس کا ذکر کیا۔ وہ غصے سے چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور فرمایا "مجھے اطلاع ملی ہے کہ ربیعہ بن امیہ نے مدینہ کی ایک لڑکی سے دو عورتوں کو گواہ بنا کر متعہ کیا ہے۔ اگر میں

Marfat.com

پہلے سے اس کی ممانعت کا اعلان کر چکا ہوتا تو اسے رجم کر دیتا"۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۵۰۱)

ایسے ہی عمرو بن حریث کی روایت میں گزر چکا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "لوگوں کو کیا ہوا کہ متعہ تو کرتے ہیں اور عادل لوگوں کو گواہ نہیں بناتے"۔ اسی طرح سنن بیہقی میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے خفیہ طور پر نکاح متعہ کر لیا۔ وہ اس کے آس پاس آتا جاتا تھا۔ اس کے پڑوسی نے اسے دیکھا اور اس پر تہمت لگائی وہ اس بات کی شکایت سیدنا عمرؓ کے پاس لے کر گیا۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ اس کے اس نکاح کے گواہ کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا "امیر المؤمنین! یہ ذرا کم حیثیت بات ہے اس لئے میں نے اس کے گھر والوں ہی کو گواہ بنا لیا تھا"۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے اور اس کے قاذف سے حد ساقط کر دی اور فرمایا "عورتوں سے تعلق میں پاک دامنی اختیار کرو اور نکاح کا اعلان کرو اور آپ نے متعہ سے منع فرما دیا"۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۲۹۰)

ان تمام روایات میں چند امور جمع ہو گئے تھے۔ ایک یہ کہ یہ نکاح متعہ تھا اور دوسرا یہ کہ بغیر گواہوں کے نکاح تھا۔ یا خفیہ اور بغیر اعلان کے ساتھ۔ چنانچہ جہاں گواہوں کی ضرورت پر متنبہ کرنے کی حاجت تھی وہاں آپ نے گواہوں کی ضرورت پر متنبہ کیا لیکن ساتھ ہی متعہ کی ممانعت بھی کی، قطع نظر اس کے کہ متعہ بغیر گواہوں کے ہوا ہو یا گواہوں کے ساتھ۔ دوسری بات ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے بغیر کسی قید کے متعہ سے منع فرمایا اور اس میں نہ کوئی شرط لگائی اور نہ کوئی قید، لہٰذا یہ دعویٰ کہ آپ نے اس متعہ کو منع کیا تھا جو بغیر گواہوں کے ہوا ہو اور جس میں گواہ موجود ہوں اس کی اجازت دی تھی ایک بلا دلیل دعویٰ ہے۔

تیسری چیز جو ان تمام روایات سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ نے بذاتِ خود اس متعہ سے نہیں روکا تھا، بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خود روکنے اور منع کرنے کے اعلان کے مطابق لوگوں کو منع کیا تھا۔ سیدنا عمرؓ پر متعہ کی حرمت کا اعلان لغو اور باطل ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ "سیدنا علیؓ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ متعہ کا نسخ خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے"۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۶۷) اور خود سیدنا عمرؓ نے بھی اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنها

(سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۲۰۶)

اور رسول اللہ ﷺ نے خود متعہ سے منع فرمایا تھا
اسی وجہ سے امام ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ
"سیدنا عمرؓ کے اس ممانعت کے فعل سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپؐ کی تحریم اور ممانعت کی اشاعت اور تشہیر کی ہے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ جس شے کو رسول اللہ ﷺ مباح اور جائز قرار دیں اس سے سیدنا عمرؓ لوگوں کو روک دیں"۔

(مغنی ابن قدامہ جلد ۷ ص ۵۷۳)

نصوص قرآن سے حرمت متعہ

رسول اللہ ﷺ نے تو متعہ سے منع فرمایا تھا' خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں متعہ سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی رسول اللہ ﷺ نے تشہیر کی اور متعہ سے روک دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

والذین هم لفروجهم حافظون الا علیٰ ازواجهم اوما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین' فمنُ ابتغیٰ وراء ذالك، فاولئك هم العادون (سورہ المومنون)

وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی عورتوں کے اور لونڈیوں کے کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔

اس آیہ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منکوحہ اور مملوکہ کے سوا خواہش نفس پوری کرنے کی ہر صورت کو قرآن نے حرام کر دیا ہے۔ ممتوعہ عورت نہ تو بیوی ہے اور نہ ہی لونڈی۔ لونڈی تو وہ نہیں ہے اور بیوی اس لئے نہیں کہ زوجیت کے قانونی احکام اس کے اندر نہیں پائے جاتے۔ پس جب وہ نہ بیوی ہے اور نہ لونڈی تو لامحالہ وہ ان دونوں کے سوا کچھ اور ہے جس کے طالب کو قرآن حکیم نے "حد سے گزرنے والا"۔ (العادون) قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"یہ آیت حرمت متعہ پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ممتوعہ عورت بیوی کے حکم میں داخل نہیں ہے' لہٰذا متعہ کرنے والے کے لئے وہ حلال

Marfat.com

نہیں ہو سکتی۔ اس کے بیوی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمام امت کا اجماع ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ اگر زن ممتوعہ بیوی کے حکم میں ہوتی تو ضرور مرد کی وارث بنتی کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے کہ تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا تمہیں ملے گا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ زن ممتوعہ بیوی کے حکم میں نہیں ہے تو پھر وہ حلال بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ فرمان خداوندی ہے **الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم**"

(تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۱۰۶)

ایسا ہی امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (قرطبی جلد ۱۲ ص ۱۰۶)

سورۃ النساء میں فرمایا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور حلال ہیں تمہارے لئے سب عورتیں مگر یہ کہ تم انہیں اپنے اموال سے تلاش کرو، اور قیدِ نکاح میں رکھنے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے کو، پس جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا تو ان کو ان کے حق دو جو مقرر ہوئے ہیں، اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مقرر کئے ہوئے مہر کے بعد اور مہر انہیں دو۔" (النساء)

اس آیت میں کہا گیا کہ وہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے، انہیں چند شرطوں کے ساتھ نکاح میں لایا جا سکتا ہے۔ ان شرائط میں سے یہ دو شرطیں متعہ کی حرمت کو بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہیں۔

(۱) محصنین: پہلی شرط یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح کرو تو وہ نکاح وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ دائمی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ چند روز یا چند گھنٹوں کی وقتی عیش کے لئے، ان سے شادی کر لو اور پھر انہیں چھوڑ دو بلکہ نکاح کرتے وقت انہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی نیت ہو۔

(۲) غیر مسٰفحین: دوسری شرط یہ ہے کہ تمہارا اس نکاح سے مقصد صرف مستی نکالنا نہ ہو، جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد "**فما استمتعتم**" فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نے ان شرطوں کے ساتھ نکاح کر کے فائدہ اٹھا لیا ہے ان عورتوں کا مہر جو بھی مقرر ہوا ہو وہ ان کو دے دو۔ یعنی ان کا مہر ادا کرنا ہو گا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں جن سے حرمت متعہ ثابت ہوتی ہے۔

احادیث سے حرمتِ متعہ

جب قرآن حکیم نے متعہ کو حرام قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی یوں ترجمانی فرمائی۔ چنانچہ سبرہ جہنیؓ کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے پس آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے (وان اللہ قد حرم ذالک الیٰ یوم القیامۃ) پس جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو' وہ اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہو وہ ان سے واپس نہ لو"۔

(مسلم جلد ۱ ص ۴۵۱' ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۹۰' نیل الاوطار شوکانی جلد ۵ ص ۱۳۴)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے متعہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت حرام قرار دیا۔

ایک اور حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے جنگِ خیبر میں عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا"۔

(کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۲۷' مسند امام اعظم ۱۳۴)

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر میں متعہ سے اور پلے ہوئے شہری گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۷۶۷' مسلم جلد ۱ ص ۴۵۲' ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۳' نسائی جلد ۲ ص ۸۰' ابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۴۲' مؤطا مالک ص ۱۶۶ فروع کافی جلد ۲ ص ۱۹۲' تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۱۸۶' الاستبصار جلد ۳ ص ۱۴۲)

افسوس یہ ہے کہ صاحب استبصار نے اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے

فالوجہ فی ہذہ الروایۃ ان تحملها علیٰ التقیۃ لانها موافقۃ لمذھب عامۃ (استبصار جلد ۳ ص ۱۴۲)

یعنی سیدنا علیؓ کی یہ روایت تقیہ پر محمول ہے کیونکہ یہ مذہب عامہ (اہلِ سنت)

Marfat.com

کے موافق ہے۔

اب جس شے کو (یعنی متعہ کو) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو حرام قرار دیا۔ ان دونوں کی حرام کردہ شے کے حکم کی تشہیر سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں کی۔ آپ نے خود اپنی طرف سے متعہ کو حرام قرار نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امت کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے۔ چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

هذا قول عامة الصحابة والفقهاء

حرمت متعہ کا قول تمام صحابہ کرامؓ اور فقہاء امت کا قول ہے

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ "متعہ کی حرمت پر سوائے شیعوں کے تمام علماء کا اجماع ہو گیا ہے۔ (نووی جلد ا ص ۴۵۰' نیل الاوطار شوکانی جلد ۶ ص ۱۳۶)

امام شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ "تمام صحابہ کرامؓ متعہ کو حرام سمجھتے تھے اور اس کی حرمت پر عمل پیرا تھے اور اسی تحریم کو انہوں نے ہم تک روایت کیا ہے۔

(نیل الاوطار جلد ۶ ص ۱۳۸)

ابو بکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے کہ تمام فقہاء کا بلا اختلاف حرمت متعہ پر اتفاق ہے۔ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۵۳)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں "نکاح متعہ جو نکاح موقت ہوتا ہے جائز نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد نبوت کے شروع میں حلال تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کو منسوخ کر دیا"۔ (المحلی جلد ۹ ص ۵۱۹)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں "متعہ اجماع امت سے حرام ہے باوجود ضرورت اور حاجت کے اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا"۔

(فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۴۴)

متعہ حضر میں کبھی جائز نہیں تھا

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ متعہ صرف ضرورت شدیدہ سفر اور غزوات میں حلال تھا۔ کسی موقع پر بھی اس کی حلت حضر میں نہیں ہوئی۔ چنانچہ ابو حمزہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباسؓ سے متعہ کے بارہ میں پوچھا آپ نے فرمایا:

"اس کی حلت قلت نساء کی وجہ سے غزوات میں ہوئی،

Marfat.com

(معانی الآثار جلد ۳ ص ۲۷)

سیدنا ابوذرؓ فرماتے ہیں:

"غزوات اور خوف وغیرہ کی حالت میں متعہ حلال ہوا تھا"۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۷)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے ضرورت شدیدہ اور قلت نساء کی وجہ سے صرف غزوات میں متعہ کی رخصت دی تھی اب اگر کوئی شخص عورتوں کی کثرت اور جائز نکاح کی توفیق ہونے کے باوجود حضر میں متعہ کی رخصت کا قائل ہے وہ بلاشبہ حد سے گزرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

(فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۴۱)

حجاب کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا حکم

حجاب سے مراد دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ عورت کا عام لباس یعنی دوپٹہ اور بڑی چادر اس قسم کے ہوں جو سر سے پاؤں تک اس کے جسم کو چھپالیں۔ دوسری شے یہ ہے کہ عورت مردوں کی محفلوں سے الگ تھلگ رہے اور مرد و زن میں اختلاط نہ ہو۔

نابالغ بچیوں کے بارہ میں سیدنا عمرؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں کھلا پھرنے دو۔ ممکن ہے کہ ان کے چچازاد ان میں دلچسپی لینے لگیں وہ جب مرد رشتہ داروں کے سامنے لائی جائیں گی تو وہ ان کو خوب دیکھ بھال لیں گے اور مستقبل میں ان کے رشتہ کی بات چل سکے گی۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۱۵۶)

یہودیت اور نصرانیت میں بھی چونکہ پردہ کا حکم ہے اس لئے سیدنا عمرؓ ان مذاہب کی عورتوں کو بھی پردہ کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ بھی پردہ میں رہ کر بناؤ سنگھار کریں۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۵۴)

سیدنا عمرؓ کے نزدیک مسلمان عورتوں کو کافر عورتوں سے پردہ ضروری تھا' چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابوعبیدہؓ بن جراحؓ کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسلمان عورتیں اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ مسلمان عورتوں کو ایسا

Marfat.com

کرنے سے منع کرو۔ اور انہیں اس سے روکو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے اپنے اہلِ ملت کے سوا کوئی دوسرا اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں کو دیکھے۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۹۵)

اسلام میں عورت کے حجاب کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں' سیدنا عمرؓ نے ان شرائط کو لاگو کیا۔ چنانچہ جو کپڑا عورت حجاب کے لئے استعمال کرے اس میں مندرجہ ذیل شرائط پوری ہونی چاہئیں۔

ا۔ یہ کپڑا کھلا ڈھلا ہو جس میں عورت کا پورا جسم چھپ جائے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ ایک حوض پر تشریف لائے اور دیکھا کہ مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کر رہے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے ان کو کوڑے سے مارا اور صاحب حوض سے کہا کہ مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ حوض بناؤ۔ پھر سیدنا عمرؓ نے سیدنا علیؓ سے پوچھا کہ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا "آپ راعی ہیں' اگر آپ انہیں اس کے علاوہ کسی اور بات پر ماریں تو آپ خود بھی ہلاک ہوں اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱ ص ۷۹)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اس بات پر اس لئے اعتراض کیا تھا اور سرزنش فرمائی تھی کہ عورت وضو کرتے وقت اپنی کلائی ضرور کھولے گی اور اس وقت اگر مرد موجود ہوں گے تو یہ بری بات ہوگی۔

۲۔ یہ کپڑا جس سے عورت نے اپنے آپ کو ڈھانپا ہوا ہو خود ایسا آراستہ پیراستہ نہ ہو کہ عورت کے حسن میں اضافہ کا باعث بن جائے اور نگاہیں بے ساختہ اس طرف اٹھیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک عورت اپنے شوہر کی اجازت سے زیبائش کر کے نکلی۔ سیدنا عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے اسے طلب فرمایا' لیکن وہ نہ مل سکی۔ سیدنا عمرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا "جو عورت باہر نکلی تھی اور جس نے اسے بھیجا تھا' اگر یہ دونوں مجھے مل جائیں تو میں ان کے ٹکڑے کر دوں۔ جو عورت اپنے باپ یا بھائی سے ملنے جائے اسے سنورنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ پرانے کپڑے پہن کر جائے اور اپنے گھر واپس آ کر شوہر کے لئے زیب و زینت کرے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۴ ص ۳۷۲)

Marfat.com

۳۔ یہ کپڑا عورت کے جسم کے پوشیدہ حصوں کو نمایاں کرنے والا نہ ہو کپڑوں کے اوپر بڑی چادر کا اوڑھنا اور وجوہ سے مشروع قرار دیا گیا ہے۔

اولاً: لباس کی اس زینت کو چھپانے کے لئے جو بالعموم کپڑوں میں ہوتی ہے۔

ثانیاً: لباس پہننے کے باوجود جسم جو نمایاں ہوتا ہے اسے چھپانے کے لئے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

یدنین علیهن من جلا بیبهن (الاحزاب: ۵۹)

اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کرو

سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ عورتیں اپنی کوکھ چھپانے میں کوتاہی نہ کیا کریں اور اگر کوکھ سے نیچے کا جسم بھی پوشیدہ ہو تو یہ اور بھی اچھا ہے اور اگر جسم کے اس حصہ پر بھی کچھ پہن لیا جائے تو یہ زیادہ چھپانے والا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ ص ۱۳۰)

سیدنا عمرؓ اس بات کو نہایت ناپسند فرماتے تھے کہ عورتیں مردوں کی نظروں کا ہدف بنیں اور اجنبی مردوں کے ساتھ ان کا اختلاط ہو کیونکہ اس سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ شدید ضرورت کے بغیر عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کا قول ہے کہ عورتوں میں لباس کی کمی سے قابو حاصل کرو کیونکہ اگر عورتوں کے پاس کپڑے اور سامان زینت زیادہ ہوگا تو وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۲۴۳)

سیدنا عمرؓ اس بات سے روکتے اور منع فرماتے تھے کہ کسی عورت کے پاس ذی رحم محرم کے علاوہ کوئی شخص جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس عورت کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا ہو اس کے پاس کوئی دوسرا شخص سوائے محرم کے نہ جائے۔ اگرچہ کوئی کہے کہ یہ تو اس کا دیور ہے کیونکہ دیور ہی تو موت ہے"۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۲۲۲) ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی ایسی عورت کے پاس نہ جائے جس کا شوہر باہر گیا ہو۔ اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میرا بھائی یا میرا چچازاد بھائی غزوہ میں گیا ہے اور وہ مجھے اپنے گھر والوں کا خیال رکھنے کے لئے کہہ گیا ہے تو کیا میں ان کے پاس جاسکتا ہوں؟ یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے اسے دُرّہ مارا اور فرمایا "اب اس طرح ہرگز اندر نہ جاؤ' دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھو "کیا کوئی ضرورت ہے یا کچھ چاہئے؟" (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۳۷)

سیدنا عمرؓ مردوں کی اجنبی عورتوں کے ساتھ اٹھک بیٹھک اور بات چیت کرنے کو منع کرتے تھے اور اس پر سزا دیا کرتے تھے۔ ایک شخص کا گزر ایک دوسرے شخص کے پاس سے ہوا جس کے لئے کچھ عورتوں نے گدا بچھایا ہوا تھا اور وہ عورتوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور وہ عورتیں اس سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس گزرنے والے شخص نے اسے لکڑی سے مارا یہاں تک کہ وہ زخمی ہو گیا۔ وہ اسے لے کر سیدنا عمرؓ کے پاس گیا اور کہا "امیر المؤمنین! یہ شخص میرے پاس سے گزرا۔ میں کچھ خواتین کے ساتھ باتیں کر رہا تھا، اس نے مجھے لاٹھی سے مار کر زخمی کر دیا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے پوچھا: "تو نے اس کو کیوں مارا؟" اس نے کہا "امیر المؤمنین! میں اس کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ یہ شخص ایسی عورتوں سے محو گفتگو ہے جنہیں میں نہیں پہچانتا۔ یہ نہایت دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا اور میں نے اسے مارا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "اے مارنے والے اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے اور اے پٹنے والے! تو جان لے کہ اللہ کے نگران نے تجھے دیکھ لیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۳۱۰)

اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع فرماتے تھے کیونکہ جنازہ میں مرد ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ کوئی عورت میرے ساتھ جنازہ میں نہ آئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۴۶)

سیدنا عمرؓ مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو ناپسند فرمانے کی وجہ سے عبادات کے مقامات پر بھی عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو روکتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ شیطان جسم انسانی میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے مردوں اور عورتوں کے وضو کرنے کی جگہ کو الگ الگ بنانے کا حکم دیا۔ مسجد میں عورتوں کے لئے ایک الگ دروازہ مخصوص فرما دیا اور مردوں کو اس دروازہ سے آمدورفت سے روک دیا۔

(المحلی لابن حزم جلد ۳ ص ۱۳۱، جلد ۴ ص ۱۱۹)

سیدنا عمرؓ نماز میں بھی عورتوں کے مردوں سے دور رہنے کو پسند فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ نے سلیمان بن ابی حثمہؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں مسجد کے ایک کونے میں عورتوں کو تراویح پڑھایا کریں (المحلی لابن حزم جلد ۳ ص ۱۲۹) سیدنا عمرؓ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے تھے کہ آپ کے گھر کی عورتیں نماز کے لئے مسجد میں آئیں۔ ان کے لئے آپ

گھر میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن آپ واضح طور پر منع کرنے کی جرأت بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے منع نہ کرنے کے بارے میں سنا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ بڑے غیرت مند تھے۔ جب نماز کو جاتے تو ان کی زوجہ عاتکہ بنت زیدؓ بھی آپ کے پیچھے جاتیں۔ آپ ان کا جانا پسند نہ فرماتے لیکن ان کو منع کرنا بھی پسند نہ فرماتے اور یہ حدیث بیان فرماتے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہاری عورتیں مسجد میں نماز کو جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو منع نہ کرو۔ (مسند احمد جلد ا ص ۴۰)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ کی ایک زوجہ محترمہ صبح اور عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ مسجد میں نماز کو کیوں جاتی ہیں؟ جب کہ آپ کو پتہ ہے کہ سیدنا عمرؓ آپ کا جانا ناپسند فرماتے ہیں۔ انہوں نے کہا "پھر وہ ہمیں منع کیوں نہیں کرتے۔ کہا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے منع نہیں کرتے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۰۶)۔ علامہ ابن حزمؒ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اپنی اس زوجہ سے فرمایا "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تمہارا مسجد میں جانا پسند نہیں ہے"۔ انہوں نے جواب دیا "بخدا! میں اس وقت تک نہیں رکوں گی جب تک آپ مجھے منع نہیں کریں گے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "پھر میں تو منع نہیں کروں گا"۔ چنانچہ جس روز سیدنا عمرؓ کو ابولولو فیروز نے خنجر سے شہید کیا اس روز بھی وہ مسجد میں موجود تھیں۔ (المحلی لابن حزم جلد ۳ ص ۱۳۹)

بچہ کی حضانت کا حق دار

بچہ کی تربیت اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے اس کے نفس پر ولایت حضانت کہلاتی ہے۔ اسلام میں بچہ کی حضانت کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے پھر اس کی نانی کو پھر باپ کو اور اس کی دادی کو۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایک ماں سے یہ کہا کہ تو اس بچہ کی سب سے زیادہ حق دار ہے جب تک تو دوسرا نکاح نہ کرے۔

(ابو داؤد حدیث نمبر ۲۲۷۶)

سیدنا عمرؓ کے پاس ایک بچہ کا جھگڑا آیا۔ آپ نے فرمایا "یہ ماں کے ساتھ ہے جب تک بولنے نہ لگے"۔ اس کے بعد نانی کا اختیار ہے (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۵۶، المحلی جلد ۱۰ ص ۳۲۸) اور نانی کا بچہ کے باپ سے زیادہ اس کی حضانت کی حق دار ہونے کی دلیل

Marfat.com

یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے نکاح میں ایک انصاری عورت (جمیلہ) تھی اس سے سیدنا عمرؓ کا بیٹا عاصم پیدا ہوا۔ سیدنا عمرؓ نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ بعد ازاں سیدنا عمرؓ کا ایک روز ادھر سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کا بیٹا عاصم مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اسے بازو سے پکڑا اور اپنے آگے سواری پر بٹھالیا۔ بچہ کی نانی آئی اور سیدنا عمرؓ سے جھگڑنے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں سیدنا ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا "یہ میرا بیٹا ہے"۔ اس عورت نے کہا کہ میرا بیٹا ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا "بچہ اس کی نانی کے پاس رہنے دو"۔ چنانچہ عمرؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کا یہ فیصلہ خاموشی سے قبول کرلیا۔

(موطاء امام مالک جلد ۲ ص ۷۶۷، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۵، مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۵۴)

جب بچہ کی ماں اور نانی بچہ کی حضانت کی باپ سے زیادہ حق دار ہیں تو یقیناً یہ دونوں بچہ کے چچا سے بھی زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے پاس ایک بچہ کی ماں اور بچے کا چچا مقدمہ لے کر آئے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "تیری ماں کی تنگ دستی تیرے چچا کی خوش حالی سے بہتر ہے"۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۵۶، المحلی جلد ۱۰ ص ۳۲۸)

ہاں اگر میاں بیوی غیر مسلم ہوں جیسے نصرانی وغیرہ اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو بچہ کی حضانت کا حق مسلمان کو ہوگا خواہ مسلمان باپ ہو یا ماں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایک مقدمہ میں یہی فیصلہ کیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۲۶)

بچہ کے بالغ ہوجانے کی صورت میں حضانت کرنے والے کا حق حضانت ختم ہو جاتا ہے اور بچہ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو ماں کے ساتھ رہے اور چاہے باپ کے ساتھ رہے۔ چنانچہ ایک مقدمہ میں سیدنا عمرؓ نے بچہ کو یہ اختیار دیا۔ بچے نے ماں کا انتخاب کیا تو ماں اسے لے کر چلی گئی۔

(المحلی جلد ۱۰ ص ۳۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۵۵، المغنی جلد ۷ ص ۶۱۴، جلد ۹ ص ۱۳۲)

اسی طرح ایک عراقی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ وہ حاملہ تھی۔ اس شخص نے اپنی بیوی سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس نے بچہ سے کوئی اچھا سلوک کیا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ حج کو روانہ ہوئے۔ اس قافلہ حج میں اس بچے کا باپ بھی تھا۔ کسی شخص نے اس سے کہا کہ تمہارا بچہ بھی اس قافلہ میں ہے۔ اگر تم اسے دیکھو تو کیا

Marfat.com

پہچان لو گے۔ اس نے کہا "بخدا! نہیں"۔ اس شخص نے بتایا "یہ تمہارا اپنا بیٹا ہے؟" اس نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑ کر کھینچ لی اور اسے لے کر روانہ ہو گیا۔ معاملہ سیدنا عمرؓ تک پہنچا۔ دونوں بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ اس بچے کی ماں نے دامن پھیلا کر ایک شعر پڑھا کہ

"اے اللہ کے بندو! راستہ دو، میں ہی تو ہوں جس نے ایک سال اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال دودھ پلایا"۔

سیدنا عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا "اسے راستہ دے دو"۔ چنانچہ اس نے آگے آکر سیدنا عمرؓ کو سارا واقعہ سنایا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے اس بچے کو جو اب نوجوان تھا، اختیار دیا۔ اس نے اپنی ماں کو اختیار کیا اور وہ اسے لے کر چلی گئی (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۵۵)۔ کس عمر میں بچہ کو انتخاب کا یہ اختیار ملتا ہے؟ اس بارہ میں سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ بچہ اپنی ماں کے پاس رہے گا۔ جب اپنی بات پوری طرح کہنے کے قابل ہو جائے تو اسے انتخاب کا اختیار دیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۱۵۶، المحلی جلد ۱۰ ص ۳۲۸)

اور یہ عموماً سات برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ اسی لئے قدامہؒ نے کہہ دیا کہ سیدنا عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ کی عمر جب سات سال ہو جائے تو وہ بے عقل نہ ہو تو اسے والدین میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا موقع دیا جائے۔ (المغنی جلد ۷ ص ۶۱۶)

سیدنا عمرؓ کے نزدیک امیر کی شرائط

سیدنا عمرؓ کے نزدیک امیر مقرر کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے معاملات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک ایک ایسا امیر موجود نہ ہو جس کے حکم کی سب اطاعت کریں اور سب اس کی راہنمائی پر عمل کریں، اسی لئے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم تین ہو تب بھی ان میں سے ایک کو امیر بنالو۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۵۸ نیل الاوطار شوکانی جلد ۸ ص ۲۶۵)

سیدنا عمرؓ کے نزدیک ایک امیر میں مندرجہ ذیل شرائط ہونی چاہئیں تھیں

۱۔ عقل وبلوغ: ایک امیر کے لئے عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے کیونکہ احکام الٰہی کا مکلف ہونے کے لئے ان دونوں صفات کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اسلام: اسلام کی شرط بھی ایک امیر کے لئے ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ امارت سے مراد عوام کی ولایت اور سرپرستی ہے اور ایک کافر کو مسلمانوں پر

ولایت کا حق حاصل نہیں۔

چنانچہ آپ ایک غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات کا امیر بنانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ وسق رومی سے منقول ہے کہ میں سیدنا عمرؓ کا غلام تھا۔ آپ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اسلام قبول کر لو تاکہ میں تم سے مسلمانوں کی امامت میں تعاون لوں کیونکہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کی کسی امانت میں کسی ایسے شخص سے مدد لوں جو ان میں سے نہیں ہے یعنی غیر مسلم ہو۔ لیکن میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے''۔

(کتاب الاموال ص ۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۶۰)

سیدنا ابو موسیٰؓ اشعری ایک مرتبہ آپ کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ایک نصرانی کاتب تھا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کی یادداشت کو پسند فرمایا اور فرمایا ''ابو موسیٰ! اپنے کاتب سے کہو کہ ہمارا خط پڑھ دے''۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے کہا ''یہ تو نصرانی ہے' مسجد میں نہیں آ سکتا کیونکہ امیر المؤمنین کا سیکرٹریٹ مسجد میں ہوتا تھا۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا عمرؓ نے انہیں سرزنش کی اور ان کے کام کو ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا تو تم ان کی عزت نہ کرو۔ اور جب اللہ نے انہیں دور کر دیا تو تم انہیں قریب نہ کرو' اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دے دیا ہے تو تم ان پر بھروسہ نہ کرو۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۲۷' جلد ۹ ص ۲۰۴' مغنی ابن قدامہ جلد ا ص ۴۵۳' جلد ۶ ص ۴۲۵' جلد ۸ ص ۵۳۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ ایک کافر کو کاتب وغیرہ مقرر کرنے پر بھی خوش نہ تھے چہ جائیکہ اس کو مسلمانوں کا امیر بنایا جائے۔

۳۔ آپ کے نزدیک ایک امیر کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ احکام شریعت کا علم رکھتا ہو۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ نافع بن حارث فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے مجھے مکہ میں گورنر مقرر فرمایا۔ پھر میری ملاقات سیدنا عمرؓ سے عسفان کے مقام پر ہوئی۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: ''اہل وادی پر کس کو اپنا نائب بنا کر آئے ہو؟'' عرض کی ''ابن ابزیٰ کو'' آپ نے پوچھا ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کی کہ ''ہمارے موالی میں سے ہے'' سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''کیا تم نے ان لوگوں پر ایک مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کو اپنا نائب بنایا ہے؟'' عرض کی ''وہ کتاب اللہ کا

Marfat.com

قاری ہے، علم فرائض کا عالم اور قاضی ہے" اس پر امیر المؤمنینؓ نے فرمایا "کیا یہی وہ بات نہیں جس کی جانب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ اس کتاب کی وجہ سے بعض لوگوں کو عزت دیتا ہے اور بعض لوگوں کو ذلیل کرتا ہے"۔
(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۵)

۴۔ ایک شرط امیر میں شجاعت کی بھی ہونی چاہئے۔ چنانچہ ایک شخص نے سیدنا عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا میرے لئے یہ بہتر ہے کہ میں اللہ کے دین کی تبلیغ کے معاملہ میں کسی قسم کی ملامت سے نہ ڈروں یا میرے لئے یہ بہتر ہے کہ میں عبادت میں مصروف ہو کر اپنی اصلاح کروں؟ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "جس کے پاس مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری ہو اس کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی ملامت کے خوف سے بے نیاز ہو کر اللہ کے احکام جاری کرے، لیکن جس شخص پر ایسی کوئی ذمہ داری نہ ہو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کرے اور اپنے حکمران کی خیر خواہی کرتا رہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۳۲)

۵۔ ایک امیر کے لئے تجربہ بھی ایک ضروری شے ہے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا جس شخص میں یہ چار اوصاف نہ پائے جاتے ہوں وہ حکومت کرنے کا سزاوار نہیں ہے۔ اس میں نرمی ہو لیکن کمزوری نہ ہو، مضبوطی ہو لیکن سختی نہ ہو، کم خرچی ہو لیکن بخل نہ ہو اور سخاوت ہو لیکن اسراف نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک وصف بھی موجود نہ ہو تو باقی اوصاف بھی بیکار ہو جائیں گے۔
(مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۲۹۹)

۶۔ ایک امیر اور عہدیدار کے لئے تقویٰ نہایت ضروری شے ہے۔ یہ وہ وصف ہے جو ایک انسان کو ان کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ امراء اور عمال کے انتخاب میں اس وصف کا پوری طرح خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سعید بن عمیر کو پروانہ بھیجا کہ تم کو شام کے ایک حصہ کا عامل مقرر کیا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا بوجھ تم لوگ میرے کندھوں پر ڈال کر خود گھروں میں بیٹھ جاؤ۔

Marfat.com

جب سیدنا سعیدؓ نے سیدنا عمرؓ کا یہ اصرار دیکھا اور انہیں اندازہ ہوا کہ سیدنا عمرؓ انہیں نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے سیدنا عمرؓ کو بہت خوب نصیحت کی۔ فرمایا "اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنا رخ اور اپنے فیصلوں کو ان سب لوگوں کے لئے درست رکھو جنہوں نے تمہیں اپنا نگران بنایا ہے خواہ وہ لوگ قریبی ہوں یا دور کے۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۴۸)

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی بدکار کو یہ جانتے ہوئے کہ وہ بدکار ہے' عامل مقرر کرے وہ خود بھی اسی جیسا ہے۔ (سیرۃ عمر بن خطاب لابن جوزی ص ۶۷)

۷۔ سیدنا عمرؓ کسی ایسے شخص کو کوئی ایسا کام سپرد نہیں کرتے تھے جس کے کرنے کی اس میں رغبت نہ ہو اور جس کے بارہ میں وہ پوری طرح مطمئن نہ ہوں مگر یہ کہ کوئی مجبوری ہو یا کوئی ایمرجنسی ہو۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کارکردگی بہترین ہو۔ آپ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں لوگوں کو جمع کیا اور انہیں عراق کی جنگ کے لئے ترغیب دی، لیکن کوئی نہ اٹھا۔ دوسرے روز آپ نے پھر بلایا اور ترغیب دی لیکن پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ تیسرے روز پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ترغیب دی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ چوتھے روز پھر جمع کیا اور انہیں عراق کی جنگ کے لئے ترغیب دی۔ سب سے پہلے ابو عبید بن مسعود ثقفی اٹھے۔ بس ان کا اٹھنا تھا کہ لوگ پے در پے آنے لگے اور جنگ پر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ابو عبیدؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور وہ اہل بھی تھے' اگرچہ صحابی نہیں تھے۔ سیدنا عمرؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کسی صحابی کو امیر کیوں نہیں بنایا؟ فرمایا "میں نے اس کو امیر بنایا ہے جس نے دعوت جہاد پر لبیک کہا ہے"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۶)

اگر یہ صفات کئی لوگوں میں پائی جائیں تو پھر ان میں سے حکمرانی کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس میں یہ صفات زیادہ مکمل صورت میں پائی جائیں خواہ وہ نوجوان ہو یا بوڑھا۔ چنانچہ ایک دن سیدنا عمرؓ کہیں جا رہے تھے کہ سر راہ ایک قافلہ سے ملاقات ہو گئی جو حج کے لئے جا رہا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا "تم کون لوگ ہو؟" "ان میں سے ایک نوجوان نے جواب دیا "عباد الله المسلمون". (اللہ کے مسلمان بندے) آپ نے پوچھا "کہاں سے آئے

ہو؟" اس نے جواب دیا "من الفج العمیق". (تنگ گھاٹی سے) آپ نے پھر پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" "الی البیت العتیق". (اللہ کے قدیم گھر کا) اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "بخدا! قرآنی کلمات کا کیا خوب استعمال کیا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا" تمہارا امیر کون ہے؟" تو اس نے ایک معمر شخص کی طرف اشارہ کیا لیکن سیدنا عمرؓ نے اس نوجوان سے جس نے عمدہ اور خوب صورت جواب دیئے تھے۔ فرمایا کہ "نہیں بلکہ تم ہی امیر ہو"۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۲ ص ۹۲۰)

اب ایک سوال یہ ہے کہ اگر کوئی عورت باصلاحیت ہو تو کیا اسے کوئی عہدہ سپرد کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ نے شفابنت عبداللہ عدویہؓ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔ یہ شفاؓ بڑی سمجھ دار اور باصلاحیت خاتون تھیں۔ سیدنا عمرؓ ان کی رائے کو بڑا پسند فرماتے تھے بلکہ مقدم رکھتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے (المحلی جلد ۹ ص ۴۲۹) اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ سمراء بنت نہیک اسدیہؓ کافی عمر رسیدہ تھیں اور انہوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ وہ جب بازار میں سے گزرتیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی جاتیں۔ ان کے پاس ایک کوڑا ہوتا جس سے لوگوں کو مارتی تھیں جو کسی بُرے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ (الاستیعاب ترجمہ سمراء بنت نہیک)

اسلامی مملکت کے شہریوں کا تحفظ

سیدنا عمرؓ نے اسلامی ریاست کے شہریوں کے تحفظ کی طرف پوری پوری توجہ فرمائی کیونکہ ایک سربراہ مملکت کی یہ ایک اہم ذمہ داری ہے۔ آپ نے مسلمان شہریوں کے تحفظ کے علاوہ غیر مسلم رعایا کے تحفظ کی طرف بھی اتنا ہی دھیان دیا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت جو وصیت فرمائی اس میں یہ بھی فرمایا کہ جن کا ذمہ اللہ اور رسولؐ نے اٹھایا ہے یعنی غیر مسلم ذمی ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا جائے۔ ان کی حفاظت کے لئے جہاد کیا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

(کتاب الاموال ص ۱۲۶)

رعایا کا سب سے بڑا تحفظ یہ ہے کہ ان سے عدل وانصاف کیا جائے۔ اور مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلایا جائے۔ اس بارہ میں سیدنا عمرؓ نے فرمایا "میں کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم اور زیادتی کرے۔ میں ظالم کو اس قدر مجبور اور ذلیل کروں گا کہ

Marfat.com

اس کو گرا کر اس کے ایک گال کو خاک آلود کروں گا اور دوسرے گال پر پاؤں رکھوں گا یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے جھک جائے۔ (اخبار القضاۃ وکیع جلد ۱ ص ۴۸۶)

عدل وانصاف کا یہ بھی تقاضا ہے کہ لوگوں کو ان کی اہلیت کے مطابق مقام و مرتبہ دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے گورنر بصرہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سب لوگوں کو ایک ساتھ آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ لہٰذا میرا یہ خط ملنے کے بعد آپ پہلے باعزت لوگوں اور اہلِ قرآن کو اور اہلِ تقویٰ اور اہلِ دین کو بلایئے۔ جب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں تب عام لوگوں کو اجازت دیجئے (اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۴۸۵، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۶۸) آپ نے یہ بھی لکھا کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ بعض معزز لوگ عام لوگوں کی ضروریات امیر مملکت تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا اکرام کرو کہ یہ لوگ ایک کمزور مسلمان کے لئے فیصلے اور تقسیم میں انصاف حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۱۰۲، جلد ۱۰ ص ۳۷۱)

ایک سربراہ مملکت کو ٹیکس اور لگان عائد کرنے میں بھی عدل وانصاف سے کام لینا چاہئے۔ وگرنہ شہریوں کے حقوق کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔ ہونا یہ چاہئے کہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ سیدنا عمرؓ نے اپنی شہادت سے چار دن پہلے سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ اور سیدنا عثمان بن حنیفؓ سے فرمایا کہ تم دونوں اپنے علاقہ کا جائزہ لو، کہیں تم نے زمین پر اتنا خراج تو عائد نہیں کر دیا جو وہاں کے لوگوں کی قوت برداشت سے زائد ہو۔ اس پر سیدنا حذیفہؓ نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جو اس زمین کی پیداواری صلاحیت سے مطابقت رکھتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے لئے اس قدر چھوڑ دیا ہے جتنا حکومت کے لئے لیا ہے اور سیدنا عثمان بن حنیفؓ نے کہا کہ میں نے زمین پر اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جتنی اس میں صلاحیت ہے اور وہاں کے لوگوں کے لئے قدرے زیادہ حصہ چھوڑ دیا ہے

(کتاب الاموال ص ۴۲)

ایک دفعہ سیدنا عمرؓ کے پاس بکثرت مال آیا تو آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اس پر عاملین نے کہا کہ نہیں خدا! ہم نے وہ لیا ہے جو ان کی ضروریات سے زائد تھا کہ خالص انصاف کے مطابق لیا ہے۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

ایک مرتبہ سیدنا سعید بن عامر بن حذیمؓ سیدنا عمرؓ کے پاس آئے۔ آپ نے کوڑا

Marfat.com

اٹھالیا۔ انہوں نے کہا: "آپ تو بات سے پہلے ہی سزا دینے لگے۔ بہر حال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے' اگر آپ معاف کر دیں گے تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ اور اگر آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہو جائے تو اس کے ازالہ کی کوشش کریں گے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "بس یہی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اب بتاؤ تم نے خراج کی رقم داخل کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی"۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم کاشت کاروں سے چار چار دینار سے زائد وصول نہ کریں۔ چنانچہ ہم اس سے زیادہ ان سے وصول نہیں کرتے' بلکہ ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک کی مہلت دے دی ہے۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزول نہیں کروں گا۔

(کتاب الاموال ص ۴۳ ' مغنی ابن قدامہ جلد ۸ ص ۵۳۷)

غرباء کو زندگی کی کم سے کم ضروریات مہیا کرنے کی ضمانت فراہم کرنے میں بھی آپ نے عدل سے کام لیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "اگر میں زندہ رہا تو میں عراق کی بیواؤں کو اس حال میں چھوڑ کر جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۱۰۳ ' جلد ۱۰ ص ۳۷۱)

قحط کے زمانہ میں جب لوگ بھوک کا شکار تھے تو نہایت پریشان حال تھے۔ آپ نے اس وقت جو موقف اختیار کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ نے اس مشکل کو حل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ آپ نے حکومت کے تمام وسائل لوگوں کی بھوک ختم کرنے میں صرف کر دیئے۔ چنانچہ امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمرؓ قحط سالی کے دنوں میں لوگوں پر دن رات خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ بارش ہو گئی اور یہ لوگ اپنے قافلوں میں روانہ ہوئے۔ سیدنا عمرؓ گھوڑے پر سوار ہو کر ان کو دیکھنے نکلے اور جب ان کو اپنے بال بچوں کے ساتھ رخصت ہوتے دیکھا تو آپ آبدیدہ ہو گئے۔ اس پر بنی محارب بن عصفہ کا ایک شخص بولا "یہ جو آپ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ فی الواقع مردِ آزاد ہیں"۔ اس کا مقصود سیدنا عمرؓ کی تعریف کرنا تھا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ اللہ کے مال میں سے کیا ہے نہ کہ اپنے مال میں سے۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۶ ص ۳۵۷)

وہ تمام امور جو عدل و انصاف کے قیام میں ممد و معاون ہوتے ہیں' آپ نے ان کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھا۔ آپ نے اپنے گورنروں کو ہدایت دی ہوئی تھی کہ وہ رعایا سے دور

دور نہ رہیں اور نہ ہی ان سے چھپ کر بیٹھیں تاکہ ہر مظلوم کی آواز ان کے کانوں تک پہنچ سکے۔ اس بارہ میں سیدنا عمرؓ کو پتہ چلا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے قصر سعد (گورنمنٹ ہاؤس) کے سامنے ایک ڈیوڑھی (ایک روایت کے مطابق دروازہ) بنوالیا ہے اور اب لوگوں کی آوازیں ان تک نہیں پہنچتیں۔ آپ نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ اب قصر سعد نہیں بلکہ قصر فساد ہے لہٰذا اس دروازہ یا ڈیوڑھی کو جلادیا جائے۔ سیدنا محمد بن مسلمہؓ سیدنا عمرؓ کے شعبہ احتساب کے رئیس تھے۔ وہ جب کوفہ سیدنا سعدؓ کے پاس گئے اور سیدنا سعدؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گھر سے باہر لائے اور کہا کہ یہاں لوگوں کے درمیان بیٹھیں۔ اس پر سیدنا سعدؓ نے ان سے اپنے سابقہ رویہ کی معذرت کی۔ (المحلی جلد ۹ ص ۷۰ ۳)

سیدنا عمرؓ کا اصول یہ تھا کہ امیر مملکت یا گورنر براہِ راست لوگوں کی شکایات سنے اور اگر اس کے پاس اس کام کے لئے فرصت نہ ہو تو قابل اعتماد لوگوں کا تعاون حاصل کرے۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے مدینہ میں کچھ عرصہ کوئی قاضی مقرر نہیں کیا۔ آپ خود لوگوں کی تکالیف اور شکایات سنتے لیکن جب کام بڑھ گیا تو اپنی خلافت کے آخری سالوں میں ایک شخص سے کہا کہ تم میرا ہاتھ بٹایا کرو۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۰۲) عبدالرزاقؒ کہتے ہیں وہ شخص سیدنا علیؓ تھے۔ آپ نے اپنے ایک خط میں سیدنا ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ صرف گورنر ہی قضا کا کام انجام دے۔ اس سے ظالم اور جھوٹے گواہ کے دل میں اس کی ہیبت زیادہ ہوگی۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۲۹)

آپؓ نے اپنے گورنروں کو یہ ہدایت جاری کی ہوئی تھی کہ وہ مشکل امور میں امیر المؤمنینؓ کی جانب رجوع کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا "اے لوگو! میں تمہیں مختلف علاقوں کے گورنروں پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں محض اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ ان کی فئے ان کے درمیان تقسیم کریں اور ان کے جھگڑوں کے فیصلے کریں اور اگر کوئی معاملہ ان کے لئے دشوار ہو تو میرے پاس بھیج دیں۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۴۱)

سیدنا عمرؓ کے نزدیک امیر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوام کے مسائل اور معاملات کا پتہ لگاتا رہے تاکہ اس کو ان کے اصلی حالات سے آگاہی رہے۔ چنانچہ آپ ہر ہفتہ کے روز عوالیِ مدینہ کی جانب جاتے تھے اور اگر کسی غلام سے اس کی برداشت سے زیادہ کام لیا جا رہا ہو تو اس کے کام میں کمی کر دیتے تھے۔ (موطاء امام مالک جلد ۲ ص ۹۸۰)

Marfat.com

سیدنا سائب بن جبیرؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات سیدنا عمرؓ رات کو گشت کرتے ہوئے کسی مکان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے گھر میں یہ اشعار پڑھ رہی ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"یہ رات بہت طویل ہے جس کے ستارے سرگرم سفر ہیں لیکن میرا رفیق موجود نہیں ہے جس سے میں اپنا دل بہلاؤں اور اس کی معیت سے لطف اندوز ہوں۔ تنہائی ایسی ہے کہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چاند بھی میری نگرانی کر رہا ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہیں ہے اور وہی نگران اور وکیل ہے اور ہماری زندگی کے ہر لمحے کو اس کا کاتب لکھ رہا ہے۔"

پھر اس عورت نے ایک لمبا سانس لیا اور کہا "عمرؓ کے لئے تو آسان ہے کہ اس نے میرے شوہر کو بھیج دیا اور مجھے تنہائی کا شکار بنا دیا"۔ سیدنا عمرؓ نے اس عورت کی یہ تمام باتیں سنیں اور فرمایا: "اللہ تجھ پر رحم فرمائے"۔ پھر آپ نے اس کے پاس کچھ کپڑے اور رقم بھیجی اور اس کے شوہر کو واپس آنے کے لئے لکھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد سیدنا عمرؓ سیدہ حفصہ ام المؤمنینؓ کے پاس گئے اور پوچھا: "بیٹی! یہ بتاؤ کہ ایک عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دن گزار سکتی ہے؟" انہوں نے فرمایا: "چھ ماہ" چنانچہ اس کے بعد آپ کسی لشکر کو چھ ماہ سے زائد جنگ کی حالت میں نہیں رکھتے تھے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے سیرت عمر بن خطابؓ پر جو کتاب لکھی ہے اس کا چونتیسواں باب سیدنا عمرؓ کی راتوں کی گشت کے واقعات پر مشتمل ہے۔

سیدنا عمرؓ نے بیت المال کی جس طرح حفاظت کی ایسی حفاظت شاید ہی کسی نے کی ہو۔ وہ امت کے مال میں سے ضرورت کے بغیر کچھ صرف کیا جائے، اس کو قطعاً جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے: "میرے نزدیک یہ مال ایسا ہے کہ تین چیزیں پائی جائیں تو یہ مال صحیح ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ مال حق کے مطابق لیا جائے۔ حق کے مطابق دیا جائے، لینے اور دینے میں ناجائز طریقے اختیار نہ کئے جائیں۔ تمہارے مال کے سلسلہ میں میری مثال مال یتیم کے ولی کی سی ہے یعنی اگر میرے پاس مال ہو اور مجھے اس مال میں سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو میں اس مال سے احتراز کروں گا۔ اور اگر میں فقیر ہوں گا تو میں جائز طریقے سے اپنے کھانے کے لئے لے لوں گا۔" (کتاب الخراج ابی یوسف ص ۱۴۱)

Marfat.com

ایک دفعہ ایک مجلس میں جس میں سیدنا احنف بن قیسؓ بھی موجود تھے فرمایا: کہ مجھے تمہارے مال میں سے حج اور عمرہ کے لئے ایک سواری، سردی اور گرمی کا لباس اور پیٹ بھرنے کے بقدر اہلِ خانہ کی روزی اور وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملتا ہے، چاہیئے کیونکہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔ معمر کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ جب حج اور عمرہ کے لئے جاتے تھے تو آپ کے پاس صرف ایک اونٹ ہوتا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۱۰۴)

سیدنا عمرؓ مسلمانوں کے مال میں سے صرف اسی قدر لیتے جس سے ان کے بچوں کی بھوک مٹ جائے یعنی روٹی اور سالن۔ جہاں تک پھل کا تعلق ہے تو بیت المال اس کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں تھا۔ پھل وغیرہ آپ اپنے ذاتی مال سے خریدا کرتے تھے۔ چنانچہ بیہقی میں اس بارہ میں روایت موجود ہے کہ ان کے گورنر لوگوں کو کھلے دل سے ملیں اور لوگوں کو یہ احساس ہو کہ حکمران ان کے بھائی بند ہیں کسی اور کرہ کی مخلوق نہیں جیسے آج کل کے بیورو کریٹس اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ اس سے حاکم پر لوگوں کا اعتماد بڑھتا ہے اور ان کے ساتھ ان کی محبت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کو ایک دفعہ اطلاع ملی کہ ان کا گورنر مریضوں کی بیمار پرسی اور عیادت نہیں کرتا۔ اور کمزور اور قلاش آدمی سے ملاقات نہیں کرتا۔ تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ آپ نے اسے فوری طور پر معزول کر دیا۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۳۰)

(سیدنا عمرؓ ان لوگوں کو سرزنش کیا کرتے تھے جو ضروری صلاحیتوں کو ملحوظ رکھے بغیر اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے رشتہ داری یا دوستی کی بناء پر کسی کو عامل بنا لیا اس نے اللہ اس کے رسول اور مومنین سے خیانت کی۔ (سیرۃ عمر بن خطاب ابن جوزی ص ۶۷)

حکومت کے عہدے کی گرمی اکثر وبیشتر لوگوں کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیتی ہے اور وہ عوام الناس پر ظلم و ستم کی مشق جاری کر دیتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ اپنے عمال اور ملازمین حکومت کی اس بارہ میں سخت نگرانی فرماتے تھے اور ان کے حالات سے ہر وقت باخبر رہتے ہیں تاکہ کوئی ملازم حکومت رعیت کے کسی شخص پر زیادتی نہ کرنے پائے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں تم پر کسی ایسے شخص کو عامل بنا دوں جو ان سب سے بہتر ہو جنہیں میں جانتا ہوں اور اسے عدل و انصاف کا حکم دے دوں تو کیا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا؟ لوگوں نے کہا "جی ہاں"۔ اس پر آپ نے فرمایا "نہیں بلکہ میرا یہ فرض بھی ہے کہ میں

Marfat.com

دیکھوں کہ یہ عامل میرے احکام کی تعمیل بھی کر رہا ہے یا نہیں"۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۲۶)

اس بات کو جاننے کے لئے کہ امراء ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں کہ نہیں ایک محکمہ قائم ہوا تھا جس کو آپ آج کل کی اصطلاح میں انٹیلی جنس بیورو (Intelligence Beauro) کہہ سکتے ہیں جس کا ذکر ہم نے گذشتہ صفحات میں کیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے عامل کعب بن مالکؓ کو لکھا: اپنی ذمہ داریاں کسی دوسرے شخص کے سپرد کر کے تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ارض سواد کے سفر پر روانہ ہو جاؤ اور ہر چھاؤنی پر وہاں کے عمال کے بارہ میں معلومات پر جمع کرو اور دجلہ اور فرات کے مابین تمام عمال کے بارہ میں اسی طرح اطلاعات اکٹھی کر کے بغداد کی چھاؤنی بھقبا پہنچ جاؤ اور اس کے فرائض کی ذمہ داری سنبھالو۔ اور جس علاقے کا اللہ نے تمہیں والی بنایا ہے اس میں اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرو۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۴۱)

باہر سے جو وفود آتے ان سے بھی گورنروں کے بارہ میں معلومات فراہم کی جاتیں۔ آپ ان سے پوچھتے کہ کیا وہ مریضوں کی عیادت کرتے ہیں؟ غلاموں کی بات سنتے ہیں؟ ان کا طرز عمل کیسا ہے؟ کیا ان کے دروازے پر دربان ہوتا ہے؟ اگر ایک بات کا جواب بھی نفی میں ہوتا تو ایسے امیر کو آپ معزول فرما دیتے یا پھر اس کے خلاف تادیبی کارروائی فرماتے۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۰۸)

چنانچہ جب کسی شخص کو گورنر بناتے تو ایک جماعت کو اس پر گواہ بناتے۔ اس کے تمام اثاثے لکھے جاتے اور اس پر چار شرطیں عائد کی جاتیں (۱) وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا (۲) باریک کپڑا نہیں پہنے گا (۳) چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائے گا (۴) اور لوگوں کے کاموں سے بچنے کے لئے اپنا دروازہ بند کر کے نہیں بیٹھے گا۔ اور دربان مقرر نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ مدینہ منورہ کے ایک مقام سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آپ کو آواز دی کہ کیا آپ صرف اپنے عاملوں پر شرطیں عائد کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں بچ جائیں گے، جب کہ حالت یہ ہے کہ مصر میں آپ کا مقرر کردہ عامل عیاض بن غنمؓ باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس نے دروازے پر دربان بھی بٹھایا ہوا ہے۔ اس پر آپ نے احتساب بیورو کے انچارج سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اور عیاض بن غنمؓ جس حال میں بھی ہو اسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہؓ مصر پہنچے تو دیکھا کہ

Marfat.com

واقعی دروازے پر دربان ہے اور اندر گئے تو دیکھا کہ عیاض باریک قمیض پہنے بیٹھے ہیں۔ سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے عیاضؓ سے کہا کہ امیر المؤمنینؓ نے آپ کو مدینہ طلب کیا ہے۔ عیاضؓ نے کہا کہ مجھے اپنی قبا پہن لینے دو۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا نہیں، اسی طرح چلنا ہوگا۔ چنانچہ انہیں اسی حال میں لے کر سیدنا عمرؓ کے پاس مدینہ پہنچے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا یہ قمیض اتار دو۔ اور آپ نے اون کا جبہ اور بکریوں کا ریوڑ اور ایک لاٹھی منگائی اور فرمایا "یہ اونی جبہ پہنو' لاٹھی اٹھاؤ اور بکریاں چراؤ اور ان کا دودھ خود بھی پیؤ اور جو تمہارے پاس سے گزرے اسے بھی پلاؤ، اور جو افزائش ہو وہ ہمارے لئے محفوظ کرلو۔ کیا تم نے یہ سن لیا؟ عیاضؓ نے کہا "جی ہاں لیکن اس زندگی سے موت بہتر ہے"۔ سیدنا عمرؓ دہراتے رہے کیا تم نے سن لیا؟ اور وہ یہی کہتے رہے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ پھر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "تم اس زندگی کو برا نہ سمجھو۔ تمہارا باپ بھی بکریاں چراتا تھا' اسی لئے اس کا نام غنم تھا"۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے کہا "جی ہاں"۔ آپ نے فرمایا وہ ہمیں لادو اور ان کو پہلے کام پر واپس بھیج دیا"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر آپ کے کسی گورنر نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۳۹)

ایک مرتبہ عامر بن صعق نے آپ کو کچھ شعر لکھ کر بھیجے جن میں ذکر کیا کہ آپ کے گورنروں کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو رہی ہے۔ ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان اشعار میں امیر المؤمنینؓ کو یہ بتایا کہ "آپ کے گورنروں اور بنی غزوان کے پاس بہت مال ہو گیا ہے۔ آپ پتہ چلائیں کہ یہ مال کہاں سے آیا ہے؟ آپ مجھے شہادت کے لئے طلب نہ کریں۔ میں پس پردہ ہی رہنا چاہتا ہوں' لیکن نیرنگی زمانہ کو دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کے پاس خوب صورت گھوڑے' جھالر اور سرخ استار موجود ہیں۔ کوئی ہندی تاجر آجائے تو مشک کی خوشبو فوراً اس کی ناک میں آجاتی ہے"۔ اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ دیا کہ آپ ان گورنروں سے آدھا مال واپس لے لیں۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے اپنے گورنروں کے پاس اپنا کارندہ بھیجا۔ ان گورنروں میں سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ اور ان سے مال کا ایک حصہ لے لیا۔

(کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۶۹' مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۲۳)

غرض کہ یہ تھا سیدنا عمرؓ کا امارت کے بارہ میں نظریہ۔

Marfat.com

پُر آسائش زندگی کے بارہ میں نظریہ

سیدنا عمرؓ مسلمانوں کے حق میں پُر آسائش زندگی کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپ مسلمانوں کی جفاکشی کی زندگی کے قائل تھے۔ لباس' طعام اور زندگی کے رہن سہن میں سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ کیونکہ جس قدر عیش و عشرت زیادہ ہو گی اتنی ہی دنیا سے محبت بڑھے گی اور جس قوم میں دنیا کی محبت زیادہ ہو جائے اس کی بربادی کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے عتبہ بن فرقد کے نام آذر بائیجان میں یہ حکم بھیجا تھا کہ پر آسائش زندگی اہل شرک کی سی ہیئت بنانے اور ریشمی کپڑوں سے احتراز کرو۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ص ۸۹)

ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ نے یزید بن ابی سفیانؓ کا کھلا ہوا پیٹ دیکھا تو کھال چکنی نظر آئی۔ سیدنا عمرؓ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا یہ کھال کافروں جیسی ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ شام کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور عمدہ ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ص ۳۱۰) سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک مرتبہ لکھا کہ "ازار پہنو اور موزے اور شلواریں دور پھینک دو اور گھوڑوں کی رکابیں بھی اتار دو اور کود کر گھوڑوں پر سوار ہو اور بنی معد کی زندگی اختیار کرو اور تیر نشانے پر مارو اور پر تعیش زندگی اور عجمی ہیئت ترک کر دو اور ریشمی لباس سے احتراز کرو"۔

ریشمی لباس سے تو آپ کو سخت نفرت تھی کیونکہ اسلام میں مرد کے لئے اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ چمک دار کپڑا پہنے ہوئے تھا۔ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کپڑے کو پھاڑ دو۔ لوگوں نے فوری طور پر اس کو پھاڑ دیا یہاں تک کہ لوگوں کے ہاتھوں میں اس کی دھجیاں آگئیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ یہ ریشمی ہے" (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ص ۸۰) سیدنا عمرؓ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ریشمی کپڑا پہننے پر اعتراض کیا تھا۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ص ۲۶۹' مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ص ۶۹)

سوید بن غفلہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نے شام میں فتوحات حاصل کیں۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے دیبا اور حریر پہن رکھا تھا۔ جونہی سیدنا عمر نے ہمیں دیکھا تو ہمیں کنکریاں ماریں۔ اس پر ہم نے وہ لباس اتار دیا۔ پھر جب سیدنا عمرؓ نے ہمیں

Marfat.com

دیکھا تو فرمایا: مہاجرین کو خوش آمدید۔ دیباؤ حریر پہننے سے اللہ تعالیٰ گذشتہ اقوام سے بھی خوش نہیں ہوا تو تم سے کیوں کر خوش ہو گا؟ بس اتنا اور اتنا جائز ہے۔

(المحلی لابن حزم جلد ۴ ص ۳۹)

لباس کے بارہ میں آپ نے جو ہدایات دیں ان میں ایک یہ تھی کہ لباس کافروں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔ جیسا کہ عتبہ بن فرقد کو آپ نے لکھا تھا۔

(مسند احمد ابن حنبل جلد ا ص ۱۶)

مردوں کا لباس عورتوں کے لباس سے مشابہ نہ ہو۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایک شخص کو کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چمک دار کپڑے عورتوں ہی کے لئے رہنے دو۔ (المحلی جلد ۴ ص ۷۰ 'مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۷۸)

سیدنا عمرؓ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہر شخص اس قسم کا کپڑا پہنے جو اس کی حیثیت کے لئے موزوں ہو یعنی ایک عالم باوقار لباس پہنے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ قاری سفید کپڑے پہنے۔ (المؤطاء جلد ۲ ص ۹۱۱) ایک مالدار مالداروں کے سے کپڑے پہنے۔ سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں فراخی عطا فرمائے تو تم بھی اپنے اوپر فراخی کرو۔

(مؤطاء امام مالک جلد ۲ ص ۹۱۱)

سیدنا عمرؓ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ مسلمان اپنے کھانے میں زیادہ تنعم اختیار نہ کرے۔ عبید اللہ بن عمرؓ اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے۔ عبداللہؓ نے ان کے سامنے گوشت والا ثرید رکھا۔ عبید اللہؓ نے کہا اس میں گھی ڈالو تب کھاؤں گا۔ سیدنا عبداللہؓ نے کہا: تمہیں نہیں معلوم کہ والد صاحب نے اس سے منع کیا ہوا ہے۔ اس موقع پر بعض حاضرین نے کہا کہ اپنے بھائی کو اچھی طرح کھلایئے۔ اس پر عبداللہؓ نے اس میں گھی ڈال دیا۔ اسی دوران سیدنا عمرؓ بھی تشریف لے آئے اور آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس ثرید میں سے ایک لقمہ لیا۔ پھر اپنا چہرہ اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھا اور کوڑا اٹھا کر عبید اللہؓ کو مارا۔ پھر لونڈی کو مارنے کا ارادہ کیا۔ اس نے عرض کیا: اس میں میری کوئی غلطی نہیں۔ مجھے جو کہا گیا میں نے وہی کیا۔ سیدنا عمرؓ تشریف لے گئے اور عبداللہؓ کو کچھ نہ کہا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۸۷)

امیر کے لئے زکوٰۃ کے مال میں سے کوئی شے لینا حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے دودھ نوش فرمایا جو آپ کو اچھا لگا تو آپ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا۔

Marfat.com

پتہ چلا کہ صدقہ کے جانوروں سے دوہا گیا ہے۔ آپ نے فوراً اپنے حلق میں انگلی ڈالی کر قے کر دی۔ اسی طرح آپ نے اس وقت بھی قے کر دی تھی جب آپ کو آپ کے اصحاب نے ان اونٹوں کا گوشت کھلا دیا تھا۔ جو آپ نے غزوہ ذات السلاسل میں مجاہدین میں تقسیم کئے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۱۰۳)

زیورات میں بھی چونکہ سادگی کے خلاف زینت کا اظہار ہوتا ہے' لیکن آپ نے مردوں کو صرف انگوٹھی پہننے کی اجازت دی وہ بھی اگر سونے یا لوہے کی نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اتار کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے کہا: "امیر المؤمنین! میری انگوٹھی لوہے کی ہے"۔ فرمایا: "یہ تو اس سے بھی گندی ہے"۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۹۵' سنن بیہقی جلد ۳ ص ۲۷۴)

سیدنا عمرؓ پہننے والے کپڑوں کی بھی سونے سے زیب و زینت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حارث بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ مجھے بلایا کرتے تھے اور میں مشرکوں کی قباؤں میں سے کوئی قبا پہنے ہوئے آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے فرمایا "اس میں سے یہ سونا نکال دو"۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ ص ۲۷۴)

تمتع کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا نظریہ

(حج کی تین قسمیں ہیں (۱) افراد (۲) قران اور (۳) تمتع

تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے اور حج کا وقت آنے تک مکہ میں بطور حلال مقیم رہے۔ پھر جب حج کا وقت آجائے تو حج کا احرام باندھ لے۔

سیدنا عمرؓ کے بارہ میں اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے متعہ الحج سے منع کیا تھا لیکن تمتع کے بارہ میں سیدنا عمرؓ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ آپ نے تمتع سے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خطبہ میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کے لئے جو بات چاہتا حلال فرما دیا کرتا تھا۔ اب چونکہ قرآن حکیم مکمل ہو چکا ہے لہٰذا تم لوگ حج کو عمرہ سے الگ کیا کرو۔ اس طرح حج زیادہ بہتر طریقے سے ادا ہوتا ہے اور عمرہ بھی بہتر طریق سے تکمیل پاتا ہے۔"

(مسلم باب التمتع' سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ ص ۲۱)

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "عہد نبوت میں دو متعہ جائز تھے۔ حج کا متعہ اور عورتوں کا متعہ۔ میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور دونوں کو ختم کرتا ہوں"۔ (المحلی جلد ۷ ص ۱۰۷ موطا مالک جلد ا ص ۳۴۷)

لیکن سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے تمتع کیا، (سنن ترمذی حدیث نمبر ۸۲۲ نسائی باب التمتع مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۷۴)۔ چنانچہ جب سیدنا سالم بن عبداللہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا سیدنا عمرؓ نے تمتع سے منع کیا تھا۔ فرمایا نہیں بخدا، انہوں نے منع نہیں کیا (المغنی لابن قدامہ جلد ۳ ص ۲۸۰) اور جب سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے تمتع کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے کرنے کا حکم دیا۔ کسی نے کہا آپ اپنے والد کی مخالفت کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ سیدنا عمرؓ نے کبھی وہ نہیں کیا جو تم کہہ رہے ہو۔ انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ عمرہ حج سے علیحدہ کرو اور ان کا مقصود یہ تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی زیارت کے لئے جایا کرو۔ تم نے خود اسے (تمتع کو) حرام قرار دے لیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کیا تھا۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ ص ۲۱ مغنی ابن قدامہ جلد ۳ ص ۲۸۰)

ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ سے پوچھا: "کیا آپ نے حج تمتع سے منع کیا ہے؟" فرمایا کہ نہیں' لیکن میرا ارادہ یہ تھا کہ بیت اللہ کی کثرت سے زیارت کی جائے (سنن بیہقی ص ۲۱)۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ تمتع کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا: آپ اپنے اس فتویٰ پر غور کر لیں کیونکہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ سیدنا عمرؓ نے بعد میں حج کے بارہ میں کیا حکم جاری فرمایا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰؓ نے اس بارہ میں سیدنا عمرؓ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا انہوں نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے تمتع کیا ہے لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ لوگ حرم کے قریب اپنی بیویوں کے ساتھ شب باش ہوں اور جب پلٹیں تو ان کے سروں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ ص ۲۰) ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں تمتع سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ تو کتاب اللہ میں موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے (المغنی لابن قدامہ جلد ۳ ص ۸۷ ۴) اور فرمایا کہ اگر میں سال میں دو مرتبہ بھی عمرہ کر چکا ہوں لیکن بعد ازاں میں حج کو جاؤں تو حج کے ساتھ پھر عمرہ کروں گا۔ (المحلی لابن حزم جلد ۷ ص ۱۰۷)

Marfat.com

مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا

(مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کا حصہ اس وقت نکالا جاتا تھا جب مسلمان کمزور تھے۔ مولفۃ القلوب کو اس وقت حصہ دینے سے یہ مقصد تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے لیکن اب مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت اور عزت حاصل ہے' لہٰذا اب کسی شخص کو تالیف قلب کی غرض سے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کافر ہو اور اسے اس لئے دیا جائے کہ اس کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہو، اور خواہ وہ مسلمان ہو اور اسے تالیف قلب کے لئے دیا جائے (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۸۱' المغنی جلد ۲ ص ۲۶۶) چنانچہ ایک مشرک سیدنا عمرؓ سے کچھ مال لینے کے لیے آیا مگر آپ نے اسے کچھ نہ دیا اور فرمایا: "اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے"۔ (المغنی جلد ۶ ص ۴۲۷)

عینیہ بن حصنؓ اور اقرع بن حابسؓ دونوں صحابی تھے۔ یہ دونوں سیدنا ابو بکرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ "اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے جس میں نہ گھاس اگتا ہے اور نہ ہی کوئی آبادی ہے۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کچھ کاشت کر لیں"۔ سیدنا ابو بکرؓ نے انہیں وہ زمین دے دی، اور ایک تحریر بھی لکھ دی۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ یا کسی اور نے عینیہ بن حصنؓ سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہوگا' اس لئے یہ تحریر انہیں بھی پڑھوادی جائے۔ چنانچہ وہ تحریر سیدنا عمرؓ کو دکھائی گئی۔ آپ نے وہ تحریر پڑھی تو فرمایا: "کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لئے ہے؟" اور سیدنا عمرؓ نے تھوک سے یہ تحریر مٹا دی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آپ دونوں کی تالیفِ قلب فرماتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ)

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۲۰' کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۷۲' تفسیر طبری جلد ۱۴ ص ۲۱۵)

چوری کی سزا کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کا نظریہ

(چوری کی سزا کے بارہ میں بھی سیدنا عمرؓ کی اپنی ایک رائے ہے۔ چوری کی تعریف یہ ہے کہ کسی پوشیدہ اور محفوظ مقام سے ایسا مال لے لینا جس پر لینے والے کا ذرا بھی حق نہ ہو

اس وجہ سے اختلاس (چھین لینا) چوری میں داخل نہیں ہے کیونکہ اختلاس خفیہ نہیں ہوتا۔

سیدنا عمرؓ کی اس بارہ میں رائے یہ تھی کہ چور کو خوفزدہ کرو' پکڑو نہیں (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ص ۱۸۴' المحلی لابن حزم جلد ۱۱ص ۳۹۷) کیونکہ چور محض آواز دینے سے ہی مال مسروقہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، لیکن اگر وہ بھاگنے کے بجائے مزاحمت کرے تو پھر اس کے خلاف جوابی کارروائی کرنا جائز ہے۔

سیدنا عمرؓ کے نزدیک چور نے اگر کسی اکراہ کے تحت چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ آپ کے نزدیک ضرورت بھی ایک قسم کا اکراہ ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ کے غلاموں نے بھوک سے مجبور ہو کر کسی کی اونٹنی چرالی تاکہ اسے کھا کر اپنی بھوک دور کریں۔ مقدمہ سیدنا عمرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے سیدنا کثیر بن صلتؓ کو ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' لیکن بعد میں آپ نے اپنے اس فیصلہ سے رجوع فرمالیا۔ فرمایا: "اگر مجھے یہ علم نہ ہو جاتا کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو اور اس بھوک سے مجبور ہو کر انہوں نے اس حرام کا ارتکاب کا ہے تو میں ان کے ہاتھ کاٹ دیتا لیکن اب میں تم پر سخت تاوان عائد کروں گا"۔ آپ نے اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت تھی۔ اس نے کہا کہ چار سو میں فروخت کرنے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے حاطبؓ سے کہا کہ اسے آٹھ سو ادا کرو۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ص ۲۷۸' مؤطاء مالک جلد ۲ص ۷۴۸، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ص ۲۳۹، المحلی لابن حزم جلد ۸ص ۱۵۷، جلد ۱۱ص ۳۲۴' ۳۴۳) ایک اور شخص ایک اونٹنی کے بارہ میں شکایت لے کر آیا۔ جو ذبح کر دی گئی تھی۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "کیا تم دس ماہ کی حاملہ' تروتازہ اور موٹی دو اونٹنیاں لینے کو تیار ہو' کیونکہ ہم قحط سالی کے زمانہ میں قطعِ ید کی سزا نہیں دیتے۔"

(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ص ۲۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ص ۱۳۰' المحلی لابن حزم جلد ۱۱ص ۳۴۳' مغنی لابن قدامہ جلد ۸ص ۲۷۸)

سیدنا عمرؓ کے نزدیک اس غلام پر بھی چوری کی حد قائم نہیں کی جائے گی جس نے اپنے مالک کی چوری کی ہو۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن حضرمیؓ سیدنا عمرؓ کے پاس اپنا غلام لے کر آئے اور بارگاہِ خلافت میں عرض کیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ لٰہذا اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: "اس نے کیا چوری کیا؟" اس نے کہا: "میری بیوی کا آئینہ چوری کیا ہے۔ جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو' اس کو قطعِ ید کی

Marfat.com

سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ تمہارا غلام ہے اور اس نے تمہارا ہی مال چرایا ہے۔
(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۲۸۲' مؤطا امام مالک جلد ۲ ص ۸۴۰' کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰۵' کتاب المغنی ابن قدامہ جلد ۲ ص ۶۶۹' جلد ۸ ص ۲۷۵)

حد سرقہ کے قائم کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

ا۔ مسروقہ شے ایسا مال ہو کہ سارق نہ اس شے کا مالک ہو اور نہ ہی اس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو۔ اس لحاظ سے کسی آزاد آدمی کو چرانے پر حد نہیں' اس لئے کہ آزاد شخص مال نہیں ہے۔ ناسمجھ غلام بچے کی چوری پر حد لازم ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے ایک شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس نے ایک غلام بچے کو چوری کیا تھا، (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۱۹۶' سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۲۹۸' المحلی لابن حزم جلد ۱۱ ص ۳۳۶)۔ لیکن سمجھ دار بڑے غلام کی چوری پر قطع ید نہیں ہے کیونکہ اس کی چوری اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ خود چور کا ساتھ نہ دے۔ سیدنا عمرؓ کے نزدیک بھی بڑی عمر کے غلام کی چوری پر حد نہیں ہے بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ چالباز ہیں۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ غلام عاقل ہو۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۲۶۸)

مردے کا کفن چوری کرنے پر بھی حد لازم ہے۔ یہ سیدنا عمرؓ کا فیصلہ ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۱۵' المحلی جلد ۱۱ ص ۳۳۰) بلکہ سیدنا عمرؓ تو کفن چور کو قطع ید سے سخت سزا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں ایک شخص مر گیا۔ اس کے بھائی کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس کی قبر کھول کر اس کا کفن چوری کیا جائے گا۔ اس نے اس کی قبر کی نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ کفن چور آیا اور اس نے اس کا کفن نکال لیا۔ میت کے بھائی نے اسے ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ قضیہ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۱۴' المحلی جلد ۱۱ ص ۳۳۰)

اگر کسی شخص نے ایسا مال چرایا جس میں چرانے والے کا بھی حصہ ہو یا اس کا حصہ ہونے کا شبہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال سے ایک شخص نے چوری کی اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کر لیا۔ آپؓ نے اس کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کو لکھا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹنا اس لئے کہ بیت المال میں اس کا بھی حق تھا (مصنف عبدالرزاق

Marfat.com

جلد ۱۰ ص ۲۱۲' المحلی جلد ۱۱ ص ۷ ۳۲ ۲' کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰۴ مغنی ابن قدامہ جلد ۷ ص ۷ ۷ ۲)۔ اسی طرح سیدنا عمرؓ مال غنیمت سے چوری پر سخت سزا دیا کرتے تھے لیکن اسے قطعِ ید کی سزا نہ دیتے تھے۔ (کتاب الخراج ص ۲۰۵)

اسی طرح سیدنا عمرؓ کے نزدیک راستہ سے گزرنے والے اگر باغ میں سے پھل توڑ کر کھالیں تو یہ چوری نہیں ہے۔

(سنن بیہقی جلد ۹ ص ۲۵۹' المجموع للنووی جلد ۹ ص ۵۴۳' المغنی ابن قدامہ جلد ۸ ص ۵۹۷)

مسروقہ شے محفوظ جگہ میں رکھی ہوئی ہو لیکن اگر اس شے کی حفاظت کا انتظام نہ ہو تو اس کی چوری پر بھی قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے کچھ کھجوریں لے لیں تو اس پر قطع ید نہیں ہے الا یہ کہ وہ کھجوریں کھلیان یا باڑے میں لے جا کر رکھ دی جائیں۔ اس کے بعد اگر اس میں سے چوتھائی دینار کی قیمت کے برابر چرا لی جائیں تو قطع ید ہے (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۲۳) اور سیدنا عمرؓ ہی نے فرمایا کہ خوشہ میں لگی ہوئی کھجوریں چرانے پر قطع ید نہیں ہے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۳۰' المحلی جلد ۱۱ ص ۳۴۳)

قاضیوں کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کے احکام

سیدنا عمرؓ نے قاضیوں کے بارہ میں بھی خصوصی احکام نافذ فرمائے تھے۔ قاضیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قاضی ہیں جن کو حکومت نے مقرر کیا ہو۔ اور جھگڑا کرنے والے فریقین کے درمیان مقدمات کا فیصلہ اس کے سپرد کر دیا ہو۔ اس قاضی کو حدود' تعزیرات اور دوسری تمام سزائیں بزور نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس قسم کے قاضی سیدنا عمرؓ نے ہر شہر اور قریہ میں مقرر کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ اس کے بعد شریحؒ کو قاضی مقرر کیا۔ کعب بن سور کو بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ قاضی مقرر فرمانے کے بعد سیدنا عمرؓ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان قاضیوں کے علاوہ کوئی اور قضا کا کام انجام دے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تم فیصلے کرتے ہو حالانکہ ہم نے آپ کو قاضی مقرر نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا "جی ہاں"۔ اس پر آپ نے لکھا کہ اس کی تلخی اسی کو برداشت کرنے دو جو اس کی راحت سے لطف اندوز ہو رہا ہے (مصنف عبدالرزاق جلد ۱ ص ۳۰۱)۔ آپ یہ بھی فرماتے

Marfat.com

تھے کہ جو قاضی اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اس کے فیصلے کا سوائے اس کے کوئی اور فائدہ نہیں کہ معاملے کا حکم معلوم ہو جائے۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ص ۱۵۰)

وہ قاضی جو حکومت کی طرف سے مقرر نہ ہوں ان کے فیصلہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ انہی کے بارہ میں سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اس حق کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جسے نافذ نہ کیا جاسکے"۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ص ۱۵۰)

اس قسم کے قاضی مختلف علاقوں میں کافی تعداد میں موجود تھے اور خود سیدنا عمرؓ نے بھی بعض موقعوں پر ان کی جانب رجوع کیا۔ چنانچہ آپ کے اور سیدنا ابی بن کعبؓ کے درمیان فیصلے کے لئے سیدنا زید بن ثابتؓ کو حکم تسلیم کیا گیا، اور انہوں نے ان دونوں حضرات کے قضیہ کا فیصلہ کیا۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ص ۱۳۶' ص ۱۴۰' ص ۱۴۵ المحلی ابن حزم جلد ۹ص ۳۸۱)

قاضی مقرر کرنے کا حق صرف سربراہِ مملکت کو ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ اور سیدنا ابو بکرؓ نے قاضی مقرر فرمائے اور خود سیدنا عمرؓ نے بھی عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے کئی لوگوں کو قاضی مقرر کیا، لیکن سربراہ مملکت کبھی اپنا یہ حق اپنے علاقائی حاکموں یعنی گورنرز کو بھی تفویض کر سکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے جب سیدنا معاذ بن جبلؓ اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں کہا کہ وہ اپنے علاقوں میں موجود نیک' صالح اور اہلِ علم حضرات کو تلاش کر کے قاضی مقرر فرمائیں۔ اور انہیں اللہ کے مال میں سے اتنا دو جو ان کی کفالت کے لئے کافی ہو۔ (المغنی لابن قدامہ جلد ۹ص ۳۷)

سیدنا عمرؓ کے نزدیک قاضی کے لئے کچھ شرائط بھی تھیں، جیسے عقل' بلوغ' حریت اور اسلام' احکام شریعت سے واقف ہونا' تقویٰ اور لوگوں کے پاس موجود مال و دولت سے بے نیاز ہونا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: "اللہ کا حکم وہ شخص قائم کر سکتا ہے جو نہ کسی کی طرف داری کرے' نہ کسی سے مشارکت اختیار کرے اور نہ لالچوں کے پیچھے بھاگے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۸ص ۲۹۹)

ذہانت اور فطانت بھی قاضی کے لئے ایک خاص شرط ہے کیونکہ ایک ذہین و فطین شخص ہی معاملات کے نشیب و فراز کو سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا کعب بن سوارؓ سیدنا عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے کہا "امیر المؤمنین! میں نے اپنے شوہر سے زیادہ اچھا کوئی شخص نہیں دیکھا کہ وہ تمام رات نمازیں پڑھتا ہے اور دن کو

Marfat.com

گرمی میں بھی روزے رکھتا ہے' افطار نہیں کرتا۔ سیدنا عمرؓ نے یہ سن کر اس عورت کے حق میں مغفرت کی دعا فرمائی، اور فرمایا کہ عورت کو خیر کی باتوں میں تجھ جیسا ہونا چاہئے۔ اس پر وہ عورت شرما کر واپس چلی گئی۔

اس عورت کے جانے کے بعد سیدنا کعب بن سوارؓ نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ نے اس عورت کی اپنے شوہر کے خلاف شکایت کا کوئی ازالہ نہیں فرمایا"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا اس نے اپنے شوہر کی کوئی شکایت نہیں کی بلکہ تعریف کی ہے۔ سیدنا کعبؓ نے کہا: "بہت سخت شکایت کی ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اچھا اس کی یہ نیت تھی؟ کعبؓ نے کہا "جی ہاں"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اس عورت کو دوبارہ میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آئی تو آپ نے فرمایا کہ "حق بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کعبؓ کا خیال ہے کہ تم نے اپنے شوہر کی شکایت کی ہے کہ وہ تمہارے بستر سے دور رہتا ہے"۔ اس نے کہا: "جی ہاں' میں ایک نوجوان عورت ہوں اور مجھے بھی وہی مطلوب ہے جو دوسری عورتوں کو ہوتا ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو آپ نے سیدنا کعبؓ سے کہا کہ تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ کعبؓ نے کہا کہ ان کا فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار امیر المؤمنینؓ ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "چونکہ تم نے ہی وہ بات سمجھی ہے جو میں نہیں سمجھ سکا لہٰذا میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم ہی ان کا فیصلہ کرو"۔ سیدنا کعبؓ نے کہا کہ میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اس شخص کی تین بیویاں اور ہیں اور یہ چوتھی ہے۔ لہٰذا میں فیصلہ دیتا ہوں کہ تین دن اور تین راتیں اس کے شوہر کی ہیں۔ ان میں وہ عبادت کرتا ہے اور ایک دن اور ایک رات اس بیوی کا ہے۔ یہ فیصلہ سن کر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "یہ بات مجھے تمہاری پہلی بات سے بھی زیادہ پسند ہے۔ جاؤ میں تجھے بصرہ کا قاضی مقرر کرتا ہوں"۔

(المغنی جلد ۹ ص ۵۱' الاستیعاب ترجمہ کعب بن سوارؓ' الاصابہ ترجمہ کعب بن سوارؓ)

قاضی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی شخصیت میں مضبوطی ہونی چاہئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "میں ابو مریم کو ضرور معزول کر دوں گا اور اس کی جگہ ایک ایسے شخص کو قاضی مقرر کروں گا جس کو اگر برا آدمی دیکھے تو مرعوب ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے انہیں بصرہ کی قضاۃ سے معزول کر کے کعب بن سوارؓ کو قاضی مقرر فرمایا۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۰۸' المغنی لابن قدامہ جلد ۹ ص ۱۰۳)

قاضی کے لئے مالدار اور خاندانی ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اپنے

Marfat.com

بعض عمال کو لکھا کہ قاضی ایسے افراد کو مقرر کرو جو مال دار اور خاندانی ہوں کیونکہ صاحب مال آدمی کو دوسرے کے مال کا لالچ نہیں ہو گا۔ اور صاحب حسب شخص لوگوں کی طرف سے پہنچنے والے عواقب سے خوفزدہ نہیں ہو گا۔ (اخبار القضاۃ جلد ۱ ص ۷۶)

پھر جو شخص قاضی مقرر ہو اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس کے عمل میں اخلاص ہو۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ "جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اجر لازم کر دیتا ہے اور اس کی عاقبت بھی سنوار دیتا ہے۔ جس کی نیت حق کے سلسلہ میں خالص ہو اگرچہ وہ حق خود اس کے خلاف جاتا ہو تو اللہ اس کے لئے ان سب معاملات میں کافی ہو جاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہوں۔ اور جو ایسے وصف سے اپنے آپ کو آراستہ دکھاتا ہے جو اس میں موجود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عیب دار کر دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا صرف وہی عمل قبول فرماتے ہے جو خالصتاً اس کے لئے ہو اور آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ کے یہاں اس کا کیا ثواب ہے اور دنیا میں اس کے رزق اور آخرت میں اس کی رحمتوں کے کیا خزانے ہیں؟"

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۰)

قاضی کو اپنا فیصلہ سنانے سے قبل معاملہ کو خوب اچھی طرح سمجھنا اور اس کے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لینا ضروری ہے اور جب تک حق پوری طرح واضح ہو کر سامنے نہ آ جائے، قاضی کے لئے مقدمہ کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ "جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو اسے خوب اچھی طرح سمجھو"۔

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۰۔ ۱۵۳، المحلی جلد ۸ ص ۴۲۰)

قاضی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی قضیہ اس کے لئے حل کرنا دشوار ہو جائے تو اسے دوسروں سے مشورہ کر لینا چاہئے (جلد ۱۰ ص ۱۱۲) سیدنا عمرؓ نے اپنے ایک قاضی کو تحریر کیا کہ "دین کے مسائل و معاملات میں اللہ سے ڈرنے والے لوگوں سے مشورہ کرو"۔ اور آپ نے قاضی شریحؒ کو لکھا کہ "اگر تم چاہو تو مجھ سے مشورہ کر لیا کرو۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مجھ سے مشورہ کرنا تمہارے لئے زیادہ سلامتی کا حامل ہو گا"۔ (سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۰) چنانچہ سیدنا عمرؓ خود بھی بکثرت مشورہ کیا کرتے تھے۔ (سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۰۹) امام شعبیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کے فیصلے پر اعتماد کرنا چاہے وہ صرف سیدنا عمرؓ کے فیصلے پر اعتماد کرے کیونکہ سیدنا عمرؓ کثرت سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

(سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۳۵)

قاضی کو فریقین کے مابین مساوات سے کام لینا چاہئے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ ''اپنے متوجہ ہونے میں' اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں لوگوں کے مابین مساوات قائم کرو تاکہ کسی باحیثیت شخص کو تم سے طرف داری کا لالچ پیدا نہ ہو اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو۔'' (سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۰)

بعض کمزور ہمت اشخاص قاضی کے سامنے اپنی ہمت کھو دیتے ہیں' للٰذا قاضی کو کمزور شخص کی ہمت بندھانا چاہئے تاکہ اس کا خوف جاتا رہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کو لکھا کہ کمزور شخص کو اپنے قریب کرو تاکہ اس میں ہمت پیدا ہو جائے اور اپنے مقدمہ کی وضاحت کے لئے اس کی زبان کھل جائے۔ (اخبار القضاۃ جلد ا ص ۷۵)

جو اشخاص باہر سے آکر کسی شخص پر کوئی مقدمہ کریں تو باہر سے آئے ہوئے اشخاص کا فیصلہ جلد از جلد کیا جائے یا ان کی دیکھ بھال اور اخراجات کی ذمہ داری لی جائے اس سلسلہ میں سیدنا عمرؓ نے سیدنا معاویہؓ گورنر شام کو لکھا کہ باہر سے آنے والے شخص کی خبر گیری کرو کیونکہ اگر وہ دیر تک رکا رہا یعنی اپنے دعویٰ کی وجہ سے اس کا قیام زیادہ دن رہا اور وہ اپنے گھر والوں سے دور رہا تو وہ اپنا حق چھوڑ کر اپنے گھر کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کا حق اس نے باطل کیا جس نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ (اخبار القضاۃ جلد ا ص ۷۵) اسی طرح سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ ہدایات بھی دیں کہ مقدمہ کی سماعت کے وقت اکتاہٹ' غصے' پریشانی اور لوگوں کو ایذا پہنچانے سے اجتناب کرو (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۲۹' سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۰) تنگی اور اکتاہٹ کے اسباب میں سے بھوک اور پیاس بھی ہیں جن کی بناء پر ہو سکتا ہے کہ قاضی فیصلہ میں غور و تامل کے بجائے جلد بازی سے کام لے۔ اسی لئے سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''قاضی اس وقت فیصلہ کرے جب وہ پیٹ بھرا ہوا اور سیراب ہو۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۰۰)

قاضی کے فیصلہ پر یہ چیزیں بھی اثر انداز ہو سکتی ہیں جیسے رشوت' بازار میں خرید و فروخت کے وقت دکانداروں اور تاجروں کا ان سے نرمی کا معاملہ کرنا اور ہدیہ وغیرہ قبول کرنا' اسی لئے سیدنا عمرؓ نے قاضیوں کو تجارت میں مصروف ہونے' بازاروں میں جا کر لین دین کرنے اور ہدیہ اور رشوت قبول کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ قاضی شریحؒ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمرؓ نے مجھے قاضی بنایا تو آپ نے یہ شرط لگائی کہ میں نہ فروخت کروں گا'

Marfat.com

نہ خریدوں گا اور نہ رشوت لوں گا۔(مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۰۰)۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۰۶' مغنی ابن قدامہ جلد ۹ ص ۷۹ وغیرہ)

قاضی کو چاہئے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کی خواہش رکھے۔ اس سلسلہ میں سیدنا عمرؓ کی واضح ہدایات ہیں کہ دونوں فریقوں کو صلح پر آمادہ کیا جائے کیونکہ بعض دفعہ قاضی کا فیصلہ بھی کینہ پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۰۴) لیکن اگر ان کی صلح احکام شریعت کے منافی ہو تو قاضی اس کو رد کر دے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کا قول ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے۔ (سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۰)

اگر مقدمہ کے دونوں فریق رشتہ دار ہوں تو بھی قاضی کو چاہئے کہ ان دونوں کے درمیان صلح کرا دے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "مقدمہ کے دونوں فریق اگر باہم رشتہ دار ہوں تو ان کے درمیان صلح کرا کر لوٹا دو' اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ بھی عداوت پیدا کر سکتا ہے"۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۰۸)

ایک اور بڑا اہم اصول سیدنا عمرؓ نے قاضی کو یہ بتایا کہ اگر قاضی نے کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کی اجتہادی رائے میں تبدیلی آگئی تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اس نئی رائے کی وجہ سے اپنے سابقہ فیصلے کو تبدیل کر دے، اسی طرح اس کے بعد آنے والے قاضی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ پہلے قاضی کے پہلے فیصلے کو کالعدم قرار دے۔ اس سلسلہ میں سیدنا عمرؓ کا اہلِ نجران کا فیصلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔
(ملاحظہ ہو سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۲۰)

سیدنا عمرؓ نے متعدد معاملات میں اپنی رائے تبدیل کی لیکن آپ نے اپنے کسی سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار نہیں دیا' البتہ پیش آمدہ مقدمات میں جدید اجتہاد کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اس سلسلہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھی لکھا کہ تم نے جو آج فیصلہ کیا ہے اور اس میں تم نے اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا ہے پھر حق تمہارے سامنے واضح ہو گیا تو کوئی بات تمہیں اس سے مانع نہیں ہونی چاہئے کہ تم حق کی جانب رجوع کر لو کیونکہ حق قدیم ہے اسے کوئی شے باطل نہیں کر سکتی اور حق کی جانب رجوع باطل پر جمے رہنے سے بہتر ہے"۔
(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۵۰' اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۸۶' مغنی جلد ۹ ص ۵۹)

Marfat.com

ایک اصول قاضی کے لئے سیدنا عمرؓ نے یہ بتایا کہ ملزم کو اس وقت تک بے گناہ قرار دینا جب تک اس کا جرم نہ ثابت ہو جائے۔ چنانچہ سیدنا عبید اللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب ہم ذوالمروہ پہنچے تو میری گٹھڑی چرالی گئی۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا۔ میرے ساتھیوں نے اس پر چوری کا شبہ کرتے ہوئے اس سے کہا کہ اے فلاں! گٹھڑی واپس کر دو۔ اس نے کہا: میں نے گٹھڑی نہیں چرائی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے واپس آکر سیدنا عمرؓ کو یہ تمام واقعہ سنایا۔ آپ نے پوچھا: تم کون کون تھے؟ میں نے آپ کو ان کے بارہ میں بتایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں بھی وہی چور ہو سکتا ہے جس پر میں نے الزام لگایا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا: "امیر المؤمنین! میں نے تو سوچا تھا کہ اسے بیڑیاں ڈال کر لے آؤں"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا "کیا تم ثبوت کے بغیر بیڑیاں ڈال کر لاتے؟"۔ (المحلی جلد ۱۱ ص ۱۳۲، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۱۷)

سیدنا عمرؓ نے قاضی شریح کے نام ایک خط میں بتایا کہ قاضی کو کس طرح فیصلہ کرنا چاہئے۔ آپ نے اس خط میں لکھا:

> "اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور محتاط رہو کہ کہیں لوگ تمہیں اس سے ہٹا کر کسی اور جانب متوجہ نہ کر دیں اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم موجود نہ ہو اور سنت رسول ﷺ میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں میں نہ ہو تو ائمہ ہدیٰ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرو"۔
>
> (سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۰)

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو آپ نے لکھا کہ "جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے پیش ہو اور اس کے بارہ میں کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہو تو اس پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد اس کو دیگر امور پر قیاس کرو۔ اس کی امثال و اشباہ دریافت کرو اور پھر جس کے متعلق تمہارا خیال ہو کہ یہ خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ امر ہے اور حق سے زیادہ قریب ہے تو اسے اختیار کرو۔ (سنن بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۲، اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۸۶)

اگر قیاس کرنے کا معاملہ بھی مشتبہ ہو اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ پیش آمدہ قضیہ کو اس واقعہ پر قیاس کیا جائے یا اس واقعہ پر تو پھر اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ میں سے ایسے لوگوں سے

Marfat.com

مشورہ کرے جو خیر خواہ ہوں۔ (سنن بیہقی جلد ۱۰ص ۱۱۲)

یہ تھے وہ چند احکامات جو سیدنا عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مختلف قاضیوں کو دیئے جنہوں نے قضا کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور آج بھی دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود انہی اصولوں پر کاربند ہے۔

خمس اور ذوالقربیٰ کا حصہ

غنیمت کو تقسیم کرنے سے قبل اس کا خمس (1/5) نکالا جاتا تھا جو اسلامی حکومت لیتی اور اس کو ان پانچ مصارف میں خرچ کرتی جن کا ذکر قرآن میں ہے۔

و اعلمو انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل

(الانفال: ۴۱)

اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ اس خمس کو اس کے مصارف میں صرف فرمایا کرتے تھے اور ان میں سے پانچواں حصہ (خمس الخمس) خود اپنے مصارف کے لئے رکھ لیتے تھے۔ اور اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر صرف فرمایا کرتے تھے۔ اگر اس میں سے کچھ بچ جاتا تو اسے پھر فقراء اور مساکین کو لوٹا دیتے اور دوسرا خمس الخمس آپ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ذوی القربیٰ پر خرچ فرماتے تھے لیکن اس خمس میں سے آپ بنو عبد شمس اور بنی نوفل کو کچھ نہیں دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا ابو بکرؓ نے رسول اللہ اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ بعض حضرات کے بقول ساقط فرمادیا۔ رسول اللہ ﷺ کا حصہ تو آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور آپ کے رشتہ داروں کا حصہ اس بنا پر تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تھی اور اس کے ساتھ ہی آپ سے تعلق قرابت داری بھی تھا۔ لیکن جن کا نصرت کا تعلق نہیں تھا ان کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ سیدنا ابو بکرؓ نے قرابت داری کا حصہ ساقط کر دیا اور ان میں سے جو فقیر اور مساکین تھے ان

Marfat.com

کوعام مسلمان فقراء اور مساکین کے زمرہ میں داخل کر دیا اور باقی حصے سیدنا ابو بکرؓ نے اسی طرح تقسیم کئے جیسا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

(کتاب الاموال ص ۳۳۱ 'سنن بیہقی جلد ۶ ص ۳۴۳ 'احکام القرآن' جصاص جلد ۲ ص ۶۲)

سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا ابو بکرؓ کی پیروی کی۔ یہ بات سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ "سیدنا عمرؓ ہمیں خمس دیا کرتے جس طرح وہ موزوں خیال فرماتے کہ ہمیں دیا جانا چاہئے' لیکن ہم نے یہ کہہ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ رشتہ داروں کا حصہ خمس الخمس (1/25) ہے۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خمس معینہ مدوں کے لئے مقرر فرمایا ہے' لہٰذا ان معینہ مدوں میں سے انہی کو اس خمس کا زیادہ حصہ ملے گا جو تعداد میں زیادہ ہوں گے اور ضرورت مندی کی بناء پر زیادہ مستحق ہوں گے چنانچہ ہم میں سے کچھ لوگوں نے لیا اور کچھ لوگوں نے نہیں لیا۔

(کتاب الاموال ص ۳۳۵)

جہاں تک صحیح روایات کا تعلق ہے' ان سے یہی ثابت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے خمس میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حصہ اور حق بحال رکھا۔ لیکن سیدنا عمرؓ مصلحت و ضرورت کے لحاظ سے تقسیم میں کمی بیشی خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا ذوالقربیٰ کا حق ہے اور خلیفہ وقت کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں سیدنا ابن عباسؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ :

"سیدنا عمرؓ نے ہم لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کی کہ ہم لوگ خمس کے مال میں سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں۔ لیکن ہم یہ کہتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ میں دے دیا جائے"۔

(کتاب الخراج ابی یوسف ص ۱۱ 'کتاب الاموال ص ۳۳۵ 'احکام القران جصاص جلد ۳ ص ۶۳ وغیرہ)

ذوالقربیٰ کا حصہ ساقط کرنے کی روایت کلبی کی ہے اور کلبی کے بارہ میں علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ نہایت ضعیف تھا بلکہ کذاب تھا اور اس کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

لیکن ابو داؤد اور مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں بنو ہاشم وغیرہ کو خمس باقاعدہ ملتا تھا اور سیدنا علیؓ کے ہاتھوں تقسیم ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ خود فرماتے ہیں کہ:

"میں نے سیدنا عباسؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا زید بن حارثہؓ کی موجودگی میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم ذوالقربیٰ کا جو حصہ خمس میں ہے' اس کی تقسیم کی ذمہ داری اگر آپ اپنی زندگی میں میرے سپرد فرمادیں تو یہ بہتر ہوگا تاکہ آپ کے انتقال کے بعد کوئی شخص اس بارہ میں ہمارے ساتھ نزاع نہ پیدا کر سکے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کام کا متولی بنا دیا۔ دورِ نبوت میں خمس کے اس حصہ کو (بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں) تقسیم کرتا رہا۔ پھر سیدنا ابو بکرؓ نے مجھے اس تقسیم کا متولی بنایا تو میں دورِ صدیقی میں بھی اس خمس کو تقسیم کرتا رہا۔ پھر سیدنا عمر بن خطابؓ نے مجھے اس تقسیم کا والی بنایا۔ تو عہد فاروقی میں بھی میں نے ہی اس کو تقسیم کیا۔ یہاں تک کہ خلافت فاروقی کے آخری سالوں میں سیدنا عمرؓ کے پاس بہت سا مال غنیمت آیا۔ پس انہوں نے ہم لوگوں کا حق خمس علیحدہ کر کے میری طرف آدمی بھیجا اور کہا کہ آپ اس مال کو لے کر حسب سابق تقسیم کر دیں۔ میں نے جواب میں کہا "امیر المؤمنین! ہم لوگ (یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب) اب اس مال سے مستغنی ہیں (یعنی ہماری اقتصادی اور معاشی حالت بہت بہتر ہے) اور دوسرے مسلمان اس کے ضرورت مند ہیں۔ تب سیدنا عمرؓ نے وہ مال حاجت مند مسلمانوں کے لئے بیت المال میں واپس کر دیا"۔

(ابو داؤد جلد ۲ ص ۶۱' مسند احمد جلد ۱ ص ۸۴' کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب وغیرہ کو خمس میں سے باقاعدہ حصہ ملتا رہا۔ ان کا حصہ ساقط نہیں ہوا اور نہ ہی کسی نے غصب کیا۔ اور یہ حصہ سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافت کے زمانوں میں بھی

خود ہی تقسیم کرتے رہے۔ لیکن یہ بھی روایاتؒ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ کے مابین اس مال کے بارہ میں ایک اختلاف چل رہا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے ان دونوں کے تقاضا کے تحت ان اموال کو تقسیم کر دینے سے انکار کر دیا۔ یہ چیز دیکھ کر سیدنا عباسؓ اس تنازعہ سے دست بردار ہو گئے (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ ص ۵۷۶، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۶ ص ۲۹۹)۔ سیدنا علیؓ کے بعد سیدنا حسنؓ پھر سیدنا حسینؓ ______ کے ہاتھوں میں اس کی تقسیم رہی۔ اسی وجہ سے جب بھی سیدنا علیؓ سے پوچھا گیا کہ کیا ابو بکرؓ اور عمرؓ نے آپ لوگوں کے مالی حقوق پر کوئی ظلم جائز رکھا تو سیدنا علیؓ نے بے خوف و خطر جواب دیا کہ "قسم اس ذات کی جس نے تمام عالم کے نذیر اور اپنے بندے پر قرآن نازل کیا، ہمارے مالی حقوق کے بارہ میں ان دونوں نے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا"۔ (ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۱۳ بحث فدک)

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات سرے ہی سے غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے خمس میں سے ذوالقربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا تھا بلکہ وہ حصہ انہیں اسی طرح ملتا رہا جیسا کہ عہد نبوت میں انہیں ملتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے معاشی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے خود لینے سے انکار کر دیا۔)

یہ صرف وہ چند مسائل تھے جن کے بارہ میں ہم نے ان صفحات میں اجمالی طور پر لکھا ہے وگرنہ فقہ کے جس قدر مسائل سیدنا عمرؓ سے صحیح روایت سے منقول ہیں ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں ان میں سے کئی مسائل منقول ہیں۔ حضرۃ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے فقہ فاروقی پر ایک مستقل رسالہ اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔ آپ نے اپنی وسیع سلطنت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کافی حد تک کام لیا ہے اور ائمہ اربعہ کے مسائل کا بھی ایک بڑا ماخذ قیاس ہے اور حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ مجتہدین فقہ کے بڑے بڑے مسائل سیدنا فاروق اعظمؓ کے مذہب و مسلک کے تابع ہیں۔ (ازالۃ الخفاء حصہ ۲ ص ۸۴) بلکہ اکثر حضرات کا خیال یہ ہے کہ قیاس کی بنیاد ہی سیدنا فاروق اعظمؓ نے ڈالی تھی۔

Marfat.com

اوّلیاتِ عمرؓ

سیدنا عمرؓ نے ہر صیغہ زندگی میں کچھ نئی نئی باتیں پیدا کیں، ان کو مؤرخین نے اولیاتِ عمرؓ کا نام دیا ہے۔ اس سے قبل سیدنا ابوبکرؓ نے بھی کچھ ایسی راہیں تلاش کی تھیں جن میں ان کو اولیت حاصل ہے، جیسے اسلام میں سب سے پہلے مسجد انہوں نے بنائی جو ان کے گھر کے صحن میں تھی۔ سب سے پہلے خلیفہ کے لفظ سے آپ پکارے گئے۔ سب سے پہلے آپ اسلام لائے۔ سب سے پہلے امیر حج ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کی کچھ اوّلیات سیدنا عمر بن خطابؓ کی بھی ہیں جن کو علامہ شبلی نعمانیؒ نے جمع کیا ہے۔ جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلے بیت المال یعنی خزانہ آپ نے قائم کیا۔

۲۔ سب سے پہلے باقاعدہ طور پر عدالتیں اور قاضی آپ نے مقرر فرمائے۔

۳۔ سب سے پہلے امیر المؤمنین کا لقب آپ نے اختیار کیا۔

۴۔ سب سے پہلے فوجی دفتر آپ نے ترتیب دیا۔

۵۔ والنیٹروں کی تنخواہیں بھی سب سے پہلے آپ ہی نے مقرر کیں۔

۶۔ مال کا دفتر آپ ہی نے سب سے پہلے قائم کیا۔

۷۔ زمین کا بندوبست اور پیمائش سب سے پہلے آپ نے کروائی۔

۸۔ مردم شماری سب سے پہلے آپ نے کرائی جس سے ایک تو آپ کو ملک کی آبادی کا پتہ چلا اور دوسرے اس کی اقتصادی ترقی کے لئے منصوبہ بندی میں آسانی ہوئی۔

۹۔ سب سے پہلے تاریخ اور سن آپ نے قائم کیا جو آج تک سن ہجری کے نام سے

Marfat.com

مسلمانوں میں جاری ہے۔

۱۰۔ سب سے پہلے نہریں آپ نے کھدوائیں جس سے ایک تو نظام آبپاشی کو ترقی ہوئی اور دوسرے بحری آمدورفت کا نظام بہتر ہوا۔

۱۱۔ سب سے پہلے اسلام میں آپ نے شہر آباد کرائے۔ جنہوں نے فوجی چھاؤنیوں کا کام بھی کیا جیسے کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط اور موصل وغیرہ۔

۱۲۔ ممالک مقبوضہ کو مختلف صوبوں میں بھی سب سے پہلے آپ نے تقسیم جس سے ان کے انتظام میں بہت بہتری ہوئی۔

۱۳۔ عشور یعنی درآمدی ڈیوٹی بھی سب سے پہلے آپ نے مقرر کی۔

۱۴۔ دریائی پیداوار جیسے عنبر وغیرہ پر محصول بھی سب سے پہلے آپ نے لگایا اور اس کے لئے محصل مقرر کئے۔

۱۵۔ دارالحرب کے تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت بھی سب سے پہلے آپ نے دی۔

۱۶۔ اسلام میں جیل خانہ سب سے پہلے آپ نے قائم فرمایا۔

۱۷۔ دُرّہ کا استعمال بھی سب سے پہلے آپ نے کیا جو ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتا تھا حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق نماز کے وقت بھی مصلّٰی پر پڑا رہتا تھا۔

۱۸۔ آپ ہی نے سب سے پہلے راتوں کو گشت کر کے رعایا کی خبر گیری کا طریقہ نکالا۔

۱۹۔ پولیس کا محکمہ بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کیا۔

۲۰۔ ملک میں جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کیں۔

۲۱۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

۲۲۔ پرچہ نویس بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کئے۔

۲۳۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بھی آپ نے سب سے پہلے بنوائے۔

۲۴۔ راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے بھی آپ نے ہی سب سے پہلے مقرر کئے۔

۲۵۔ سب سے پہلے مختلف شہروں میں مہمان خانے آپ نے تعمیر کرائے۔

Marfat.com

۲۶۔ یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہلِ عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔
۲۷۔ مفلوک الحال اور نادار عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے بھی آپ ہی نے پہلے مقرر فرمائے۔
۲۸۔ ملک کے مختلف علاقوں میں مکاتب بھی قائم فرمائے جن سے تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔
۲۹۔ معلمین اور مدرسین کے مشاہرے بھی مقرر کئے تاکہ وہ دل جمعی سے تعلیم کے شعبہ کو ترقی دیں۔
۳۰۔ سیدنا ابو بکرؓ کو نہایت اصرار کے ساتھ سب سے پہلے آپ ہی نے جمع و ترتیب قرآن پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
۳۱۔ قیاس کا اصول "تعدیة الحکم من الاصل الیٰ الفرع لعلة متحدة" یعنی اصل سے فرع تک حکم کو پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو' یہ آپ ہی نے قائم کیا۔
۳۲۔ آپ نے سب سے پہلے فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔ (میراث میں عول یہ ہے کہ ایسی صورت پیش آجائے کہ حصوں کی تعداد بڑھ جائے جس کی وجہ سے وارثوں کے حصوں کی تعداد میں کمی کرنی پڑے)
۳۳۔ فجر کی اذان میں "الصلوٰة خیر من النوم" کا اضافہ کیا' جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ موذن سیدنا عمرؓ کو نماز فجر کی اطلاع دینے آیا تو دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں اس نے آپ کو سوتا دیکھ کر کہا: "الصلوٰة خیر من النوم" آپ کو یہ الفاظ بہت پسند آئے چنانچہ آپ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ یہ الفاظ اذانِ فجر میں شامل کر دے (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۲۳۴' مؤطا امام مالک جلد ا ص ۷۲) لیکن سیدنا عمرؓ سے اس روایت کی سند منقطع ہے۔ جبکہ ابو داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان الفاظ کی تعلیم دی۔
۳۴۔ سب سے پہلے باقاعدہ طور پر نماز تراویح جماعت سے آپ نے قائم کی۔
۳۵۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا اور تمام صحابہ کرامؓ نے اس پر اجماع کیا۔
۳۶۔ شراب کی حد کے لئے اسی (۸۰) کوڑے مقرر کئے۔

Marfat.com

۳۷۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ سب سے پہلے آپ نے مقرر کی۔

۳۸۔ بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۹۔ وقف کا طریقہ بھی پہلے آپ نے ایجاد کیا۔

۴۰۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ سے جنازہ کی تکبیرات کی متعدد صورتیں منقول تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے چاہا کہ ان سب میں یک جہتی پیدا فرمادیں کیونکہ آپ اختلاف کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے نماز جنازہ کی تکبیرات کے بارہ میں مشورہ کیا۔ کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں، کسی نے کہا چھ کہیں اور کسی نے بتایا کہ چار کہیں۔ سیدنا عمرؓ نے چار تکبیروں پر سب کو متفق کر لیا تاکہ طویل نماز سے مشابہت ہو جائے اور طویل نماز چار رکعت والی نماز ہے (سنن بیہقی جلد ۴ ص ۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۴۸، المغنی لابن قدامہ جلد ۲ ص ۵۱۴)۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ جب بھی نماز جنازہ پڑھتے تو چار تکبیرات کہتے۔ (الاعتبار ص ۱۲۴، المغنی جلد ۲ ص ۵۱۶)

۴۱۔ آپ ہی نے سب سے پہلے مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ ان کی اجازت سے سیدنا تمیم داریؓ نے وعظ کیا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

۴۲۔ آپ نے سب سے پہلے اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۴۳۔ مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام بھی سب سے پہلے آپ نے کیا۔

۴۴۔ ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا مقرر کی۔

۴۵۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے لوگوں کو منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عربوں میں مدتوں سے چلا آ رہا تھا۔

خانگی زندگی

ازواج

سیدنا عمرؓ کی خانگی زندگی کے بارہ میں کتابوں میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ آپ کو اپنی ازواج اور اولاد کے ساتھ کافی محبت تھی لیکن آپ اس محبت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے درمیان حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسلام سے قبل جیسا کہ کتابوں میں مرقوم ہے، عورتوں کو کوئی خاص اہمیت معاشرہ میں نہیں دی جاتی تھی۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ بھی جاہلیت میں کچھ زیادہ اہمیت عورتوں کو نہیں دیتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب قرآن حکیم نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ عورتیں بھی کوئی چیز ہیں، تاہم ہم ان کو اپنے معاملات میں بالکل دخل نہیں دینے دیتے تھے۔

اسلام اور جاہلیت میں آپ نے کئی نکاح کئے۔ پہلا نکاح آپ نے عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینب سے کیا۔ عثمان بن مظعونؓ کا اسلام لانے والوں میں چودھواں نمبر تھا۔ اپنے دونوں بھائیوں قدامہ بن مظعونؓ اور عبداللہ بن مظعونؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ معرکہ بدر میں شرکت فرمائی اور میدانِ جنگ سے واپس آکر بیمار ہوئے۔ آپ کے انصاری بھائی اور اس کے بیوی بچوں نے دلسوزی کے ساتھ تیمارداری کی، لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا۔ ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵۔۳۸۶، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸۸) جنازہ تیار ہوا تو سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لائے۔ آپ کو عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا اتنا شدید غم تھا کہ آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور اس قدر چشم پرنم ہوئے کہ اشک مبارک سے سیدنا

عثمانؓ کے رخسار تر ہو گئے۔ (طبقات جلد ۳ ص ۲۸۸) پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

"ابو السائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا ذرہ بھی اس سے ملوث نہ ہوا"۔

(اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۷)

رسول اللہ ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی تدفین کے لئے مقام بقیع کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ وہ پہلے صحابی ہیں جو اس گور غریباں میں دفن ہوئے (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸۹) قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا اور قبر کے سرے پر کوئی شے علامت کے طور پر نصب کرا کر فرمایا: "اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹۱)

ان عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینبؓ سے آپ کا مکہ میں نکاح ہوا۔ زینبؓ نے مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ سیدنا عبداللہؓ اور سیدہ حفصہ ام المؤمنینؓ انہی کے بطن سے تھیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں۔ یہ سیدہ ام سلمہ ام المؤمنینؓ کی بہن تھیں، لیکن یہ اسلام کی دولت سے محروم رہیں۔ اس لئے آپ نے اسے ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں۔ ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں اس وجہ سے ان کو ۶ھ میں آپ نے طلاق دے دی۔ عبیداللہ انہی کے بطن سے تھے۔

آپ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو انصار سے قرابت داری پیدا کی اور ۷ھ میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو شرکاء بدر میں سے تھے اور انصار میں ان کا گھرانہ ایک عزت دار گھرانہ سمجھا جاتا تھا، ان کی صاحبزادی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا پرانا نام عاصیہ تھا۔ ان کے اسلام لانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے جمیلہ رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے آپ نے طلاق دے دی۔ ان کے بطن سے عاصم بن عمرؓ پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی چھوٹے ہی تھے کہ سیدنا عمرؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ یہ سیدنا ابو بکرؓ کا عہد خلافت تھا اور سیدنا عمرؓ کی رہائش اب قباء سے مدینہ میں تھی۔ ایک روز آپ مدینہ سے قبا

Marfat.com

کی طرف جارہے تھے کہ عاصم کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کو پکڑ کر گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ جمیلہ کو پتہ چلا تو وہ مزاحم ہوئی کہ میں اس بچے کو آپ کے ساتھ نہیں جانے دوں گی۔ بلکہ اپنے پاس رکھوں گی۔ وہ سیدنا ابوبکرؓ کے پاس فریادی ہو کر آئیں۔ سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس لئے مجبوراً انہیں عاصم کو اس کی ماں کے حوالے کرنا پڑا۔ (مؤطاء امام مالک)

آخری عمر میں آپ کو خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ سے ان کی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ کا ہاتھ مانگا جس کو سیدنا علیؓ نے قبول فرمالیا اور ۱۷ھ میں چالیس ہزار درہم مہر پر نکاح ہوا جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں ذکر کی گئی ہے۔ ان سے زیدؓ اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔

ان بیویوں کے علاوہ سیدنا عمرؓ کی اور بھی بیویاں تھیں جیسے ام حکیم بنت الحارث بن ہشام مخزومی اور عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ سیدنا عمرؓ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے سیدنا ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ سے ہوا تھا۔ چونکہ نہایت خوب صورت تھیں اس لئے سیدنا عبداللہؓ انہیں بہت چاہتے تھے۔ سیدنا عبداللہؓ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہؓ نے ان کا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا۔ جس کا ایک شعر تھا۔

فالیت لا تنفك عینی حزینةً
علیك ولا ینفك جلدی اغبرا

یعنی (اے میرے شوہر!) میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تجھ پر غمناک رہے گی اور میرا جسم ہمیشہ خاک آلود رہے گا۔

روایت میں ہے کہ ۱۲ھ میں سیدنا عمرؓ نے عاتکہؓ سے نکاح کیا۔ اور تقریب نکاح اور ولیمہ میں اور لوگوں کے علاوہ سیدنا علیؓ کو بھی مدعو کیا۔ خورد ونوش سے فراغت کے بعد خوش طبعی کے طور پر سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ سے کہا کہ کیا عاتکہ سے بات کرنے کی اجازت ہے؟ سیدنا عمرؓ نے کہا: ہاں۔ سیدنا علیؓ نے پردہ کے پیچھے سے عاتکہ کو چند اشعار یاد دلائے جو اس نے اپنے سابق شوہر سیدنا عبداللہ بن ابی بکرؓ کی وفات پر کہے تھے۔ ان میں ایک شعر یہ تھا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ عاتکہ اس یاددہانی پر رونے لگیں۔ سیدنا عمرؓ نے یہ دیکھ کر سیدنا علیؓ سے کہا: "ابوالحسن! آپ اس کو غم ناک کر رہے ہیں۔ عورتیں تو اسی طرح کیا کرتی

ہیں"۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب نسب قریش مصعب زبیری جلد ۱۰ ص ۳۶۵' استیعاب لابن عبدالبر جلد ۴ ص ۳۵۵' اسد الغابہ لابن اثیر جلد ۵ ص ۴۹۸' تذکرہ عاتکہؓ بنت زیدؓ)

اولاد

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کے ہاں کثرت سے اولاد ہوئی۔ جن میں سے کچھ زیادہ مشہور ہوئے۔ ان میں سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا سب سے زیادہ ممتاز ہیں، کیونکہ وہ امہات المؤمنینؓ میں شامل تھیں۔ ان کا پہلا نکاح بنو سہم کے خنیس بن حذافہؓ سے ہوا۔ اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرتؓ فرمائی۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر میں آپ کے شوہر نے شرکت فرمائی' لیکن میدانِ جنگ میں کچھ ایسے کاری زخم کھائے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ چنانچہ انہی زخموں کی وجہ سے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

پھر دوسرا نکاح سرکارِ دوعالم ﷺ سے ہوا۔ (ملاحظہ ہو بخاری حدیث نمبر ۵۱۲۲' مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۲' جامع الاصول جلد ۱۱ ص ۴۰۸ وغیرہ)

زہری کی دوسری روایت کے مطابق آپ کا یہ نکاح ۳ھ میں ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۱' صفۃ الصفوۃ جلد ۲ ص ۳۸' فتح الباری جلد ۹ ص ۸۱' سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۲۷' وغیرہ)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی معاشرتی زندگی نہایت اچھی تھی' لیکن آخر سیدنا عمر بن خطابؓ کی صاحبزادی تھیں' اس وجہ سے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی۔ سیدہؓ نہایت فضل و کمال کی مالک تھیں۔ امام نوویؒ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ سیدہؓ سے ۶۰ احادیث نبوی مروی ہیں جو انہوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے سنی تھیں۔ (تہذیب جلد ۲ ص ۳۳۹' سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۲۰' زرقانی جلد ۳ ص ۳)

آپ کے خاندان کے سات آدمیوں نے جنگِ بدر میں شرکت کی (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۶۸۳) آپ کو علم سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے علاوہ روایات میں ان کی ایک صفت یہ بھی آئی ہے کہ صائم النہار اور قائم اللیل تھیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۴' مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۱۵' حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۵۰)

دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۸۵)

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ یہ سیدنا امیر معاویہؓ کی خلافت کا

Marfat.com

زمانہ تھا۔ چنانچہ گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دیر تک جنازہ کو کاندھا بھی دیا۔ اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے صاحبزادوں عاصمؓ، سالمؓ، عبداللہؓ اور حمزہؓ نے قبر میں اتارا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۹۶ 'طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۸۶)

آپ نے اگرچہ کوئی اولاد یادگار نہیں چھوڑی 'لیکن سیدہؓ کی معنوی اولاد بہت سی تھی، جیسے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، حمزہ بن عبداللہؓ، صفیہ بنت ابی عبیدہؓ (زوجہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ) حارثہ بن وہبؓ، ام بشر انصاریہؓ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہؓ وغیرہ۔

(سیدہؓ کے حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "امہات المؤمنینؓ" جو اس موضوع پر ایک نہایت مکمل اور شاندار کتاب ہے)

اولادِ ذکور

اولاد ذکور میں سب سے زیادہ مشہور اور نامور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ یہ جنگ احد میں جو ۳ھ میں ہوا چودہ برس کے تھے۔ اور سیدنا عمرؓ کے ایمان لانے کے وقت اس حساب سے ان کی عمر قریباً پانچ برس کی تھی۔ بدر اور احد دونوں میں شرکت کے لئے درخواست کی لیکن صغیر السن ہونے کی وجہ سے وہ درخواست قبول نہ ہوئی۔ اس لئے ان دونوں غزوات کے بعد ہر غزوہ میں شریک ہوئے۔ غزوہ خیبر میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو بعض خاص احکام حلال و حرام جاری فرمائے 'سیدنا عبداللہؓ ان کے راوی ہیں' (بخاری جلد ۲ ص ۶۰۶ 'باب غزوہ خیبر) غزوہ حنین، محاصرۂ طائف، غزوہ تبوک، حجۃ الوداع سب میں شرکت فرمائی اور ان مواقع پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو ارشادات فرمائے ان کو آپ نے روایت فرمایا۔

عہدِ فاروقی میں نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے۔ شام و مصر کی فتوحات میں بھی آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ کا آخری وقت جب قریب آیا تو انہیں اپنی بہن سیدہ حفصہؓ کی زبانی معلوم ہوا کہ سیدنا عمرؓ کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرما رہے۔ جس سے سیدنا عبداللہ کے خیال میں آئندہ کئی مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ آپ ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں جرأت کر کے

Marfat.com

چلا تو گیا لیکن مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں۔ جب میں آپ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو پہلے تو سیدنا عمرؓ لوگوں کے حالات مجھ سے پوچھتے رہے۔ پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میگوئیاں گوش گزار کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں فرما رہے۔ فرض کیجئے وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے' اگر وہ گلہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس سے چلا جائے تو گلہ کا کیا حشر ہوگا؟ انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ سیدنا عمرؓ نے بیٹے کے اس معقول استدلال کو پسند فرمایا' لیکن پھر کچھ سوچ کر فرمایا: "خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر میں کسی کو نامزد کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ سیدنا ابوبکرؓ نامزد کر گئے تھے"۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین نہ بنا کر جائیں گے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۰۸) چنانچہ یہ ہوا اور انہوں نے اپنی جانشینی کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کی چھ رکنی کمیٹی کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اگرچہ آپ کو قضا کا عہدہ پیش ہوا اور آپ کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ لیکن آپ نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور نہ ہی دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۸) سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں۔ ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ فرمایا: میں اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور فرمایا کہ جہاں تک میرے امکان میں ہے میں اپنے لئے ایک پچھنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا۔ لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ نے اس بارگراں کو نہ اٹھایا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے' لیکن آپ نے ان کی دھمکی کی بھی کوئی پروا نہ کی اور خلافت جیسے اعزاز سے جو اس وقت فتنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا' اپنے کو بچائے رکھا۔

(ابن سعد جلد ۴ ص ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم کی دائمی حاضر باشی اور سفر و حضر کی ہم رکابی اور سیدنا فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے قرآن، تفسیر، حدیث و فقہ اور دیگر تمام مذہبی علوم کا بحرِ بے پایاں بنا دیا تھا۔ اور آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں ہوتا تھا۔ جو علم و عمل کے

Marfat.com

مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ جلد اص ۳۵)

علم حدیث میں اپنی وسعت علم کے باوجود حد درجہ محتاط تھے۔ حدیث میں کمی بیشی سے بہت ڈرتے تھے (تذکرہ الحفاظ جلد اص ۳۴) اس وجہ سے حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے شاگرد مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمرؓ کا ساتھ ہوا۔ اس درمیان انہوں نے صرف ایک حدیث بیان فرمائی (بخاری جلد ا ص ۱۶) اس شدت احتیاط کی وجہ سے اکابر علماء اور محدثین کرامؒ آپ کی مرویات کو بہت زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شعبی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایات بہت درست ہوتی تھیں (مسند احمد جلد ۲ ص ۳۲)۔ مؤطاء امام مالکؒ جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت و وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے، زیادہ تر انہی کی روایات پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو ان سے ان کے خادم اور شاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالکؒ نے سنا ہے۔ کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں پندرہ برس رہے۔ پھر شیخین کا پورا زمانہ دیکھا۔ پھر نافع، ابن عمرؓ کی صحبت میں تیس برس رہے۔ پھر امام مالکؒ، نافعؒ کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے۔ اس لئے مالک عن نافع عن ابن عمر کا سلسلہ محدثین کے نزدیک "سلسلۃ الذہب" کہلاتا ہے۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔

حدیث کے بعد فقہ پر تشریع اسلامی کا مدار ہے۔ آپ تفقہ فی الدین میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے اور ساری عمر علم و افتاء میں گزاری۔ مدینہ کے ان سات صحابہ کرامؓ میں جن سے علم حدیث کی سب سے زیادہ روایات ہیں، ایک آپ بھی تھے (اعلام الموقعین جلد ا ص ۱۳) چنانچہ فقہ مالکی کا تمام تر دارومدار سیدنا ابن عمرؓ کے فتاویٰ پر ہے (مقدمہ مسویٰ شرح مؤطا امام مالک) لیکن وہ اپنے فتاویٰ اور اپنے اعمال میں سخت محتاط اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔ (استیعاب جلد اص ۳۸۰)

غرض کہ سیدنا عمر بن خطابؓ کے اس صاجزادے عبداللہؓ نے جو منبع علم و عمل تھے۔ ۷۴ھ میں وفات پائی۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے نماز جنازہ پڑھائی اور فتح مہاجرین کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

سیدنا عبداللہؓ کے صاجزادے سالم بھی علم و عمل کے مجمع البحرین تھے۔ ان کا شمار فقہائے سبعہ مدینہ میں ہوتا ہے جن پر حدیث و فقہ کا دارومدار تھا۔ اور جن کے فتاویٰ کے بغیر

Marfat.com

کوئی قاضی فیصلہ نہ کرتا تھا۔ سالمؒ کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔

۱۔	خارجہ بن زید	۲۔	عروہ بن زبیر
۳۔	سلیمان بن یسار	۴۔	عبید اللہ بن عبداللہ
۵۔	سعید بن المسیب	۶۔	قاسم بن محمد بن ابی بکر

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اسے "سلسلۃ الذھب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان میں ایک سلسلہ مالک عن نافع عن ابن عمر ہے اور دوسرا سلسلہ زہری عن سالم عن ابن عمر ہے۔ ان دونوں سلسلوں میں زہریؒ اور امام مالکؒ کے سوا باقی تمام لوگ سیدنا عمرؓ ہی کے خاندان کے ہیں۔ عبداللہؓ اور ان کے بیٹے سالمؒ اور غلام نافعؒ تھے۔ یہ اس خاندان کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

سیدنا عمرؓ کے ایک بیٹے عاصم تھے۔ یہ نہایت عالم و فاضل اور تقویٰ و طہارت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ۷۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

فليت المنايا كن خلفن عاصماً

فعشنا جميعاً أو ذهبن بنامعاً

یعنی کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ایک ساتھ زندگی گزارتے یا پھر ہم سب کو لے جاتی۔

(کتاب المعارف لابن قتیبہ الدینوری ص ۸۱)

سیدنا عاصمؓ خود بھی بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ علم و ادب کا ایک خاص ذوق اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرما رکھا تھا۔ نہایت بلند قامت اور جسیم و شحیم تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ان کے نواسے تھے۔

سیدنا عمرؓ کو اپنے بھائی زید بن خطابؓ سے بہت محبت تھی۔ سیدنا زیدؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ سیدنا عمرؓ سے بڑے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۳۸) سیدنا زیدؓ سیدنا عمرؓ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ مدینہ آئے۔ مدینہ آنے کے بعد جنگِ بدر، پھر احد میں شریک ہوئے۔ غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ میدانِ جنگ میں ننگے بدن آئے۔ سیدنا عمرؓ کو ان سے بہت محبت تھی انہوں نے گوارا نہ

کیا اور قسم دلا کر آپ نے اپنی زرہ پہنا دی۔ لیکن سیدنا زیدؓ کے لئے زرہ کی روک ایک عار تھی لہٰذا تھوڑی دیر پہن کر اتار دی۔ اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا۔ سیدنا عمرؓ نے زرہ اتارنے کا سبب پوچھا۔ فرمایا: تمہاری طرح مجھ کو جامِ شہادت پینے کی تمنا ہے احد کے بعد قریباً ہر غزوہ میں شریک ہوئے۔

عہد صدیقی میں فتنہ ردّہ کے فرو کرنے والے مجاہدین میں شریک ہوئے اور اسلامی فوج کی علم برداری کا منصب آپ کے سپرد ہوا۔ لیکن اس جنگ میں دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے (ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۷۷) سیدنا عمرؓ اپنے اس بھائی کی شہادت سے بہت غمزدہ ہوئے۔ اور جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زید کا تھا' اس کو اٹھایا اور صبر کیا (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲۷) آپ اکثر فرمایا کرتے تھے: کہ بادِ صبا سے زید کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۷) جب سیدنا زیدؓ کی شہادت کی دل خراش خبر ملی تو اس وقت بجائے نالہ و شیون کرنے کے صرف یہ فرمایا کہ میرا بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گیا۔ مجھ سے پہلے اسلام لایا اور مجھ سے پہلے جامِ شہادت پیا۔ (استیعاب جلد ا ص ۱۹۱)

اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی مالک بن نویرہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ متمم اپنے بھائی کا عاشق و شیفتہ تھا۔ بھائی کی موت نے اسے دیوانہ بنا دیا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا۔ اسی حالت جذب میں اس نے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بے قرار ہو جاتے۔ اتفاق سے اس کی سیدنا عمرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: "تجھ کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے؟" اس نے عرض کی: "ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار ہوئی ہے' آج تک اس کے آنسو نہیں تھمے"۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "یہ رنج و الم کی آخری حد ہے۔ کوئی جانے والے کا اتنا غم نہیں کرتا"۔ اس کے بعد فرمایا: "خدا زیدؓ کی مغفرت فرمائے۔ اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی اس کا مرثیہ کہتا۔ متمم نے کہا: "امیر المؤمنین! اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں کبھی اشک باری نہ کرتا"۔ سیدنا عمرؓ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی۔ فرمایا "اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی"۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷۵ استیعاب جلد ا ص ۱۹۱)

سیدنا زیدؓ کی ایک لڑکی اسماء تھی۔ آپ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔

(متدرک حاکم جلد ۳)

مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد آپ عوالی میں مقیم ہوئے جو مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہے' لیکن خلافت کے بعد وہاں کی سکونت چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان واقع ایک مکان میں سکونت اختیار کی۔ انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اس مکان کو فروخت کر کے ان کا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے اس مکان کو خرید لیا اور آپ کا قرض ادا کیا۔ یہ مکان مدت تک دار القضاۃ کے نام سے مشہور رہا۔ (خلاصۃ الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ ص ۱۲۹)

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا لیکن قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں آپؓ کو اور سیدنا ابو بکرؓ کو جاگیریں عطا فرمائیں۔ خیبر میں بھی آپؐ نے آپؓ کو ایک جاگیر عطا فرمائی' جس کا نام "ثمغ" تھا' لیکن آپ نے یہ دونوں جاگیریں بعد میں وقف کر دیں۔ بخاری میں ہے کہ مدینہ میں آپ نے کچھ عرصہ زراعت بھی کی۔

خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے ان کی اس قدر تنخواہ مقرر فرمادی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو دوسرے اکابر صحابہ کے ساتھ آپ کا بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا لیکن خلیفہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ صحابی ہونے کی وجہ سے۔

غذا نہایت سادہ تھی' معمولی روٹی اور روغن زیتون۔ روٹی اکثر ان چھنے گیہوں کے آٹے کی ہوتی تھی۔ قحط کے زمانہ میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ آپ کی اس سادہ غذا کو بعض دفعہ مہمانوں اور سفراء کو کھانے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔

لباس بھی غذا کی طرح نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیض پہنتے۔ سر پر کبھی کبھی برنس (ایک قسم کی ٹوپی) پہنتے تھے' لیکن اکثر عمامہ پہنتے تھے۔ جوتی بھی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگے ہوتے جن میں کچھ چمڑے کے ہوتے تھے۔ اکثر ایک جوڑا کپڑوں کا ہوتا۔ اسی کو دھو کر سوکھنے کے لئے ڈال دیتے۔ جب وہ سوکھ جاتا تو اسی کو پہن لیتے۔

حلیہ کچھ ایسا تھا۔ رنگ گندمی' سر چندلا' رخساروں پر کم گوشت' ڈاڑھی گھنی'

Marfat.com

مونچھیں بڑی بڑی' قد نہایت طویل یہاں تک کہ سینکڑوں آدمیوں میں لمبے معلوم ہوتے تھے۔ سر کے بال سامنے سے اڑے ہوئے۔

یہ تھا حلیہ اس خلیفہ اسلام کا جس کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے اور جس کا دبدبہ ہر دل پر دستک دیتا تھا۔ بڑے بڑے لوگ بارگاہِ خلافت میں آتے لیکن ہیبتِ فاروقی سے جسدِ بے جان کی طرح کھڑے رہتے۔

Marfat.com

سیرۃ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مؤلف: حکیم محمود احمد ظفر

تخلیقات

علی پلازہ، 3- مزنگ روڈ لاہور، فون: 7238014
Web Site: http://www.takhleeqat.com
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

Marfat.com